اور ڈرامے

اشفاق احمد





بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور ڈرامے

اشفاق احمد

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

۱۹۹۳

نیاز احمد نے
آر-آر پرنٹرز، لاہور سے چھپوا کر
سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور
سے شائع کی۔

تعداد —— ایک ہزار

قیمت -/۴۵۰ روپے

ISBN 969-35-0092-X

"اور ڈرامے....."

اور ڈرامے

بندر جاتی اور مامتا

کردار:

آپا جی : ہریالی بوا، نیک دل عورت جس نے ساری عمر اپنے بیٹے شمسو کی دیکھ بھال نہ کی اور لالہ رحیم کے خاندان کو پالا ۔

لالہ رحیم : بوڑھے آدمی۔ کوپن ہیگن کے تاجر۔ ان کے تین بیٹے ہیں، حیدر، سرور اور عامر جنہیں آپا جی نے پالا ہے ۔

حیدر : رحیم لالہ کا بڑا بیٹا۔ عمر چالیس کے لگ بھگ

عشرت : حیدر کی بیوی ۔ عمر پینتیس سال

عامر : حیدر کا چھوٹا بھائی۔ عمر تیس کے قریب

سرور : تیسرا بھائی۔ عمر چوبیس کے لگ بھگ

واصی : حیدر کا بیٹا۔ عمر تیرہ چودہ برس

عزا : واصی کی چھوٹی بہن

شمسو : آپا جی کا بیٹا

ثریا : خانساماں

سین ۱
ان ڈور
صبح

(آپا جی جس کا نام ہریالی ہے اور عمر ساٹھ کے لگ بھگ ہے بڑی طمطراق کی اُجلی عورت ہے۔ کانوں میں چاندی کی جھوٹی بالیاں ہیں ناک میں بڑا لونگ پڑا ہے۔ کاٹن کی کنّی والی ساڑھیاں پہنتی ہے اور گردن پیچھے جونڈا کس کر رکھتی ہے۔ آپا جی کا چہرہ، دیانت دار عورت کا چہرہ ہے۔ اس گھر میں اس کی چالیس برس سے حکمرانی ہے۔ وہ رحیم لالہ کے عہد میں ان کی بیگم کی خانسامن بن کر آئی تھیں لیکن پھر حیدر پیدا ہو گیا اور وہ اس کو پالنے میں اس قدر مصروف ہو گئی کہ آپا جی بن گئی۔ حیدر، عامر، سرور تینوں اس نے پالے ہیں اب وہ حیدر کے بچوں کی آیا ہے۔ واصی پر تھانیداری کرتی ہے اور گود کی بچی عزّا پر جان چھڑکتی ہے۔

اس وقت آپا نے عزّا کو گود میں لے رکھا ہے۔ اس کے ہاتھ میں چھڑی ہے اور وہ پلنگ کے قریب کھڑی ہیں۔ پلنگ کی دوسری جانب واصی کھڑا ہے جیسے وہ آپا جی سے ڈرتا بھی ہے اور بھاگ بھی جانا چاہتا ہے۔)

آپا : اے واصی چل سیدھی طرح غسلخانے میں سنتا ہے کہ نہیں ــــ نٹ کھٹ۔
واصی : آج میں نہیں نہاؤں گا آپا جی ــــ مجھے سردی لگ رہی ہے۔ بخار ہو جائے گا۔ آپ کو کیا پرواہ ہے۔
آپا : تیرا باپ بھی نہائے گا ــــ کانوں کے پیچھے دیکھا ہے کیا ہے۔
واصی : کیا ہے کانوں کے پیچھے؟

آپا : آم پاپڑ لگا ہے میل کا —— چل جب ہم نے بول دیا کہ تو نہائے گا تو نہانا پڑے گا۔ چل کر نہا بھیا رے۔

واصی : ابھی چار دن تو ہوئے نہایا تھا آپا جی —— عامر چچا بھی تو جُمعے کے جُمعے نہاتے ہیں۔

آپا : چار دن! اللہ مافی اللہ توبہ —— چار دن۔ جب تک ہمارا اختیار چلا —— کبھی ناغہ نہیں ہونے دیا۔ ایک دن آلو آئل کا مالش کرنا۔ ہیٹر کے سامنے۔ پھر گرم پانی جوڑتا ٹب میں اور روز غسل۔ روز غسل۔ آندھی جھکڑ طوفان، کبھی ناغہ نہیں کیا آپا جی نے چل رے بھیا رے۔ سیدھی طرح سب بچے ہمارے ہاتھوں میں دُھلے ہوئے پھول مافق رہے ہیں چل واصی۔

واصی : آپا جی میں کرکٹ کھیل کے نہاؤں گا۔ پروِمس۔

آپا : تیرا کوئی پرومس نہیں ہے چھلیے —— پرومس رحیم لالہ کا ہووے تھا۔ ایک بار مُنہ سے بات نکل جاتی تو بس ایسے .... جیسے —— ایسے جیسے.....

واصی : پتھر پر لکیر۔

آپا : اچھا باتیں مت بنا ستانے کو۔ اُتار جیکٹ جلدی۔

(بددلی سے واصی جیکٹ اُتارتا ہے۔)

آپا : گلے سے وہ لاکٹ اُتار۔ کھُدا جانے یہ لڑکیوں والے شوق کدھر سے لگ گئے تیرے کو۔

واصی : سرور چچا نے بھی تو لاکٹ پہنا ہُوا ہے۔

آپا : اچھا اچھا! ہم جس کا لاکٹ چاہیں اُتروا دیں۔ تو اُتار اور پلنگ پر رکھ۔ سیدھے سبھاؤ۔

واصی : میں اس کے ساتھ ہی نہاؤں گا آپا جی۔

آپا : لاکٹ گلے میں ڈال کر گردن کیسے ملے گا اُدت ۔ اُتار لاکٹ ۔ کہہ جو دیا ہم نے اُتار لاکٹ ۔ واصی رے سُن رہا ہے کہ نہیں ۔

(بددلی سے واصی لاکٹ اُتار کر سرہانے تلے رکھتا ہے ۔)

واصی : یہ قمیض بھی اُتار دوں اس جگہ ۔

آپا : دُکھ نہ دے رے واصی ۔ ٹھنڈ لگ جائے گی تیرے کو ـــــ چل چل ۔ چل ـــــ رُکتا نہیں بالکل چل ۔ کیا تُم بے بی لوگ خراب ہو گیا ذرا ڈسپلن نہیں رہا ۔ لالہ رحیم کہا کرتا تھا ـــــ آپا جی بچّوں کو ڈھیل مت دیو یہ بندر جاتی ہے بندر جاتی ۔

واصی : بندر جاتی کیا آپا جی ؟

آپا : بندر جاتی ہوتی ہے تیرے جیسے بندروں کی ۔ سیکھ واکو دیجئے جاکو سیکھ سہائے ۔ سیکھ نہ دیجئے باندرا جو بئے کا گھر جائے ۔

واصی : مطلب کیا ہوا آپا جی ؟

آپا : تجھ کو کیا لینا ہے مطلب سے ۔ سیدھی طراں چل غسلخانے میں ۔ آپا جی نے بول دیا نہانا ہے ، تو نہانا ہے ۔ چلو ، تمہیں تو آپا جی اور طراں کو سمجھانے کا بھی ڈھنگ جانتے ۔ چل ۔

(واصی بد دلی سے غسل خانے میں جاتا ہے آپا پلنگ پر عزّا کو بٹھا کر پیچھے جاتی ہے ۔)

کٹ ـــــــــ

سین ۲
ان ڈور
صبح

(اب آیا جی چھڑی لے کر غسلخانے میں آتی ہے۔ یہاں واصی قمیض اُتار رہا ہے۔
آیا جی اپنی بات منوا لینے کے بعد بہت خوش ہے۔ بولتی ہوئی داخل ہوتی ہے)

آیا : ہمارا تو راجہ بیٹا واصی ہے۔ ہر بات ماننے والا۔ یہ عامر سرور تو کبھی کہنا مانتے نہیں۔ واصی بیٹا تو جُگ جُگ جیے۔ (واصی کو قمیض اُتارتے دیکھ کر) ہیں ہیں واصی رے قمیض نہیں اُتارنا۔ ٹھنڈ لگ جائے گی۔ پہلے شاور کھولنے دے شاباش۔ پہلے ٹب بھرے گا۔ پھر راجہ بھیا نہائے گا۔ دھولے باسن بیچ۔

واصی : (دکھی ہو کر) لگنے دیں ٹھنڈ آیا جی۔

(آیا مُڑتی ہے اور شاور کھولتی ہے پھر ٹوتھ برش اُٹھاتی ہے۔)

آیا : (شاور کی آواز میں گاتے ہوئے) بہت پیسار امت کرو کر تھوڑے کی آس۔
بہت پیسار اجن کیا وَے بھی گئے اُداس۔

(واصی جب دیکھتا ہے کہ آیا جی کی اس کی طرف پشت ہے تو غسلخانے سے
بھاگتا ہے اب اس کے تن پر صرف بنیان ہے اور نیچے نائیٹ سوٹ کا پاجامہ۔
اب آیا مڑ کر دیکھتی ہے۔)

آیا : واصی ! ــــ رے بھاگ گیا نٹ کھٹ (قمیض اُٹھاتی ہے) واصی....
واصی ٹھنڈ لگ جائے گی بندر ــــ قمیض کاہے کو اُتار گیا ہے بھیا۔ دیکھ تو سردی کتنی ہے۔ کون سمجھائے ان بھولا لوگ کو۔ کہ آیا اب بُڈھی ہو گوارے۔
دوانی ! اے واصی رے۔

(جلدی سے چھڑی اور قمیض لے کر باہر جاتی ہے۔)

_______ کٹ

سین ۳
آؤٹ ڈور
کچھ دیر بعد

(لان ۔ آگے آگے واصی پیچھے پیچھے ہانپتی کانپتی آپا۔ آپاجی کے ہاتھ میں قمیض ہے ۔ واصی اب شرارت کے موڈ میں ہے ۔جب آپا زیادہ دُور رہ جاتی ہے تو کھڑا ہو جاتا ہے ۔ آپا کا سانس پھُولا ہوا ہے ایک ہاتھ میں چھڑی ہے۔)

آپا : اچھا تو یہ قمیض پہن کر بھاگ ۔قمیض تو لے لے ہٹ دھرمی مجھ سے ۔سردی لگ جائے گی پتہ نہیں کیا سُوا چبھوتا ہے ڈاکٹر بشارت ۔پکڑ تو واصی رے آڈر --- آڈر --- ہم اُلٹا لٹکا دے گا تجھے ۔بس تُو قمیض پہن لے ایک بار۔ نہیں نہاتا تو مت نہا۔

(اس وقت پھاٹک سے دو موٹر سائیکل آتے ہیں ۔ایک پر عامر اور دوسرے پر سرور سوار ہے ۔ دونوں کچھ آگے بڑھ کر موٹر سائیکل روکتے ہیں ۔آپاجی اب واصی کے پیچھے چھڑی لے کر بھاگتی ہے ۔ عامر اور سرور دونوں سائیکلوں پر سے اُترتے ہیں ۔ باڑھ پر سے چھلانگ لگا کر لان میں آتے ہیں اور آپاجی کے سامنے رُک کر دونوں قوالی کرنے لگتے ہیں ۔ آپا ان سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہے ۔لیکن وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر آپاجی کے سامنے دیوار کی طرح

کھڑے ہوتے ہیں اور گاتے رہتے ہیں اور آپا بولتی جاتی ہے۔)

عامر : آپاجی۔آپاجی۔آپاجی ـــــ آپاجی۔آپاجی۔آپاجی۔

سرور : دل کو کیسے بھرماباجی۔آپاجی۔آپ نے جو فرمایا آپاجی۔آپاجی۔جاپاجی۔آپاجی۔

آپا : رے عامر بھیا۔رے سرور۔ہم کو نہیں بھاوے یہ مسخری۔بھیا لڑکے کو سردی لگ جاوے گی۔اس کے تن پر کچھ نہیں ہے رُک ـــ سرور ـــ واصی نے کچھ نہیں پہنا ہوا تن پر۔

عامر : اچھا اب کیا ہُوا؟ لیٹسٹ نیوز کیا ہے آپاجی؟

آپا : (اردگرد دیکھ کر) بھاگ گیا نا۔اور یہ تم دونو کا کام ہے۔جو آپاجی میں جور ہوتا تو ایک ایک کلّے پر مارتی ـــــ ہٹ پیچھے عامر ـــ دفع ہو میرے کنے سے۔

سرور : اب کیا کیا ہے واصی نے؟

آپا : چار دن سے غسل نہیں کیا۔چار دن سے ہم ٹب میں پانی بھرے ہیں۔پڑا پڑا ٹھنڈا ہو جاوے ہے۔نہیں نہاوے۔

سرور : لیجیئے بھیا آپ کی تو سٹوری بن گئی۔

(عامر جیب سے نوٹ بُک نکال کر لکھتا ہے۔)

عامر : (بول کر) ملک بھر میں تشویش کا اظہار۔واصف رحیم کا غسل سے انکار۔آج ملک کی عزت مآب آپا ہریالی بیگم سے ملاقات پر اس بات کا انکشاف ہوا کہ حیدر رحیم صاحب کے بنگلے پر ایک اور انوکھی واردات پیش آئی ہے۔فوٹو کھینچو فوٹو۔تصویر کے بغیر سٹوری نہیں بنتی ـــ ہیر۔

(اپنے گلے سے کیمرہ اُتار کر سرور کو دیتا ہے۔)

سرور : ہلنا نہیں آپاجی فوٹو۔

آپا : کیا کر رہا ہے بھیا رے۔تیرے کو کب عقل آئے گی سرور۔واصی کو ٹھنڈ

لگ جائے گی۔ بھیّا رے جانے دے۔

عامر : خاموش آیا جی خاموش۔ چھڑی اُوپر کریں۔

(آیا کان کی بالیاں اور ناک کا کیل درست کرتی ہے۔)

عامر : یس۔ شاباش۔ تھینک یُو۔

(آیا چھڑی اُوپر کرتی ہے دونوں لڑکے دوبارہ گاتے ہیں آیا جی آیا جی آیا جی۔ سرور تصویر کھینچتا ہے۔ چند ثانیے کے لیے ٹی وی پر آیا جی کی سٹل آتی ہے اس پر ٹیلپ آتے ہیں۔)

کٹ ————

سین ۴

ان ڈور

رات

(رات کے نو بجے ہیں۔ سارا خاندان حیدر بھائی کے کمرے میں بیٹھا ہے مالٹے کھائے جا رہے ہیں کچھ چھیل چھیل کر اور کچھ کاٹ کاٹ کر پلنگ پر پھسکڑا مار کر عشرت بیٹھی ہے اور اس کی گود میں ٹرے ہے جس میں مالٹے اور نمک دانی اور پلیٹیں ہیں۔ واصی اپنی امّی کے پاس چوہا سا بنا کمبل سر پر ڈالے بیٹھا ہے اور مالٹے کھانے میں شریک نہیں۔ سرور جین جیکٹ میں ہے اور سیٹی پر آڑے رُخ بیٹھا ہے۔ عامر عوامی سوٹ شلوار قمیض میں ہے اور بھائی کے ساتھ بیٹھا ہے۔ حیدر صاحب تھری پیس سوٹ میں تھے لیکن کوٹ انھوں نے اُتار

دیا ہے۔ اس وقت ٹائی اُتار رہے ہیں۔ آدھے ڈریسنگ رُوم میں ہیں، آدھے لونگ روم میں دکھائے دے رہے ہیں۔ جب سین کھُلتا ہے تو عامر واصی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہا ہے۔)

عامر : کسی نے بچھو سے پوچھا بھائی تو جاڑے میں باہر کیوں نہیں نکلتا۔ کہنے لگا.....

واصی : (جھلا کر اور ہاتھ ہٹا کر) مجھے پتہ ہے۔ پتہ ہے مجھ کو۔

عامر : سُنو تو سہی یار۔ تم تو ناراض ہوتے ہو۔

عشرت : حیدر آیئے نا۔

حیدر : (ڈریسنگ رُوم میں) آرہا ہوں عشرت۔ آرہا ہوں۔

عشرت : کیا کر رہے ہیں وہاں ؟

حیدر : (تنک کر) میں کچھ بھی کر رہا ہوں عشرت۔ آرہا ہوں — حاضر ہو رہا ہوں۔

واصی : دیکھئے امّی عامر چچا تنگ کر رہے ہیں۔

عشرت : نہ بھئی عامر۔

عامر : اچھا بچو۔ دیکھیں گے کون لا کر دیتا ہے تمہیں چیونگ گم۔

حیدر : (داخل ہو کر) یار اس کو نہ دیا کرو چیونگ گم۔ سارے دانت خراب ہو گئے ہیں اس کے۔ (دوسری سیٹی پر بیٹھ کر) کیا حکم ہے جناب کا۔

عشرت : حکم کیا ہونا ہے مالٹے کھائیے۔

(کٹے ہوئے مالٹے کی پلیٹ آگے بڑھاتی ہے وہ ایک ٹکڑا لیتا ہے۔)

عشرت : ساری پلیٹ لیجئے نا۔

حیدر : رکھئے رکھئے۔ لیتے ہیں۔

سرور : یہ ریڈ بلڈ مالٹا ہوتا ہے عامر یا بلڈ ریڈ ؟

عشرت : بلڈ ریڈ کیا ہوا —— ریڈ بلڈ ہی کہتے ہیں۔

عامر : یہ گرامر کی بات ہے بھائی جان، آپ لوگوں کا محکمہ نہیں آپ اسے ریڈ بلڈ ہی کہتے رہیئے۔ (پھر واصی کی طرف) کسی نے بچھو سے پوچھا تو جاڑے میں باہر کیوں نہیں نکلتا۔

واصی : دیکھیے ابّو، عامر چچا مجھے چھیڑ رہے ہیں۔

(عامر اسے انگلیاں چلا کر چھیڑے جاتا ہے۔)

حیدر : تو تم نہ چھیڑو۔

واصی : (منمنا کر) یہ مجھے چھیڑتے ہیں تو چھیڑتا ہوں۔ کوئی ایسے تھوڑی چھیڑتا ہوں۔

عشرت : تم تو ذرا ذرا سی باتوں پر چڑنے لگے ہو گنوار بچّوں کی طرح۔

واصی : میں ڈنڈی کاٹوں گا اس دن کی طرح!

عشرت : میں تھپیڑ بھی دوں گی ایک!

عامر : نہیں بھابی یہ آپ بیچ میں کیا تھانیداری شروع کر دیتی ہیں ہمارا آپس کا کھیل ہے۔

سرور : میں تو اچھا ہوں نا واصی —— بیبا چچا۔

واصی : آپ بھی کبھی کبھی بہت تنگ کرتے ہیں۔

حیدر : (ہنس کر) تمہارے بھی نمبر کٹ گئے سرور —— وہ ڈرافٹ بنک بھجوا دیا تھا عشرت؟

عشرت : کون سا ڈرافٹ جی؟

حیدر : ڈیڈی جی کا ڈرافٹ اور کون سا!

عشرت : آپ نے دیا تھا مجھے؟

حیدر : صبح میں کیا عرض کر کے گیا تھا۔

عشرت : سوری حیدر مجھے یاد نہیں رہا بالکل۔ آپ اپنے کام خود کر لیا کریں۔ پلیز۔

سرور : آپ مجھے دے دیجئے گا میں کیمپس جاتے ہوئے جمع کرا دوں گا۔

(اتنے میں آپا ہاتھ میں ایئر لیٹر لئے داخل ہوتی ہے۔)

آپا : اے بھیا۔ اے حیدر! مجھے خط تو لکھ دے بیٹا۔

سرور : آگئی آپا جی کی ہفت روزہ ڈاک۔

آپا : اے حیدر!

حیدر : میں تھکا ہارا لَوٹا ہوں آپا جی۔ مارا کُوٹا سارے دن کا چمڑا منڈی سے کل لکھ دیں گے صبح سویرے۔

آپا : نہ بھیا رے ہم کو تو اسی وقت لکھی دیئو۔

سرور : آپ کو پوسٹ تو کل ہی کرنا ہے نا آپا جی۔

آپا : کل میرے ہاتھ کون آوے گا۔ سویرے سبھی نکل جاتے ہیں اپنے اپنے کام کو۔ میری خاطر کون رُکے گا۔

عشرت : سرور لکھ دیتا ہے آپا۔ چلو سرور۔

(عامر واصی سے اُنگلی پکڑنا کھیل رہا ہے۔)

سرور : مجھے تو ابھی اپنی اسائن منٹ لکھنی ہے بھابی —— میرے پاس وقت کہاں!

آپا : تیرے پاس تو جرا بھی وقت نہیں — آپا جی کے لیے۔ یہی مونڈی کاٹی لکھنی ہوتی ہے ہماری سوت۔ جب پُوچھو سن منٹی جب پُوچھو سن منٹی — لکھی نہ جاوے سال بھر سے۔

حیدر : کل کونسی دُور ہے آپا جی۔ میں خود لکھ کر جاؤں گا تمہارا خط، منڈی جانے سے پہلے۔

آپا : اے بھیا! صبح جو تیری حالت ہووے وہ چھپی تو ناہیں کسی سے۔ تُو مجھے ابھی

دو لکیریں ڈال دے۔

حیدر : عشرت۔اُٹھو۔تم لکھ کے دو آپا جی کا خط۔

آپا : نہ رے بھیا۔اس سے نہیں لکھوائیں گے ہم ہو جی سے۔یہ تو کچھ کا کچھ بنا دیوے بات کا۔

عشرت : (خوش ہو کر مسکراتے ہوئے) نہ بھئی ہم سے تو ہمیشہ غلطی ہو جاتی ہے۔

حیدر : اس وقت تو میں بہت تھکا ہوا ہوں آپا جی۔لیکن اس بات کا پکا وعدہ۔۔۔

آپا : (تحکمانہ لہجے میں) اے عامر!

عامر : (چونک کر) جی آپا جی!

آپا : اُٹھ چل۔خط لکھ کے دے میرا۔بیٹھا دل لگی کر رہا ہے چھوٹے سے۔

عامر : صبح لکھ دوں گا آپا جی۔ڈبل کالم سنگل سپیس۔

آپا : اُٹھیے گا کہ لے جاؤں پکڑ کر اسی کان سے۔

حیدر : بالکل ٹھیک۔شاباش آپا۔ویری گڈ۔

آپا : سارے جہان کی خبریں چھاپ چھاپ کے دو دو بجے رات گھر آوے۔اور میرے دو حرف نہ لکھے جائیں تیرے سے۔چل سیدھا ہوئے کے۔

عامر : (اُٹھتے ہوئے) حاضر سائیں۔حاضر۔آیئے تشریف لایئے۔

(آپا کے ہاتھ سے ائرلیٹر لیتا ہے، دروازے کی طرف چلتا ہے اور آپا جی اس کے پیچھے چل دیتی ہے۔دونوں ایک گیلری میں سے ہو کر ایک نفیس سے کمرے میں داخل ہوتے ہیں جس کی دیواروں پر صحافت کی مناسبت سے پوسٹر اور کیلنڈر وغیرہ لگے ہیں۔میز پر قرینے سے ڈکشنریاں اور تھسارس لگے ہیں۔ایک کونے میں پورٹیبل ٹائپ رائیٹر رکھا ہے۔عامر جا کر اپنی کرسی میں بیٹھتا ہے اور آپا جی اس کے پلنگ کی پٹی پر بیٹھتی ہے۔)

عامر : (ائرلیٹر کو تہہ کرتے ہوئے) ہاں جی آپ فرمادیں ایک ساتھ کہ کیا کچھ لکھنا ہے ڈیڈی جان کو۔

آپا : پہلے پتہ تو لکھ لو، ہیگن کو پن کا۔

عامر : (ٹائپ رائیٹر سے کیس اُتارتے ہوئے) وہ میں سب کرلوں گا آپ مجھے بتادیں ایک سانس میں کہ لکھنا کیا ہے ان کو۔ (پتہ ٹائپ کرتا ہے۔)

آپا : ایک تو اس کو لکھ دیو لالہ کو کہ سب خیر خیریت ہے۔ چھوٹے بڑے راضی خوشی ہیں۔ شمسو نے دری کا اڈا لگا لیا ہے۔ اور اب دریاں بنا کر بیچنے لگا ہے۔ کاروبار اس کا چل نکلا ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔ پانچ چھ ہزار اکٹھے ہو جائیں گے تو تولیہ بنانے کی کھڈی لگائے گا۔ گاہک بیوپاری خود ہی آکر لے جایا کریں گے گاؤں سے۔ بہو کو خانساماں کی بہت تنگی ہے۔ اچھا آدمی ملتا نہیں۔ میرے کو درد وں کی دوائی بہت مافق بیٹھی ہے۔ پر آنکھ کی روشنائی میں فرق نہیں پڑا۔ دُھندلا دُھندلا دِکھے ہے۔ تم نے لکھا تھا دو سال بعد آؤں گا۔ پر اب تو تین مہینے اُوپر دو سال ہو گئے ہیں۔

(اتنے میں دروازے پر واصی نمودار ہوتا ہے۔ اس نے بڑا کمبل لے رکھا ہے اور سارے کا سارا زمین پر گھسٹ رہا ہے۔ وہ منمنا کر کہتا ہے:)

واصی : اب چلو نا آپا جی۔ مجھے ڈر لگتا ہے —

آپا : آگئی آگئی — تم چلو۔ لیٹو چل کے شاباش — گرم کرو بستر آپا جی کے لیے۔

واصی : مجھے ڈر لگتا ہے نا۔

آپا : تو آجا میرے پاس۔ بیٹھ جا ادھر آ کے — شاباش۔

(واصی اسی طرح اندر آتا ہے تو آپا اس کو ساتھ بٹھا کر اور لپیٹ کر اپنا بازو اس کے گرد حائل کر کے کہتی ہے:)

آپا : یہ بھی لکھ دیجو کہ قریشیوں نے قبضہ نہیں دیا سمسو کو اس کی زمین کا۔ تین بار پنچایت بیٹھ کر اُٹھ چکی ہے۔ پر وہ لوگ نہیں مانتے۔ وعدہ کر لیتے ہیں، پورا نہیں کرتے۔

واصی : چلو نا!

آپا : بس ابھی چلتے ہیں ایک منٹ میں۔

عامر : اس کے علاوہ ـــ اور کچھ!

آپا : بس۔ اور کچھ نہیں۔ میرے لیے یا تو دانتوں کی دوائی بھجوا دے کسی کے ہاتھ...

عامر : یا خود لیتا آئے۔

آپا : ہاں۔ شاباش۔

عامر : تم سے ڈرتے ہیں ڈیڈی جان۔ آپا جی۔

آپا : ڈرے گا کیسے نہیں۔ چھوٹے بھائی کی طرح رہا ساری عمر۔

واصی : اب چلیں نا آپا جی۔

آپا : چلو۔ چلو بس ایک منٹ۔

عامر : آپ چلیں اپنے کمرے میں آپا جی میں خط لکھ کر وہیں لاتا ہوں۔

آپا : اچھا۔

(اُٹھ کر کھڑی ہوتی ہے ساتھ ہی لپٹا لپٹایا واصی۔ عامر شرارت سے اس کی طرف دیکھتا ہے اور کہتا ہے۔)

عامر : کسی نے بجّو سے پوچھا تو جاڑے میں باہر کیوں نہیں نکلتا۔

ـــــــــــ فیڈ آؤٹ

سین ۵
ان ڈور
دن کا وقت

(بہت فیشن ایبل خوبصورت باورچی خانہ۔ اس وقت آیا میز پر پیاز رکھے خانساماں کی طرح پیاز کاٹ رہی ہے اس کی آنکھ سے پیاز کی وجہ سے کچھ آنسو نکل رہے ہیں کچھ فاصلے پر عزّا بچوں کی ڈائننگ چیئر میں بیٹھی ہے اس کی کرسی کے سامنے پھل اور کھلونے پڑے ہیں آیا جیسے عزّا کا دل بہلانے کے لیے آہستہ آہستہ گا رہی ہے۔)

آیا : عزّا — عزّا بی بات کرو بیٹا۔ بہت پیارا مت کرو۔ کر تھوڑے کی آس۔
بہت پیارا جن کیا وے بھی گئے اُداس۔

(اس وقت عشرت جہاں بہت سی سبزی ٹرے میں لگائے آتی ہے۔)

عشرت : ہائے آیا جی آپ رہنے دیں سب کچھ ہو جائے گا۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔

آیا : اکیلے کیسے ہووے گا بہو جی۔ ایک ایک دو گیارہ۔ ایک ہاتھ بھلا کہ دو؟

عشرت : رہنے دیں آیا جی پلیز آپ کا اپنا ہی اتنا کام ہے۔

آیا : زادہ کام تو نبڑ گیا بہو جی، اس کا عزّا کا باتھ رہ گیا ہے اور اندر کی کچھ صفائی ہے۔ استری کا کام تو ہم نے فجر کے بعد ہی نپٹا لیا تھا۔

عشرت : حیدر ناراض ہوں گے آپ رہنے دیں۔

(مٹر نکالنے میں مشغول ہوتی ہے۔)

آیا : (ہنس کر) اس حیدر بھیّا جنے کیا بَیر ہے باورچی خانے سنگ جب بڑے لالہ رحیم کے پاس ہم آئے تا بہو جی، تب ہم آیا جی نہیں تھے۔ بیگم صاحب

کو تب بھی کمر درد ہووے تھا بس ان کو دابنا —— ان کی سیوا کرنا۔ لو پھر بہو جی تمہارے کیا بولیں انگریجی میں گھر والے کو۔

عشرت : ہزبینڈ

آپا : ہاں تو یہ تمہارے ہزبینڈ حیدر پیدا ہوا ہم بھی تا جا تا جا بچھڑے تھے اپنے سمسو سے۔ ہم نے تو من لگا لیا حیدر سے۔ ایسا چونچال ایسا چونچال بڑی بیگم کی گود سے لپک لپک کر ہمارے گنے آئے۔ اس حیدر نے ہم کو آپا جی بنا دیا، آپ کے ہزبینڈ نے۔

عشرت : حیدر رہیں ہی ایسے آپا جی۔ جو چاہیں کر سکتے ہیں جب چاہیں بگڑ سکتے ہیں۔

آپا : ایسے ہی دن تھے۔ بڑی بیگم کو تب بھی گردے کا درد تھا خانساماں چلا گیا۔ اب ہم کو دکھ آئے تو ہم حیدر کو لئے آئیں باورچی خانے میں بیگم صاحب کو دیکھا نہ جاوے کام کرتے ہوئے —— پر بہو جی یہ حیدر بھیا بڑا حیدی بڑا بلوان بڑا نٹ کھٹ۔ ہم پیاز کاٹیں تو یہ روئے جائے، ہائے آپا جی پیاز مت کاٹو ہمیں بُو آتی ہے۔ ہم گوشت دھوویں تو لڑے۔ آپا ہم تم کو مار دے گا جان سے تم گوشت کو کیوں ہاتھ لگایا۔ روتا رہوے اور کچھ نہ کھاوے۔ تو لالہ رحیم بولے۔ بھائی ہوٹل سے کھانا منگواؤ آپا جی کو مت لے جاؤ باورچی خانے میں۔ اس بیدر جاتی کی بات ماننی ہی پڑے بہو جی۔

عشرت : یہی تو میں کہتی ہوں آپا جی عزّا کو بُو آئے گی پیاز کی آپ سے۔ آپ رہنے دیا۔

آپا : عزّا تو گائے ہے بہو جی گائے۔ عزّا تو بھات اور دال کا فرق نہ جانے۔ اس کو کیا بُو آئے گی!

عشرت : آپا جی گگر کب سے ہے چولھے پر؟

آپا : اب تو اُتارنے کا وقت بھی ہو گیا ہو گا بہو جی جب ہم اسی گھر میں آئے

تب اکیلی بیبی کوٹھی تھی ہماری جس میں کو کر تھا۔ سمسو کا ابا مرے چھ مہینے ہوئے تھے۔ ادھر اس باورچی خانے میں رحیم لالہ اور بیگم صاحب بیٹھے کافی پی رہے تھے ہم آئے۔ نیا نیا بیاہ ہوا تھا رحیم لالہ کا۔ اب ہمارے لیے نیا گھر ___ نئی بولی۔ ہمارے تو آنسو نہ رکیں بہو جی۔ ہاتھ جوڑے کھڑے ہم دروازے میں اور روئے جائیں روئے جائیں تب ہم کو رحیم لالہ نے کہا ہریالی ادھر دیکھو چولھے پر کیا دھرا ہے۔ ہم جو نظر کیا تو بھک بھک گیس نکل رہی تھی لگر سے۔ بہو جی ہم تو ایسے ڈرے رونا بھول گئے سارا۔

(فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ عشرت جاتی ہے۔ عشرت کے ساتھ ہی کیمرہ اس کو فولو کرتا ہے۔ وہ باورچی خانے کے دروازے کے باہر فون کرتی ہے، اس طرح کہ اندر آیا جی اور عزا نظر آتے رہتے ہیں۔)

عشرت: ہیلو ___ جی ___ جی حیدر ___ نہیں مجھے تو کوئی تکلیف نہیں (ہنستے ہوئے) نہیں حیدر آیا جی تو مجھے تو کچھ بھی کرنے نہیں دیتیں پر عزا کام نہیں کرنے دیتی ان کو ___ ہاں؟ اسے بھی بُو آتی ہے آپ کی طرح (وقفہ) اچھا ___ اچھا ___ یہ تو بہت اچھا ہے۔ بیکنگ کر لیتا ہے؟ اچھا؟ ___ آپ ملے ہیں؟ (وقفہ) نہیں تو آپ ایسا کریں نا کار میں اسے بھجوا دیں۔ ڈرائیور کے ساتھ۔ میں خود انٹرویو کر لوں گی ___ تھینک یو حیدر۔ تھینک یو ___ خدا حافظ۔

کٹ ___

سین ٦
اِن ڈور
شام

(گلیز برآمدے کے ایک حصّے میں صوفے پر عشرت بیٹھی ہے اور اس کے قریب ہی کارپٹ پر آیا جی بیٹھی مٹروں میں سے دانے نکال رہی ہیں۔ اس وقت عشرت اپنے پاؤں کے ناخنوں پر کیوٹیکس لگا رہی ہے۔ خاموش سین ہے۔ دونوں اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ دیوار کا کلاک شام کے پانچ بجاتا ہے۔ عشرت لحہ بھر کو نظریں اُٹھا کر اس کی طرف دیکھتی ہے اور پھر پالش لگانے میں مصروف ہو جاتی ہے۔ باہر کی گھنٹی بجتی ہے آیا اپنا سامان مٹر ایک طرف کر کے جاتی ہے اور تھوڑی دیر تک غائب رہتی ہے۔ پھر آف کیمرہ اس کی آواز آتی ہے۔)

آیا : آجا آجا بھیا رے۔ اس اور آجا میرے گیل۔ (کیمرہ میں) آجا آجا شاباش ہے۔

عشرت : کون ہے آیا؟

آیا : خانساماں بھیجا ہے صاحب نے۔ رقعہ دے کے۔ آجا بھائی آجا۔ تیرا بھلا ہو جائے آجا۔

سریا : السّلام علیکم میم۔

عشرت : وعلیکم السّلام۔

سریا : یہ رقعہ دیا ہے سر حیدر صاحب نے۔

عشرت : (رقعہ لے کر پڑھتی ہے اور پوچھتی ہے) پہلے کہاں کام کرتے رہے ہو؟

سریا : بہت سے گھروں میں کام کیا ہے صاحب۔ ہوٹلوں میں بھی کیا ہے۔ ریستورانوں میں۔ پرائیویٹ بنگلوں میں بھی۔

عشرت : کیا نام ہے تمہارا؟
سریا : سریا، بیگم صاحب۔
عشرت : کیا؟
سریا : سریا سر۔
عشرت : سریا تو وہ ہوتا ہے جو بلڈنگوں میں ڈالتے ہیں۔
سریا : ماں باپ نے شروع سے یہی نام رکھا ہے سر۔
عشرت : پڑھ لکھ لیتے ہو؟
سریا : انگلش کے ساتھ مڈل کیا ہے سر۔ لکھ پڑھ سکتے ہیں اچھی طرح سے۔
آپا : کہاں کے ہو بیٹا؟
سریا : ہمارے ماں باپ تو ادھر کے ہی تھے سر لیکن ہم نیو کاسل میں پیدا ہوا تھا۔ ہمارے فادر خلاصی تھے مرچنٹ نیوی میں۔
عشرت : اور تم نے خانساماں گیری شروع کر دی!
سریا : کیا کریں سر۔ پیٹ کا دھندا تو کرنا ہی پڑتا ہے۔
آپا : وہ تو کرنا ہی پڑے گا بھتیارے۔ جب تک سانس کی ڈوری بندھی ہے، کوئی نہ کوئی دھندا تو کرنا ہی ہوے گا۔ پر تم رہتے کہاں ہو؟
سریا : خانیوال کے پاس ہے ہمارا گاؤں۔ ڈھیم سلاری۔
عشرت : شناختی کارڈ ہے تمہارے پاس؟
سریا : اس وقت تو نہیں ہے سر۔ لیکن ہم پیش کر دیں گے، جب آپ حکم دیں گے۔
عشرت : دیکھو بھئی ہم کو ضرورت تو ہے خانسامے کی لیکن ابھی ہم نے سوچا نہیں ٹھیک طرح سے۔ اور پھر ہم جانتے بھی نہیں تم کو اچھی طرح سے۔

آپا : اے بھو جی رکھ لو رکھ لو — اچھا ہے شکل وصورت سے بھولا بھالا سا۔
بھیر صاحب کا رقعہ لے کر آیا ہے، رکھ لو۔

عشرت : لیکن آپا جی کچھ پتہ بھی تو چلنا چاہیئے کہ آخر کون ہے۔ کہاں سے آیا ہے
اور اس کے ساتھ —

آپا : بھو جی —— ذات نہ پُوچھو سادھو کی پوچھ لیجے گیان
کام پڑے تلوار سے پڑا رہن دے میان
بیٹھ جا بھیّا رے —— بیٹھ جا۔

عشرت : شام کو حیدر صاحب آئیں گے تو وہی بتا سکیں گے کچھ۔

سریا : انہوں نے ہی تو بھیجا ہے سر۔

عشرت : لیکن بھئی میں ان سے پُوچھے بغیر کس طرح سے ہاں کر سکتی ہوں۔

آپا : اس نے دیکھ دکھا کر ہی بھیجا ہوگا حیدر بھیّا نے۔ تو ادھر آجا بھیّا رے۔
ادھر میرے پاس۔ اور دانے نکال مٹروں کے — شاباش۔
(سریا آپا کی طرف آکر بیٹھتا ہے۔)

عشرت : لیکن آپا یہ آپ . . . .

آپا : اور دیکھ ہری ہری پھلیوں میں سے نکالتے ہیں بھیّا۔ سُوکھی، چھوٹی،
بھینگی، ٹیڑھی پھلیاں چھوڑتے جانا ہے۔

سریا : (مٹر نکال رہا ہے) اچھا جی۔

کٹ ——————

سین ۷
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(کوٹھی کے باہر وسیع لان میں جہاں بڑے بڑے درخت چاروں طرف کھڑے ہیں
اور لان میں چمکدار دھوپ اُتری ہوئی ہے، کرکٹ کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ اس
کھیل میں عامر، سرور اور ان کے دوست ریاض سلمان نعیم اور شہلا اور فردوس
شامل ہیں۔ سریا ایپرن باندھے ایمپائر کے فرائض انجام دے رہا ہے۔
جس وقت سین کھُلتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ واصی بیٹنگ کر رہا ہے۔
ابھی اس کو بال ملا نہیں اور وہ بالکل چوکس کھڑا ہے۔ کیمرہ باؤلر کے پوائنٹ
آف ویو سے دکھاتا ہے کہ آپا جی ہاتھوں میں کرکٹ کے دستانے پہنے وکٹ
کیپری کر رہی ہے۔ اور وکٹوں پر بڑی مہارت سے جُھکی ہوئی ہے۔ ان کی پھُولی
ہوئی کُنّی دار سفید ساڑھی بہت ہی خوبصورت لگ رہی ہے۔ بال آتا ہے اور
واصی اس کو کھیلتا نہیں ہے۔ آپا جی بال پکڑتی ہے اور سلپ پر ریاض کو دیتی
ہیں۔ وہ واپس باؤلر کے پاس بال پھینکتا ہے ساتھ ساتھ رننگ کمنٹری جاری
ہے، جو عامر کر رہا ہے۔ عامر ایک اُونچے اور بڑے سے منبر پر کُرسی لگا کر بیٹھا
ہے۔ اس کے ہاتھ میں مائیکروفون ہے اور ساتھ ہی ایک ٹیپ ریکارڈ رکھا
ہے۔ جس پر سپولز نہیں ہیں۔ گویا اس ٹیپ ریکارڈر سے صرف ایمپلی فائر کا کام
لیا جا رہا ہے۔ کمنٹری حالات اور وقت کے تقاضے کے مطابق کی جائے۔
دوسرا بال دیا جاتا ہے تو واصی اس کو سٹاپ کرتا ہے۔ کمنٹیٹر چلّاتا ہے
آؤٹ؟ ہی از آؤٹ۔ کٹ کر کے دکھاتے ہیں کہ سریا نے انگلی اُٹھا کر اس

کو آوٹ دے دیا ہے۔)

کمنٹیٹر : Sarwar bowls to Wasi. Ball Swings. Wasi is beaten. He is out. Catch goes straight in the hands of Ayaji.

(واصی اپنا بیٹ اُٹھائے غصہ میں چلا آرہا ہے اور آتے ہی ایمپائر کے چوتڑوں پر دو تین بیٹ زور سے مارتا ہے۔ کمنٹیٹر کمنٹری کرتا ہے۔ اس کے بعد فردوس کھیلنے کے لیے آتی ہے۔ سرور کپتانی کے اشارے کرکے فیلڈ بدل کرتا ہے۔ سب اس کے اشاروں کے مطابق چلتے ہیں۔ سرور آواز دے کر کہتا ہے:)

سرور : آیا جی گلوز نسیم کو دے دیں اور آپ باؤنڈری پر چلیں۔ لیگ پر۔ (آیا گلوز اُتار کر نسیم کو دیتی ہے۔ وہ پہن کر کھڑا ہوتا ہے۔ آیا جا کر باؤنڈری پر کھڑی ہوتی ہے۔)

(سرور باؤلر کو اشارہ کرتا ہے۔ کمنٹری شروع ہوتی ہے۔ فردوس کھٹاک سے ہٹ کرتی ہے۔ بھاگ کر دو رنز بناتی ہے۔ کمنٹیٹر تعریف کرتا ہے ـــ پھر بال دیا جاتا ہے۔ فردوس سٹاپ کرتی ہے۔ اس سین کو پروڈیوسر کی خوش نظری اور خوشکاری پر چھوڑا جاتا ہے۔ اس میں کوشش کرکے کرکٹ کے سارے لوازمات ڈالنے چاہئیں۔ آخر میں ایک اُچھلے ہوئے بال کی طرف آسمان پر نگاہیں اُٹھائے آیا جی بھاگتی ہے اور گیند کیچ کر لیتی ہے۔ فردوس آوٹ ہو جاتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ آخر میں عامر مائیکرو فون ہاتھ میں لے کر آیا جی سے انٹرویو کر رہا ہے۔)

عامر : آیا جی آپ ہمارے ملک کی ایک نامور کرکٹر ہیں اور آپ نے ہماری پُرانی کوتوالی والی حویلی میں ٹو ایٹی (۲۸۰) ناٹ آوٹ پر ڈکلیئر کیا تھا۔ کیا

آپ ہمارے ناظرین کو بتا سکیں گی کہ آپ نے یہ مہارت کیسے حاصل کی؟

آپا : (شرما کر) اب میں کیا کہوں بھیا رے۔

عامر : کاؤنٹی کرکٹ میں آپ نے نام بھی پیدا کیا اور دام بھی بنائے شہرت بھی حاصل کی اور دھن دولت بھی خوب اکٹھی کی۔ آپ کیا سمجھتی ہیں کہ ـــــ

آپا : میں تو یہ سمجھوں ہوں بھیا کہ دھن اور گیند کے کھیل، دونوں کا ایک سبھائے ہے۔ ہاتھ میں آوت چھنک سے اور چھن میں ہاتھ سے جائے۔

ـــــــــــ کٹ

سین ۸

ان ڈور

دس گیارہ کا وقت (دن)

(باورچی خانہ۔ اس وقت خانساماں سریا باورچی خانے میں موجود ہے۔ وہ اوون کھول کر اس میں سے بکری کی ران روسٹ کی ہوئی نکال کر میز پر رکھتا ہے۔ تھوڑا سا ٹکڑا کاٹ کر چکھتا ہے۔ روسٹ کو پھر اوون میں رکھ کر اوون کا درجہ حرارت ہلکا کرتا ہے۔ پھر چولھے پر سے چائے کی کیتلی اُٹھا کر پیالی میں پکتی ہوئی چائے ڈال کر پینے کے لیے بیٹھتا ہے۔ اسی دوران وہ آہستہ آہستہ گنگناتا ہے۔ آواز اُونچی نہیں ہونی چاہیئے۔)

سریا : ہاں ساقی پلادے ایسا جام مستانہ کر دے۔ آہے واہ دیوانہ کر دے، ساقی پلادے ایسا جام مستانہ کر دے۔

(اب آپا آتی ہے اس کی طبیعت ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں جسم پر کمبل لے رکھا ہے آنکھیں چڑھی ہیں۔)

آپا : پھر چائے۔ بھیارے کتنی چائے پیتا ہے تو دن میں سریا؟

سریا : آپا جی ہم جو خانساماں لوگ ہوتے ہیں نا ان کا بڑا جان جوکھوں کا کام ہوتا ہے۔ سارا دن پیروں پر کھڑا رہنا پڑتا ہے۔ گرمی سردی سارے وقتوں میں برتن دھونے پڑتے ہیں۔ ہماری طاقت نہیں رہتی اتنے کام کی چائے بغیر۔

آپا : اچھا اچھا جو تیری طرحاں سب اپنے اپنے کاموں کے گن گائیں تو حیدر بھیا کی تو دو پوری کھانڈ لگے مہینے میں۔

سریا : چلو نہ آپا جی تم بھی پی لو۔ ڈالوں؟

آپا : نہ بھئی مجھ کو ہر وقت سینے میں بھاپ نہیں چاہیئے۔

(کرسی پر بیٹھ جاتی ہے اور لمبی لمبی سانسیں بھرتی ہے۔ سریا چائے کا گھونٹ لیتا ہے لیکن آپا کو غور سے دیکھتا ہے۔)

سریا : کیا ہوا آپا جی۔ یہ لمبی لمبی سانسیں۔

آپا : پہلے بھی بخار ہوتے تھے بھیا پر اب تو یوں لگتا ہے جیسے جیوڑا نکل جائے گا بخار کے ساتھ۔ سوچوں تھی کہ آپ کالا پدھائی جاکر سمسو کو پیسے دے آوں گی۔ پر اس بخار نے تو ہمت توڑ دی ساری۔ دو قدم چلنے کو من نہ چاہے۔

سریا : چلی جاؤ آپا جی بڑا معقول بہانہ ہے۔ کچھ دن آرام کر آؤ گی گاؤں میں۔ ایسے تو مالک لوگ بھی چھٹی نہیں دیتے نا۔

آپا : نہ بھائی نہ۔ مجھے یہاں سے پرے آرام نہیں۔ میں تو ایک پل نہ کاٹ سکوں اپنے بچوں بنا۔

سریا : تو وہاں کیا بچہ نہیں ہے۔ خود ہی تو کہہ رہی تھیں شمسو بغیر تمہارا کوئی ہے

نہیں دُنیا میں۔

آپا : سمسو بھی ہے، سمسو ہی تو ہے سریا رے۔ سمسو ہی تو نشانی ہے اک اپنے سہاگ کی۔ پر سمسو تو ایسے ہے بھیا جیسے میکے گھر میں تلسی کا بُوٹا ہووے، یاد تو بہت آوے پر سسرال میں لگے آم کی چھاؤں چھوڑ کون جائے تلسی کے بُوٹے کو دیکھنے۔ بتا۔ ایک تو خانساماں لوگ ہانڈی میں اندر دیکھ دیکھ کر باہر کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ لے پکڑ گن لے منی آرڈر کرا دے۔

سریا : کتنے ہیں آپا جی؟ یہ تو اچھی خاصی رقم لگتی ہے۔

آپا : تین ہزار ہیں سریا۔ سینت سینت کر رکھے بھیّا۔ پورے دو سال میں جُڑے۔ یہ ایڈریس ہے سمسو کا۔

(پرچی پکڑاتی ہے۔)

سریا : ان کا تو بنک ڈرافٹ بنے گا آپا جی۔ منی آرڈر نہیں جا سکتا ان کا۔

آپا : جو کچھ بنے گا بنوا لے سریا۔ سمسو کا خط پر خط آتا ہے۔ دریوں کی کھڈّی لگائی ہے۔ کاریگروں کو دینے ہیں اس نے۔ شاباش میرا بھیّا۔ دیر مت کرنا میں چنگی ہوتی تو آپ چلی جاتی منی آرڈر کراتے۔

سریا : تم فکر نہ کرو آپا جی — بس یہ لیگ روسٹ ہو جائے تو بنک بھی ہو آوں گا بازار جاتے ہوئے۔

آپا : رے بنک ٹائم ہوتا ہے سریا اس کے پیچھے کاج نہیں ہوتا وہاں۔

سریا : مینجر صاحب سے دعا سلام ہے آپا جی۔ بیگم صاحب کے چیک لے کر جاتا ہوں وقت بے وقت۔ سریا کے لیے کوئی بنک ٹائم نہیں۔ سریا کوئی معمولی خانساماں نہیں آپا جی۔ سریا سریا ہے ہاں۔

آپا : بس رے سریا۔ بس سیخی نہ مارا کر رے —

اُونچے پانی نہ ٹکے نیچے میں ٹھہرائے
نیچا ہو سو بھر لئے اُونچا پیاسا جائے

(سریا پیسے گنتا ہے۔)

کٹ ________

سین ۹
ان ڈور
شام

(عشرت اپنے بیڈ روم میں بہت پریشان کھڑی ہے۔ اس کا سارا کمرہ اُوپر نیچے کیا ہوا لگتا ہے۔ اب بھی وہ کبھی الماریوں میں دیکھتی ہے کبھی تکیوں تلے۔)

عشرت : تمہارے صاحب نے خود میرے ہاتھ میں دیئے تھے۔ دفتر سے واپسی پر۔

سریا : جی صاحب

عشرت : اب تین ہزار کی تو کچھ بات نہیں ہے سریا لیکن بات ساری بے اعتباری کی ہے ایک بار شک ہو جائے تو پھر ہمیشہ شک رہتا ہے۔ یہاں سے میری الماری میں سے تین ہزار نکالا کس نے!

سریا : بیگم صاحب آپ مالک ہیں چل کر میرے کوارٹر کی تلاشی لے لیں۔ جس جس پر آپ کو شک ہے، اس کا نام بنا شک پولیس میں دے دیں۔ میں ہی نیا آدمی ہوں سر آپ بے شک تلاشی لیں۔

عشرت : نہیں بھئی میں تمہاری بات نہیں کر رہی آدمی کا پتہ چل جاتا ہے۔ تم تو ویسے

ہی بیڈ روم میں کبھی نہیں آئے۔ یہ تو کسی بھیدی کا کام لگتا ہے۔ جسے معلوم ہو سب کچھ۔

سریا : ہے ہی یہ کسی بھیدی کا کام جو جانتا ہے کہ آپ پیسے کہاں رکھتے ہیں۔

عشرت : اچھا تم جاؤ سریا۔

سریا : بیگم صاحب دیکھیں آپ ہم سب ملازموں کی تلاشی لے لیں سر تین ہزار کوئی معمولی رقم نہیں ہے۔ اور پھر ایک بار یہ کام شروع ہو گیا تو چور کا حوصلہ کھل جائے گا۔ کیا پتہ کل کوئی اس سے بھی بڑا دھاوا بول دے۔

عشرت : خدا نہ کرے!

سریا : ہاں جی "خدا نہ کرے" تو ٹھیک ہے لیکن بیگم صاحب یہ تو ہاتھ کھلنے کی بات ہے۔ ایک بار جھا کا کھل جائے تو پھر چل سو چل۔

عشرت : اچھا تم کھانے کی تیاری کرو۔ صاحب آنے والے ہیں۔

(سریا چلتا ہے پھر بڑی مسکینی سے مڑتا ہے۔)

سریا : سر ویسے تو بُری بات ہے وہ ہماری بزرگ ہیں لیکن ——

عشرت : لیکن کیا؟

سریا : آپا جی نیک عورت ہیں۔ نمازی پرہیزگار۔ پر بیگم صاحب انسان اولاد کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے۔ چیز ہی ایسی ہے اولاد۔

عشرت : کیا مطلب؟

سریا : وہ شمسو دریوں کا اڈا لگوا رہا ہے ضرورت تو ہوتی ہے نا پیسے کی بیگم صاحب۔ مجبوری ہے جناب ہم غریبوں کی۔ آپا جی نیک عورت ہے، پر اولاد کے ہاتھوں بڑے بڑے امیر وزیر —— بادشاہ مجبور ہو کر بد نیت ہو جاتے ہیں سر۔

عشرت : تمہارا مطلب ہے ۔۔۔

سریا : نہیں سر۔ میرا کچھ مطلب نہیں ـــــ میں تو ـــ جی سر میرا مطلب کچھ نہیں آپا جی نے تو سارے گھر کو پالا ہے۔ اچھی عورت ہے آپا جی لیکن سر اولاد کا پیار بُرا ہوتا ہے۔ ہر گھاٹ کا پانی پلا دیتی ہے یہ اولاد۔

عشرت : تم کہنا کیا چاہتے ہو سریا ؟

سریا : کچھ نہیں جی ـــ میں تو کہتا ہوں آپ خود چل کر میرے کوارٹر کی تلاشی لے لیں۔ لیکن مجھے تو آپ لوگوں سے پیار ہو گیا ہے جناب بے ایمانی لگتی ہے مجھے آپ لوگوں کے ساتھ ہیرا پھیری کرنا۔

عشرت : کیا مطلب تم صاف بات کرو۔

سریا : کل میں نے بنک ڈرافٹ کرایا تھا شمسو کے نام۔ پوچھ لیں چاہے مینجر صاحب سے۔ اب دیکھئے نا آپا جی کی اکیلی اکلوتی اولاد ہے شمسو۔ وہ بھی کیا کرے بیچاری یہ اولاد ہی تباہ کرتی ہے آدمی کو۔ آپ مانیں نہ مانیں سر لیکن پُوچھ لیں فون کر کے مینجر صاحب سے۔

کٹ ـــــــــــ

سین ۱۰

اِن ڈور

رات کا پہلا پہر

(عشرت اور حیدر بیٹھے چائے پی رہے ہیں۔)

حیدر : آہستہ بولو عشرت۔ تین ہزار کوئی خاص رقم نہیں ہے۔

عشرت : میں تین ہزار کا رونا نہیں رو رہی —— میں آپ کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں یہ بتانے کی فضول کوشش کر رہی ہوں کہ بات تین ہزار کی نہیں بات ساری اعتماد کی ہے۔ آپا جی نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔

حیدر : اچھا اچھا بھئی اچھا۔

عشرت : میں یہ نہیں کہہ رہی حیدر کہ آپا جی نے کچھ اپنے لیے تین ہزار چُرائے ہیں۔

حیدر : آہستہ بولو عشرت۔

عشرت : ان کا شمسو ہے ہی ایسا۔ کبھی وہ کولھو لگاتا ہے کبھی آٹا پیسنے کی مشین خرید لیتا ہے۔ اب وری فیکٹری لگا رہا ہے۔ اس کو روپیہ چاہیئے ہر وقت وہ بڑھیا کو الّو بناتا رہتا ہے۔ اینڈ ہُو نوز پہلے بھی ایسے ہی ہوتا رہا ہو —— اس بار تو بائی چانس پتہ چل گیا، بھید کُھل گیا۔

حیدر : آپا نے ہم سب کو پالا ہے عشرت۔ مَیں، عامر، سرور سب اس کی گود میں پلے ہیں۔ واصی، عزا اس کی گود میں پل رہے ہیں۔ وہ ایسا نہیں کر سکتی۔

عشرت : اسی لیے تو وہ آپ سب کو الّو بنا سکتی ہے لیکن مجھے تو اس نے نہیں پالا —— میں تو سارے معاملے کو آبجیکٹیولی دیکھ سکتی ہوں۔ خدا جانتا ہے میں نے آج تک آپا جی پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا —— لیکن....

حیدر : اچھا اچھا بھئی اچھا۔

عشرت : لیکن ہمیں کوئی فیصلہ کرنا پڑے گا —— خدا کے لیے حیدر یہ مت سوچیں تین ہزار کی بات ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ میرا اعتبار کسی پر سے جاتا رہے ایک بار تو میں پھر اسے کبھی ٹرسٹ نہیں کر سکتی۔

حیدر : اچھا تو مت ٹرسٹ کرنا۔ آئندہ سب چیزیں لاک کر کے رکھنا۔

عشرت : کیا کیا لاک کروں گی میں ۔حد کرتے ہیں آپ ۔آپ اتنے weak ہیں ایک بوڑھی عورت کے معاملے میں decision نہیں لے سکتے ۔اور اب جبکہ ہمیں اس کی کچھ ایسی خاص ضرورت بھی نہیں ۔

حیدر : اب ہی تو decision لینا مشکل ہے عشرت پھر ڈیڈی کو پتہ چلے گا تو وہ کتنے ناخوش ہوں گے ۔پتہ ہے ناں وہ کتنی عزّت کرتے ہیں ہریالی بُوا کی ؟

عشرت : ان کو کون بتانے چلا ہے کوپن ہیگن ۔

حیدر : پھر بھی کبھی نہ کبھی تو وہ آئیں گے ۔بات کھُلے گی ۔جانے دو عشرت میں آپا جی کو سمجھا دوں گا ۔

عشرت : پر حیدر آپ کو کیا ہوتا ہے ۔کسی معاملے میں آپ سٹرانگ نہیں ہیں ۔ہم کو کیوں چاہیئے آپا جی ۔ وہ بھی سارا دن یہاں بیٹھ کر اپنے شمسو کو یاد کرتی رہتی ہے ۔جائے وہاں اپنے کالا پدھائی میں جب کچے کوٹھے میں رہنا پڑا ___ اور صبح صبح کھیتوں میں جانا پڑا تو بڑھیا کو پتہ چل جائے گا کہ کیسے تین ہزار چُراتے ہیں ۔یہاں تو پنکھے لگے ہیں کواٹروں میں ہیٹروں میں سوتی ہے بڑھیا ۔

حیدر : آہستہ بولو عشرت خدا کے لیے ۔

عشرت : اچھا تم فیصلہ نہ کرو حیدر ۔سرونٹس میرا ڈیپارٹمنٹ ہے ۔میں آپا کو اس بیہودگی کے بعد رکھنے کے لیے تیار نہیں ہوں ۔

حیدر : کیا کہہ رہی ہو عشرت !

عشرت : میں ابھی بلاتی ہوں اُسے ۔ She must leave at once ۔پھر وہ عامر سرور آجائیں گے ۔ان کے سامنے تو بات کرنی اور بھی مشکل ہو جائے گی ۔

حیدر : ٹھہرو ٹھہرو ___ تمہیں جو بھی فیصلہ کرنا ہو عشرت . . . میں جانتا ہوں through experience.... تمہارا مائنڈ جب ایک بار بن جائے تو

پھر بدلا نہیں کرتا۔

عشرت : کیا مطلب آپ کا۔

حیدر : کوئی خاص مطلب نہیں .... پر جو بھی فیصلہ آپ کریں، اس وقت کریں جب میں آفس میں ہوں۔ عامر اپنے دفتر چلا گیا ہو .... سرور کیمپس میں ہو اور واصی سکول میں ہو۔ صرف دو فی میلز ہوں گھر پر، عزّا اور آپ ... تاکہ ہم پر یہ الزام نہ لگے کہ ہم نے ـــ یعنی میلز نے یہ ظلم کیا۔

عشرت : یہ چبا چبا کر کیا باتیں کر رہے ہیں آپ حیدر ؟

حیدر : کچھ نہیں کچھ نہیں .... میرا مطلب ہے .... جو کچھ ہونا چاہیئے تم تینوں میں طے ہونا چاہیئے ... آپا جی ـــ عشرت جی اور عزّا جی میں۔

(اس وقت عامر، سرور، واصی، آپا جی اور عزّا داخل ہوتے ہیں۔ آپا جی نے بہت بھڑکیلی ساڑھی پہن رکھی ہے۔ عامر، سرور اور واصی گاتے آتے ہیں۔ آپا جی نے عزّا کو گود میں اُٹھا رکھا ہے۔)

تینوں مل کر: آپا جی آپا جی آپا جی دیکھو تو ہم کیا لایا جی
آپ نے جو فرمایا جی ہم نے سر کو جھکایا جی
آپا جی آپا جی آپا جی !

(عشرت منہ تھتھائے بیٹھی رہتی ہے۔ صرف حیدر نارمل ہونے کی کوشش کرتا ہے۔)

حیدر : کہاں سے آئی ہیں فوجیں ؟

عامر : آپا جی ہمیں ٹریٹ دینے کے لیے لے گئی تھیں اپنی سالگرہ کی۔

حیدر : (ہنس کر) آپا جی کو کیسے پتہ چلا کہ آج ان کی سالگرہ ہے ؟

سرور : ہم نے سیٹ کر دی ہے تاریخ ہمیشہ کے لیے آج کی !

واصی : میں نے چار آئس کریم کھائیں ڈیڈی۔

عامر : آج کی ہیڈ لائن — سپلیش ۔حیدر رحیم کے بنگلے پر — عزت مآب آپا جی ہریالی بوا کی سالگرہ۔ تصویر ہو جائے سرور آپا جی کی تصویر ....

(عامر گلے سے کیمرہ اُتار کر دیتا ہے۔ سرور کیمرہ لیتا ہے۔ آپا ناک کا کیل اور بالیاں ٹھیک کرتی ہے۔)

سرور : آپا جی بھائی کے پاس ہو جائیں پلیز۔ سب کلوز ہوں اور کلوز۔

(عشرت آپا کی طرف نہیں دیکھتی۔ سب تصویر بنانے کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں۔)

کٹ ————

سین ۱۱

ان ڈور

صبح

(آپا جی کا کوارٹر ۔ حیران پریشان آپا کھڑی ہے پاس ہی عشرت بھی۔)

عشرت : بس مَیں نے آپ سے کہہ دیا ناں کہ کوئی وجہ نہیں ہے خاص ۔ ایسی کوئی وجہ نہیں ہے آپا جی آپ کو بتانے والی۔

آپا : پر سوچی مجھ سے تو حیدر بھیّا نے کوئی بات نہ کہی دُکھ تو اس بات کا ہے۔ اس کو مجھے نکالنا تھا گھر سے تو میرے سے خود کہتا۔ میں اُس سے مِل تو لیتی۔

عشرت : دیکھیں آپا جی جو کچھ یہاں ہوتا ہے انہی کی مرضی سے ہوتا ہے۔ یہ بھی ان ہی کی مرضی ہے کہ ان کے دفتر سے واپسی تک آپ چلی گئی ہوں۔

آپا : واہ رے میرے حیدر بھیا۔ باڑ لگائی کھیت کو۔ باڑ کھیت کو کھائے۔ راجہ ہو چوری کرے۔ نیاؤ کون چکائے۔ چلی جاؤں گی —— چلی جاؤں گی تو چنتا نہ کر سوجی۔ میرے تو ویسے بھی جانے کے دن ہیں کتنی دیر اور اٹکی رہوں گی چورا چوری۔ بول بھلا ؟

عشرت : کار باہر کھڑی ہے۔ بس کے اڈے تک لے جائے گی آپ کو —— اور یہ مت سوچنا آپا جی کہ ہم میں سے کوئی ناراض ہے۔ بس دیکھیں ہم لوگ افورڈ نہیں کر سکتے اتنے ملازم۔ آپ سمجھتی ہیں ناں —— مائنڈ تو نہیں کر رہیں آپ۔

آپا : ٹھیک ہے ٹھیک ہے سوجی۔ اس میں غصّے کی کیا بات ہے۔ آپ نے بلایا ہم آگئے۔ آپ نے آرڈر دیا ہم چلے گئے۔

عشرت : کار میں بس شاپ تک چلی جانا تکلّف نہ کرنا آپا جی۔

آپا : ناں سوجی کار کی کیا ضرورت ہے۔ میں کار میں تھوڑی آئی تھی یہاں۔

(سامان اٹھانے لگتی ہے عشرت جاتی ہے۔)

چلنا ہے رہنا نہیں چلنا بسوے بسیں
سہجو تنک سہاگ پر کیا گندھاوے سیس

—————— کٹ

سین ۱۲
ان ڈور
دوپہر

(کالا پدھائی کے گاؤں میں چھوٹا سا پکا اور خوبصورت گھر جو حویلی سے مشابہ ہے۔

آپا پلنگ پر ریشمی رضائی اوڑھے بیٹھی ہے گھر میں ہر طرح کی افراط نظر آتی ہے۔
آپا بہت اُداس ہے۔اس کے پاس اس کا بیٹا جو حیدر کا ہم عمر ہے مونڈھے بیٹھا
ہے اس نے شلوار قمیض پہن رکھی ہے۔کندھوں پر کشمیری شال ہے۔وہ چائے پی
رہا ہے۔)

آپا : اس وقت تو عامر دفتر سے آگیا ہوگا۔ہے نا شمسو۔

شمسو : اب بھول بھی ان کو اماں۔تیری کو تسی انھوں نے اِجت کی جو ہر وکھت ان کو یاد کرتی رہتی ہے۔

آپا : اب یہ تو نہ کہہ شمسو! لالہ رحیم سے لے کر واصی تک ایک ایک نے مجھ کو پھولوں جیسا رکھا سیس پر سجا کر۔

شمسو : اچھا اماں کرتی رہ یاد۔روتی رہ سارا دن تجھے تو مَیں ایک دن اچھا نہیں لگا ان کے مقابلے ماں۔

آپا : تیرا دل بھی بڑا کٹھور ہے شمسو پتھر کا ـــ تو بھی۔۔۔۔ جمانے کی طریوں اپنی کیئے جائے کسی اور کی نہ سُنئے۔

شمسو : میرے کو بھی کیا سُکھ ملے اماں۔دو سال کا ہُوا تو باپ مر گیا۔ماں کو کھوجوں اندر باہر تو پتہ چلا ماں چلی گئی ـــ دو سال کے نیانے کو کیا پتہ ہووے اماں! کہ نوکری کیا ہوتی ہے۔اور ماں کیوں نکلتی ہے نوکری کرنے۔دادی بڈھی نہ اُٹھانے جوگی نہ بٹھانے جوگی چھوڑ گئی ـــ بڑی لاٹھی کے پاس!

آپا : تجھ کو میں نے بڑے دُکھ دیئے ہیں۔پر جو اپنا دل نکال کر دکھا سکوں شمسو تو تیرے سے بھاری گھائل نکلے گا۔

شمسو : جانے دے اماں۔تیرے من میں ان کی پیت بیٹھ گئی ہے۔رحیم صاحب کے خاندان کی۔جیسے برکھا بیٹھ جائے ریتی میں۔۔۔ تجھ کو کیا اپنے گئے بھاڑ میں

.... لے لکھا خط ۔ روز کہتی تھی خط لکھوانا ہے ہیگن کو پن ۔ بول کیا لکھنا ہے۔

آپا : آج کون دن ہے بھیا رے ؟

شمسو : بدھ کا روز ہے اماں ۔

آپا : دن تو ٹھیک ہے پر اب مجھ کو خط نہیں لکھوانا شمسو.... جانے حیدر بھیا نے کیا لکھا ہو لالہ رحیم کو کہ کس کارن چلی گئی بڑھیا ۔ رہنے دے کیا پڑا ہے چٹھی پتر میں لکھن پڑھن کی ہے نہیں کہی سُنی نہ جات ــــ اپنے جیئیلا سے جانیو مورے جیئیلا کی بات ....

شمسو : پہلے رٹ لگا رکھی تھی لفافہ لا ۔ لفافہ لا .... اب لفافہ آگیا تو خط نہیں لکھنا۔ تیرا بھی کچھ پتہ نہ چلے اماں ۔ میری سمجھ ماں ناہیں آوے تُو ۔

آپا : آجائے گی، آجائے گی سمجھ بھیا آجائے گی .... دیر کے بچھڑے ہُووں کو دیر میں سمجھ آوے ناں شمسو ۔ آجاوے گی سمجھ ۔ تو فکر نہ کر ۔

(کیمرہ آپا پر آتا ہے ۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں ۔)

ــــــــــ کٹ

سین ۱۳

کٹ ٹو کٹ

(۱ ۔ دری فیکٹری کا ایک چھوٹا سا حصّہ ۔ دو لڑکے دری بُن رہے ہیں ۔ آپا پاس بیٹھی ہے ۔ لیکن اداس ہے ۔

۲ ۔ آپا پلنگ پر لیٹی ہے ۔ تکیے تلے سے عامر ، سرور ، حیدر وغیرہ کی تصویریں

نکال کر دیکھتی ہے۔

۴۔ آپا چولہے کے سامنے بیٹھی ہے۔ شمسو کو کھانا ڈال کر دیتی ہے۔)

کٹ

سین ۱۴
ان ڈور
شام

(آنگن — آپا جی کے بالوں میں اس کی بہو تیل ڈال رہی ہے۔ کچھ فاصلے پر دو بچے کھیل رہے ہیں۔ بہو نے بھی مون لائٹ قسم کے بھڑکیلے کپڑے پہن رکھے ہیں۔ اس وقت شمسو ہاتھ میں اخبار لئے آتا ہے۔)

شمسو : اماں مبارک ہو تم کو — مبارک۔

آپا : کیسی مبارک بھتیارے!

شمسو : یہ اخبار میں فوٹو چھپا ہے تمہارے عامر کا — شادی کا فوٹو....

آپا : چھوڑ بہو جرا — دکھا شمسو دکھا کہاں ہے تصویر مجھے بھی دکھا بھائی....
(تصویر دیکھ کر)
ناں سچ یہ تو بھی عامر ہے — ہائے کیسا راجہ لگے ہے لگے ناں دیکھ شمسو لگے ناں۔ بالکل لالہ رحیم کا ناک نکسا ہے۔ بالکل وہی۔ بولے تھا آپا جی میں تو میم بیاہوں گا۔
(بہو اندر جاتی ہے۔)
میں بولی جوتا ماروں گی میم کا نام لیا تو —

شمسو : شہر کی ساری میمیں ہی ہوویں اماں۔

آپا : (آنکھوں کے قریب کرکے) شہزادی ہے سمسو شہزادی ہے نا؟

شمسو : اُدھر سب شہزادیاں ہی ہوویں اماں۔

آپا : (اُٹھ کر کھڑکی کی طرف جاتی ہے) اپنے عامر سنگ بیٹھی راجکماری لاگے ـــــ ہے نا سمسو!

شمسو : بانٹ بتاشے .... کھلا گڑ کے چاول سارے گام کو۔

آپا : بانٹوں گی کھلاؤں گی ـــــ کھلاؤں گی کیوں نہیں۔ میرے عامر کا بیاہ ہوا ہے۔ میں تو لڈو کھلاؤں گی سب کو ـــــ میں تو بہو جی کو مبارک دے کر آؤں گی۔

شمسو : وہ چاہے بُلائیں نہ بُلائیں، یہ ضرور بھاگی جائے گی۔

آپا : مبارک ناہیں دیئوں بھیّا۔ بہو نہ دیکھوں ـــــ جو عامر کے نام کا زیور ہے میرے پاس، وہ نہ دُوں دُلہن کو۔ ہے نا پگلا۔ سمجھا کر سمسو رے۔

شمسو : تیرا دل ان ہی میں لگتا ہے اماں ـــــ بس وہاں جائے گی اور وہیں رہ جائے گی۔ میں جانتا ہوں میری کونسی ماں ہے جو میرے پاس رہے گی جندگی بھر۔ تُو تو ان کی ہے۔

آپا : لے لے لے لے ـــــ میں تیرے سنگ صبح جاؤں گی لاری پر اور شام کو واپس آجاویں گے ماں بیٹا .... ایک زنجری ہے میرے پاس رحیم لالہ کی۔ دو گوکھڑو ہیں چاندی کے .... ایک انگوٹھی ہے ہرے نگ والی۔ عامر کی دلہن کا ہے یہ سب کچھ .... اُسی کی نیت کا رکھا ہے میں نے اتنے سال۔

شمسو : مجھے معلوم ہے اماں تُو وہیں رہ جائے گی مجھے پتہ ہے ناں تیرا۔

آپا : بس صبح گئے اور شام آئے سمسو۔ دُور تھوڑی ہے۔

شمسو : وعدہ اماں!

آیا : پرومس!

(ہنستی ہے پھر تصویر دیکھتی ہے۔)

مَیں یہی تو کہا کرتی تھی عامر کو ــــ بس ایسی ہو بہو میری۔ کھڑے ناک والی .... دیکھ سمسو کیا پیارا ناک ہے دلہن کا۔ مجھے تو شہزادی لاگے۔

(تصویر پر کیمرہ آتا ہے۔)

ــــــــ کٹ

سین ۱۵
ان ڈور
شام کا وقت

(عشرت اور سرور، عشرت کے بیڈروم میں۔ اس وقت عشرت زیورات کے پانچ چھ ڈبے لے کر اپنے پلنگ کے کنارے بیٹھی ہے اور سرور اس کے پاس کھڑا ہے۔)

سرور : دیکھئے نا بھابی۔ آپ سمجھتی کیوں نہیں۔ اس وقت بنک بند ہو چکے ہیں اور کوئی بھی اِن کو....

عشرت : لیکن لاکر تو بنک ٹائم کے بعد بھی کھلوا سکتے ہیں۔

سرور : (ہنس کر) بنک ٹائم کے بعد بھابی جان! لیکن جب بنک ہی بند ہو جائے سارا اسٹاف چلا جائے اس وقت کسے کہہ کر بنک کھلوایا جا سکتا ہے۔

عشرت : اب دیکھو نا میری جان کو مصیبت ڈال کر چلے گئے دونوں دُولہا دلہن۔

سرور : وہ بے چارے ایک روزہ ہنی مُون پر گئے ہیں۔ اتنی اجازت تو ہونی چاہیئے newly weds کو۔

عشرت : میں نے کہا بھی تھا عامر سے کہ پہلے اس کو لاکر میں رکھواؤ جاکر پھر جانا لیکن وہ تو ازل کا بے فکرا ہے۔ میرا کندھا سا تھپتھپا کر چلا گیا۔

سرور : یہ فکر تو دُلہن بیگم کو ہونی چاہیئے تھی۔

عشرت : وہ بھی کھڑی مُسکراتی رہی احمق سی۔ اب میں کیا کروں اتنی ساری ذمہ داری لے کر۔

سرور : کوئی بات نہیں سر۔ کچھ نہیں ہو جاتا ان ڈبوں کو۔ رکھ دیں اپنی الماری میں۔ پہلے نہیں رہا اس سے بھی زیادہ زیور پیسہ گھر پر۔

عشرت : وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن ..... یہ تو ....

سرور : حیدر بھائی تو لاکھ لاکھ روپیہ کیش لاکر پھینک دیتے تھے الماری میں۔

عشرت : بھئی یہ بیگانی چیز ہے سرور۔ تم سمجھتے کیوں نہیں۔

سرور : اوہو۔ آپ نے ابھی سے بیگانی اور یاگانی شروع کر دیا۔ ابھی تو میری بیوی کو بھی آنا ہے اس گھر میں۔

آپا : (آف کیمرہ) سلام بہو جی۔

(دونوں پلٹ کر دیکھتے ہیں تو دروازے پر آپا جی اور شمشو کھڑے ہیں۔ سرور تڑپ کر آپا جی آپا جی کہتا آپا جی کو جپھی ڈال لیتا ہے پھر ہاتھ آگے بڑھا کر شمشو سے ہاتھ ملاتا ہے وہ دونوں ہاتھوں سے ہاتھ ملاتا ہے۔)

عشرت : کیا حال ہے آپا جی تمہارا ؟

آپا : اچھا ہے۔ شکر ہے جو دم گزر رہا ہے اچھا ہی گزر رہا ہے آپا جی کا۔

(فرش پر اس کے نزدیک بیٹھ جاتی ہے۔)

عشرت : اُوپر بیٹھو آپا جی اِدھر میرے پاس۔

آپا : ٹھیک ہوں بہو جی ارے۔ اُوپر بیٹھنے سے چکر آدیں۔ میرا عامر کہاں ہے ؟

عشرت : وہ تو ساہیوال گئے ہیں دو دن کے لیے آپا کے پاس ـــــ تم چلو شمسو باہر برآمدے میں۔

آپا : تُو چل بیٹا باہر ـــــ شاباش ـــــ ڈرائیور کے پاس بیٹھ جاکے۔

(شمسو چلا جاتا ہے۔)

سرور : (آپا کے سامنے زمین پر بیٹھ کر) آپا جی ؟ کبھی ہمارا خیال بھی آیا جی۔

آپا : (دونوں ہاتھ اس کے سر پر پھیر کر) تمہارے ہی تو سپنے دیکھوں ہوں دن رین، اور میرا کیا کام ہے گاؤں میں۔

عشرت : (ڈبے اُٹھا کر اندر الماری میں رکھنے جاتی ہے۔)

سرور : ہمارا خیال ہوتا ناں میڈم تو آپ اِس طرح سے بے وفائی کر کے نہ جاتیں۔

آپا : اب کیا کروں بھیا رے اِس عمر میں اپنے اپنے گھر جا کر ہی مرنا ہووے۔

سرور : یہ جو آپ کا خیال ہے ناقوت ہونے کا تو اس کو ذہن سے نکال دیجیے فی الحال۔ ہمارے ہوتے ہوئے آپ ایسا پروگرام نہیں بنا سکتیں۔

آپا : پھر شمسو بھی اکیلا تھا۔ کے سال سے جھگڑا کر رہا تھا کہ اماں آجا۔ آجا اماں۔

سرور : بس تو پھر شمسو کی نکلی ناں آپا جی۔ ہم کو تو بیٹے نہ سمجھا۔

آپا : (پھر دونوں ہاتھ اس کے سر پر پھیر کر) ناں رے بھیا رے ناں .... تم تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور میرے جگر کا چین ہو۔ پر کیا کریں ـــــ دانہ پانی کا اختیار ہے بھیا رے !

عشرت : (داخل ہوتے ہوئے) وہاں خوش ہو آپا جی ؟

آپا : بس خوش ہی خوش ہیں بہو جی۔

عشرت : شمسو تو بہت خدمت کرتا ہوگا تمہاری۔

آپا : ہاں جی کاہے نہیں کاہے نہیں، بڑی سیوا کرتا ہے۔ پر بہو جی ——

دانت گرے اور کھر گھسے پیٹھ بوجھ نہ لے

ایسے بوڑھے بیل کون باندھ بھُس دے

سرور : تو پھر اِدھر آجائیں ناں ہمارے پاس —— واپس۔

آپا : نہ بھیّا رے نہ۔ اب نہیں ڈالوں گی اس بوڑھی جان کا بوجھ تمہارے پر۔ میں تو بُہو کو دیکھنے آئی ہوں اپنے عامر کی دُلہن کو۔ ایک نظر اس کو دیکھ لُوں تو ٹھنڈ پڑ جائے میرے کلیجے میں بتا جاؤں ناں بھیّا رے اس کو عامر کے گُن اوگن کس کس بات سے چڑتا ہے، کس کس بات سے خوش ہوتا ہے —— آجائے گا ناں کل تک؟

عشرت : آجائے گا آجائے گا آپا جی —— کل نہیں آیا تو پرسوں آجائے گا، تمہیں مِلا کر بھیجیں گے اُس سے۔

آپا : (اپنی چھوٹی سی گٹھڑی کھول کر اس میں سے پوٹلی نکالتے ہوئے) یہ میں دُلہن کے لیے لائی تھی بُہو جی —— مجھے نام تو بتایا نہیں تُونے اس کا سرور۔

سرور : ریحانہ۔ ریحانہ عامر!

آپا : اے کیسی ہے؟

عشرت : بہت خوبصورت آپا جی۔ مُنّی سی گڑیا!

آپا : ایسے ہی تنک تنک اکٹھا کر رکھا تھا کئی سال سے۔۔۔۔ کُچھ بھی نہیں۔۔۔۔

(پوٹلی کھول کر آگے کرتی ہے اس میں چاندی کے کڑے، پازیبیں اور چاندی کا موٹا چھوٹا ہار ہے۔)

سرور : (اس کی دونوں کلائیاں پکڑ کر) میری بیوی کے لیے بھی کچھ رکھا ہے کہ نہیں میڈم۔

آپا : (ہنس کر) ناں بھیّا اس کے لیے کچھ نہیں۔

سرور : کیوں وہ بیگانی ہے!

آپا : جب تک ہم نہیں ہونے کے بھیا رے ــــ یہ موہ مایا کا کھیل تو بس اتنا ہی تھا۔

سرور : دیکھتا ہوں ناں آپ کیسے تشریف لے جاتی ہیں میری شادی سے پہلے۔

آپا : اچھا بھیا اچھا .... میرے ہاتھ تو چھوڑ۔

(سرور ہاتھ چھوڑ دیتا ہے۔)

یہ رکھ لیو بہو جی۔

عشرت : جب ریحانہ آئے ناں آپا جی تو خود ہی اس کو دینا۔

آپا : میں دوں!

عشرت : خوش ہو جائے گی ــــ پسند آئے گی اس کو آپ کی بات۔

آپا : اچھا۔ اچھا۔ اچھا! ٹھیک ہے .... ٹھیک ہے۔

کٹ ــــــــ

سین ۱۶
اِن ڈور
شام

(آپا واصی کے کمرے میں عزّا کو گود میں لئے بیٹھی ہے۔ واصی اس کے پاس کمبل اوڑھے پڑا ہے۔ شمسو آتا ہے۔)

شمسو : تو چل اماں پھر شام جیادہ پڑ جاوے گی۔

آپا : چلتے ہیں بھیا چلتے ہیں گھر ہی جانا ہے ناں، ایسی تاولی کیوں بھیا رے۔

شمسو : تیرے لیے تو کچھ تاولی نہیں تو اپنوں میں بیٹھی ہے پر میں تو اوپرا لگتا ہوں یہاں

سلام کرلیا صاحب لوگوں کو ۔ چڑھاوا چڑھادیا ــــ اب چل ۔

آپا : اب کیا بتاؤں تجھے شمسو ۔ رحیم لالہ آرہا ہے پرسوں ۔

شمسو : تو ــــ

آپا : لے دو سال گزرنے پر وہ پردیس سے آوے گا میں اُسے بنا ملے کیسے چلی جاؤں ۔

شمسو : گھر سے چلتے ہی تیری نیت اچھی نہیں تھی اماں ۔

آپا : لے ہے ناں کملا ۔ ۔ ۔ کیوں پرومس نہیں کیا تھا ہم نے تیرے سنگ ۔

شمسو : شہر والوں کے پرومس تیرے جیسے ہی ہوتے ہیں اماں ۔

آپا : میں کوئی بیٹھی تھوڑے رہوں گی اِدھر ــــ ایک دن زیادہ سے زیادہ دو دن ۔ بڑا اَن کھایا ہے ہم نے رحیم لالہ کا ۔

شمسو : اچھا تو مجھے اجازت دے ــــ میں یہاں اوپرا لگتا ہوں ۔ کب تک ڈرائیور سنگ بیٹھا رہوں ۔

آپا : اچھا تُو جا ــــ اور دیکھ بہو سے کہہ دینا پچھلی کوٹھڑی کی چابی شیشے کے پیچھے پڑی ہے ۔

شمسو : بتادوں گا ــــ پر آجانا اماں ۔ زیادہ دیر رہی تو اور مان اِجت بڑھادیں گے تیرا ۔

آپا : آجاؤں گی آجاؤں گی ۔ برسوں کے ناطے کچھ یوں نہیں ٹوٹ جاتے شمسو ۔

شمسو : آجانا اماں ــــ اپنے پھر اپنے ہوتے ہیں ۔ ماریں گے تو چھاؤں میں توڈالیں گے مار کر ۔

(چلا جاتا ہے ۔)

ــــــــ کٹ

سین ۱۷
ان ڈور
رات

(حیدر جو اس وقت تک مرنجاں مرنج رہے ہیں، غصّے میں ہیں۔ عشرت پلنگ پر بیٹھی ہے۔)

حیدر : کمال ہے! میں تو کبھی تمہارے ساتھ اس بات پر۔ اگری ہی نہیں کر سکتا تھا اب تو this is the limit

عشرت : آہستہ بولیں حیدر صاحب !
(اُٹھ کر دروازہ بند کر دیتی ہے۔)

حیدر : کیا آہستہ بولیں۔ ساری عمر میں نے آپا جی کی ایسے عزّت کی جیسے وہ میری سگی ماں تھی۔ اور وہ .... کیا نکلی .... میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ کمینی۔ چالاک —— شمسو کو ساتھ لائی تاکہ راتوں رات زیور گاؤں پہنچا سکے۔ آپا جی کو اس بار میں بھی نہیں چھوڑوں گا —— میں عشرت جہاں نہیں ہوں کہ منتّیں کر کے گھر سے نکال دُوں۔ میں انہیں پولیس کے حوالے کروں گا۔

عشرت : سوچ لیں حیدر! آپا جی نے تم کو پالا ....

حیدر : آپا جی نے پالا ہو گا —— تو تنخواہ بھی معقول لی ہو گی۔

عشرت : آہستہ بولیں حیدر پلیز۔ ابھی تو مہمان ہیں گھر میں۔

حیدر : جب عامر ہنی مون سے واپس آئے گا تو میں کیا منہ دکھاؤں گا اُسے۔ ایک نہ دو نہ تین پورے سات سیٹ چوری .... کیا آرام سے بھگا دیا شمسو کو راتوں رات۔ پتہ ہے ناں حیدر کا دل کمزور ہے —— جب آپا جی کو

حوالات میں رہنا پڑا تو خود بخود شمسو کو حاضر کرے گی بڑھیا۔ کیا مجروح کیا ہے میرے اعتماد کو بدبخت نے۔ توبہ توبہ ——

(فون ملاتا ہے۔)

ہیلو۔ پولیس اسٹیشن —— جی میں حیدر رحیم بول رہا ہوں۔ جی۔۔۔۔ کل رات میرے گھر میں —— جی حیدر رحیم —— جی کل رات میرے گھر سے ستر ہزار کی لاگت کے زیورات چوری ہو گئے۔۔۔۔ جی جی —— چور میرے گھر میں ہی بیٹھا ہے۔ بالکل —— صرف سچ اُگلوانا آپ کا کام ہے —— جی جی۔۔۔۔ جی بالکل ٹھیک ہے۔۔۔۔ ہاں جی حیدر رحیم۔۔۔۔ شکریہ۔ مہربانی۔ تشریف لائیے ——

کٹ ——————

سین ۱۸

ان ڈور

صبح

(ڈرائنگ روم ۔ واصی گھر پر اکیلا ہے اور انگریزی موسیقی سن رہا ہے گھنٹی بجتی ہے اور وہ میوزک بند کر کے دروازہ کھولتا ہے۔ رحیم لالہ اندر آتے ہیں یہ ایک انگریز بڈھے کی مانند ہیں۔ لباس باتیں طریقے سب مغربی ہو چکے ہیں قریب سے نوکر بیگ اُٹھا کر اندر جاتا ہے۔ واصی ان سے لپٹ جاتا ہے۔)

واصی : دادا ابا —— دادا ابا —— میرے مکینٹو لائے۔

(لپٹ جاتا ہے۔)

لالہ : لائیے سر لائیے۔ واہ واہ واہ My son has grown! اور سب لوگ کہاں ہیں؟

واصی : وہ سب تو آپ کو ائرپورٹ لینے گئے ہیں۔

(دونوں باتیں کرتے کرتے اندر کی جانب جاتے ہیں۔)

دادا ابا ــــ

لالہ : کہاں مجھے لینے گئے ہیں واصی ڈیئر۔ میں تو ائرپورٹ پر کھڑا انتظار کرتا رہا گھنٹہ بھر۔ پھر پورٹر پوچھنے لگے سر ٹیکسی لادیں۔ میں نے کہا چلو ٹیکسی ہی سہی۔ یہ بھی ایک ایکس پیرینئس ہے۔ تمہارا شہر تو بہت بدل گیا واصی۔

واصی : وہ سب تو بڑی دیر کے گئے ہوئے ہیں دادا ابا۔ کہیں ٹائر نہ پنکچر ہوگیا ہو۔

لالہ : تمہارے ڈیڈی نے راستے میں کچھ اور decision کر لیا ہوگا عشرت کے مشورے سے۔

واصی : پتہ نہیں دادا ابا۔ ویسے تو وہ سیدھے ائرپورٹ گئے ہیں۔

لالہ : آپا جی کو بلاؤ۔ اس کو ہر طرح کی انفرمیشن ہوتی ہے۔

واصی : آپا جی تو نہیں ہیں دادا ابا، وہ تو گاؤں چلی گئیں۔

لالہ : شمسو لے گیا ہوگا اس کو۔ آخر اس کا بھی حق تھا۔ بہت سال ہم نے آپا جی کو اُس سے دُور رکھا۔ ٹھیک ہے .... ٹھیک ہے ...

واصی : (کچھ سوچتے ہوئے) شمسو نہیں لے گیا دادا ابا۔ وہ امّی نے بتایا نہیں کسی کو لیکن ــــ آپا چور تھی۔ اس نے تین ہزار نکال لئے تھے امّی جی کے۔

لالہ : تین ہزار ــــ؟

واصی : آپا بڑی چور ہے جی۔ اس کا جو بیٹا شمسو ہے ناں .... اس نے زیور بھی چرائے ہیں چچی ریحانہ کے ... کل رات۔

لالہ : یا میں بڑی دیر بعد آیا ہوں یا پھر پاکستان بدل گیا ہے تیزی کے ساتھ۔
ہو کیا گیا ہے ؟

واصی : دیکھیں ناں دادا ابا۔۔۔کل رات ریحانہ چچی کا سارا زیور چوری ہو گیا۔
وہ شمسو ہے ناں' وہ راتوں رات زیور لے کر بھاگ گیا دادا ابا۔امی نے بتایا
تو ابو جی پہلے نہیں مانتے تھے'اب وہ بھی مان گئے ہیں۔آپا جی کو پولیس پکڑ
کر لے گئی ہے۔

لالہ : (سر پکڑ کر) مَیں تو عامر کی بیوی سے ملنے آیا تھا اور یہاں دُنیا ہی بدل چکی ہے۔

Oh my God! Why did I come to Pakistan?Why-Why-Why-

ــــــــــــــــ یہ لوگ ویلیوز ہی نہیں بھول گئے
اپنی بلکہ کامن سینس بھی کھو چکے ہیں۔

ــــــــــــ کٹ

سین ۱۹
ان ڈور
رات

(بیڈ روم ۔۔ رحیم لالہ ایک آرام دہ صوفے میں بیٹھے ہیں ۔ ان کے علاوہ گھر
کے تمام افراد کھڑے ہیں۔حیدر اُن کے سامنے کھڑا ہے ۔ بُبو جی صوفے کی پشت
پر ہاتھ دھرے کھڑی ہیں۔سرور کتابوں کی الماری سے کندھا جوڑ کر ذرا اُکھڑا
ہوا الجھا ہوا سا کھڑا ہے۔ واصی دروازے کے ساتھ دیوار کے ساتھ لگا کھڑا

ہے۔ تمام کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں۔ اور جیسے وہ تمام کے تمام مُجرم ہیں۔
رحیم لالہ نہایت جلال میں ہیں۔)

رحیم : تم چپ رہو عشرت بیگم —— تمہاری ماں کانوں کی کچی۔ تمہاری نانی کانا اور لے دوڑی۔ تمہارا باپ ساری عمر آدھی سُنی پر عمل کرتا رہا۔ تم چُپ رہو۔ تم معذور ہو۔ تمہاری تھنکنگ ہی ایسی ہے ساری فیملی کی۔

عشرت : ٹھیک ہے تایا ابا پر ۔۔۔۔ مجھے سریا نے ڈرافٹ کی رسید دکھائی تھی، پورے تین ہزار کی!

رحیم : کون سریا؟

حیدر : خانساماں ڈیڈی جی ۔۔۔۔

رحیم : تم نے ایسے بے سروپا نام والے کی بات پر یقین کر لیا جس کا نام ہی سریا تھا۔ اس کی لٹھ سے آپا جیسی کانچ کی پُتلی کیسے محفوظ رہ سکتی تھی ۔۔۔۔ وہ آیا کہاں سے تھا؟ ۔۔۔۔ کون تھا سریا؟

سرور : پتہ نہیں ڈیڈی جی —— پر وہ نیو کاسل میں پیدا ہُوا تھا۔

رحیم : بس یہ سنتے ہی تمہاری سیٹی گُم ہو گئی ہو گی سب کی۔ نیو کاسل کا رعب پڑ گیا ہو گا۔ جُھک جُھک کے سلام کرتے ہو گے تم اس کو؟ او بدبختو! ایک غیر کے کہنے پر تم نے برسوں کے خیر خواہ کو نکال دیا۔ نیو کاسل کا رعب پڑ گیا نا؟ لعنت بالعنت!!

عشرت : میں نہیں رکھتی تھی تایا ابا۔ آپا جی نے رکھوایا تھا زبردستی۔

رحیم : یہ بات تم نے مان لی مہربانی کی۔ اپنے مطلب کے لیے تم کتنی فرماں بردار ہو۔ سُبحان اللہ!

حیدر : ڈیڈی جان ۔۔۔۔

رحیم : ٹھہرو ابھی تمہاری باری نہیں آئی — تم کو عشرت کبھی پردیس میں رہنے کا اتفاق نہیں ہُوا — تم کبھی اپنوں سے بچھڑی نہیں ہو۔ شادی ہوئی تو اپنوں میں، ہو گئی۔ تم کو کیا پتہ اپنوں سے بچھڑ کر کیا ہوتا ہے! مجھ سے پوچھو — یہاں کی گرمی، یہاں کا حبس کیسے یاد آتا ہے کوپن ہیگن کی سردی میں! تم کو ...... کبھی برس ہا برس علیحدہ رہنا پڑے اپنوں سے تو ان کی قدر معلوم ہو۔ تم بہت زیادہ رہی ہو اپنوں کی عافیت میں۔ ان کی گرمی اور گرم جوشی میں۔

سرور : چلیے ڈیڈی جی، غلطی ہو گئی بھابی سے، معاف کر دیں۔

رحیم : کہیں سے وہ سرپا آگیا کمبخت نیو کاسل کا چار دن کے لیے، سارا گھر ہی توڑ پھوڑ کر چلا گیا ...... میرے بہت دوست ہیں سرور کوپن ہیگن میں۔ ...... میں ان پر بہت جان چھڑکتا ہوں۔ لیکن بی بی عشرت جان گورے کا اصلی دوست صرف گورا ہی ہوتا ہے۔ ہم لوگ صرف خانہ پُری کے لیے ہوتے ہیں، مطلب برآری کے لیے، احمق بنانے کے لیے۔ گورا ہماری طرح احمق نہیں ہوتا کہ ہمیں دُم ہلاتے دیکھ کر خوش ہو جائے۔ اپنوں کو چھوڑ دے ...... یہ ہماری آنکھوں پر ہی کچھ ایسا شر چڑھا ہے کہ غیر محبت کے دو بول بول دے تو اپنوں میں سو کیڑے نظر آنے لگتے ہیں۔ آنکھ ہی نہیں کھلتی ہماری کبھی۔

حیدر : ڈیڈی جی ...... ٹھیک ہے آپ کو تکلیف پہنچی ہے، اس وقت مجھے بھی رنج ہوا تھا۔ لیکن آپا اب وہ نہیں جسے آپ جانتے ہیں۔ وہ بیٹے کی محبت میں اندھی ہو چکی ہے۔ عامر کی بیوی کا سارا زیور شمسو لے کر چمپت ہو گیا۔ آپ یقین کریں۔

لالہ : سبحان اللہ! بیوی سے دو ہاتھ آگے ہو احمق پن میں — اس نے تو غیر کی گواہی پر اپنوں سے بے وفائی کی — تم کو تمہارے اندازے نے

ہی بدگمان کر دیا۔ گدھے ! کوئی اپنی ماں کو بھی پولیس کے حوالے کرتا ہے، حوالات بھجواتا ہے — ماں چاہے چور ہی کیوں نہ ہو۔۔۔ کوئی کہتا ہے کسی سے؟ اپنوں کو چھوڑ کر جزیرے نہیں بسائے جا سکتے حیدر — پتہ نہیں میں پاکستان کیوں چلا آیا؟

سرور : ڈیڈی ۔۔۔۔ آپ ذرا آبجیکٹیو ہو کر سوچیں۔ آپ دو ڈھائی سال بعد آئے ہیں پاکستان، اس لیے آپ ایموشنل ہو رہے ہیں۔

لالہ : تم اپنا علم اپنے پاس رکھو سرور — مجھے ایسا علم نہیں چاہیے جو اپنوں میں کیڑے نکالنے کے لیے آبجیکٹیوٹی کا روپ دھار لے، ریشنل بن جائے۔ مجھے ایسے علم سے معافی دو جس سے اپنوں پر گند اچھالنے کے مواقع پیدا کیے جائیں میرا ایسے نالج سے کوئی تعلق نہیں جو اپنوں سے بے انصافی کرنے برتنے کے لیے glorious reasons پیدا کر لیتا ہے۔ تم اپنی یونیورسٹی کی تعلیم اپنے پاس رکھو — healthy criticism کی۔ اس کے جراثیم میرے گھر میں مت پھیلاؤ ۔۔۔۔ اس گھر میں تمہیں انہی قدروں کے سہارے، اسی مورل کوڈ کے مطابق رہنا ہو گا جو تمہاری ماں سے تمہیں ملا ہے ۔۔۔۔ جو اس کی ماں سے ہم تک پہنچا ہے ۔۔۔ یہاں ہم کسی pretext پر — کسی بہانے چاہے وہ کتنا بھی خوشنما اور دلفریب کیوں نہ ہو، اپنوں سے نہیں کٹ سکتے — تم نوجوان بھی کیا ہو۔ تمہاری پسند کا پرچہ نہ آئے تو ساری یونیورسٹی کے شیشے توڑ دیتے ہو، چوک کی بتیاں پھوڑ دیتے ہو اور یہاں ساری عمر کی پالنے والی چلی گئی اور تم نے ایک دن کا فاقہ بھی نہ کیا بھابی کے دروازے کے آگے بیٹھ کر، ایک شیشہ بھی نہ توڑا اس گھر کا شیم آن یو!

سرور : آئی ایم سوری ڈیڈی جی۔

لالہ : You should not be sorry but ashamed. At least I am ashamed of you-all!

(غصّے سے فون ملاتا ہے۔ باقی سب چور نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں۔)

رحیم : ایس ایچ او صاحب ہیں؟ دیجئے ان کو . . . مہربانی ——

کٹ ——————

سین ۲۰
ان ڈور
شام

(ایک درمیانے درجے کے تھانے کا دفتر۔ ایس ایچ او صاحب اپنی کرسی پر بیٹھے ہیں۔ سامنے لالہ رحیم ہیں۔ ایک سپاہی مسل لاکر تھانیدار کے سامنے رکھتا ہے۔)

تھانیدار : (ایک نظر دیکھ کر) ٹھیک ہے۔ مَیں ابھی دیکھ کر بھجواتا ہوں۔

(سپاہی چلا جاتا ہے تو لالہ رحیم سے مخاطب ہوتا ہے :)

میں یہ عرض کر رہا تھا رحیم صاحب کہ ہمارے بارے میں جو بھی مشہور ہے مَیں اس کی صفائی پیش نہیں کرتا لیکن اس قدر ضرور عرض کروں گا کہ ہم دیکھنے والی آنکھ ضرور رکھتے ہیں۔

لالہ : جی جی

تھانیدار : آپ کی آپا ہریالی بیگم کو میں نے ایک ہی نظر میں دیکھ کر پہچانپ لیا تھا کہ یہ بزرگ چور نہیں ہو سکتیں۔

لالہ : ناممکن تھانیدار صاحب — امپوسبل!

تھانیدار : مَیں نے ان سے ان کا نام پُوچھا، گاؤں پُوچھا اور پھر اُنہیں اپنے بیٹے کے ہمراہ ان کے گاؤں بھجوا دیا، کالا پدھائی۔

لالہ : (خوش ہو کر) اللہ آپ کو خوش رکھے تھانیدار صاحب! God bless you میرے بچّوں نے جو حماقت کی، آپ نے اس کی تلافی کر دی۔ خدا آپ کو اس کی جزا دے۔ (اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔)

تھانیدار : (اُٹھ کر) ویسے سر ہم اتنے بھی گئے گزرے نہیں ہوتے جسقدر آپ ہمیں سمجھتے ہیں۔

لالہ : بالکل نہیں تھانیدار صاحب . . . . ہرگز نہیں . . . . بالکل نہیں۔ میں تو بلکہ یہ عرض کروں گا کہ آپ لوگ جس قدر . . . .

تھانیدار : اور ہاں داوے رحیم صاحب . . . . آپ کے چور بھی پکڑے گئے ہیں — ابھی مجھے فون آیا تھا ربیالہ خورد سے . . . . ایک گینگ ہے کوٹھیوں میں چوری کرنے والوں کا . . .

لالہ : (اپنے خیال میں) وہ اور بات ہے تھانیدار صاحب . . . . وہ ایک دوسرا قصہ ہے . . . . لیکن اس شرمندگی سے نکال کر آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ (ہاتھ ملاتا ہے۔)

Bless you-God bless you!

کٹ ________

سین ۲۱
ان ڈور
دوپہر

(کالا پدھائی میں آنگن ۔آپا جی بستر پر بیمار پڑی ہے ۔ چارپائی کے پاس رحیم لالہ بیٹھے ہیں ۔)

لالہ : میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا ہریالی بوا ۔۔۔ تم ان سب کو دفع کرو ۔ میرے ساتھ چلو ولائت .... بڑا گھر ہے ۔ بڑا کاروبار ہے ۔ شام کو ہم بیٹھ کر باتیں کیا کریں گے ۔ شمسو کی' عامر کی .... واصی کی .... اور تمہاری بیگم صاحب کی ۔۔۔

آپا : اب کیا کہاں جانا ہے رحیم لالہ .... اب تو تھوڑا سا سفر رہ گیا بھیا رے ۔ دالان تو سارا پار ہو چکا اب تو یہ دو چار ہاتھ کا آنگن رہ گیا ہے ۔

(اس وقت شمسو آتا ہے ۔ اس کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے ہے ۔)

آپا : (بڑی مشکل سے کہنی کے بل ہو کر بیٹھتی ہے) لے شمسو دیکھ تو نہ جانے اپنے رحیم لالہ کو ۔۔۔ ہم کو تو پتہ تھا جب ہووے گا پاکستان میں' آوے گا ہمارے کنے جرور .... چاند کبھی چھپا رہوے بادل میں' ویسے چھپنے کو چھپا بھی رہوے بھائی پندرہ پندرہ دن ۔

لالہ : میں شکل دکھانے نہیں آیا آپا جی ۔ تمہیں ساتھ لے جانے کو آیا ہوں ۔

آپا : نہ بھیا ناں .... اب ماہیں دے .... اب کہیں آنا جانا نہیں ہے آپا جی کو .... بہت ہو گیا مارا ماری کا سفر .... اب تو چھٹی دیدے ہمیش ہمیش کو ۔

لالہ : میں بھی اگر تجھے چھوڑ گیا تو رحیم لالہ نہیں ۔ تو جانتی ہے مجھے ہریالی بوا ۔

شمسو : (ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوتا ہے) دیکھو صاحب جی ساری عمر ۔۔۔ میری اماں تمہارے

کتنے رہی۔ بڑی سیوا کی ماں نے تمہاری۔۔۔۔ اس کی زندگی تمہارے گھر گزری صاحب جی۔۔۔۔ پر اب ماں کو اپنوں میں مرنے دیں۔۔۔۔ موت میرے گھر آجائے تو کیا اعتراض صاحب جی آپ کو؟

لالہ : اپنوں میں — اور ہم کیا ہیں؟ کون تھے ہم آپا کے؟ کون تھے ہم آپا کے؟ کون تھے ہم ہریالی کے؟

(جیسے گہری نیند سے چونکا ہے۔)

شمسو : غصہ نہ کرنا صاحب جی۔۔۔۔ جیسے یہ میری ماں ہے اس جیسی آپ کی تو نہیں ناں — میرے تن سے جب آپ اسے جُدا کریں تو ایسی پیڑ ہووے جیسے بوٹی نوچ لی ہو کسی نے۔ درد نہ ہووے صاحب جی۔۔۔۔؟

لالہ : ہاں شمسو۔۔۔۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔۔۔۔ دُکھ تو یہی ہے تم بھی ٹھیک کہتے ہو ایسا درد ہوتا تو آپا جی کاہے کو آتی یہاں۔

آپا : بھیا رے تو نے گُسّہ نہیں کرنا شمسو کا۔۔۔۔ بس اب کیا لے جانا ہے کسی نے آپا جی کا۔ سب جھگڑے ختم ہونے والے ہیں رحیم لالہ اب میں کہیں نہیں جانے کی۔

(کیمرہ آپا کے چہرے پر آتا ہے پھر رحیم لالہ پر آتا ہے وہ گم سم بیٹھا ہے پھر آپا کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے اور اپنا گال اُس پر رکھتا ہے۔)

آپا : اور سُن رحیم لالہ۔۔۔۔ تو بھی واپس آجا بھیا رے اپنوں میں۔ چھوڑ اُس بندر جاتی کو۔ کیا دے دیا تجھے گورے نے اور آگے کیا دے دے گا بھیا! آجا ماں کی گود میں۔۔۔۔ اپنوں کے سنگ۔۔۔۔ چھوڑ بھیا غیروں کا سنگ ساتھ۔

(رحیم لالہ کی آنکھ سے بڑا سا آنسو اُس کی گال پر گرتا ہے۔)

سردی اور سارو

کردار :

زبیر	:	دراز قد شریف النفس انسان ۔ سوچیتیالو زینتی فرم کی لاہور برانچ کا جنرل مینجر
نینا ڈیوڈ	:	عمر تیس بتیس ۔ سانولی سلونی ڈری ہوئی عورت
آئرن ڈیوڈ	:	خدا کا خوف رکھنے والی عورت ۔ عمر ساٹھ برس
للی آرچر	:	نینا ڈیوڈ کا شوہر ۔ نینا اور اپنی زندگی کا عذاب
سلطان	:	پرچیز آفیسر ۔ نوجوان
صدیقی	:	اکاونٹنٹ ۔ عمر پچاس کے لگ بھگ
فردوس	:	کلرک ۔ مین میخ نکالنے والا
دلاور	:	کلرک ۔ دوسروں پر نظر رکھنے والا
مس شگفتہ	:	عمر پینتیس برس ۔ کام چور
مس ملک	:	عمر تیس کے لگ بھگ ۔ زیادہ میک اپ کرنے والی
کریم	:	اکاؤنٹنٹ ۔ عمر پچپن برس
دلدار	:	داڈار خاں ۔ جوشیلا پٹھان آدمی عمر تیس برس

اور

گڑوی والیاں



سین ۱
آؤٹ ڈور
صبح کا وقت

(گارڈن ٹاؤن اور یونیورسٹی کے درمیان جہاں سڑکیں بن چکی ہیں آبادی اور ٹریفک ابھی زیادہ نہیں، یہاں صبح کے وقت جب دفتری لوگ جا رہے ہیں۔ یہاں چند کالج کے نوجوان طلباء اور دو ایک سائیکل سوار ایک کتّے کو پتھر مار رہے ہیں۔ کتّا چیوں چیوں کرتا آگے بھاگتا ہے۔ یہ گروہ بھی اس کا تعاقب کرتا ہے اور اس کو مارتا ہے۔ یہ گروہ ان بے فکرے شہریوں کا سمبل ہے جو نادار، مفلس اور بے سہارا لوگوں کو اپنی ایذا رسانی سے کہیں کا نہیں چھوڑتے۔ کتّے کا تعاقب اور پتھر مارنا کئی طور پر کٹ ٹو کٹ اور لانگ میں دکھایا جاتے تاکہ اس کا سارا امپیکٹ جاندار ہو۔ پھر فاصلے پر سے ایک سفید کار کو اس منظر میں شامل کرتے ہیں۔ کار آگے بڑھتی آتی ہے۔ اس گروہ سے کچھ فاصلے پر رُکتی ہے۔ کیمرہ گروہ اور کتّے کو چھوڑ کر کار پر آتا ہے۔ کار بریک کے دھچکے کے ساتھ رُکتی ہے۔ اس پر کتّے کی چیوں چیوں سپر امپوز ہوتی ہے۔ کار کا فرنٹ دروازہ کھول کر زبیر باہر نکلتا ہے۔ کتّے اور گروہ کی جانب دیکھتا ہے۔)

کٹ ـــــــ

سین ۲
اِن ڈور
دن

(زبیر کا مین آفس "سوچیتا لورنیتی" بہت بڑی کمپنی ہے جس کا ہیڈ آفس کراچی میں ہے۔ مین آفس میں اکاونٹنٹ صدیقی، پرچیز آفیسر سلطان صاحب، فردوس کلرک، دلاور کلرک، مس شگفتہ، مس ملک، کریم اکاونٹنٹ اور چپڑاسی دلدار جسے سب راڈار خاں بلاتے ہیں، موجود ہیں۔ یہ تمام کارندے گھنٹے اور ابن الوقت ہیں۔ زبیر آتا ہے۔ تمام ملازمین کھڑے ہوتے ہیں۔ اور جس جس کے پاس سے زبیر گزرتا ہے، وہ سلام کرتا ہے۔ زبیر بھی مختلف طریقوں سے سب کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ زبیر لئے دیئے رہتا ہے۔ جیسے وہ اِن سب کی سرشت سے واقف ہو۔ ان سب کام کرنے والوں کا طریقہ خوشامدی ہے۔ زبیر کے پیچھے پیچھے ایک چپڑاسی بیگ اٹھائے آتا ہے۔ پروڈیوسر اس بات کا خاص خیال رکھیں گے کہ یہ سین ایک تعارف کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر کردار کے سلام کرنے کے انداز میں ہی اس کی شرپسندی چھُپی ہے۔ ہر کردار پر قیام کر کے اس کا کیریکٹر واضح کیا جاتا ہے۔ زبیر جب اپنے دفتر میں گھُس جاتا ہے تو تمام کارندے ایک مجموعی سکون کے ساتھ اپنی اپنی کُرسی پر بیٹھتے ہیں۔ مس شگفتہ دراز کھول کر اپنی نٹنگ نکالتی ہے اور بُننے میں مشغول ہو جاتی ہے۔ صدیقی صاحب از سرِ نو چائے پینے لگتے ہیں۔ مس ملک مونگ پھلیاں کھانے لگتی ہے۔ کریم ناخن کاٹنے میں مشغول ہے۔ باقی ایک دو کلرک ٹائپ کرنے کی کوشش سی کرتے ہیں۔

راڈار خاں، جس کا اصلی نام دلدار خاں ہے، سٹول پر بیٹھ کر نسوار منہ میں لیتا ہے۔)

—— کٹ

سین ۳
اِن ڈور
کچھ دیر بعد

(زبیر دفتر میں اپنی نشست پر جا کر بیٹھتا ہے ——————
—— ٹرے سے کل کی ڈاک کے ٹائپ کیے ہوئے خطوں کی فائل کھول کر دیکھتا ہے۔ اتنے میں باہر سے دو گانے والیوں کی آواز آنے لگتی ہے۔)

ٹمن سائیں میں تے گولی غلام تینڈے در دی
سانوں سائیں میں کدوں تو تیرے در دی
اللہ بھری دس دا دل —— ہو ....

(زبیر فائل سے سر اٹھا کر مدھم بیزاری سے کھڑکی کی طرف دیکھتا ہے، پھر فائل بند کر کے کھڑکی کی طرف جاتا ہے۔ شیشوں پر لیس لگی کھڑکی کا پٹ نیم وا کر کے دیکھتا ہے۔

باہر دو گڑوی والیاں گھاگھرے پہنے ایک کی ناک میں نتھنی اور دوسری کی ناک میں چمکدار کیل ہے۔ گڑوی بجا بجا کر گا رہی ہیں۔ جونہی وہ زبیر کو دیکھتی ہیں۔ ہاتھ اُٹھا کر پکارنے لگتی ہیں۔)

گڑوی والی ۱ : اللہ میرے صاحب دیاں سَتے خیراں۔

گڑوی والی ۲ : قلماں چلدیاں رہن میرے صاحب دیاں موٹراں وگدیاں رہن۔

گڑوی والی ۱ : اچھے مراتبے میرے صاحب دے۔ میرے سوہنے افسر دے۔ شہزادے کچہ بکمران دے۔ اِک پنجاں دے نوٹ دا سوال اے۔ اُچیاں کرسیاں والے توں۔

گڑوی والی ۲ : میرے سوہنے بادشاہزادے دیاں گُٹ گھڑیاں چلدیاں رہن اینڈی پن کُھلتے پئے وگن۔ شالا خیر تھیوے۔ حکم بنے رہن۔

(زبیر مزید بیزاری کے عالم میں کھڑکی بند کر کے واپس اپنی سیٹ پر آتا ہے۔ کھڑکی بند کرنے کے ساتھ لڑکیوں کے گانے کی مدھم آواز پھر کمرے میں پھیلنے لگتی ہے۔ زبیر اپنے پیر سے بٹن دبا کر گھنٹی بجاتا ہے۔ گھنٹی کی آواز ہرگز سنائی نہ دے۔ تھوڑی دیر بعد دلدار خاں چپڑاسی اندر آتا ہے۔)

دلدار : جی صاحب

زبیر : بھئی یہ کیا مصیبت ہے۔ کیوں آجاتی ہیں یہ پھاٹک کے اندر۔

دلدار : یہ بہت بے غیرت ہے صاحب۔ مانتی ہی نہیں۔ ہم نے مارا بھی جی ان کو ایک ایک تھپڑ۔

زبیر : اکاؤنٹنٹ سے دو روپے لے کر انہیں دے دو۔ اور چلتا کرو۔

دلدار : ٹھیک اے صاحب۔

زبیر : اور چوکیدار سے بولو مت آنے دیا کرے کسی کو اندر۔

دلدار : جی صاحب

(باہر چلا جاتا ہے اور زبیر پھر اسی طرح اپنی فائل میں ڈوب جاتا ہے ایک جگہ قلم سے سیمی کولن کی غلطی بھی لگاتا ہے۔ یاد رکھئے قلم ایک ہاتھ سے

کھولا جائے اتنے میں دروازے پر اکاؤنٹس آفیسر صدیقی صاحب آتے ہیں۔)

صدیقی : مے آئی کم ان سر

(زبیر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ہُوں کہتا ہے ۔)

صدیقی : (میز کے سامنے آکر) مس نیناڈیویڈ آگئی ہیں سر۔

زبیر : مس نیناڈیویڈ!

صدیقی : کراچی ہیڈ آفس سے سر۔

زبیر : کراچی ہیڈ آفس!

صدیقی : سٹینو ٹائپسٹ سر

زبیر : اوہ آئی سی ..... آئی سی۔ بھیجئے۔ بھیجئے۔ بھیجئے۔

(صدیقی اسی طرح خاموش باہر نکل جاتا ہے اور زبیر پھر ٹائپ کئے خط دیکھنے لگ جاتا ہے۔ نینا دروازے پر اپنی انگلی بجاتی ہے ۔)

زبیر : کم اِن

(نینا آہستگی سے اندر داخل ہوتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک بند لفافہ ہے جو ہیڈ آفس سے لے کر آئی ہے۔ زبیر کی طرف رُخ کرتے ہی وہ السلام علیکم سر۔ کہتی ہے ۔)

زبیر : (سر اُٹھا کر) وعلیکم السلام۔ بیٹھیے۔

نینا : (بیٹھتے ہوئے) تھینک یُو سر

(زبیر ایک خط پر دستخط کرنے کے بعد بڑی شان محبوبی سے فائل بند کرتا ہے اور نینا کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔)

زبیر : جی

نینا : یہ میرا ٹرانسفر آرڈر ہے سر۔

(لفافہ دیتی ہے جو زبیر بغیر کھولے اور دیکھے میز پر رکھ لیتا ہے۔)

زبیر : کب سے ہیں آپ سوچیتا لو رنیتی میں؟

نیتا : اباؤٹ تھری ایئر سر۔

زبیر : تو پھر ٹرانسفر کیوں کر دی سینور چیکا نے آپ کی؟

نیتا : میں نے خود کروائی ہے سر۔

زبیر : آپ کو کراچی نہیں پسند ؟

نیتا : کراچی تو پسند ہے سر۔ لیکن کچھ میرے circumstances ہی ایسے ہوگئے تھے کہ مجھے مجبوراً ٹرانسفر کرانا پڑی۔

زبیر : (مُسکراکر) اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ یہاں آپ کے circumstances اچھے رہیں گے۔

نیتا : ایک ہوپ تو ہے نا سر۔

زبیر : ہُوں۔ ٹھیک ہے۔ آپ صدیقی صاحب کو اپنی جائننگ رپورٹ دے دیجئے۔

نیتا : تھینک یُو سر۔ (اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔)

زبیر : (یاد کرتے ہوئے) واٹس یُور نیم ؟

نیتا : نیتا سر

زبیر : نیتا ؟ وہاٹ ۔

نیتا : نیتا ڈیوڈ سر۔

زبیر : مس نیتا ڈیوڈ

نیتا : (جھوٹ بولتے ہوئے) یس سر

زبیر : ایکسکیوز می ! آر یُو رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ؟

نیتا : رومن کیتھولک سر

زبیر : (کُرسی سے اُٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے) ویلکم۔ویلکم ٹُو دی ز ونل آفس۔ دی آر
پلیز ڈ ٹو ہیو یُو وِد اَس۔

نینا : تھینک یُو سر

(دروازے کی طرف بڑھتی ہے تو زبیر تیزی کے ساتھ دروازے کی طرف لپکتا ہے اور نینا کے لیے دروازہ کھولتا ہے۔)

نینا : تھینک یُو سر۔ تھینک یُو ویری مچ

(زبیر،جواب میں صرف مسکراتا ہے۔اس دروازے کے عین سامنے شگفتہ بی بی کا میز ہے۔وہ اپنی نٹنگ فوراً ایک طرف رکھ کر اپنی ٹائپ مشین میں پھنسے ہوئے کاغذ پر ربڑ کرنے لگتی ہے لیکن کلوز اپ میں کانی آنکھ سے اِدھر دیکھ رہی ہے جدھر زبیر اور نینا کھڑے ہیں۔یاد رکھیئے مس شگفتہ جب بھی ہمیں ملتی ہیں۔وہ ٹائپ میں پھنسے ہوئے کاغذ پر ربڑ سے غلطی لگایا کرتی ہیں اور پھر ایک انگلی سے لیٹر مار اور سپیس بیک کر کے پھر مار کر اپنی غلطی دُور کیا کرتی ہیں۔ڈرامہ ریکارڈ کرنے سے پہلے شگفتہ بی بی کو اس کی مشق کرا دی جائے۔شکریہ)

کٹ ـــــــــ

سین ۴
اِن ڈور
رات

(یہ چھوٹا سا دو کمروں پر مشتمل گھر ہے جیسا کہ گڑھی شاہو میں ہوتے ہیں۔

فرنیچر کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ دیوار پر حضرت مسیحؑ کی مصلوب حالت میں تصویر ہے۔ ایک طاقچہ میں بی بی مریم کی تصویر ہے جس کے سامنے قندیل روشن ہے۔ نیتا کی ماں آئرین نے سفید کاٹن کی دھوتی نما ساڑھی پہن رکھی ہے۔ بالوں کو کھینچ کر گدّی پر جوڑا بنایا ہوا ہے۔ وہ صدیوں کی اداس عورت ہے۔ اس وقت وہ نیتا کے بیٹے کو بوتل سے دُودھ پلا رہی ہے۔ اس کے سینے پر چھوٹی سی صلیب بوتل کے ساتھ ٹکرا رہی ہے۔ کمرے میں نیتا موجود نہیں لیکن ماں نیتا سے باتیں کر رہی ہے۔)

ماں : واپسی پر تجھے بس مل گئی تھی ؟

نیتا : (ساتھ والے کمرے سے) دفتر کے بالکل سامنے ہے بس سٹاپ ممی۔

ماں : اچھا..... دوپہر کو وہ سینڈوچ کھا لیا تھا ؟

نیتا : (اب دروازے میں برآمد ہوتی ہے) وہ تو میں بھول ہی گئی ممی۔ اب کھا لُوں ؟ میرے پرس میں ہے۔

ماں : (ہنس کر) کچھ یاد بھی رہتا ہے تجھے ؟

(نیتا چارپائی پر بیٹھ کر پیروں سے لمبی سٹاکنگ اتارتی ہے۔)

نیتا : نہیں اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ سب یاد رہے گا۔ بڑا اچھا آفس ہے۔ بڑے پیارے لوگ ہیں۔

ماں : (لمبی آہ بھر کر) یا خداوند ایسے ہی ہو۔

نیتا : زونل منیجر تو بہت ہی اچھے آدمی لگتے ہیں۔ ذرا رُوڈ نہیں۔ اور اتنے پولائیٹ ممی اتنے پولائیٹ....

ماں : یا خداوند وہ ہمیشہ ایسے ہی رہے۔

نیتا : بازار گئیں آپ ممی ؟

ماں : ہاں گئی تھی۔ ادھر بھی ہے ایک اور چھوٹا بازار۔ دُور نہیں ہے۔ مچھلی نہیں ملی صرف۔

نینا : یہاں کراچی والی مچھلی کہاں ؟ (بچّے کے پاس آکر اسے گود میں اُٹھاتی ہے)

ماں : جب تیرا ڈیڈی زندہ تھا تو ہم ہمیشہ آرزو کرتے تھے کہ کسی کرسمس کی چھٹیاں کراچی میں ضرور گزاریں گے لیکن کبھی مارٹن پور باہر نہ جا سکے۔ تیرے ڈیڈی کو بڑی خواہش تھی کراچی دیکھنے کی۔

نینا : چلئے آپ نے تو کراچی دیکھ لیا نا۔

ممّی : کیا دیکھا بیٹی ؟ تمہارا غم ؟ میں نے کراچی میں سوائے ٹیرّز کے اور کچھ نہیں دیکھا۔ نمک سے بوجھل ہوائیں —— نمکین آنسو۔ سیڈ لائف۔

نینا : اب سب ٹھیک ہو جائے گا ممّی۔ اب اس جوڈا سے چھٹکارا مل گیا ہے۔

ممّی : تیرا ڈیڈی کہا کرتا تھا آئرین اب ہمیں کیا فکر۔ ہماری نینا بی۔ اے کر گئی۔ ہم کراچی جا کر سیٹل ہو جائیں گے۔ بیچارے نے تجھے سیاہ گاؤن پہنے بھی نہ دیکھا۔ (آنسو نکلتے ہیں)

نینا : ممّی

ممّی : ہاں

نینا : دیکھ میرا ہمفری کتنا چھوٹا ہے۔ لیکن ہیں اس کی وجہ سے کبھی نہیں روتی۔ اور تجھے اتنا بھی خیال نہیں کہ میں کتنی بڑی ہوں اور پھر بھی روتی ہے میرے سامنے۔ بائی گاڈ تو بڑی سخت دِل ہے۔

ممّی : (آنسو پُونچھ کر) آئی ایم سوری۔ نینا ڈیئر۔ ویری سوری۔

نینا : یہ نیا شہر ہے ممّی۔ نیا سٹارٹ ہے ...... اب پچھلے بھوت ہمارا پیچھا نہ کر سکیں گے۔ (بچّے کو سینے سے لگا کر) میرے ہمفری کو مجھ سے کوئی

نہیں چھین سکتا۔

ممی : یا خدا اور یسوع مسیح ایسے ہی ہو۔

(اُٹھ کر پاک مریم کی تصویر کے سامنے جاتی ہے۔)

نینا : کل ساٹھ پیسے لگے یہاں سے زونل دفتر تک۔

ممی : (ایک کارڈ اُٹھا کر لاتی ہے) یہ للّی کا کرسمس کارڈ آیا ہے۔

(نینا جو بچّے کو اُٹھائے ہوئے ہے، بچّے کو گود سے اُتار کر پلنگ پر رکھتی ہے۔)

نینا : اتنی جلدی؟ اسے میرا پتہ کیسے ملا ــــ؟

ممی : اسے سب خبر ہوتی ہے۔ جس طرح وہ تیرا پیچھا کرتا ہے کبھی کبھی تو مجھے شک ہوتا ہے نینا کہ اسے کہیں تجھ سے لَو ہی نہ ہو۔

نینا : محبت کے لیے اب کسی کے پاس ٹائم نہیں ہے ممی۔

ممی : اگر وہ یہاں آگیا نینا؟

نینا : (ڈر کر) کیسی باتیں کرتی ہو ممی؟

ممی : آگیا اور اس نے ہمفری کو اپنے ساتھ لے جانا چاہا تو؟

نینا : جو خطرہ آیا نہیں اس کے متعلق کیوں سوچتی ہے ممی خواہ مخواہ۔

(یکدم جیسے نینا کا جسم جان چھوڑ دیتا ہے۔ وہ ہمفری کے ساتھ لپٹ جاتی ہے۔)

نینا : (بچّے کے سر پر پیار کرتے ہوئے) للّی کو ہمفری نہیں چاہیئے ممی۔ وہ اپنا بوجھ برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کو لے جا کر کیا کرے گا۔؟

ممی : یہی تو مشکل ہے۔ اسے ہمفری نہیں چاہیئے اور پھر بھی اسے لے جائیگا ..... تجھ سے بدلہ لینے کو، ریونج بھرنے کو۔

نینا : (دُکھ سے آنکھیں بند کر کے) اوہ! کرائسٹ بدلہ۔ کیوں۔ کس لیے ہیں

نے کیا کیا ہے ؟

ممی : تُو نے بہت کچھ کیا ہے نیتا۔ تُو نے اپنی زندگی بنانے کی کوشش کی ہے۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی ہے۔ تُو نے بڑا گناہ کیا ہے۔ للّی کے خلاف۔

نیتا : ہم کراچی دور چھوڑ آئے ہیں ممی۔ وہاں کی باتیں نہ کر۔

ممی : اچھا کھانا کھالے نیتا۔

نیتا : مجھے بُھوک نہیں ممی .....

(ممی اٹھتی ہے اور مریم کی تصویر کے پاس پڑی ہوئی بائیبل اُٹھاکر پڑھنے لگتی ہے۔)

ممی : اگر میں آدمیوں اور فرشتوں کی زبانیں بولوں۔ اور محبت نہ رکھوں تو میں ٹھنٹھناتا پیتل اور جھنجھناتی جھانجھ ہوں۔ اور اگر مجھے نبوت ملے تو سب بھیدوں اور کل علم کی واقفیت ہو۔ اور میرا ایمان یہاں تک کامل ہو کہ پہاڑوں کو مٹا دوں اور محبت نہ رکھوں تو میں کچھ بھی نہیں۔ اور اگر اپنا سارا مال غریبوں کو کھلا دوں یا اپنا بدن جلانے کو دے دوں اور محبت نہ رکھوں تو مجھے کچھ بھی فائدہ نہیں۔ محبت صابر ہے اور مہربان۔ محبت حسد نہیں کرتی۔ محبت شیخی نہیں مارتی۔ پھولتی نہیں —— نازیبا کام میں نہیں کرتی۔ اپنی بہتری نہیں چاہتی۔ نبوتیں ہوں تو موقوف ہو جائیں گی۔ زبانیں ہوں تو جاتی رہیں گی۔ علم ہو تو مٹ جائے گا۔ کیونکہ ہمارا علم ناقص اور نبوت ناتمام۔

کٹ ——

سین ۵
آوٹ ڈور
صبح کا وقت

(بس سٹاپ پر نینا کھڑی ہے۔ ایک بس آتی ہے۔ نینا آگے بڑھ کر ڈرائیور سے اس کا نمبر پوچھتی ہے۔ پھر پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ کیونکہ یہ اس کا رُوٹ نہیں ہے۔ پھر وہ بس چلی جاتی ہے۔ اور نینا ویسے ہی کھڑی رہ جاتی ہے۔ قریب سے زبیر کار میں گزرتا ہے۔ آگے نکل جاتا ہے۔ پھر کار روک کر واپس گھماتا ہے۔ اور بس سٹاپ پر پہنچ جاتا ہے۔ پہلو کو جُھک کر کار کا دوسرا دروازہ کھولتا ہے۔ نینا اسے پہچانتی ہے۔ اور سمٹ کر اندر آ بیٹھتی ہے۔ تھینک یُو کہتی ہے۔ کار چل پڑتی ہے۔ یہ سارا سین بغیر مکالمے کے ہے۔ لیکن ہونٹوں کی جنبش سے پتہ چلتا ہے کہ فلاں فلاں جملہ بولا گیا ہے۔)

کٹ ______

سین ۶
ان ڈور
صبح کا وقت

(دفتر کا سٹاف رُوم۔ سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے ہیں۔ شگفتہ ننٹگ کر رہی ہے۔ صدیقی صاحب چائے پی رہے ہیں۔ مس ملک مونگ پھلیاں کھا

رہی ہے۔ اکاونٹنٹ کریم اپنے ناخن کاٹنے میں مشغول۔ فردوس کلرک کل کی ڈاک ڈسپیچ رجسٹر میں لکھ رہا ہے۔ دلدار کلرک اپنے تلکے کو ٹائپ مشین کا تیل دے کر چالو کر رہا ہے۔ اور پرچیز آفیسر سلطان صاحب ایک فیتے کی مدد سے کاغذ کی لمبائی چوڑائی ناپ رہے ہیں اور ساتھ ہی کہتے ہیں۔)

سلطان : (آواز دے کر) ریڈار خاں۔ ! کیا ہو گیا بھائی سائرن نہیں بجا۔

ریڈار : (جو کہنیاں ٹکائے کھڑکی میں صاحب کا انتظار کر رہا ہے) ابھی آیا نہیں صاحب۔ آئے گا تو سیٹی بجائے گا اپنے ٹائم پر۔

کریم : دیکھنا اُس دن کی طرح مروا نہ دینا۔

ریڈار : (مُڑ کر) اُس دن تو کپڑے تبدیل کر لیے تھے صاحب نے۔ پہچانا نہیں جاتا تھا۔

شگفتہ : ویسے ریڈار خاں اب تمہارا ریڈار بھی کچھ پُرانا ہوتا جا رہا ہے۔

ریڈار : (کھڑکی کی طرف منہ کر کے) بالکل پُرانا نہیں شگفتہ۔ بی بی ایک دم فٹ ہے۔

(فوراً سیٹی بجاتا ہے۔ سب چوکنے ہو کر اپنی اپنی بزنس چھوڑ کر دفتری کام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔)

ریڈار : (کھڑکی کی طرف منہ کیے ہاتھ کے اشارے کر کر کے بُلاتے ہوئے) ارے جلدی کر دیار اجی۔ ادھر آؤ۔ جلدی۔ میرے پاس۔ ادھر میرے پاس۔ جلدی جلدی۔ بائیسکوپ دے کر بائیسکوپ دے کر۔

(سب بھاگ کر کھڑکی میں جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں۔ ان کے پوائنٹ آف ویو سے دیکھتے ہیں کہ اس سے زبیر اُترا ہے اور جلدی سے گھوم کر نیتا کی طرف کا دروازہ کھولتا ہے۔ نیتا اُترتی ہے۔ زبیر دروازہ بند کرتا ہے۔ گیٹ کا چپراسی آگے بڑھ کر پچھلی سیٹ سے زبیر کا بریف کیس اُٹھاتا ہے۔

زبیراور نینا ایک ساتھ چلتے آرہے ہیں اور ان کے پیچھے پیچھے چپراسی آرہا ہے۔ سٹاف کے سب کارندے دبڑ دبڑ بھاگ کر اپنی اپنی سیٹوں پر جا بیٹھتے ہیں اور اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ زبیر اور نینا ایک ساتھ داخل ہوتے ہیں۔ زبیر اس وقار کے ساتھ سٹاف رُوم سے گزر رہا ہے جیسے پہلے گزرا تھا۔ سب باری باری سلام علیکم سر، سلام علیکم سر کہتے جاتے ہیں اور بیٹھتے جاتے ہیں۔ ریڈار چپراسی کے ہاتھ سے بریف کیس لے کر زبیر کے پیچھے ان کے کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ نینا اپنی سیٹ پر بیٹھ جاتی ہے اور ٹائپ رائیٹر کے اوپر سے پلاسٹک کا کور اتارتی ہے۔ پہلے فردوس کلرک خفی خیز انداز میں کھنگورا مارتا ہے۔ نینا پلٹ کر دیکھتی ہے۔ پھر سلطان صاحب ــــ اس کے بعد شگفتہ بی بی پھر کریم اکاونٹنٹ۔ پھر مس ملک۔ سب کے چہروں پر مسکراہٹیں اور شرارتیں ہیں۔ نینا بھی کچھ سمجھ گئی ہے۔ وہ آرام سے تین کاغذ لیتی ہے ان میں کاربن لگاتی ہے اور مشین پر چڑھاتی ہے۔)

ــــ فیڈ آؤٹ

سین ۷
اِن ڈور
دن

(زبیر اپنے کمرے میں بیٹھا فون کر رہا ہے)

زبیر : جی ــــ فی الحال تو ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے پاس پہلے دو

لڑکیاں کام کر رہی ہیں۔ آپ کو پتہ ہی ہے سر مس ملک اور مس شگفتہ
اب ہیڈ آفس نے ایک لڑکی بھیج دی ہے۔ پتہ نہیں۔ مس ملک کی تو
کوئی سیپریشن وغیرہ ہوئی ہے اور (بات سُن کر) فادر ہر آئی ایم ناٹ
شیور اباوٹ ..... اپنی تھنکنگ۔ جی ــ جی ــ جی ــ کچھ پرابلمز
ہوتے ہیں ان بیچاریوں کے۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں سر؟

(دروازہ ذرا کھول کر نینا اندر دیکھتی ہے۔)

نینا : مے آئی کم اِن سر؟

زبیر : کم اِن کم اِن

(فون سمیت کھڑا ہو جاتا ہے اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہے۔)

زبیر : جی میں ضرور خیال رکھوں گا۔ جونہی ویکینسی نکلی آپ کو ضرور رنگ کروں گا۔
ضرور سر ضرور۔ (نینا سے) بیٹھئے۔ ٹھیک ہے سر میں خود کانٹیکٹ کروں گا
آپ سے۔

(فون رکھتا ہے نینا بیٹھتی ہے۔)

نینا : تھینک یُو سر

(نینا کے بیٹھنے کے بعد بیٹھتا ہے۔)

زبیر : دل لگ گیا آپ کا ہمارے شہر میں۔

نینا : جی سر

زبیر : آفس میں کام ــــ چل رہا ہے۔ سموولی

نینا : ہاں سر یہاں تو کوئی تکلیف نہیں ہے۔ لیکن میرا پرسنل پرابلم ہے۔ پتہ
نہیں آپ کے پاس ٹائم ہو تو میں اپنی سچوایشن بیان کروں۔

زبیر : ضرور ضرور ــــ کہئے! کہئے!!

نیتا : سر۔ ذرا مشکل سی بات ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ کہاں سے شروع کروں۔ میں نے کراچی صرف ہز بینڈ کی وجہ سے چھوڑا۔

زبیر : آپ میریڈ ہیں مس نیتا ڈیوڈ؟

نیتا : ویسے سر لیگلی تو میریڈ ہوں لیکن اموشنلی میرا اللی سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ کئی سال ہو گئے ہیں سر وہ کوئی کام جم کر کرتا ہی نہیں۔ پہلے بچہ نہیں تھا، اور بات تھی۔ اب ہمفری کی سو نیڈز ہیں۔ وہاں کراچی میں بھی بڑے سین ہوتے تھے ہیڈ آفس میں۔ اکاؤنٹ سے ہی تنخواہ لے کر چلا جاتا تھا میری پہلی تاریخ کو۔

زبیر : پھر آپ اس سے لیگلی علیحدہ کیوں نہیں ہو جاتیں۔

نیتا : پرابلم میری میرج کا نہیں ہے سر۔ مجھے نہ ڈائیورس چاہیئے نہ شادی — پرابلم صرف اتنا ہے — میں کیسے ایکس پلین کروں — وہ للی کہیں میرا بچّہ نہ لے جائے سر!

زبیر : اسے کیا حق پہنچتا ہے؟ جب وہ آپ کو لُوک آفٹر نہیں کر سکتا، آپ کے بچے کی نیڈز پوری نہیں کر سکتا پھر . . . . اسے بچّے پر حق کیا ہے؟ کیا عمر ہے آپ کے بچّے کی؟

نیتا : دو سال کا ہوا ہے سر اس کرسمس پر۔

زبیر : آپ مجھے واضح الفاظ میں بتائیں کہ میں آپ کی کیسے اور کیا مدد کر سکتا ہوں؟

نیتا : للی یہاں ضرور آئے گا سر — میں اس کو جانتی ہوں۔ ویسے تو میں جہاں بھی جاؤں گی، وہ میرا پتہ لگا لے گا لیکن کچھ عرصہ اگر یہاں دفتر میں اُسے کوئی پتہ نہ دے تو میں بڑی تھینک فُل ہوں گی سر۔

زبیر : لیکن یہ تو آپ کے مسئلے کا علاج نہیں . . . .

نینا : بچّہ ابھی بہت چھوٹا ہے سر — دو چار سال بعد میں اُسے کسی بورڈنگ ہاؤس میں داخل کرا دوں گی۔

زبیر : آئی ایم سوری مس ڈیوڈ — ریئلی سوری۔

نینا : تھینک یو سر — اگر آپ سے کوئی میرا پوچھے ..... یا پھر دفتر والے نہ بتائیں کچھ عرصہ تو۔

زبیر : آپ آرام سے کام کریں جا کر آئی وِل سی ٹُو اِٹ۔

(نینا اُٹھ کر کھڑی ہوتی ہے تو زبیر بھی ساتھ ہی اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ پھر وہ دراز کھول کر اس میں سے ایک کیسٹ نکالتا ہے اور نینا کو دے کر کہتا ہے۔)
یہ دو خط ہیں آج کی ڈاک کے — امپارٹینٹ

نینا : آل رائٹ سر

(چلتی ہے تو زبیر آگے بڑھ کر اس کے لیے دروازہ کھولتا ہے۔ پھر واپس اپنی سیٹ پر آ کر انٹرکوم لگا کر کہتا ہے "صدیقی صاحب ذرا میرے پاس آیئے۔")

صدیقی : (اندر داخل ہو کر) جی

زبیر : دیکھیے صدیقی صاحب — اگر کوئی آدمی اپنے دفتر میں آئے اور اپنے آپ کو مس نینا ڈیوڈ کا شوہر ظاہر کرے تو آپ اُسے مس نینا سے مت ملائیں بلکہ مجھے اطلاع کریں

صدیقی : مس نینا ڈیوڈ کا شوہر سر؟

زبیر : آپ کو اس سے غرض نہیں کہ مس نینا ڈیوڈ کا شوہر ہے کہ نہیں۔ بس اگر کوئی آدمی ایسے کریڈنشلز کا ان سے ملنا چاہیئے تو آپ اُسے دفتر کے اندر نہیں آنے دیں گے۔

صدیقی : ٹھیک ہے سر

زبیر : دلاور کو بھی اچھی طرح سے سمجھا دیں۔
صدیقی : بالکل سر
زبیر : کسی کا شوہر نہیں آسکتا ہمارے آفس میں۔

کٹ

سین ۸
آؤٹ ڈور
دن

(پان والے کی دوکان پر چائے کی ایک پیالی سامنے رکھے صدیقی صاحب، دلاور اور سلطان بیٹھے ہیں اور گفتگو کر رہے ہیں۔ سامنے ٹریفک چل رہا ہے۔)

صدیقی : خدا کی قسم۔ اس نے خود کہا اپنے مُنہ سے۔ بلکہ میری ڈیوٹی لگائی۔ کیوں بھئی میں نے آکر بتایا کہ نہیں آپ لوگوں کو۔
دلاور : بالکل بتایا سر
سلطان : مس تینا شادی شدہ ہے!
صدیقی : آپ ابھی تک وہیں پھنسے ہوئے ہیں سلطان صاحب، اس کا ایک بچہ بھی ہے۔
سلطان : اور کہلاتی ہے مس۔
صدیقی : او بھائی ان کے ایسے ہی محاورے ہوتے ہیں ماڈرن لوگوں کے۔

دلاور : ویسے سر۔ ہمارا صاحب بالکل موسٹ اوبیڈینٹ سرونٹ ہو رہا ہے مس نینا کا۔

صدیقی : وہ تو گیا بھائی۔ دین دنیا سے گیا۔ گھر والوں سے گیا —— اور آگے چل کر نوکری سے گیا۔

سلطان : مگر صدیقی صاحب —— مس نینا شادی شدہ ہے!

صدیقی : آپ سے تو بات کرنا مشکل ہوگیا سلطان صاحب۔

دلاور : سر آپ تو چھٹی پر رہے ناں اور ان دس دنوں کے اندر اندر ایسے ایسے انکشاف ہوئے کہ انسانیت پر سے ایمان اُٹھ گیا —— میں بڑا احترام کیا کرتا تھا زبیر صاحب کا۔

صدیقی : تم ابھی بچے ہو دلاور میاں۔ زندگی کے نشیب و فراز کو سمجھنے سے قاصر ہو —— سمجھے!

دلاور : جی سر

صدیقی : یہ جو ایسے لوگ ہوتے ہیں ناں پوش، صاف ستھرے، خوشبودار یہ اندر سے بڑے غلیظ ہوتے ہیں —— اور پھر ان کا تو یہ خاندانی کام ہے۔ جناب کے والد نے تین شادیاں کیں۔

دلاور : زبیر صاحب کے والد نے۔

صدیقی : جناب —— ان کی والدہ تو جہلم میں رہتی ہیں اور بڑے میاں اپنے فارم پر سرگودھے چھوٹی ترین بیگم کے ساتھ —— ان لوگوں کی بات نہ پوچھو۔

سلطان : یعنی آپ کا مطلب ہے مس نینا بالکل شادی شدہ ہیں۔

صدیقی : ان کو چھوڑو بھائی —— ان کی سوئی تو مس نینا کے شادی والے ریکارڈ میں پھنس گئی ہے۔ ان سے تو ابھی دس دن اور کچھ نہیں ہو

سکے گا ــــ معافی ــــ

دلاور : لیجیے سر — اس بات سے مجھے کوئی مہینہ بھر پہلے کا ایک واقعہ یاد آگیا ..... ٹھہریں سر — مہینہ نہیں — یہ اپنا کرکٹ میچ نہیں تھا۔ اس کے تیسرے دن کی بات ہے — چھٹی سے اگلے دن کی — ایک دن کی چھٹی ہوتی ہے ناں سر میچ میں .....

صدیقی : اب آگے بھی بکو۔

دلاور : مال روڈ کا دوشاخ ہے ناں سر — گورنمنٹ ہاؤس کے پاس — جہاں پھولوں کی نمائش لگا کرتی ہے — وہاں سر میں دور سے کیا دیکھتا ہوں — کہ یہ دونوں، میرا بھانجا سر میرے ساتھ انگلی پکڑے ہوئے ساہیوال سے چڑیا گھر دیکھنے آیا تھا — میں نے جلدی سے اس کی مٹھی سے اپنی انگلی چھڑالی سلام کرنے کو ..... ادھر تھا ناں جی سر میرا منہ چڑیا گھر کی طرف ....

ــــ کٹ

سین ۹
اِن ڈور
گہری شام

(سٹاف روم خاموش اور سنسان ہے کوئی بھی موجود نہیں۔ ہُو کا عالم طاری ہے۔ کیمرہ ساری میزوں اور شیلفوں پر سے گزرتا ہے۔ جوں جوں

کیمرہ دیوار پر لگی ہوئی کلاک کی طرف آتا ہے، ٹک ٹک کی آواز بڑھتی جاتی ہے ـــــ اچانک ایک کے گجر کی آواز آتی ہے۔ کیمرہ کی آہستہ روی کے ساتھ ہم کلاک کا چہرہ دیکھتے ہیں۔ اس پر شام کے ساڑھے سات ابھی بجے ہیں۔ پھر کیمرہ ہی ہمیں بتاتا ہے کہ نینا اپنی نشست پر خاموش اور گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی بیٹھی ہے۔ اس کے دونوں ہاتھ اس کی گود میں ہیں۔ بالوں میں ربن بندھا ہے۔ اور اس کے کندھے پر سیاہ اُون کی بنی ہوئی گرم شال ہے۔ سامنے ٹائپ کی مشین ہے اور اس کے ساتھ چھوٹا سا ڈکٹیشن کیسٹ کھڑا ہے۔ بیس سیکنڈ تک کیمرہ اس مورتی کو اسی طرح دکھاتا ہے۔ جیسے وہ گہرے مراقبے میں ہو۔ (بیک گراؤنڈ میں کوئی موسیقی نہ ٹھونسیں۔ ممکن ہو تو کلاک کی دھیمی دھیمی ٹک ٹک کی آواز آتی رہے)۔ پھر نینا اچانک مراقبے سے چونکتی ہے۔ دراز کھول کر اس سے سٹینو گرافی کی کاپی اور پنسل نکالتی ہے۔ اور سامنے والے ڈکٹیشن کیسٹ کو چلاتی ہے۔ زبیر کی آواز آتی ہے۔ اس آواز کو وہ جلد شارٹ ہینڈ میں قلمبند کرتی جاتی ہے۔)

زبیر کی آواز:

Dear Mr. Yazdani,

It is always with the greatest reluctance that we resort to legal action in procuring settlement of an unpaid account full stop paragraph However comma the circumstances surrounding your indebtedness

leave us no further choice full stop The claim will be referred to our attorneys if a satisfactory settlement has not been arranged within seven days full stop

It is up to you full stop

Sincerely yours

Zubair Usman

(یہ ڈکٹیشن لینے کے بعد نینا اپنی سٹینو گرافی کی کاپی ٹائپ رائٹر کے بائیں ہاتھ رکھتی ہے اور ٹرے سے فرم کا کاغذ اور اس کے ساتھ کاپی کا کاغذ جوڑ کر مشین میں چڑھاتی ہے ۔ اچانک کیسٹ سے آواز آنے لگتی ہے ۔)

تنم فرسودہ جاں پارا ز ہجراں یا رسول اللہ

دلم پرورده آواره زعصیاں یا رسول اللہ

(نینا اس قوالی کو غور سے سننے لگتی ہے ۔ اور پھر اس کو کوئی ڈیڑھ منٹ تک اسی طرح سنے جاتی ہے ۔ پھر کیسٹ بند کرتی ہے اور کاربن لگا کر کاغذ اوپر کھینچتی ہے اور ٹائپ کرنے کے لیے شارٹ ہینڈ کی کاپی پر متوجہ ہو جاتی ہے ۔)

کٹ ـــــــــ

سین ۱۰
آؤٹ ڈور
شام کا وقت

(باٹا کی شاپ میں زبیر کے ساتھ کیمرہ اینٹر ہوتا ہے۔ وہ ایک ڈیلر سے کہتا ہے کہ مجھے ہائی بوٹ چاہئیں۔ وہ اُسے اشارے سے بتاتا ہے کہ وہاں جا کر بیٹھ جائیں۔ زبیر آگے بڑھتا ہے۔ اب کیمرہ نینا کو انکلوڈ کرتا ہے۔ اس کی پشت کیمرے کی طرف ہے۔ زبیر کو معلوم نہیں کہ نینا بھی دوکان پر موجود ہے۔ وہ اس کے سامنے والی قطار میں جا کر بیٹھ جاتا ہے اور سگریٹ سلگاتا ہے۔ نینا کے بچے کو اس وقت ایک ڈیلر چھوٹے چھوٹے بُوٹ پہنا رہا ہے۔ چونکہ ڈیلر نینا اور زبیر کے درمیان ہے، اس لیے نینا نے بھی زبیر کو نہیں دیکھا۔ جب ڈیلر ڈبے اُٹھا کر مڑتا ہے تو زبیر کہتا ہے:)

زبیر : ہائی بُوٹس وِتھ فر

(اس وقت نینا اس کی طرف دیکھتی ہے اور بچے کو گود میں لئے اُٹھ کر سلام کرتی ہے۔ زبیر فوراً کرسی سے اُٹھ کر سلام کرتا ہے اور مشفقانہ طریقے سے پاس جاتا ہے۔)

زبیر : بیبی کو بُوٹس دلانے جا رہے ہیں۔

نینا : جی سر

(زبیر پیار سے بچہ کو چومتا ہے۔)

زبیر : (بچے کے پہنے ہوئے بُوٹوں کو چھو کر) یہ ہم لے لیں بیبی۔

نینا : ہمفری سر

زبیر : کیوں ہمفری یہ بُوٹیاں ہم لے لیں۔ ہم انھیں پہن کے چڑیا گھر جائیں گے۔

نینا : یہ آجکل بڑا چڑچڑا ہو رہا ہے سر۔ کئی دن سے بیمار ہے۔

زبیر : کیوں کیا ہوا؟

نینا : پتہ نہیں سر! ساری رات کھانستا رہتا ہے۔ فیور بھی ہو جاتا ہے شام کو۔۔ میں تو اسے خوش کرنے کے لیے لائی تھی۔ روتا رہتا ہے سارا دِن۔ اچھا سر خدا حافظ۔۔۔

زبیر : خدا حافظ

(اب نینا کاؤنٹر کی طرف جاتی ہے اور کاؤنٹر پر رُک کر پیسے ادا کرتی ہے۔ اس وقت سیلز مین زبیر کے پاس آکر چھوٹی صندوقچی سامنے رکھتا ہے اور اس کے پاؤں کا ناپ لیتا ہے۔)

سیلز : آپ کے سائز کا ہائی بوٹ نہیں ہے سر۔ آڈر پہ بن جائے گا۔

زبیر : مجھے تو فوراً چاہیئے تھا یار۔

سیلز : ہفتہ تو ضرور لگے گا۔ آپ آڈر پلیس کر دیں۔ فسٹ کلاس فر لگا کر بنا دیں گے۔

زبیر : شکریہ

(اُٹھتا ہے اور باہر نکلتا ہے۔ جس وقت زبیر دروازے کے پاس پہنچتا ہے، اسی وقت نینا بھی یہاں پہنچ چکی ہے۔ زبیر اس کے لیے دروازہ کھولتا ہے۔ وہ شکریہ کہہ کر باہر نکلتی ہے۔ زبیر اس کے بعد آتا ہے۔)

نینا : خدا حافظ سر

زبیر : آپ کیسے جائیں گی۔

نینا : بس مل جائے گی سر یا پھر میں رکشا لے لوں گی۔

زبیر : میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔

نینا : نہیں سر۔ پاس ہی تو ہے میرا گھر۔

زبیر : اس کو فیور ہے ہمفری کو، خواہ مخواہ ہوا لگ جائے گی۔

نینا : تھینک یو سر۔ میں چلی جاؤں گی خود ہی۔

زبیر : ویسے بھی آپ اُسے فرم کے ڈاکٹر کو دکھائیں میں صبح انہیں فون کر دوں گا۔
ڈاکٹر مسعود کو۔

نینا : شکریہ سر

زبیر : آئیے آئیے۔ ڈونا ٹ سٹینڈ اپون سریمونیز۔ کم آن۔

(دونوں جاتے ہیں۔ زبیر کار کا پچھلا دروازہ کھول کر نینا کو اس میں بٹھاتا ہے۔ کار جاتی ہے۔)

کٹ ———

سین ۱۱
ان ڈور
دوپہر

(دفتر میں صدیقی صاحب زبیر کے سامنے کھڑے ہیں اور کھسیانے سے ہیں۔ زبیر غصے میں ہے۔)

زبیر : آئی ایم سوری صدیقی صاحب — ان میں سے میں کوئی بھی عذر قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ ویری سوری۔

صدیقی : سر پہلے آڈیٹرز رپورٹ کرتے تھے۔ اس پر ہم نوٹ لکھا کرتے تھے ......

زبیر : بالکل غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں آپ۔ سو فیصد وہائیٹ لائیز۔ کب ہوا اس سے پہلے اس طرح — کبھی — پلیز ٹیل۔ سولہ برس ہو گئے ہیں آپ کو اس آرگنائزیشن میں — اور پھر بھی — آئی ایم سوری ..... صدیقی صاحب دِس از ناٹ دی وے۔

صدیقی : ایک ہفتہ تک تو یہ فائیل مس شگفتہ کی ڈیسک پر رہی سر۔ (زبیر پاؤں سے گھنٹی کا بٹن دباتا ہے) پھر میں نے ان سے لے کر مس ملک کو دے دی — انہوں نے کہا میرے پاس پہلے ہی بہت کام ہے کوٹیشن ریفرنس کا ..... پھر میں نے خود کیا سر — اب جتنا بھی ہو سکتا تھا اس میں سے تو میں نے کوئی .....

ریڈار خان : جی صاحب

زبیر : مس شگفتہ اور مس ملک کو بلاؤ۔

ریڈار خان : اچھا صاحب۔

(ریڈار خاں چلا جاتا ہے۔)

زبیر : بات یہ نہیں ہے صدیقی صاحب کہ کون کیا کرتا ہے اور کس کے پاس کتنا کام ہے۔ بات اونسٹی آف پرپس کی ہے — پچھلے دو سال میں ہمارا گراف یہ نیچا آیا ہے۔ اس زونل آفس کا۔ ہو از ریسپونسیبل۔

(دونوں لڑکیاں داخل ہوتی ہیں اور مجرموں کی طرح میز کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہیں۔)

زبیر : میلان آفس کی سٹیٹ منٹ آپ کی میز پر رہی ہفتہ بھر۔

شگفتہ : ہاں جی سر..... وہ پہلے میرے ڈیسک پر تھی — پھر انہوں نے لے لی تھی جی صدیقی صاحب نے — پھر میں نے کہا تھا میں کر دیتی ہوں —

پھر انہوں نے مس ملک کو دیدی ــــ پھر میں نے مس ملک سے کہا میں کر دیتی ہوں ــــ پھر انہوں نے . . . .

(خاموشی ــــ)

زبیر : اور آپ نے مس ملک۔

ملک : سر یہ تو میرا کام ہی نہیں۔

صدیقی : آپ کا کام نہیں ٹھیک ہے لیکن جب آپ کو ایک چیز دی جاتی ہے تو پھر کرنی چاہیئے۔

ملک : سر میرا اپنا کوٹیشن ریفرنس کا کام اتنا لمبا تھا۔ سولہ سولہ کاپیاں بنانی تھیں۔ میں کہاں سے دیکھتی اس کو ــــ میرا تو اپنا کام ابھی تک ختم نہیں ہوا۔

زبیر : ابھی آپ نے بھجوائی نہیں وہ کاپیاں۔

ملک : میمو گراف آپریٹر ہی چھٹی پر ہے سر۔ میں کیسے بنا لیتی کاپیاں ــــ باقی کا سارا کام تیار ہے۔

زبیر : اب میں کچھ کہوں گا تو آپ لوگ شکایت کریں گے۔ ہیڈ آفس عرضیاں بھجوائیں گے ــــ بدنام کریں گے۔

صدیقی : نہیں سر آپ جو چاہیں کہہ سکتے ہیں ــــ قصور جو ہوا۔ ہم تسلیم کرتے ہیں۔

زبیر : میں آپ کے اس تسلیم و رضا سے بھی تنگ آچکا ہوں صدیقی صاحب۔ ہر مرتبہ آپ تسلیم کر لیتے ہیں اور ہر مرتبہ معاملہ وہیں کا وہیں رہتا ہے۔ اینڈ یو مس شگفتہ ــــ آئی ایم سوری آپ کو دنیا کے ہر کام میں دلچسپی ہے سوائے آفس ورک کے۔

شگفتہ : میں تو سر اب آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دیتی ــــ پوچھ لیں

چاہے صدیقی صاحب سے ۔

زبیر : ان سے میں کیا پوچھوں بی بی — ظلم تو میری ذات پر ہوتا ہے ڈائریکٹ — آپ کو یاد ہے ناں کہ آپ میری پرسنل سیکورٹی پر اس دفتر میں ہوتی ہیں۔

شگفتہ : یس سر

زبیر : اب بار بار تو سینور چیکا میری سفارش مانیں گے نہیں — مان بھی لیں تو میں کروں گا نہیں — آئی ایم ویری سوری فار آل آف یو ۔ (سر جھکا کر) یہ طریقے جو آپ نے اختیار کر رکھے ہیں، کام کرنے کے نہیں — یہ آنسٹی نہیں، بلیک میلنگ ہے ۔ ڈس آنسٹی ہے۔ سوری۔ یُو مے گو ۔

(تینوں سر لٹکائے زبیر کے کمرے سے نکل جاتے ہیں —)

——— کٹ

سین ۱۲
ان ڈور
شام کا وقت

(نینا کا گھر ۔ نینا بیمار بچے کو گود میں لئے بستر میں بیٹھی ہے ۔ ایک کرسی پر للی بیٹھا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ماچس کی تیلی ہے جس سے وہ اپنے دانت بھی کرید رہا ہے اور سڑی سڑی باتیں بھی کر رہا ہے ۔ آئرین پاس کھڑی ہے اور کاٹنے سے انڈہ پھینٹ رہی ہے ۔)

للی : آپ ساری عمر ترس رہیں ممی ۔ آپ نے اپنے ہزبینڈ کی مدد نہیں کی؟ انکل ڈیوڈ کو کبھی کچھ نہیں دیا آپ نے ؟

آئرین : وہ اور بات تھی للی ـــــ میرے ہزبینڈ نے ساری عمر سکول ماسٹری کی۔ وہ کام سے کبھی بھاگا نہیں ۔ تم سارے مارٹن پور سے پوچھ لو ـــــ

للی : میں کام سے بھاگا ہوں ؟ ـــــ کبھی بھاگا ہوں میں ؟ بول نینا ؟ مجھے کوئی ڈھنگ کا کام ملا بھی ہو ؟

نینا : کام تو کوالیفیکیشن سے ملتا ہے للی ـــــ

للی : یہ مت سمجھنا نینا تمہیں کچھ کوالیفیکیشن کی وجہ سے نوکری ملی ہے ۔ ذرا تمہاری شکل اچھی ہے ۔ انگریزی بول لیتی ہو دو چار جملے ـــــ مردوں سے بات کرسکتی ہو دبا کے بغیر شرم لحاظ کے ۔

آئرین : اچھا اچھا یہ باتیں بہت دفعہ ہو چکی ہیں للی ۔

للی : اس مرتبہ میرا انتظام پکا ہے ممی ـــــ ایک ہزار میں ڈال رہا ہوں ، ایک ہزار نظام ڈالے گا ۔ ہم ٹائیلٹ سوپ بنائیں گے ۔ میں نے ریپر بنا بھی لیئے ہیں ہمفری ٹائیلٹ سوپ ـــ ٹیلی ویژن میں اشتہار بھی دیں گے ۔

آئرین : اس گھر میں اتنا کچھ بن چکا ہے للی کہ کوئی صابن ان کی یاد نہیں دھو سکا ۔

للی : پہلے ہمارے خداوند یسوع مسیح کو منظور نہیں تھا ۔

نینا : تو اب منظور ہو گیا ہے ؟ بتاؤ اب ـــــ

(چپ ہو جاتی ہے ۔)

للی : اس بار ہمیں سیلز مین مل گیا ہے آنٹی ۔ نتھنیئل کا بھانجا نہیں ؟ اس کے پاس فوکس ویگن ہے ۔ وہ ہمارا سارا کام کرے گا ۔ تم صرف ایک ہزار دے دو ـــــ مجھے حضرت یسوع مسیح کی قسم میں لوٹا دوں گا ۔

نینا : پہلی تو یہ بات للی کہ میرے پاس ایک ہزار کہاں ۔ اور اگر ہو بھی تو میں اب تمہیں دے نہیں سکتی ۔

للی : یعنی تمہارے پاس ہے لیکن تم مجھے دینا نہیں چاہتی ۔ اپنے ہزبینڈ کو ۔۔۔ ممی کبھی تم اس طرح انکار کرتیں انکل ڈیوڈ کو ؟

آئرین : تم انکل ڈیوڈ کو رہنے دو ۔

نینا : میرے پاس للی واقعی کچھ نہیں ۔ ابھی تو تنخواہ بھی نہیں ملی ۔

(یکدم ایک گھٹے بدمعاش کی طرح رونے لگتا ہے ۔)

للی : (آنسو پونچھتے ہوئے) یہ میری قسمت ہے کبھی کہیں سے کچھ نہ ملا چھوٹا سا تھا تو ممی مر گئی ۔۔۔ بڑا ہوا تو ڈیڈی فوت ہو گیا ۔ کبھی آنٹی ڈوڈو کے گھر میں جوتیاں کھائیں ، کبھی انکل ڈیوڈ کے گھر میں باتیں سنوائیں ۔

آئرین : ہمارے گھر میں تمہیں کبھی کسی نے کچھ نہیں کہا للی ۔

للی : یہ کچھ کچھ ..... کم ہے ۔۔۔ میں روپے مانگ رہا ہوں جائز اور یہ دیتی نہیں ۔ کیسی سنگ دل ہے تو نینا ۔۔۔

(اس وقت دروازے پر دستک ہوتی ہے ۔ آئرین جاتی ہے ۔)

نینا : (لمبی آہ بھر کر) میرے پاس کچھ نہیں ہے للی ۔ اگر ہوتا میں کبھی انکار نہ کرتی ۔۔۔ کبھی پہلے میں نے تم سے پیسے چھپائے ہیں ۔

(زبیر کو ساتھ لئے آئرین آتی ہے ۔)

آئرین : زبیر صاحب آتے ہیں نینا ۔

نینا : (اٹھنے کی کوشش سی کرتی ہے) گڈ ایوننگ سر

زبیر : گڈ ایوننگ ۔۔۔ گڈ ایوننگ بیٹھیں بیٹھیں ..... اٹھنے کا تکلف نہ کریں ۔ بچے کی طبیعت اب کیسی ہے ؟

(آئرین جاتی ہے۔ للی اپنی کُرسی پر بیٹھا مشکوک نگاہوں سے زبیر کا جائزہ لیتا ہے)

نیتا : یہ میرے ہیڈ بینڈ للی ہیں سر۔ للی آرچر۔

(زبیر ہاتھ ملاتا ہے۔ للی بیٹھا بیٹھا ہاتھ ملاتا ہے۔)

للی : بڑی عجیب بات ہے۔ اب وقت ہی بدل گیا ہے۔ اب باس بھی گھر آجاتے ہیں۔ ہمارے کراچی میں تو یہ رواج نہیں ہے۔

(نیتا اور زبیر ان کمفرٹیبل ہوتے ہیں۔)

زبیر : (کُرسی لے کر بیٹھتا ہے) آپ نے اسے ڈاکٹر مسعود کو دکھایا۔

نیتا : جی سر دکھایا تھا۔ وہ کہتے ہیں برون کائٹس کی شکایت ہے۔

للی : جہاں باس اتنا مہربان ہو، وہاں تو ہزار روپیہ کا انتظام کچھ مشکل نہیں۔

(اس وقت حیرانی سے زبیر نیتا کی طرف دیکھتا ہے)

نیتا : کچھ نہیں سر۔ للی کی عادت ہے بونگیاں مارنے کی۔

(آئرین چائے کی پیالی لاتی ہے۔)

آئرین : چائے پی لیں آپ۔

نیتا : بے شک نہ پئیں سر۔ ہمارے گھر میں چائے کچھ اچھی نہیں بنتی۔

زبیر : اچھی کیوں نہیں بنتی۔ پرسوں تو ممی نے مجھے بڑی اچھی چائے پلائی تھی۔

للی : میں جاؤں نیتا۔ اب تو تمہیں میری ضرورت نہیں ہے۔

زبیر : نہیں نہیں آپ بیٹھیں۔ میں بھی جانے والا ہوں۔

للی : نہیں میں چلتا ہوں — میرا اب یہاں کیا کام؟ خواہ مخواہ بیٹھا رہوں لوگوں کے درمیان —

(اُٹھ کر چلا جاتا ہے۔ سب اُسے جاتے ہوئے دیکھتے ہیں۔)

آئرین : شکر ہے تمہارا ڈیڈی مرگیا نینا ورنہ اُسے کتنا افسوس ہوتا اس للی کو دیکھ کر ..... وہ سمجھتا تھا کہ وہ للی سے تمہاری شادی کر کے تمہیں ہمیشہ کا سکھ بخش رہا ہے ..... بے چارہ ڈیوڈ!

زبیر : بخار اترا ہمارے ہمفری کا۔

نینا : ابھی تو ہے سر۔

(زبیر جیب سے ایک چھوٹا سا خوبصورت کھلونا نکال کر بچّے کو دیتے ہوئے)

زبیر : ہم بُخار والے بچّوں کو کچھ نہیں دیتے ..... جس روز بخار کو اتارو گے اس روز بڑا کھلونا لا کر دیں گے۔ تالیاں بجانے والا ریچھ.... آپی چلنے والی کار ــــ پھُونک مار کر اُڑاؤ بخار کو .... اُڑاؤ ہمفری صاحب۔

(بچّے کے ماتھے پر دم کرنے کے انداز میں پھُونک مارتا ہے۔)

ــــ کٹ

سین ۱۳
ان ڈور
دن

(سٹاف رُوم میں سب لوگ اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔ نینا اپنے میز پر ٹائپ کر رہی ہے۔ ریڈار آکر کہتا ہے۔)

ریڈار : آپ کا فون ہے مس صاحب جی۔

(نینا اُٹھ کر صدیقی صاحب کی بڑی میز پر فون سننے جاتی ہے۔ فون پکڑ کر کہتی ہے)

نینا : "ہیلو"

(دوسری طرف سے آواز آتی ہے۔)

آواز : مس نینا ڈیوڈ؟

نینا : سپیکنگ

آواز : تیرے بوائے فرینڈ کا کیا حال ہے؟

نینا : کس کا؟

آواز : بھئی تیرا نیا بوائے فرینڈ۔مس اب ہم سے چھپاؤ تو نہیں۔

(کٹ کر کے دکھاتے ہیں کہ دوسری طرف سے شگفتہ آواز بدل کر بول رہی ہے۔)

ہم تیرے خیر خواہ بول رہے ہیں۔تیرے فرینڈ۔

نینا : تھینک یو جی۔لیکن میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔

شگفتہ : دیکھ نینا بی بی! ان تلوں میں کوئی تیل نہیں۔کیوں خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کر رہی ہے۔یہ خاندانی رئیسوں کا بیٹا ہے۔اس کو نوکری کی پرواہ نہیں تو ہماری کیا پرواہ ہوگی۔

نینا : کس کو بیگم صاحب؟

شگفتہ : جس کے ساتھ آج کل گاڑھی چھن رہی ہے تیری۔جس کی موٹر میں آنا جانا رہتا ہے۔جس کے لیے اپنا پرانا شہر چھوڑ دیا۔

(نینا فون بند کر دیتی ہے اور شگفتہ ہیلو ہیلو کرتی رہ جاتی ہے۔)

کٹ ———

سین ۱۴
ان ڈور
شام کا وقت

(نیتا ڈیوڈ کے گھر کا سین ۔ اپنی چارپائی کے پاس چھوٹی سی دری پر گھوڑا بنی ہوئی نیتا اپنے بچے کو کمر پر بٹھائے آہستہ آہستہ چل رہی ہے ۔)

نیتا : لیجیے جناب لاہوری دروازہ آگیا ۔
(پھر چکر میں آگے بڑھ کر)
یہ بھاٹی آگیا ..... اب یہ ٹکسالی آگیا ..... یہ بادشاہی مسجد آگئی ۔
بس اب گھوڑا تھک گیا ۔
(اس کو اُتار کر گود میں بٹھا لیتی ہے ۔ اس کی ماں ایک لفافہ لے کر آتی ہے)

آئرین : یہ ایک خط آیا ہے میرے نام ۔
نیتا : میرا خط ۔
(نیتا خط پکڑتی ہے)
آئرین : ہے تو تیرا ہی پر آیا میرے نام ہے ۔
(جُوں جُوں نیتا خط پڑھتی جاتی ہے ، اس کے چہرے کی رنگت بدلتی جاتی ہے ۔ وہ غصے اور کراہت سے شروع کرتی ہے اور پھر دُکھ ، محرومی اور رنج میں ڈوبتی جاتی ہے ۔ خط پڑھ کر تہ کر کے واپس لفافے میں ڈالتی اور کہتی ہے ۔)

نیتا : اس میں تو گندی گالیاں لکھی ہیں ممی ۔
آئرین : ایسی لنگویج تو میں نے نہ پہلے کبھی سُنی نہ پڑھی ۔

نینا : (خط دیتے ہوئے) لیو اِٹ ممی ۔ برن اِٹ۔
آنترین : مگر ایسا کیوں ہے نینا ۔ کیا چاہتا ہے تیرا باس ۔
نینا : سر تو کچھ بھی نہیں چاہتے ممی ۔
آنترین : تو پھر یہ سب کچھ کیا ہے ڈیئر ۔
نینا : مسٹر زبیر بڑے کائنڈ، بہت پولائیٹ پَرسن ہیں ممی ۔
آنترین : میں محسوس کرتی ہوں کہ وہ تم پر کچھ زیادہ ہی کائنڈ ہے ۔
نینا : میں اُن کی شکر گزار ہوں ممی ۔ آئی ایم رئیلی گریٹ فُل ٹو ہِم ۔
آنترین : اچھا
(آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی لفافے سے چہرے کو جھلتی ہوئی فیلڈ سے باہر نکل جاتی ہے۔)

کٹ ـــــــــــ

سین ۱۵
ان ڈور
دن

(دفتر کے کوریڈور میں صدیقی صاحب اور کریم کھڑے ہیں ۔ صدیقی صاحب ایک خط پڑھ رہے ہیں ۔ کریم ان کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ دیکھ رہا ہے۔ وہ جگہ جگہ خوشی کا اظہار کرتے ہیں ۔ پھر خط تہ کر کے کریم کو واپس دیتے ہیں اور پوچھتے ہیں ۔)

صدیقی : یار یہ چھپ جائے گا اخبار میں۔
کریم : بالکل چھپے گا سر۔ برابر چھپے گا۔
صدیقی : ذرا سخت ہو گیا ہے۔ کوانیٹ پرسن۔
کریم : اس سے بھی سخت خط چھپ جاتے ہیں سر۔ آپ فکر ہی نہ کریں۔
صدیقی : لیکن ..... یار ..... آئی مین ...
کریم : وہاں میرا ایک دوست ہے سر۔ اُس نے وعدہ کیا ہے۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔
صدیقی : بس تو پھر ٹھیک ہے۔ لیکن جمعہ کی اشاعت میں آئے۔
کریم : او کے سر۔

کٹ ———

سین ۱۶
آؤٹ ڈور
دن

(دیوار کے ساتھ لیقو کا چھپا ہُوا ایک پوسٹر لگا ہے۔ کیمرہ سڑک کے ایک کنارے کھڑا ہے۔ ٹریفک گزر رہی ہے۔ پٹڑی پر للّی صاحب بھُٹہ کھاتے ہوئے جا رہے ہیں۔ وہ پوسٹر دیکھ کر ٹھٹھکتے ہیں۔ بھُٹے والا ہاتھ نیچے لٹکا کر پوسٹر پڑھنے لگ جاتے ہیں۔ کیمرہ پوسٹر کو اور للّی صاحب کے سر کو زُوم اِن کرتا ہے۔ پوسٹر پر لکھا ہے :

سوچیتا لورینتی بے حیائی کا مرکز۔اب تجارتی اداروں میں بھی
اخلاق سوزی عُروج پر پہنچ گئی۔

نینا ڈیوڈ اور زبیر عثمان کی پینگیں۔ ہم شریف اور معزز شہری
اخلاق کے نام پر پوچھتے ہیں

کہ

مِس نینا ڈیوڈ کے گھر کا دروازہ ہر رات کیوں کُھلا رہتا ہے ؟
زبیر صاحب کی کوٹھی کا چوکیدار اچانک کیوں برطرف کر دیا گیا؟
نینا ڈیوڈ نے جب بچّے کے بُوٹ خریدے تو رقم کس نے ادا کی ؟
زبیر صاحب کا وی نک سوئیٹر کس نے بُن کر دیا ہے ؟
عید کے روز ٹریفک سارجنٹ نے کس کا چالان کیا تھا ؟
کیا فرم کا "ڈکٹا فون" ذاتی معاشقے کے لیے استعمال ہو سکتا ہے ؟

انجمن تحفظ شہری اخلاق و بانیان مرکز شرم وحیا

للّی آگے بڑھ کر یہ پوسٹر بڑی احتیاط سے اکھاڑنا شروع کر دیتا ہے۔ کیمرہ
پندرہ بیس سیکنڈ تک اس کوشش کو دکھاتا ہے۔)

کٹ

سین ١٧
ان ڈور
شام کا وقت

(بچہ بستر میں بیمار پڑا ہے۔ نینا پاک مریم کی تصویر کے سامنے ہاتھ جوڑے

کھڑی ہے۔ للّی پوسٹر لے کر آتا ہے۔)

للّی : ادیئے تم یہ ڈرامے بند کر دو۔ پاک مریم کو تمہاری باتوں سے، تمہاری دُعاؤں سے کوئی انٹرسٹ نہیں۔ دق نہ کیا کرو، پاک لوگوں کو۔

نینا : آہستہ بولو للّی۔ ہمفری بیمار ہے۔

للّی : جس کی ماں گلچھرے اُڑاتی پھرتی ہو، دفتروں میں مینجروں کی بغلیں گرم کرتی ہو، اس کا بچّہ بیمار نہ ہو —— اس کا بچّہ تو مر بھی جائے تو اُسے کبھی افسوس نہ ہوگا۔ وہ اور جِن لے گی کھٹا کھٹ —— اسے کیا پروا؟ باسٹرڈ عورت!

نینا : مائینڈ یور لینگوئج للّی۔

للّی : میں تو اپنی زبان ٹھیک کر لوں گا۔ غریب جو ہُوا —— لیکن لوگوں کی زبانیں تیری دھمکیوں سے بند نہیں ہوں گی نینا ——

نینا : آہستہ بولو ——

للّی : میں آہستہ بولوں گا لیکن لوگ اُونچی آوازیں کوٹھوں پر چڑھ کر پکاریں گے —— سوچیتا لورینتی —— بے حیائی کا مرکز —— نینا ڈیوڈ اور زبیر عثمان کی پینگیں ——

(لمبا پوسٹر بچّے کے پلنگ پر بچھاتا ہے۔ نینا جیسے سکتے میں آجاتی ہے۔)

ہم معزز شہری اخلاق کے نام پر پُوچھتے ہیں :

نینا ڈیوڈ نے جب بچّے کے لیے بُوٹ خریدے تو پیسے کس نے ادا کیے؟

کیا فرم کے ڈکٹا فون ذاتی معاشقے کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں ؟

نینا ڈیوڈ کے گھر کا دروازہ ہر رات کیوں کھُلا رہتا ہے ؟

زبیر صاحب کی کوٹھی کا چوکیدار اچانک کیوں برطرف کر دیا گیا ؟

زبیر صاحب کا دی نک سوئیٹر کس نے بُن کر دیا۔

انجمن تحفظ شہری اخلاق و بانیان مرکز شرم و حیا

(نیتا یکدم بے بس ہو کر بھاگتی ہے اور پوسٹر پھاڑتی ہے۔)

نیتا : یہ جھوٹ ہے۔ الزام ہے۔ . . . یہ سب دشمنی ہے میرے ساتھ جھوٹ ——جھوٹ —— اوہ مائی کرائسٹ !

للّی : پھاڑ دے۔ پھاڑ دے۔ ایک پوسٹر پھاڑنے سے کیا ہو گا نیتا۔ ایسے تو ہزاروں پوسٹر لگے ہیں دیواروں پر، کھمبوں پر . . . . پھاٹکوں پر—— کہاں کہاں سے پھاڑ لے گی جا کر اپنی کرتوتوں کو۔

نیتا : تم ان باتوں پر یقین نہیں کر سکتے —— یہ سچ نہیں ہے للّی۔ میں ایسی نہیں ہوں۔ نہیں ہوں میرا خداوند جانتا ہے۔ تم جانتے ہو۔

للّی : میں ایک شرط پر مان سکتا ہوں نیتا —— تمہاری بات۔

نیتا : تمہیں مجھے ان بلیک میلرز کے خلاف پروٹیکٹ کرنا ہو گا للّی —— تم مجھے جانتے ہو . . . . اُس وقت سے جب ہم . . . . جب ہم . . . .

للّی : اگر تم مجھے ایک ہزار روپیہ دے دو تو میں تمہیں پروٹیکٹ کر سکتا ہوں . . .

نیتا : تم جانتے ہو للّی میرے پاس کچھ نہیں ہے۔

للّی : جو عورت اتنے بڑے آدمی کی کیپ ہو، اس کے پاس ایک ہزار روپیہ نہیں ہے۔ کوئی مانے گا۔ ہے ماننے والی بات ؟

(نیتا للّی کے چہرے پر زنّاٹے دار تھپڑ مارتی ہے۔ للّی پلنگ کی طرف جاتا ہے۔ بچّہ اُٹھاتا ہے۔)

للّی : اب تمہارا باپ بھی ہر مہینے مجھے باقاعدہ ہزار بھیجے گا . . . میں پتنگ ساتھ لے چلا ہوں نیتا ڈیوڈ . . . . خود بخود ڈور ساتھ چلتی آئے گی

.... خود بخود چرخی سے اُترے گی —— آپی ڈھیل دے گی۔ آپی....
حضرت مسیح کی قسم میں روز روز کی منتوں سے تنگ آگیا ہُوں۔
(جلدی سے جاتا ہے۔ نینا پہلے پیچھے جاتی ہے۔ پھر رُکتی ہے۔ کیمرہ خالی بستر پر جاتا ہے۔ نینا کو جیسے سکتہ ہو گیا ہے۔ اس وقت آئرین بازار سے سودا لے کر تھیلا اُٹھائے آتی ہے۔)

آئرین : تمہارے ڈیڈی کا ایک جاننے والا مل گیا بازار میں ——
(نینا کو دیکھ کر تھیلا کُرسی پر رکھتی ہے۔)

آئرین : کیا بات ہے نینا؟ —— نینا . . . .
(یکدم خالی بستر کو دیکھتی ہے۔ پھر نینا کی طرف دیکھتی ہے۔)

آئرین : لے گیا؟ —— لے گیا للّی۔
(نینا اس سے لپٹ کر رونے لگتی ہے۔ آئرین نینا کو تھپکتے ہوتے)

آئرین : اے خُدا ہمیں آزمائش میں نہ ڈال بلکہ بُرائی سے بچا —— اے خدا ہمیں آزمائش میں نہ ڈال بلکہ بُرائی سے بچا . . .

—— کٹ

سین ۱۸
ان ڈور
دوپہر

(زبیر کا دفتر۔ اس وقت زبیر ایک اہم فائل دیکھ رہا ہے۔ میز پر خوبصورت

منقش پلیٹ میں بادام کی گریاں رکھی ہیں جنہیں وہ فائیل دیکھتے ہوئے،
بے خیالی سے کھا رہا ہے۔ فون بجتا ہے۔ بے اعتنائی سے چونگا اُٹھاتا ہے۔)

زبیر : جی۔ سپیکنگ۔ Buon gior no signor تھینک یُو سر۔ تھینک یُو
ویری مچ ــــ یس سر ــــ یس سر ــــــــــــــــــــ

Who Sir? But why Sir? Why---? Yes Sir,
Yes... si... si... si signor... But
she was very happy with us Sir. All right
Sir as you please... as you order Cias
Sir Cias!!

(بڑی خاموشی کے ساتھ چونگا واپس کریڈل پر رکھ دیتا ہے اور خاموش ہو
جاتا ہے۔ تھوڑی دیر تک اسی طرح ساکت و جامد بیٹھا رہتا ہے۔ پھر تیزی سے
اُٹھتا ہے اور دروازہ کھول کر باہر سٹاف رُوم میں آتا ہے۔ صدیقی صاحب
سے پُوچھتا ہے۔)

زبیر : مس نینا نہیں آئیں۔

صدیقی : وہ تو چھٹی پر ہیں سر۔ شگفتہ مُلتان گئی ہے سر۔

زبیر : اوہ آئی سی۔

(اسی طرح سوچتا سوچتا واپس آکر اپنے کمرے میں کُرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔
اپنی فائیل دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر بند کر کے کُرسی کی پُشت پر
سر ڈال دیتا ہے اور چھت کو تکنے لگتا ہے۔ بڑی خاموشی کے ساتھ دروازہ
کھلتا ہے اور بڑی گربہ پائی کے ساتھ مس نینا اندر داخل ہوتی ہے۔)

نینا : مے آئی کم اِن سر۔

زبیر : (اُٹھ کر) آئیے آئیے تشریف لائیے۔

(نینا سامنے آکر کھڑی ہو جاتی ہے۔)

زبیر : تشریف رکھیے۔

(بیٹھتی ہے تو زبیر بھی بیٹھ جاتا ہے۔)

نینا : میں آپ کو خدا حافظ کہنے آئی ہوں سر۔

(زبیر خاموش ہے۔)

میں آپ کو گڈ بائی کہنے آئی ہوں سر اور ساتھ ہی شکریہ ادا کرنے آئی ہوں۔

زبیر : لیکن یہ آپ نے کیا کیا مس نینا ؟

(نینا خاموش ہے۔)

استعفیٰ کیوں دے دیا آپ نے ؟

نینا : میرے لیے آپ کے ساتھ کام کرنا مشکل ہو گیا تھا سر۔

زبیر : میرے ساتھ ؟

نینا : یس سر

زبیر : کیوں ؟

نینا : آپ کی وجہ سے یہاں بڑا اسکینڈل بن گیا تھا ؟

زبیر : سکینڈل ؟

نینا : آپ کو پتہ نہیں سر ان چند مہینوں میں مجھ پر کیا گزری ہے۔ میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اس شہر کے لوگوں نے ــــ اور مجھ سے میری زندگی کا کیا چھن گیا ہے۔

زبیر : آئی ایم سوری مس ....

نینا : (رو کر) للّی میرے بچے کو اُٹھا کر لے گیا ہے اپنے ساتھ۔ میرے ہمفری

کو ــــ آپ کو پتہ ہے نہ سر وہ بیمار تھا . . . . اُس نے آج تک ایک دن بھی میرے بغیر نہیں گزارا ۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی ۔ اور اب پتہ نہیں . . . . پتہ نہیں وہ کس حال میں ہو گا ــــ کہاں ہو گا ــــ اور کس کی کیئر میں ہو گا . . . .

(غصّے سے رو کر)

اور یہ سب کچھ آپ کی وجہ سے ہوا سر ۔

زبیر : میری وجہ سے ؟

نینا : آپ کیوں مجھ پر اس قدر مہربان ہو گئے تھے کیوں اسقدر توجہ دینے لگے تھے مجھ پر ــــ کیوں مجھے سیکنڈ لائیز کر دیا تھا سارے شہر میں ۔

زبیر : میں نے مس نینا !

نینا : آپ کیوں اُٹھ کر کھڑے ہوتے تھے جب میں آتی تھی ۔ کیوں کھڑے رہتے تھے جب تک میں کھڑی رہتی تھی ۔ کیوں مجھے لفٹ دیا کرتے تھے اپنی کار میں ــــ کیوں دروازہ کھولا کرتے تھے آگے بڑھ کر میرے لیے ۔

زبیر : یہ میرا فرض تھا مس نینا ۔

نینا : کیسا فرض سر؟ کس کا فرض ؟ ــــ اور لڑکیاں بھی تو کام کرتی ہیں اس دفتر میں ۔ اور لیڈیز بھی تو آتی ہیں یہاں ۔ ان کے لیے تو آپ کبھی اُٹھ کر کھڑے نہ ہوئے ۔ ان کے لیے تو آپ نے کبھی دروازے نہ کھولے ۔ ان کو کوئی گفٹ لا لا کر نہیں دیئے ــــ میں نے آپ کا کیا بگاڑا تھا سر ۔ کیا نقصان کیا تھا ۔

زبیر : میں تمہارا احسان مند ہوں مس نینا ۔

نینا : میں نے کیا احسان کیا ہے آپ پر ۔ میں نے کیا کیا ہے آپ کے لیے ۔

زبیر : میری زندگی کا ایک ایک لمحہ تمہاری شکر گزاری کے ساتھ بندھا ہے میری ایک ایک سانس تمہاری احسان مند ہے۔

نینا : کیا مہربانی کی ہے سر میں نے آپ پر ——— کونسی کائنڈنس دکھائی ہے میں نے۔

زبیر : تم ایسے فرقے سے تعلق رکھتی ہو مس نینا جس کے مجھ پر اور میری ساری قوم پر بڑے احسان ہیں اور ہم لوگ احسان فراموش نہیں ہیں بی بی۔

نینا : (غصے سے) کیا کیا ہے سر ہم نے آپ کے لیے ؟

زبیر : آج سے کئی سو سال پہلے نینا——تیرہ چودہ سو سال پہلے ——تمہارے ایک ہم مذہب، ایک ہم مسلک، ایک برادران قبیلہ نے ہمارے بڑوں کی مدد کی تھی —— ان پر احسان کیا تھا۔ ان کی حفاظت کی تھی۔

نینا : (حیرانی سے) کس نے سر۔

زبیر : حبشہ کے عیسائی بادشاہ نجاشی نے ——گیارہ مسلمان مردوں اور چار عورتوں کو اپنی مملکت میں معزز مہمانوں کی طرح رکھا اور ان کی ہر طرح سے مدارات کی تھی۔

نینا : کون لوگ سر؟

زبیر : یہ وہ مظلوم اور ستم رسیدہ لوگ تھے مس نینا۔ جنہوں نے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر پہلے پہل اسلام قبول کیا تھا اور مکہ کے مشرکوں نے ان پر زندگی کی ساری راہیں بند کر دی تھیں۔ پہلے یہ لوگ حبشہ گئے۔ پھر رسولؐ اللہ کے فرمان پر ایک اور گروہ ہجرت کر کے وہاں پہنچ گیا اور تمہارے ہم مذہب بادشاہ نجاشی نے ان کے لیے بھی خاطر و مدارات کے سب دروازے کھول دیئے۔ میں ایک ماڈرن مین ہی سہی مس نینا

لیکن میری ڈوری اپنے انہی بزرگوں اور انہی داتاؤں کے ساتھ بندھی ہے۔ جن کی وجہ سے مجھے روشنی ملی ہے۔ میں ان سے الگ ہو کر کچھ بھی نہیں ہوں۔ ہم ایک ہی جسم اور ایک ہی رُوح ہیں۔ میں انہی کی پروجیکشن ہوں۔ انہی کی کونٹی نیوایشن ہوں۔ پھر میں تمہارے احسانوں کو کس طرح سے بُھلا سکتا ہوں۔ جب تم میرے سامنے کھڑی ہو تو میں کس طرح بیٹھا رہ سکتا ہوں۔ جب تم جانے لگو تو میں کس طرح تمہیں اپنے لیے دروازہ کھولنے دوں۔ جب تم پیدل ہو تو میں کس طرح سواری میں بیٹھا رہوں۔ ہماری قوم ناشکر گزار اور احسان فراموش نہیں مس نینا۔

نینا : لیکن اور بھی تو لوگ ہیں سر اس شہر میں —— اس دفتر میں ——

زبیر : ان بیچاروں کو پتہ نہیں مس نینا کہ تمہارا والیٔ حبشہ نجاشی بادشاہ سے کیا رشتہ ہے۔ ان کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ واقعہ کیا گزر چکا ہے۔ بڑی دید والے لوگ ہیں مس ڈیوڈ۔ ہم اپنے بڑوں سے، اپنے بزرگوں سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ بڑی عقیدت رکھتے ہیں۔ ہم کرم فرماؤں کو بُھولا نہیں کرتے۔ اگر ان لوگوں کو اپنی تاریخ معلوم ہو جائے تو ہمیشہ شکر گزاری کا ہاتھ احسان مند دل پر رکھ کر آپ کے سامنے آیا کریں۔

نینا : رئیلی سر!

زبیر : Sure... Sure enough Nina... We are not a bad lot... Oh no no ... not at all... ... are misunderstood... misapprehended

(جیسے اپنے آپ سے)

دنیاوی اعتبار سے اور pressing circumstances کے
تحت جنگیں بھی ہوئیں۔ بڑی طویل صلیبی جنگیں۔ لیکن صلاح الدین ایوبی
جیسے بادشاہوں نے اپنے مخالفوں کی عزت و احترام میں کوئی فرق نہیں
آنے دیا۔ اُن کی شخصیت، ان کے سٹیٹس، اُن کے وقار پر کبھی حملہ نہیں
کیا۔ اُن کے استقبال میں کوئی کمی نہیں کی۔

نینا : میں آپ کی شکر گزار ہوں سر ـــــ خداوند یسُوع آپ کو خوش رکھے۔
میرے دل کا بہت سا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

(اُٹھتی ہے تو زبیر بھی کھڑا ہو جاتا ہے۔)

زبیر : تو پھر میں ہوپ رکھوں کہ آپ اپنا . . . .

نینا : نو سر۔ سوری . . . . یہ تو میرا آخری ڈیسِین ہے۔ اس ایک بوجھ کے
کم ہونے سے سارے بوجھ تو نہیں اُتر جاتے۔

زبیر : کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے۔

نینا : نو سر۔ سوری

(پھر تھوڑی دیر تک دونوں اس طرح خاموش سر جھکائے سے کھڑے رہتے
ہیں۔ اچانک نینا سر اُٹھا کر کہتی ہے۔)

نینا : May I shake your hand Sir?

زبیر : (دھیمی آواز میں ہاتھ بڑھا کر) ضرور!

(نینا اس سے ہاتھ ملاتی ہے تو وہ دوسرا ہاتھ بھی اس پر رکھ کر ذرا سا
تھپتھپاتا ہے۔ پھر نینا دروازے کی طرف چلتی ہے۔ تو زبیر آگے بڑھ کر
اس کے لیے دروازہ کھولتا ہے۔)

نینا : (دروازے پر رُک کر زبیر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے) تھینک یُو سر

گڈ بائی

زبیر : گڈ بائی

——کٹ

سین ۱۹

ان ڈور

رات

(نیتا ڈیوڈ کا گھر۔ بڑے کمرے کو کیمرہ آہستہ آہستہ دکھاتا ہے۔ دونوں بستر خالی ہیں۔ ساتھ پڑی ہوئی دونوں کرسیاں بھی خالی ہیں۔ بی بی مریم کی تصویر کے سامنے قندیل روشن ہے۔ حضرت مسیح کی تصویر کے اُوپر موتیے کا ہار سجا ہوا ہے۔ وہاں سے ہوتا ہوا کیمرہ چھوٹے میز پر آتا ہے۔ جہاں لمبی سی موم بتی کی روشنی میں آئرین بائیبل پڑھ رہی ہے۔ اس کی آنکھ سے آنسو جاری ہیں جو بائیبل پر پڑ رہے ہیں۔ اس وقت دروازے پر دستک ہوتی ہے۔ وہ اٹھتی ہے اور جاکر دروازہ کھولتی ہے۔ باہر زبیر کھڑا ہے۔)

زبیر : گڈ ایوننگ ممی۔

آئرین : گڈ ایوننگ۔ آؤ آؤ۔ اِدھر آجاؤ۔ یہاں بیٹھو یہ کرسی اچھی ہے۔ کمفرٹیبل ہے۔ یہاں بیٹھے——

زبیر : (کھڑے کھڑے) شکریہ۔ آپ بھی تشریف رکھیں۔

آنڑین : میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں ۔

زبیر : (محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر) آج نہیں ممی ۔ پھر سہی کبھی ۔
پھر کسی وقت ۔ سَم اَدر ٹائم ۔

ممی : (غمناک ہو کر) ہاں آج نہیں ۔ ٹھیک ہے ۔ آج نہیں ۔

(بیٹھ جاتی ہے اور اس کے ساتھ والی کرسی پر زبیر بیٹھ جاتا ہے ۔ کچھ دیر
دونوں کے درمیان خاموشی رہتی ہے ۔)

زبیر : سردی اب کم ہو گئی ہے ۔

ممی : ہاں شاید ۔ کم ہی ہو گئی ہے ۔ کچھ پڑا ہے فرق تھوڑا سا ۔

زبیر : نیتا کہاں ہے ؟

ممی : (میز سے ایک چھوٹا سا رومال اُٹھا کر زبیر کے کوٹ کا کالر صاف کرتی
ہے ۔ یاد رہے اس نے بڑا کوٹ پہنا ہوا ہے اور اُتارا نہیں ہے ۔)
نیتا ! (ممی پھر خاموش ہو جاتی ہے) یہ تمہارے کالر پر کچھ لگا ہوا تھا ۔

زبیر : تھینک یُو ممی ۔ نیتا کہاں ہے ؟

ممی : وہ تو چلی گئی ۔ کل شام ۔

زبیر : کہاں ؟ ۔۔۔ کدھر ؟

ممی : ننری میں ۔

زبیر : ننری میں ؟

ممی : (اثبات میں سر ہلاتی ہے)

زبیر : نن بننے کو ؟

ممی : نہیں نن تو وہ کہاں بنے گی ۔ بس خدمت کرنے گئی ہے ۔ سسٹرز کی ۔
ننوں کی ۔ چرچ سے رشتہ جوڑ لیا ہے اس نے اپنا ۔ (دکھی ہو کر)

ہمیشہ ہمیشہ کے لیے (مزید دُکھی ہو کر) اچھا ہی کیا۔

زبیر : آپ نے اُسے جانے کیوں دیا؟

ممی : (توقف کے بعد) مہربانی بیٹے۔ شکریہ اس کنسرن کا۔ لیکن نینا جب سے اس کی شادی ہوئی تھی کہیں تھی ہی نہیں۔ ڈیوڈ نے زندگی بھر کسی کو تکلیف نہیں دی، میرے ہزبینڈ نے۔ لیکن پتہ نہیں اس نے نینا کو للی کے حوالے کیوں کر دیا تھا۔

زبیر : لیکن۔ وہ کرے گی کیا چرچ میں —— آئی مین وہاں کیسے رہے گی۔

ممی : وہ بہت بڑا سہارا ہے بیٹے۔ ٹھیک ہے۔ اچھا ہی کیا اس نے۔

زبیر : اور آپ یہاں رہیں گی اکیلی۔

ممی : (خاموش ہے۔)

زبیر : آپ میرے ساتھ چلیں جہلم میں میری ماں رہتی ہے۔ اکیلی۔ آپ سے بڑی ہوں گی کافی۔ میں آپ کو ان کے پاس چھوڑ آؤں گا۔ وہ آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔ آپ کا ہر طرح سے خیال رکھیں گی۔

آئرین : (پیار سے زبیر کا ہاتھ چومتی ہے) تھینک یُو۔ تھینک یُو ویری مچ سنّی۔ گاڈ بلیس یُو۔ میں اب مارٹن پور چلی جاؤں گی۔ وہاں ڈیوڈ کی قبر ہے۔ کوئی اس کی قبر پہ پھول لے جانے والا بھی تو چاہیئے۔ نینا خوش ہوگی، اگر میں مارٹن پور چلی گئی۔

زبیر : لیکن نینا نے یہ فیصلہ کیوں کیا۔ آپ نے بھی اُسے نہیں سمجھایا۔

ممی : یہ اچھا فیصلہ ہے بیٹے۔ کم از کم اِن سارے فیصلوں سے اچھا ہے جو اس نے آج تک کئے۔ مجھے یقین ہے وہ خوش رہے گی۔

زبیر : تو پھر آپ تو میرے ساتھ چلیں۔

ممی : نہیں میرا فیصلہ بھی اچھا ہے۔ ڈیوڈ خوش ہوگا میرے فیصلے سے۔

(دونوں خاموشی سے سر جھکائے کافی دیر تک بیٹھے رہتے ہیں۔ پھر زبیر بڑی آہستگی سے بڑی مایوسی کے عالم میں اُٹھتا ہے۔)

زبیر : اچھا ممی۔ خدا حافظ

ممی : خدا حافظ ۔ (زبیر ایک قدم اُٹھاتا ہے تو ممی کہتی ہے) کوٹ کے کالر اُٹھالو بیٹا ۔ باہر بڑی ٹھنڈ ہے۔ سردی اور سارو بتا کر حملہ نہیں کرتے۔

(زبیر کوٹ کے کالر اُٹھا لیتا ہے اور سر جھکا کر کمرے سے باہر نکل جاتا ہے۔ ممی اسی طرح بیٹھی رہ جاتی ہے۔)



قصائی اور مہنگائی

کردار :

یعقوب : قصائی عمر پچاس کے لگ بھگ، بیٹے سے محبت کرنے والا

یوسف : یونیورسٹی کا طالب علم۔ خوبصورت نوجوان

سرتاج : یوسف کی ہم جماعت۔ حساس لڑکی

آنٹی منور : سرتاج کی امی۔ عمر چالیس بیالیس برس

ڈاکٹر صاحب : سرتاج کا باپ۔ عمر پچاس کے قریب

غلام زہرہ : یعقوب کی بیوی عمر چالیس کے لگ بھگ



سین ۱
آؤٹ ڈور
دن

(قصائی یعقوب بڑے گوشت کی دکان کرتا ہے۔ ٹولنٹن مارکیٹ کے بڑے گوشت والے سیکشن میں تعارفی شوٹنگ کر کے قصائی یعقوب کی دکان ۳/۴ الگ سے سٹوڈیو میں لگائی جائے۔

پروڈیوسر جب مارکیٹ میں بھرا پُرا سین شوٹ کرنے جائیں تو وہاں ٹیپ پر ساؤنڈ افیکٹس بھی ریکارڈ کر کے لائیں۔ جو سٹوڈیو میں لگائی ہوئی سنگل شاپ کے سیٹ پر چلیں گے۔

اس وقت جب کلوز اپ میں سین کھلتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ یعقوب قصائی گوشت کے بڑے ٹکڑے کو کلہاڑی سے کاٹ رہا ہے۔ دو تین گاہک اس کی دُکان پر کھڑے ہیں جب وہ چھری سے جھلی اتارنے لگتا ہے تو۔)

گاہک ۱ : سردی ہو گئی بھائی یعقوب۔

قصائی : (ہاتھ روک کر) چربی والا گوشت کھاؤ تو سردی کی کاٹ بھی ہو۔ یہاں تو جو آتا ہے۔ رُو کھا دے دو۔ رُو کھا دے دو۔ گول بوٹی نکال دو ـــــ تمہارا بھلا ہو جائے پتہ ہی نہیں گوشت کا ـــــ ہاں جی ؟

گاہک ۲ : دو کلو قیمہ ـــــ رو کھا۔

قصائی : (قیمہ مشین والے لڑکے سے) لے بھئی نکال دے دو مرتبہ پانی کا ہاتھ لگائے بغیر۔

(یوسف صاحب چیک ڈیزائن کا کوٹ پہنے اٹھلاتے ہوئے فیلڈ میں آتے ہیں اور دُکان کے پاس کھڑے ہو جاتے ہیں۔ قصائی انہیں دیکھ کر چھلی اتارنی چھوڑتا ہے اور ہنٹر بیف کا ایک پیکیٹ دیتا ہے۔)

قصائی : کافی ہے ؟

یوسف : جی کافی ہے۔

قصائی : اور تو نہیں چاہیئے ؟

یوسف : جی نہیں ـــ شکریہ۔

(بغیر رقم دیئے بڑی شان سے چلا جاتا ہے۔ سب گاہک اس کی بے نیازی سے متاثر ہوتے ہیں۔)

قصائی : ہاں جی ماسٹر صاحب۔

ماسٹر رفیق : وہی آدھ کلو۔

قصائی : گول ؟

ماسٹر : جو آپ کو مناسب معلوم ہو۔

قصائی : یہ اُتار بے دستی اُوپر سے۔ (لڑکا اتارنے لگتا ہے تو قصائی کہتا ہے) ٹھہر جا ـــ رُک جا ایک منٹ کو ـــ وہ تھیلی نکال تخت پوش تلے سے گنڈیری کی۔ (لڑکا تخت پوش کے اُوپر سے آدھا تخت پوش کے اندر چلا جاتا ہے۔) لو ماسٹر جی تم بھی کیا یاد کرو گے۔ بغداد کے خلیفے کھایا کرتے تھے یہ گوشت۔

(لڑکا کاغذ کا لفافہ نکالتا ہے اور ماسٹر صاحب کو دیتا ہے۔)

ماسٹر : یہ تو زیادہ معلوم ہوتا ہے یعقوب صاحب۔

قصائی : آدھا کیلو سے اُوپر ماسٹر جی۔ لیکن ہے تحفہ۔ پریوں کا ناشتہ

ماسٹر : (جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے) کیا پیش کروں۔

قصائی : وہی ساڑھے تین۔ سات روپے کیلو۔

ماسٹر : بہت بہتر۔ (رقم دیتا ہے اور چل دیتا ہے اب دکان پر کوئی بھی گاہک باقی نہیں۔)

لڑکا : وہ آدھ پاؤ ہڈی رہ گئی قیمے والے کی۔

قصائی : کون قیمے والا۔

لڑکا ۱ : وہی جس نے دو کیلو قیمہ بنوایا تھا ـــــ رُوکھا۔

لڑکا ۲ : (ہنس کر) رہ نہیں گئی اُستاد۔ رکھ لی ہے اس نے جان بُوجھ کر۔

لڑکا ۱ : تو ہڈی رہ گئی ہے کوئی روغن چکنائی تو نہیں۔

یعقوب : (چھُری اُٹھا کر) چل اُٹھ۔ بھاگ اس کے پیچھے اور دے کے آ اس کو ہڈی۔ ورنہ ذبح کر دوں گا اسی تخت پوش پر

لڑکا ۱ : وہ تو دور نکل چکا ہو گا اُستاد۔

یعقوب : میں نہیں جانتا بالکل۔ یہ ہڈی اس تک نہ پہنچی مودے تو واپس نہیں آئے گا تو میرے اڈے پر ـــــ اُٹھ کھڑا ہو جا۔

لڑکا ۱ : (اُٹھتے ہوئے) اب پتہ نہیں وہ . . . . اس وقت . . . .

لڑکا ۲ : ٹھنڈی کھوئی کے پاس گھر ہے اس کا ـــــ گھاٹی مڑتے ہی ـــــ لال چوبارے والا۔

(لڑکا ۱ ہڈی ہاتھ میں لے کر بڑبڑ کرتا اور لڑکا ۲ کو بغیر آواز دیئے ماں بہن کی گالیاں دیتا اڈے سے روانہ ہوتا ہے۔)

یعقوب : اور سُن لے تو بھی عمر بھر کے لیے۔

لڑکا ۲ : جی۔

یعقوب : اگر اڈّے پر بیٹھ کر بے ایمانی کی۔ یا گاہک سے زیادہ دام مانگے۔ یا لالچ کیا کسی قسم کا۔ تو تیرا گھر تو برباد ہوگا ہی۔ شہر سے بھی برکت نکل جائے گی ہمیشہ کے لیے اور مخلوقِ خدا تڑپ تڑپ کے ترس ترس کے مرجائے گی تیرے سامنے اور تُو یوں ہو جائے گا (سامنے نیچے کو اشارہ کرتا ہے لیکن دکھائی کچھ نہیں دیتا) ان کی طرح سے —— خارش کا —— مارا ہوا پیپ بھرا کتّا۔

لڑکا نمبر۱ : (خاموش ہے اور خوفزدہ ہے)

یعقوب : اور یاد رکھو ساری عمر کو کہ جب حرام اور حلال ایک جگہ اکٹھے موجود ہوں تو حرام کا پلڑا ہمیشہ بھاری ہوتا ہے۔ چاہے وہ تھوڑا سا ہی کیوں نہ ہو خبردار۔

(پھر آرام سے سر جھکا کر گوشت وغیرہ کاٹنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔)

—— فیڈ آؤٹ

سین ۲
آؤٹ ڈور
دن

(یونیورسٹی کیمپس کی نئی مسجد کے مینار پر سے ساری یونیورسٹی کو پین کر کے دکھاتے ہیں پھر نہر کے کنارے ایک موٹر سائیکل آرہی ہے۔ کیمرہ احتیاط کے ساتھ ایک اُونچی جگہ سے اس موٹر سائیکل کا تعاقب کرتا ہے۔ یوسف نے وہی چیک کا کوٹ پہن رکھا ہے۔)

—— کٹ

(موٹر سائیکل کے لیول پر ہو کر کیمرہ یوسف کو یونیورسٹی میں داخل ہوتا دکھاتا ہے۔ یوسف کا موٹر سائیکل سامنے جا رہا ہے۔ پیچھے کیمرہ اسے کار میں فولو کرتا ہے۔ یوسف موٹر سائیکل پارک کرتا ہے۔ کیمرہ اُوپر کی طرف ٹلٹ کر کے یونیورسٹی کی وہ میں بلڈنگ دکھاتا ہے جس کی دیواروں پہ ملتانی ٹائلز کا کام ہے۔)

———— کٹ

(یوسف یونیورسٹی کے ہاسٹل کی جانب اندر لمبے برآمدوں میں جا رہا ہے۔ سامنے سے سرتاج آتی ہے ہاتھ ہلاتی ہے دونوں ساتھ چلنے لگتے ہیں۔)

———— کٹ

(سرتاج اور یوسف کنٹین پر آتے ہیں سامنے نہر کا کنارہ ہے۔ دونوں چائے کا آرڈر دے کر بیٹھتے ہیں۔ چائے آتی ہے یوسف جیب سے پلاسٹک کا لفافہ نکالتا ہے اور جو بیف اسے اس کے باپ نے دیا تھا نکال کر سرتاج کو دیتا ہے۔ سرتاج بیف کو رغبت سے کھاتی ہے۔ کیمرہ ان دونوں کو ایسے موڈ میں فلماتا ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ ان دونوں کو آپس میں بہت محبت ہے۔)

———— کٹ

سین ۳
ان ڈور
دن

(بہت سارے طالب علموں کے ساتھ سرتاج اور یوسف بیٹھے پڑھ رہے ہیں۔
دونوں مل کر مائیکروسکوپ کے نیچے ایک خوبصورت پتے کو سٹڈی کرتے ہیں۔)

کٹ ________

سین ۴
آؤٹ ڈور
دن

(یوسف اپنی موٹر سائیکل پر ایک بہت بڑی عالی شان کوٹھی میں داخل ہوتا
ہے۔ پورچ میں موٹر سائیکل کھڑی کرتا ہے۔ پھر برآمدے میں جاکر گھنٹی بجاتا ہے۔)

کٹ ________

سین ۵
ان ڈور
دن

(سرتاج کا گھر۔ اس گھر میں زیبائش، آرائش اور جمال کے وہ تمام پہلو موجود

ہیں جو آج کی ماڈرن لونگ کا تقاضا ہیں اس وقت آنٹی منور اور یوسف کھڑے ہیں۔)

یوسف : اچھا آنٹی میں چلتا ہوں۔ آپ یہ فوٹوسٹیٹ نوٹس سرتاج کو دے دیں پلیز۔

منوّر : ابھی آجائے گی یوسف ـــ یہیں neighbours میں گئی ہے۔ تم ذرا انتظار کرلو۔

یوسف : میرا خیال ہے کہ ـــ کہ جی میں چلوں ۔

منوّر : اور میرا خیال ہے کہ ہم دونوں چل کر گرین روم میں بیٹھیں کافی پئیں اور سرتاج کے آنے سے پہلے فرینڈز بن جائیں ۔

یوسف : جیسی آپ کی مرضی ۔

منوّر : سرتاج اتنی possessive ہے یوسف کہ مجھے اپنی کسی سہیلی کسی کلاس فیلو سے ملنے ہی نہیں دیتی۔ This way .....

(اب یوسف اور آنٹی ڈرائینگ روم میں سے چلتے ہوتے گیلری میں آتے ہیں۔ پھر ایک اور خوبصورت لونگ روم آتا ہے۔ اس سے گزر کر شاندار سیڑھیاں جیسی چینیہ ہاؤس میں ہیں ان پر سے ہو کر اوپر جاتے ہیں۔ اور پھر ایک کمرے میں داخل ہوتے ہیں جس کی دیواریں کارپٹ پردے سب مختلف قسم کے سبز رنگوں سے آراستہ ہیں۔ جس وقت یوسف اور آنٹی اپنا یہ سفر طے کرتے ہیں کیمرہ ان دونوں پر توجہ نہیں دیتا۔ بلکہ مکان کی آرائش مثلاً شینڈیلر، خوبصورت پردے، صوفے، ریڈیوگرام وغیرہ دکھاتا جاتا ہے۔)

منوّر : بیٹھو بھئی بی ایٹ ہوم۔

یوسف : شکریہ

منوّر : (انٹرکام فون اٹھاتی ہے) عبدالرحمان ـــ دو کافی گرین رُوم میں

(فون بند کر کے) اس دفعہ امتحان میں تم پھر فسٹ آ گئے ـــــ سرتاج بتا رہی تھی مجھے ـــــ

یوسف : بس جی سرتاج کے مجھ سے صرف پانچ نمبر کم ہیں۔

منوّر : خیر اب وہ اس قدر مائنڈ نہیں کرتی پہلے سمسٹر میں تو وہ دعائیں مانگا کرتی تھی کہ تم کہیں چلے جاؤ شہر سے یا ملک سے۔

یوسف : جی پہلے سمسٹر میں میں بھی دعائیں مانگا کرتا تھا کہ سرتاج کی شادی ہو جائے کہیں اور وہ کالج چھوڑ دے۔

منوّر : ہاؤ فیلسی نیٹنگ ـــــ کبھی کبھی enemies کے ساتھ بڑی equation بن جاتی ہے ـــــ ہے نا۔

یوسف : (سر جھکا کر) جی ـــــ

منوّر : میرا تو خیال ہے کہ سرتاج کو خواہ مخواہ بوٹنی کا ایم اے کرا رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو شوق ہے۔ ورنہ لڑکیوں کو کیا ضرورت ہے اتنی ٹیکنیکل تعلیم کی!

یوسف : سرتاج کا aptitude ہے آنٹی اس سبجیکٹ میں وہ بہت ذہین ہے۔

(اس وقت ڈاکٹر چشتی اندر آتے ہیں۔)

ڈاکٹر : یہ جو ٹینکی کا اوور فلو ہے اس کی وہ وجہ نہیں جو آپ سمجھتی تھیں ـــــ السلام علیکم ـــــ چشتی (اپنا تعارف کراتا ہے۔)

یوسف : یوسف (دونوں ہاتھ ملاتے ہیں)

منوّر : یہ سرتاج کا کلاس فیلو ہے۔ بڑا ہارڈ کمپی ٹیشن ہے دونوں میں۔

ڈاکٹر : بیٹھو بیٹھو کھڑے کیوں ہو گئے ـــــ بیٹھو یار۔

یوسف : تھینک یو سر ..... (بیٹھ جاتے ہیں)

ڈاکٹر : آپ کا خیال تھا no return volve خراب ہے۔ پلمبر صاحب

نے وہ بھی بدل دیا ہے پھر بھی دھڑا دھڑ اشٹرا شٹر پانی اوور فلو کر رہا ہے۔

منوّر : ڈاکٹر صاحب آپ یہاں رہیں اور ان مسئلوں سے دو چار ہوں تو پتہ چلے .... آپ کو کیا پتہ یہ پلمبر، الیکٹریشن، فِٹر ـــــ یہ تمام ٹیکنیکل ہینڈز کتنی تکلیف دیتے ہیں۔ کیسے الّو بناتے ہیں۔

ڈاکٹر : تو آپ کو مجبور کون کرتا ہے یہاں رہیں۔ آپ بھی چلیں ہمارے ساتھ ٹورنٹو۔ اِدھر فون کریں اُدھر پلمبر حاضر! نالی نلکہ درست ـــــ نو پرابلم۔

منوّر : اور سرتاج کی پڑھائی؟

ڈاکٹر : چلیں ایک سمسٹر باقی رہ گیا ہے۔ پھر سہی۔ یہ جو تمہاری آنٹی ہیں یار۔ کیا نام بتایا تھا؟

یوسف : یوسف

ڈاکٹر : ہاں یوسف۔ تو جناب یہ ہر سال کینڈا مفت دیکھ آتی ہیں۔ لیکن وہاں سیٹل ہونے پر رضامند نہیں ہوتیں۔

منوّر : کلچر وہاں کا مختلف۔ زبان وہاں کی اور .... رشتہ دار دوست سب یہاں ـــــ وہاں پر permanently کیوں رہیں؟ کس لئے؟ یہاں اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔

ڈاکٹر : ان کی خواہش ہے (آہستہ) اظہار تو نہیں کرتیں کھُلے الفاظ میں لیکن یہ چاہتی ہیں کہ میں یہاں آجاؤں اور پروفیسر بن جاؤں کنگ ایڈورڈ کالج میں....

منوّر : کیا ہرج ہے سر بڑی عزّت ہے پروفیسروں کی۔

(کافی لے کر بیرا آتا ہے اور منور کے سامنے کافی کا ٹرے رکھتا ہے اس بیرے کو باوردی ہونا چاہیئے۔)

ڈاکٹر : جتنا میں مہینے میں یہاں کماؤں گا اس سے آپ کے گیس کا بل، ٹیلی فون کا بل، کار کا پٹرول بھی نہ چل سکے گا۔

(بیرا چلا جاتا ہے)

کیوں بھئی یوسف؟

منوّر : تو ہم اپنا سٹینڈرڈ آف لونگ کم کر لیں گے۔

ڈاکٹر : یہ سٹینڈرڈ آف لونگ کم بخت ایک دفعہ بڑا ہو جائے تو پھر کبھی کم نہیں ہوتا منوّر بیگم۔ جس طرح بچہ ایک دفعہ قد نکال لے تو پھر کاٹ چھانٹ کر بچہ نہیں بنایا جا سکتا ہے ایسے ہی سٹینڈرڈ آف لونگ کا بھی ایک پروسس ہے اس میں جب ایک بار مومینٹم پیدا ہو جائے تو پھر چل سو چل .... آگے سے آگے۔

یوسف : میرا خیال ہے میں اجازت لوں آپ سے۔

منوّر : تھوڑی دیر بیٹھیے سرتاج آنے والی ہوگی۔

یوسف : کوئی بات نہیں آنٹی۔ میں اسے یونیورسٹی میں مل لوں گا۔ اچھا انکل خدا حافظ۔ خدا حافظ آنٹی۔

ڈاکٹر : خدا حافظ۔

آنٹی : اچھا بھئی خدا حافظ۔ یہ کافی بھی نہیں پیو گے۔

(اس وقت سرتاج آتی ہے۔)

سرتاج : یہ سب چھپ کر کہاں بیٹھے ہیں آج۔ ہیلو یوسف۔

آنٹی : ہم تو یوسف کو دوست بنا رہے تھے . . . تم خواہ مخواہ آگئی بیچ میں۔

سرتاج : یہ دوست دوست کسی کے نہیں بنتے ممی۔ ان کی دوستی صرف اپنے گریڈول سے ہے۔

(چیونگ گم کھا رہی ہے)

ڈاکٹر : پھر چیونگ گم ۔نکالو اسے فوراً ۔ سارے دانت خراب ہو جائیں گے۔
تمام میڈیکل جرنلز میں سگریٹ اور چیونگ گم کے خلاف اتنے مضمون چھپتے
ہیں ۔پھر بھی تم لوگ نہیں مانتے ۔

یوسف : اچھا میں چلتا ہوں سرتاج ۔

سرتاج : اتنی جلدی

یوسف : مجھے تو ابھی اسائن منٹ بھی تیار کرنی ہے ۔اچھا جی خدا حافظ...

آنٹی+ڈاکٹر: خدا حافظ

سرتاج : میں اسے سی آف کر کے آئی ممی ـــــ ابھی ۔

ــــــــــ کٹ

سین ٦
آؤٹ ڈور
وہی وقت

(یوسف اور سرتاج ہنس رہے ہیں اور ہنستے چلے جاتے ہیں ۔پھر یوسف
موٹر سائیکل کو کِک مارتا ہے ، چڑھتا ہے اور ہنستے ہوئے روانہ ہوتا ہے ۔
سرتاج ہنستی ہوئی ہاتھ ہلاتی ہے ۔یوسف گیٹ سے باہر جاتا ہے ۔)

ــــــــــ کٹ

سین ۷
ان ڈور
کچھ دیر بعد

(گرین روم میں ڈاکٹر صاحب اور آنٹی باتیں کر رہے ہیں۔)

ڈاکٹر : آپ سُن تو لیں ـــــ لڑکے کا سارا حدود اربعہ۔

منوّر : نہ سُن کے کیا کرنا ہے۔ ایک ہماری بیٹی . . . . اللہ کا دیا سب کچھ۔ پھر میں کیوں اپنی بیٹی پردیس میں بیاہوں؟

(سرتاج مسکراتی ہوئی داخل ہوتی ہے۔)

ڈاکٹر : اچھا بھئی منور بیگم! سرتاج کو کنسلٹ کر لیتے ہیں۔ اسی کے مستقبل کا فیصلہ ہے۔

سرتاج : کیا ابّو؟

ڈاکٹر : ٹورنٹو میں میرا اسسٹنٹ ہے ڈاکٹر اقتدار۔ ہی از ایف آر سی ایس ہارٹ سپیشلسٹ اور اتنا بھولا۔ بالکل اس لڑکے جیسا۔ کیا نام تھا اس کا۔

سرتاج : یوسف

منوّر : پہلے آپ ٹورنٹو میں جا بیٹھے ہیں، اب اسے وہاں گھسیٹ رہے ہیں۔ یہاں کے سب لڑکے مر گئے ہیں۔

سرتاج : خدا نہ کرے امی! کیسی باتیں کرتی ہیں آپ!

ڈاکٹر : وہ لوگ، وہاں کا معاشرہ، وہاں کی wages ہمارے ملک سے بہتر ہیں منور بیگم وہاں کے معاشرے میں سوشل جسٹس ہے۔ ایک شریف آدمی سکیورٹی کے خوف کے بغیر زندگی بسر کر سکتا ہے وہاں کے لوگ

اتنے پنکچوئل اور وعدے کے پابند ہیں۔کیوں سرتاج کیا خیال ہے تمہارا۔
میں تمہیں اس کی تصویر دکھا سکتا ہوں ڈاکٹر اقتدار کی۔

سرتاج : جی ابو۔ ضرور
(سر جھکا لیتی ہے۔)

کٹ ـــــــــ

سین ۸
آؤٹ ڈور
دن

(یونیورسٹی کیمپس میں سوئمنگ پول کا مقام کیمرہ اُوپر سے دکھاتا ہے سارا پول ویران ہے اُوپر والی سیڑھیوں پر یوسف چپ چاپ بیٹھا ہے اور پڑھنے کی کوشش کر رہا ہے پھر نظریں اُٹھا کر دیکھتا ہے۔عین نچلی سیڑھیوں پر سرتاج بیٹھی ہے وہ بھی بظاہر پڑھنے کی کوشش کر رہی ہے لیکن وہ بھی جانتی ہے کہ اُوپر والی سیڑھیوں پر یوسف بیٹھا ہے۔ان دونوں کی کشیدگی کو کیمرہ مختلف زاویئے سے دکھاتا ہے اور اس سارا وقت سرتاج کی آواز اس منظر پر سوپر امپوز ہوتی ہے۔)

سرتاج : اگر میں اسے بتا بھی دوں ؟ کہ ... لیکن بتانے کو ہے کیا ... ڈاکٹر اقتدار کی تصویر اور بس ... اُبو مجھے فورس تو نہیں کر سکتے ناں ... اگر وہ مجھے مجبور بھی کریں تو میں بتا سکتی ہوں ـــــ کیا بتا سکتی

ہُوں میں ؟ میں .... میں .... کلیئرلی بتا سکتی ہوں کہ میں
اس سے شادی نہیں کر سکتی .... لیکن .... میں یُوسف کو کیا بتاؤں؟
یُوسف کو بتانے کے لیے ہے کیا ؟ ناراض تم ابُو سے ہو اور بولتی تم یوسف
سے نہیں ہو۔ بولو کیا یہ انصاف ہے ؟— مجھے نہیں پتہ — مجھے نہیں
پتہ۔ مجھے نہیں پتہ ....

(یوسف چور نظروں سے سرتاج کو دیکھ رہا ہے۔ اس پر سرتاج کی آواز
سُپرامپوز ہوتی ہے۔)

مجھے نہیں پتہ .... مجھے نہیں پتہ .... مجھے نہیں پتہ ...

کٹ ———

سین ۹
آوٹ ڈور
دن

(یونیورسٹی کی مین بلڈنگ کی چھت۔ یوسف چھت پر ایک طرف بیٹھا
ہے اس کو کیمرے کے فرنٹ میں رکھ کر نیچے ساری جگہ دکھائی جاتی ہے۔
پھر کوٹھے پر ہی ایک جگہ سرتاج بیٹھی ہے وہ یوسف کی موجودگی ——
اور یوسف اس کی موجودگی کو اچھی طرح جانتا ہے لیکن وہ دونوں جیسے
ایک دوسرے سے نظریں چُرا رہے ہیں۔ سرتاج کو کیمرہ کے فرنٹ میں رکھ
کر نیچے کیمپس کی تصویر۔ اُس پر یوسف کی آواز میں مندرجہ ذیل مکالمہ سُپر

امپوز کیا جائے۔)

یوسف: اچھا اگر مجھے وجہ پتہ چل بھی گئی تو میں کیا کر لوں گا۔ اسی طرح ٹھیک ہے
یوسف میاں بغیر وجہ معلوم ہوئے ہم دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو
جائیں لیکن ــــ ایک دفعہ پوچھ لینے میں کیا حرج ہے کہ آخر وہ مجھ سے
بولتی کیوں نہیں۔ میں نے کیا کیا ہے؟ چھوڑو یار اب موقع ہے بھاگ جاؤ۔
فرار کی راہیں کھلی ہیں .... بھاگ جاؤ .... بھاگ جاؤ .... تو کیا
ایک بار بھی نہیں پوچھو گے کہ وہ تم سے کیوں نہیں بولتی۔ ایک بار بھی نہیں۔

(اب کیمرہ سرتاج کے چہرے پر آتا ہے اور یوسف کی آواز اوورلیپ
ہوتی ہے۔)

پتہ نہیں .... کچھ پتہ نہیں .... پتہ نہیں ....

کٹ ــــــــــ

سین ۱۰
ان ڈور
دن

(یعقوب قصائی کے گھر میں چرخی والی کھوئی کے پاس کرسی پر یوسف بیٹھا
ہے اور بہت ہی اداس ہے۔ اس کے ہاتھ میں کلے کارٹ کی ڈوری ہے
اور وہ ڈوری کو چکر دے دے کر کلے کارٹ کا ڈورو بجا رہا ہے۔
قصائی اندر کمرے سے برآمد ہوتا ہے اس کے ہاتھ میں ہیر وارث شاہ

ہے جس کے اُوپر کے صفحات پھٹ چکے ہیں۔ یعقوب قصائی اندر سے آکر باہر برآمدے میں بچھی ہوئی چارپائی پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتا ہے۔ کندھوں کے گرد کمبل لپیٹا ہے۔ ہیر پڑھنے لگتا ہے۔ اس عرصے میں اس کو کلے کار شا کی آواز مسلسل سنائی دیتی رہتی ہے۔)

قصائی : (سر اُٹھا کر) کیا بات ہے بیٹا ؟

یُوسف : کچھ نہیں ابّا

قصائی : تو آج گیا نہیں کالج ؟

یُوسف : نہیں جی

قصائی : کیا بات ہے ؟

یُوسف : کچھ نہیں جی

قصائی : اِدھر آ میرے پاس۔

(یُوسف اپنا کھلونا چھوڑ کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا باپ کے پاس آکر کھڑا ہوتا ہے۔)

یُوسف : ہاں جی۔

قصائی : بیٹھو یار کیا کھڑے گاؤں سے آئے ہو۔

یُوسف : (بیٹھ کر) ہاں جی۔

قصائی : کیا بات ہے ؟ کالج کیوں نہیں گیا ؟

یُوسف : بس جی ایسے ہی۔

قصائی : لڑائی ہو گئی کسی سے ؟

یُوسف : نہیں جی

قصائی : تو پھر آشنائی ہو گئی ؟

یوسف : نہیں آپا ہم غریبوں کی کس سے آشتی ہونی تھی۔

قصائی : تو پھر بات کیا ہے۔ چپ کیوں ہے اس طرح سے۔

یوسف : کچھ نہیں آپا۔ تُو نہیں سمجھے گا اس خاموشی کو۔ اس کا سرا تو مجھے بھی نہیں ملتا۔

قصائی : سیدھی طرح سے بات کر یار۔ عرضی دو حرفی بحالی یا برطرفی۔ یہ بیچ بیچ مجھے پسند نہیں۔

یوسف : وہ میری کلاس فیلو ہے ناں آپا سرتاج۔

قصائی : (حیرت سے) سرتاج!

یوسف : تُو نے دیکھی تو تھی اس دن میرے ساتھ موٹر سائیکل پر۔

قصائی : موٹر سائیکل پر!

یوسف : جب ہم پبلک لائبریری سے نکل رہے تھے۔

قصائی : لے!

یوسف : جب تُو سبزی خرید رہا تھا رپڑھے والے سے۔

قصائی : سبزی تو میں نے ہزار مرتبہ خریدی ہے ریڑھے والے سے۔

یوسف : جب میں نے ہاتھ ہلا کر تمہیں سلام کیا تھا ـــ

قصائی : سلام تو تُو ہمیشہ ہی ایسے کرتا ہے جیسے جالے اُتار رہا ہے چھت سے۔

یوسف : بس وہی ہے سرتاج آپا۔

قصائی : تو اس کو کیا ہو گیا۔

یوسف : اس کے ابُو آئے تھے کینیڈا سے اور اب اس کی منگنی کر رہے ہیں وہاں ایک ڈاکٹر کے ساتھ۔

قصائی : تو اچھی بات ہے بھائی۔ ڈاکٹروں کا تو آج کل بڑا کام ہے۔

یوسف : لیکن آپا ۔ ۔ ۔ ۔ وہ ۔ ۔ ۔ ۔ شاید یہ نہیں چاہتی ناں۔ سرتاج۔

قصائی : کیوں بھائی وہ کیوں نہیں چاہتی۔

یوسف : اس کا میرے ساتھ وعدہ ہے ابا۔

(قصائی حیرانی اور خوشی سے سکتے میں آجاتا ہے اتنے میں یوسف کی ماں بغل میں گودڑ کا گٹھڑ دبا کر داخل ہوتی ہے۔ اس نے پرانی وضع کا برقعہ اوڑھ رکھا ہے جس کا رنگ بادامی ہے۔ چہرہ کھلا ہے اور وہ کچھ کچھ ناراض دکھائی دیتی ہے۔)

ماں : نخرے دیکھ گو گے کے۔ منہ کالے والا۔ کہتا ہے چاچی دو دن میں بھر کر دوں گا تیرا اگدا اس سے پہلے نہیں —— چاچی جوتی نہیں مارتی تیرے سر میں۔

قصائی : شاباش! بنی تو بھائی نہیں تو دشمنائی۔

ماں : نہ! پہلے مجھے بتا دیتا۔ میں اتنا بوجھ اُٹھا کر گئی تو پہلے ہی انکار کر دیتا۔

قصائی : (ہنس کر) اب رکھ دے اس کو کونے میں بی بی غلام زہرہ اور ٹھنڈا پانی پی شاباش۔

ماں : نہ میرے تو ہزاروں بیٹھے ہیں کام کرنے والے ایک منٹ میں سارے شہر کی روئی پینج کے رکھ دیں میرے واسطے۔

قصائی : کیوں نہیں بھائی کیوں نہیں۔ اب رکھ دے اس کو آرام سے اور یوسف کے ساتھ بات کر۔

ماں : (گٹھڑی کو کونے میں رکھتے ہوئے تشویش کے ساتھ) کیوں کیا ہوا ہے۔ یوسف کو۔ (قریب آکر) کیوں بیٹا کیا بات ہے۔

یوسف : کچھ نہیں ماں

ماں : (قصائی سے) کیا کہا ہے تم نے اس کو۔

قصائی : اس کو معلوم ہے۔ بی بی کو۔ کہ ہم کون لوگ ہیں۔

یوسف : پتہ نہیں۔ شاید معلوم ہو۔

قصائی : تُو نے تو نہیں بتایا ناں کبھی اپنے منہ سے۔
یوسف : میں نے تو کبھی ذکر نہیں کیا۔
ماں : کون بی بی ؟ کس کی باتیں کر رہے ہو ؟
قصائی : اس کو یہ تو پتہ ہی ہو گا ہماری حیثیت کا۔
ماں : نہ پر ہماری حیثیت کسی سے کم ہے ؟ کون ہے جس کو پتہ ہو گا۔
قصائی : اس کے والد صاحب کیا کرتے ہیں۔
یوسف : ڈاکٹر ہیں کینیڈا میں ۔
قصائی : کہاں ؟
یوسف : ولایت میں
قصائی : اور رہتے کہاں ہیں یہ لوگ۔
یوسف : سمن زار میں
ماں : کون لوگ ؟
قصائی : (مصنوعی غصے سے) او ہیں کوئی لوگ۔ تم صبر تو کرو۔
ماں : (غصہ سے) ہونہہ
قصائی : تم ایسے کرو، بھائی یوسف کہ اس کو یہاں بلاؤ ایک مرتبہ ——— بی بی کو
ماں : کون بی بی ——— کس کی بات کر رہے ہو۔
قصائی : اس کو پتہ تو چلے کہ ہم کون لوگ ہیں، کس طبیعت کے ہیں ——— کیسے علاقے میں رہتے ہیں اور حیثیت کیا ہے ہماری ——— پھر بھی وہ اگر اپنے قول پر قائم رہے تو سبحان اللہ ——— انکاری ہو جائے تو بسم اللہ ———
ماں : بی بی کون ؟
قصائی : ہم خاندانی لوگ ہیں یوسف بیٹا ——— سامنے ہڈی ڈال کے گوشت تولا

ہے۔ اعلان کر کے ــــ ترازو کو ٹھونگا نہیں مارا کبھی ــــ تم اس کو یہ
گھر دکھلا دو ایک مرتبہ ــــ ہم لوگوں سمیت ــــ

ماں : (تنگ کر) کس کو گھر دکھلا دو؟

قصائی : کہنا میں نہیں کہتا ــــ میرے ابا نے بلایا ہے ــــ

ماں : کس کو بلا رہے ہو؟

قصائی : ٹھہر جا غلام زہرہ ٹھہر جا ــــ مجھے بات کرنے دے ــــ آجائے گی ناں
بی بی؟

یوسف : آجائے گی ابا آئے گی کیوں نہیں۔

قصائی : ایسے معاملے میں اپنا اندر باہر ایک کر دینا اچھا ہوتا ہے بیٹا ــــ

ماں : یہ کس کی باتیں کر رہے ہو باپ بیٹا۔

قصائی : لگ جائے گا تم کو بھی پتہ ــــ اگر لگتا ہوا تو۔

ماں : اے ہے۔ تم تو گوگے کے پیچھے سے بھی بڑھ گئے۔ میری بات ہی نہیں سنتے۔

ــــ فیڈ آوٹ

سین ۱۱
ان ڈور
شام

(یوسف کے گھر کا آنگن جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس وقت
آنگن کے ایک کنارے قصائی یعقوب سر پر اونی ٹوپی پہنے ــــ اور

کندھوں پر کمبل لئے بڑے آرام سے چارپائی پر بیٹھا ہے۔ باورچی خانے میں ماں غلام زہرہ پیڑھی پر بیٹھی ہے جس وقت کیمرہ کھلتا ہے اس وقت یوسف سیٹ پر موجود نہیں ہے سرتاج نے شلوار اُونچی کر رکھی ہے کندھوں پر دوپٹہ ایک طرف کو لٹک رہا ہے وہ بڑے مزے سے چرخی گھما کر بوکا نکالتی ہے اور پھر بالٹی میں پانی بھرتی ہے آدھا پانی گرتا ہے پھر بالٹی اٹھاتی ہے اور باورچی خانے کی طرف جاتی ہے اور گھڑونجی پہ دھرے ہوئے گھڑے کو بھرتی ہے۔ گھڑے میں سے جھل جھل پانی گرتا ہے۔)

سرتاج : اور کہاں پانی ڈالنا ہے آنٹی ؟

ماں : بس بیٹی شام کا وقت ہے اور پانی نہ نکال ۔

سرتاج : دو بالٹیاں اور آنٹی پلیز —— ہائے بڑا مزہ آرہا ہے۔ اتنا مزہ تو پکنک پہ بھی نہیں آتا . . . .

ماں : یوسف کہیں ناراض نہ ہو جائے سرتاج —— اب رہنے دے بیٹی اپویں۔

قصائی : ایک تو نے اس کا پانی بھر دیا —— دوجے یوسف ناراض ہو جائے گا —— ان ماں بیٹے کا یہی حال ہے بہرے آگے گاؤنا گونگے آگے گل —— اندھے آگے ناچنا تینوں الل پلل —— اور چوتھے یہ ماں بیٹا ہیں۔

سرتاج : ایک بالٹی پلیز —— ایک بالٹی اور بھر لاؤں ۔

ماں : چل چنگا ایک اور سہی . . . . کپڑے نہ بھگو لینا اپنے —— سردی ہو رہی ہے ——

سرتاج : نہیں آنٹی اب تو مجھے آگئی ہے چرخی گھمانی . . . . اب پانی نہیں گرے گا . . . .

(جاتی ہے اور بوکا اندر پھینکتی ہے اور نیچے دیکھتی ہے پھر کنوئیں میں بولتی

ہے۔ قصائی محبت سے اس کی طرف دیکھتا ہے قصائین اس سچوئیشن کو نہ سمجھتے ہوئے کچھ متذبذب ہے جس وقت سرتاج کنوئیں میں بول رہی ہے، یوسف اندر آتا ہے اس کے ہاتھ میں کچھ لفافے ہیں۔ وہ یہ لفافے چپ چاپ ماں کو پکڑاتا ہے ماں ان کو کھول کر پھل اور مٹھائی پلیٹوں میں لگاتی ہے)

Crataegus oxycantha

Canebus indica

Potentilla reptans

Penicillium roqueforti

(جس وقت سرتاج یہ الفاظ کنوئیں میں بولتی ہے یہ الفاظ بڑی خوبصورتی کے ساتھ سارے منظر پر چھا جاتے ہیں یوسف اس کے پاس آتا ہے۔)

یوسف : یہ کیا ہو رہا ہے۔

سرتاج : دیکھو یوسف کتنی خوبصورت ایکو پیدا ہوتی ہے — اگر میرے پاس یہ کھوئی ہوتی تو میں کبھی تم کو فسٹ نہ آنے دیتی — کتنا آسان طریقہ ہے پلانٹ فیملی کے نام یاد کرنے کا۔

(دوبارہ اوپر والی ساری باتیں دہراتی ہے پھر لوٹا گراتی ہے اور پانی نکالتی ہے اس بار اس پر اوپر پانی گرتا ہے یوسف لوٹا لے کر بالٹی بھرتا ہے۔)

قصائی : (کیمرہ قصائی پر آتا ہے) اب آجا بیٹی چائے پی لے — بہت شام ہو گئی ہے۔

سرتاج : (چھینک مارتی ہے) بڑا ٹھنڈا پانی ہے تمہاری کھوئی کا — اچھا انکل آئی۔

(یوسف اور سرتاج قصائی کے پاس آتے ہیں۔ یہاں میز پر چائے کا سامان لگائے غلام زہرہ بیٹھی ہے۔)

سرتاج : میں بھی ممی سے کہوں گی پچھلا ٹیوب ویل اکھاڑ کر ایسی کھوئی لگالیں۔
(چھینک مارتی ہے)

قصائی : ٹھنڈ نہ لگا لینا بیٹی ان کھوئیوں کے پانی بہت ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ لے یہ میرا کمبل اوڑھ لے۔

یوسف : کمال ہے ابا سرتاج کہاں کمبل اوڑھے گی؟ ——

سرتاج : کیوں؟ انکل کوئی تمہاری طرح تھوڑی ہیں سنگدل . . . . لائیے انکل مجھے بڑی سردی لگ رہی ہے —— اس کے سامنے تو مجھے نمونیہ ہو جائے تو اسے پروا نہ ہو۔
(کمبل اوڑھتی ہے قصائی پاس پڑا ہوا کھیس کندھے پر لیتا ہے۔)

غلام : سوئیٹر لادوں اندر پیٹے ہوئے ہیں تین اک کیسری اک فیروزی . . . . .

سرتاج : نہیں امی ٹھیک ہے — ہائے جلیبیاں . . . میری فیورٹ جلیبیاں۔

یوسف : ابھی گرم گرم نکلوا کے لایا ہوں۔

قصائی : جا غلام زہرہ ادھ سیر دودھ لا جوش دے کر . . . . اس میں جلیبیاں ڈال کر کھلا سرتاج کو ——

سرتاج : نہیں انکل —— پھر کبھی سہی اب دیر ہو جائے گی۔
(جلدی جلدی جلیبیاں کھاتی ہے۔)

یوسف : کیوں دیر کیوں ہو جائے گی —— ابھی کیوں؟

قصائی : ہے نا اوت کا اوت —— لڑکی کسی جگہ رک نہیں سکتی گدھے پیچھے گھر والوں کا خیال ہوتا ہے اسے۔ کسی نے تیرسے پوچھا —— تیر بھائی بھاگتے کیوں ہو اس نے جواب دیا حضور تانت والے زور ڈال رہے ہیں . . . . بیٹی کیا رکے گی کسی اور ٹھار پر . . . . تو مت روک اس کو۔

غلام : چائے بنادوں فل کپ . . . .

قصائی : بنا بنا — پوچھتی کیوں ہے آنٹی بنا چائے ۔

غلام : تو مجھے خواہ مخواہ ڈرا رہا تھا اس سرتاج سے — یہ تو چنگی بھلی ہمارے جیسی ہے میں تو سمجھتی تھی پتہ نہیں کیسی ہوگی ؟ چمگادڑ جیسی اُلٹا لٹکا دینے والی۔ سویرے کا میرا گھر صاف کر کر کے بُرا حال ہو گیا — مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ سارا وقت پوکا ہی نکالتی رہے گی ۔

سرتاج : واہ اچھا امپرشین ڈالا تم نے میرا آنٹی انکل پر

قصائی : ان کا یہی حال ہے بیٹی ان ماں بیٹے کا — بلاؤ گے تو کیا کھلاؤ گے آؤ گے تو کیا لاؤ گے ۔

غلام : تم اپنے انکل کی باتوں میں نہ جانا بیٹی — ان کی یہی عادت ہے ہر بات کا قیمہ بنا دیتے ہیں بغدا مار کر ۔

سرتاج : ایک منٹ آنٹی — میں ذرا کھوئی دیکھ آؤں۔

غلام : ہائے ہائے یہ یہیں رہے گی سرتاج دو سو سال سے یہیں ہے کہیں نس نہیں گئی —

سرتاج : ایک منٹ آنٹی ابھی آئی ۔

(کھوئی کی طرف کمبل سمیت جاتی ہے ۔)

قصائی : اوئے منی اب پانی نہ نکالنا — بڑی شام پڑ گئی ہے — ہے نا جھلی — بیٹھ جا آنٹی نہ ڈر نہ ڈر . . . . یہ ویسی لڑکی نہیں جس سے ڈرا کرتے ہیں ۔ بیٹھ جا آنٹی ۔

(غلام زہرہ پلنگ پر بیٹھتی ہے ۔ سرتاج کھوئی پر جاتی ہے اور کھوئی کی منڈیر پر کمبل سمیت جھکتی ہے ۔)

سرتاج : یوسف ! یوسف ادھر آنا ——— پلیز

(یوسف اس کے پاس آتا ہے۔)

سرتاج : دیکھو کتنی خوبصورت ایکو ہے اس کنوئیں کی ——— یوسف ! تمہیں فلاورز کی لینگویج آتی ہے۔

یوسف : مجھے پھولوں کے نام آتے ہیں۔ common names بھی اور Botanical نام بھی ....

سرتاج : اور پھولوں کی زبان۔

یوسف : فضول ان کی کون سی زبان ہے۔

سرتاج : اچھا تم پھولوں کے نام لو .... کوئی سے نام ہیں ان کی بولی سناؤں گی ——— بولو ——— ناں۔

یوسف : Almond Blossom

سرتاج : I am beginning to enjoy your friendship.

یوسف : Carnation

سرتاج : I offer you chaste love.

یوسف : Pansy

سرتاج : You are never absent from my thoughts.

——— کٹ

سین ۱۲
آؤٹ ڈور
شام

(شام کا وقت - قصائی یعقوب اور غلام زہرہ رکشا پر آنٹی منور کی کوٹھی پر آتے ہیں - غلام زہرہ نے بروکیڈ کا کیسری یا بسنتی سوٹ پہن رکھا ہے غلام زہرہ مٹھائی کے ڈبے اٹھائے ہوتے ہے دونوں پورچ تک جاتے ہیں۔)

کٹ ——————

سین ۱۳
ان ڈور
شام

(اس وقت قصائی یعقوب اور سرتاج ڈرائینگ روم میں بیٹھے ہیں۔ سرتاج قصائی کو محبت سے چائے پلا رہی ہے اور کھانے پینے کی چیزیں پیش کر رہی ہے۔)

سرتاج : (محبت سے) انکل آپ یونیورسٹی ضرور آنا۔ میں آپ کو اپنی لیبارٹری دکھاؤں گی۔

قصائی : ہے نا جھلی۔ میں نے کبھی یونیورسٹی نہیں دیکھی میں تیری لیبارٹری دیکھ کر کیا کروں گا تم لوگ جیتے بستے رہو جوانیاں مانو —— میری تو ساری

یونیورسٹی لیبارٹری تم ہی ہو

سرتاج : بڑی اچھی exhibition لگی ہوتی ہے انکل گرافک آرٹس کی
میں آپ کو خود دکھاؤں گی۔ آپ حیران رہ جائیں گے سچ !

قصائی : اچھا اچھا آؤں گا ــــ آؤں گا ــــ آنا کیوں نہیں دھی دھیانی کا تو۔

(اس وقت کمرے میں غلام زہرہ اور آنٹی منور داخل ہوتی ہیں۔ غلام زہرہ واضح طور پر مرعوب ہو چکی ہے۔)

غلام : ہائے ہائے کیا سوہنے ہیں کمرے یوسف کے ابا .... اپنے سیدوں کا خیال ہے کہ کچھ ان کے گھر میں ہی فرنیچر لگا ہوا ہے ادھر آ کر ایک نظر مار لیں تو سیٹی گم ہو جائے۔

آنٹی : کچھ نہیں جی گزارہ ہے ــــ اللہ کی مہربانی سے۔

غلام : اوپر بھی چار کمرے ہیں سونے کے ــــ ان نیچے والے کمروں سے وکھ۔

آنٹی : سرتاج ذرا دراز کھول کر وہ خط تو نکال لا اپنے ابو کا۔

سرتاج : کون سا خط امی ؟

آنٹی : اس میں ڈرافٹ بھی ــــ ہے تیس ہزار کا۔

(غلام زہرہ بامعنی نظروں سے قصائی کو دیکھتی ہے سرتاج اٹھ کر جاتی ہے)

صرف خط نکال لانا ــ بھائی صاحب بھی پڑھ لیں۔

قصائی : اچھا جی تو ــــ اب چھوٹا منہ بڑی بات ہے ــــ جیسا ہم نے عرض کیا تھا ــــ وہ اپنا یوسف آپ کا بچہ ہے ــــ

آنٹی : ہاں جی بالکل ــــ میں تو ہمیشہ سے یہی کہتی رہی ہوں کہ لڑکا لڑکی ہم خیال ہونے چاہئیں۔

غلام : دیکھیں بہن جی ہمارے گھر میں یہ ٹھاٹھ باٹ نہیں ہے پر اپنی کاکی کو

فسٹ کلاس سری پائے ، بیٹھ .... چانپ .... سب ملے گا اللہ کے فضل سے۔

قصائی : لڑکا آپ کے سامنے ہے .... آپ اس کو اپنا بیٹا بنا لیں بنا شک۔

آنٹی : خط بھی ڈاکٹر صاحب کا آیا ہوا ہے کہ جیسا فیصلہ سرتاج کرے گی ہمیں منظور ہے ابھی لاتی ہے آپ خود پڑھ لیں۔

قصائی : تو میں سمجھوں — کیوں بھئی غلام زہرہ ہمارے لیے آپ کو کوئی عذر نہیں۔

آنٹی : عذر کیسا بھائی صاحب بچے خوش ہیں تو ہمیں اعتراض کیا اُن کو اکٹھے زندگی بسر کرنی ہے ان کو ساتھ نبھانا ہے — باقی اللہ کا دیا بہت ہے۔ ہماری کون سی دس بیٹیاں ہیں۔

(اس وقت سرتاج آتی ہے۔)

سرتاج : امی ان دونوں لفافوں میں ڈرافٹ ہیں۔ کون سا خط چاہیئے آپ کو۔

آنٹی : لا میرے پاس دکھا۔

(لفافے سے چیک گرتا ہے۔ غلام زہرہ دیکھتی ہے۔)

قصائی : خط دیکھ کر کیا کرنا ہے بہن جی۔

آنٹی : آپ خود دیکھ لیں بھائی صاحب — انہوں نے صاف صاف لکھا ہے جو فیصلہ سرتاج کرے وہی ہم دونوں کا فیصلہ ہے — کہاں گیا ..... ہاں یہ دیکھئے یہ پیراگراف — خود پڑھ لیں آپ — ان کو تو اعتراض ہی کوئی نہیں سچ۔

(قصائی جیب سے عینک نکال کر خط پڑھتا ہے کیمرہ اس کے کلوز اپ پر آتا ہے۔)

______ کٹ

سین ۱۴
ان ڈور
شام

(قصائی اپنی چلم میں تمباکو ہاتھ سے مل کر رکھتا ہے پھر تھوڑا سا گڑ ڈالتا ہے اور اس کے بعد چولہے میں سے انگارے لے کر بڑی توجہ سے چلم بھرتا ہے۔ باورچی خانے میں چولہے کے پاس قصائی بیٹھا ہے اس سے کچھ ہٹ کر پیڑھی پر ماں بیٹھی ہے۔ ان دونوں سے ہٹ کر یوسف بیٹھا روٹی کھا رہا ہے وہ ماں باپ کی بات چیت میں لمبا چوڑا حصہ نہیں لیتا ـــ حالانکہ ان کی باتوں کا ردِ عمل اس پر شدید ہوتا ہے۔)

قصائی : جو بلّی مندر میں رہتی ہے وہ دیوتا سے نہیں ڈرتی غلام زہرہ ـــ جب یوسف ان کے ساتھ رہے گا ـــ ان کا ہو جائے گا تو پھر یہ ان کی دولت سے کیسے ڈرے گا؟

غلام : اللہ بخشے میری ساس مر گئیں پر اپنی روح تم میں چھوڑ گئیں یعقوب لالہ سیدھی پدری بات سمجھ نہیں آتی تم کو ـــ کہاں رہے گی وہ پھولاں شہزادی؟

قصائی : یہاں ہمارے پاس ـــ اور بو کا کھینچے گی۔ کیوں یوسف۔ (ہنستا ہے۔)

یوسف : (خفت سے) جی ابا۔

غلام : یہاں؟ اس گھر میں؟ چوبارے والے کمرے میں؟ جس میں اینٹوں کی جالی بنی ہے۔ چڑیوں نے گھونسلے بنا رکھے ہیں خیر سے . . . . بانسی سیڑھی چڑھ کر جایا کرے گی اوپر . . . .

قصائی : تو کیا یوسف نہیں جاتا بانسی سیڑھی پر چڑھ کر۔

غلام : توبہ کر تو یہ ـــــ وہ یوسف کو ساتھ لے جائے گی یہاں وہ نہیں رہ بس سکتی بوچڑ خانے میں ۔

قصائی : چل لے جانے دے ـــــ تجھ کو ہوا کیا ہے غلام زہرہ ۔ جب آنٹی منور نے کوئی اڑچن نہیں ڈالی ـــــ جب اس نے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے ہمارے پیغام کو تو تو کیوں کلپ رہی ہے ۔ سمجھا اپنی ماں کو ـــــ خوامخواہ ۔

یوسف : اچھا ابا ـــ

غلام : وہ کیوں اڑچن ڈالے ؟ وہ تو رب کی درگاہ سے نک نک تک رجی بیٹھی ہے ۔

قصائی : اب اللہ کا نام لے کر تو بھی تیاری کر غلام زہرہ ـــ ایڑیاں اٹھا کر پھانسی نہ چڑھ ـــ

غلام : لے کچھ دنیا میں بھی ناک رکھنی ہوتی ہے کہ نہیں ہوتی ـــــ بتا اپنے باپ کو یوسف ۔

یوسف : بتاتا ہوں ماں ۔

غلام : اس گھر سے برات ڈھکے گی اس محل میں ؟ اس گھر میں ولیمہ کرے گا ؟ یہاں بلائے گا یوسف کے سسرال والوں کو ؟ ایک نظر دیکھ لے سارے گھر کو ـــ اکبر شاہ کے وقت کی حویلی تو رہ گئی ہے یوسف کے ابا کی پر ساکھ اتنے سال نہیں چلتی ۔

یوسف : اماں آہستہ بول ناں ۔

قصائی : سر تاج کی ماں نے ہمیں شریف سمجھا تو ہاں کی اس کو اعتبار آیا تو اس نے ہاں کی . . . . ہماری ساکھ مانی تو ہاں کی ۔

غلام : اس بھروسے میں مت دن گزار کہ اس نے کچھ تجھے جانچ کر ہاں کر لی ہے ۔ اس نے صرف اپنی بیٹی کا رانجھا راضی کیا ہے ـــــ تجھے اگر کلی پر ٹنگ

کرہی مزہ آتا ہے تو کردے بیاہ وہاں یوسف کا ——— لیکن وہ جو تو سمجھتا ہے کہ وہ تجھے عزّت دار سمجھتی ہے تو یہ بھرم دل سے نکال دے ——— کیوں یوسف ——— کبھی امیر آدمی نے بھی اپنے سے زیادہ کسی کو عزّت دار مانا ہے۔

یوسف : جی ہاں ——— تو بھی ٹھیک کہتی ہے۔

قصائی : تیرا کیا خیال ہے عزّت دار کون ہوتا ہے ؟

غلام : جس کی کوٹھیاں ہوں ——— برات نکلے تو آگے پیچھے ڈیڑھ دو سو ——— کار ہو ——— شامیانے لگے ہوں ——— بری دیکھ کر لوگوں کو مرگی پڑ جائے ——— سجے کھبے نوکر ہوں۔ جو خط کھولیں اندر سے برج نوٹ نکلیں ——— چاندی کی ریڑھی پر کھانے پینے کا سامان تو جائے کمرو کمری . . . قالینوں پر جوتے لے کر پھریں . . . . نوکر آگے ہو ہو کر دروازے ——— کھولیں۔

قصائی : اوئے پاگلے ——— عزّت دار وہ ہوتا ہے جو اچھے خاندان کا ہو ——— اللہ رسولؐ کا ماننے والا ہو ——— رزق حلال کھاتا ہو . . . . نیت کا نیک ہو۔ زبان کا سچا ہو . . . . .

غلام : بس بس ——— یوسف کا کا . . . . تو کسی سو کھے تھاں شادی کر لے بیٹا۔ تیرے باپ کی سمجھ میں ہیر پھیر ہے۔ اس نے ہمیں بے عزّت کروا کے دم لینا ہے ——— ہماری ناک کٹوا کے ہٹنا ہے اس نے ۔

قصائی : تو ——— تو کیا چاہتی ہے میں وہاں شادی نہ کروں یوسف کی ۔

غلام : کر کر سو بسم اللہ۔ پر کوئی اپنا اپنا منڈیرہ مرمت کرانی ہے کہ نہیں ؟ اپنا ننگ تاپ چھپانا اے کہ نہیں ؟ کچھ اپنے سجے کھبے باغ باغیچہ ——— کوئی ان کے جوڑ کے برتن بھانڈے فرنیچر قالین ——— کیوں یوسف اونٹوں کے داخلے کے لیے دروازے اُچے کرنے ہیں کہ نہیں ؟ بتا ابے کو ؟

اونٹ کیسے آسکتے ہیں ایسے دروازوں میں سے۔

قصائی : (سوچتے ہوئے) پر —— ہم —— ان کے مقابلے پر کیسے آسکتے ہیں۔ وہاں وہاں تو ڈاکٹر کی کمائی ہے اور یہاں قصائی کی۔

غلام : قصائی کو کبھی رزق حلال کا تاپ نہ چڑھا ہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے مشکل تو یہی ہے کہ ساری عمر تجھے غریبی کا ہی چسکا پڑا رہا ہے میری تو نکل گئی خیر سے اب اس کے گوڈے پر بعد امار کلہاڑی —— ہے نا یوسف؟

قصائی : دولت معشوق ضرور ہے غلام زہرہ . . . . پر ہے بے وفا . . . .

غلام : خوامخواہ تیرے ساتھ ماتھا لگانا ہے۔ (اُٹھتی ہے) ایسے ہی اللہ جنت نصیب کرے تیری ماں کا مزاج تھا۔ سارا سارا دن کھپ جاؤ کبھی مانتی نہیں تھی . . . . دیکھ لے . . . . سارے گھر کو . . . . سوچ لے اچھی طرح سے۔ یہاں دلہن آئے گی تو اسے اتارے گا کہاں —— سوچ لے —— کھانے کو تو تُو بھی چاہتا تو رج کے کھا سکتا تھا —— پر تجھے تو ساری عمر کھاؤ توں کا تاپ چڑھا رہا۔ (اُٹھ کر جاتی ہے) رزق حلال کی بیماری رہی تجھے۔

قصائی : (کچھ سوچتے ہوئے) کیوں یوسف؟ کیا ہم میں ان میں فرق بہت ہے؟ (عزم کے ساتھ) فرق کیوں رہے گا بیٹا میرا . . . یعقوب قصائی اتنا بھی بوڑھا نہیں ہو گیا . . . . . مقابلے کی چوٹ ہے میں پورا اُتروں گا انشاء اللہ برابر کی دوڑ ہو گی۔ یہ! (دو انگلیاں کی دو ساگی دکھاتا ہے) بنی تو بھائی نہیں تو دشمنائی۔ اور بنے گی ضرور انشاء اللہ دیکھتے رہنا کیسے کمی پوری کرتا ہے لالہ یعقوب۔ کیسے لیٹ نکالتا ہے۔

—— کٹ

سین ۱۵
آوٹ ڈور
دن

(قصائی یعقوب کی دوکان۔ دو لڑکے اور دو قصائی جو یعقوب کے کارندے ہیں کام میں مشغول ہیں۔ نوجوان قصائی اصل قصائی ہونے چاہئیں۔ وہ فٹافٹ اور کھٹا کھٹ گوشت بنا رہے ہیں۔ چھوٹا مشین میں قیمہ بنا رہا ہے ایک چھوٹا گوشت قیمہ پلاسٹک کے لفافوں میں ڈال رہا ہے یعقوب کی دوکان کے آگے ایک برقعہ پوش عورت تین بچے دو پینٹ قمیض والے گاہک کھڑے ہیں۔ یعقوب کا مزاج یکدم بدل چکا ہے اس کے کام میں تیز رفتاری زبان میں گرم بازاری آچکی ہے۔ ان گاہکوں کے پاس ماسٹر رفیق بھی تھیلا لے کر کھڑے ہیں۔ اس وقت یعقوب گوشت کا ایک لوتھڑا اور کچھ ہڈیاں ترازو میں ڈال کر تول رہا ہے برقعہ پوش عورت سے باتیں ہو رہی ہیں۔)

قصائی : چھیچھڑا بھی نکلے گا اور ہڈی بھی۔ یہ کوئی جانور سے علیحدہ نہیں ہوتے۔ تم کو کہیں اور سے اچھا ملتا ہو تو وہاں چلی جاؤ، ہمارے پاس وقت نہیں ہوتا بک بک کا۔ ہاں میاں صاحب جلدی بولو۔

گاہک : ہاتھ کا قیمہ بنا دیجئے ادھ کلو

قصائی : ہاتھ کے قیمے کی فرصت نہیں میاں صاحب مشین کا کہیں تو بنوا دیں۔ جلدی سوچ لیں۔ بجلی دو بار پہلے بھی جا چکی ہے۔

گاہک : چلیئے مشین کا ہی سہی . . .

قصائی : (چھوٹے پر بھڑک کر) ابے کتے ادھ کلو کے لیے پلاسٹک کا لفافہ ضائع کر رہا ہے اخبار کے کاغذ میں دے۔ چماری کا پوت نام جگ رتن۔

عورت : آدھا قیمہ تو کاغذ کو لگ جاتا ہے۔ پلاسٹک کے لفافے میں ڈال بھائی۔

قصائی : جا مائی جا۔ کسی اور دکان پر — ہمارے پاس پلاسٹک کے لفافے نہیں ہیں رقم لگتی ہے پلاسٹک کے لفافوں پر۔

عورت : (اپنے تھیلے میں سے لفافہ نکال کر) چلو اس میں ڈال دو میاں۔

چھوٹا : چاچا۔ قاضی صاحب کے گھر سے ہنٹر بیف لینے آیا تھا میں نے (اشارہ کرکے) نذیر بھائی سے کہہ کر اس میں سے تین کلو دلوا دیا۔

قصائی : تم کو جب بتا دیا ہے ایک بار کہ پہلے خراب گوشت نکالو . . . وہ جو کل والا ہنٹر بیف پڑا ہے — وہ اپنے باوا کی برسی میں رکھے گا۔

عورت : (پیسے دیتے ہوئے) لو بھائی —

قصائی : یہ کیا دے رہی ہے ؟ ادھ کلو کا ؟

عورت : چار روپے۔

قصائی : رکھ دے بیٹے پر واپس — یہاں بارہ روپیہ کلو ملتا ہے لینا ہے تو لے — نہیں تو جا — ہاں جی۔

عورت : لیکن بھاؤ تو آٹھ کا ہے سرکاری۔

قصائی : سارا بازار کھلا پڑا ہے بھائی تو بھاؤ کے مطابق لے لے۔

(عورت بادلِ نخواستہ پیسے دے کر چلی جاتی ہے۔)

قصائی : جی ماسٹر صاحب بڑے دنوں بعد آئے میں نے کہا۔ سال سے اوپر ہو گیا میرے بھاتو ہیں تو۔

ماسٹر : میری تبدیلی ہو گئی یعقوب بھائی۔ چھٹی پر آیا ہوں۔ دس دن کی ہیں

نے کہا دام بڑھا دیئے گوشت کے۔

قصائی : بس جی کیا کریں ماسٹر صاحب۔ مجبوراً بڑھائے ہیں۔ دل تو نہیں مانتا۔ پر کیا کریں ہوت کی جوت ہے۔ ان ہوت پڑا روت ہے۔

ماسٹر : مگر آجکل تو بڑا سخت کنٹرول ہے قیمت پر۔

قصائی : وہ تو ہے ماسٹر جی کیا کریں۔ (حقہ اٹھا کر ماسٹر جی کے پاس کرتا ہے جو لے کر کش لگاتے ہیں) مجبور ہو گئے ہیں دل کے ہاتھوں۔

ماسٹر : دل کے ہاتھوں۔

قصائی : سخت مقابلہ ہو گیا ماسٹر صاحب۔ بڑے گھر نیوتا ڈال دیا میرے یوسف نے.... مجبور ہو گئے ہم دل کے ہاتھوں۔

ماسٹر : لیکن یعقوب بھائی کنٹرول ریٹ سے زیادہ بیچنا بڑا جرم ہے۔

قصائی : میں تو کنٹرول سے بھی چار آنے کم بیچوں تھا ماسٹر جی لیکن اب مجبور ہو گیا۔ دولت کے ڈرل ماسٹر نے سیٹی بجا کر ریس کرا دی ہے ہماری۔

ماسٹر : کس سے ریس کرا دی آپ کی۔

قصائی : ڈاکٹر چشتی سے۔ یوسف نے شادی کا ارادہ کر لیا ان کے گھر۔ آدمی ہیں اچھے اور لڑکی ہے بھاگوان پر نانوں میں ہم سے بہت آگے ہیں۔ تیس ہزار روپیہ مہینہ کماتا ہے لڑکی کا باپ۔ دونوں ملکوں میں یہ عزت ہے ہمارے سمدھی کی۔

ماسٹر : تو کیا ہوا۔

قصائی : اب جو ان کے گھر بارات لے کر جائیں گے تو (اپنے لباس کی طرف اشارہ کر کے) ایسے جائیں گے۔ ماسٹر جی! آپ چلیں گے ناں اپنے بھتیجے کی بارات میں۔

ماسٹر : ضرور انشاء اللہ۔

قصائی : تو ایسے لے جاؤں گا آپ کو، اس حال میں۔ آپ تو بارہ روپے کلو کو زیادہ سمجھ رہے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے بارہ سو روپے کلو بیچوں سمگلنگ کروں۔ ڈاکہ ڈالوں جتنی جلدی ہو سکے کمی پوری کر لوں۔ ساری کسر نکال لوں چھ مہینے کے اندر۔

ماسٹر : لیکن کیوں بھائی کیوں ؟

قصائی : عزت دار بننے کے لیے اور چوہدری بننے کے لیے دوسروں کی نظر میں، دولت، زمین جائیداد میں اضافہ کرنا پڑ رہا ہے ـــ تیزی کے ساتھ۔ عزت کس کو پیاری نہیں ماسٹر صاحب اور عزت دار کون بننا نہیں چاہتا۔

ماسٹر : ہر ایک چاہتا ہے۔

قصائی : تو پھر عزت کی پیمائش مال کے گز سے ہو رہی ہے ماسٹر صاحب۔ اسی فیتے سے ناپ ناپ کر نام بولا جا رہا ہے عزت داروں کا۔ میں بھی ان میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ کچھ بُرا ہے ؟

ماسٹر : نہیں بُرا تو نہیں ـــ لیکن ـــ میرا مطلب ہے ....

قصائی : یہ مہنگائی قیمتیں مقرر کرنے سے نہیں رہا کرتی ماسٹر صاحب۔ لوگ روپیہ کھانے چبانے کے لیے نہیں بناتے، اس سے وہ عزت اور شہرت خریدتے ہیں۔ نیک نامی اور واہ واہ خریدتے ہیں۔ دوسروں کی نظروں میں اونچے بنتے ہیں اعلیٰ بنتے ہیں۔ اور جب عزت دار بننے کے لیے صرف یہی قشارہ جاتا ہے تاپ تول کا ہر کوئی دولت حاصل کرنے کو لپکتا ہے۔ ہر کوئی اس پٹاخے پر گھوڑا چھوڑ دیتا ہے ریس کا۔

ماسٹر : لیکن اس مہنگائی سے صارفین کو کس قدر تکلیف ہوتی ہے یعقوب بھائی۔

قصائی : یہ صارفین بھی سب جھوٹے اور منافق لوگ ہوتے ہیں ماسٹر جی۔ چھوڑیں ان کے دوغلے پن کو۔

ماسٹر : یہ تم کیا کہہ رہے ہو یار۔

قصائی : وہ جناب اگر —— یہ —— آپ کے صارفین حالات پر اور مہنگائی پر نکتہ چینی کرنے کے بجائے اس بات کا پکّا ارادہ کرلیں اور اس ارادے کا عملی ثبوت دیں کہ وہ مہنگی اور بے ضرورت چیزیں نہیں خریدیں گے تو (انگلیوں پر گن کر) پیر، منگل، بدھ، جمعرات کی صبح ساری مہنگائی ختم ہو جائے آپ سے آپ۔ لیکن ان کو تو صرف باتیں کرنے میں مزا آتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا۔ امیر لوگ مہنگائی کا زیادہ ذکر کرتے ہیں۔ ویسے ہی۔ تفریح کی خاطر... بات سے بات نکالنے کے لیے۔ لیکن آپ چھوڑیں جی ماسٹر صاحب۔ یوسف کی بارات میں آپ کو وہ سوٹ پہنا کے لے جاؤں گا جو شرف دین جرمنی سے لایا تھا ساڑھے اکیس سو کا۔ میں نے روک دیا ہے اس کو، کسی اور سے سودا نہ کرے۔

ماسٹر : وہ تو آپ کی مہربانی بھائی یعقوب صاحب۔

قصائی : مہربانی وہربانی کچھ نہیں ماسٹر صاحب۔ ہن برسے تو کیوں ترسے۔ یہ عزت کا معاملہ ہے اور عزت بکتی ہے چاہے قالین کے بھاؤ لے لو چاہے موٹر کے بھاؤ چاہے کوٹھی کے حساب سے خرید لو چاہے ولائتی سفروں کا اعلان کر کے میری بات یاد رکھنا ماسٹر صاحب۔ سو ہاتھ رسہ سرے پر گانٹھ۔ جب تک دولت عزت کے جلیتے سے پالی جاتی رہے گی۔ مہنگائی بڑھتی جائے گی۔ جیسے آتشبازی نہیں جاتی آسمان پر۔ (اسی وقت یوسف آتا ہے اس کے ہاتھ میں کاروں کی خوبصورت رنگدار

چھپی ہوئی کاپیاں ہیں۔)

یوسف : (دکھاکر) اباّمیں یہ دو تین لسٹیں لایا تھا تیرے لیے۔ پسند کر لے۔ جو بھی رنگ تجھے پسند ہو۔

قصائی : لے مجھے کیا پتہ ہے بھائی۔ بس یہ دیکھ لینا اِن کے برابر کی کار ہو۔ انیس نہ ہو چاہے اکیس ہوئے ہو — لا دکھا تو مجھے بھی ایک منٹ —
(کاپی اس کے ہاتھ سے لے کر دیکھتا ہے اس کے ساتھ دیکھنے میں یوسف بھی شریک ہو جاتا ہے۔ ایک لال خوبصورت کار کا کارڈ سامنے آتا ہے۔)



سگنل اور سنگل بینڈ

کردار :

ڈاکٹر محبوب عزیز : پچپن برس کا قبول صورت ڈاکٹر

مس زاہدہ رفیق : اٹھائیس تیس برس کی ایک پروفیسر

رضیہ محبوب : ڈاکٹر محبوب کی بیوی

اشہر عزیز : ڈاکٹر محبوب کا ڈاکٹر بیٹا

اطہر عزیز : ڈاکٹر محبوب کا انجینیر بیٹا

مریم : ڈاکٹر محبوب کی بیٹی۔ ایم۔ اے کی طالبہ

لبنیٰ : اشہر کی بیوی

نوشی : ڈاکٹر محبوب کا پوتا۔ عمر دو سال

شمس : پچاس پچپن برس کا ایک خاموش ترین خانساماں

رحمان گل : ایک اور رنجی ملازم

بوڑھا مریض، سسٹر نرس، کلینک کی سکریٹری، ائر کمپنی کی ملازم لڑکی وغیرہ وغیرہ

-※-

سین ۱
آؤٹ ڈور
صبح کا وقت

(کوٹھی کے پورچ سے کچھ ہٹ کر بوگن ولا کی بیل کے پاس ایک لمبی سفید کار کھڑی ہے۔ یکدم بیل جیسے ہوا سے ہلتی ہے اس میں سے کچھ پھول ونڈسکرین پر گرتے ہیں۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب آتے اور کار کا دروازہ کھولتے ہیں۔ ان کے پیچھے پیچھے شمس ان کا بیگ اُٹھا کر لاتا ہے اور ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیگ اندر رکھتا ہے۔ پھر وہ کار کی بونٹ کے اوپر گرے ہوئے پھول دیکھتا ہے۔ اس کے بعد نگاہ اُٹھا کر اُوپر لگی ہوئی بیل پر نظر ڈالتا ہے۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب اندر بیٹھ کر کار روانہ کرتے ہیں۔
اب کار مختلف سڑکوں پر روانہ ہوتی ہے۔ ایک ساؤنڈ ایفکٹ علیحدہ تیار کیجئے۔ جب بھی کار دائیں یا بائیں مڑتی ہے، اس میں خاص قسم کی سیٹی کی آواز نکلتی ہے۔ اس کا لوپ تیار کیجئے اور ساؤنڈ ایفکٹ دیجئے۔
ڈاکٹر صاحب ـــــ اپنے کلینک کے سامنے کار روکتے ہیں۔ کلینک کے اُوپر "محبوب کلینک" کا بڑا سا بورڈ لگا ہے۔)

ـــــــــــ کٹ

سین ۲
ان ڈور
وہی وقت

(محبوب صاحب کلینک کے بیرونی حصہ میں داخل ہوتے ہیں۔ یہاں بہت سے مریض اور ان کے لواحقین بیٹھے ہیں۔ ایک دو نرسیں کھڑی ہیں۔ ایک سیکرٹری ٹائپ رائیٹر پر بل بنا رہی ہے۔ تمام لوگ ڈاکٹر کو سلام کرتے ہیں۔ ڈاکٹر اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلا جاتا ہے۔)

کٹ ——————

سین ۳
ان ڈور
کچھ دیر بعد

(کلینک کا اندرونی حصہ۔ ڈاکٹر صاحب اپنی کُرسی پر بیٹھے ہیں۔ سامنے ایک بُوڑھا آدمی بیٹھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب میں بڑی خوش اعتمادی ہے۔ وہ بہت ہنس مُکھ ہیں اور بڑی آہستگی اور شفقت سے بات کرتے ہیں۔)

بوڑھا : بس جی نیند نہیں آتی ڈاکٹر صاحب —— ساڑھے نو بجے رات کو میں بیٹھا ہوں سونے کے لیے اور صبح فجر کی اذان ہوگئی بیٹھے بیٹھے۔ دو عمریں بسر کر لیں میں نے ایک رات میں!

ڈاکٹر : دیکھیں آپ سونے کے لیے بیٹھا نہ کریں ـــــ سونے کے لیے لیٹنا ضروری ہے۔ جو گولیاں میں نے آپ کو دی تھیں وہ استعمال کیں آپ نے؟

بوڑھا : کیں ڈاکٹر صاحب ـــــ لیکن جیسے میرے سر میں خشکی ہو گئی ہے کان بجتے ہیں میرے۔ آوازیں آتی رہتی ہیں لگاتار ـــــ مجھے لگتا ہے دروازے کھڑکیاں ٹیبل لیمپ سب بول رہے ہیں۔

ڈاکٹر : بیوی ہے بزرگو؟

بوڑھا : ہے جی۔ بڑھیا ہے۔ ساری رات خرّاٹے لیتی ہے۔

ڈاکٹر : اس سے کہیں سر میں تھوڑا سا بادام روغن جھس دیا کرے دوسرے چوتھے۔

بوڑھا : اُسے ایسے کاموں کے لیے فرصت کہاں ڈاکٹر صاحب۔ پوتے پوتیاں نہیں چھوڑتے اُسے۔ ایک کمر پر ایک کندھے پر . . . . ایک ٹخنے سے لگا ہے۔ اُوپر سے مکان بن رہا ہے میرے بیٹے کا۔

ڈاکٹر : اچھا میں دوا بدل دیتا ہوں لیکن آپ تھوڑی سی احتیاط کریں اپنے کھانے پینے میں۔ ماش کی دال چاول . . . . گوبھی . . . . ایسی چیزیں رات کو استعمال نہ کریں۔

بوڑھا : چلو ڈاکٹر صاحب نیند نہ آئے پر یہ آوازیں ہی بند ہو جائیں ـــــ پچھلے پہر تو مجھے اپنی نبض کی بھی آواز آنے لگتی ہے، عصر کے وقت!

ڈاکٹر : آوازیں بھی بند ہو جائیں گی۔ نیند بھی آنے لگے گی . . . . کوئی مشغلہ . . . کوئی کام دام کیا کریں جب نیند نہ آئے۔

بوڑھا : تاش کا شوق ہے . . . . لیکن رات کو تاش کون کھیلے میرے ساتھ۔

ڈاکٹر : اللہ اللہ کیا کریں بزرگو . . . . اللہ اللہ . . . . آپ کی عُمر میں اس سے بہتر اور کیا مشغلہ ہو سکتا ہے؟

بوڑھا : جی چاہتا ہے ڈاکٹر صاحب۔ ضرور چاہتا ہے۔ کچھ دن باجماعت نماز بھی پڑھتا ہوں مسجد جاکر۔ باقاعدگی سے جاتا ہوں۔ پھر—— آپ ہی آپ یہ سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے۔ توجہ ہٹ جاتی ہے۔ من نہیں لگتا۔

ڈاکٹر : جب نیند نہ آئے تو درود شریف پڑھا کریں۔ اب اگلا پہرا ہے، کچھ تیاری کریں اس کی ....

بوڑھا : ہم نے کیا تیاری کرنی ہے ڈاکٹر صاحب۔ اِدھر عبادت کو ہاتھ ڈالوں اُدھر گندے گندے خیالات ذہن کو گھیر لیتے ہیں۔ جو باتیں کبھی نہیں سوچیں وہ بھی گھیراؤ کر کے بیٹھ جاتی ہیں۔

ڈاکٹر : چلئے اچھا یہ (نسخہ ہاتھ میں دیتے ہوئے) وٹامن بی دو مرتبہ

بوڑھا : دو مرتبہ

ڈاکٹر : اور یہ گولی رات کو سونے سے پہلے دودھ کے ساتھ۔

کٹ

سین ۴
ان ڈور
کچھ دیر بعد

(کلینک کے پہلے کمرے میں مس زاہدہ رفیق سیکرٹری کے پاس کھڑی ہے۔)

سیکرٹری : نام ؟

زاہدہ : مس زاہدہ رفیق

سیکرٹری : (کارڈ بھرتے ہوئے) عمر؟
زاہدہ : انتیس سال
سیکرٹری : شادی شدہ؟
زاہدہ : جی نہیں
سیکرٹری : پیشہ؟
زاہدہ : ٹیچنگ
سیکرٹری : آپ بیٹھ جائیں وہاں۔ ابھی ڈاکٹر صاحب سے اپوائنٹ منٹ لیتے ہیں۔
سسٹر ذرا اندر دیکھنا ڈاکٹر صاحب کے پاس۔
(مس زاہدہ رفیق بنچ پر بیٹھ جاتی ہے۔ سسٹر اندر جاتی ہے۔ سیکرٹری فون
ملاتی ہے۔)

______ کٹ

سین ۵
ان ڈور
کچھ دیر بعد

(اس وقت زاہدہ ڈاکٹر کے تشخیصی ٹیبل پر لیٹی ہوئی ہے اور لمبے لمبے سانس
لے رہی ہے۔ ڈاکٹر سٹیتھسکوپ لگا کر اس کا معائنہ کرتا ہے۔ پاس نرس
کھڑی ہے۔)
ڈاکٹر : ذرا اُٹھیں۔

(زاہدہ اُٹھتی ہے۔)

ڈاکٹر : ذرا سوئیٹر اتاریں۔

(زاہدہ سوئیٹر اتارتی ہے۔ نرس اس کی مدد کرتی ہے۔ اب ڈاکٹر اس کی پشت پر سٹیتھسکوپ لگا کر اس کا معائنہ کرتا ہے۔ پاس نرس کھڑی ہے۔)

ڈاکٹر : ان کا بلڈ پریشر بھی چیک کر لیں سسٹر۔

(نرس بلڈ پریشر چیک کرتی ہے اور پرچی پر لکھتی ہے۔ ڈاکٹر اپنی سیٹ پر آکر بیٹھتا ہے اور زاہدہ سے اگلے مکالمات کرنے لگتا ہے۔ بلڈ پریشر چیک ہونے کے بعد زاہدہ ڈاکٹر کی میز کے سامنے آکر بیٹھتی ہے۔ نرس پرچی ڈاکٹر کے سامنے رکھ دیتی ہے ـــــ ڈائیلاگ کا سلسلہ جاری ہے۔)

ڈاکٹر : یہ آپ کو جو severe headaches رہتی ہیں تو ان کی ڈیوریشن کیا ہوتی ہے۔ اوسطاً؟

زاہدہ : کبھی تو دو دو دن بھی اٹیک رہتا ہے ڈاکٹر صاحب مسلسل ـــ لیکن عموماً چھ سات گھنٹے تو ضرور رہتا ہے سر درد ـــ یہاں کنپٹی تو پھٹنے لگتی ہے۔

ڈاکٹر : آئیز ٹسٹ کروا کے دیکھیں آپ نے؟

زاہدہ : جی عینک تو مجھے بچپن سے لگی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر : کئی دفعہ نمبر بدل جاتا ہے۔

زاہدہ : ابھی میں نے پچھلے ہفتے ٹسٹ کروائی تھیں آنکھیں۔ وہی نمبر ہے ۷۵۔ـــ

ڈاکٹر : پروفیسر صاحب! جب آپ کو Bronchitis ہوا ہے۔ اس کے بعد سے یہ سر درد ہے کہ پہلے سے ہے؟

زاہدہ : میرا خیال ہے جی کہ یہ سر درد تو مجھے پہلے سے ہے Bronchitis کے بعد شدید ہو گئے ہیں اس کے اٹیک ـــ جب سے میں نے سروس شروع

کی ہے یہ سردرد رہنے لگا — لیکن شروع میں میں نے اس کی پروا نہیں کی۔

ڈاکٹر : کتنے سال ہو گئے ہیں آپ کو سروس میں ؟

زاہدہ : پانچ سال

ڈاکٹر : آپ ہوسٹل میں رہتی ہیں کہ اپنے پیرنٹس کے پاس ؟

زاہدہ : ہوسٹل میں رہتی ہوں ڈاکٹر صاحب .... وارڈن ہوں اپنے ونگ کی۔

ڈاکٹر : اچھا تو جی — اب

(نسخہ لکھتا ہے)

کیا نام بتایا آپ نے ؟

زاہدہ : زاہدہ رفیق

ڈاکٹر : مس ؟

زاہدہ : جی مس زاہدہ رفیق

ڈاکٹر : کچھ ٹسٹ مجھے کرنے پڑیں گے۔

(گھنٹی بجاتا ہے)

آپ سردست تو یورین، سٹول اور بلڈ ٹسٹ کروالیں — مجھے کچھ sinus کا اندیشہ ہے۔ لیکن ان tests کے بعد بتا سکوں گا کسی قدر یقین کے ساتھ۔

زاہدہ : اچھا جی

ڈاکٹر : یہ ٹمپریری ریلیف کے لیے — جب بھی درد ہو دو گولیاں — اور یہ ٹانکس ہیں ۔ سسٹر!

زاہدہ : (نسخہ پکڑتے ہوئے) تھینک یو ڈاکٹر صاحب

نرس : جی ڈاکٹر صاحب ؟

ڈاکٹر : ان کا یورین، سٹول اور بلڈ ٹسٹ

نرس : جی ڈاکٹر صاحب۔
زاہدہ : (جاتے ہوئے مسکرا کر ڈاکٹر کو دیکھتی ہے) شکریہ ڈاکٹر صاحب۔
ڈاکٹر : یُو آر ویلکم!
(ڈاکٹر بھی اس کی طرف دیکھ کر رسماً مسکراتا ہے۔)

———— کٹ

سین ٦
ان ڈور
رات

(بہت بڑا ڈائننگ ٹیبل —— اس میز پر آنے سے پہلے شمس دکھایا جاتا ہے، وہ ڈاکٹر محبوب کی کرسی کے پیچھے چُپ چاپ کھڑا ہے۔ اس کے چہرے پر شفقت اور توجہ ہے۔ رضیہ، اشہر عزیز، لبنیٰ، اطہر عزیز اور مریم بیٹھے ہیں۔ رضیہ کی گود میں اس کا پوتا ہے جسے وہ اس وقت کھانا کھلا رہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب ہلکی سی سوچ میں غرق ہیں۔)

لبنیٰ : یہ تو اپنی دادی کی گود سے اُترتا ہی نہیں لالچی۔
اطہر : بھابی جان بچاؤ کر لیں ابھی سے —— امی اسے ایسا سیٹی پر لگائیں گی کہ پھر آپ کو حقِ شفع کر کے نوشی کو لینا پڑے گا۔ امی کے قبضے میں جو گیا —— ختم....
اشہر : اسے کیا ضرورت ہے نوشی کو لینے کی —— جب پل جائے گا تب واپس لے لے گی پلا پلایا۔

رضیہ : آپ کچھ چپ چپ ہیں ڈاکٹر صاحب ۔

ڈاکٹر : نہیں میں سُن رہا ہوں غور سے سب باتیں ۔

مریم : میں تو آج کالج گئی ہی نہیں ابو ۔

اطہر : جب لکچر شارٹ ہوں گے ناں مس مریم تب پتہ چلے گا ۔

مریم : ہماری سپورٹس ڈے کی چھٹی تھی ۔ کوئی لکچر شارٹ نہیں ہوں گے ۔

ڈاکٹر : میرے کلینک پر آج ایک مس زاہدہ رفیق آئی تھیں ۔ تمہارے کالج میں تو نہیں پڑھاتیں ؟

مریم : (سوچتے ہوئے) زاہدہ رفیق ؟ زاہدہ رفیق ـــــ کیا سبجیکٹ ہے ابو ؟

ڈاکٹر : ہسٹری ہے شاید !

اشہر : یہ کب کسی سے پڑھتی ہے کہ اسے پروفیسروں کے نام معلوم ہوں ۔

(اب لبنیٰ اور رضیہ آہستہ آہستہ باتیں آپس میں کرنے لگتی ہیں اور ڈاکٹر کی باتوں میں دلچسپی نہیں لیتیں ۔ اطہر کھانے میں مشغول ہے ۔)

ڈاکٹر : تمہارے انٹرسٹ کا کیس تھا اشہر ! psychosomatic سر درد ـــــ بڑے عجیب symptoms تھے ۔

اطہر : (بددلی سے) جی ابو ذرا مجھے کوفتے پکڑانا . . . .

ڈاکٹر : ہو سکتا ہے migraine ہو . . . ہو سکتا ہے sinus کی وجہ سے ہو ۔

ماں : آپ کچھ کھائیں ڈاکٹر صاحب ۔ آپ کے پسند کی کچنار گوشت پکی ہے ۔

ڈاکٹر : میں بتا رہا تھا اس کو ، مستقبل کے ڈاکٹر کو ، ایک دلچسپ کیس ۔

ماں : (بے توجہی سے) میں سُن رہی تھی ڈاکٹر صاحب ۔ آپ بتائیں ۔

(پھر لبنیٰ سے زیرِ لب کچھ کہتی ہے ۔)

ڈاکٹر : سر درد ہوتا ہے تو بائیں آنکھ سے آنسو نکلتے ہیں لیکن دائیں آنکھ خشک رہتی ہے ۔

لبنیٰ : ان ملازم پیشہ خواتین کی شادی نہیں ہوتی ناں ابا جی ـــــ اس لیے سردرد ہوتے ہیں ان کے ۔کیوں اماں جی ۔

ماں : وقت پر رشتے بھی تو نہیں ملتے لبنیٰ ـــــ وہ بھی کیا کریں ۔

(اب ڈاکٹر صاحب اپنے خول میں چلے جاتے ہیں ۔)

مریم : میں تو خود پروفیسر لگوں گی ایم اے کر کے ۔

لبنیٰ : پھر شادی نہ ہوئی تیری مریم ۔

مریم : میری تو تمام پروفیسروں کی شادی ہوئی وی اے ـــــ

اطہر : لیکن تیری نہیں ہوگی ناں ۔

ماں : کیا بکواس کرتے ہو ۔

اشہر : اس کے بھی سر درد ہوا کرے گی ۔

اطہر : اور بائیں آنکھ سے آنسو نکلا کریں گے ۔

(سب ہنستے ہیں ۔ شمس جھک کر ڈاکٹر سے کہتا ہے ۔)

شمس : کافی سر ؟

ڈاکٹر : نو تھینک یو شمس

ـــــــــــ کٹ

سین ۷
آؤٹ ڈور
صبح کا وقت

(ڈاکٹر صاحب اپنے گھر سے چھڑی لے کر نکلتے ہیں ۔ نکلنے کے بعد گیٹ

بند کرتے ہیں۔ پھر وہ سیر کرنے کے انداز میں چلتے ہیں۔)

کٹ ــــــــــ

سین ۸
آؤٹ ڈور
صبح کا وقت

(نہر کے کنارے کنارے ڈاکٹر صاحب چلے جا رہے ہیں۔ اس دوران چھوٹے چھوٹے وقفوں کے بعد گھنٹیاں بجتی ہیں۔ جیسے قریب ہی کہیں گائے بھینسوں کے گلے کی گھنٹیاں بج رہی ہوں۔ نہر کے کنارے سے جب ڈاکٹر صاحب گزرتے ہیں تو کنارے پر ایک بوڑھا بیٹھا ہے اور گا رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب پہلے پاس سے گزر جاتے ہیں۔ پھر اس فقیر صورت آدمی سے کچھ فاصلے پر آ کر بیٹھ جاتے ہیں اور کان دھر کے سنتے ہیں۔)

بابا : (گاتا ہے)

عاشق ہوویں تاں عشق کماویں
شاہ عشق سُوئی دا نکا، دھاگا ہوویں تاں ہی جاویں
باہر پاک اندر آلودہ، کیا تو شیخ کہاویں؟
کہے حسین جے فارغ تھیویں خاص مراتبہ پاویں

(آخر میں کیمرہ ڈاکٹر کے چہرے پر آتا ہے۔ گانا اور بیلوں کی گھنٹیاں آپس میں مل جل جاتی ہیں۔)

کٹ ـ

سین ۹
ان ڈور
صبح

(ڈاکٹر کے کلینک کا اندرونی حصہ ۔ اس وقت زاہدہ ساڑھی میں ملبوس ہے اور ڈاکٹر صاحب کے سامنے والی کرسی میں بیٹھی ہے۔ پچھلی ملاقات کی نسبت اب وہ نسبتاً بشاش ہے۔)

زاہدہ : چھینکیں تو اب نہیں آرہیں ڈاکٹر صاحب۔ لیکن درد کل بھی ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر : آپ ناک کا ایکسرے نہیں لائیں۔

زاہدہ : میں آپ کی چٹ لے کر گئی تھی ڈاکٹر مختار کے پاس۔ انہوں نے کوئی نوٹس ہی نہیں لیا میرا!

ڈاکٹر : اچھا؟

زاہدہ : آپ کا کیا خیال ہے ڈاکٹر صاحب، sinus ہے؟

ڈاکٹر : جب تک ٹسٹ پورے نہ ہو جائیں مس زاہدہ رفیق میں کیا کہہ سکتا ہوں؟

زاہدہ : ڈاکٹر صاحب

ڈاکٹر : جی؟

زاہدہ : آپ میری بات توجہ سے نہیں سُن رہے۔

ڈاکٹر : پوری توجہ سے بلکہ انتہائی توجہ کے ساتھ۔

زاہدہ : دیکھیئے میری کوئی چار مہینے کی چھٹی ڈیو ہے with pay ۔ میں اپنا ڈیو پراویڈنٹ فنڈ نکلوا کے اور تھوڑا سا قرض لے کر اپنے ماموں کے پاس جا سکتی ہوں علاج کے لیے ۔ وہ لندن میں ہیں۔

ڈاکٹر : لیکن اسقدر جلدی کیا ہے ؟ آپ اطمینان رکھیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ معمولی تکلیف ہے۔

زاہدہ : پتہ نہیں کیا بات ہے ڈاکٹر صاحب لیکن ـــ میری زندگی کا سارا پیٹرن ہی ایسا ہے۔ پہلے میں جن باتوں کو مسئلہ نہیں سمجھتی . . . . وہی آخر میں بہت بڑا مسئلہ بن جاتی ہیں۔ وہی باتیں ـــ وہی چھوٹے چھوٹے قصیئے . . . . اب مجھے لگتا ہے اگر میں نے اس سر درد کا علاج جلدی نہ کیا تو یہ کوئی بہت بڑی chronic disease بن جائے گی۔

ڈاکٹر : یہ تو آپ کا وہم ہے مس رفیق۔

زاہدہ : اسی طرح ڈاکٹر صاحب میرے ابو کبھی کبھی بازو کے درد کی کمپلین کیا کرتے تھے تو ہم اسے وہم ہی سمجھا کرتے تھے ـــ اور اچانک . . . . . . ڈاکٹر صاحب ایک شام ہم سب چائے پی رہے تھے، ابو گھڑی باندھ رہے تھے اپنی کلائی پر اور . . .

(یکدم رونے لگتی ہے)

پتہ ہی نہیں چلا . . . . وہ رخصت بھی ہو گئے اور ہم سب . . . . ہم نے اہمیت ہی نہ دی ان کی کسی بات کو . . . .

(ڈاکٹر اس کے پاس آتا ہے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے۔)

ڈاکٹر : آپ کا سر درد معمولی نوعیت کا ہے۔ تسلی رکھیں . . . . لیکن آپ کی تسلی کے لیے ناک کا ایکسرے بھی کروا لیتے ہیں۔

زاہدہ : کسی دن لڑکیوں کی حاضری کا رجسٹر دیکھتے دیکھتے میں بھی پار ہو جاؤں گی ابو کی طرح۔

ڈاکٹر : چلیں آئیں ـــ اُٹھیں۔

زاہدہ : کہاں ؟
ڈاکٹر : میں آپ کو خود لے کے چلتا ہوں ڈاکٹر مختار کی لیبارٹری میں۔
زاہدہ : نہیں ڈاکٹر صاحب — آپ کا بڑا ٹائم ویسٹ ہوگا۔ پھر باہر مریضوں کی قطار لگی ہے۔
ڈاکٹر : آپ بھی تو مریض ہیں۔ آئیے۔
زاہدہ : ہائے تھینک یُو سو مچ ڈاکٹر صاحب !
ڈاکٹر : ہم اپنے ملک کے دانشوروں کو ایسے تھوڑی مرنے دیں گے۔ آئیے !
(آگے چل کر دروازہ کھولتا ہے۔ زاہدہ پہلے گزرتی ہے پھر ڈاکٹر۔ دونوں بیرونی حصے میں آتے ہیں۔ مریضوں سے بنچ بھرے ہیں۔ ڈاکٹر نرس سے کہتا ہے :)
ڈاکٹر : میں ابھی آتا ہوں نرس۔

کٹ ———

سین ۱۰
آؤٹ ڈور
دوپہر

(کتابوں کی خوبصورت دکان پر — ڈاکٹر محبوب کتابیں نکالتا ہے۔ وہ اس وقت ایسے شیلف کے سامنے کھڑا ہے، جس میں پورنوگرافی اور شادی شدہ زندگی اور جنس کی کتابیں ہیں۔ کیمرہ اس کی پشت پر آتا ہے۔ وہ ایک کتاب نکالتا ہے اور کھول کر دیکھتا ہے۔ کیمرہ عنوان کو دکھاتا ہے :

"Marriage for Three"

پھر ایک اور کتاب کھولتا ہے۔ پھر کیمرہ عنوان دکھاتا ہے:

"How to please your spouse without trying"

ایک اور کتاب کھولتا ہے۔ لکھا ہے: "Sex Game"

(ایسی یا اسی قسم کی قدرے کم گرم کتابیں۔ سنسر کا خوف ہو تو اور بھی کم گرم کتابیں، لیکن ہوں ضرور) اسی طرح کی وہ پانچ چھ کتابیں لفافے میں ڈلوا کر کاؤنٹر بابو کے پاس پہنچتا ہے۔ اس وقت عقب میں چپڑاسی کو بلانے والی گھنٹی بار بار بجتی ہے۔ اس وقت کیش کلرک کے سامنے دو ایک اور بھی گاہک کھڑے ہیں اور ان کی کتابوں کے لفافے بھی میز پر پڑے ہیں —— ڈاکٹر صاحب لاتعلق سے جیسے کچھ سوچ رہے ہیں —— قیمت کاؤنٹر پر ادا کر کے وہ اپنا پیکٹ لے کر باہر نکل جاتے ہیں۔)

کٹ

سین ۱۱
ان ڈور
شام

(ڈاکٹر محبوب گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کے پیچھے شمس بیگ اٹھائے اور ان کی کتابیں لئے آتا ہے اور بیڈ روم میں ان کی میز پر کتابیں رکھتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب صوفے پر بیٹھ کر کتابیں دیکھنے لگتے ہیں۔ اُلٹ پلٹ کر پھر کیش میمو دیکھتے ہیں۔)

شمس : کافی سر؟

ڈاکٹر : پلیز شمس!

(شمس چلا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب حیران ہیں کہ یہ تمام کتابیں کیسے بدل گئیں۔ وہ اپنے تحیر میں مبتلا ہیں اور رضیہ پاس کھڑی ساڑھی تہہ کر رہی ہے۔ پھر وہ ساڑھی ہینگر میں لٹکاتی ہے اور بول رہی ہے۔)

رضیہ : خدا کے لیے ڈاکٹر صاحب کچھ توجہ گھر کے معاملات پر بھی دیا کریں۔

ڈاکٹر : جی ضرور

رضیہ : آپ صرف جی کہہ دیتے ہیں کرتے کچھ نہیں۔ سولہ سو ایکڑ میں چانس تھا اچھا بھلا۔ آپ کے نام الاٹ ہو جاتی تھی زمین۔ آپ نے پرواہ نہ کی۔ چیئرمین آپ کا مریض تھا۔

ڈاکٹر : کمال ہے۔ یعنی یہ تمام کتابیں ۔ ۔ ۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

رضیہ : خدا کے لیے کچھ دیر کے لیے تو یہ کتابیں چھوڑیں۔ اب اسلام آباد کے ٹکڑے کے لیے ہی فون کر دیں مفتی صاحب کو۔ اب تو فیز Ten میں زمین مل رہی ہے آگے چل کر یہ چانس بھی نہیں رہے گا۔

ڈاکٹر : ہم کیا کریں گے اسلام آباد میں زمین لے کر ۔ ۔ ۔

رضیہ : ہم نہ رہیں گے۔ اشہر رہے گا۔

ڈاکٹر : اشہر تو ہمارے ساتھ رہ رہا ہے۔

رضیہ : چلئے کیا پتہ اطہر کا تبادلہ ہو جائے اسلام آباد کا۔

ڈاکٹر : تو وہ خود بنا لے گا گھر۔ اگر چاہے گا۔

رضیہ : تب تک کوئی زمین نہیں رہے گی اسلام آباد میں ـــــ اور رہے گی بھی تو اشرفیوں کے بھاؤ ملے گی ـــــ کمال ہے۔ سب اپنی اولاد کے لیے

سوچتے ہیں، آپ کو کوئی فکر ہی نہیں۔

ڈاکٹر : ہم بھی کافی سوچتے ہیں۔ حسبِ توفیق۔

رضیہ : کم از کم تین کوٹھیاں تو ہمیں اب تک بنا لینی چاہئیں تھیں ــــ تینوں بچوں کے لیے۔

ڈاکٹر : میرے خیال میں کم از کم تو ــــ تین تین اِن تینوں کے بچوں کے لیے بھی تو چاہیئے ہوں گی۔

رضیہ : آپ تو joke سمجھ رہے ہیں میری باتوں کو۔

ڈاکٹر : joke تو آج میرے ساتھ ہو گیا رضیہ بیگم۔ میں مزدا بک ڈپو گیا تھا اور یہ دیکھو میری کتابیں پتہ نہیں کس کو چلی گئیں ــــ اور یہ میرے ساتھ آ گئیں۔

"Road to Relaxation"

"Islam and Glory"

(جو کتابیں اس ضمن میں مہیا کی جائیں ان کے نام گنے جائیں۔)

(لیکن رضیہ ڈاکٹر صاحب کی بات میں دلچسپی نہیں لیتی۔ وہ ہینگر ٹانگتے ہوئے کہتی ہے۔)

رضیہ : ہو جاتا ہے ایسے۔ پرسوں میں بانو بازار سے دو بیڈ کور خرید کر لائی۔ گھر پہنچی تو چار غلاف نکلے . . . گاؤ تکیوں کے۔

ڈاکٹر : تم آ کر دیکھو تو سہی رضیہ ــــ عجیب واقع ہے کیش میمو پر وہی کتابیں لکھی ہیں میرے چوائس کی۔ اور یہاں یہ ہیں!

رضیہ : ڈاکٹر صاحب پلیز میری بات سنیں۔ سال بھر کے بعد سیمنٹ اتنا مہنگا ہو جائے گا، اتنا مہنگا ہو جائے گا کہ پھر ہم جیسے کوٹھی تو کیا باورچی خانے کی سل بھی مرمت نہیں کروا سکیں گے۔

(ڈاکٹر کے ماتھے پر تیوری آتی ہے۔ وہ اُلٹ پلٹ کر کتابیں دیکھتا ہے۔ پھر ایک کتاب کھول کر پڑھنے لگتا ہے۔ اب شمس کافی کی پیالی لاکر اس کے پاس رکھتا ہے۔)

شمس : کافی سر۔

ڈاکٹر : تھینک یو شمس

(شمس لمحہ بھر کے لیے اس کے ہاتھ میں تھامی ہوئی کتاب دیکھتا ہے۔)

کٹ ——————

سین ۱۲

آؤٹ ڈور

دن

(کار میں ڈاکٹر محبوب کلینک کی طرف جا رہا ہے۔ ریگل یا انارکلی کے چوراہے پر جب لال بتی آتی ہے تو وہ کار کو روکتا ہے۔ اس وقت فٹ پاتھ سے کراسنگ پر ایک فقیر کراس کرنے کے لیے اُترتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا ڈنڈا ہے جس پر گھنگھرو بندھے ہیں۔ جب وہ ڈاکٹر کی گاڑی کے پاس آتا ہے تو ڈاکٹر کی سیٹ کے پاس آکر رُکتا ہے۔)

ڈاکٹر : باباجی معاف کریں۔ آج میرے پاس چینج نہیں ہے۔

فقیر : مانگنے کون آیا ہے بابا لوگ۔ ہم تو دینے والے ہیں۔ مانگنے والے نہیں....

ڈاکٹر : کراس کر جاتیں بابا جی۔ بتی بدلنے والی ہے۔

فقیر : (ایک روپیہ کا نوٹ اسے دے کر) لے روپیہ... پکڑ لے... لے لے ڈرناں.... آج ہمارا دل تم پر راضی ہوگیا ہے۔ لے لے....

(ڈاکٹر حیران ہو کر نوٹ دیکھتا ہے۔ فقیر ڈنڈے کے گھنگھرو کھڑکاتا زیبرا کراسنگ سے فٹ پاتھ پر جاتا ہے۔ بتی بدلتی ہے۔ ڈاکٹر حیران ایک ہاتھ میں نوٹ پکڑے کار چلاتا ہے۔ اُس پر فقیر کے گھنگھروں کی آواز سپر امپوز ہوتی ہے۔)

کٹ ———

سین ۱۳
اِن ڈور
شام

(کالج میں چھوٹا سا وزیٹرز روم ——— اس وقت مس زاہدہ اور ڈاکٹر محبوب اس کمرے میں بیٹھے ہیں۔ ایک کونے میں فون بھی پڑا ہے۔)

زاہدہ : ویسے مجھے بڑی خوشی ہے ڈاکٹر صاحب ——— لیکن میں حیران ہوں آپ کو خیال کیسے آیا۔

ڈاکٹر : گھر جا رہا تھا واپس ——— آپ کے کالج کے سامنے سے گزرا تو خیال آیا کہ آپ کی طبیعت پوچھ لوں بس، اتنی سی بات تھی۔

زاہدہ : مجھے یقین نہیں آتا کہ کوئی مجھے بھی ملنے آیا ہے۔

ڈاکٹر : کیوں آپ کے وزیٹرز نہیں آتے۔

زاہدہ : میل وزیٹرز نہیں آتے ـــــ عورتیں آتی ہیں ۔ انھیں میں اپنے کمرے میں لے جاتی ہوں ۔

ڈاکٹر : بھائی وغیرہ ؟

زاہدہ : ایک بھائی ہے ۔ وہ سرگودھا میں رہتا ہے ۔ ماموں لندن میں ہیں ۔ باقی سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں ۔ ایک فضول پروفیسرنی سے کون ملنے آتا ہے ۔ ٹائم ویسٹ کرنے ـــ

(دُکھی ہو جاتی ہے ۔)

کس کو پڑی ہے ؟

ڈاکٹر : ہم تو سمجھتے ہیں کہ پروفیسر لوگ خود کسی سے ملنا نہیں چاہتے ۔ ان کی دماغی سطح ہی اتنی بلند ہوتی ہے کہ کسی سے بات کرنا پسند نہیں کرتے ۔

زاہدہ : (ہنس کر) ہاں جی ایسے ہی ہمیں سوسائٹی سے توڑے رکھیں ۔ ہمارا ہتوا بنا کر ۔

ڈاکٹر : چھٹیوں میں آپ سرگودھا وغیرہ بھی جاتی ہوں گی ۔

زاہدہ : (لمبی سانس بھر کر) بس ڈاکٹر صاحب ـــ کہیں چلی جاؤں ۔ کسی کے پاس چلی جاؤں ۔ ۔ ۔ تنہائی ساتھ جاتی ہے ۔ ۔ ۔ پڑھانا بھی بڑا ہی difficult job ہے ۔ سارا وقت اپنے شاگردوں سے اُدھار رہنا پڑتا ہے ـــ چھٹی کے وقت ہم خود اس قابل نہیں رہتے کہ کسی سے مکس کر سکیں ۔ دماغ خالی ہو چکا ہوتا ہے ۔

ڈاکٹر : آپ اتنی مایوسی کی باتیں کیوں کرتی ہیں زاہدہ ؟

زاہدہ : (لمبے وقفے کے بعد) آپ نے مجھے زاہدہ کہا ڈاکٹر صاحب !

ڈاکٹر : آپ کو کوئی اعتراض ہے ؟

زاہدہ : نہیں نہیں نہیں نہیں۔ مجھے تو بڑی خوشی ملی ہے ڈاکٹر صاحب ــــ اس طرح جیسے آپ نے لیا ہے نام ــــ ایسے تو اب کوئی بھی میرا نام نہیں لیتا ــــ اپنائیت کے ساتھ۔

ڈاکٹر : (ذرا سا گھبرا کر جیسے موضوع بدلنا چاہتا ہو) میں آپ کو ایک میڈیکل مشورہ دینے آیا تھا۔

زاہدہ : جی ڈاکٹر صاحب

ڈاکٹر : کئی cases میں ہم صرف آب و ہوا کی تبدیلی ریکمنڈ کرتے ہیں۔ گرد و پیش کی تبدیلی ..... ماحول کی تبدیلی ..... دراصل جس سر درد کا ذکر آپ کر رہی ہیں ..... کبھی کبھی یہ ایک روٹین کی پابندی سے بھی ہوتا ہے۔ روزمرہ ایک ہی ڈگر پر چلتے رہنے سے اور .....

(اس وقت فون کی گھنٹی بجنے لگتی ہے۔ زاہدہ فون کا چونگا اٹھا کر نیچے رکھ دیتی ہے اور خود رونے لگتی ہے۔)

زاہدہ : لیکن میں اس تبدیلی کی تلاش میں کہاں جاؤں ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر : کچھ دیر کے لیے اپنے عزیزوں رشتہ داروں کے پاس۔ دوستوں کے پاس۔

زاہدہ : میری بھابی پہلے ہی مشکل سے اماں کو برداشت کرتی ہیں ... میں بھی اُن پر بوجھ ڈال دوں۔ اپنا اور اپنی سر درد کا .... دراصل ..... دراصل ڈاکٹر صاحب باپ فوت ہو جائے تو پھر کوئی جگہ نہیں رہتی.. ... کوئی گھر باقی نہیں رہتا.... جانے کے لیے ..... اپنا آپ چھپانے کے لیے .....

ڈاکٹر : آئی ایم سوری مس رفیق۔

زاہدہ : زاہدہ .....

ڈاکٹر : جی زاہدہ ....

زاہدہ : کچھ نہیں ہو سکتا ڈاکٹر صاحب۔ کچھ نہیں ہو سکتا... بالآخر میری شریان پھٹے گی۔ ہمرج ہوگا اور ختم!

ڈاکٹر : آپ .... اور کچھ نہیں تو کچھ نئے دوست ... نئی واقفیت ——

زاہدہ : کیسے .... کیسے ؟ کون ؟ کہاں ؟

ڈاکٹر : میں آپ کے ماحول میں نئی چیز ہو سکتا ہوں ... نیا آدمی۔ نیا دوست۔

زاہدہ : (حیرانی اور خوشی کے ساتھ) آپ ؟ آپ ڈاکٹر صاحب ؟

—————— کٹ

سین ۱۴

اِن ڈور

رات

(ڈاکٹر صاحب اور بیگم صاحبہ اپنے بیڈ روم میں الگ الگ پلنگ پر سو رہے ہیں عقب میں رات کے پہرے دار پولیس مین کی سیٹی سُنائی دیتی ہے۔ کچھ لمحوں بعد ڈاکٹر صاحب کی آنکھ کھلتی ہے۔ وہ جیسے سیٹی کی آواز پر اُٹھے ہوں۔ یکدم اُٹھ کر وہ اپنے گلے پر ہاتھ رکھتا ہے۔ جیسے اس کا سانس رُک گیا ہو۔ پھر وہ اُٹھتا ہے اور تپائی پر رکھے ہوئے جگ سے پانی گلاس میں ڈالتا ہے۔ آہستہ سے آواز دیتا ہے: "رضیہ"۔ اس کی بیگم

بے سدھ سوئی ہوئی ہے۔ اس کی ڈری ہوئی آواز نہیں سنتی سیٹی پھر بجتی ہے وہ کھڑکی تک جاتا ہے۔ کھڑکی کھول کر غور سے باہر دیکھتا ہے۔ عقب میں سیٹی پھر بجتی ہے۔ وہ خوفزدہ ہے۔ کھڑکی بند کرتا ہے اور واپس آکر لیٹتا ہے۔ پھر رضیہ کو آواز دیتا ہے۔ اب رضیہ کروٹ لیتی ہے۔

رضیہ کے پلنگ میں اس کے ساتھ اس کا پوتا سو رہا ہے۔ اس کے پلنگ پر رضائی کے اُوپر جابجا زمینوں کے نقشے، مکانوں کے نقشے بکھرے پڑے ہیں۔ کیمرہ ان کا کلوزاپ دکھاتا ہے۔ سوتے میں رضیہ کا ایک ہاتھ اپنے پوتے پر ہے اور دوسرا ہاتھ زمین کے نقشے پر پڑا ہے۔ گھر میں کہیں فاصلے پر گھڑی کی ٹن ٹن بارہ بجاتی ہے۔ اچانک کھڑکی کھُل جاتی ہے۔ ڈاکٹر اس کی طرف پھر دیکھتا ہے۔ دُور کہیں سپاہی سیٹی بجا رہا ہے۔ سیٹی پر مس زاہدہ کی سسکیاں —— فیڈ ان ہوتی ہیں۔)

—— کٹ

سین ۱۵

اِن ڈور

صبح کا وقت

(ایک ہوٹل۔ صبح قریباً دس بجے کا وقت۔ جب ہوٹلوں میں بالکل رش نہیں ہوتا۔ ساری میزیں خالی ہیں۔ صرف ایک کونے میں ڈاکٹر صاحب اور زاہدہ بیٹھے کافی پی رہے ہیں۔ زاہدہ چھوٹے سے رومال سے آنسو

پونچھتی ہے۔)

زاہدہ : ایک تو میری پرنسپل کا دماغ خراب ہے۔ اس کے گھر میں اتنے پرابلمز ہیں، اتنے پرابلمز ہیں کہ سب کا نزلہ مجھ پر پڑتا ہے۔ اب میں کیا کروں۔ اگر اس کا ہزبینڈ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے یہ بھی میرا قصور ہے ___ بتائیے؟

ڈاکٹر : (محبت سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر) ساری باتوں کو خاص کر ملازمت کی مشکلات کو اتنی سنجیدگی سے نہیں لیا کرتے . . . .

زاہدہ : کیسے نہ لوں ڈاکٹر صاحب . . . . میرے پاس اس جوب کے علاوہ اور کونسی پرمینینٹ چیز ہے؟ فٹ بال کے کورٹ میں سفیدی نہیں ہوئی وارڈن کو بلاؤ ___ یونین کی لڑکیاں کچھ ڈیمانڈ کر دیں وارڈن کو بلاؤ . . . . . وزیٹرز misbehave کریں وارڈن کو بلاؤ . . . . ۔ چپڑاسی۔ چوکیدار . . . . مالی سب وارڈن کی headache . . . . ۔ اس کے علاوہ ہفتے میں پانچ پیریڈ ہسٹری کے . . . . پانچ ڈاکٹر صاحب۔ پورے پانچ۔

ڈاکٹر : آپ وارڈن شپ چھوڑ دیں۔

زاہدہ : کیسے چھوڑ دوں ڈاکٹر صاحب . . . . اس کا الاؤنس بھی ملتا ہے کچھ . . . اور پھر رہائش فری ہے۔ یہ بھی تو سوچنا پڑتا ہے ہم ورکنگ ومین کو . . . . چھوڑ تو دوں وارڈن شپ لیکن پھر جاؤں کہاں۔ آپ کو کیا معلوم ہم لوگوں کی مشکلات۔ آپ عیش سے گزاریں اپنی زندگی . . . .

ڈاکٹر : (حیرانی کے ساتھ) عیش کے ساتھ . . . . یہ تم سے کس نے کہا کہ میں عیش کی زندگی گزار رہا ہوں۔

زاہدہ : اتنا اچھا اعلیٰ جوب ہے آپ کا ___ بچے سیٹل ہو گئے ہیں۔ سمجھدار عقل مند بیوی ہے ___ محبت کرنے والی۔

ڈاکٹر : (لمبی آہ بھر کر) ہاں — شاید سبھی کچھ ہے۔

زاہدہ : آپ کو کیا پتہ محرومی کیا ہوتی ہے — I was barely twenty-one ڈاکٹر صاحب جب میں نے ملتان جا کر سروس جوائن کی .... کہاں لاہور کہاں ملتان .... پہلی بار اکیلے سفر کیا.... سارا راستہ ڈرتی رہی .... کہیں کوئی اغوا نہ کر لے .... کہیں کوئی سامان نہ کھسکا لے .... ہوسٹل میں جگہ نہ ملی .... لڑکیوں کے ساتھ رہنا پڑا پورے پندرہ دن ....

ڈاکٹر : تم یہ ساری bitterness — یہ سارے پچھلے واقعات بھول نہیں سکتیں زاہدہ۔

زاہدہ : ربڑ سے پنسل کا لکھا مٹ سکتا ہے ڈاکٹر صاحب لیکن آنسوؤں سے پچھلے واقعات اور بھی واضح ہو جاتے ہیں۔ جیسے ونڈ سکرین دھل جائے تو اور بھی صاف نظر آنے لگتا ہے۔

ڈاکٹر : کافی پیو زاہدہ۔ ٹھنڈی ہو گئی ہے۔

زاہدہ : کیا پینی ہے کافی ہم نے ڈاکٹر صاحب .... آپ تو کسی دن اپنے نسخے میں سنکھیا لکھ دیں۔ سائنائیڈ تجویز کر دیں تو — کام بن جائے گا ہمارا....

ڈاکٹر : اسقدر مایوسی .... اسقدر مایوسی۔

زاہدہ : انسان کسی نہ کسی چیز کے لیے زندہ ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب — کسی شخص کے لیے .... کسی belonging کے لیے۔ کسی کام کے لیے .... کسی آئیڈیا کے لیے .... میں کس لیے زندہ ہوں .... کیوں زندہ ہوں۔ ڈاکٹر صاحب بتائیے ناں۔

(اس وقت اس کے چہرے کا کلوز اپ آتا ہے۔ آنسو صرف بائیں آنکھ سے گرتے ہیں۔)

——— کٹ

سین ۱۶
اِن ڈور
دن

(ڈاکٹر محبوب کلینک میں کرسی پر گہرے خیال میں غرق ہے۔ چہرے پر غم کے آثار ہیں۔ وہ جیسے کوئی مسئلہ دل ہی دل میں سُلجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ نرس آتی ہے۔)

نرس : ڈاکٹر صاحب مسز فاروق آئی ہیں۔ وہ کہہ رہی ہیں انہیں جلدی ہے۔

ڈاکٹر : بس ابھی —— ابھی چند لمحوں میں۔

(نرس جاتی ہے۔ اُٹھ کر ایکسرے دیکھنے والی مشین پر ایکسرے فِٹ کرتا ہے۔ یکدم اس پر زاہدہ کی شکل آتی ہے۔ ساتھ ہی یہ الفاظ فیڈ اِن ہوتے ہیں۔)

زاہدہ : جن کا —— باپ نہ ہو ان کا کوئی گھر نہیں ہوتا ڈاکٹر صاحب۔

(یہ کٹ پچھلے شاٹ سے لگائے۔ فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ جا کر اُٹھاتا ہے۔)

ڈاکٹر : جی بول رہا ہوں —— جی . . . نہیں رانگ نمبر نہیں ہے۔ محبوب کلینک ہے —— ٹھیک ہے . . . جی بیگم صاحب آپ نے ضرور

دو بار فون کیا ہوگا لیکن میں موجود نہیں تھا . . . . جی ؟ — جی آج
میں مصروف ہوں . . . . نہیں آف ڈے نہیں ہے لیکن جتنے مریض
ہیں میں صرف انہی کو دیکھوں گا ۔ اور پھر چلا جاؤں گا . . . . جی نہیں
آج کلینک شام کو بند ہوگا — جی — ؟ جی نہیں کوئی بات نہیں
— خدا حافظ . . . .

نرس : (اندر آتی ہے) ڈاکٹر صاحب پیشنٹ بھیجوں ؟

ڈاکٹر : ذرا صبر سسٹر ۔ میں بھی ہیومن بیئنگ ہوں — کبھی کبھی مجھے بھی
مارجن دے دیا کریں ۔ پلیز

نرس : نہ بھیجوں سر ؟

ڈاکٹر : دس منٹ بعد سسٹر پلیز ۔

نرس : (حیرانی سے) اچھا جی

(چلی جاتی ہے ۔ ڈاکٹر اپنا سر کرسی کی پشت سے لگاتا ہے ۔ پھر رومال میں
زور سے ناک صاف کرتا ہے ۔ پھر سر پشت سے لگاتا ہے ۔ آنکھیں بند
کرتا ہے ۔ فون کی گھنٹی بجتی ہے وہ فون اٹھا کر رکھ دیتا ہے ۔ اب جیسے
اس کے ذہن کی آواز گونجتی ہے ۔)

زاہدہ کی آواز : انسان کسی نہ کسی چیز کے لیے زندہ ہوتا ہے . . . . کسی شخص کے لیے
. . . . کسی کام کے لیے . . . . کسی belonging کے لیے . . . .
میں کس کے لیے زندہ رہوں . . . . کس لیے . . . .

کٹ ————

سین ۱۷
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(بلوکی ہیڈورکس میں ریت پر زاہدہ اور ڈاکٹر صاحب دُور سے چلتے آ رہے ہیں۔ اس سین پہ بیک گراؤنڈ میں لنگھ آجا پتن چناں دا میوزک لگوائیے۔ کٹ کر کے دو ایک جگہ پر زاہدہ اور ڈاکٹر صاحب کو اس ساز پہ پر گھومتے پھرتے دکھاتے ہیں۔ پھر ڈاکٹر صاحب تمام تر پانی میں بھیگے ہوئے ہیں اور پانی میں کھڑے ہیں۔ زاہدہ ان کو زور لگا کر بازو سے کھینچ کر ساحل پر لاتی ہے۔ زاہدہ کے بھی تمام کپڑے بھیگے ہوئے ہیں اور ڈاکٹر صاحب بھی سر سے پاؤں تک پانی میں شرابور ہیں۔ وہ ریت پر آ کر بیٹھتے ہیں۔ زاہدہ ان کے گیلے سوئیٹر اور کوٹ کو اتارنے میں مدد دیتی ہے۔)

زاہدہ : جب آپ کو تیرنا نہیں آتا تو آپ پانی میں کیوں گئے۔

ڈاکٹر : کوئی چیز تھی پانی میں۔ چمکدار۔۔۔ سی۔۔۔

زاہدہ : ہر چمکدار چیز کے لیے آپ پانی میں کود جائیں گے۔۔۔

ڈاکٹر : چمک چمک میں فرق ہوتا ہے زاہدہ ــ یہ اور قسم کی چمک تھی۔

زاہدہ : اگر میں آپ کو نہ بچاتی تو ریلا تو آپ کو لے جاتا کہیں کا کہیں۔۔۔۔

ڈاکٹر : واقعی اگر تم مجھے کھینچ کر دوبارہ ساحل پر نہ لاتیں زاہدہ ۔۔۔ تو میں اس پُر سکوت ریلے میں بہہ کر اب تک بہت دُور نکل گیا ہوتا۔

زاہدہ : (ریت پر بیٹھتی ہے ڈاکٹر صاحب اپنا سر اس کے زانو پر رکھتے ہیں۔ زاہدہ دوپٹے سے ان کا سر سکھاتی ہے۔) میں اچھی ہوں ناں ڈاکٹر صاحب!

ڈاکٹر : بہت۔

زاہدہ : آپ کا نقصان تو نہیں ہوا — مجھ سے مل کر؟

ڈاکٹر : نفع ہی نفع ۔۔۔۔ دونوں جہانوں کا نفع ۔۔۔

زاہدہ : دل سے کہیں۔

ڈاکٹر : اچھا آج سٹیتھسکوپ میں اس کی آواز سن لینا۔

(اس وقت آسمان پر کوئی پرندہ اڑتا جاتا ہے ڈاکٹر اوپر نگاہ کرتا ہے پرندے کی سیٹی فیڈ ان ہوتی ہے۔)

زاہدہ : اوپر کیا دیکھ رہے ہیں۔ میری طرف دیکھیں۔

ڈاکٹر : ہاں — اوپر کچھ نہیں ہے — سب کچھ یہاں ہے یہاں ۔۔۔ اس زمین کے ٹکڑے پر۔ اس ریتیلے کنارے پر!

کٹ —————

سین ۱۸

اِن ڈور

رات

(کھانے کا کمرہ۔ سارا خاندان کھانے کی میز کے گرد جمع ہے جیسے پہلے تھا۔ اب ڈاکٹر صاحب اس خاندان میں اس طرح ملے ہوئے نہیں ہیں، جیسے پہلے سین میں تھے۔ انہیں اس ماحول کی کوئی چیز اب پسند نہیں۔ وہ اب چھوٹی چھوٹی بات پر چبھتی باتیں کہتے ہیں۔ ان کی کرسی کے پیچھے

شمس چپ چاپ کھڑا ہے۔)

ڈاکٹر : (ٹی کوزی اٹھا کر دیکھتا ہے۔ الٹ پلٹ کرتا ہے) عجیب ٹی کوزی ہے! — مری ہوئی مرغی سی۔ کوئی اور نہیں ہے۔

رضیہ : آپ ہی لائے تھے ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر : میں ایسی بیہودہ ٹی کوزی کبھی نہیں خرید سکتا۔ یہ میرا taste نہیں ہے۔

مریم : ابو آپ ہی لائے تھے۔ آپ کو یاد نہیں رہا۔

ڈاکٹر : تمہاری امی ساتھ ہوں گی۔ انہوں نے مجھے فورس کیا ہوگا خریدنے پر۔

رضیہ : کمال ہے!

ڈاکٹر : (چائے کے گھونٹ کو پی کر) ایکسکیوز می شمس — یہ چائے نہیں پک سکتی ہمارے گھر میں کبھی؟

لبنیٰ : آپ چائے ہی تو پی رہے ہیں ابوجی۔

ڈاکٹر : (طنز سے) میں سمجھا بنفشہ ہے۔ چائے تو غالباً گرم ہوتی ہے، عام طور پر —

شمس : کافی سر؟

ڈاکٹر : تھینک یو . . . (چڑ کے ساتھ۔ شمس مؤدب طریقے سے پیچھے کھڑا ہو جاتا ہے۔) میاں اطہر صاحب تمہاری انجینیری ہمارے کس کام آئے گی اور کس دن آئے گی؟

اطہر : کیوں ابوجی؟

ڈاکٹر : آپ کی مصروفیات بہت ہیں۔ ہماری عرض پر آپ کب توجہ دے سکتے ہیں (چبا چبا کر) چھوٹے لوگوں کی عرضی پر۔

اطہر : آپ حکم کریں ابو۔

لبنیٰ : کمال ہے آپ ابو کی بات بھی بھول جاتے ہیں۔

ڈاکٹر : میں نے اس سے کہا تھا لبنیٰ کہ اوپر ٹیلی ویژن کا انٹینا ہل گیا ہے آندھی میں۔ اسے ٹھیک کرتا ہے لیکن یہ سب ٹیلی ویژن ضرور دیکھیں گے لیکن انٹینا نہیں فٹ کر سکیں گے مضبوطی کے ساتھ!

اشہر : ابو جی اس کے لیے نیا ڈنڈا لانا پڑے گا۔ بانس بازار سے۔

ڈاکٹر : تو لائیے — یا میں کلینک کے بعد وہاں بانس بھی خریدنے جاؤں اور کندھے پر رکھ کر لاؤں اپنے۔

(سب چپ ہو جاتے ہیں۔)

ڈاکٹر : (کھانس کر) آج عنایت صاحب کلینک پر آئے تھے رضیہ۔

رضیہ : اچھا — کیا حال ہے ان کا۔ کئی برسوں سے گھر نہیں آئے۔

ڈاکٹر : ان کی دوسری بیوی ساتھ تھی ان کے۔

رضیہ : دوسری بیوی؟ — لیکن ان کی تو پہلی بیوی زندہ ہے — ہے نا؟

ڈاکٹر : ہاں زندہ ہے — very much alive

لبنیٰ : امی جی وہی عنایت صاحب نہیں جو ہمیں عارفہ کی شادی پر ملے تھے؟

رضیہ : ہاں وہی —

لبنیٰ : لیکن — وہ تو ابو جی سے بھی بڑے ہیں۔

ڈاکٹر : تو کیا بڑا آدمی شادی نہیں کر سکتا۔ کوئی پابندی ہے۔

رضیہ : (حیران ہو کر) لیکن ڈاکٹر صاحب اس عمر میں ضرورت کیا ہے۔ جوان بچے ہیں۔ اچھی بھلی بیوی ہے۔

ڈاکٹر : اس کی کوئی ضرورت ہو گی ناں رضیہ بیگم — ہم کیسے بتا سکتے ہیں۔

لبنیٰ : اس عمر میں کون سی ضرورتیں رہ جاتی ہیں ابو جی۔

ڈاکٹر : (غصّے کے ساتھ) بیوبیگم ضرور کچھ ضرورتیں رہ جاتی ہوں گی ورنہ کیوں کرتے لوگ دوسری شادی۔ کچھ خلا ہوتا ہوگا ان کی زندگیوں میں۔

رضیہ : بچہ نہ ہو تو اور بات ہے ڈاکٹر صاحب لیکن ....

ڈاکٹر : لیکن کیا ؟ لیکن کیا —— یہ تم عورتیں مرد کو اپنی مونوپلی کیوں سمجھتی ہو ؟ تم یہ کیوں سمجھتی ہو کہ یہ بھی ایک کتا ہے۔ چاہے رسّی سے باندھو چاہے کھلا چھوڑ دو اسے ہر حال میں گھر کے پھاٹک کے سامنے فرش پر تھوتھنی رکھ کر عمر گزارنی چاہیئے ....

رضیہ : خیر یہ بات تو نہیں ہے ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر : شادی کرنی چاہیئے مردوں کو .... ایک چھوڑ دو .... دو چھوڑ چار .... عورتوں کو قدر رہتی ہے مردوں کی .... ان کے وجود کی ضرورت رہتی ہے۔

رضیہ : یہ آپ کے خیالات کو کیا ہو گیا ؟ عنایت صاحب سے ملنے کے بعد۔

ڈاکٹر : میرے خیالات کو کچھ نہیں ہوا .... تم ہی لکیر کی فقیر ہو .... کیا ہوا جو عنایت صاحب نے دوسری شادی کر لی .... کوئی قباحت نہیں۔ بڑے یار آدمی ہیں۔ بڑے صوفی آدمی ہیں۔ میں تو ان کا دل سے قدر دان ہوں —— فریش سٹارٹ لیا ہے انہوں نے پچپن برس کی عمر میں ..... نئی دوڑ میں شریک ہو گئے ہیں۔ نئی زندگی کی lease ملی ہے انہیں .... اب وہ تیس سال اور خوشی سے زندہ رہ سکتے ہیں۔

(رضیہ یکدم رونے لگتی ہے اور میز سے اٹھ کر جاتی ہے۔)

لبنیٰ : (پیچھے اٹھتے ہوئے) امی .... امی جی .... امی جی سنیئے۔

اشعر : ابّو جی — آپ کو امی کا خیال رکھنا چاہیئے۔ پہلے ہی ان کا بلڈ پریشر ہائی ہے۔ (اٹھتا ہے)

ڈاکٹر : جی ہاں اشہر صاحب۔ ایک صرف تمہاری امی کا بلڈ پریشر ہائی ہے۔ ایک صرف اسی کو توجہ کی ضرورت ہے۔ صرف وہ matter کرتی ہے اس گھر میں.... اس کے پیروں تلے جنّت جو ہوئی....

(اشہر میز پہ بددلی سے سر دبیٹ رکھ کر ماں کے پیچھے جاتا ہے۔)

ڈاکٹر : تم دونوں کیوں بیٹھے ہو —— تم بھی جاؤ.... جاؤ ماں کی دلجوئی کرو.... لیکن سُن لو اطہر تم اور مریم تم بھی۔ دوسری شادی کوئی گناہ نہیں ہے کسی کی حق تلفی نہیں ہوتی اس سے کوئی مارا نہیں جاتا.... خواہ مخواہ نہ کوئی بات نہ شات اور aggressive ہو جاتے ہیں۔

(اطہر اور مریم بھی اُٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اب محسوس کرتا ہے کہ اس نے یہ سین خواہ مخواہ کھڑا کیا وہ رومال نکال کر زور سے اس میں ناک صاف کرتا ہے اور پھر چائے پینے لگتا ہے۔ یکدم پیچھے سے شمس کافی کی پیالی رکھتا ہے)

شمس : کافی سر!

ڈاکٹر : تھینک یو —— تھینک یو شمس۔

——— کٹ

سین ۱۹

آؤٹ ڈور

شام

(پچھلے سینوں میں زاہدہ خود ترسی کا شکار رہی ہے۔ وہ ایسی باتیں

کرتی رہی ہے جس سے وہ ڈاکٹر محبوب میں ہمدردی کا جذبہ پیدا کر سکے۔ اس آؤٹ ڈور میں ڈاکٹر محبوب، زاہدہ کو اپنی مجبوریوں کا رونا رو کر متاثر کرتا ہے۔

یہ آؤٹ ڈور پی ڈبلیو آر کے گولف کلب میں فلمائی جائے۔ پہلے ڈاکٹر اور زاہدہ سوئمنگ پول کے کنارے بیٹھے ہیں۔ پھر وہ گولف کی گراؤنڈ میں پھرتے ہیں۔ ایک لڑکا کچھ فاصلہ پر ڈاکٹر صاحب کی گولف کا سامان کندھے پر اٹھا کر ساتھ چل رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ میں گولف کی سٹک ہے۔

اس آؤٹ ڈور میں جو ڈائیلاگ ہیں، ان کو علیحدہ سٹوڈیو میں ریکارڈ کیجئے اور اس آؤٹ ڈور میں جو زیادہ لانگ شاٹ ہیں ان پر سپر امپوز کیجئے۔)

ڈاکٹر : میں ساری زندگی تنہائی کا شکار رہا ہوں زاہدہ۔ میرا کوئی دوست..... کوئی رشتہ دار مجھے کبھی سمجھ نہیں سکا..... رضیہ ایک اور فریکوئنسی کی عورت ہے..... میں یہ نہیں کہتا وہ خراب ہے ـــ یا اس میں کوئی برائی ہے..... لیکن وہ اپنے محور پر چلتی ہے..... اس کے بچے اس کے محبوب ہیں..... ڈاکٹر محبوب اس کا کچھ نہیں ہے..... میں ساری عمر اس کے بچوں کو پالنے کا فرض ادا کرتا رہا ہوں اس کی..... اس کے بچوں کی سہولت کے لیے..... جو کچھ انہیں درکار تھا اس کی فراہمی کے لیے..... میں خود کچھ نہیں..... میں کوئی معنی نہیں رکھتا زاہدہ..... کسی کے لیے بھی..... لیکن کبھی کبھی اپنی ذمہ داریوں سے کندھے تھک جاتے ہیں..... روح تھک جاتی ہے..... پھر اُوپر..... اور اُوپر اڑا نہیں جاتا..... پھر زمین کی طرف..... کسی گوشہ زمین کی طرف لپکنے لگتا ہے آدمی۔ تاکہ اگر اس پر گھر نہ بنا سکے زاہدہ..... تو اس میں دفن تو ہو سکے۔ سکون کے ساتھ اطمینان کے ساتھ ـــ میں اب تھک گیا ہوں شل

ہو گیا ہوں بالکل۔ اور کوئی گوشۂ عافیت ڈھونڈھ رہا ہوں۔

کٹ ———

سین ۲۰
اِن ڈور
رات

(اس وقت ڈاکٹر صاحب نائیٹ گاؤن پہنے صوفے پر بیٹھے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں یوگا والی کوئی کتاب ہے جسے وہ انہماک سے پڑھ رہے ہیں۔ رضیہ پھر کپڑے تہہ کر رہی ہے اور ہینگروں میں ٹانگ رہی ہے۔)

رضیہ : ڈاکٹر صاحب آپ میری بات سن رہے ہیں؟

ڈاکٹر : (لاتعلقی کے ساتھ) جی — بڑی توجہ سے۔

رضیہ : آپ نے مجھ سے کوئی تفصیل نہیں پوچھی۔

ڈاکٹر : بتائیے میں سن رہا ہوں۔

رضیہ : خالہ فیروزہ کا سارا خاندان آیا ہوا تھا دوپہر کو — بچے وچے — لبنیٰ کی ماں اور بہنیں بھی بہیں تھیں۔ بڑی افراتفری مچی ہوئی تھی میں شمس کا ہاتھ بٹانے باورچی خانے میں چلی گئی — آپ سن رہے ہیں۔

ڈاکٹر : جی ہی بالکل۔

رضیہ : وہ نچلے چولہے پر روسٹ کر رہا تھا۔ میں اوپر والے چولہے پر آملیٹ بنا رہی تھی۔ اُوپر سے چل رہا تھا پنکھا — میرا دوپٹہ ہوا سے نچلے چولہے

میں چلا گیا۔ بھک سے آگ لگ گئی سارے پلے کو جیسے دوپٹے میں بارود بھرا ہو۔

ڈاکٹر : (سرد مہری سے) ہوں !

رضیہ : ایک سیکنڈ میں شعلہ میرے کندھے تک آیا . . . وہ تو بھلا ہو شمس کا کہ اس نے لپک کر دوپٹہ کھینچ لیا . . . ورنہ میں نے تو فلیٹ کا سوٹ پہنا ہوا تھا ــــ سارے بدن کو آگ لگ جاتی ایک منٹ میں۔

ڈاکٹر : اچھا ہوا شمس نے آپ کو بچا لیا۔

رضیہ : ڈاکٹر صاحب

ڈاکٹر : جی ؟

رضیہ : دشمن بھی ایسے موقع پر ہمدردی کا اظہار کر دیتے ہیں۔

ڈاکٹر : تو میں نے کی ہے ناں ہمدردی ــ وضو کر کے نفل نیت لوں۔

رضیہ : کیا اظہار کیا ہے آپ نے اپنی ہمدردی کا۔

ڈاکٹر : ضروری نہیں رضیہ کہ زبانی اظہار کیا جائے . . . . اظہار دل میں بھی ہوتا ہے۔

رضیہ : غلط ہے ڈاکٹر صاحب . . . جہاں محبت ہوتی ہے وہاں اظہار ہوتا رہتا ہے بڑے واضح طریق پر۔ جب انسان محبت کرتا ہے تو وہ گونگا نہیں رہتا۔

ڈاکٹر : میں بھی تمہارے طریقے سے نہ سہی اپنے طریقے سے اظہار کرتا رہتا ہوں ــــ یہ گھر، یہ آسائشیں، یہ کاریں . . . یہ سب میرا اظہار ہیں . . .

رضیہ : آپ کا اظہار بڑا فرضِ منصبی قسم کا ہے ــــ فرض بھی ادا ہو گیا، اظہار بھی ہو گیا۔

ڈاکٹر : تم چاہتی کیا ہو رضیہ۔

رضیہ : (روتی ہے) میں نے کیا چاہنا ہے ڈاکٹر صاحب ــــ وقت ہی کتنا

رہ گیا ہے چاہنے نہ چاہنے کے لیے۔
(منہ پھیر کر ہینگر ٹانگتی ہے۔ آنسو اس کی گالوں پر گرتے ہیں۔)

کٹ: ______

سین ۲۱
اِن ڈور
دن کا وقت

(ہوٹل کی میز پر زاہدہ اور محبوب دونوں بیٹھے ہیں۔)

زاہدہ : ڈاکٹر صاحب بڑے بکھیڑے ہوں گے۔ بڑی الجھنیں پیدا ہوں گی۔
ڈاکٹر : ہونے دیں۔
زاہدہ : آپ کی فیملی بہت فساد ڈالے گی۔ مجھے پتہ ہے۔
ڈاکٹر : ڈالنے دیں۔۔۔۔
زاہدہ : جوان بیٹے کیسے برداشت کرلیں گے کہ ان کا باپ دوسری شادی کرلے۔
ڈاکٹر : کرلیں گے برداشت۔ انھیں کیا۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔
زاہدہ : آپ کی وائف ــــ ڈاکٹر صاحب سوچ لیں۔ بڑی جگ ہنسائی ہوگی۔
ڈاکٹر : ہونے دیں۔
زاہدہ : آپ کی عزّت ہے شہر میں۔ لوگ آپ کو پوجتے ہیں۔
ڈاکٹر : آئندہ مت پوجیں ــــ مہربانی ان کی۔
زاہدہ : کیا پتہ میں بھی آپ کو وہ خوشی نہ دے سکوں جس کی آپ کو تلاش ہے۔

ڈاکٹر : یہ نہیں ہو سکتا۔
زاہدہ : کیا مطلب ؟
ڈاکٹر : تم مجھے وہ خوشی ضرور دو گی جس کی مجھے تلاش ہے... کیونکہ مجھے صرف تمہاری تلاش رہی ہے ساری عمر...
زاہدہ : سچ ڈاکٹر صاحب....
(محبت سے اس کا ہاتھ پکڑتی ہے۔)

کٹ ______

سین ۲۲
اِن ڈور
رات

(ڈاکٹر محبوب اپنے صوفے پر کمبل لیے بیٹھا ہے۔ اس کے دونوں بازو سر کے پیچھے ہیں۔ شمس دبے پاؤں آتا ہے۔ کافی کی پیالی ساتھ لاتا ہے۔)
شمس : کافی سر
ڈاکٹر : تھینک یو شمس

کٹ ______

سین ۲۳
آؤٹ ڈور
دن

(ڈاکٹر محبوب ائیر ٹریول ایجنسی میں ٹکٹ بنوا رہے ہیں۔ کاؤنٹر کی لڑکی ڈاکٹر صاحب کو دو ٹکٹ پکڑاتی ہے۔)

——— کٹ

سین ۲۴
اِن ڈور
شام

(کالج کا ملاقاتیوں کا کمرہ۔ زاہدہ اس وقت رو رہی ہے۔)

ڈاکٹر : اب کیوں رو رہی ہو زاہدہ۔

زاہدہ : مجھے ڈر لگ رہا ہے ڈاکٹر صاحب . . . بالکل جیسے میں نے ملتان کا سفر اکیلے کیا تھا ویسے۔

ڈاکٹر : لیکن اب تو ہم دونوں اکٹھے ہوں گے ——— رہائی، چھٹی، آزادی ———

زاہدہ : آپ نے اپنی وائف سے کیا کہا ہے۔

ڈاکٹر : کچھ خاص نہیں . . . پہلے ایک کانفرنس ہے میری ویانا میں تین دن کی، پھر میں سرجری میں ایک کورس کرنا چاہتا ہوں لندن میں ——— تین

مہینے لگ جائیں گے اس کورس پر۔

زاہدہ : انہیں کہیں شبہ تو نہیں ہوا؟

ڈاکٹر : شبہ کس بات کا؟

زاہدہ : یہی کہ ہم — یعنی آپ — لندن — شا — دی — کرنے جا رہے ہیں۔

ڈاکٹر : یہ کیسے ممکن ہے۔

زاہدہ : عورتوں کو پتہ چل جاتا ہے ڈاکٹر صاحب۔ ان کی چھٹی حس بڑی تیز ہوتی ہے۔

ڈاکٹر : لگتا ہے تو لگ جائے — پرسوں تو ہم دونوں فلائی کر جائیں گے۔ ان کو بھی چھٹی — ہم کو بھی چھٹی ....

زاہدہ : ماموں کو میں نے خط لکھ دیا تھا لندن۔ وہ ہمیں ائرپورٹ receive کرنے آ جائیں گے۔

ڈاکٹر : اب تو سر درد نہیں ہوتا۔

زاہدہ : بالکل نہیں ....

ڈاکٹر : بائیں آنکھ سے آنسو بھی نہیں نکلتے۔

زاہدہ : (ہنس کر) کسی آنکھ سے بھی نہیں۔

ڈاکٹر : اب میں چلوں زاہدہ۔

زاہدہ : ابھی سے ....

ڈاکٹر : کلینک کو بھی وائینڈ اپ کرنا ہے۔ اشہر کے سپرد کرنا ہے سارا کام — کیا پتہ میں لندن ہی میں رہ جاؤں۔

زاہدہ : سچ؟

ڈاکٹر : وہیں کلینک کھول لوں گا ..... وہیں سیٹل ہو جاؤں گا .....

نئی دھرتی نئی زندگی ۔ ۔ ۔ ۔ نیا موقع ۔ ۔ ۔ ۔ نئی خوشی ۔

زاہدہ : یہ ٹکٹ آپ رکھیں گے ڈاکٹر صاحب ۔

ڈاکٹر : نہیں بھئی اپنا ٹکٹ تم رکھو ۔ ۔ ۔ ۔ کسی نے میرے ساتھ دو ٹکٹ دیکھ لیے تو مشکل ہوگی ۔

زاہدہ : ٹھیک ہے ۔

ڈاکٹر : ایک گھنٹہ پہلے پہنچ جانا ائرپورٹ ـــــ اور بورڈنگ کارڈ لے کر اندر چلی جانا ، احتیاط کے ساتھ ۔ میں بعد میں آکر تمہیں جوائن کر لوں گا ، ڈیپارچر لاؤنج میں ۔ (کھڑے ہوکر) اچھا خدا حافظ ـــــ

زاہدہ : (اٹھتے ہوئے) خدا حافظ !

ـــــــــ کٹ

سین ۲۵

اِن ڈور

رات

(رات کے کوئی گیارہ بج رہے ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب ڈائننگ کم ڈرائنگ روم میں لمبے صوفے پر بیٹھے ہیں اور ان کے سامنے تپائی پر ان کا بریف کیس کھلا رکھا ہے ۔ اس میں کچھ کاغذات ، کچھ دوائیاں اور ان کا لٹریچر اور ایک پیپر بیک کتاب رکھی ہے ۔ عینک ، چھوٹا کیمرہ وغیرہ بھی رکھا جا سکتا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب دونوں ٹانگیں صوفے پر دراز کیے ان پر کمبل

ڈالے آرام کے ساتھ ڈھو لگائے پڑے ہیں۔ ان کے چہرے پر بے چینی کے آثار نمایاں ہیں ـــــ اتنے میں شمس اندر آتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک صوفہ گدی ہے۔ وہ آگے بڑھ کر ڈاکٹر صاحب کی کمر کے پیچھے لگاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب "تھینک یو" کہتے ہیں۔ شمس چلا جاتا ہے اور ڈاکٹر صاحب اسی طرح دیدھا میں رہ جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد شمس پھر آتا ہے اس کے ہاتھ میں کافی کی پیالی ہے۔ وہ قریب آکر کہتا ہے :)

شمس : کافی ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر : تھینک یُو

(شمس بریف کیس والی تپائی ان کے قریب کر دیتا ہے جس پر ڈاکٹر صاحب اپنی کافی کی پیالی رکھ دیتے ہیں۔ شمس کھڑا ہے۔)

شمس : کل صبح کتنے بجے کی فلائیٹ سے جائیں گے سر؟

ڈاکٹر : کل صبح آٹھ بجے شمس۔ لیکن میں تو سات بجے ہی گھر سے روانہ ہو جاؤں گا۔

(شمس ان کے پاس قالین پر بیٹھ کر جیب سے رومال نکالتا ہے اور ڈاکٹر صاحب کے سوفٹ سلیپر صاف کرنے لگتا ہے۔)

ڈاکٹر : رہنے دو شمس۔ میں یہ سلیپر ساتھ نہیں لے جا رہا۔

شمس : کوئی بات نہیں سر ـــــ سلیپر صاف ہی اچھے رہتے ہیں۔

(وقفہ۔ خاموشی)

شمس : ڈاکٹر صاحب آپ لیٹ جائیے تھوڑی دیر کے لیے۔

ڈاکٹر : پتہ نہیں کیا بات ہے شمس۔ میں ہمیشہ سفر سے پہلے تھوڑا اسا نروس ہو جاتا ہوں ....

شمس : جی سر بالکل فطری بات ہے ... پرانے رابطے ٹوٹتے ہیں، نئے بنتے

ہیں۔ دونوں حالات میں کچھ نہ کچھ تکلیف تو ہوتی ہے ڈاکٹر صاحب...

(چپ ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر اس کو حیرت سے دیکھتا ہے۔ دونوں کے کٹ)

شمس : یہ مرد عورت کا رابطہ ڈاکٹر صاحب... یہ ہمیشہ تکلیف کا باعث ہوتا ہے.... تخلیق کا رابطہ جو ہوا.... تخلیق میں درد تو ہوتا ہی ہے.... آپ تو ڈاکٹر ہیں مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔

ڈاکٹر : لیکن —!

شمس : تین رشتے ازلی ابدی ہیں ڈاکٹر صاحب.... خدا کا مرد سے رشتہ.... مرد کا عورت سے رشتہ.... اور عورت کا اپنی تخلیق، بچے سے رشتہ....

ڈاکٹر : آپ اُدھر بیٹھ جائیں شمس پلیز۔

شمس : میں یہیں ٹھیک ہوں سر شکریہ — جس وقت خدا نے مرد کا گیلا پتلا بنا کر اس میں اپنی رُوح پھونکی — اور اس کا نام آدم رکھا تو اسے فرشتوں سے سجدہ کروایا.... خدا کو اپنی تخلیق سے ویسا ہی پیار ہے جیسے مصوّر کو اپنی تصویر سے ہوتا ہے۔ شاعر کو اپنی نظم سے.... گلوکار کو اپنے سُر سے۔ پھر مرد کی پسلی سے عورت نے جنم لیا.... عورت مرد کی تخلیق ٹھہری، اور مرد نے عورت سے ایسے ہی محبت کی جیسے ہر خالق اپنی تخلیق سے کرتا ہے.... جس قدر محبت خدا آدمی سے کرتا ہے، ایسے ہی مرد عورت سے پیار کرتا ہے۔

ڈاکٹر : شمس صاحب آپ کون ہیں....؟

شمس : پھر تیسرا رشتہ پیدا ہوا سر! عورت نے بچے کو جنم دیا اور بچہ اس کی تخلیق بن گیا.... یہ ایک گول چکر ہے ڈاکٹر صاحب۔ خدا.... مرد

.... عورت، بچہ .... لیکن تعاقب کا یہ چکّر ایک ہی طرف گھومتا ہے
.... اُلٹا کبھی نہیں چلتا۔ چلنے لگے تو کائنات بدل جاتی ہے۔ بچّہ ماں کو
پہچان لے تو اس کی عاقبت سنور جاتی ہے۔ عورت مرد کا جزو بن جائے
تو امر ہو جاتی ہے اور مرد خدا کا عرفان حاصل کرلے تو ہمیشہ کے لیے
آزاد ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ عام طور پر ہوتا نہیں .... ہر خالق کی آرزو
ہوتی ہے ڈاکٹر صاحب کہ تخلیق اس کا جزو بن کر رہے .... عورت یہ
برداشت نہیں کرتی کہ کوئی کبھی اس کے اور اس کے بچّے کے درمیان
حائل ہو .... اسی طرح مرد بھی عورت کے لیے بیقرار رہتا ہے۔ وہ اپنی
تخلیق پر کبھی شعر لکھتا ہے کبھی اس کی تصویریں بناتا ہے۔ کبھی اس پر
قبضہ جماتا ہے۔ کبھی قتل ہوتا ہے۔ کبھی قتل کرتا ہے۔ کبھی روزگار کا رسہ
کھینچتے کھینچتے اور مشقّت کے بوکے نکالتے نکالتے جان دے دیتا ہے۔
.... کبھی صرف ایک آہ بھر کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر : تم کون ہو شمس ؟ کون ہو .... ؟ کون ہو تم .... ؟

کٹ ______

سین ۲۶
ان ڈور
رات کا وقت

(مس زاہدہ رفیق کا کمرہ۔ اس وقت وہ اپنا سامان پیک کرنے میں

مشغول ہے۔ اس کا ٹیپ ریکارڈر چل رہا ہے جس پر Carpenter کا یہ گانا لگا ہوا ہے:)

It's going to take sometime, this time......

کٹ ______

سین ۲۷
اِن ڈور
رات

(واپس ڈاکٹر صاحب اور شمس کے پاس :)

شمس : جس طرح مرد عورت سے پیار کرتا ہے ڈاکٹر صاحب اور عورت بچے سے محبت کرتی ہے، ایسے ہی بلکہ اس سے بہت زیادہ اللہ مرد سے پیار کرتا ہے .... اس کو اپنا جزو بنانے کے لیے کبھی رسول بھیجتا ہے، کبھی اس کے نام صحیفے ارسال کرتا ہے .... کبھی اس پر عنایات کی بوچھاڑ کرتا ہے۔ کبھی تکلیفوں کی آنچ دے کر اپنی یاد دلاتا ہے .... وہ چاہتا ہے کہ مرد اس کی اور صرف اس کی طرف متوجہ ہو .... لیکن مرد شاذ ونادر ہی اپنے خالق کی آواز سنتا ہے۔

(ہلکا سا وقفہ)

شمس : بدنصیب بچہ ہے کہ ماں کی گود سے بندھی ہوئی عافیت کو نہیں سمجھتا

.... بدقسمت عورت ہے کہ مرد کے مضبوط کندھوں کا سہارا لے کر آندھی طوفان سے مقابلہ نہیں کرتی .... لیکن ڈاکٹر صاحب سب سے زیادہ، سب سے بڑھ کر ــــ بدقسمت مرد ہے کہ وہ خدا کی ذات سے وابستہ ہونے کے بجائے، ہر قسم کے خوف اور حزن سے آزاد ہونے کے بجائے ہمیشہ عورت کی طرف رجوع کرتا ہے.... اپنے خالق کی بجائے اپنی تخلیق کی طرف لپکتا ہے ــــ لیکن یقین کیجئے ڈاکٹر صاحب ہر تخلیق بے رحم ہوتی ہے.... کسی تصویر کو مصوّر کی پروا نہیں ہوتی.... کوئی غزل اپنے شاعر سے محبت نہیں کرتی.... کوئی حُسن اپنے کری ایٹر کا شکر گزار نہیں ہوتا۔

(اس وقت باہر سپاہی لمبی سی سیٹی بجاتا ہے۔ دونوں خاموشی سے اُسے سنتے ہیں۔)

شمس : جس طرح یہ سیٹی بج رہی ہے سر.... جس طرح یہ سگنل ہے.... جاگتے رہنے کا.... جگائے رکھنے کا.... ایسے ہی مرد کی زندگی میں پینتالیس برس یا حد پچاس برس کی عمر میں ایک سیٹی ضرور بجتی ہے.... ایک گھنٹی کی آواز آتی ہے۔ سنائی دے نہ دے لیکن ایک الارم ضرور بجتا ہے.... انحد باجے روپ میں.... یہ ایک سگنل ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب کہ اب مرد تمام کاج چھوڑ کر.... تمام مصروفیات سے رخصت لے کر .... ہر وارفتگی اور شیفتگی سے منہ موڑ کر اپنے خالق کی طرف توجہ کرے۔ اسے پہچاننے اور اس کی محبت میں ڈوب کر ایک ہو جائے لیکن آپ کو معلوم ہے کیا ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب... جب یہ گھنٹی بجتی ہے اور خدائی محبت کی بارش اوپر سے ہوتی ہے تو مرد اس بارش میں شرابور ہو کر

.... پھر اپنی تخلیق کی طرف بھاگتا ہے .... وہ اللہ کی طرف لوٹنے کے بجائے پھر عورت کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ دوسری شادی کا سامان پیدا کرنے لگتا ہے۔ نیا گھر بسانے کی فکر میں لگ جاتا ہے .... یہ پچاس سے پچپن ساٹھ برس کی عمر بڑی خطرناک ہے ڈاکٹر صاحب .... بیحد خطرناک ....

کٹ ______

سین ۲۸
اِن ڈور
رات

(ڈاکٹر صاحب کی بیوی ڈاکٹر صاحب کا سامان پیک کر رہی ہے۔ ٹیپ ریکارڈر بج رہا ہے۔)

It's going to take sometime, this time.....

کٹ ______

سین ۲۹
اِن ڈور
رات

(ڈاکٹر اور شمس کے پاس واپس :)

ڈاکٹر : آپ کون ہیں شمس صاحب .... اور آپ کہاں کے رہنے والے ہیں اور آپ .... کس طرح .... میرا مطلب ہے ....

شمس : مرد کی ادھیڑ عمر .... اپنے خالق سے وابستگی کی عمر ہے ڈاکٹر صاحب ... تیاری کی عمر ہے .... اگلے سفر کے لیے بورڈنگ کارڈ لینے کی عمر ہے — بڑا فضل ہوتا ہے اس عمر میں .... بڑا خصوصی کرم ہوتا ہے اس عہد میں خالق کا .... اور کسی عمر میں ڈائرکٹ سگنل نہیں بھیجتا اس کا خالق لیکن اس عمر میں ضرور بلاتا ہے اپنی طرف .... اس عمر میں بلاوے کی گھنٹی ضرور بجتی ہے .... لیکن بدقسمتی یہ ہے ڈاکٹر صاحب کہ مرد اس گھنٹی کی آواز نہ سمجھ کر .... اور اس سگنل کا مطلب نہ جان کر .... روح کی آواز کو جسم کی پکار سمجھ لیتا ہے اور عموماً دوسری شادی کر لیتا ہے اور جوان لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ بابا نے اس عمر میں یہ کیا کیا۔ جگ ہنسائی ہوتی ہے نقصان ہوتا ہے۔ منزل کھوٹی ہو جاتی ہے .... مرد کی زندگی کی یہ کٹھن ترین منزل ہے .... خوش قسمت مرد اس سگنل کا مفہوم سمجھ کر اُڑنے والے قالین پر بیٹھ کر بلند ہو جاتا ہے اور حقیقت ناآشنا آدمی اسے دھرتی کی آواز سمجھ کر اپنی لفٹ نیچے لے جاتا ہے .... عورت کو اسی لیے تو دھرتی کہتے ہیں سر .... کہ اس کی جڑیں پاتال میں ہوتی ہیں۔

(ڈاکٹر حیران کھلے منہ سے شمس کو دیکھ رہا ہے۔)

شمس : مرد سنگل بینڈ کا ریڈیو ہے سر۔ اس پر صرف ایک سٹیشن ہی بج سکتا ہے۔ وہ دوسری فریکوئنسی کو کیچ ہی نہیں کرتا۔ اُسے جب بھی محبت کا سگنل ملتا ہے وہ اسے عورت کی محبت کا سگنل ہی سمجھتا ہے .... عورت دھرتی ہے ڈاکٹر صاحب۔ اس کا سب کچھ یہاں ہے .... سب کچھ اِدھر اُدھر بکھرا ہوا ہے۔ کیونکہ اس کا بچہ یہاں ہے ——

(ڈاکٹر صوفے سے اُٹھ کر شمس کے پاس بیٹھتا ہے اور اس کے کندھے پر
دونوں ہاتھ رکھ کر کہتا ہے :)

ڈاکٹر : تم یہ سب کچھ کیوں کہہ رہے ہو شمس ؟ کس سے کہہ رہے ہو ؟

شمس : پچاس پچپن کی عمر کے بعد عورت دھرتی زمین اور عورت کی اولاد، خدا اور
مرد کے درمیانی فاصلے کا نام ہے .... اس ایک فاصلے سے اور کئی فاصلے
جنم لیتے ہیں۔ ری ایمپلائمنٹ کا فاصلہ، مربعے آباد کرنے کا فاصلہ،
دھرتی سے چھٹنے کا فاصلہ۔ خالق بلاتا رہتا ہے اور فاصلے بڑھتے رہتے ہیں۔
اس عمر میں عورت آسمان پر چڑھنے والے غبارے کو زمین پر اُتار کر اسے
اپنی دھوپ چھتری بنا کر لان میں نصب کر لیتی ہے .... پھر اس کے
سائے تلے بیٹھ کر وہ اپنے بچّوں کے لیے سویٹر بنتی ہے اور اس کے بچّے
اس دھوپ چھتری کے ڈنڈے میں ہاتھ ڈال کر چکر پھیریاں لیتے ہیں۔
.... اور مرد آفاقی سگنل کا پیغام نہیں سمجھتا .... بچّوں کی پرورش کا فاصلہ
اور یہ فاصلہ مرد کے لیے عارف مولا کے لیے موت سے بھی بدتر ثابت ہوتا
ہے پھر وہ ایک کاغذی وجود بن جاتا ہے جس میں حرکت ضرور ہوتی ہے
لیکن روح نہیں رہتی —— مور کا فی سر ؟

ڈاکٹر : (چونک کر) ہوں — نو تھینک یو —

(شمس اُٹھ کر اسی آہستگی اور گریس سے چلا جاتا ہے، جس طرح وہ چلا کرتا
ہے۔ ڈاکٹر صاحب پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ حیران و پریشان بیٹھے ہیں
اور ان کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا۔)

سین ۳۰
اِن ڈور
علی الصبح

(صبح کے وقت مُرغ کی اذان۔ ڈاکٹر صاحب اسی طرح صوفے پر بیٹھے ہیں اور ان کی کافی کی پیالی اسی طرح رکھی ہے اور ساری رات گزر چکی ہے۔ رضیہ بیگم بچّے کو گود میں اُٹھائے اور فیڈر ہاتھ میں لئے داخل ہوتی ہیں۔)

رضیہ : ہائے میرے اللہ ڈاکٹر صاحب آپ سوئے نہیں۔

ڈاکٹر : نہیں

رضیہ : کیوں کیا بات ہے۔

ڈاکٹر : کچھ نہیں

رضیہ : سات بج رہے ہیں اور آپ کو جانا بھی ہے۔ اور ناشتہ بھی ابھی تک نہیں لگا۔ رحمان۔ رحمان گل ۔۔۔۔ رحمان ـــ کدھر دفع ہو گئے آج سب۔

رحمان : جی بیگم صاحب

رضیہ : ابھی ابھی تک ناشتہ نہیں لگا۔ دیکھو وہ کیا کر رہا ہے شمس باورچی خانے میں ـــ

رحمان : جی بہت اچھا

رضیہ : آپ نے حد کر دی ڈاکٹر صاحب۔ ساری رات یہیں گزار دی۔

ڈاکٹر : میں کچھ کاغذات وغیرہ دیکھتا رہا، اپنے پیپر چھانٹتا رہا، جو کسی زمانے میں لکھے تھے۔

رضیہ : لیکن اتنا لمبا سفر اور آپ جاگتے رہے ساری رات ـــ

ڈاکٹر : میں جہاز میں نیند پوری کرلوں گا۔ وہاں اور کوئی کام تو ہوتا نہیں۔ پھر مجھے جہاز میں نیند بھی بہت اچھی آتی ہے۔

رحمان : وہاں تو نہیں ہے جی شمس۔

رضیہ : تو اسے اس کے کواٹر میں دیکھو۔

رحمان : کواٹر میں بھی نہیں ہے بیگم صاحب۔ میں دیکھ آیا ہوں۔

رضیہ : تو اس کو ادھر دیکھو ۔ ۔ ۔ ۔ وہ کیا نام ۔ ۔ ۔ ۔

رحمان : کواٹر میں نہ اس کا بستر ہے نہ ٹرنک۔ بس خالی چارپائی پڑی ہے۔

رضیہ : ہائے میرے اللہ ۔ ۔ ۔ ۔ بھاگ گیا۔ دیکھا ڈاکٹر صاحب میں نہ کہتی تھی کہ مجھے مشکوک آدمی دکھائی دیتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اطہر — اطہر — اِدھر آؤ تم میرے ساتھ ۔ ۔ ۔ ۔ لبنیٰ، اشہر جلدی باہر آؤ ۔ ۔ ۔ شمس بھاگ گیا ۔ ۔ ۔ ۔ دیکھو اپنی اپنی چیزیں ساری۔

(رحمان گل کو ساتھ لے کر اس کا کوارٹر دیکھنے چلی جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب بڑے سبھاؤ کے ساتھ خاموش ایک ہی ٹکٹکی باندھے بیٹھے ہیں۔ اتنے میں اطہر ایک طرف سے اور لبنیٰ اور اشہر دوسری طرف سے ہڑبڑائے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔)

لبنیٰ : کیا ہوا ابو۔ کیا ہوا۔

ڈاکٹر : کچھ نہیں۔ شمس چلا گیا۔

اطہر : بھاگ گیا؟

اشہر : کسی کو بتائے بغیر؟

اطہر : ایسے گیا ہے تو بتائے بغیر ہی گیا ہوگا۔

اشہر : تم اپنا جیولری بکس تو دیکھو جا کر جلدی سے۔ (لبنیٰ بھاگ کر اندر جاتی ہے)

ابو آپ نے اپنا کیش دیکھ لیا ہے۔ ڈالرز اور ٹریولر چیکس وغیرہ۔

ڈاکٹر : میرا سب کچھ تو اس بریف کیس میں موجود ہے۔

اشہر : میرے پاس کلب کا کچھ کیش تھا۔

(بھاگ کر اپنے کمرے میں جاتا ہے۔ دوسری طرف سے رضیہ بیگم داخل ہوتی ہیں۔)

رضیہ : بالکل صفاچٹ۔ سب خالی۔ کوارٹر میں صرف ایک چارپائی۔ بھاگ گیا ہے کمبخت۔

لبنیٰ : (داخل ہو کر) تھینک گاڈ۔ میری جیولری تو صحیح سلامت ہے... آپ نے اپنی الماری دیکھ لی امی۔

رضیہ : میری الماری پر تو خدا کا فضل ہے۔ کل ہی رکھوایا تھا میں نے اپنا سب کچھ لاکر میں کہ ڈاکٹر صاحب جا رہے ہیں مجھے ان چیزوں کی کیا ضرورت۔

اطہر : کیوں بھئی اشہر؟

اشہر : (جو فیلڈ میں داخل ہو رہا ہے) مجھے تو ٹھیک ہی لگتے ہیں۔ دو سو اکسٹھ روپے۔ شاید اتنے ہی تھے۔

رضیہ : میں آپ سے کہتی نہیں تھی ڈاکٹر صاحب کہ یہ منحوس گھنّا مجھے زہر لگتا ہے۔ کافی سر — تھینک یو سر — نو سر — یس سر — کیا مجال جو اس کے سوا ایک لفظ بھی نکالا ہو اس نے اپنی زبان سے۔

اطہر : کچھ مکّار سا لگتا تھا شکل سے۔ اسی لیے خاموش رہتا تھا کہ...

اشہر : کہیں میری حماقت کا بھید نہ کھل جائے۔

لبنیٰ : لیکن یہ اس نے کیا کیا ابو۔

رضیہ : جو اس نے کیا ہے اس کا پتہ ہم کو آہستہ آہستہ چلے گا۔ بعد میں — اب تو سب نے اپنی موٹی موٹی چیزیں دیکھ لی ہیں ناں اور خوش ہو گئے ہیں۔ لیکن جب ذرا وقت گزرا تب احساس ہو گا کہ ہمارا کس قدر نقصان کر

گیا ہے ایک ایک کا .... ڈاکٹر صاحب یہ آپ کو مل کہاں گیا تھا۔

ڈاکٹر : ایسے ہی ایک دن کلینک پر آگیا تھا بغیر کسی تعارف سفارش کے۔ کہنے لگا مجھے نوکر رکھ لیجیے۔ میں بہت اچھا خانساماں ہوں — میں نے رکھ لیا۔

رضیہ : تم ایک مرتبہ جاکر پھر اپنی اپنی چیزیں دیکھو — ایسی مُسمسی شکل والے بڑے طریقے سے واردات کیا کرتے ہیں۔ اور لبنیٰ تم ابّو کے لیے ناشتے کا بندوبست کرو — ان کی فلائیٹ میں صرف ایک گھنٹہ رہ گیا ہے۔

ڈاکٹر : میں نے جانے کا ارادہ ترک کر دیا ہے رضیہ بیگم۔

رضیہ : کیا!

لبنیٰ : کیوں ابّو!

اشہر : کیا ابّو!

ڈاکٹر : بس ایسے ہی... کوئی خاص بات نہیں۔ اب اس عمر میں ایک اور ڈپلومہ لے کر کیا کروں گا۔

رضیہ : (خوش ہو کر) اچھا ڈاکٹر صاحب چلئے وہ تو ٹھیک ہے — لیکن آپ اس کمبخت کا بھی کچھ پتہ کرائیں شمسو کا — مجھے تو سو فیصد یقین ہے کہ او کسی کا ہو نہ ہو میرا ضرور نقصان کر گیا ہے کمبخت۔ دیکھو بھاگا کیسے آدھی رات کو.... ڈاکٹر صاحب آپ تو جاگ رہے تھے....

(فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب جلدی سے اُٹھتے ہیں اور فون کے پاس جاکر چونگا اٹھا کر ڈسکنکٹ کرتے ہیں اور پھر چونگا میز پر رکھ دیتے ہیں۔ گھر کے سب لوگ حیران پریشان خاموش کھڑے ہیں۔ فضا میں بڑی حیرت، کشیدگی اور خاموشی ہے۔)

مائی اور کمائی

کردار:

مائی شاناں	:	عمر پچاس کے لگ بھگ۔ اعتبار کرنے والی عورت
مستری صادق	:	نیک دل انسان
عظمت باجی	:	ٹھسّے دار عورت
ریاض	:	عظمت کا بڑا بھائی
شہلا	:	عظمت کی جواں سال بیٹی
مالک	:	آٹا پیسنے کی مشین کا مالک
سلطان	:	نوجوان آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی
شیخ صاحب	:	امیر افسر
جاوید	:	دس بارہ برس کا لڑکا
محی الدین	:	نوجوان ڈاکیہ
بوڑھا ڈاکیہ	:	عمر پچاس کے لگ بھگ
		اور چند دوسرے ڈاکیے

سین ا
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(ٹیلپ گزرنے کے بعد ایک خود رو جنگلی جھاڑی کے پھول یا ٹہنی کا کلوز اپ۔
پس منظر میں سب کچھ آؤٹ آف فوکس ہے۔ جب پس منظر ان فوکس ہوتا ہے۔
تو پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک قبرستان ہے۔ اور اس کے بیچوں بیچ سر پر مٹی کا بٹھل
اٹھائے "مائی شاناں" جا رہی ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں رنبہ ہے اور وہ
قبروں کے اندر ادب ملحوظ رکھتی ہوئی چکر کاٹ کر جا رہی ہے۔
"مائی شاناں" ایک قبر کے پاس جا کر رُکتی ہے جو ایک طرف سے اندر کو
دھنس گئی ہے اور جس کے بغلی حصے میں ایک گڑھا سا ہے گویا اس کے اندر
برسات کا پانی جا سکتا ہے۔
مائی اس کے قریب بٹھل سر سے اُتار کر رکھتی ہے۔ اور رنبے کے ساتھ مٹی
موگھے پر ڈال ڈال کر اسے کوٹتی ہے اور اسے بند کرتی ہے لیکن اس کے چہرے
سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس سارے کام سے مطمئن نہیں ہے۔
مٹی جا کر اور خالی بٹھل سر پر رکھ کر اور رنبہ اسی طرح ہاتھ میں لیے
مائی شاناں واپس جاتی ہے۔ پھر چار قدم چل کر پلٹ کر قبر کو دیکھتی ہے۔
ذرا رکتی ہے اور واپس قبر پر آ کر رنبے کے ساتھ نئی ڈالی ہوئی مٹی کو پھر
زور سے جمانے لگتی ہے۔)

ڈزالو

سین ۲
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(اُونچی پاڑ پر چڑھا مستری صادق کانڈی کے ساتھ سیمنٹ لگا کر اسے رنبہ کی طرح تھپتھپاتا ہے۔ پھر اس پر اینٹ رکھ کر ردا جماتا ہے۔ پھر اپنا ہاتھ روک کر سر نیچے کو جُھکاتا ہے اور پاڑ کی جُھریوں میں سے دیکھ کر زور سے پُکارتا ہے۔)

مستری صادق : ہمیں بتادے مائی شاناں کیا کام ہے ؟

مائی شاناں : (جو دھیہ سا نیچے کھڑی ہے) ایک منٹ نیچے کو آجا میرے بیٹے۔

مستری : غلام محمد کی قبر ہی پکّی کروانی ہے۔ وہی کام ہے نا تیرے کو۔

شاناں : (دھیمی آواز میں) ہاں ۔

مستری : تیرے کو بتایا تو تھا اماں کہ کر دُوں گا۔ آج کل کام بہت ہے۔ سارے لوگ باہر چلے گئے ہیں کویت، بحرین۔ ہم پر بوجھا پڑ گیا ہے زیادہ —— تُو فکر نہ کر۔

شاناں : (نارمل مدھم آواز میں) فکر کیسے نہ کروں بیٹا۔ اس بارش میں سارا پانی گیا اندر قبر کے۔

مستری : (زور سے) تُو ایسے کر اماں سو روپے پکڑ لا کہیں سے مسالے کے واسطے۔ دہاڑی میں لگا دوں گا مُفت ۔

شاناں : (مدھم آواز) سو روپے میں کہاں سے لاؤں سوہنیا۔

مستری : (زور سے) اور جو نہیں مل سکے نا سو روپے تو فکر نہ کریو۔ اب بارشیں نہیں ہوں گی اور ——

شاناں : (نارمل آواز دے کر) تو نیچے اُتر کر میری بات تو سن لے بھائی۔

مستری : بات میں تیری سُن کے کیا کر لوں گا۔ تو ایک نوٹ پکڑ لا سرخ رنگ کا کسی سے۔ مانگ تانگ کے۔

دوسرا مستری : یہ ہے کون اُستاد۔

مستری : کملی رملی سی ہے بیچاری۔ چھوٹے قبرستان کی جھگی میں بیٹھی ہے۔ پانچ بیٹے دفنا کے۔

دوسرا : پانچ بیٹے۔

مستری : جوان تھے سارے۔ سال سال ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو سال کے فاصلے سے فوت ہو گئے۔

دوسرا : حاکم کا حکم بابا۔ کون بول سکتا ہے۔

مستری : سب سے بڑے کی قبر دھنس گئی ہے کروٹ سے۔ پانی مار کرتا ہے۔ اور یہ کہتی ہے مجھے پکی کر دے میرے گامے کی قبر۔ (پھر زور سے آواز دے کر) تو چل گھر اماں۔ میں شام کو آؤں گا تیری جھگی کنے۔ پر سو سے کم نہیں لگیں گے۔

دوسرا مستری : سو روپے میں کیسے کام ہو گا اُستاد۔

مستری : ایک بوری سیمنٹ میرے پاس رکھی ہے۔ کنستر دو کنستر بجری ٹھیکیدار دے دے گا اللہ واسطے کچھ پکی ٹوٹی اینٹ لگا دیں گے مانگ کے۔ بڑھیا کا کام بن جائے گا۔ دکھیا کا۔

(نیچے مائی شاناں اپنی اوڑھنی پر سے گارے اور پانی کی بوندیں جھٹکتی اور کنپٹی کے پاس سے سیمنٹ کی ایک چھوٹی سی پھٹکی اُتارتی اور اس کو مسل مسل کر قریب سے دیکھتی چلی جاتی ہے۔)

کٹ ———

سین ۳
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(ماڈل ٹاؤن جیسی کھلی کوٹھی کا پچھلا برآمدہ۔ اس وقت دوپہر کی دھوپ برآمدے میں آ رہی ہے۔ بی بی عظمت تخت پوش پر بیٹھی ہے۔ یہ ٹھسے دار خاتون ہے۔ ان کے میاں تاجر پیشہ ہیں اور ان کو دنیاوی معاملات پر بڑی دسترس ہے۔ عظمت اپنے طرز کی بہت دیندار عورت ہیں۔ ان کے پاس ہی ان کا بھائی ریاض بیٹھا ہے۔ جو عمر میں ان سے بڑا ضرور ہے لیکن رُتبے میں ان سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے ان کو بڑی عزت سے مخاطب کرتا ہے۔ عظمت مالٹے چھیل رہی ہے اور ریاض قدرے کم بے تکلفی سے کھا رہا ہے۔ شہلا دو ایک بار ان کے پاس سے گزرتی ہے۔)

ریاض : آرام سے رات کو گاڑی پر سوار ہوں گے صبح سویرے ملتان جا پہنچیں گے۔ خواہ مخواہ ہوائی جہاز پر جانے کی کیا ضرورت ہے؟

عظمت : ہے ناں ضرورت۔ آ گئے ہیں کار پر لینے آئے ہوں گے۔ ائرپورٹ پر ریسیو کرنے آنا اور بات ہے ریلوے سٹیشن پر ہما شما میں ڈھونڈتے پھرنا اور بات ہے۔

ریاض : میرا خیال تھا ابھی کونسی بات پکی ہوئی ہے صرف لڑکا دیکھنے جانا ہے۔ زیادہ خرچ سے فائدہ بی بی۔

عظمت : خرچ تو ہوتا ہے ریاض بھائی۔ جیسے فلاش میں شو کرانی پڑتی ہے، ایسے دوسروں کو اپنی ساکھ کی شو کرانی پڑتی ہے۔ اعتماد حاصل کرنے کے لیے

خرچ کرنا پڑتا ہے۔

(شہلا بالٹی اٹھا کر گزرتی ہے۔)

ریاض : شہلا بیٹی ایک گلاس پانی۔

شہلا : لائی ماموں جان۔

ریاض : میں تو سمجھتا ہوں سر دست نہ مٹھائی کی ضرورت ہے نہ اور لوازمات کی۔
تم اور میں سیدھے سیدھے رات کو چلیں گاڑی سے۔

(عظمت ناخوش ہو کر ماتھے پر ہاتھ دھرتی ہے۔)

اچھا اچھا تم مالک صاحب سے مشورہ کر لو۔

عظمت : ان کو کیا دلچسپی گھریلو معاملات سے۔ ساری عمر جو جو مجھ پر گزری کبھی انہوں نے مشورہ دیا؟ وہ جانے اور ان کی بزنس۔ وہ تو اتنا کہہ کر جان چھڑا لیں گے جیسی تمہاری مرضی میں دخل نہیں دیتا۔

(شہلا پانی لاتی ہے۔)

ریاض : (ڈرتے ہوئے) ہاں تو بس طے ہو گیا ناں اب۔

عظمت : پہلی بار جانا ہے لڑکے والوں کے گھر۔ خالی ہاتھ جا اتریں؟ کتنی مٹھائی ہو؟ کتنا پھل ہو؟ منڈی سے منگوائیں کہ آپ خریدیں گے ——
صرف لڈو ہوں کہ بالو شاہی بھی ہو؟ کیا طے ہوا ہے؟ خاک!

ریاض : (اور بھی ڈر کر) ابھی کیا ضرورت ہے۔ کچھ فیصلہ ہو جائے تو پھر....

عظمت : یہ بے اعتمادی کا زمانہ ہے ریاض بھائی۔ بے یقینی کا۔ اب کوئی پچھلے طریقے تھوڑی رہ گئے ہیں اعتماد والے کہ یہ سیدوں کا گھرانہ ہے۔ وہ جاٹوں کا خاندان ہے۔ یہ پٹھانوں کا قبیلہ ہے۔ اب تو بھانت بھانت کے پنچھی آ کر بس گئے ہیں۔ کھچڑی پک گئی ہے۔ اب تو رقم لگا کر اگلے آدمی کے

ہاتھ کے پتے دیکھنے پڑتے ہیں۔ پیسے پھینک کر شو کرانی پڑتی ہے۔

شہلا : (آکر) امی جی۔ آپ کا گرے سویٹر بھی دھونا ہے۔

عظمت : نہیں بھئی وہ ڈرائی کلینر کے پاس جائے گا۔ فارن اُون ہے۔ جُڑ جائے گی صابن سے۔

شہلا : اچھا جی۔

(چلی جاتی ہے۔)

عظمت : آپ کا جی چاہتا ہے کہ ہر شخص دوسرے پر یقین کرے۔ یعنی جو بات آپ کہیں میں مان لوں۔ جو میں کہوں آپ سمجھیں سچی ہے۔ کمال ہے۔ زمانہ کدھر جا رہا ہے۔ آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ توکل کا زمانہ گیا ریاض بھائی۔ اب تو مشتری ہشیار باش!

ریاض : آخر شادی بھی تو اعتماد پر ہی کریں گے؟

عظمت : ٹھیک ہے۔ پہلے پوری طرح چھان پھٹک لیں گے پھر لڑکی دیں گے۔ لیکن شروع تو بے اعتمادی سے ہی کریں گے مشتری ہشیار باش۔ وہ، ہم پر بے اعتمادی رکھیں گے ہم اُن کو ناقابل اعتبار سمجھیں گے۔ یہ بغیر وجہ کے لٹو ہو جانا صرف آپ کے خاندان میں چلتا ہے اور دیکھ لیں کیا نتیجہ نکلا ہے۔ آپ اپنی زندگی دیکھ لیں پچیس سال پہلے آپ کے پاس سائیکل تھی اب موٹر سائیکل ہے۔ فرق کیا پڑا؟

(اس وقت مائی شاناں کچھ دیوانی کچھ حاضر کچھ غائب داخل ہوتی ہے۔)

ریاض : تو اچھا اب یہ طے ہوا کہ ہوائی جہاز سے چلیں گے۔

عظمت : ہوائی جہاز سے تو اس صورت میں چلیں گے اگر آپ بوبی واچ کمپنی والوں سے اچھی طرح پتہ کر لیں کہ لڑکا کیسا ہے گھرانہ کیسا ہے؟ لوگ

کیسے ہیں ؟

ریاض : ان سے تو میں مل چکا ہوں عظمت ۔

عظمت : آؤ مائی شاناں ۔ اچھا ابھی بات کرتے ہیں۔

(آواز دے کر)

شہلا پیڑھی لا مائی شاناں کے لیے۔

شاناں : سلام علیکم بی بی جی ۔ سلام علیکم میاں جی۔

عظمت : اچھی ہو۔ ٹھیک ہو شاناں ۔ سردی آگئی ہے اچانک ؟

(شہلا پیڑھی لاتی ہے۔)

شاناں : پیڑھی کیا کرنی ہے بی بی ۔

(زمین پر بیٹھتے ہوئے)

فرش ہی تخت ہزارہ ہے ۔ (فرش پر ہاتھ پھیرتی ہے)

عظمت : بیٹھ جا ۔ بیٹھ جا شاناں ۔ ہر وقت قبروں کے ساتھ نہ جڑی رہا کر کبھی زندوں میں بھی بیٹھا کر ۔ بیٹھ جا پیڑھی پر ۔

(مالٹا دے کر)

لے مالٹا کھا ۔

شاناں : گامے کی قبر میں پانی چلا جاتا ہے مینہ کا ۔ بیٹھ گئی ہے بی بی ایک طرف سے۔

عظمت : ہائے ہائے ۔ اس دفعہ بارشیں ہی کچھ زیادہ ہوئیں تھیں ۔ زکوٰۃ مل گئی تھی؟

شاناں : دے آیا تھا جی ۔ دے آیا تھا غفورا ۔ اللہ سلامت رکھے ۔ نین پران چلتے رہیں ۔ اللہ واد ھے پیارے ۔ میاں جی کے حکم قیم !

عظمت : تو خود آ کر لے جایا کر ناں مائی شاناں ہمیں آدمی بھیجنا پڑتا ہے ۔ مالک صاحب ناراض ہوتے ہیں کہ لین دین پاک رکھو ۔

شاناں : اک عرض تھی بی بی غریب نمانی کی۔

عظمت : تو بھائی ریاض یہ بات بھی معلوم کر لیں کہ وہ اصلی سیّد بھی ہیں کہ بس.... ایسے ہی انہوں نے.... اپنی.....

شاناں : مستری سو روپے مانگتا ہے قبر پکّی کرنے کے۔ جو آپ مجھے اکٹھے دیدیں تو بیس مہینے زکوٰۃ نہ دیں بلاشک۔

عظمت : ہم تاجر پیشہ لوگوں کے پاس اکٹھی رقم کہاں شاناں۔ سب بزنس میں لگے ہوتے ہیں پیسے۔ خدا جانتا ہے ربڑ کی چپل لینے جوگے تو پیسے نہیں بچتے۔ وضو کرنے میں اتنی تکلیف ہوتی ہے۔

شاناں : اچھا جی میں چلتی ہوں۔ یا چھڑا آگئی تو پانی پھر مار کرے گا۔ گامے کو تکلیف ہوگی۔ سیدھا ہے بچارا۔

عظمت : کھانا کھا کر جاتی۔ شب دیگ پک رہی ہے۔

شاناں : اچھا جی۔ سلام علیکم بی بی جی۔

(جاتی ہے۔)

عظمت : بے چاری کا دماغ چل گیا ہے ریاض بھائی۔ پانچ جوان بیٹے ختم ہو گئے آنکھوں کے سامنے۔ ہائے ہائے۔ توبہ! توبہ!!

ریاض : وہ لوگ سیّد ہیں۔ لڑکا انجینئر بھی ہے اور زمینیں بھی ہیں اس کے اپنے نام۔ یہ سب میں خود پتہ کر چکا ہوں۔

عظمت : پھر بھی ریاض بھائی —— بھروسے کا زمانہ نہیں۔ اپنوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ غیر تو پھر غیر ہیں۔ شہلا۔ شہلا۔

(شہلا آتی ہے۔)

دیکھ شاناں دُور تو نہیں نکل گئی۔ جُوتے دیدے میرے اس کو۔

شہلا : کونسے جُوتے امّی ۔

عظمت : وہ میرے سفید سینڈل ۔

شہلا : وہ کیا کرے گی اُونچی ایڑی کے سینڈل ۔

عظمت : ہم کو کیا وہ کیا کرے گی ۔کٹوالے گی ایڑی جا دیکھ تو سہی ۔جی اُکتا گیا ہے میرا اس سینڈل سے ۔ دیکھ بھاگ کے ۔چلی نہ گئی ہو ۔سردیوں میں ننگے پیر پھرتی ہے ...... بدنصیب ۔

(شہلا بھاگ کر جاتی ہے ۔کیمرہ اس کا تعاقب کرتا ہے ۔)

کٹ

سین ۴

ان ڈور

دن کا وقت

(آٹا پیسنے کی چکی کا دفتر ۔پرانی وضع کی میز کرُسی ۔ساتھ بنچ ۔سامنے تولنے والا تکڑ ۔مالک فون پر بات کر رہا ہے ۔اندر سے آٹے میں اٹا ہوا مشین مین نکلتا ہے ۔باہر آکر دیکھتا ہے کہ مالک فون پر گفتگو کر رہا ہے ۔ واپس اندر چلا جاتا ہے ۔اس کے پیچھے دو مزدور کمر پر فُل بوریاں اٹھائے اندر کی طرف جاتے ہیں ۔مالک ہاتھ کے اشارے سے روکتا ہے ۔ دونوں رک جاتے ہیں اور بوجھ تلے رکے رہتے ہیں ۔)

مالک : (فون پر گفتگو پروڈیوسر اپنی سہولت کے مطابق بانٹ لے) ہو ہی نہیں سکا

جناب ۔ طے ہی نہیں پایا آج تک ۔ جی جناب ! بندہ نواز ! مہربان ! نہ نہ
جناب عالی ۔ حضور والا اس میں بے اعتمادی یا بے اعتباری کی کیا بات ہے ۔
یہ تو ایک اصولی بات ہے اور اصول پر نہ ہم سمجھوتہ کرتے ہیں نہ یہ پسند کرتے
ہیں کہ کوئی اور کرے ۔ بھروسہ ہے مولا کا ..... میرے بادشاہ بھروسہ ہے
اور پورا ہے ۔ بھروسہ نہ ہو تو ایک منٹ بھی اس دنیا کا کاروبار نہ چلے سب
کٹ کھٹا گھُپ ٹھپا ہو جائے ۔ ایک منٹ معاف کرنا جی ۔

(چونگے پر ہاتھ رکھ کر بوریاں اُٹھائے ہوئے مزدوروں سے)

کدھر سے آ رہی ہیں یہ بوریاں ۔

مزدور ۱ : شریف آڑھتی کی جی ۔

مالک : پیسے لائے ہو ساتھ —— پسوائی ۔

مزدور ۲ : نہیں جی

مالک : کوئی پرچی ، رُقعہ ۔

مزدور ۱ : اس نے کہا تھا میاں جی کہ میں ٹیلی فون کر دوں گا شیخ صاحب کو ۔

مالک : (ہاتھ کا اشارہ کر کے) واپس ! واپس !

(پھر اسی طرح اشارہ کئے جاتا ہے جب تک مزدور واپس پلٹتے ہیں اور
چونگے سے ہاتھ اُٹھا کر باتیں شروع کر دیتا ہے ۔)

معاف کرنا جی مال آگیا تھا شریف آڑھتیے کا ۔ کون جی ؟ نہ نہ مہربان !
کرم فرما ! صاحب من ! ہو ہی نہیں سکتا ۔ شریف ہو چاہے کوئی ہو ۔ یہ
تو اصول کی بات ہے ۔ جی جی —— جی جی —— آپ ایسے کریں دو سو
بوری خالی بھیج دیں اور بعد میں مال اُٹھا لیں ۔ نہیں جی نہیں ۔ اعتبار
کی بات نہیں اصول کی بات ہے ۔ جی جی مجھے یقین ہے سو فیصد کہ آپ

بوریاں بھجوادیں گے اس گاڑی بان کے ہاتھ۔ آج ہی بھجوادیں گے لیکن
میں مجبور ہوں بندہ نواز پہلے آپ خالی باردانہ بھجوادیجیے پھر مال اُٹھا
لیجیے۔ اسلام علیکم ورحمتہ اللہ۔

(ٹھپ کرکے فون بند کرتا ہے اور بنچ کی طرف مُنہ کرکے کہتا ہے)

ہاں مائی شاناں کیا حکم ہے؟

(کیمرہ ٹریک بیک کرتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ بنچ کے ایک کونے پر مائی شاناں
بیٹھی ہے۔ وہ شیخ صاحب کا جملہ سُن کر بھی اسی طرح خاموش رہتی ہے۔)

مالک : کیا بات ہے مائی وڈھی!

مائی : ایک سو روپے کا سوال ہے سخیا۔

(مالک معنی خیز نظروں سے طنزیہ مُسکراہٹ کے ساتھ مائی کو دیکھتا ہے۔
دل میں پورے سات سیکنڈ گننے کے بعد کہتا ہے)

مالک : سو روپیہ!

مائی : گامے کی قبر پکّی کرانی ہے۔

مالک : تیرے بیٹے کی۔

مائی : جو سب سے بڑا تھا ناں، اس کی۔ پانی جانے لگا ہے اندر سخیا۔

مالک : مُردے کو کیا مائی چاہے پانی جائے چاہے آبِ حیات؟

مائی : کوڑا کرکٹ بھی اندر چلا جاتا ہے۔ ناپاک!

مالک : (ہنس کر) کچھ نہیں ہوتا اماں کوڑے کرکٹ سے۔ مُردہ تو خود کوڑا ہوتا ہے۔

مائی : نہ نہ سخیا۔ کوڑا نہیں وہ تو گاماں ہے۔ شاہو کرماں والے کا۔

مالک : قبریں پکّی نہیں بنواتے اماں، گناہ ہوتا ہے۔

مائی : قرض دے دے سخیا ثواب ہو گا۔ میرا فائدہ ہو جائے گا تجھے ثواب ہو جائے گا۔

مالک : نہ مائی نہ۔ کیوں مجھے عذاب دلواتی ہے۔ میں دیکھ آیا ہوں جنت البقیع جا کر۔ سب قبریں کچی ہیں۔

مائی : کہاں قبریں کچّی ہیں ملّا۔

مالک : مدینے شریف میں اماں شاناں۔ جنّت البقیع میں۔ سب قبریں کچی ہیں۔

مائی : (ہنس کر) لے ان کو کیا پرواہے بادشاہزادوں کو۔ پیروں کو۔ پکّے کام کی تو ہنچوں کو ضرورت ہوتی ہے سخیا۔ کمینوں کو۔ ان کو کیا پروا اللہ لوگوں ولیوں کو۔

مالک : تُو کیوں بیچ ہوتی ہے امّاں۔ خواہ مخواہ۔ شرع شریف کا حکم نہیں ہے پکّی قبر بنوانے کا چاہے پُوچھ لے جا کر کسی مولوی سے۔

مائی : نہ بیبا میں کونسی سب کی قبریں پکّی کراؤں گی۔ وہ تو ٹھیک ہیں باقی چاروں۔ ان کی قبریں تو اُونچی ہیں۔ ٹھیک ہیں ماشا اللہ۔ گاموں کی بیٹھ گئی ہے ایک طرف سے۔ اُس کے لیے سو روپے کا سوال ہے۔

مالک : قبر پکّی کرنے کے لئے تو میں ایک پیسہ بھی نہیں دوں گا۔

مائی : تُو نے تو مجھے دینا ہے سخیا۔ خیر خیرات۔

مالک : خیرات بھی دیکھ کر دی جاتی ہے امّاں شاناں۔ نشہ کرنے والوں اور جواریوں اور چوروں۔ اور کیا نام —— بدعت کرنے والوں کو نہیں دی جا سکتی۔ حکم نہیں ہے اس بات کا۔

مائی : میں تیرے واپس کر دوں گی ایک ایک کر کے۔

مالک : واپس بے واپس کا سوال نہیں ہے امّاں یہ اصول کی بات ہے۔ سو روپوں سے میں کوئی مر نہیں جاؤں گا لیکن میں اپنا اصُول نہیں توڑ سکتا۔ میں نے تو کہہ دیا ہے اپنی اولاد کو کہ خبردار جو میری قبر کو پکّا کیا۔ یا اس پر کتبہ لکھوایا۔

جب آدمی ہی نہ رہا۔ رُوح ہی نہ رہی تو خالی بُت کو کیا سنوارنا۔

مائی : (اُٹھتے ہوئے جیسے اپنے آپ سے) وہ بیٹھ گئی ہے نا ایک طرف سے.... تو پانی چلا جاتا ہے اس کے اندر۔ وقت بے وقت۔ للّے میو کا بیٹا ہے نا صادق مستری (اُٹھ کر چلنے لگتی ہے) وہ سو روپے میں سارا کام کردے گا جینے جوگا۔ گامے کو تکلیف ہوتی ہے سخیا۔ (اسی طرح اسی بے خیالی کے انداز میں فیلڈ سے باہر چلی جاتی ہے اور مالک بڑی طنزیہ مُسکراہٹ کے ساتھ سر جھٹک کر کلوز اپ میں کہتا ہے "جھلّی")

—————— کٹ

سین ۵
آؤٹ ڈور
صبح کا وقت

(بڑی کوٹھی کے پورچ کا منظر۔ اس وقت شیخ صاحب کار کا دروازہ کھولے کھڑے ہیں پاس ہی موٹر سائیکل کھڑی کیے ہوئے سلطان صاحب کھڑے ہیں۔ یوں محسوس ہو جیسے شیخ صاحب باہر جانے والے ہیں۔ شیخ صاحب جوائنٹ سیکرٹری کے لیول کے آدمی ہیں۔ سلطان صاحب کا رویہ ان کے ساتھ جونیئر سیکشن آفیسر کا سا ہے۔)

سلطان : یہی سر۔ یہی پوائنٹ سارا۔ اسی لیے میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتا تھا۔ میری بیوی بھی نہیں مانتی سر۔

شیخ : تمہارے بھائی ہیں کیسے آدمی سلطان ۔

سلطان : بڑے اچھے سر۔ بڑے ہمدرد ۔ مجھے تو سر ایک طرح سے پالا ہی انہوں نے ہے۔ اباجی تو فوت ہو گئے تھے جب میں ابھی چوتھی میں تھا۔

شیخ : ٹھیک ہے You know better! لیکن سلطان ٹائم بدل جاتے ہیں۔ اب ان کی شادی ہو چکی ہو گی ؟

سلطان : جی سر تین بچے ہیں ان کے ۔

شیخ : فرق پڑ جاتا ہے ۔ بیوی بچوں سے ۔ انسان کے نظریئے بدل جاتے ہیں۔ لائف کی ڈیمانڈز مختلف ہو جاتی ہیں ۔ سارا پیٹرن چینج ہو جاتا ہے جیسی ماں باپ کے گھر میں محبت ہوتی ہے ، پھر بھائیوں سے ویسی محبت باقی نہیں رہتی۔ اپنے بچوں کی وجہ سے سیلفش ہو جاتا ہے ۔ سلطان یہ میرا ایکسپیرینس ہے ۔ میرج کے بعد آدمی کے بہن بھائی کوئی حیثیت نہیں رکھتے ۔ وہ اس کے آربٹ سے نکل جاتے ہیں۔

سلطان : اچھا تو سر میں ان کو انکار کر دیتا ہوں ۔ میں بھی تو اسلام آباد سے آکر جانچ پڑتال نہیں کر سکتا نا حساب کتاب کی بار بار ۔

شیخ : نہیں نہیں بھئی میرا مطلب یہ نہیں (گھڑی دیکھ کر) دراصل تم آئے ہی غلط وقت ہو ۔ میری میٹنگ ہے ورنہ بیٹھ کر بات کرتے ۔

سلطان : بس سر فیصلہ ہو گیا ۔ میں ان کے ساتھ کاروبار میں پیسہ لگا ہی نہیں سکتا۔ میری بیوی بھی یہی کہتی ہے سر۔

شیخ : نہیں نہیں ۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے ۔ کتنا پیسہ لگاؤ گے تم ۔

سلطان : پچاس ہزار سر ۔

شیخ : وہ ٹھیکیداری کریں گے ۔ رقم تمہاری ہو گی ؟

سلطان : نہیں سر وہ تو آل ریڈی ٹھیکیداری کا کام کر رہے ہیں وہ تو اپنی طرف

سے مجھ پر احسان کر رہے ہیں کہ آجکل کے وقت میں نوکری پیشہ کا بُرا حال ہے۔ کچھ تنخواہ سیلیمنٹ ہو جائے گی۔

شیخ : تو ایسے کرو۔ ساری ٹرمز پکے کاغذ پر لکھوا لو۔

سلطان : یہ تو مشکل ہے سر۔ بُرا لگتا ہے۔ وہ میرے سگے بھائی ہیں — بڑے۔

شیخ : بُرا کیوں لگتا ہے بھائی۔ اسلام میں حکم آیا ہے لکھا پڑھی کرنی چاہیئے۔ اعتماد اچھی چیز ہے۔ لیکن ہیومن نیچر پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے تو خود اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ گواہ رکھ کر لکھ لیا کرو۔

(اس وقت مائی شاناں آتی ہے۔)

سلطان : اچھا سر تھینک یُو ویری مچ۔ میں ان سے پوچھوں گا۔ خدا حافظ۔

(اپنے موٹر سائیکل کو کِک مارتا ہے۔)

سوری سر صبح صبح آپ کو تکلیف دی۔

(شیخ دروازہ کھول کر کار میں بیٹھتا ہے۔ پھر سر نکال کر سلطان سے کہتا ہے۔)

شیخ : ڈرنا نہیں۔ شرمانا نہیں۔ یہ اعتماد کا زمانہ نہیں ہے۔ یہ میٹریل پروگریس کا دور ہے سلطان۔ سب کو روپیہ چاہیئے پکا کاغذ۔ مشتری ہشیار باش شرم کی بات نہیں ہے یہ۔

سلطان : خدا حافظ۔ میں سمجھ گیا سر۔ سمجھ گیا تھینک یُو سر۔ بالکل سمجھ گیا۔ اچھا سر۔

(ہاتھ ہلا کر سلطان موٹر سائیکل پر روانہ ہوتا ہے۔ شاناں آتی ہے۔ شیخ صاحب کے پاس پہنچتی ہے۔ شیخ اندر سے کار کو سٹارٹ کر چکا ہے۔ پھر کار بند کرتا ہے۔)

شاناں : سلام علیکم شیخ جی۔ حکم حاکم قیم۔ اللہ وادھے پسارے۔ بیگم صاحب جی ہیں اندر؟

شیخ : وہ سب تو فیصل آباد گئے ہیں مائی۔ کیوں کچھ چاہیئے ؟

شاناں : سو روپے کا سوال تھا شیخ جی۔

شیخ : اکٹھے سو روپے جھلّی مائی۔ ہم افسر لوگوں کے پاس تو صرف یہی کچھ ہوتا ہے کاٗ کوٹھی جھوٹی شان۔ ہمارے پاس کہاں سو روپیہ۔

شاناں : اللہ بہت دے گا شیخ جی۔ قبر بنوانی تھی۔ کاکے گامے کی۔ نہیں تو مجھے کیا ضرورت ہوئی تھی۔

شیخ : (جیب سے دس روپے نکال کر) یہ لے دس روپے کام بن جائے گا تیرا۔

شاناں : (نوٹ پکڑ کر) جی ؟

شیخ : تیری بیگم صاحب آ جائیں تو بات کرنا اُن سے (کار چلاتا ہے پھر سر نکال کر) پانچ بیٹے گنوا کر بھی تجھے نصیحت نہیں ہوئی۔ کس دن کے لیے اکٹھا کر رہی ہے ہاتھ پھیلا پھیلا کے اب ؟

(کار چلا کے چلا جاتا ہے شاناں نوٹ دیکھتی رہ جاتی ہے۔)

کٹ ــــــــ

سین ۶

ان ڈور

شام

(سمن آباد کے گھر کا برآمدہ اور آنگن۔ اس وقت آنگن سے برآمدے میں جانے والی سیڑھیوں پر مائی شاناں ستون کے ساتھ سر لگا کر بیٹھی ہے۔

کاکا جاوید جس کی عمر دس بارہ سال ہے آنگن کے نلکے پر پین دھو رہا ہے۔)

مائی : کاکا جاوید! کب آئے گی تیری امی۔

جاوید : مجھے تو گھنٹے کا کہہ کر گئی تھیں اماں شاناں۔ پتہ نہیں ــــ

مائی : مجھے تو دو گھنٹے ہو گئے انتظار کرتے کرتے۔

جاوید : پہلے اماں کو خالہ اصغری کے گھر جانا تھا وہاں سے مارکیٹ ــــ وہاں سے لبرٹی ــــ وہاں سے کہیں اور۔ تو کل آجانا اماں شاناں۔

مائی : چل اچھا تھوڑی دیر اور دیکھ لیتی ہوں۔

جاوید : تیری مرضی۔ پر اماں شاناں ــــ اچھا بیٹھی رہ۔ (واپس آ کر اپنی کتابیں کھولتا ہے۔ پھر پین کو خشک کرنے کے لیے سر میں پھیرتا ہے۔ ایک کتاب کھول کر برآمدے میں چکر لگا کر پڑھتا ہے۔)

(اماں شاناں پر کیمرہ آتا ہے۔ آسمان کی طرف دیکھتی ہے۔ کٹ کر کے دکھاتے ہیں کہ آسمان پر بادل جمع ہو رہے ہیں۔ بادل زور سے گرجتا ہے۔ واپس اماں شاناں پر کیمرہ آتا ہے۔ اس کے چہرے پر تکدر کے آثار ہیں۔)

مائی : کاکا جاوید بارش آئے گی؟

جاوید : (چکر لگاتے ہوئے) بارش سے ڈر لگتا ہے تو چلی جا۔ بھاگ جا اماں۔

مائی : (سر جھکا کر) ڈر تو لگتا ہے سوہنیا پر اپنے لیے نہیں۔

(جاوید اس کی طرف ذرا غصے سے دیکھتا ہے۔)

مائی : کاکا جاوید تجھے پتہ ہے ایک بوری سیمنٹ کتنے کی آتی ہے؟

جاوید : میں پڑھ رہا ہوں اماں شاناں۔ پلیز تو شور نہ کر۔

مائی : پڑھ ــــ پڑھ سجنا پڑھ جوانیاں مانیں۔ لمبی عمر ہو۔ (پھر آسمان کی جانب دیکھتی ہے۔)

(جاوید اماں کی طرف ایسے دیکھتا ہے جیسے ڈسٹرب ہو رہا ہو۔ اب وہ کاپی
کھول کر پڑھتا ہے اور سبق حفظ کرتا ہے۔ اماں آہستہ آہستہ متوجہ ہوتی ہے۔
اور پھر اُٹھ کر جاوید کے پاس جاتی ہے۔)

جاوید : اللہ میاں کارساز ہے۔ مسبب الاسباب ہے۔ وہ ساری مخلوق کو پالتا ہے۔
سب کی سنتا ہے کسی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔ جو کوئی بھی سچے دل سے
اس کے حضور میں درخواست گزارے تو کبھی رد نہیں کرتا۔ انسان بھی کتنا
غافل ہے اس کے سامنے عرض نہیں کرتا۔ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے۔
یقیناً انسان خسارے میں ہے بے شک انسان خسارے میں ہے۔

(جاوید یہ سبق دوبارہ دُہراتا ہے۔ تیسری بار پڑھ رہا ہے کہ مائی شاناں
پاس آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتی ہے۔)

مائی : کاکا جی۔ یہ سچی بات ہے۔ جو تُو کہہ رہا ہے۔

جاوید : سچی ہے تو ماسٹر صاحب نے لکھوائی ہے۔ میں کوئی اپنی طرف سے تھوڑی
کہہ رہا ہوں۔

مائی : اللہ کے پاس عرضی بھیج دو تو کام بن جاتا ہے۔

جاوید : اور کیا؟ ـــــ لیکن سچے دل سے بھیجنی پڑتی ہے۔

مائی : تیرے پاس اللہ میاں کا سرنامہ ہے؟

جاوید : اللہ میاں کا سرنامہ؟

مائی : اس کا پتہ کاکا جی۔

جاوید : اللہ میاں کا ایڈریس۔

مائی : تیرے ماسٹر کو پتہ ہو گا۔

جاوید : لے ہے نا اماں جھلی۔ اس کا ایڈریس کسے معلوم نہیں۔ اللہ میاں معرفت

جی۔پی۔او۔لاہور یا کراچی۔یا پنڈی پشاور یا کوئٹہ کہیں بھی ڈال دو۔

مائی : تجھے پکا پتہ ہے کہ یہی سرنامہ ہے اللہ صاحب جی کا۔

جاوید : (شرارت سے) لے میں نے خود خط لکھا تھا ایک دفعہ اس پتے پر۔

مائی : جواب آ گیا تھا؟

جاوید : اور نہیں کیا؟

مائی : صدقے جاواں سچیا اللہ تجھے پاس کرے۔میرا سوہنا کاکا ایک خط میرا بھی لکھ دے اس کو۔

جاوید : اماں تو کل آجانا۔کل لکھ دوں گا شام کو۔صبح میرا ٹیسٹ ہے۔

مائی : (ہاتھ جوڑ کر) دیکھ نا ور کھا آرہی ہے — تو میرا خط لکھ دے۔رب سچا تجھے پاس کر دے گا۔

جاوید : (کاپی سے صفحہ پھاڑ کر) اچھا بتا کیا لکھنا ہے۔لیکن ذرا جلدی کرنا۔کل میرا ٹیسٹ ہے۔لفافہ ہے تیرے پاس۔

مائی : لفافہ — (نفی میں سر ہلاتی ہے۔)

جاوید : اچھا بول لفافہ بھی میں لگا دوں گا۔بول جلدی۔

مائی : لکھ اللہ صاحب جی — ناں سچ لکھ۔مائی شاناں کا ہتھ جوڑ کر سجدہ۔پیریں پڑنا سلام! یہ کیا ہے تیرے ہاتھ میں کاکا جی؟

جاوید : لفافہ۔

مائی : اچھا پہلے سرناواں لکھ دے۔

جاوید : ابا کہتے ہیں پہلے ایڈریس لکھنا چاہیئے لفافے پر۔پھر خط شروع کرنا چاہیئے۔ٹھیک ہے؟ (ایڈریس لکھتا ہے۔بہت آہستہ) کیا پاگل میرے پیچھے پڑ گئی ہے احمق! امی کو بھی اسی وقت بازار جانا تھا — اب

بولنا نہیں بیچ میں بالکل چُپ چاپ۔

کٹ ______

سین ۷
آؤٹ ڈور
شام کا وقت

(کیمرہ لفافے کے ایڈریس پر آتا ہے۔ اس پر لکھا ہے "بخدمت اللہ میاں صاحب۔ جی پی او — شاہراہِ قائدِاعظم لاہور" پھر دکھاتے ہیں کہ شاناں اس لفافے کو غور سے دیکھ رہی ہے۔ اب وہ لمبے رستے پر چلتی ہے۔ اور آخر میں ایک لال لیٹر بکس کے پاس پہنچتی ہے۔ یہاں وہ بڑی احتیاط کے ساتھ لفافہ بمبے میں ڈالتی ہے۔ پھر کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہتی ہے۔ بادل زور سے گرجتا ہے۔)

ڈزالو ______

سین ۸
ان ڈور
دن کا وقت

(یہ سین کوشش کر کے بڑے ڈاکخانے کے اندر شاٹ کیا جائے۔ ڈاکخانے

کا بڑا سارٹنگ ہال۔ ڈسپیچ سیکشن جہاں میزوں کے گرد کوئی پچاس ڈاکیے بیٹھے سارٹنگ میں مصروف ہیں۔

ڈاکیہ محی الدین جانے والی ڈاک پجن ہولز میں ڈال رہا ہے۔ دو تین اور ساتھی ڈاک کی سارٹنگ میں پجن ہولز کے پاس کھڑے اس کی مدد کر رہے ہیں۔ اتنے میں محی الدین وہ لفافہ اپنے زورِ عمل میں کراچی والے خانے میں پھینک دیتا ہے۔ پھر اچانک رُکتا ہے۔ اور لفافہ واپس نکال کر اس کا پتہ پڑھتا ہے۔ کیمرہ ایک مرتبہ پھر وہی لفافہ اس کے ہاتھ میں دکھاتا ہے۔

کلوز اپ۔ "بخدمت اللہ میاں صاحب جی۔ پی او۔ شاہراہِ قائداعظم۔ لاہور"

محی الدین: (کھنکار کر اور مقرروں کی طرح آواز لٹکا کر ہال میں پھینکتا ہے) بھئی دوستو! معاف کرنا یہ آپ کی توجہ کے لیے ایک چیز ہے۔ (سب ڈاکیے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔)

محی الدین: یہ ایک لفافہ ہے جس کی ڈسٹینیشن معلوم نہیں۔

ایک ڈاکیہ: تو پھر اس کو ڈیڈ لیٹر آفس بھیج دو۔

دوسرا ڈاکیہ: اب اس کا نام آر ایل او ہے ڈیڈ لیٹر آفس نہیں۔

تیسرا ڈاکیہ: ذرا المکتوب الیہ کا نام بولو۔

محی الدین: بخدمت اللہ میاں صاحب۔ جی پی او شاہراہِ قائداعظم لاہور۔

بوڑھا ڈاکیہ: پہلے بھی آئے تھے دو مرتبہ ایسے خط ــــ انگریز کے زمانے میں۔

محی الدین: تو کیا کیا ان کو۔

بوڑھا: پھاڑ پھوڑ کے پھینک دیئے۔ (ہنس کر) اور کیا بھجوا دیتے۔

محی الدین: اب اس کا کیا کریں؟

دوسرا ڈاکیہ: اسے بھجوا دو آر ایل او۔ وہ جانیں اور ان کا کام۔

نوجوان ڈاکیہ: ذرا اسے کھول کر تو دیکھیے بھائی محی الدین۔ کیا شکایت کی ہے کسی نے اللہ میاں سے۔

دوسرا ڈاکیہ: نہ یار ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے خواہ مخواہ

بوڑھا: نہیں۔ کھول کر دیکھ سکتے ہیں۔ اجازت ہے اس بات کی مینوئل میں۔

دوسرا: ہمیں کیا چاچا۔ آ بیل مجھے مار۔ آگے تھوڑا کام ہے۔

نوجوان: نہیں سر کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

پہلا: دیکھ لو۔ دیکھ لو۔ جب مینوئل میں اجازت ہے ایسا خط کھولنے کی۔ تو دیکھ لو۔

محی الدین: دیکھ لوں پھر۔

سب: ہاں ہاں ــــ دیکھ لو۔

(محی الدین لفافہ کھول کر خط نکالتا ہے۔ دل ہی دل میں تیزی سے پڑھتا ہے۔ سب اس کی طرف نظریں جمائے بیٹھے ہیں۔ پھر سنیئے ــ کہہ کر سارے خط کا مضمون بھرے ہال کو سناتا ہے۔ خط سُن چکنے کے بعد ہال پہ کوئی پندرہ سیکنڈ تک خاموشی رہتی ہے۔ پروڈیوسر۔ اس خاموشی سے ماحول قائم کرنے کا فائدہ اٹھاتا ہے۔)

محی الدین: (خط پڑھتے ہوئے) اللہ صاحب جی۔ مائی شاناں کی طرف سے ہاتھ جوڑ کر سجدہ سلام۔ گامے کی قبر ایک طرف سے بالکل بیٹھ گئی ہے۔ بارش برکھا کا پانی اندر جاتا ہے۔ نیک بیٹے کو تکلیف ہوتی ہے۔ مستری پکی قبر بنانے کے سو روپیہ مانگتا ہے۔ صرف اینٹ مسالے کے لیے۔ میں گھر گھر جا کر سوال کر آئی ہوں پر میری کسی نے بات نہیں پوچھی۔ اب میرا سیدھا تیرے سے سوال ہے اور میری عزت تیرے ہاتھ ہے۔ سو روپے کا منی آرڈر

چٹھی دیکھتے ہی بھجوادیں نہیں تو مائی شاناں مسجد کی دہلیز پر جان دے دے گی۔
باقی سب لوگ خیر خیریت سے ہیں تیری اور نبی جی پاک کی مہاں گاتے ہیں۔
فصل اچھی ہے۔ڈھور ڈنگر راضی ہیں۔

مائی شاناں۔جھگی والی
قبرستان جنڈبھرانہ۔چھوٹی ٹھوکر
لاہور

دوسرا اڈاکیہ: بھائی اس کو ریٹرن لیٹر آفس پہنچادیں۔سمجھے آپ۔
محی الدین: وہاں تو یہ پہنچ ہی جائے گا۔لیکن — اس کا کچھ ہونا چاہیئے۔
پہلا : کیا ہونا چاہیئے۔
محی الدین: کوئی جواب وغیرہ۔
بوڑھا : اللہ میاں کی طرف سے۔
نوجوان : جی نہیں۔ہماری طرف سے۔
ایک : اوئے کیا کُفر بکتے ہو نامر۔شرم کرو۔
محی الدین: مائی شاناں کو کچھ جواب تو جانا چاہیئے۔
پہلا : لیکن کس صورت میں۔
محی الدین: کسی بھی صورت میں۔تسلّی تشفّی کے ساتھ۔یا معذرت کے ساتھ یا پھر ان معنوں میں۔۔۔۔

(وقفہ — محی الدین معنی خیز نظروں سے سب کو باری باری دیکھتا ہے۔)

نوجوان : (اچانک کھڑے ہو کر) حضرات! چندہ!
(خاموشی)
مائی شاناں کے لیے چندہ۔

محی الدین: ہماری طرف سے؟

نوجوان : مائی شاناں کے لیے چندہ۔ حسبِ توفیق حسبِ ارادہ۔ دس جنے کی لاٹھی ایک جنے کا بوجھ۔

محی الدین: فی سبیل اللہ۔

نوجوان : جتنا کسی کے دل میں آئے۔ حسب توفیق۔ کوئی بوجھ نہیں۔

(محی الدین کی طرف جاتے ہوئے۔)

کوئی پابندی نہیں۔ بائنڈنگ نہیں۔

(جا کر پانچ روپے کا نوٹ محی الدین کے سامنے رکھتا ہے جہاں خط کا لفافہ پڑا ہے۔ محی الدین ہاتھ میں پکڑا ہوا خط لفافے پر رکھتا ہے اور اپنی جیب میں سے تین روپے نکال کر رکھتا ہے۔ دوسرے سبھی ڈاکیے خوش دلی کے ساتھ اپنی اپنی جیبیں دیکھ کر اس میں سے نقدی نکالتے ہیں اور لا کر میز پر پول میں رکھتے ہیں۔ یہ سین پروڈیوسر کے کمالِ فن کا سین ہے۔ مسلسل آواز ڈاکیوں کی گونج رہی ہے۔ ہر ایک کی حرکت اور جیبیں ٹٹولنے کا انداز جداگانہ ہے۔ لیکن ہیں سبھی صاحب دل اور مددگار قسم کے غریب لوگ۔ نوٹوں کا انبار کلوزاپ میں۔ لوگ اپنی اپنی سیٹوں پر۔)

محی الدین : ہاں جی۔ کوئی صاحب رہ تو نہیں گئے۔

بوڑھا : اوں ہوں! یہ نہیں پوچھا کرتے محی الدین۔

محی الدین: سوری چچا۔ ویری سوری۔

(نوٹ اٹھاتے ہوئے) ایکس کیوز می۔

تیسرا : اب ذرا دیکھیے سو سے کتنے اوپر ہیں۔

(سب ہنستے ہیں۔ محی الدین اٹھا کر گنتا ہے۔)

نوجوان : زیادہ ہوئے تو زیادہ بھجوادیں گے۔ واپس تھوڑی کریں گے کسی کو۔

بوڑھا : واپس تو ہو بھی نہیں سکتے بیٹا۔ کس کو لوٹاؤ گے۔

محی الدین : چورانوے ہیں۔ نائنٹی فور۔

پہلا : یہ تو چھ کم رہ گئے ناصر۔

نوجوان : میرے پاس تو جو کچھ تھا وہ میں نے . . . .

محی الدین : کوئی اور صاحب ؟

بوڑھا : بس اسی قدر بھجوا دو۔ کافی ہیں۔

پہلا : لیکن اس نے تو پورے سو مانگے ہیں مائی نے۔

دوسرا : چھ کل تک اور جمع کرلیں گے۔

بوڑھا : بالکل نہیں۔ بس! آج کا کام آج پر۔ رات بیچ میں آئی سوچنے کا وقت ملا اور نیت خراب ہوئی۔ جو ہوگیا وہی درست ہے۔

دوسرا : یہ بھی ٹھیک ہے۔

نوجوان : ویسے کل تک میں لاسکتا ہوں چھ روپے۔

پہلا : جو چاچا نے کہا ہے لاکھ روپے کی بات ہے۔ نیکی کرتے کرتے کہیں دل بے ایمان ہوگیا پھر!

محی الدین : چلئے چھ رُوپے کہیں اور سے پکڑلے گی۔ چھ کونسے زیادہ ہوتے ہیں۔

پہلا : یہ تو چندہ ہے بھائی۔ اس میں بنیوں والا حساب کاہے کو۔

نوجوان : لیکن اسے بھجوائیں گے کیسے ؟ منی آرڈر کے ذریعے ؟

بوڑھا : واہ میاں سادھو واہ۔ بھجوانا کیسا اور منی آرڈر کیسا اور پوسٹل آرڈر کیسا۔ کون ہے اس بیٹ پر چھوٹی ٹھوکر کی۔

(ایک ڈاکیہ اُٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔)

پہلا : اس بیٹ پر کوئی بھی ہو چاچا۔ ہمیں تو رقم بھجوانی ہے۔ ضروری نہیں شریف کے ہاتھ ہی بھجوائیں۔

محی الدین : یہ رقم چاچا لے کر جائیں گے۔ خود!

بوڑھا : لو! کمال کرتے ہو میں اُتر کا ڈاکیہ مجھے دکن کو بھیج رہے ہو۔

دوسرا : ویسے اب تُو بھی مورکھ ہو گیا چاچا۔ تیری بیٹ تھوڑی بدل رہے ہیں۔

محی الدین : ایک نیک کام آپ کی تحویل میں دے رہے ہیں۔

بوڑھا : (شرمندہ سا) وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن۔ یہ وہ بھی تو لے جا سکتا تھا کیا نام ... لیکن میں اسے لے جاؤں گا کِس صورت میں؟

محی الدین + نوجوان : اسی صُورت میں۔

بوڑھا : لفافے میں ڈال کر؟

محی الدین : تو اور کیا چاچا۔ کمال کرتے ہیں آپ بھی۔

بوڑھا : یعنی انشور کر کے۔

پہلا : یہ جو تم کو ایکسٹینشن ملی ہے ناں چاچا تو بالکل تو نیش پروری کی ہے محکمہ ڈاک نے۔

بوڑھا : (چڑ کر) کیوں؟ میں بُرا لگتا ہوں تمہارے درمیان۔

محی الدین : بس بھئی بس! جب ڈاکیہ رقم لے جا رہا ہو تو کسی بھی طریق سے لے جائے۔ سب درست ہے۔ مکتوب الیہ تک پہنچانی ہی ہے ناں۔

بوڑھا : ہاں تو۔ وہی تو میں بکواس کر رہا ہوں کہ لفافے میں بند کر کے ایسے ہی سیل ویل لگا کے مجھے دیدو۔ میں کہہ دوں گا انشورڈ لفافہ ہے۔

محی الدین : (ہنس کر) اگر آپ انشورڈ نہ بھی کہیں گے تو بھی وہ وصول کر لے گی۔ خاطر جمع رکھیں۔ اس کو کیا پتہ کیسے آتی ہے رقم۔

(سب ڈاکیے واہ چاچا۔ واہ چاچا کہہ کر شور مچاتے ہیں اور تالیاں بجاتے ہیں۔)

کٹ

سین ۹
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(قبرستان کا علاقہ۔ ایک فاصلے سے بوڑھا ڈاکیہ سائیکل پر آتا دکھائی دیتا ہے۔
پھر وہ قبرستان میں سے گزر کر مائی شاناں کی جھگی کی طرف جاتا ہے ـــــ
ـــــ جھگی کا بیرونی حصہ ـــــ
بوڑھا ڈاکیہ سائیکل پر جھگی کے سامنے آتا ہے اور سائیکل کی گھنٹی بجاتا ہے۔
مائی شاناں دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی باہر آتی ہے۔)

مائی : جی سجیا۔

ڈاکیہ : مائی شاناں کی جھگی یہی ہے بی بی؟

(اثبات میں سر ہلاتی ہے۔)

آپ ہیں جی مائی شاناں۔

مائی : ہاں بھائی میں ہی ہوں شاناں۔ کیا بات ہے؟

ڈاکیہ : رجسٹری خط ہے آپ کے نام۔

مائی : رجسٹری خط؟ میرا تو کوئی انگ ساک باقی نہیں رہا دنیا میں۔ میرا خط کہاں سے آگیا بھائی۔

(اس وقت جھگی میں سے مالک چکی شریف نکل کر دروازہ پر آکر کھڑا ہوتا ہے
اور دونوں کی باتیں سُنتا ہے ۔)

ڈاکیہ : (رجسٹری سے رسید پھاڑ کر) یہاں سائین کر دے بی بی شاناں ۔

مائی : (انگوٹھا آگے کر کے) لے ۔ لگا لے بھائی ۔

(ڈاکیہ چھوٹا پیڈ تھیلے میں سے نکالتا ہے ۔ اماں کا ہاتھ پکڑ کر پیڈ پر لگاتا
ہے ۔ پھر رجسٹری کی رسید پر انگوٹھا لگاتا ہے ۔ اس دوران دونوں باتیں
کرتے ہیں ۔)

ڈاکیہ : دھیان سے خط رکھنا اماں شاناں ۔ لفافے میں نوٹ لگتے ہیں ۔

مائی : (حیران ہو کر) اچھا اچھا ۔ اچھا اچھا ۔ جواب آگیا ۔ جواب آگیا میرے
خط کا ۔

(خط لے کر خوشی سے کھولتی ہے ۔ روپے نکلتے ہیں ۔ وہ سارے ڈرامے
میں پہلی بار مُسکراتی ہے ۔ بوڑھا ڈاکیہ یہ دیکھ کر کہ اماں شاناں خوش ہوگئی
ہے سائیکل پر چڑھتا ہے ۔)

ڈاکیہ : اچھی طرح سے گن لے اماں ۔ سنبھال کے رکھنا ۔

(چلا جاتا ہے ۔ اماں نوٹ گنتی ہے ۔ یکدم آواز دیتی ہے ۔)

مائی : بھائی ڈاکیہ ۔ سنیا ۔ . . . یہ تو چار اُوپر نوے ہیں . . . او بھائی ڈاکیہ
چھ کم ہیں ۔ سنیا ۔

(کٹ کر کے دکھاتے ہیں کہ بوڑھا ڈاکیہ تیزی کے ساتھ قبرستان میں سے
جا رہا ہے ۔)

مالک چکّی : (ہنستا ہے) کسے آواز دے رہی ہے مائی شاناں ۔ جھلی ؟ کبھی چور بھی
ٹھہرا ہے موقع واردات پر ۔

(ہنستا ہوا جھگی سے باہر آتا ہے۔)

مائی : لیکن میرے تو سو روپے آنے تھے۔ اس میں سے چھ روپے کیسے کم ہو گئے۔

مالک : نکال لیے ڈاکخانے والوں نے۔ کر گئے تیرے ساتھ ہاتھ مائی۔ کتنے روپے آنے تھے تیرے؟

مائی : پورے سو

مالک : کتنے ملے؟

مائی : چار اُوپر نوّے۔

مالک : نکال لیے کمینوں نے۔ اب میں گن کے کیا کر دوں گا۔ بڑے ہتھکنڈے آتے ہیں بدبختوں کو۔ مل جل کر رقمیں کھاتے ہیں۔ کچھ نہیں بچتا ان سے۔ سب بے ایمان ہیں۔ سب بے اعتبار ہیں۔ دیکھا ہے کیسے بھاگا ہے لفافہ دے کر۔

(اماں اداس ہو کر بیٹھ جاتی ہے۔)

اب بیٹھ گئی ہے چپ چاپ کلی رلی۔

مائی : ہاں سخیا بیٹھ گئی۔

مالک : صبر شکر کر کے۔

مائی : (اُوپر اشارہ کر کے) جو اس کا حکم میرے صاحب کا۔

مالک : تیرے جیسے بزدلوں کی وجہ سے تو ظلم پھیلتا ہے دنیا میں۔ جو ہر کوئی ظلم کے خلاف آواز اٹھانے لگے، مقابلہ کرے سینہ پھلا کر تو ظلم کبھی پھیل سکتا ہے؟

مائی : چل خیر ہے سخیا۔

مالک : تُو رپورٹ کر اس ڈاکیے کی۔ اس نے روپے نکالے ہیں۔ دیکھا نہیں تُو نے کیسے بھاگا ہے لفافہ پکڑا کر۔ صاف چور لگ رہا تھا چہرے سے۔ سب بے ایمان ہیں یہ ملازم، نوکری پیشہ لوگ۔

(مائی اُٹھ کر اندر والے حصے سے تھالی اُٹھا کر لاتی ہے۔)

مائی : یہ لے تھالی سخیا۔

مالک : دو بکرے کل دیئے تھے تو میری گھر والی کہنے لگی مائی شاناں کو آج گوشت ضرور دے آنا۔ وہ سب سے زیادہ مستحق ہے۔ دُعا کرنا میرے پوتے کے حق میں۔

مائی : اللہ اس کی ساری خیریں سخیا جوانیاں مانے۔ چھ رُوپے دے گا مجھے خدا کے نام پر؟

مالک : اوہ نہیں مائی شاناں۔ چھ روپے کی بات نہیں ہے۔ پوسٹ ماسٹر جنرل کو درخواست دینی ہے اس معاملے کی۔ ظلم پر چُپ نہیں رہنا۔ پوسٹ ماسٹر جنرل کو خبر ہونی چاہیئے کہ ان کا عملہ کتنا بے ایمان ہے۔ کتنا خود غرض ہے۔ کھوٹا ہے۔ رشوت خور ہے۔ لے کوئی بات ہے۔ بچاری کملی کا سو روپیہ آیا اس میں سے بھی چھ غائب۔ میں خود عرضی لکھ کر دوں گا شاناں مائی۔ میں خود۔

(کیمرہ ان جملوں کے دوران مائی شاناں پہ آتا ہے۔ وہ پھر نوٹ گن رہی ہے۔)

کٹ ـــــ ـــ ـــ

سین ۱۰

آؤٹ ڈور

دن کا وقت

(برآمدہ۔ بی بی عظمت کی کوٹھی۔ شہلا اور عظمت تخت پوش پہ بیٹھی ہیں۔ سامنے لفافوں میں لڈو پڑے ہیں۔ پیڑھی پر مائی شاناں بیٹھی ہے۔)

عظمت : تو بس لفافوں پر نام لکھتی جا شہلا ۔
شہلا : ہائے امی بُرا لگتا ہے۔ لفافوں پر نام کون لکھتا ہے۔ میں نام علیحدہ لکھ لیتی ہوں کاغذ پر ۔
(فہرست بنانے بیٹھ جاتی ہے۔)
عظمت : ہاں مائی شاناں۔
(اچانک کیمرہ دکھاتا ہے کہ مائی شاناں زمین پر بیٹھی ہے۔)
اپنا حق چھوڑنا نہیں ہے اور کسی کا حق چھیننا نہیں ہے۔ یہی اسلام کا حکم ہے۔ پائی بھی کسی کے ذمے نکلتی ہے تو عظمت بی بی دلوا کر چھوڑے گی ۔
ہائے ہائے دہائی خدا کی ایک بوڑھی لاچار ـــــ پگلی کے چھ روپے نکال لئے ان کمبخت ڈاکخانے والوں نے۔ میں نے تو مالک صاحب سے صاف کہہ دیا ہے۔ میرا چاہے گھر بک جائے میری ساری جائیداد مقدمے میں لگ جائے ۔ میں تو ان ڈاک خانے والوں سے نپٹ لوں گی۔ یہ ہوتے کون ہیں مائی شاناں کے چھ روپے اُڑانے والے ۔ یہ ہوتے کون ہیں غریب آدمی پر ظلم کرنے والے۔ مکار۔ فریبی۔ کمینے ــــــ
شہلا : ہائے امی کیا رہی ہیں ۔
عظمت : یہی خرابی ہے ہم مسلمانوں میں۔ ہم غریب کے لیے آواز نہیں اُٹھاتے شہلا۔ امیر اپنے اللّے تللّے میں مست ہے۔ غریب کی کسی کو پرواہ نہیں ۔ تُو فکر نہ کر شاناں مائی ۔ مقدمہ ہوگا۔ ضرور ہوگا۔ چار چھ روپے کی کوئی بات نہیں ۔ اُصول کی بات ہے ۔ تُو چل کل ہی میرے ساتھ ضلع کچہری۔ چوٹی کے وکیل ہیں نشتر صاحب ۔ خدا کے فضل سے آج تک کوئی مقدمہ نہیں ہارا۔ میں دیکھتی ہوں ناں کیسے کھاتے ہیں تیرے چھ روپے ۔

کیسے زندہ رہتے ہیں ظلم کر کے۔

______ کٹ

سین ۱۱
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(ضلع کچہری کا سین:
بیگم عظمت مائی شاناں کو ساتھ لے کر گیٹ کے اندر داخل ہو رہی ہے۔ اس نے مائی کا بازو پکڑ رکھا ہے اور بڑی محبت کے ساتھ اس کو اندر لا رہی ہے۔ بادل زور سے گرجتا ہے۔ مائی شاناں گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھتی ہے اور رُکتی ہے۔ بیگم عظمت اس کو ہلا کر پھر آگے چلنے پر مجبور کرتی ہے۔ وہ بادل ناخواستہ چلتی ہے اور دونوں کیمرے کی طرف آ رہی ہیں۔ مائی بار بار اُوپر نگاہیں کرتی ہے اور بیگم عظمت بار بار اُسے آگے چلنے پر اُکساتی ہے۔)



بابل اور یدیس

کردار :

دستگیر : درمیانی عمر کا نیک طینت مرد

انیتا : تیس کے قریب ۔ ٹوٹ پھوٹ میں گھری ہوئی

کنیز فاطمہ : مامتا میں رچی بسی دستگیر کی بیوی

بتول : بڑی بیٹی ۔ سادہ عادات کی مالک

ہاجرہ : چھوٹی بیٹی ۔ پرانی وضع کی لڑکی

جہانگیر : بڑا بیٹا ۔ انجینیئرنگ کے آخری سال کا طالب علم

سلیم : منجھلا بیٹا ۔ ایم ۔ ایس سی کیمسٹری کا طالب علم

نور : چھوٹا بیٹا ۔ لا، کے آخری سال میں

راحت : لیڈی ڈاکٹر

شبیر : کنیز فاطمہ کا بھائی

ساس : شبیر کی بیوی

بہو : شبیر کی بہو



سین ا
آؤٹ ڈور
صبح کا وقت

(اپریل کی ایک پُر بہار صبح - گرمیوں کی آمد آمد ہے - دستگیر صاحب چھڑی ہاتھ میں لیے شلوار قمیض پر کوٹ پہنے - عینک لگائے سر پر قراقلی ٹوپی رکھے باغ جناح میں سیر کرتے ہوئے اب واپس گھر جا رہے ہیں - جب وہ بڑے بڑے اُونچے اُونچے سمبل کے درختوں کے قریب سے گزرتے ہیں تو ان کی نگاہیں بہت اُوپر کی شاخوں میں لٹکے ہوئے شہد کے چھتوں پر مرکوز ہوتی ہیں - وہ انہیں دیکھتے جا رہے ہیں۔
—— ذرا آگے جا کر وہ رُک جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ اباؤٹ ٹرن ہوتے ہیں۔
کیمرہ زوم اِن کرتا ہے کہ ایک بنچ کے قریب زمین پر ایک لڑکی گچھا مچھا ہوئی لیٹی ہوئی ہے - وہ آہستہ آہستہ واپس لوٹتے ہیں اور اس لڑکی کے قریب آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں - یہ لڑکی انیتا سرن ہے —— اس نے مٹی میں سَنا ہوا خوبصورت سکرٹ اور بلاؤز پہنا ہوا ہے اور اپنے ہاتھ میں مضبوطی کے ساتھ اپنا پرس پکڑا ہوا ہے - لیکن اس کو اپنے تن بدن کا ہوش نہیں -
دستگیر صاحب تھوڑی دیر تک اس کے پاس کھڑے رہتے ہیں - پھر مدد کے لیے اِدھر اُدھر دیکھتے ہیں لیکن وہاں کوئی بھی نہیں - وہ کسی کو بُلانے کے لیے چھ سات قدم آگے چلتے ہیں لیکن پھر واپس پلٹتے ہیں اور آ کر انیتا کے پاس اُکڑوں بیٹھ جاتے ہیں -)

دستگیر : ہیلو ! ہیلو !!

(انیتا اسی طرح بے سُدھ لیٹی رہتی ہے - دستگیر اس کا کندھا تھپتھپا کر :)

دستگیر : آئی سی ۔ہیلو۔ ہیلو

انیتا : (ہولے سے منمناتی ہے۔)

دستگیر : آر یُو آل رائیٹ؟

(انیتا کوئی جواب نہیں دیتی اور پھر ڈوب جاتی ہے۔ دستگیر صاحب کسمپرسی کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہیں۔ پھر اس کی گردن کے نیچے ہاتھ دے کر کہتے ہیں:)

دستگیر : پلیز پلیز۔ مس! گیٹ اَپ۔ گیٹ اَپ

(انیتا کو اُٹھا کر بٹھا دیتے ہیں۔ وہ پھٹی پھٹی اور ویران نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتی ہے اور کافی دیر کے بعد محسوس کرتی ہے کہ کوئی اس کے قریب بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے چہرے پر تشکر، اطمینان، بیزاری، لاتعلقی کے آثار ایک ساتھ ہیں۔)

دستگیر : پلیز۔ گیٹ اَپ مس۔ اِٹ از ڈیجرس۔ دس گراس اینڈ ویجیٹیشن

انیتا : (اپنے کھڑے زانوؤں کو بانہوں میں لے کر اور زانوں پر ٹھوڑی جما کر) آئی ایم ناٹ مس۔ آئی ایم انیتا ـــــ انیتا سرن۔

دستگیر : Then please Anita! Get up.

(اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اور ایک مرتبہ اور گیٹ اَپ کہتا ہے۔ انیتا اسی طرح بیٹھی ہوئی ٹھوڑی سے ذرا سر اُوپر اُٹھا کر سوالیہ نظروں سے دستگیر کو دیکھتی ہے اور طنزیہ انداز میں مُسکراتی ہے۔)

ـــــــــ کٹ

سین ۲
ان ڈور
صبح کا وقت

(پرانی وضع کی ماڈل ٹاؤن کی کوٹھی کے پورچ میں جہانگیر اپنے موٹر سائیکل کو کک مار کر اور اسے سٹارٹ کر کے اور اس کے تھروٹل کو تین چار مرتبہ گھیں گھیں کر کے یونیورسٹی جانے کے لیے تیار ہے۔ سامنے اس کے پہیے کے عین آگے کار کا فینڈر آ کر لگتا ہے۔ سامنے دستگیر صاحب اور رمضان ڈرائیور (وردی پوش نہ ہو) بیٹھے ہیں۔ دستگیر صاحب تیزی کے ساتھ باہر نکلتے ہیں اور کہتے ہیں۔)

دستگیر : جہانگیر! رمضان کے ساتھ مل کر اسے جلدی سے اندر لاؤ۔ (خود جالی والا دروازہ کھول کر گھر کے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ کیمرہ دکھاتا ہے کہ پچھلی سیٹ پر انیتا اسی طرح پڑی ہے جیسے باغ میں پڑی تھی۔ جہانگیر حیرانی سے رمضان کو دیکھتا ہے۔ رمضان مزید حیران ہو کر اور کندھے سکوڑ کر گویا کہتا ہے "کیا معلوم"۔ کٹ کر کے بتاتے ہیں کہ دستگیر صاحب اپنی کوٹھی کے اندرونی برآمدے میں کھڑے آوازیں دے رہے ہیں۔)

دستگیر : کنیز فاطمہ! کنیز فاطمہ! ابھی کدھر چلے گئے سب لوگ۔

بتول : (داخل ہو کر) جی اباجی

دستگیر : بیٹا تمہاری اماں کہاں ہیں ؟

بتول : پچھلے ولگن میں ہیں اباجی۔

دستگیر : وہاں کیا کر رہی ہیں ؟

بتول : کھیس ڈال رہی ہیں دھوپ میں۔

دستگیر : ان کو بلاؤ جلدی۔

(لیکن اس فقرے کے ساتھ ہی جہانگیر اور رمضان انیتا کو سہارا دے کر اندر لاتے ہیں۔)

دستگیر : اِدھر لے آؤ ـــــ اِدھر ـــ اس طرف۔

(جالی کا دروازہ کھول کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ بتول ششدر کھڑی دیکھ رہی ہے۔ دونوں بڑے سبھاؤ کے ساتھ انیتا کو اندر گزارتے ہیں۔)

کٹ ـــــــــــ

سین ۳

اِن ڈور

دن

(اماں جی کا کمرہ۔ اس وقت انیتا نیم بے ہوشی کے عالم میں پڑی ہے۔ ہاجرہ اس کا ہاتھ مل رہی ہے اور پائنتی بتول بیٹھی اس کی ٹانگیں دبا رہی ہے۔ نور اور سلیم تشویش کے عالم میں پاس کھڑے ہیں۔ اماں جی اس وقت مُنہ ہی مُنہ میں کچھ پڑھ رہی ہیں اور کچھ عرصہ بعد انیتا کو دم کرتی ہیں۔)

نور : یہ جہانگیر جہاں جاتا ہے، وہیں کا ہو رہتا ہے۔ اتنی دیر میں سو ڈاکٹر مل سکتے تھے۔

سلیم : اماں جی کی لیڈی ڈاکٹر نہیں مل سکتی تھی نا۔

نور : یہ آپ نے لیڈی ڈاکٹر کا کیا مسئلہ کھڑا کر دیا بیچ میں۔

اماں : سو پردے کی باتیں ہوتی ہیں۔ لیڈی ڈاکٹر ہی ٹھیک ہے۔

سلیم : ان لوگوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا اماں۔ یہ لوگ ہماری طرح تنگ نظر نہیں ہوتے۔

اماں : اچھا ٹھیک ہے تو رہنے دے۔

سلیم : پتہ نہیں کس کس ملک کا سفر کرکے اکیلی یہاں پہنچی ہے اور اماں جی اسے پردے کی بوبو سمجھ رہی ہیں۔

اماں : جھگڑا کس بات کا ہے سلیم ۔۔۔۔ یہ ہماری مہمان ہے۔ ہم اسے اپنے طریقے پر ہی رکھ سکتے ہیں نا۔

(اس وقت لیڈی ڈاکٹر اور جہانگیر اندر آتے ہیں۔ جہانگیر نے لیڈی ڈاکٹر کا بیگ اُٹھا رکھا ہے۔)

لیڈی : سلام علیکم۔ آپا جی کیا حال ہے ؟

اماں : وعلیکم السلام۔ کیا حال ہے تمہارا راحت ؟ بچوں کا ؟ جمیل کا ؟

لیڈی : سب ٹھیک ہیں جی شکریہ۔

(بتول ہاجرہ آہستہ سے سلام کرتی ہیں۔)

اماں : تم چلو سب — اُٹھو — بتول ہاجرہ۔

(بتول ہاجرہ بغیر کچھ بولے چلی جاتی ہیں۔ تینوں لڑکے متجسس ہیں اور جانا نہیں چاہتے۔)

لیڈی : یہ کون ہے آپا جی ؟

اماں : پتہ نہیں بچاری کوئی مظلوم پردیسن ہے۔ شاہ صاحب صبح سیر کو گئے تھے تو بے ہوش ملی انہیں باغ میں۔ تب سے ایسی ہے۔ چلو نور، سلیم ۔۔۔۔ تم کیوں بیٹھے ہو۔

جہانگیر : اماں جی ہم ڈاکٹر صاحب سے نسخہ سمجھ لیں گے۔

نورُ : ہاں جی

اماں : ہاں جی نیا، چلو — ضرورت پڑی تو میں خود بُلا لوں گی۔

سلیم : میں ٹھہروں اماں جی — کچھ پکڑا نا ہی پڑ جاتا ہے۔

اماں : تم سب چلو شاباش میں بُلا لوں گی۔

لیڈی : بالکل ہوش نہیں آیا صبح سے؟

(اس کی نبض دیکھتی ہے ساتھ ہی اس کے فور آرم پر ٹیکوں کے نشان دیکھتی ہے)

اماں : کبھی لگتا ہے سو رہی ہے۔ سانس ٹھیک ہوتا ہے۔ کبھی لگتا ہے نبض ٹھیک نہیں .... بے ہوش ہے۔ کچھ باتیں بھی کی ہیں لیکن میری سمجھ میں نہیں آئیں۔

نور : اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ ہم تینوں میں سے کوئی تو پاس ہو اس کی بولی سمجھنے والا۔

اماں : میں بُلا لوں گی جب ضرورت ہوئی۔ چلو شاباش۔

(تینوں بددلی کے ساتھ باہر جاتے ہیں۔ کیمرہ ان کے ساتھ ہی چلا جاتا ہے۔ کمرے سے نکل کر یہ تینوں ساتھ والے کمرے میں بیٹھ جاتے ہیں۔ تینوں آہستہ آہستہ سگریٹ سلگاتے ہیں۔)

جہانگیر : صاف ہپی لڑکی ہے۔ چہرے پر لکھا ہے۔

نور : ہم میں سے کوئی یہ لڑکی ساتھ لے آتا تو آپا جی سارا گھر سر پر اُٹھا لیتے۔

سلیم : آپ ابھی صرف لا کے سٹوڈنٹ ہیں اور آپا جی اکنومکلی انڈی پینڈنٹ ہیں۔ وہ اپنی مرضی سے مہمان لا سکتے ہیں ہم نہیں لا سکتے۔ اتنا فرق ہے۔

جہانگیر : میں نے کہا تھا آپا جی میں ڈاکٹر رحمان کے کلینک پر لے جاتا ہوں۔ مجھے ڈانٹ دیا کہنے لگے جیسے ماں کہتی ہے، ویسے کرو۔

نور : ذرا سا ہوش آ جانے دو۔ پھر دیکھتے ہیں اماں جی اسے کیسے اپنے پروں تلے رکھیں گی۔

سلیم : یہ لوگ آزاد ہوتے ہیں۔ یہ سارے کام اپنی رائے سے کرتے ہیں، کسی اماں جی کسی اباجی کا رعب نہیں چلتا ان پر ــــــ ہم لوگوں کو تو تباہ کر دیا ہے ماں باپ کی سُپرویژن نے۔

نُور : میں تو سوچ رہا ہوں کہ اباجی کو سُوجھی کیا۔ میرے ساتھ چلیں آدھا ریلوے سٹیشن بھرا پڑا ہے ایسے ہپّی لوگوں سے۔ وہ کس کس کی مدد کرتے پھریں گے۔

سلیم : جس جس کی وہ چاہیں گے۔ جس جس پر ان کو ترس آئے گا۔ یہ بزرگ لوگ ڈبل ویلیوز کے آدمی ہیں بھائیو۔ جب چاہیں مدد پر آمادہ، جب چاہیں دشمنی پر تیار ۔ ۔ ۔ ۔ شاہ جی زندہ باد۔

(اندر سے آواز آتی ہے۔)

اماں : سلیم ــــ سلیم بیٹے۔

(تینوں یکدم اُٹھ کر اندر جاتے ہیں۔ اس وقت انیتا نے آنکھیں کھول رکھی ہیں اور وہ ٹکٹکی باندھے چھت کو گھور رہی ہے۔ اماں جی اس کے سرہانے بیٹھی ہیں اور محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہی ہیں۔ تینوں تیزی سے داخل ہوتے ہیں۔)

تینوں : جی اماں جی!

لیڈی : کوئی خاص بیماری نہیں ہے میرے خیال میں ذرا ڈسٹربڈ ہے۔ تم مجھے چھوڑنے جاؤ گے نُور!

نُور : نہیں جی میں یہیں ٹھہروں گا اماں جی کے پاس، یہ جہانگیر چلا جاتا ہے آپ کے ساتھ۔

جہانگیر : میں تو اب پرسوں گا نُور بھائی۔ یہ سلیم چلا جاتا ہے۔

سلیم : (بادلِ نخواستہ) اچھا جی۔ میں چلا جاتا ہوں۔

اماں : (نسخہ اور پیسے پکڑاتے ہوئے) یہ دوائیاں بھی لیتے آنا واپسی پر۔ اور دیکھو سلیم سو روپے ہیں پورے۔ خُرد بُرد نہ کرنا۔

سلیم : پٹرول ڈلوالوں کہ نا؟

اماں : ابھی ڈلوایا ہے جہانگیر نے۔

سلیم : چلئے ٹھیک ہے۔

نُور : اس کے لیے کچھ چیونگم لے آنا۔ ان کو عادت ہوتی ہے۔

سلیم : آئیے ڈاکٹر صاحب! (بیگ پکڑ کر جاتا ہے۔)

لیڈی : خدا حافظ آپا جی۔

اماں : خدا حافظ —— جیتی رہو۔ (سلیم اور لیڈی ڈاکٹر جاتے ہیں۔ نور بیٹھ کر بازو دبانے لگتا ہے۔)
یہ تُو کیا کر رہا ہے نُور ......

نُور : ان لوگوں کو فرق نہیں پڑتا اماں جی۔ آپ خدا کے لیے اتنی دقیانوسی نہ بنیں —— ان کی ترقی کا راز ہی یہ ہے کہ یہ لوگ ایسی فرسودہ باتوں پر اعتماد نہیں رکھتے۔

جہانگیر : (پائنتی بیٹھ کر) اس کے پاؤں تو بالکل ٹھنڈے ہیں۔

اینیتا : (ذرا سی آنکھیں کھول کر) پلیز ڈونٹ ٹچ می۔

(اس وقت بتول اور ہاجرہ آتی ہیں۔)

اماں : کیا کہتی ہے؟ کیا کہتی ہے یہ؟

نُور : کچھ نہیں اماں جی۔ اس نے کیا کہنا ہے؟ آزاد پنچھی ہے۔ چھوٹی عمر سے آزادی ملی ہوئی ہے۔ جہاں چاہتی ہے جا سکتی ہے۔ جو چاہتی ہے کر سکتی ہے ..... کوئی ہماری طرح پہرہ تھوڑی ہے اس پر ... جو چاہے کہہ سکتی ہے۔

اماں : اچھا تم دونوں اُٹھو۔ بتول اور ہاجرہ دبائیں گی۔

(ہاجرہ پاؤں اور بتول بازو دباتی ہے۔)

نُور : یہ دبالیں۔یہ اپنا شوق پورا کریں۔آئیں۔آئیں۔

(دونوں اُٹھ کر جاتے ہیں۔بتول اور ہاجرہ بیٹھ کر دباتی ہیں۔انیتا لمبا سانس لیتی ہے۔پھر ہلکا سا مُسکراتی ہے۔)

انیتا : Very nice smell! What is it?

جہانگیر : Agarbatti! My mother is very old fashioned. She burns agarbatti in the sick room.

انیتا : واٹ اِز اگربتی ؟

نُور : (جلدی سے اگربتی لاتا ہے۔) دِس اِز اگربتی

انیتا : (لمبا سانس لے کر) A little strong but very nice!

(یہ کہتے ہوئے وہ پھر غائب ہوجاتی ہے جیسے بے ہوش ہوگئی ہو۔)

کٹ ————

سین ۴
ان ڈور
شام

(دستگیر اپنے پچھلے برآمدے کے ایک دَر میں لوٹا لے کر وضو کررہے ہیں۔ابھی انہوں نے ہاتھ دھوکر تین کلیاں کی ہیں اور ایک مرتبہ نتھنوں میں پانی ڈالا ہے کہ اماں آتی ہیں۔)

کنیز : آپ آگئے کارخانے سے ؟

دستگیر : ہوں

کنیز : مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔

(قریب ہی پاؤں کے بوجھ بیٹھ جاتی ہے۔)

دستگیر : کیا بتایا لیڈی ڈاکٹر نے ؟

کنیز : کہتی تھی پریشانی کی کوئی بات نہیں بیمار نہیں ہے، نشہ کرتی ہے۔

دستگیر : نشہ ! (لوٹے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتا ہے۔)

کنیز : مجھے تو یہی بتایا راحت نے ۔

دستگیر : ہوں

کنیز : کیا پیاری سی عورت ہے شاہ صاحب اور کیسا نورانی چہرہ ہے !

دستگیر : کوئی دوائی وغیرہ بتائی راحت نے ؟

کنیز : دوائی بھی لکھ کر دے گئی ہے۔ کھانے کا بھی بتا گئی ہے۔ کھڑکیاں روشندان بھی کھلوا گئی ہے کمرے کے ۔

دستگیر : اور لڑکے کہاں ہیں؟

کنیز : لڑکے ابھی تو اِدھر ہی تھے ۔ نُور شاید کالج چلا گیا ہے۔ جہانگیر، سلیم گھر پر ہی ہوں گے ۔ بلاؤں ؟

دستگیر : نہیں نہیں ـــــ وہ تو میں ـــــ ایسے ہی ـــــ اُسے کھلایا کچھ ؟

کنیز : ایک پیالی یخنی بنا کر پلائی تھی ہاجرہ نے۔ میں تو اس کی زبان نہیں سمجھتی۔ لڑکیوں سے ہی بات کرتی ہے۔

دستگیر : کہاں ہے ہاجرہ ؟

کنیز : دونوں اسی کے کمرے میں ہیں نہ وہ اُٹھنے دیتی ہے نہ یہ اُٹھتی ہیں۔ پوچھ

رہی تھی میں دو ایک دن تمہارے گھر ٹھہر سکتی ہوں۔

دستگیر : ضرور، ضرور۔

کنیز : میں کہا جب تک تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہو جاتی یہیں رہو۔ اسی کو اپنا گھر سمجھو لیکن ہاجرہ نے صرف بس کہہ کر بات ختم کر دی کہ اماں جی کہتی ہیں بس۔

دستگیر : (ہنس کر) ہاجرہ بچاری لمبا فقرہ نہیں بنا سکتی نا کنیز فاطمہ تو اس نے بس کہہ کر جان چھڑالی۔

کنیز : بتول پھر بھی لمبی بات کر لیتی ہے ماشا اللہ۔

دستگیر : ہاجرہ ذرا shy طبیعت کی ہے۔

کنیز : نہ جی شاہی بالکل نہیں، وہ تو بلکہ بڑی عاجز طبیعت کی ہے۔ بہت ہی شرمیلی اور چپ چاپ۔ بتول البتہ شاہی ہے تھوڑی سی۔

دستگیر : (ہنس کر) ٹھیک ہے ٹھیک ہے ۔۔ (پھر نئے سرے سے وضو کرنے لگ جاتا ہے۔)

_______ کٹ

سین ۵

ان ڈور

رات کا وقت

(یہ بہت بھرپور سین ہے اور چونکہ اس کی ریپیٹ ویلیو ہے اس لیے اس کو

احتیاط سے بتانا چاہیے۔ ایک خوبصورت آراستہ کمرے میں قالین پر بڑا سا سفید دستر خوان بچھا ہے۔ تمام خاندان بہت مؤدب طریقے سے نیچے بیٹھا ہے۔ سامنے پلیٹیں گلاس تمام اشیار بڑے اہتمام سے لگی ہیں۔ اماں جی دستر خوان کے سرے پر بیٹھی ہیں۔ ان کے پاس ایک بڑا سا دیگچہ اخبار کے کاغذ پر پڑا ہے۔ وہ اس میں سے سب کو چاول ڈال کر دیتی ہیں۔ سالن درمیان میں ڈونگوں میں لگے ہیں۔ اماں جی کے بائیں طرف انیتا سرن اور اس کے ساتھ ہاجرہ اور بتول بیٹھی ہیں۔ دونوں لڑکیوں نے سر ڈھانپ رکھے ہیں اور ان کی صورتوں پہ اطمینان برس رہا ہے۔ اماں جی کی دائیں طرف شاہ جی بیٹھے ہیں ان کے ساتھ نور اور جہانگیر ہیں۔ اماں کے بالکل سامنے سلیم بیٹھا ہے۔)

انیتا : So I am Anita Soren, Ammanji.

اماں : مجھے پہلے ہی پتہ تھا اس کا نام کچھ ایسا ہی ہو گا۔ اس کے چہرے پر لکھا ہے اس کی نیت صاف ہے۔ اسی لیے اس کا نام انیتا ہے۔ یہ شوربہ ڈال لے انیتا چاولوں پر۔

نور : Ammanji says put some shorba on the rice.

انیتا : I understand her-I understand her perfectly. No need to translate for me - No problem.

(وقفہ ـــ سب کھانا کھانے میں مشغول ہیں۔)

انیتا : We live near the Port, that is, my father lives

near the Port. I left my home when I was fourteen and went to New York.

اماں : کیا کہتی ہے؟

سلیم : کچھ نہیں اماں جی اپنے حالات بتا رہی ہے۔

دستگیر : انیتا کہہ رہی ہے کہ اس کا باپ بندرگاہ کے قریب رہتا ہے۔ یہ چودہ برس کی تھی تو اس نے اپنا ملک چھوڑ دیا اور نیویارک چلی گئی۔ امریکہ۔

اماں : بڑے ظالم ماں باپ تھے اس کے!

جہانگیر : وہ ظالم نہیں ہیں اماں جی۔ وہ لوگ بچّے کی نشوونما میں حارج نہیں ہوتے۔

اماں : یعنی چھوٹے سے پودے کو ہی آندھیوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔

نور : What does your father do in Stockholm?

انیتا : It's a big complex that he owns ———————— ———————— Manufactures rigs-machines, milk plants and agricultural equipment of all sorts.

بتول : (آہستہ آہستہ ٹٹول ٹٹول کر شوربے کی طرف اشارہ کر کے) You don't like this, Anita?

انیتا : Oh no-this is very nice!

سلیم : دیکھ لیں ——— اتنے بڑے کامپلکس کا مالک ہے اس کا باپ اور بیٹی کو کیسی آزادی دے رکھی ہے۔ کوئی رعب نہیں اپنی بچّی پر۔ اپنی دولت کا، پوزیشن کا . . . .

انیتا : I received a card from him the other day. He has just married for the second time.

اماں : کیا کہتی ہے ؟

سلیم : کچھ نہیں کہتی اماں جی۔

اماں : کیا کہتی ہے شاہ جی ؟

دستگیر : کہہ رہی ہے کہ اس کے باپ نے حال ہی میں دوسری شادی کی ہے اور ابھی اسے خط ملا ہے اپنے باپ کا جس میں اس نے اپنی شادی کی اطلاع دی ہے۔

انیتا : Ammanji! When I was young my mother used to say, "Anita! you must find yourself. You must be free to search". ——————— We, in the West, are searching continuously though sometimes we destroy ourselves in this search.

(اماں جی کے کندھے پر ہاتھ رکھتی ہے۔)

دستگیر : یہ کہہ رہی ہے کنیز فاطمہ . . . کہ جب یہ چھوٹی تھی تو اس کی ماں اس سے کہا کرتی تھی ہمیشہ اپنی تلاش جاری رکھو۔ آزاد رہ کر اپنی جستجو کرتے رہو۔ ہم مغرب کے لوگ سب تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ گو کبھی کبھی اسی تلاش اور اسی جستجو کی بدولت ہم تباہ بھی ہو جاتے ہیں، ٹوٹ پھوٹ بھی جاتے ہیں۔

(اماں جی انیتا کے دونوں ہاتھ پکڑتی ہے اور محبت سے کہتی ہے :)

اماں : کبھی بھی اپنی تلاش میں مارے مارے نہ پھرو بیٹی - اپنے مولا کی تلاش میں رہو، اپنے خالق کی. بنانے والا ہی بتا سکتا ہے کہ اس نے یہ سب کچھ کیوں بنایا ہے۔

انیتا : Yes Ammanji!

بتول : Do you understand what [illegible] ays?

انیتا : Yes, I can understand--I can always understand when I see the truth.....

نور : آپ اسے بھی میٹھی پاڑھت پڑھائیں اماں جی - اس کا بھی بیڑہ غرق کریں۔ جو بچے ماں باپ کی اطاعت کرتے ہیں، ان میں initiative ختم ہوجاتا ہے - وہ اچیومنٹ کی اس منزل تک نہیں پہنچتے جہاں خود مختار بچے پہنچ جاتے ہیں - آپ تو اس کو اس سے بھی بڑی اطاعت کا حکم دے رہی ہیں - یہ لوگ نہیں اعتبار کرتے اَن دیکھی چیزوں کا۔

جہانگیر : وہ کون سا سمجھ رہی ہے - ایسے ہی بچاری پھنس گئی ہے ہم لوگوں میں۔

بتول : (ڈونگے کی طرف اشارہ کرکے) Very much chillies, Anita?

انیتا : Oh no! All this is very nice.

اماں : پوچھ اس سے ہاجرہ میں اسے آملیٹ بنا دوں ۔

انیتا : No Ammanji, no omelette for me. All this is very lovely like Mexicon Food ———— Abaji! Have you tasted Jalpeno Chillies?

دستگیر : Once! When I was in New York, Anita.

نوُر : ویری گڈ کدّو گوشت Very nice--not much chillies.

Ammanji's best dish.

انیتا : No thank you. I have taken enough.

اماں : اس سے پوچھ ہاجرہ — کتنے بہن بھائی ہیں یہ - عزیز رشتہ دار - دوسرے انگ ساک -

سلیم : چھوڑیں اماں یہ لوگ ایسے سوال نہیں پُوچھتے - بُرا لگتا ہے -

اماں : کیوں — بہن بھائی بُرے لگتے ہیں ؟ کہ ان کا ذکر اچھا نہیں لگتا ؟

انیتا : Ammanji! I have two brothers. Both are older.....

ہاجرہ : آپ اُردو سمجھتی ہیں ؟

انیتا : تھوڑا تھوڑا . . . . یہ کتنے پیسے ہیں ؟ یہ راستہ کدھر کو جاتا ہے ؟ — میرا نام انیتا سرن ہے - میں سویڈن کی رہنے والی ہوں - آپ کا نام ؟

ہاجرہ : ہاجرہ دستگیر !

انیتا : Abaji! I picked up a little Pushto at Peshawar from a carrier —————— I was alone at the railway station. He took me home —————— He had such lovely three children. I stayed with them for a full fortnight.

اماں : کیا کہتی ہے انیتا ؟

سلیم : کہتی ہے پشاور کے ریلوے سٹیشن پر اسے ایک قُلی مِل گیا - یہ پندرہ دن اس کے گھر رہی - اس کے تین چھوٹے بچّے تھے - وہاں اس نے کچھ پشتو

بھی سیکھی۔

انیتا : (محبت کے ساتھ بتول کی طرف ہاتھ بڑھا کر) مسٹرے ماشے۔ خوار ماشے۔

نوُر : کمال ہے! اتنے بڑے باپ کی بیٹی اور ایک قُلی کے گھر رہی۔ یہ لوگ خدا قسم گریٹ ہیں۔

اماں : کچھ اور کھاؤ انیتا ـــــ سویاں لے لو۔

انیتا : I have taken the sweet spaghetti Ammanji--two helpings.

اماں : اور لو ـــــ

جہانگیر : اصرار نہ کریں اماں جی۔ ان لوگوں کا معدہ عادی نہیں ہوتا ان چیزوں کا ـــــ

بتول : (پان کی پلیٹ بڑھاتی ہے) یُو لائیک پان ؟

سلیم : اور کچھ نہیں تو پان دو اس کی ناک میں۔

انیتا : No, thank you. I like it but I cannot chew it. Bad teeth....

(باپ دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتا ہے اور دعا مانگتا ہے۔ سارا گھرانہ دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتا ہے۔ کچھ دیر انیتا سب کو دیکھتی ہے پھر آہستہ آہستہ وہ بھی ہاتھ اُٹھاتی ہے۔)

دستگیر : (دعا مانگتا ہے۔) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔

ـــــــــــ کٹ

سین ۶
ان ڈور
رات

(رات کا وقت ہے۔ انیتا اپنے کمرے میں بیقرار پھرتی ہے۔ اس وقت اس کو چرس کے سگریٹ کی سخت طلب لگی ہوئی ہے۔ جہانگیر اندر داخل ہوتا ہے اور وہ اس کو پُر اُمید نگاہوں سے دیکھ کر ٹھٹھکتی ہے۔)

جہانگیر : (مایوسی کے ساتھ) Sorry--no luck!

انیتا : Did you give my reference?

جہانگیر : I did but he said,"I don't know anybody."

انیتا : Oh! He sure was afraid of a trap.

جہانگیر : I don't know. But he refused point-blank.

(سلیم داخل ہوتا ہے۔)

سلیم : Any success?

جہانگیر : مکمل ناکامی! وہاں کوئی مانتا ہی نہیں۔

سلیم : انہوں نے مرنا ہے ایک اجنبی کے ہاتھ ایسے سگریٹ بیچ کر —— Come with me, Anita.

انیتا : Where?

سلیم : For treasure hunt!

جہانگیر : لیکن کہاں سلیم؟

سلیم : اسے اشرف کے پاس لے جاؤں گا۔

جہانگیر : اشرف!

سلیم : اشرف، زبیر، سلیم گنجا، بھولا سبھی پیتے ہیں ۔ان کے پاس سٹاک ہوتا ہے، ہر وقت۔

انیتا : Let's hurry then Saleem-hurry.

سلیم : (باہر جاتے ہوئے) Come.... Come....

(سلیم انیتا کو اپنے موٹر سائیکل کے پیچھے بٹھا کر بڑی سڑکوں اور پھر پر پیچ گلیوں میں گھوم رہا ہے۔)

کٹ ——————

سین ۷

ان ڈور

رات

(رات کا وقت ہے۔اماں جی اپنے پلنگ پر سے رضائی اُٹھا کر لیٹنے کی تیاری کر رہی ہے۔ پھر وہ اگربتی جلا کر اگربتی سٹینڈ میں لگاتی ہے اور لیٹ جاتی ہے۔ لیٹ کر وہ چند ثانیے کے لیے آیت الکرسی پڑھتی ہے۔ اس وقت سسکیوں کی آواز بلند ہوتی ہے۔ اماں جی کہنی کے بل ہو کر سنتی ہے۔ پھر اُٹھتی ہے۔ سلیپر پہنتی ہے اور ساتھ والے کمرے میں جاتی ہے۔)

کٹ ——————

سین ۸
ان ڈور
رات

(تین پلنگ بچھے ہیں۔ ہاجرہ اور بتول اپنے اپنے پلنگ پر سو رہی ہیں۔ اینیتا اپنے پلنگ پر بیٹھی ہے۔ اس کے ہاتھ میں سگریٹ ہے اور وہ سسکیاں بھر رہی ہے۔)

اماں : اینیتا! — اینیتا میری بیٹی کیا بات ہے۔ کیا ہوا؟

(یکدم اس کی آواز پر جیسے ہاجرہ اُٹھتی ہے۔ وہ اُٹھ کر حیرانی سے ان دونوں کو دیکھتی ہے۔)

اینیتا : تھنگ .... تھنگ اماں جی ۔ تھنگ

ہاجرہ : بتول .... بتول اٹھو .... اینیتا رو رہی ہے ۔

(بتول اور ہاجرہ گہری پریشانی کے ساتھ پاس آتی ہیں۔)

اینیتا : تھنگ پلیز — تو From here, where?

بتول : یہ کہہ رہی ہے اماں جی یہاں سے پھر اور کہاں!

اماں : (محبت سے سر پر ہاتھ رکھ کر) ایسی باتیں نہیں سوچتے بیٹیا جس نے یہاں تک سفر مکمل کر دیا وہ آگے بھی لے جائے گا اپنی رضا سے۔

اینیتا : My father sends me money........ just money to travel ——— travel through continents... countries... countries.....but I never find a road leading home.

اماں : کیا کہتی ہے یہ بتول؟

بتول : پتہ نہیں امّاں جی ـــــ شاید کہہ رہی ہے کہ مجھے گھر کا راستہ نہیں ملتا۔

امّاں : یہی تیرا گھر ہے ـــــ انیتا ـــــ یہی بیٹیا۔

انیتا : I am afraid-deeply afraid. Ammanji! Once when I was on the ship Victoria and we were crossing the Atlantic, I looked down into the waters and was scared of death.

امّاں : کیا کہتی ہے بتول؟

بتول : اچھی طرح سے پتہ نہیں چل رہا امّاں جی ـــــ لیکن اسے ڈر لگ رہا ہے۔

امّاں : ڈر لگ رہا ہے انیتا؟

انیتا : ہاں امّاں جی ـــــ بہت ڈر۔ بہت زیادہ ڈر۔

امّاں : ہے نا بے وقوف۔ ماں کے ہوتے ہوئے بھی کوئی بچّہ ڈرا ہے کبھی۔

انیتا : There is no place to go to... no country to belong to... no home. I travelled by boat, by road, by plane, on foot... always travelling- never reaching any destination.

(زور زور سے روتی ہے۔)

امّاں : (ہاتھ پکڑ کر) اُٹھ انیتا۔ آ اُٹھ آ میرے ساتھ۔ جب بھی میرا کوئی بچّہ ڈرتا تھا، میں اسے اپنے کمرے میں سُلاتی تھی۔ اُٹھ آ میرے ساتھ۔

بتول : میں آؤں امّاں جی؟

ہاجرہ : ہم دونوں ——— ہم آئیں ؟

امّاں : نہیں تم آرام کرو ..... سو جاؤ۔

بتول : آپ اس کی باتیں کیسے سمجھیں گی اماں جی ؟

امّاں : سمجھ لوں گی۔ دُکھ کی کونسی سو زبانیں ہوتی ہیں۔ دُکھ کی تو صرف ایک ہی زبان ہے آنسو ـــ چل اُٹھ انیتا۔ نیت کی سچّی اُٹھ ـــ چل میری بچّی۔

(اماں انیتا کو کندھے سے پکڑ کر اپنے کمرے کی طرف لے جاتی ہے۔)

——— کٹ

سین ۸ (بی)

کچھ دیر بعد

(امّاں جی کے بستر میں انیتا لیٹی ہے اور سگریٹ پی رہی ہے۔ آنسو ہولے ہولے اس کی آنکھوں سے رس رہے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ کہتی ہے :)

انیتا : تین بار ——— میں نے شادی کی ———

Ammanji! Thrice--I married thrice. Had two children-one boy from the first husband and one girl from the third.

ایک لڑکا، ایک لڑکی۔

امّاں : اور کہاں ہیں وہ دونوں .... لڑکا اور لڑکی ؟

(اس وقت بیک گراؤنڈ میں امریکہ کی کسی سڑک کا کرو ما چلتا ہے اور انیتا دو چھوٹے بچوں کا ہاتھ پکڑ کر سامنے چلتی ہے اس پر اس کی آواز سُپر امپوز ہوتی ہے۔)

انیتا : Maybe somewhere on the roads———travelling ———looking for a home-looking for a country-looking for a faith———looking for something to live for-for somebody to die for....

(زور زور سے رونے لگتی ہے۔)

(امّاں جی اس کے پاس لیٹتی ہے پھر انیتا کا سر اپنے بازو پر لیتی ہے اس کے سر پر پیار کرتی ہے۔)

امّاں : بس بس۔بس بس۔ وہ دیکھتا ہے، جانتا ہے سب کچھ۔ وہ کسی پر اتنا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ اُٹھا نہ سکے۔ اتنی دیر تک نہیں ڈالتا کہ آدمی ٹوٹ جائے۔ صرف ہم کو معلوم نہیں کہ وہ دیکھ رہا ہے جانتا ہے۔ ہم کو علم نہیں۔ نہ میری بچی۔

انیتا : But why I was choosen for this misery? Why Ammanji? Why?

امّاں : وہی جانتا ہے انیتا کو کس کٹھالی میں پگھلا کر کُندن بنانا ہے۔ تُو فکر نہ کر میری بیٹی سب خیر ہو جائے گی۔ سب۔ وہ دیکھ جو رہا ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کب کس وقت کسی کا سفر ختم ہو جانا چاہیئے۔ رونا نہیں ہے۔ ماں کی گود میں تو سب چُپ ہو جاتے ہیں تیری تو نیّت ہی صاف ہے انیتا۔ تجھے تو نیک پھل مل کر رہے گا۔ سوچ میری بیٹی۔ نیک نیّت انیتا۔ صاف نیّت انیتا۔ پاک نیّت انیتا۔ یہ تو بی بی ہے۔ پاک ہے۔ رانی ہے۔ صاف ہے۔

(اپنے بازو پر اس کا سر رکھے ساتھ لٹا کے آہستہ آہستہ اس کا سر تھپکے جاتی ہے۔)

ڈزالو اِن ٹو ———

(اماں جی کے بازو پر انیتا گھوک سوئی ہوئی ہے۔ اماں جی بھی بے سُدھ سو رہی ہے۔)

کٹ ———

سین ۹
ان ڈور
رات

(رات کے وقت دستگیر صاحب اپنے کمرے میں لیٹے ہوئے مطالعہ کر رہے ہیں۔ وہ ایک پُرانی وضع کے ٹیک دار پلنگ پر لیٹے ہیں جس پر ایک صاف سُتھرا جبنون بچھا ہوا ہے۔ پائنتی پر تہہ کیا ہُوا ایک ڈبی دار کمبل ہے۔ ان کے کمرے میں چاروں طرف الماریاں ہیں جن میں کتابیں ہیں۔ پلنگ کے ساتھ ایک پُرانی وضع کی تپائی ہے، جس پر اُونٹ کی جھلی والا ملتانی ٹیبل لیمپ روشن ہے۔

دستگیر صاحب اس وقت لال کنّی والی اور سبز چوکٹی والی لُنگی باندھے، کالر والی قمیض پہنے کھنی کے بل اس طرح لیٹے ہیں کہ ٹیبل لیمپ سے روشنی ملتی رہے۔ لیٹنے کی یہ پوزیشن مُشکل اور ٹیڑھی سی ہونی چاہیئے۔ ان کے پلنگ پر ٹائم اور ریتوز ویک کے علاوہ سائنٹیفک امریکن، ایسٹ اینڈ ویسٹ، ہیومن

بی ہیو تر وغیرہ ہونے چاہئیں۔ تپائی پر تذکرۂ غوثیہ اور نصوص الحکم ضرور ہوں۔
اس وقت وہ بڑے غور کے ساتھ کوئی "وال سٹریٹ میگزین" یا "فارچون" قسم کا
رسالہ دیکھ رہے ہیں۔ کمرے میں کنیز فاطمہ داخل ہوتی ہے۔)

کنیز : آپ گئے تھے آج ؟
دستگیر : (سمٹ کر بیٹھتے ہوئے اور جگہ چھوڑتے ہوئے) کہاں ؟
کنیز : قادری صاحب کے پاس تعویذ لینے !
دستگیر : مَیں جا تو نہیں سکا، البتہ ان کا پتہ کیا تھا۔ وہ میانوالی تشریف لے گئے ہیں۔
کنیز : (بیٹھتے ہوئے) اس لڑکی کا تو بُرا حال ہے اینا کا۔
دستگیر : کیوں کیا ہوا ؟
کنیز : رونے لگتی ہے تو اس کا اندر باہر سب کچھ بھیگ جاتا ہے۔ دیکھنے والے سے
برداشت نہیں ہو سکتا۔
دستگیر : اس نشے میں یہی کچھ ہوتا ہے کنیز فاطمہ۔ اللہ اپنا رحم کرے !
کنیز : خالی نشہ نہیں شاہ صاحب۔ اس غریب کو اور بھی بہت سے دُکھ ہیں۔ اس
چھوٹی سی عمر میں تین شادیاں کیں اور ایک بھی نہ نبھ سکی۔
دستگیر : اللہ کرم کرے !
کنیز : دو بچے ہیں۔ ایک لڑکا، ایک لڑکی۔
دستگیر : اور ان کو باپ کے گھر چھوڑا ہوا ہے۔
کنیز : کیسا باپ اور کہاں کا چھوڑنا۔ ایک بچہ اپنے ساتھ امریکہ لے گئی تھی۔ وہاں
جا کر تیسری شادی کی۔ اس میں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ خاوند چھوڑ چھاڑ
کر بھاگ گیا کم بخت مُنہ کالے والا بدفطرت۔
دستگیر : اور لڑکی اس کے پاس رہ گئی۔

کنیز : اس لڑکی کو اور اپنے پہلے بچّے کو کوئی وہاں گم ہوتے ہیں یتیم خانوں جیسے، ان میں داخل کرا کے خود سال بھر ماری ماری پھرتی رہی شہر بہ شہر، گاؤں گاؤں پھر وہاں سے واپس اپنے ملک چلی گئی۔

دستگیر : بچّوں کے بغیر!

کنیز : بچّوں کے بغیر۔ اب مامتا کی ماری اندر سے ہُوک اُٹھتی ہے تو ایسے روتی ہے جیسے ساری دنیا کو بد دعائیں دے رہی ہو (رو کر) اللہ نے گود ہری کی چاند سے بچّے دیئے اور اس بدنصیب نے اپنا گھونسلا خود اُجاڑ لیا۔ اب جو اتاں جی اماں جی کہہ کر میرے کندھے سے لگ کر روتی ہے تو کلیجہ چھلنی کر دیتی ہے۔ سارے در و دیوار روتے ہیں اس کے ساتھ۔ اس کے لیے کچھ کریں شاہ صاحب۔

دستگیر : میں کیا کر سکتا ہوں کنیز فاطمہ!

کنیز : آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اللہ نے آپ کو ہر طرح کی توفیق دی ہے۔ ہر طرح سے فضل کیا ہے آپ پر۔ اس بدنصیب، بے آسرا کی مدد کریں شاہ صاحب اللہ آپ کو بڑے درجے دے گا۔

دستگیر : میں تو حاضر ہوں کنیز فاطمہ لیکن کیا کروں۔ میری سمجھ میں تو خود کچھ نہیں آتا۔

کنیز : کچھ بھی کریں شاہ صاحب لیکن کریں ضرور۔ آپ پڑھے لکھے ہیں، صاحبِ حیثیت ہیں مجھ سے بہتر سوچ سکتے ہیں۔ انیتا کے لیے ضرور کچھ کریں۔ بیٹیوں کے دُکھ ماؤں سے دیکھے نہیں جاتے (اوڑھنی آنکھوں پر رکھ کر رونے لگتی ہے) اللہ ہر بیٹی کو شاد آباد رکھیو ـــــ تجھے تیرے نبی کا واسطہ۔ تیرے پیارے کا واسطہ۔ تیرے حبیب کا۔ تیرے رسولؐ کا۔

(پھر سسکیوں میں اس کی آواز گُم ہو جاتی ہے۔)

کٹ ـــــــــ

سین ۱۰
آؤٹ ڈور
دن

(جہانگیر اور انیتا شالیمار باغ میں۔ مختلف مقامات پر جہانگیر اور انیتا پھرتے ہیں —— جہانگیر انیتا کی تصویریں کھینچتا ہے۔ مختلف کٹس میں یہ دکھایا جاتا ہے کہ جہانگیر انیتا پر ریشہ خطمی ہو رہا ہے۔)

——— کٹ

سین ۱۱
آؤٹ ڈور
دن

(سلیم اور انیتا موٹر سائیکل پر۔ انیتا نے سر پر رومال باندھ رکھا ہے۔ وہ دونوں شہر کے پرانے علاقوں میں پھرتے ہیں۔ سلیم بھی انیتا کی محبت میں گرفتار لگتا ہے۔)

——— کٹ

سین ۱۲
ان ڈور
دن

(انیتا اور نُور میوزیم میں داخل ہوتے ہیں۔ نُور اسے میوزیم کی اندرونی چھت دکھاتا ہے۔ وہ دونوں میوزیم کے مختلف حصّوں میں خاص کر فاسٹنگ بُدھا کے سامنے دکھائے جاتے ہیں۔ ان کٹس میں میوزیم کا حُسن، نُور کا ساری باتوں کا ایکس پلین کرنا اور انیتا پر رعب گانٹھنے کا طریقہ رکھنا۔ نُور بھی انیتا کو اپنے دائرۂ اقتدار میں لانا چاہتا ہے۔)

کٹ ــــــــــــــ

سین ۱۳
ان ڈور
شام

(انیتا نے شلوار قمیص پہن رکھی ہے۔ دوپٹہ سر پر ہے۔ وہ پیڑھی پر بیٹھی ہے اور اور کونڈی ڈنڈے سے چٹنی پیس رہی ہے۔ کونڈی اس نے دونوں پیروں میں پکڑی ہوتی ہے۔ اس کے پاس ہی بتول اور ہاجرہ بیٹھی سلاد بنا رہی ہیں۔ اماں چولھے کے پاس بیٹھی پُھلکا پکا رہی ہے۔ ہاجرہ اور بتول اس وقت مل کر گا رہی ہیں۔ بعد میں اس گانے میں انیتا بھی شامل ہو جاتی ہے۔)

ہاجرہ+بتول: اے لکھی بابل مورے۔ کاہے کو بیاہی بدیس ....

بتول : بھیا کو دیئے محل دو محلے مجھ کو دیا پردیس .....

دونوں ملکر : ہے لکھی بابل مورے۔ کاہے کو بیاہی بدیس ....

(نُور باورچی خانے تک آتا ہے اور اشارے سے انیتا کو بُلاتا ہے۔ انیتا پاس آتی ہے۔ وہ اسے سگریٹ کی ڈبیا دیتا ہے۔ انیتا لاتعلقی سے شکریہ کہتی ہے۔ لیکن ڈبیا پکڑاتے وقت نُور اس کا ہاتھ لحظہ بھر کو پکڑ لیتا ہے اور مُسکراتا ہے۔ انیتا سرد مہری سے واپس آکر چٹنی کوٹنے لگتی ہے۔ اس دوران دونوں بہنیں گاتی رہتی ہیں۔)

اماں : نُور کیا کہتا تھا انیتا ؟

انیتا : کچھ نہیں اماں جی - My bad habits!

(سگریٹ کی ڈبیا دکھاتی ہے۔)

بتول : اب تو صرف دو تین سگریٹ کا چکّر رہ گیا ہے انیتا باجی۔

اماں : ہاں - اللہ نے چاہا تو یہ بھی چھوٹ جائے گا۔

انیتا : Let us sing!

تینوں ملکر : اے لکھی بابل مورے .... کاہے کو بیاہی بدیس ....

کٹ ______

سین ۱۴
ان ڈور
رات

(اباجی پلنگ پر لیٹے ہیں۔ ہاجرہ اور بتول ان کے ہاتھ اور پاؤں دبا رہی ہیں۔

انیتا اندر آتی ہے۔ اس کے پیچھے چند سکینڈ بعد جہانگیر بھی آتا ہے۔)

انیتا : Abaji! Are you all right?

دستگیر : (ہنس کر) Tired and old, Anita.

(انیتا بھی پائنتی بیٹھتی ہے۔ جہانگیر سامنے کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔)

انیتا : I will do some physiotherapy, Abaji.

(بیٹھ کر ٹانگیں دبانے لگتی ہے۔ جلدی سے جہانگیر اُٹھتا ہے۔)

جہانگیر : What are you doing Anita? Please get up--- this is not your job.

دستگیر : دبانے دے بیٹا۔۔۔ باپ کے دل سے دُعا نکلتی ہے۔ بیٹی کو ثواب ملتا ہے۔ دبانے دے۔

انیتا : دبانے دے .... دبانے دے .... Yes--You are right Abaji I like it.

دستگیر : جب ہماری تینوں بیٹیاں بیاہ کر چلی جائیں گی اور گھر میں تین بہوئیں آجائیں گی تو ہم ان کو بتائیں گے ۔۔۔ فخر سے، محبت سے، کہ بیٹی ہونے میں کتنا حُسن ہے .... بیٹی کی خدمت گزاری میں کتنا پیار ہے .... جس گھر میں بیٹی نہ ہو وہاں تو .... چاندنا ہی نہیں ہوتا۔

جہانگیر : اباجی یہ لوگ ایسی باتوں سے متاثر نہیں ہوتے .... اُلٹا ہم پر ہنستے ہیں۔

دستگیر : کس نے کہا تم سے؟ ان کو تو یہ باتیں کسی نے کبھی پہنچائیں ہی نہیں بتائی ہی نہیں .... یہ ان پر کیسے ہنس سکتے ہیں؟

کٹ

سین ۱۵
ان ڈور
شام کا وقت

(سب قالین پر دسترخوان کے اردگرد بیٹھے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد انیتا شلوار قمیض پہنے ایک بڑا دیگچہ کشمیری چائے کا اُٹھا کر لاتی ہے۔ پھر وہ بڑے اور گہرے کڑچھے سے سب کو پیالیوں میں ڈال کر چائے دیتی ہے۔)

نُور : پلیز اماں جی خدا کے لیے اب اس سے دیگچے تو نہ اُٹھوایا کریں۔ یہ بڑے امیر باپ کی بیٹی ہے۔

اماں : یہ خود ضد کر رہی تھی کہ یہی آج کشمیری چائے بنائے گی۔

سلیم : جب یہ واپس سویڈن جائے گی تو مضمون چھاپے گی ہماری جہالت اور کم ظرفی پر۔

جہانگیر : ایک مضمون یہ پوری کتاب لکھے گی۔ شاہ جی اینڈ فیملی ـــــ اچھی طرح ہمارا بھانڈا پھوڑے گی مغرب والوں پر۔

اماں : میں تو اسے بہت منع کرتی ہوں جہانگیر، یہ مانے بھی ۔ ۔ ۔ ابھی کل تھاپے سے کپڑے دھونے بیٹھ گئی تھی کھُرے میں۔

دستگیر : اچھا ہے۔ اچھا ہے ـــــ جو کچھ ماں کرتی ہے وہی بیٹیوں کو کرنا چاہیے۔

انیتا : Have I done anything wrong?

نُور : No, no-we all misbehave.

انیتا : What do you mean?

نُور : We mean that we seem to forget that you are a westerner and belong to a very rich family.

انیتا : Go on Noor.... — لیں اباجی کشمیری چائے۔

دستگیر : (ایک گھونٹ پی کر) واہ ہماری انیتا تو سب سے نمبر لے گئی — لو بھئی کنیز فاطمہ اس نے تو تمہیں بھی مات کر دیا۔

انیتا : (خوشی سے) رئیلی!

بتول : یس انیتا باجی! ویری گڈ۔

سلیم : بابا تم تو اپنی چھٹانک بھر انگریزی نہ ہی بولا کرو بتول! مجھے شرم آتی ہے۔

ہاجرہ : اس کو بھی تو اُردو نہیں آتی بھائی جان۔

نُور : واہ سبحان اللہ۔ مردہ جب بھی بولے گا کفن ہی پھاڑے گا — اس کو اُردو آئے نہ آئے ہمیں تو انگریزی آنی چاہیئے۔ انگریزی نہ آنا تو شرم کی بات ہے بتول!

انیتا : What are you saying, Noor?

نُور : I was saying when you will go back to Sweden, you will laugh at us.

اماں : کیا کہتا ہے نُور؟

انیتا : Why? Why will I laugh at you?

جہانگیر : At everything-- our clothes--our culture--our language--everything.

انیتا : Do I look so ungrateful?

اماں : کیا کہتی ہے انیتا؟

انیتا : I think I will never go back-and even if I do, then I shall cherish the memory like a desert cherishes the oasis.

اماں : کیا کہتی ہے انیتا؟

(کوئی جواب نہیں دیتا۔)

شاہ جی انیتا نے کیا کہا ہے ابھی؟

دستگیر : کہتی ہے جب یہ واپس جائے گی اپنے وطن تو ہمیں ایسے یاد کرے گی جیسے ریگستان اپنے نخلستان کو یاد کیا کرتا ہے۔

اماں : اس کو بھی بتا دیں شاہ جی .... مائیکہ سے بیٹی کو گئے چاہے چالیس سال ہو جائیں میکہ بیٹی کو اسی طرح یاد رکھتا ہے .... ہر تہوار پر .... ہر رُت میں .... اس کا انتظار رہتا ہے .... ماں باپ مانیں نہ مانیں منہ سے کہیں نہ کہیں وہ تو ہر آہٹ کو بیٹی کے پیروں کی چاپ سمجھتے ہیں۔

کٹ ــــــــــــــ

سین ۱۶

ان ڈور

رات

(کیمرے کے فریم میں دو ہاتھ اُبھرتے ہیں۔ یہ ہاتھ انیتا کے ہیں۔ ایک ہاتھ کو ہاجرہ اور دوسرے پر بتول مہندی لگا رہی ہے۔ بیک گراؤنڈ میں ڈھولک بج

رہی ہے۔ پھر کیمرہ اُوپر اُٹھتا ہے۔ تینوں نے بہت زرق برق لباس پہن رکھا ہے۔ اس وقت انیتا نے غرارہ قمیض پہن رکھا ہے اور خوب زیور پہنا ہوا ہے۔ ڈھولک گیت فیڈ آؤٹ ہو جاتا ہے۔)

ہاجرہ : یُو لائیک دِس انیتا باجی ؟

انیتا : ویری بیوٹی فل ..... اینڈ فائن۔

(اس وقت سلیم اندر آتا ہے۔)

سلیم : اوہو یہ اس وقت مہندی لگ رہی ہے۔

بتول : ابھی دس منٹ میں رنگ پکّا ہو جائے گا سلیم بھائی۔

سلیم : ابّا جی انتظار کر رہے ہیں، تم یہاں مہندیاں لگالو دب دب کے۔

بتول : اس کو شوق تھا۔

سلیم : اس کو کوئی شوق نہیں ہوتا۔ تم شوق دلاتی ہو۔

انیتا : Why are you angry?

سلیم : I am not angry. They worry you all the time.

انیتا : Come on, not they-but others.

ہاجرہ : چلیں بھائی جان ....

بتول : ذرا مہندی سُوکھ جانے دیں سلیم بھائی۔

(سلیم پاس بیٹھ جاتا ہے۔)

بتول : اس کو ذرا بتادیں ماموں کے بارے میں — یہ ہم سے پُوچھ رہی تھی۔

سلیم : اور تمہاری انگریزی ختم ہو گئی !

ہاجرہ : ہاں جی

سلیم : The house where we are going....

انیتا : Uncle Shabbir's?

سلیم : Yes-He is a big shot-a big officer. His son has brought his wife.

ہاجرہ : آپ غلط بتا رہے ہیں سلیم بھائی ۔۔۔ شادی اسلام آباد میں ہوئی تھی ۔۔۔ پہلی بار دلہن لاہور آئی ہے ۔ چار مہینے ہو گئے ہیں شادی کو۔

سلیم : اس سے کیا فرق پڑتا ہے اس کو ۔ چاہے پہلی بار ہو چاہے دسویں بار ۔

انیتا : We are going to see the bride today?

بتول : Not very fresh-but new bride.

(اس وقت اماں جی آتی ہیں ۔ انہوں نے بھی زرق برق لباس پہن رکھا ہے ۔)

اماں : ہاجرہ بتول خدا کے لیے کچھ تو وقت کا خیال رکھا کرو ۔ بھائی شبیر کیا کہتے ہوں گے ۔ مٹھائی رکھوا دی کار میں ؟

سلیم : جی اماں جی

اماں : چلو پھر جلدی کرو ۔

انیتا : Should I wash it now?

بتول : یس

(انیتا اندر جاتی ہے ۔ بتول اور ہاجرہ برقعہ پہنتی ہیں سلیم باہر جاتا ہے ۔)

اماں : کتنی خوبصورت لگتی ہے پتلی سی !

بتول : مجھے تو لگتا ہی نہیں کہ کبھی انیتا باجی ہمارے ساتھ نہیں تھیں ۔

(انیتا واپس آتی ہے ۔)

انیتا : How about me? Where is my burqa?

اماں : برقعہ بھی پہنو گی انیتا ؟

انیتا : جی

(اماں جی لا کر برقعہ پہناتی ہے۔ اُوپر سے نُور آتا ہے۔)

نُور : اللہ برقعہ بھی پہنا دیا اسے ـــ آپ لوگ تو پاگل ہو گئے ہیں سب کے سب۔ بیچاری کا ناس مار دیا ہے۔ وہ بھی احسان تلے کچھ بول نہیں سکتی۔

انیتا : What are you saying, Noor?

ـــــــ کٹ

سین ۱۷

ان ڈور

رات

(انیتا، اس کی اماں جی اور دوسرے سارے گھر والے ماموں شبیر کے یہاں پہنچ چکے ہیں۔ یہ ایک نہایت ہی ماڈرن گھر اور انتہائی ماڈرن گھرانہ ہے۔ اس وقت ہم اپنی توجہ ایک چھوٹے سے "کافی ایپی سوڈ" پر مرکوز کرتے ہیں۔

ایک خوبصورت گلیزڈ برآمدے میں جس کے اندر بہت سے ربڑ پلانٹ پھیلے ہوئے ہیں اور دُوسرے اِنڈور پلانٹ لگے ہیں۔ روٹ آئرن سیٹ پر لوگ بیٹھے ہیں۔ ماموں شبیر ایک کونے میں کھڑے پائپ پی رہے ہیں۔ باقی لوگ بیٹھے ہیں۔ زرینہ خوبصورت ٹرالی دھکیل کر اندر لاتی ہے۔)

سُہو : پھوپی جان آپ کافی پیئیں گی ؟

اماں : ناں بیٹا - مہربانی

ساس : آپ تھوڑی سی چیز لے لیں آپا -

اماں : بس میں یہ ایک بسکٹ لے لیتی ہوں -

شبیر : اس بسکٹ پر تو چیز لگاتے ہیں آپا —— خالی نہیں کھاتے -

سُہو : Would you care to have some caviare?

انیتا : No thanks!

سُہو : Whole grain muffin with butter spread?

انیتا : No thanks!

سُہو : Romaine lettuce with chopped black olives?

انیتا : Just coffee!

سُہو : Black or with cream?

انیتا : Black!

شبیر : Bring her one honey-cinnamon toast.

انیتا : Oh no, thank you. Just coffee!

ساس : Why don't you stay with us, Anita?

شبیر : It will be more comfortable, closer to your cultural set-up. ——————

اس کو یہاں چھوڑ جائیں آپا - یہاں یہ زیادہ خوش رہے گی زرینہ اور سعدیہ کے ساتھ !

امّاں : بڑے شوق سے شبیر۔ جہاں اس کا جی چاہے رہے۔

انیتا : No Anmmanji! I will go with you......... Thank you very much.

ساس : آپ کے گھر میں تو اس کو بڑی تکلیف ہوتی ہوگی آپا۔ نہ کوئی بات کرنے والا نہ اس کی زبان سمجھنے والا۔

شبیر : پھر آپ کا گھرانہ بھی ماشاء اللہ سولھویں صدی کا ہے۔ کیا امپریشن پڑتا ہوگا اس پر ہم لوگوں کا کہ سارے پاکستانی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ پینیڈو سے۔ جانگلی!

انیتا : I am more at home with Ammanji than anywhere else in the world. Thank you.

شبیر : ارے! یہ اُردو سمجھتی ہے۔

انیتا : تھوڑا تھوڑا....

شبیر : We have all seen your country.

انیتا : Ha ha!

شبیر : Now we are planning to settle down in Canada.

انیتا : Bless your soul!

شبیر : بھئی اس کو زرینہ بیٹیا Show her your album

ببو : Sure daddy!

(جاتی ہے۔)

شبیر : اور اس کو آپا ایسے کپڑے نہ پہنایا کریں آپ لوگوں کی خوشنودی کے لیے یہ لوگ پہن تو لیتے ہیں لیکن ان کو بڑی تکلیف ہوتی ہے، بیچاروں کو.....

انیتا : I am more comfortable like this.

ساس : اوہو! بڑا جادو چل گیا بھائی دستگیر کا۔

(بھو البم لے کر آتی ہے اور انیتا کے پاس اس کے صوفے کے آرم پر چڑھ کر بیٹھ جاتی ہے اور البم کھولتی ہے۔ انیتا شوق کے ساتھ دیکھتی ہے۔)

کٹ ———

سین ۱۸
اِن ڈور
دن

(بتول ہاجرہ اور انیتا کا کمرہ : اس وقت انیتا اپنے پرانے سکرٹ بلاؤز میں ملبوس ہے اور دھڑا دھڑ سگریٹ پی رہی ہے۔)

انیتا : I am going to the American Express, Batul.

(اماں جی اندر آتی ہیں۔)

اماں : تم تینوں ذرا میرے کمرے میں تو آنا۔ ذرا قالین نکالنا ہے جھاڑنے کے لیے۔

بتول : انیتا باجی تو باہر جا رہی ہیں۔

اماں : کہاں؟

انیتا : ابھی آجاؤں گی اماں جی —— گڈ بائی

(اماں جی کو بوسہ دے کر جاتے ہوئے)

Please tell her everything, Batul.

امّاں : انیتا! یہ ایسے کیسے چلی گئی — کیا بات ہے ؟

بتول : تم بتادو ہاجرہ۔

ہاجرہ : بس وہ آپ سے کہہ کر گئی ہیں کہ مجھ سے۔ میں کیا بتا دُوں ؟

امّاں : بات کیا ہے ؟

بتول : انیتا باجی کو شادی کا پیغام دیا ہے۔

امّاں : شادی کا پیغام ؟ — کس نے ؟ نُور نے ؟

بتول : ہاں جی — اور جہانگیر بھائی نے اور سلیم بھیّا نے۔

امّاں : یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تینوں بھائی ایک ہی لڑکی کو کیسے پیغام دے سکتے ہیں۔

ہاجرہ : جی اماں! ایسے ہی ہوا ہے۔ انیتا باجی کو بھی غصہ چڑھا ہُوا ہے۔

امّاں : (غم سے بیٹھتے ہوئے) ان تینوں کا بھی کوئی قصور نہیں۔ سفید چمڑی پر ہمارے لوگ ہمیشہ باجماعت ہی مرتے رہے ہیں۔ یہ تو ابھی بالکل ہی ناتجربہ کار ہیں یہ کیسے نہ مریں گے!

کٹ —————

سین ۱۹
ان ڈور
رات کا وقت

(دستگیر پلنگ پر کمبل اوڑھے بیٹھا ہے۔ اس کے ارد گرد کتابیں پھیلی ہیں اور وہ جلال میں ہے۔)

دستگیر : جب آدمی کسی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے تو آخر کوئی وجہ تو ہوتی ہے۔

جہانگیر : اب میں کیا عرض کروں اباجی۔

دستگیر : تمہیں محبت ہوگئی ہے انیتا سے؟

جہانگیر : وہ بھی ہے لیکن ۔۔۔۔

دستگیر : یعنی محبت نہیں ہے، وجہ کوئی اور ہے۔

جہانگیر : اباجی سچی بات یہ ہے کہ میں سویڈن میں مستقل طور پر سیٹل ہونا چاہتا ہوں۔ میری انجنیئرنگ کا یہ آخری سال ہے۔

دستگیر : تو تم انیتا سے شادی کرکے مائیگریٹ کرنا چاہتے ہو سٹاک ہوم میں۔۔۔۔۔

جہانگیر : یہ مغربی آدمیوں سے بہت متنفر ہو چکی ہے۔ اسے ان پر اعتماد نہیں رہا بالکل بھی ۔۔۔۔ ہم لوگوں کو زیادہ پسند کرتی ہے۔

دستگیر : اور مشرقی آدمیوں کا بھرم تم کھول دینا چاہتے ہو۔

جہانگیر : اباجی آپ کیوں نہیں سمجھتے۔ انیتا میرے روشن مستقبل کا دروازہ ہے۔ اس کا باپ ایک بہت بڑے کامپلکس کا مالک ہے ـــ انیتا وہاں جاکر میری بہت مدد کر سکتی ہے۔

دستگیر : بیویاں ضرور مدد کرتی ہیں۔ لیکن جیسی مدد تم اپنی بیوی سے چاہتے ہو، اس کا میں قائل نہیں۔

جہانگیر : انیتا نے سارا فیصلہ آپ پر ۔۔۔ اور اماں جی پر چھوڑ دیا ہے ـــ آپ چاہیں تو میرا سارا مستقبل سنور سکتا ہے۔۔۔۔

دستگیر : ہاں ہمیں ہمیشہ اپنے ہی مستقبل کی فکر رہی ہے ۔۔۔ یہی ہماری خصوصیت ہے ۔۔۔۔ اسی کی خاطر ہم بیٹے ہیں۔ یہی ہمارا منتہائے مقصود ہے۔

کٹ ـــــــــــــ

سین ۲۰
ان ڈور
شام کا وقت

(ابا اور سلیم دونوں برآمدے میں بیٹھے ہیں۔ چائے کے برتن سامنے دھرے ہیں۔)

سلیم : اباجی ــــ ہم ضرور کارخانے والے ہیں۔ ہم پر اللہ کی ضرور مہربانیاں ہیں۔ لیکن ہم سارے خاندان میں backward ہیں۔ آپ اپنی بتول اور ہاجرہ کو دیکھ لیں۔ ایک بھی جملہ انگریزی کا نہیں بول سکتیں ــــ اماں جی کو دیکھ لیں ــــ سارا خاندان کہاں کا کہاں پہنچ گیا۔ ریفائن منٹ میں۔ کلچر میں .... لیکن ہماری فیملی ابھی تک ....

ابا : تمہاری تعلیم کسی سے کم نہیں۔ تم کیمسٹری میں ایم۔ ایس سی کر رہے ہو.... نور لار کے آخری سال میں ہے۔ جہانگیر انجینئر ہونے والا ہے اور کیا چاہیئے۔

سلیم : صرف پڑھائی سے کچھ نہیں ہوتا اباجی جب تک کلچرل ریفائنمنٹ نہ ہو۔ ہم لوگ اپنے رشتہ داروں میں پینڈو لگتے ہیں۔ بیوقوف لگتے ہیں۔ ہمارا رہن سہن بولنا چالنا سب گنوار و جیسا ہے۔

ابا : اور تم انیتا سے شادی کر کے اپنا احساس کمتری مٹانا چاہتے ہو۔

سلیم : مجھے اس سے بہتر شارٹ کٹ اور کوئی نظر نہیں آتا۔

ابا : میں سمجھتا تھا تمہیں انیتا سے محبت ہو گئی ہے۔

سلیم : محبت کی اس کے نزدیک کوئی ویلیو نہیں ہے اباجی۔ وہ تین بار پہلے بھی محبت کر چکی ہے۔

ابا : چلو وہ تو محبت کے معاملے میں سیانی ہو گئی ہے لیکن تمہارا تو یہ پہلا موقع

ہے۔ تمہیں تو اسقدر مادی نظریہ نہیں رکھنا چاہیئے شادی کے بارے میں۔۔۔۔۔

سلیم : تو آپ کیا میری شادی کسی بتول کسی ہاجرہ جیسی اَن کلچرڈ لڑکی سے کرنا چاہتے ہیں، جو ایک جُملہ انگریزی کا صحیح نہ بول سکے۔

دستگیر : ایسا سانچہ اب کہاں رہ گیا ہے سلیم ـــ اب تو سبھی تیزی سے ریفائین ہو رہے ہیں۔

سلیم : دیکھیئے اباجی ـــ میں تو آپ سے کبھی مشورہ بھی نہ کرتا ـــ لیکن انیتا کہتی ہے جو فیصلہ اباجی کریں گے، وہی مجھے منظور ہوگا۔ آپ سمجھتے کیوں نہیں اباجی

دستگیر : میں سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں بیٹے اور بہت کچھ سمجھ گیا ہوں۔

کٹ ـــــــــــــــ

سین ۲۱
ان ڈور
رات

(باپ کمرے میں ٹہل رہا ہے۔ نُور صوفے پر بیٹھا ہے۔)

دستگیر : تمہاری وجہ سب سے زیادہ تکلیف دہ اور منحوس ہے۔

نُور : کمال ہے اباجی ـــ کسی کو مسلمان کرنے کی آرزو تکلیف دہ ہے۔ میں تو یہی سمجھتا رہا کہ آپ سب بھی یہی کوشش کر رہے ہیں۔

دستگیر : مسلمان تو وہ کسی کو کر سکتا ہے نُور جو خود مسلمان ہو۔۔۔۔۔ جس کا کردار جس کے افعال جس کی پاکیزگی ایسی ہو کہ دوسرا دیکھتے ہی کلمہ پڑھنے لگے۔ دباؤ

سے باتوں سے تقریروں سے تو کسی کو مسلمان نہیں کیا جا سکتا یہ تو اکراہ ہے....

نُور : وہ اِس گھر سے جانا نہیں چاہتی اباجی ــــ میں نے اس سے شادی کا اظہار کیا ہے ــــ لیکن صرف اس شرط پر کہ وہ مسلمان ہو جائے۔

دستگیر : واہ سُبحان اللہ! ــــ کیا دباؤ ڈالا ہے اس کی مجبوری دیکھ کر۔ چونکہ وہ اس گھر سے جانا نہیں چاہتی اس لیے تم نے فوراً اپنی شرط پیش کر دی۔ شاباش!

نُور : اپنی اپنی تھنکنگ ہے اباجی ــــ میں سمجھتا ہُوں میں اسلام کی بہت خدمت کر رہا ہوں ــــ فرنگی عورت سے شادی کر کے نہ صرف میں اپنی آئندہ نسل کی رنگت بہتر کر دوں گا بلکہ ایک فرد کو مسلمان بھی بنا دوں گا۔

دستگیر : واہ کیا بادشاہوں جیسی سوچ ہے تمہاری۔ وہ بھی حملہ کرتے وقت یہی سوچا کرتے تھے کہ ہم ان لوگوں کی خدمت کر رہے ہیں مجبوروں کی محکوموں کی....

نُور : تو کیا آپ نہیں چاہتے کہ انیتا مسلمان ہو جائے۔

دستگیر : چاہتا تو شاید میں بھی یہی ہُوں لیکن تمہاری طرح سے نہیں۔

نُور : سوچ لیں اباجی ــــ اچھی طرح سوچ لیں۔ اس وقت ایک نیکی کا موقع ہاتھ لگا ہے۔ اس کو نہ گنوائیں۔ سارا فیصلہ اس نے آپ پر چھوڑ دیا ہے۔

دستگیر : میں تو سمجھتا تھا کہ تمہیں انیتا سے محبت ہو گئی ہے۔ اس لیے تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو۔

نُور : وہ بھی ہے، لیکن میرا جذبہ اس پر غالب ہے۔ آپ مجھیں تو سہی اباجی۔

دستگیر : میں خوب سمجھ گیا ہوں اباجی کے لاڈلے۔

ـــــــــــ کٹ

سین ۲۲
ان ڈور
رات

(انیتا شلوار قمیض پہنے کمرے میں قالین پر رکھے ہوئے ائر ٹریول سُوٹ کیس میں کپڑے رکھ رہی ہے۔ وہ الماریوں سے کپڑے نکالتی ہے اور ان کو تہہ کر کے سُوٹ کیس میں رکھے جاتی ہے۔ ایک سُوکھا ہُوا ہار اور دو سُوکھے ہُوئے گجرے الماری میں سے اُٹھاتی ہے ان کو محبت بھری نگاہ سے دیکھتی ہے اور پھر ان کو کپڑوں کی تہہ میں صفائی کے ساتھ رکھ کر اس پر اپنے دوسرے کپڑے رکھتی ہے۔)

کٹ ______

سین ۲۳
ان ڈور
رات

(ابّاجی کے کمرے میں ان کے تینوں بیٹے صوفے پر بیٹھے ہیں۔ ابّاجی پلنگ کے ساتھ ڈھو لگا کر خاموش بیٹھے چھت کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اماں داخل ہوتی ہے۔)

اماں : انیتا جا رہی ہے شاہ جی۔

نُور : جا رہی ہے تو ہم کیا کریں اماں جی۔ ایسے لوگوں کا دل ہمارے یہاں نہیں لگ سکتا۔

جہانگیر : اُن کی تہذیب اور ہماری اور۔ یہ کب تک ہمارے ساتھ رہ سکتے ہیں۔
اماں : میرا تو دل ڈوبا جاتا ہے ۔
سلیم : آپ کا دل خوامخواہ ڈوب رہا ہے اماں ۔
نُور : یہ مادہ پرست لوگ ہیں اماں میٹریل ورلڈ کے پُجاری۔ یہ ہمارے درمیان نہیں رہ سکتے۔
ابا : یہ بکواس بند کرو روحانی دُنیا کے نمائندو —— بے حیاؤ۔ بس کرو —— تم نے اپنی روحانیت کا اور شرافت کا جو ثبوت دیا ہے اس کے قصیدے اس شہر کی دیواروں پر آویزاں ہو چکے ہیں۔
نُور : ہم نے اپنی میزبانی میں کوئی کسر تو نہیں اُٹھا رکھی اباجی ۔
ابا : بھک منگے کی میزبانی بھی اس کے جال کا ایک پھندا ہوتی ہے نُور صاحب جس سے وہ صاحبِ حیثیت مہمانوں کو شکار کیا کرتا ہے ۔تم کوئی بے غرض و غایت مہمان نوازی تو نہیں کرتے رہے ۔
جہانگیر : یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں اباجی !
ابا : میں صحیح عرض کر رہا ہوں جہانگیر صاحب ۔تم لوگ انڈر ڈیولپڈ کنٹریز بن کر اور پس ماندہ ملکوں کا رُوپ دھار کر ہر ملک کے ہر چوراہے پر ہاتھ پھیلا کر کھڑے ہو جاتے ہو اور اپنی رنگ برنگی جھولیاں دکھا کر صدائیں لگانی شروع کر دیتے ہو —— اور جب تم سے زیادہ انڈر ڈیولپڈ کنٹریز کو تمہاری مدد کی ضرورت پڑتی ہے تو صاف آنکھیں چُرا جاتے ہو۔ بات ہی سمجھ میں نہیں آتی تمہارے !
سلیم : ہم سے زیادہ پس ماندہ ممالک اور کون سے ہیں اباجی !
ابا : ایک خود غرض ، حریص اور لالچی شخص ہمیشہ یہی کہا کرتا ہے جو تم کہہ رہے ہو۔

اس کو بھی اپنی ناک کے آگے اور کچھ نہیں سُوجھتا۔ وہ بھی میرے تینوں بیٹوں کی طرح ہر وقت receiving end پر رہتا ہے — giving end پہ کبھی نہیں آتا۔

سلیم : لیکن ابا جی . . . . .

ابا : ہر وقت اپنی خواہشوں کی ڈائری بھرنے والو! تم نے کبھی سوچا ہے کہ پسماندہ ترین ملک تمہیں کس لجاجت سے اور کس دردمندی سے پکارتے ہیں۔ کس کس طرح ایڑیاں اُٹھا کر تمہاری مدد کے منتظر ہیں۔ کتنی دیر سے تمہاری راہ تک رہے ہیں۔

نُور : یہ آپ کن ملکوں کی بات کر رہے ہیں ابا جی۔

ابا : میں ان ملکوں کی بات کر رہا ہوں جو گھبرائے ہوئے ہیں، پریشان ہیں، دُکھی ہیں، ڈسٹربڈ ہیں۔ جو تمہاری توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لیے اجتماعی خودکشیاں کر رہے ہیں، ٹوٹ پھوٹ رہے ہیں، ٹوٹ پھوٹ کا سامان مہیا کر رہے ہیں۔ جرمنی ہے، انگلستان ہے، سکنڈے نیویا ہے، امریکہ ہے، سارا یورپ ہے، سارا مغرب ہے۔

نُور : یہ پسماندہ ملک ہیں ابا جی!

ابا : پسماندہ ترین نُور صاحب۔ مجبور و محکوم، مظلوم۔ کیا ان دکھیاروں کی، ان معذوروں کی مدد تم پر فرض نہیں۔ تم جو انبیائے کرام کا علم رکھتے ہو، روحانی سرچشموں کے سجادہ نشین ہو، ودیا اور معرفت کے گٹھڑ سر پر اُٹھائے پھرتے ہو۔ کیا تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں۔ تمہارا کوئی فرض نہیں۔ کیا تمہاری ذمہ داری صرف ایڈ مانگنے تک ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے نوٹس اور خلاصے حاصل کرنے تک محدود ہے۔ کیمرے، کیسٹ، کولون اور کیڈلاکس

امپورٹ کرنے تک ہے۔ ٹیٹرا مائی سین، ٹرکیٹر اور ٹرائی سٹار کا قبضہ حاصل کرنے تک ہے — تم کیا ہو یار دا اپنے گریبان میں مُنہ ڈال کر تو دیکھو۔

جہانگیر : آپ بھی کمال کرتے ہیں ابا جی۔ ہمارے پاس دینے کو ہے ہی کیا۔

ابا : ہر لالچی اور خود غرض — اور خود نگر انسان یہی کہا کرتا ہے — وہ معذور ہیں اور تم ان کا ہاتھ نہیں تھام سکتے۔ وہ گھبرائے ہوئے ہیں اور تم ان کو سہارا نہیں دے سکتے۔ وہ بیمار ہیں اور تم ان کی تیمار داری نہیں کر سکتے۔

سلیم : وہ بیمار ہیں ابا جی یا ہم بیمار ہیں!

ابا : وہ بیمار ہیں اور تم مکار ہو۔ تم کو صاف نظر آ رہا ہے کہ اُنہوں نے خدا کے بغیر ایک غیر فطری اور طاقت ور ماحول پیدا کر لیا اور وہ اس جکڑ بند غیر فطری ماحول میں خوشی اور سکون کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنی دیوانگی میں سائنس اور سیاست کے گٹھ جوڑ سے قتل اور ہلاکت کو ایک انڈسٹری بنا لیا ہے۔ اور یہ انڈسٹری بڑے پیمانے پر ہول سیل مال تیار کر رہی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ دونوں سُپر پاوریں صرف اس لیے سُپر ہیں کہ ان کی killing capacity دوسرے ملکوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے۔ وہ کم سے کم مدت میں زیادہ سے زیادہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتارنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ ہر سُپر پاور کلب کا ادنیٰ سے ادنیٰ ممبر انسان کو صفحۂ ہستی سے ملیامیٹ کرنے کے ایک سے زیادہ گُر جانتا ہے وہ بیمار ہیں، مجنون ہیں، سائیکو ہیں۔ کیا ان کی مدد کرنا ہمارا فرض نہیں . . . . ہماری ذمہ داری نہیں . . . . لیکن تم تو ان دیوانوں اور مجنونوں کی گٹھڑیوں پر نگاہیں جما کر رال ٹپکا رہے ہو، تم ان کی کیا مدد کرو گے۔ تم تو خود کسی مال کی وجہ سے تھر تھر کانپ رہے ہو تم ان کی کیا تیمار داری کرو گے۔ پچھلے چار سو برس سے کنیز فاطمہ!

مغرب کی مشینی برتری نے ہم پر یہ مسمریزم کر رکھا ہے کہ غیر انسان، انسان سے بہتر ہے ــــ بے اقداری، اقدار سے ارفع ہے ــــ زیادہ کم سے اعلیٰ ہے ــــ زیادہ، زیادہ .... اور زیادہ ....ھل من مزید .... affluence ــــ کثرت کثرت کثرت ــــ "اور مار ڈالا تم کو کثرت کی ہوس نے۔ حتیٰ کہ جا دیکھیں تم نے قبریں ــــ" مغرب کو اور مغرب کے اِن مجبور و معذور پس ماندہ ملکوں کو اس کثرت پرستی کا احساس ہو چکا ہے لیکن ان کا ہاتھ تھامنے والا، ان کی رال پونچھنے والا اور ان کے کپڑے جھاڑنے والا کوئی نہیں۔ وہ بڑے بے یار و مددگار اور بے حد اکیلے ہیں ــــ اور جب تک تم اُنہیں نبیوںؑ کے عطا کردہ علم کی ایڈ نہیں دو گے وہ اپنے حالات کی پیداوار ہی بنے رہیں گے ــــ اور یاد رکھو گوبر کے حالات سے گوبر کے کیڑے ہی پیدا ہو سکتے ہیں، موتی اور مروارید نہیں۔

نور : لیکن ابا جان .... میں ....

ابا : شکریہ ! مہربانی

(سارے ماحول پر چند سیکنڈ کے لیے خاموشی چھا جاتی ہے۔)

کٹ ــــــــــــ

سین ۲۴

ان ڈور

رات

(انیتا جیسے تیار کھڑی ہے۔ اس کے سامنے اباجی اور اماں کھڑے ہیں۔ اس نے

اپنا اٹیچی کیس جو پہلے ہاتھوں میں اُٹھایا ہُوا تھا اب زمین پر رکھ دیا ہے۔)

آبا : مجھے افسوس ہے انیتا بیٹی یہ جو کچھ ہُوا ــــ یہ نہیں ہونا چاہیئے تھا ــــ لیکن ایسے ہوتا ہے جب آدمی لالچ کا شکار ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

اماں : انگریزی بولیں شاہ جی۔

انیتا : ٹھیک ہے ــــ اماں جی

آبا : تمہارے پاس دو راہیں ہیں۔ پہلی چوائس یہ ہے کہ تم میرے کسی بیٹے سے شادی کر کے میری بہو بن جاؤ۔ My daughter-in-law

اماں : ہمیں قبول ہے۔

آبا : دوسری صورت یہ ہے The car is ready. You can go to the airport.

اماں : اور تیسری یہ ہے انیتا . . . . کہ تم . . . . میرے ساتھ رہو ــــ ہاجرہ اور بتول کی بڑی بہن بن کر . . . . اگر قبول کرو . . . . آپ اسے بتا دیں شاہ جی۔ سمجھا دیں اسے۔

انیتا : (آہستہ) I understand Ammanji...But I better go.

اماں : کیوں انیتا . . . . کیوں بیٹے۔

انیتا : گڈبائی It is better for all of us .....

(ماں سے جپھی ڈال کر پیار کرتی ہے ۔ کیمرہ ان دونوں کے کلوز پر آتا ہے۔)



گونگا اور کمپنی بہادر

کردار :

پروفیسر بیدل : آرکیالوجی کا معمر پروفیسر
پروفیسر رفیق : آرکیالوجی کا پروفیسر عمر تیس پینتیس
نعیم (نوشی) : نوجوان ماڈرن سٹوڈنٹ
جوّاد : نعیم کا ہم عمر
ریحانہ (حانہ) : ماڈرن نوجوان لڑکی ۔ طالبہ
زینت : ریحانہ کی ہم عمر
چوہدری کرم داد : دیہات کا چودھری جس کی ماڈرن لوگوں کے سامنے سیٹی گم ہو جاتی ہے۔
داروغہ : انگریزوں کا وفادار ، ماضی میں بسنے والا
گونگا : معصوم بھولا بھالا
طالعاں : گونگے کی ماں
چودھرائن : جب تک شہر کی شان نہ دیکھی تھی اپنے آپ کو بہت اہم سمجھتی تھی
جمیلہ : چودھرائن کی بڑی بیٹی
بشریٰ : چودھرائن کی چھوٹی بیٹی
کستوری مراثن : خوبرو عورت
گوماں : دیہاتی عورت
اور چند دیہاتی مرد اور عورتیں



سین ۱
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(گوٹے وال گاؤں سے کچھ فاصلے پر پرانے کھنڈرات میں آرکیالوجی گروپ موجود ہے۔ ریحانہ اور زینت نے جینز پہن رکھی ہے۔ جس وقت کیمرہ کھلتا ہے ایک اُونچی محراب یا خوبصورت طاقچے میں ٹرانسسٹر پڑا ہے۔ اور اس پر اُونچی آواز میں مغربی موسیقی جاری ہے۔ پھر ایک ہاتھ آگے بڑھ کر اسے بند کرتا ہے۔)

زینت : بند کیوں کر دیا سلمان ؟

سلمان : ڈسٹرب کر رہا ہے۔

حانہ : ہائے کتنے سیریئس ہیں سلمان صاحب !

(اس وقت کیمرہ ان کھنڈرات میں گھوم پھر کر پروفیسر بیدل، پروفیسر رفیق تینوں لڑکوں اور دونوں لڑکیوں کے کام کی نشاندہی کراتا ہے ایک جگہ سلمان اور جواد انچی ٹیپ سے تاریخی عمارت کو ناپ رہے ہیں۔ نعیم نوشی چھوٹے سے مائیکروسکوپ سے ایک اینٹ کو غور سے دیکھ رہے ہیں یہ مختلف اور چھوٹے چھوٹے کٹس ہیں۔ پروفیسر بیدل ایک پرانے تھڑے پر ٹائپ رائٹر رکھ کر کھٹا کھٹ ٹائپ کرنے میں مصروف ہیں۔ اُن کے پاس حانہ جینز پہنے بیٹھی ہے اور کاغذ سے عبارت پڑھ کر جیسے ڈکٹیٹ کر رہی ہے۔ زینی اپنے لمبے سے کینوس کے بیگ میں پرانی اینٹوں کے ٹکڑے جمع کر رہی ہے۔ ان تمام افراد کو اپنے اپنے کام میں مشغول دکھاتے ہیں۔ اس دوران انگریزی

موسیقی جاری رہتی ہے۔ اور آخر میں سلمان آگے بڑھ کر ٹرانسسٹر بند کر دیتا ہے۔ اس کٹ کے بند ہوتے ہی ہم دکھاتے ہیں کہ یہ تمام لوگ ان ہی کھنڈرات میں بیٹھے ہوتے بیف برگر کھا رہے ہیں صرف نعیم نہیں ہے۔ سب کے پاس کافی ہے۔ کاپیاں اور دیگر سامان اِدھر اُدھر پھیلا ہے۔ ایک طرف ٹائپ رائیٹر بھی پڑا ہے۔)

زرینی : سر مجھے dig سے ایک چھوٹا سا پوٹری کا ٹکڑا بھی مل گیا ہے۔

سلمان : تین دفعہ مجھے پہلے بتا چکی ہے اور اس کا خیال ہے کہ یہ کھنڈر تو سکھ پیرڈ کا ہے لیکن اس کی پوٹری کا تعلق سوان ویلی سویلائیزیشن سے ہے۔ یہ ہے اس کی سینس آف پیرڈ پلیسمنٹ!

پروفیسر بیدل : بس بس ۔۔۔۔ بس ــــ بس۔ ہم یہاں اس لیے نہیں آئے کہ ایک دوسرے کی اسائنمنٹ کا مذاق اڑائیں بلکہ ہمیں ایک نان ہسٹورک پاسٹ کے ساتھ مربوط ہونے کا احساس پیدا کرنا ہے۔ انہیں سمجھائیے رفیق صاحب تھیوری تو آپ پڑھاتے ہیں۔

رفیق : مائی فرینڈز جس طرح ایک عہد دوسرے عہد سے مربوط ہے ایک پود دوسری پود سے ملی ہوئی ہے، ایک تہذیب دوسری تہذیب سے اُبھرتی ہے ــــ اس طرح انسان کو اپنے ایوالیوشن اپنے ارتقاء کی سمجھ آتی ہے ــــ کہ پتھر اور دھات کے زمانے سے چل کر وہ کہاں پہنچا ہے اور روایت سے کس قدر بچھڑا ہے اور تہذیب میں کہاں اور کیسے پیچ و خم آئے ہیں یہ سب آرکیالوجی کا علم ہے۔

جواد : یہ سب ڈگریاں لینے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں سر۔

رفیق : وہ بھی اچھی بات ہے۔ لیکن لوگوں کو رفتہ رفتہ یہ بھی پتہ چل رہا ہے جواد کہ

اس سرزمین میں گندھارا بھی ہے سوان ویلی بھی ہے موہنجوداڑو ہڑپہ بھی دفن ہے سکھ پیرڈ اور مغلیہ پیرڈ کا بھی سرمایہ ہے۔

زیبی : اور ہم سب کے مالک ہیں۔ گریک مُسلم مغل انگلش ہیریٹیج کے۔

جواد : اس لیے تم بھی صرف ریلک ہو کولونیئل انڈسٹریل عہد کے۔

زیبی : دیکھیے سر بیدل یہ بہت پرسنل ہو جاتا ہے یہ جواد۔ چونکہ ہم اس کی جیپ پر آئے ہیں اس لیے یہ سمجھتا ہے کہ یہ بین ہو سکتا ہے۔

باقی سب : ون اپ زیبی

(اس وقت نعیم نوشی ہاتھ میں ایک انسانی کھوپڑی اُٹھائے آتا ہے۔)

نعیم : دیکھیے سر مجھے ایک پُرانی کھوپڑی مل گئی اندر والے حجرے میں سے۔

(ڈاکٹر بیدل کھوپڑی پکڑتا ہے اور غور سے دیکھتا ہے میگنی فائینگ گلاس کے ساتھ)

حانہ : ہائے یہ کھوپڑی کتنی وِلگر لگتی ہے بغیر شکل وصورت کے۔

زیبی : پھینک دو نعیم۔ خدا قسم کبھی کبھی ایسی چیزیں disease carrier بھی ہوتی ہیں۔

نعیم : مشکل سے سکھ پیرڈ کی کھوپڑی ملی۔ میں پھینک دوں تو تم بھاگی بھاگی اُٹھا لاؤ گی۔ مجھے پتہ ہے۔ کیوں سر کچھ پتہ چلا؟

بیدل : آئی ایم سوری اچھی طرح سے پتہ نہیں چل رہا۔

حانہ : نعیم کا خیال ہے یہ Inca Civilization کی کھوپڑی ہے۔ او میاں آرکیالوجسٹ! زیادہ سے زیادہ یہ کھوپڑی دس پندرہ سال پُرانی ہے جب اس کے بھائی نے اسے قتل کر کے اس کی لاش کو کوٹھڑی میں چھُپا دیا تھا اور اس کی زمینوں پر قبضہ کر کے پولیس کو مصروف تفتیش

کر دیا تھا تب ...

نعیم : سر بیچاری کو کل والی شکست نہیں بھول رہی۔

حانہ : وہاٹ شکست ؟

نعیم : کل سر یہ بڑے فخر سے وہ پُرانا ٹول نہیں لائی تھی ڈگ میں سے نکال کر تو پروفیسر بیدل نے یہ کہہ کر پھنکوا دیا تھا کہ یہ تو زنگ خوردہ شاک ابزارور کا ایک حصّہ ہے۔ اب اسے کوئی چیز پُرانی نہیں لگ سکتی، کھوپڑی سمیت۔

حانہ : تمہارا کیا خیال ہے یہ کھوپڑی کتنی پُرانی ہے ؟

نعیم : یہ ــــ یہ ۱۸۵۷ء یا اس کے بعد کی ہے۔

حانہ : کیوں اس پیرڈ کی کیوں ہے ؟

نعیم : اس کی چیک بونز دیکھو حانہ ــــ یہ کسی انگلش آدمی کے جبڑے ہیں۔ (کیمرہ آہستہ آہستہ اس کھوپڑی پر جاتا ہے۔) جو اس علاقے میں رہا ہو گا۔ اس نے اس علاقے کی پیمائش کروائی ہو گی۔ اس نے یہاں کے natives کی زندگی پر کتاب لکھی ہو گی اور ان دنوں وہ کتاب برٹش میوزیم کی کسی الماری میں بند ہو گی ــــ دیکھتی نہیں ہو یہ چہرہ یہ ہڈیاں اینگلو سیکسن۔ اس کی ٹھوڑی کا خم۔ اس کا عزم ــــ یہ حکمران لوگوں کا ماتھا ہے۔

زیبی : (خوفزدہ ہو کر) ــــ اس انگلش مین کی روح بھی کہیں یہیں نہ ہو نعیم یہیں کہیں۔ اس وقت۔

نعیم : یہیں کہیں ہو گی ضرور ــــ سنتے ہیں جہاں کہیں کوئی قوم بلاوجہ دوسری قوم پر حملہ آور ہوتی ہے، پھر چاہے وہ فاتح ہوں یا مفتوح ــــ اس کی روحیں، حملہ آور قوم کی روحیں وہیں بھٹکتی رہتی ہیں صدیوں تک، بلکہ کبھی کبھی مقامی لوگوں میں بھی گھس جاتی ہیں۔

رفیق : ناؤ ناؤ نعیم! تم سے میں نے کہا تھا ڈونٹ بی سپرسٹی شیس۔ جب بھی excavation پارٹنرز کام کرتی ہیں، سب سے زیادہ مصیبت ان سپرسٹی شنز کی وجہ سے پڑتی ہے رکھو اس کھوپڑی کو۔ اور ہر گز کھاؤ ——— شاباش۔ کیوں پروفیسر صاحب یہ excavation کے ساتھ اتنا سپرسٹیشن کیوں وابستہ ہے؟

(نعیم ایک نمایاں اُونچے مقام پر کھوپڑی رکھتا ہے۔ کیمرہ اس کھوپڑی پر آتا ہے۔)

کٹ ———

سین ۲

کٹ ٹو کٹ

(یہ سین مختلف کٹس پر مشتمل ہے۔)

(۱۔ سب سے پہلے ایک فاصلے پر سے ڈاک بنگلہ اسٹبلش کیا جاتا ہے۔ "وَن وے ٹکٹ ٹو دی مون" قسم کا گیت جاری ہے، جیسے یہ میوزک کی آواز مختلف کمروں سے آ رہی ہے۔ ہم ڈاک بنگلے کے ایک کمرے میں جاتے ہیں۔)

کٹ ———

(۲۔ یہاں سلمان چھوٹا سا آئینہ کارنس پر رکھ کر شیو بنا رہا ہے۔ نعیم نوشی

ورزش کر رہا ہے اور جو اد پلنگ پر اوندھا لیٹا سو رہا ہے۔ ٹرانسسٹر گول میز پر پڑا ہے اور اُونچی آواز میں بج رہا ہے۔)

کٹ ——————

(۳۔ موسیقی جاری رہتی ہے۔ پروفیسر بیدل اپنے کان کی ہیئرنگ ایڈ کو غور سے دیکھ رہے ہیں۔ پھر اس کو درست کرنے کے انداز میں چھوٹے سے پیچ کس سے کستے ہیں۔ ڈاکٹر رقیق مسواک کرتے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔)

کٹ ——————

(۴۔ زینی اور جانہ کا کمرہ۔ جانہ گھوک سوئی پڑی ہے۔ اس کے تمام بال کھلے ہیں اور تکیے پر پھیلے ہوئے ہیں۔ غسلخانے میں سے جینز پہنے بالٹی اٹھائے زینی باہر آتی ہے۔ کیمرہ اس کے ساتھ باہر جاتا ہے۔)

کٹ ——————

(۵۔ ڈاک بنگلے کے پچھواڑے کپڑے سکھانے کے لیے تار بندھی ہے۔ زینی بالٹی لے کر یہاں آتی ہے پھر وہ بالٹی میں سے دُھلی ہوئی جینز نکال کر پھٹک کر چٹکیوں کے ساتھ اس کو تار پر لٹکاتی ہے۔)

ڈزالو ——————

سین ۳
اِن ڈور
صبح

(ڈاک بنگلہ جس میں آرکیالوجی کا گروپ ٹھہرا ہے۔ داروغہ جی تشریف لاتے ہیں۔
یہ لمبا فراک کوٹ اور شلوار پہنتے ہیں اور سر پر پٹی دار پگڑی باندھتے ہیں۔ ہاتھ
میں لوہے کی چھتری رکھتے ہیں۔ جس وقت داروغہ جی آتے ہیں، اُس وقت
برآمدے میں لمبی کالونی کُرسیاں ڈالے دونوں پروفیسر صاحبان استراحت
فرما رہے ہیں ——— پروفیسر بیدل پائپ پی رہے ہیں اور پروفیسر رفیق کے
منہ میں سگار ہے۔ توشی ایک ڈائننگ کرسی میں بیٹھا اپنی گود میں مووی
کیمرہ رکھ کر اس میں سپول بھر رہا ہے۔
جواد دو کرسیاں آمنے سامنے رکھ کر بے بی ٹائپ رائٹر سے ٹائپ کر رہا
ہے۔ داروغہ صاحب برآمدے سے ذرا دُور رُک کر:)

داروغہ : السلام علیکم جناب عالی۔

پروفیسر رفیق: وعلیکم السلام

داروغہ : اجازت ہے جناب!

رفیق : آیئے آیئے تشریف لایئے۔

(داروغہ جی برآمدے میں داخل ہو کر پہلے پروفیسر رفیق سے ہاتھ ملاتے ہیں
پھر پروفیسر بیدل سے۔ اس کے بعد توشی سے اور پھر جواد کو مصروف دیکھ
کر رُک جاتے ہیں۔)

پروفیسر بیدل: بیٹھئے تشریف رکھیئے۔

داروغہ : (چھوٹے مونڈھے پر بیٹھ کر) میرا نام داروغہ رحمت اللہ ہے جناب عالی
اور میں ریٹائرڈ ہیڈ کانسٹیبل ہوں۔ رہائش قدیم، جدی پشتی اسی گاؤں
گولے والا کا۔

بیدل : چوہدری کرم داد صاحب نے آپ کا ذکر کیا تھا۔

داروغہ : میں جناب کی خدمت میں پرسوں شام ہی حاضری دیتا لیکن میں ایک پیشی
پر شہر گیا ہوا تھا۔ کوئی حکم؟ کسی شے کی ضرورت؟

رفیق : شکریہ داروغہ صاحب ــــ مہربانی۔

(سلمان تولیے سے منہ پونچھتا برآمد ہوتا ہے اور آکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ داروغہ
جی اُٹھ کر اس سے ہاتھ ملاتے ہیں اور کہتے ہیں:)

داروغہ : بیٹھو جناب عالی۔ تشریف رکھو۔

سلمان : نہیں نہیں بیٹھیے بیٹھیے۔ آپ بیٹھیے۔

بیدل : بھئی سلمان یہ داروغہ رحمت اللہ صاحب ہیں۔

(واپس مونڈھے پر بیٹھ کر)

داروغہ : ریٹائرڈ داروغہ رحمت اللہ جناب عالی۔

بیدل : جی ہاں! اور اسی علاقے کے رہنے والے ہیں۔

داروغہ : خاص گولے والے کا جناب۔ پتی ہجراواں بطرف شمال مشرق دیہہ ہذا۔

سلمان : جی جی۔ ریحانہ اور زینی ابھی برآمد نہیں ہوئیں سر اپنے کمرے سے۔

رفیق : ابھی تک تو نہیں نکلیں۔

سلمان : سو رہی ہوں گی سر۔

جوّاد : اوہ تو۔ وہ دونوں تو صبح سویرے ایک لمبا چکر لگا کر آئی ہیں نہر کا۔

داروغہ : جی جناب نہر بہت پرفضا مقام پر واقع ہے۔ جملہ آفیسران و اہلکاران

برائے واک ادھر ہی تشریف لے جاتے ہیں۔ جناب پنڈرل صاحب
ڈی سی ضلع ہذا تو کچہری بھی نہر کنارے لگاتے تھے۔

رفیق : مسٹر پنڈرل ادھر بھی آچکے ہیں!

داروغہ : جناب پنڈرل صاحب دو مرتبہ اس علاقے میں ڈپٹی کمشنر رہے ایک سن
۱۹۳۵ء میں اور دوسری مرتبہ ۱۹۴۲ء میں۔ میری عمر ستّر برس کی ہے
جناب عالی۔

بیدل : (چونک کر) یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ ؟

داروغہ : حقیقت عرض کر رہا ہوں جناب عالی۔ ۱۴ جولائی ۱۹۳۰ء میں مَیں بطور
فٹ کانسٹبل بھرتی ہوا اور ۱۳ جولائی ۱۹۵۵ء میں بہ عہدہ ہیڈ کانسٹبل
ریٹائر ہوا۔ کریکٹر رول بالکل بے داغ۔ دو سند بہادری۔ ایک سرٹیفکیٹ اعلیٰ
کارکردگی کا کپتان فوتھ صاحب نے اپنے ہاتھ سے عنایت فرمایا۔

بیدل : بہت خوب!

داروغہ : عام آدمی میری عمر پچاس پچپن سال سے زیادہ نہیں سمجھتا۔

سلمان : یہ تو پھر اللہ کی دین ہے داروغہ صاحب!

(اتنے میں گونگا سر پہ صاف ستھری دیگچیاں اور پراٹھے بندھے ہوئے لاتا
ہے اور آ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔)

داروغہ : لو جناب آپکا بریک فاسٹ آگیا۔

رفیق : (آواز دے کر) بھئی کم آؤٹ گرلز ــــــ بریک فاسٹ۔

(داروغہ گونگے کے سر پر سے خان پوش اتروا تا ہے اور اسے تپائی پر رکھتا
ہے۔ پھر گونگے کو ہاتھ کے اشارے سے سمجھاتا ہے کہ سامنے پڑے ہوئے کاغذ
اور پتے اور سگریٹ کی ایک عدد پنّی اٹھا کر پرے پھینک کر آؤ۔ گونگا

اشارے سے کہتا ہے ٹھیک ہے ٹھیک ہے اور زمین سے گند بلا چُننے
لگتا ہے اور پھر ان کو اُٹھا کر دور برگد کی طرف لے جا کر پھینکتا ہے۔
مہمانوں کے نقطۂ نظر سے ایک خوبصورت لانگ شاٹ بنایا جائے۔)

داروغہ : (آف کیمرہ جب ہم گونگے کا لانگ شاٹ دیکھ رہے ہیں) یہ بے چارہ
بچپن سے گونگا بولا ہے جناب عالی۔ ایک اس کی والدہ ہے۔ اور ایک !
پونے دو کنال زمین ہے ان کی بطرف جنوب لیکن موگھے سے فاصلہ زائد
ہونے کی وجہ سے پانی وہاں نہیں پہنچتا۔ رقبہ عرصہ دس سال سے بے آباد
ہے۔ ایک راس بھینس برنگ سیاہ بمعہ دو کٹی ہا۔ ان ماں بیٹے کی ملکیت
ہے۔ گھی بیچ کر گزارا کرتے ہیں۔

(دونوں لڑکیاں سلیکس پہنے اپنے کمرے سے برآمد ہوتی ہیں۔ داروغہ جی
اُٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بیدل صاحب تعارف کرواتے ہیں۔)

بیدل : یہ اس گاؤں کے داروغہ صاحب ہیں۔ داروغہ رحمت اللہ صاحب۔

داروغہ : ریٹائرڈ داروغہ رحمت اللہ جناب عالی۔

ریحانہ : اوہو آپ کی تو بڑی تعریف کر رہے تھے چوہدری صاحب۔

داروغہ : ان کی مہربانی ہے جناب عالی آپ کی ذرہ نوازی ہے۔

زینی : داروغہ صاحب آپ ہمیں یہاں سے کچھ پھلکاریاں تو لے کر دیں۔
(گونگا آ کر ستون سے لگا کھڑا ہے۔)

ریحانہ : ہم ان کی قیمت ادا کریں گے۔ ویسے نہیں لیں گے۔

داروغہ : کیوں نہیں جناب عالی۔ میں برآمد کراؤں گا۔ پھلکاریاں جتنی آپ
ارشاد فرمائیں بحاضرِ خدمت کر دی جائیں گی۔

زینی : اندازاً کتنے کی آجائیں گی؟

داروغہ : آپ قیمت کو چھوڑیں جناب عالی پہلے ہم کو مال سپرداری کرنے دیں۔ آپ کی خدمت میں —— بریک فاسٹ فرمائیں۔ (کھڑے ہو کر) پھر ٹھنڈا ہو جائے گا۔

رفیق : آپ بھی ہمارے ساتھ ناشتہ کریں۔

داروغہ : نہیں جناب عالی۔ بہت بہت مہربانی۔ شکریہ جناب صاحب۔ آپ ناشتہ کریں میں ٹوہ نکالتا ہوں پھلکاریوں شلکاریوں کی۔ السلام علیکم۔

سب : وعلیکم السلام۔

——— کٹ

سین ۴

اِن ڈور

شام کا وقت

(ایک کمرے کا گھر ہے۔ صحن میں ایک طرف بغیر چھت کا باورچی خانہ۔ گونگے کی ماں بیٹھی لالٹین صاف کر رہی ہے۔ یہ چھوٹا سا گھر ہے۔ گونگا سر پر بیری نما یا کرکٹ جیسی ٹوپی پہنے آتا ہے۔ اس نے پچھلے سین والے کپڑے چار خانے کی تہمد اور لمبا کُرتہ پہن رکھا ہے۔ ماں لالٹین جلا کر اُٹھاتی ہے اور گونگے کی طرف بڑھتی ہے۔)

ماں : گونگے کہاں تھا تو سارا دن؟

گونگا : (ہاتھوں کے اشارے سے یہ کہتا ہے کہ وہ نہر کنارے ڈاک بنگلے پر گیا ہوا تھا۔ وہاں میم اور صاحب آئے ہوئے ہیں۔ اُن کے پاس۔)

ماں : کچھ کھایا پیا؟

(انکار میں سر ہلاتا ہے۔)

ماں : سارا دن صاحب لوکاں کے پاس رہا اور کھایا بھی کچھ نہیں۔ یہ ٹوپی کس کی ہے؟

گونگا : (وہ پائپ پینے والا صاحب ہے اُس نے دی ہے۔)

ماں : اُتار کے رکھ دے۔ ہم لوگوں کے اچھی نہیں لگتیں ایسی ٹوپیاں۔ بختاور لوگوں والیاں۔

(گونگے کے سر سے ٹوپی اُتارتی ہے گونگا حسرت سے ماں کی طرف دیکھتا ہے۔ وہ دونوں باورچی خانے والے حصے میں چلتے ہوئے آتے ہیں۔)

ماں : میں گئی چودھری کرم داد کے گھر۔ پھر بیلیوں پر چکر لگایا۔ ہر طرف خدا بخش کا شٹالا ہی شٹالا۔ گونگا کہیں بھی نہ۔ پھر فتح محمد کا پوترا مل گیا بھٹی کے پاس کہنے لگا اماں گونگا تو جا رہا تھا پکّی سڑک پر۔ شہر والی سڑک پر۔ میں نے کہا گونگے کا کیا کام پکّی سڑک پر؟ تو گیا تھا گونگے۔ سڑک پر نہ جایا کر میرا بچڑا۔

(اس دوران ماں بولتی جاتی ہے اور کھانا ڈال کر اس کے سامنے رکھتی ہے۔)

گونگا : (کھاتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ میں پہلے نہر پر گیا وہاں سے پکّی سڑک کراس کی۔ پھر میں ڈاک بنگلہ پہنچ گیا۔ وہاں داروغہ جی بھی تھے۔)

ماں : اچھا اچھا۔ جایا کر پر بتا کے جایا کر۔

(گونگا ایک روپیہ نکال کر ماں کو دیتا ہے۔)

ماں : یہ کس نے دیا؟ (یہ نوٹ نہیں بلکہ سکہ ہے۔)

گونگا : (اشارے سے بتاتا ہے کہ یہ روپیہ اسے زینی نے دیا ہے۔)

ماں : کس نے؟

گونگا : (پھر سمجھاتا ہے کہ کٹے بالوں والی لڑکی نے دیا تھا۔)

(ماں روپیہ لیتی ہے۔ غور سے دیکھتی ہے۔)

ماں : لے اس میں کیا انوکھی بات ہے —— یہ تو اپنا ہی روپیہ ہے۔ میں سمجھی تھے شریف کاریاں ہے۔

(کیمرہ روپئے پر آتا ہے۔)

کٹ ——————

سین ۵
آؤٹ ڈور
رات کا وقت

(یہ سین ہرگز ہرگز سٹوڈیو اندر نہ بنایا جائے مشکل ہو تو یہ ڈرامہ ہی چھوڑ دیا جائے۔ رات کے وقت ڈاک بنگلے کے کھلے میدان میں آرکیالوجی گروپ باربکیو پارٹی کر رہا ہے۔ لاٹھیوں پر بڑی بڑی مشعلیں جل رہی ہیں۔ درختوں کے سائے بھیانک نظر آرہے ہیں۔ میزوں کے اوپر انگیٹھیاں رکھ کر سیخی کباب اور تکے تیار کیے جا رہے ہیں۔ کبابوں سے ایسا گہرا اور مزیدار دھواں نکل رہا ہے کہ ٹی وی ناظرین کو اپنے اپنے گھروں میں کبابوں کی مہک گھیر لیتی ہے۔ انگیٹھیوں کو گتے سے جھلا جا رہا ہے اس بزنس کو کہ کون سا کام کون کر رہا ہے، کرداروں کی اور ڈائریکٹر کی مرضی پر چھوڑا جاتا ہے۔ صرف جواد ایک کچے تین ہاتھ کی مدھانی سے دہی بلو رہا ہے۔ اس میں قریب پڑے ہوئے گلاس سے کبھی کبھی گھونٹ بھر پانی ڈالتا ہے ——————

دونوں پروفیسر اپنی کرسیوں پر بیٹھے تمباکو نوشی کر رہے ہیں۔ ان میں سے
کبھی کوئی اُٹھ کر انگیٹھی کے پاس جا کر معائنہ کرتا ہے۔ پھر واپس آجاتا ہے۔
کیسٹ پر مسلسل ولائتی گیت بج رہے ہیں کرداروں کے ڈائیلاگ کوئی نہیں
لیکن ان کی مصروفیت اور انہماک ہی ڈائیلاگ کی ترجمانی کرتے ہیں۔)

کٹ ————

سین ۶
اِن ڈور
صبح

(ایک معتبر قسم کی دیہاتی عورت چاٹی کے سامنے بیٹھی ہے اور دودھ رڑک
رہی ہے۔ اس کے پاس نوجوان لڑکی گوماں اپنے سلور کا ڈونا سامنے رکھ کر
بیٹھی ہے۔ جب سین کھلتا ہے تو ماسی کا ہاتھ رُکا ہوا ہے اور گوماں کہہ رہی ہے:)

گوماں : ہائے ماسی سارے پنڈ میں چاننا ہو گیا تھا ان کی رُشنائی سے۔

ماسی : اچھا!

گوماں : مَیں، ریباں، شادو، نورنشاں، مامے کریم کا سارا ٹبر۔ ہم آدھی رات تک
کوٹھے پر بیٹھ کر ڈاک بنگلے کو دیکھتے رہے۔

ماسی : سیانے لوگ ہیں گوماں پڑھے لکھے۔ ان کے کام بھی سیانے ہوتے ہیں۔
ہمارے جیسے نہیں ہوتے ڈنگروں والے۔

گوماں : ہائے ماسی تُونے نہیں دیکھا۔

ماسی : لے گُڈے مجھ سے اب چڑھا جاتا ہے کوٹھے پر پھر مجھے کسی نے بتایا بھی نہیں گوماں۔

گوماں : سارا پنڈ ہی کوٹھے پر چڑھا ہوا تھا ماسی —— بھا شبیر، چاچا غلام محمد، گاگو، سیفا، تائے حیدر کی ساری جیا جنت۔

ماسی : اُچے لوگوں کی اُچی باتیں گُڈیے۔ ہم کو کیا پتہ پیدل چلنے والوں کو۔ یہ علم والے لوگ ہیں۔

گوماں : ان کے کپڑے بھی اور ماسی، بولی بھی اور، آواز بھی اور ——

ماسی : تجھے کس نے بتایا۔

گوماں : ہائے ماسی ہم نے آپ سُنی ساری رات گیتوں کی آواز۔ سمجھ تو کچھ نہیں آیا پر بڑی میٹھی بولی تھی۔

ماسی : اچھا لے —— یہ کر ڈول اِدھر۔

(لسی دینے کے لیے مدھانی چاٹی میں سے نکالتی ہے۔)

کٹ ——————

سین ۷

اِن ڈُور

دن

(تین آدمی تھڑے پر بیٹھے ہیں۔ ادھیڑ عمر کے آدمی کے ہاتھ میں رسّی بٹنے کا طوطا ہے اور دوسرے دو نوجوان ہیں۔)

نوجوان ۱ : بلے بلے بلے۔ بڑی طاقت ہے چاچا اس موٹر میں۔ توبہ توبہ۔

ادھیڑ عمر : یہ جو اپنے ڈاک بنگلے میں آئی کھڑی ہے۔

نوجوان ۱ : بالکل۔ یہ جو ان کی ہے شہر والے افسروں کی۔ بڑی طاقت ہے۔ چار جوڑیوں سے بھی زیادہ طاقت۔

نوجوان ۲ : چار جوڑیوں سے!

۱ : ہاں جی! چار جوڑیاں باندھ دو ایک طرف تگڑے دھنی کے بیلوں کی۔ اور ادھر سے کر دو جیپ سٹارٹ۔ ایک دم اکھاڑ کے گرا دے گی۔ چاروں جوڑیوں کو۔

۲ : تم سے کس نے کہا؟

۱ : ماسے ابراہیم نے

ادھیڑ : ٹھیک ہے بھائی ٹھیک ہے۔ سیانوں کے سیانے کام۔ بڑے لوگوں کی بڑی سوچیں۔ محمد علی پترا وے ہم کو کیا پتہ رسی بٹوں کو۔

۱ : اور یہ لوگ ہمارے جیسی روٹی تو نہیں کھاتے۔

۲ : کون؟

۱ : یہی جو آئے ہوئے ہیں ڈاک بنگلے میں۔

ادھیڑ : چوہدری جی آپ بھجواتے ہیں روٹی ان کے ڈیرے۔

۱ : بس وہ ایک دن ہی بھجوائی تھی چاچا۔ پھر انھوں نے انکاری کر دی۔ کہ ہم آپ بنا لیا کریں گے ڈاک بنگلے پر۔

ادھیڑ : ٹھیک ہے پھر ہم کو کیا پتہ ڈنگر پسوؤں کو باجرہ باتھو کھانے والوں کو۔

۲ : چار جوڑیاں —— چار جوڑیاں تو آئیں گی چالی ہزار کی آجکل۔

۱ : یہ پتہ ہے کتنے کی ہے۔ جیپ۔ پونے دو لکھ کی۔

۲ : پونے دو لکھ!

ادھیڑ : او بھائی — او کاکا — او سوہنیا۔ کیوں ہمارے بچے کو ڈرائی جاتا ہے۔

اس کا دل ڈھل گیا تو مہر دے گا ــــ بول ۔ بول ۔

مہر : چار جوڑیاں چاچا ۔

ادھیڑ : بس کر بس کر تو بھی ۔ استغفار پڑھ دل میں ۔ تو اور مٹی وہ مٹی اور ۔

ــــــــــ کٹ

سین ۸
اِن ڈور
شام

(گاؤں کے ایک چھوٹے سے گھر میں دادا چارپائی پر بیٹھا کھانا کھا رہا ہے۔ قریب ہی اس کا پوتا بیٹھا ہے اور اَن مانے جی سے تختی لکھ رہا ہے۔)

دادا : لِکھ لِکھ تختی لکھ ۔ آج تیرا دھیان کدھر ہے فتح محمد ۔

فتح : بابا وہ جو ڈاک بنگلے والے ہیں نا وہ تو تختی نہیں لکھتے ۔

دادا : تجھ کو ان سے کیا لینا ہے ۔ ہر گھڑی ڈاک بنگلہ ہر گھڑی ڈاک بنگلہ ۔

فتح : ان کے پاس مشین ہے لکھنے کی ۔ ٹھک ٹھکا ٹھک آپی کاغذ پر لکھتا جاتا ہے ۔

دادا : پتہ ہے مجھے میں نے دیکھی ہوئی ہے مشین ضلع کچہری ۔

فتح : بابا اگر تو مجھے مشین لے دے نا ایک ۔ تو مَیں بھی جھٹا جھٹ لکھ لیا کروں ۔ ایک منٹ میں ۔ یہ پھٹی تو لمو پی جاتی ہے ۔

دادا : اوئے کملیا میں جانتا ہوں اس مشین کو ۔ وہ انگریزی لکھتی ہے ۔ اے باسی لکھا جاتا ہے اس پر ۔ تیرے باپ دادے کو نہیں آتی ۔ چپ کر کے منہ سر

لکو کے تختی لکھتا رہ اُردو میں۔ کہیں پتّے کا یہ کنارہ بھی نہ چھُوٹ جائے تیرے
ہاتھ سے۔ دیسی زبان کا۔

فتح : جو مَیں انگریزی سیکھ لُوں تو۔ پھر مشین لے دے گا۔

دادا : مشین لے کے تُو کوئی حاکم بن جائے گا — ہے نا بھولا آدمی۔ آرام سے
لِکھ پھٹّی۔ ہمارا کیا کام اِن کھیلوں سے۔ کھالے کا پانی ہے تو۔ کھیتوں میں
لگا رہ — چلا ہے حاکموں کے طریقے سیکھنے۔ ہے نا پُھٹّی مت — لِکھ
پھٹّی شاباش۔

(بددلی سے فتح محمد پھٹّی لکھتا ہے۔)

کٹ ———

سین ۹
اِن ڈور
سہ پہر

(چوہدری کرم داد کی حویلی۔ آنگن کا کُھلا حصّہ۔ اس وقت آنگن میں چوہدری
کرم داد کی صحت مند بھرپور سوانی۔ چوہدری کرم داد کی دو نوجوان لڑکیاں
مزارع اللہ ڈوایا کی بیوی بیبو۔ اور کستوری مراثن موجود ہیں۔ چوہدرائن
تخت پوش پر بیٹھی ہے۔ اس نے خوبصورت تہمد اور کلیوں والا سیاہ کُرتا
پہن رکھا ہے۔ سر پر پوسکی کی چادر ہے۔ سامنے اس کے طوطے کا پنجرہ ہے۔
اس وقت وہ چوری کھانے میں مشغول ہے۔ مراثن کستوری نیچے پیڑھی پر

بیٹھی ہے اور ڈھولک کس رہی ہے۔ دونوں جوان لڑکیاں تخت پر آمنے سامنے بیٹھی ہیں اور گیٹے کھیل رہی ہیں۔ بیبو پاس کھڑی ہے اور دودھ ٹھنڈا کر رہی ہے۔ یعنی وہ ایک گلاس سے دودھ دوسرے گلاس میں ڈالتی ہے اور پھر واپس پہلے گلاس میں انڈیل لیتی ہے۔ یہ سب عورتیں اپنا اپنا کام بھی کرتی رہتی ہیں اور باتیں بھی کئے جاتی ہیں۔)

بیبو : اوزنانیاں تے نہیں بی بی جی۔ وہ تو منڈے لگتی ہیں۔

بشریٰ : تُو نے دیکھی ہیں اپنی آنکھوں سے؟ جا جھوٹی۔ کہاں ڈاک بنگلہ، کہاں تُو۔

کستوری : مَیں نے خود ڈِٹھی ہیں اِن آنکھوں سے۔ مردوں ہار پتلونیں پہنے سر پر ٹوپ لگائے ساتھ میرے تھا آپ کا چاکر اللہ دتہ۔ وہ تو جی چُپ ہی رہ گیا دیکھنا کا دیکھنا بڈاوا۔

جمیلہ : اتنی خوبصورت ہیں؟

کستوری : کوئی اور مخلوق تھی جی۔ عورتیں تو تھیں نہیں۔ مردوں ہار بوٹ پہنے ہوئے عینکیں لگائی ہوئیں آپ کا چاکر کہنے لگا کستوری دیکھ لے ایسی ہوتیں ہیں میمیں۔

بشریٰ : اماں۔ ابا جی سے پُوچھ کر ایک بار ڈاک بنگلے لے چل۔

چوہدرائن : تیری بھی کیامت ہے کستوری۔ سارے پنڈ کی خبریں ان موئیوں کو لا دیتی ہے پھر یہ میرے دوالے ہو جاتی ہیں خواہ مخواہ۔ چوہدری صاحب کوئی مانتے لگے ہیں کہ یہ ڈاک بنگلے جائیں۔

بشریٰ : تو ان کو یہاں بُلالے اماں۔

جمیلہ : ہاں سچی اماں صرف ایک بار۔

بیبو : میں جاؤں جی چوہدری صاحب سے پوچھنے۔

چوہدرائن : ہاں تو بڑی بھلی۔ چوڑے پنڈ کا ہلی۔ پُتر بشریٰ تم جیسی گُڑیاں ہی ہیں گی۔

اتنی مصیبت کیا پڑی ہے آخر۔

کستوری : خیر بی بی جی، ہم جیسی مخلوق تو نہیں کُش اور ای اے پریاں پڑیاں۔

جمیلہ : ایک بار اماں بُلا ان کو یہاں۔ تحصیلدار کی بیوی نئیں آ گئی تھی۔

چوہدرائن : وہ اور بات ہے جمیلہ۔

بیبو : آئیں گی، آئیں گی کیوں نہیں۔ ہمارے چوہدری صاحب کے گھر نئیں آنا تو اور کِدھر آنا ہے۔ نسّی آئیں گی آپ حکم تو کریں۔ میں ابھی سدا لے کر جاؤں ڈاک بنگلے۔

چوہدرائن : ہے نامت ماری گئی اس بیبو کی۔ وہ کیا سمجھتی ہیں تیرے چوہدری صاحب کو۔ اپنی عزت اپنے ہاتھ بیبو۔ ضرور شرمندہ ہونا ہے، ان کو سوال ڈال کے۔ کیا ملنا ہے ان کو ہم جیسے لوگوں سے۔ چِٹّے ان پڑھ ڈنگروں سے۔

بشریٰ : لے اماں ہم ان کو دیکھیں گے۔ سوہنی ہیں نا کستوری ؟

کستوری : اوئے بلے بلے میمیں ہیں پُوری۔ آپ کا چاکر اللہ دتہ تو تسبیح پڑھتا ہے ان کی دن رات۔

جمیلہ : ایک بار کھانے پر بُلا لے اُن کو۔

چوہدرائن : لے ہے نا جگ ہنسائی کرانی اس کڑی نے۔ جو انہوں نے آنے سے انکار کر دیا تو عزت کیا رہ جائے گی سارے پنڈ میں ؟

(اس وقت گونگا داخل ہوتا ہے اس نے سر پر ٹوپی پہن رکھی ہے اور سر پر دو تین خوبصورت رضائیاں جو وہ پیچھے کی طرف سے لا رہا ہے اُٹھائے ہوئے ہے۔ بیبو آگے بڑھ کر رضائیاں اس کے سر سے اُتارتی ہے۔ پھر اس کے سر سے ٹوپی اُتار کر پوچھتی ہے :)

بیبو : اوئے گونگے یہ ٹوپی کہاں سے لی ؟

گونگا : (اشارے سے بتاتا ہے کہ اودھر ڈاک بنگلے سے صاحب نے دی ہے۔ پائپ پینے والے صاحب نے۔)

چوہدرائن: اِدھر آ۔۔ ادھر میرے سامنے بیٹھ جا۔

(گونگا فرش پر بیٹھتا ہے۔ تمام عورتیں اپنا اپنا کام چھوڑ کر پوری طرح متوجہ ہو جاتی ہیں۔ کستوری ڈھولک ایک طرف رکھتی ہے۔ چوہدرائن پنجرہ پیچھے رکھتی ہے اور لڑکیاں گیٹے چھوڑ دیتی ہیں۔)

چوہدرائن : ڈاک بنگلے گیا تھا ؟

گونگا : (اثبات میں سر ہلاتا ہے۔)

چوہدرائن : کب گیا تھا۔ فجری کو کہ لوہڑے ویلے ؟

گونگا : (صبح سے شام تک وہیں رہتا ہوں ۔)

چوہدرائن : عورتیں بھی آئی ہوئی ہیں ڈاک بنگلے میں ؟

گونگا : (ہاں جی کا اشارہ کرتا ہے ۔)

جمیلہ : خوبصورت ہیں ؟

چوہدرائن : چُپ کر شُہدی ۔ بات کرنے دے۔ کتنی ہیں زنانیاں ؟

گونگا : (دو ۔ ایک لمبی، ایک درمیانے قد کی)

چوہدرائن: گوری ہیں ؟

گونگا : (اثبات میں دُودھ کا گلاس اُٹھا کر اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔)

چوہدرائن : انگریزی بولتی ہیں گونگے کہ ہماری بولی ؟

گونگا : (بتاتا ہے کہ انگریزی بولتی ہیں۔)

چوہدرائن : لو، مرو۔۔ وہ تم سے کب بولیں گی اور کیا بولیں گی ۔بچاری ۔ ان کا تو محاورہ ہی اور ہے۔ ایک بار کستوری مجھے چوہدری صاحب شکار پر لے گئے ان کے

ساتھ ایک صاحب بھی تھے۔ ان کی بی بی بھی تھی۔ سارا دن ہم ساتھ رہے۔
وہ مجھ کو دیکھ کر ہنس دیتی ہیں اس کو دیکھ کر۔ سارا دن ساتھ رہے۔ ایک بار
بات نہ ہوئی ہماری۔ ہاں گونگے بتا ان کو کتنی عمر کی لڑکیاں ہیں؟

جمیلہ : تو ایک بار ان کو بلا کے تو دیکھ اماں۔

چوہدرائن : پیچھے نہ پڑ جایا کر ایک بات کے۔ جا گونگے ڈیرے پر جا کر دیکھ چوہدری صاحب
موجود ہیں کہ نہیں۔

(گونگا اُٹھ کر جاتا ہے یکدم مراثن ڈھولک پر تھاپ دیتی ہے جمیلہ اور بشریٰ
تھال کے انداز میں اس ڈھولک کی آواز پر کہتی ہیں :)

بشریٰ
جمیلہ } : تھال

کٹ ———

سین ۱۰
ان ڈور
صبح کا وقت

(ڈاک بنگلے کے اندر بڑے کمرے میں تینوں لڑکے اور دونوں پروفیسر موجود
ہیں۔ نوشی اپنے سلیپنگ بیگ میں نواری پلنگ پر لیٹا ہے جواد دوسرے
پلنگ کی پٹی پر بیٹھا ہے اور سلمان پروفیسر رفیق کے ناخن نیل کٹر سے کاٹ
رہا ہے۔ پروفیسر بیدل اپنے پائپ کا انجر پنجر کھولے اس کو اچھی طرح سے

صاف کررہے ہیں۔ اس وقت داروغہ صاحب داخل ہوتے ہیں جن کے
ہاتھ میں ایک بڑا سا بستہ ہے۔)

داروغہ : (دروازہ بجاکر) اجازت ہے جناب عالی!

بیدل : کم اِن

داروغہ : السلام علیکم جناب

سب : وعلیکم السلام

رفیق : آیئے آیئے داروغہ جی۔ تشریف لایئے۔

جوّاد : کل آپ کا بڑا انتظار رہا سر۔

داروغہ : کل جناب میں آپ ہی کے کام میں مصروف رہا۔ جناب پروفیسر
صاحب نے پرانی کتابوں اور قلمی نسخوں کی فرمائش کی تھی تو مجھے....

رفیق : کوئی بلی — کچھ ملا — کچھ بنا کام؟

داروغہ : ادھر تو اب کچھ نہیں رہا جناب گولے والا میں۔

بیدل : کیوں؟

داروغہ : انگریز کے زمانے میں ہی سب مسودے مخطوطے ختم ہو گئے تھے جناب۔ بڑا
شوق تھا کمشنر بسمتھ صاحب کو ییتن ہیریں، دو مرزے ایک مثنوی مولوی
تو میں نے ان کی خدمتِ عالیہ میں پیش کی تھی، باقی انہوں نے تحریداری بھی
کی۔ ہر چند شرفاء علاقہ اور رؤسائے دیہہ ہذا نے منع خریداری بھی کیا لیکن
انہوں نے پسند نہ فرمایا اور فی نسخہ سو سو روپئے مالکان کو عطا کئے۔

رفیق : سَو روپیہ فی مسوّدہ —— قلمی۔

داروغہ : جناب۔ سن چالی اکتالی میں جنگ کا زمانہ تھا حالانکہ۔ لیکن چنداں دریغ
نہیں کیا جناب کمشنر صاحب بہادر نے۔ بڑے اصول کا آدمی تھا انگریز۔

پروفیسر صاحب۔

سلمان : اچھا!

داروغہ : سلمان صاحب۔ جو ہم نے انگریزوں کے ساتھ گزار دیا ہے وہ بالکل گویا زر خالص وقت تھا۔ یادگار صفت بہ ہر چہار طرف ـــــ پھر ویسے حاکم نصیب نہیں ہوئے۔

سلمان : بالکل نہیں؟

داروغہ : نہیں! آئے ہیں بیچ بیچ میں دھڑلے دار افسر بھی۔ شیخ ممتاز علی صاحب ڈی سی۔ کیا مجال جو چڑی پر مار جائے ادھر اسی کمرے میں ٹھہرا کرتے تھے، جدھر پروفیسر صاحب ٹھہرے ہیں۔ ٹھیکری پہرہ لگتا تھا۔ سارے ڈاک بنگلے کے گرد۔ سارا گولے والا جاگتا تھا رات کو، کیا چھوٹا کیا بڑا کیا۔ افسر تھا پروفیسر صاحب۔ سفید پوش، نمبردار، ذیلدار کیا مجال جو اس بُرجی کے اندر آجائیں شیخ صاحب ڈی سی کے ہوتے ہوئے۔

بیدل : اب کہاں ہیں آپ کے وہ۔ کیا نام ڈی سی شیخ ممتاز علی صاحب؟

داروغہ : وہ جناب ریٹائر ہو گئے۔ بڑی جائیداد پیدا کی بڑی دولت بنائی۔ نر آدمی تھا پروا نہیں کی اس نے ٹنڈے لاٹ کے ـــــ ایک اس کا جوڑی تھا حیات علی شاہ ایس پی۔ بعد میں ایس ایس پی ہو گیا۔ کیا مرد آدمی تھا۔ جب بھی گیا ہے کسی تحصیل، سب تحصیل میں دورے پر، گیارہ گیارہ بارہ بارہ میل کے گاؤں سب مردوں سے خالی ہو جاتے تھے۔ بڑا دبدبہ تھا شاہ صاحب کا۔ پینڈو لوگ نہر کی پلیوں نیچے چھپ جاتے تھے شاہ صاحب کی آمد پر۔

جواد : ایسا رعب کیوں داروغہ صاحب؟

داروغہ : وہ جناب عالی سید ھا لاٹ صاحب سے مل سکتا تھا۔ ڈریکٹ۔ بغیر ٹیلیفون کئے۔ اپنا موڈی صاحب تھا اس وقت گورنر۔ سر فرانس موڈی۔ بڑا ہیرا آدمی تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ بھی۔

رفیق : کون ؟

داروغہ : سر فرانس موڈی! مجھ کو اس نے خود ادھر سے کھبے بازو سے پکڑ کر شکریہ ادا کیا۔ اُردو میں کہہ کر کہ ویل داروغہ صاحب ہم آپ سے بہت خوش ہیں۔

جواد : لیکن آپ اسے کہاں مل گئے۔

داروغہ : وہ جناب جب بھی گیا موڈی صاحب بہاولپور شکار کھیلنے ہمارے یہاں گولے والا ڈاک بنگلہ میں قیام کر کے گیا۔ اس کی بھتیجی مس میکوئن نے میرے ساتھ دو مرتبہ اس گاؤں کی سیر کی۔ چوہدری کرم داد کی بیوی سے بڑی لمبی بات کرائی جناب میں نے۔ میں تو انگریزی گفتار کو سمجھ لیتا ہوں ناں جناب عالی۔ تو میں ساری باتیں کھول کھول کر بتاتا گیا چودھرانی کو۔ بہت اعلیٰ گھڑسوار تھی مس میکوئن۔ سپاہی بدن فربہ۔ رکابوں میں پیر تول کر سر پٹ گھوڑے پر کھڑی ہو جاتی تھی —— خاکی برجس دہاریدار مخمل کی۔ جودھ پوری بوٹ —— چاندی کی مہمیز۔ کمر میں لال ریشمی پٹکا۔ بڑی جان تھی پروفیسر صاحب انگریزیں۔ بڑا علم تھا۔ ۔ ۔ جناب عالی۔

بیدل : سارا علم ہی ان لوگوں کے پاس ہے داروغہ صاحب۔

داروغہ : رات کو ادھر باہر گراؤنڈ میں مشالیں جلا کر لاٹ صاحب نے ڈنر کرتا۔ دوسری طرف چھوٹی گراؤنڈ میں یہ آپ کی پچھلی طرف کنوئیں کے پاس پولیس بینڈ نے انگریزی گانے بجانے بس جنت اُتر آئی تھی گولے والا میں۔ تینس بینڈ بجانے والے اور چوبیسواں بینڈ ماسٹر۔ اس زمانے

میں بجلی نہیں تھی ڈاک بنگلے میں جناب عالی۔ لاہور سے گیس آیا کرتے تھے شامیانے والے ٹرک میں۔ بس اتنی سی سوئی ہوتی تھی بینڈ ماسٹر کے پاس۔ اس کو ہلا ہلا کر سارا انگریزی گانا بجوا دینا۔

نوشی : بینڈ ماسٹر انگریز ہوتا تھا؟

داروغہ : ناں جی دیسی جناب عالی بالکل دیسی —— یہ تو میں پاکستان بننے کے بعد کی بات کر رہا ہوں۔ بالکل دیسی چھٹے کھوہے کے قریشیوں کا لڑکا۔ اس کا تایا میرے ساتھ کانسٹیبل تھا چار سال سینیئر —— جناب نشہ چڑھ جاتا تھا اس کا بینڈ ٹیشن کر۔

رفیق : داروغہ صاحب تو پورے کرانیکل ہیں اس علاقے کے!

داروغہ : جناب میری ساری عمر آفیسروں اور اہل کاروں کے ساتھ گزری ہے۔ اب بھی خدا کے فضل سے بڑے بڑے آفیسروں کے ساتھ تعلقات ہیں۔ یہ بچارے ڈنگر لوگ ہیں۔ ان کو پڑھے لکھے لوگوں کے ساتھ بات کرنے کا طریقہ نہیں آتا۔ مَیں تو صاحبوں کے ساتھ رہ رہ کر انگریزی بھی سمجھنے لگا ہوں —— ان کو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ پڑھا لکھا آدمی کیا کہہ رہا ہے اور اس کا مقصد اندرونی کیا ہے۔ علم کے بغیر جانور ہی ہوا ناں انسان جناب عالی۔

سلمان : بالکل بالکل!

داروغہ : یہ جو اپنے صاحب لیٹے ہیں جناب عالی۔ اسی جگہ بالکل اسی کونے میں سر جوزف پنڈرل صاحب اپنا بستر لگوایا کرتے تھے۔ بالکل اسی طرح ان کا بھی لیٹنے کا سٹائل تھا۔ بس ان کو چھپا لو ان کو نکال لو۔ ان کو چھپا لو ان کو نکال لو۔ بالکل ہو بہو۔ ان بن . . .

نوشی : تھینک یو . . . . تھینک یو داروغہ صاحب ۔ تھینک یو۔

داروغہ : اس کونے میں، برآمدے کے ساتھ ان کی میز ہوتی تھی۔ تین فائلیں ہوتی تھیں گزٹیئر کے مسودوں کی۔ کیا کہنے تھے جناب عالی پنڈرل صاحب کے لالہ نہرا ج افسر مال ہمیشہ ان کے ساتھ رہتے تھے ترجمہ کرنے کے واسطے۔ شام کو باہر لان میں مجمع لگ جاتا۔ سپیروں کا۔ بازی گروں کا۔ اپنا کیا نام بھانڈوں مراثیوں کا — وہ اپنے سینگی پچھنے لگانے والے نہیں ہوتے تھے پروفیسر صاحب آپ نے تو دیکھے ہوں گے۔

بیدل : کیوں سر؟

رفیق : جی نہیں۔ میں نے تو نہیں دیکھے کبھی ______________

Never seen such stuff

داروغہ : بس جناب عالی پنڈرل صاحب پوچھتے جا رہے ہیں، افسر مال صاحب ترجمہ کرتے جا رہے ہیں اور بازی گر، نٹ، گویئے ڈوم ڈھاری اپنے اپنے فن کا کمال دکھا رہے ہیں۔ واہ جی واہ۔ علم والے لوگ بڑی گریٹ چیز ہوتے ہیں جناب عالی۔

رفیق : کیوں نہیں داروغہ صاحب!

داروغہ : سن پینتی میں جب سلور جوبلی ہوئی جارج پنجم کی تو کمشنر بسمتھ صاحب کی میم لیڈی بسمتھ صاحب خود یہاں آئی تھیں گولے والا تین تین لڈو کا لفافہ ہر چھوٹے بڑے کو اور ایک ایک ٹکی صابن کپڑے دھونے والی ہر عورت کو فری تقسیم کر کے گئیں۔

(اتنے میں دونوں لڑکیاں اندر داخل ہوتی ہیں۔)

رفیق : بھئی تم لوگ کہاں چلے گئے تھے بغیر پوچھے؟

ریحانہ : ہم سرو والا مقبرہ دیکھنے چلی گئی تھیں۔

رفیق : But with whom?

زینی : بکریوں والے لڑکے کے ساتھ سر۔ جو صبح ادھر سے گزرا تھا۔

جوّاد : Should not mix with bakriwallas like this.

داروغہ : بالکل مکس کرو جناب عالی۔ سب آپ کی رعایا ہے کوئی فکر والی بات نہیں۔

سلمان : Sorry Rehana! You must maintain your status.

داروغہ : تھینک یو جناب عالی۔ تھینک یو۔ بالکل جناب

بیدل : لیکن بڑے سٹل طریق پر اپنی ڈگنٹی رکھنی ہے So that these people don't feel.

داروغہ : تھینک یو۔ تھینک یو سر

ریحانہ : لیکن سر۔۔۔۔ ہم تو۔۔۔۔

زینی : میں تو ڈسٹنس رکھتی ہوں سر لیکن یہ زیادہ chubby ہو جاتی ہے۔

سلمان : Don't associate with them Rehana, just give them sense of participation.

داروغہ : (احمق پن سے) تھینک یو جی تھینک یو۔

بیدل : لیکن یہ بستہ تو آپ نے کھولا ہی نہیں داروغہ صاحب۔

داروغہ : یہ جناب عالی۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ بس ایسے ہی اُٹھا لایا۔۔۔۔ دراصل۔۔۔۔

رفیق : قلمی نسخے تو معلوم نہیں ہوتے داروغہ صاحب۔

داروغہ : وہ جناب عالی میں دستیاب کر دوں گا۔ ضرور کروں گا۔ یہ تو فی الحال بس ایسے ہی کچھ تصاویر ہیں میری پولیس کپتان فوحتہ صاحب بہادر کیساتھ۔

(البستہ کھولتا ہے۔)

بس یہ دو چار ہی رہ گئیں . . . . مرحوم میری زوجہ نے کوئی احتیاط نہیں کی۔ گم گما گئیں اصلی تصویریں ـــــ یہ دیکھئے . . . . بھلا بُوجھیئے تو میں کہاں ہوں ان میں۔

(لاہور قلعے میوزیم سے ایک ایسی تصویر منگوائی جائے جس میں ایک یا دو انگریز بیٹھے ہوں اور ان کے گرد چالیس پچاس باوردی دیسی نیٹو سپاہی موجود ہوں۔ اس کا کلوز اَپ دکھایا جائے۔)

داروغہ : (آف کیمرہ) اس میں تفتیش کر کے بتائیں کہ میں کہاں کھڑا ہوں۔ کھڑا ہوں یا بیٹھا ہوں۔

بیدل : (آف کیمرہ) پولیس مصروفِ تفتیش ہے داروغہ صاحب ـــــ

(کیمرہ زوم آؤٹ بیدل صاحب کے ہاتھ میں تصویر ہے۔)

لیکن داروغہ صاحب کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

ریحانہ : ایکسکیوزمی سر

(ہاتھ آگے بڑھاتی ہے۔ بیدل صاحب اس کو تصویر دیتے ہیں۔ وہ غور سے دیکھتی ہے پھر وہ تصویر رفیق صاحب کو دیدی جاتی ہے اور اس طرح آگے کو چلتی رہتی ہے۔ اس "تصویر بدلی" میں داروغہ آف کیمرہ یا آن کیمرہ بولتا رہتا ہے۔)

داروغہ : یہ جناب عالی جب مجھ کو سرکار نے تمغہ دیا ہے بہادری کا اس وقت کی تصویر ہے۔ آئی جی صاحب بہادر مسٹر ولیم شیپ شینک کے سی ایس آئی اس تصویر میں موجود ہیں۔ بڑا زبردست فنکشن ہوا تھا کانسٹیبلری میں لیڈی شیپ شینک صاحب بہادر نے خود تمغہ دیا تھا اپنے ہاتھ سے۔

رفیق : قدر دان ہی قدر کر سکتے ہیں داروغہ صاحب!

داروغہ : اب بھی قدر دان موجود ہیں جناب عالی خدا کے فضل سے۔ اب بھی حاکم لوگ عزّت افزائی کرتے ہیں۔ لیکن یہ گاؤں والے ان پڑھ لوگ ہیں جناب عالی۔ ان کو پڑھے لکھے شریف شرفا کے ساتھ بات کرنے کا طریقہ نہیں آتا۔ پنڈرل صاحب فرمایا کرتے تھے، "داروغہ جی یہ سب لوگ جُوتی کے یار ہیں۔ ان کو سیدھے رکھنا آپ کا کام ہے۔ آپ مضبوط ہوں گے تو ہم مضبوط ہوں گے آپ مضبوط نہ رہے تو ہم بھی مضبوط نہ رہیں گے۔" چنانچہ ان کو سیدھا کر کے رکھا۔ پنڈرل صاحب کو مضبوط کر کے رکھا۔ پھر سب افسروں کو مضبوط کر کے رکھا۔ یہ ہمارا فرض ہے جناب عالی۔

رفیق : ان لوگوں کی تعلیم کا بھی کچھ بندوبست کریں داروغہ صاحب۔

داروغہ : تعلیم کا بندوبست مشکل ہے جناب عالی۔ بڑی کوشش کی برین صاحب نے۔ تعلیم بالغاں کے مدرسے شروع کیے لیکن سارے بھاگ کر چھُپ جاتے تھے بیلیوں میں۔ لال ٹینیں جلا جلا کر ان کو تلاش کر کے لاتے تھے، پھر بھاگ جاتے تھے۔ پھر تلاش کر کے لاتے تھے، پھر بھاگ جاتے تھے۔

زینی : تو پھر دفع کرتے داروغہ صاحب۔ ان کو پڑھانا ضرور تھا۔

داروغہ : دفع کر دیا بی بی صاحب۔ بالکل دفع کر دیا۔ ہم نے کہا کھاؤ سر کھسموں کا۔ نہیں پڑھتے تو نہ پڑھو۔ سمتھ صاحب نے کہا شہریوں کی تعلیم پر زیادہ توجہ دو۔ یہ لوگ آگے چل کر ہمارے زیادہ کام آئیں گے۔ ہمارا زیادہ ساتھ دیں گے۔ شہری لوگ وفادار ہیں۔ برین صاحب مان گئے۔ جتنی لال ٹینیں ہم نے تعلیم بالغاں کے لیے خریدی تھیں، وہ ہم نے تحصیل دار صاحب کے پاس مال خانے میں جمع کرا دیں۔

ریحانہ : ویسے سر میں نے محسوس کیا ہے کہ ان کا آئی کیو بھی چھوٹا ہے، دیہاتی لوگوں کا۔

جواد : ان کی بیک گراؤنڈ جو نہیں ہوتی کیوں سر؟

بیدل : بھئی ان کی کوئی ٹریڈیشن ہی نہیں ہے اور جب تک ٹریڈیشن نہ ہو تعلیم کی اس وقت تک علم آگے پھیل ہی نہیں سکتا۔

رفیق : اب ایک پڑھے لکھے گھرانے کے بچے کتنے ہی نکمے اور ڈل کیوں نہ ہوں زندگی گزارنے کا ڈھنگ خوب اچھی طرح سے سیکھ جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کی ایک فیملی ٹریڈیشن ہوتی ہے۔ ایک بیک گراؤنڈ ہوتی ہے۔ بڑے شہروں میں انگلش میڈیم سکول کیوں ترقی کر رہے ہیں اور کس لیے ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

بیدل : اس لیے کہ وہاں تعلیم کی ایک فضا قائم ہے۔ ایک ریلیشن شپ ہے ایجوکیٹیڈ ورلڈ کے ساتھ۔ اور اس ریلیشن کو ہم اور مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ ریلیشن اسی صورت میں مضبوط ہو سکتا ہے جب....

رفیق : ہمارا ایڈیم آف لائف ڈویلپڈ کنٹریز کی طرح ہو۔ ہماری وضع قطع، ہماری سوچ، ہمارا وے آف تھنکنگ کلچرڈ نیشنز کی طرح ہو۔

جواد : لیکن ابھی تو اس میں بڑی دیر لگے گی سر۔

توشی : دیر کیوں! دیر کس لیے!! جو نہیں adopt کرتا یہ ways and means ...... وہ رہ جائے گا اپنی جگہ پر سٹیٹنگ! وہیں کا وہیں۔ ہم نے کوئی اس کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے۔

سلمان : ٹھیکہ تو خیر نہیں لیا... لیکن .... آئی مین... ہمیں اپنے ہم وطنوں کو خاص طور پر پس ماندہ ہم وطنوں کو ساتھ لے کر تو چلنا چاہیے۔

زیبی : تو جو ساتھ نہ چلنا چاہے اسے زبردستی گھسیٹیں ساتھ۔

بیدل : This is free world. You can't impose yourself on anybody.

داروغہ : تھینک یو۔ جناب عالی تھینک یو۔

بیدل : (ہاتھ آگے بڑھا کر) اچھا داروغہ صاحب ـــ شکریہ بہت بہت۔ اب آپ آرام کریں چل کر۔

داروغہ : (اُٹھ کر کھسیانا سا) بالکل جناب عالی۔ بلاشک۔ لیڈی پنڈرل بھی اسی طرح فرمایا کرتی تھیں کہ داروغہ صاحب اب آپ ریسٹ کریں جا کر۔ آرام کریں .... ان کو بھی ہمارے ریسٹ کا بہت خیال ہوتا تھا جناب عالی۔ آپ کی طبیعت بھی بڑی اچھی ہے جناب بالکل ان جیسی ـــ بہت بہت شکریہ جناب عالی۔ بہت بہت مہربانی۔

(دونوں ہاتھ مع بستہ کے بار بار سر کی طرف لے جا کر کمر موڑے بغیر کمرے سے باہر نکل جاتا ہے۔)

کٹ ـــــــــ

سین ۱۱
ان ڈور
دوپہر

(چوہدری صاحب اپنے مردانہ ڈیرے میں بہت بڑے منجے پر بیٹھے ہیں۔ ان کے ساتھ داروغہ صاحب چوکڑی مار کر منجے پر بیٹھے ہیں اور ان دونوں

کے سامنے گاؤں کے دس بارہ مرد جوان اور بوڑھے زمین پر پاؤں کے بل بیٹھے ہیں۔)

چوہدری : سمجھ گئے کہ نہیں میری بات؟

سب : سمجھ گئے جی۔

چوہدری : جتنے دن تک یہ صاحب لوک ڈاک بنگلے میں ہیں تم لوگوں میں سے کسی نے ادھر نہیں جانا۔ اس راہ پر سے نہیں گزرنا۔ ادھر جھانک کر نہیں دیکھنا۔ سمجھ گئے —— وہ پڑھے لکھے لوک ایں۔ سیانے بیانے اُچے لوک۔ تم نے منہ اُٹھا کر ادھر نہیں جا کھڑے ہونا بوتے کی طرح۔

ایک نوجوان : ناں جی کیا لوڑ ہے چودھری جی۔

چوہدری : ان کے اپنے ٹیم ہوتے ہیں۔ پڑھن لکھن کے ٹیم۔ سوچ بچار کے ٹیم۔ سون جاگن کے ٹیم۔ تمہاری طرح سے وہ ڈنگر پسو نہیں ہوتے کہ اِدھر مُنہ مار لیا اُدھر جُگر جُگ لیا۔ اس پیلی سے نکالا دوسری میں چلے گئے۔ اور تُو بابا سلمان —— تجھے بڑی عادت ہے سندھک لینے کی۔

بابا : ناں چوہدری جی مَیں تو گھر سے ہی نہیں نکلا اس دن سے۔ پُوچھ لو چاہے کسی سے۔

چوہدری : بس ادب ملاحظے کے ساتھ رہنا ہے۔ راہ میں مل جائیں چلتے پھرتے تو سلام کر کے ایک طرف ہو جانا ہے۔ راستے میں ہی نہیں کھڑے ہو جانا بے ادبوں کی طرح۔ کچھ پوچھیں تو سوال جواب نہیں کرنا زیادہ۔ یہی بتانا ہے کہ چوہدری صاحب کو پتہ ہے جی اُن سے پُوچھ لیں۔ یہ پڑھے لکھے لوگ ہیں علم والے۔ ان کے لیے ادب آداب کا حکم ہے۔

داروغہ : یہ نہیں کہنے لگ جانا ان سے "جی موہگا کھلا کرا دیو۔ نہر کی پٹڑی پر ریڑھا چلان کی اجازت لے دیو یا امونیا سلفیٹ بورتے کی دو بوریاں لے دیو۔"

چوہدری: بس جی سو ہتھ رسہ سرے پر گنڈھ دروغہ جی۔ بات ہی نہیں کرنی ان سے ہم ڈنگر لوگ ہیں۔ ان پڑھ بے وقوف۔ مُردہ بولے گا تو کفن ہی پھاڑے گا۔ بولنا ای نہیں۔ سوال جواب ای نہیں کرنا۔ ہر وقت نیویں پا کے اور سر جُھکا کر گزر جانا ایں اگر گزر نا ہووے ڈاک بنگلے کی طرفوں نہیں تو جانا ای نہیں اس طرف۔

صدیق نوجوان: سمجھ گئے چوہدری جی سمجھ گئے۔ بالکل بے فکر رہیں۔ کوئی شکایت نہیں ہوگی انشاءاللہ۔

چوہدری: علم والے لوک ہیں۔ عزت والے لوک! ان کے بڑے درجے ہیں سرکار دربار میں۔ واپس جا کر تمہاری صفت سو بھا کریں گے کہ گولے والا کے لوگ بڑے اچھے ہیں تو اور زیادہ افسر آئیں گے اور زیادہ علم والے بڑے لوک آئیں گے۔ تمہارا فیدہ ہوگا۔ ہر ایک کا۔ سارے گاؤں کا۔ سمجھ گئے۔

سب: سمجھ گئے جی سمجھ گئے۔

(سب اُٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور جانے لگتے ہیں۔)

چوہدری: شاباش۔ شاباش۔ دھیان رکھو۔ چوکس رہو۔ ادب آداب رکھو ڈنگرو۔ سب کا فائدہ ہوگا۔ شاباش شاباش۔

کٹ ————

سین ۱۲

آؤٹ ڈور

صبح کا وقت

(زیبی اور ریحانہ دونوں ایک ہی بالٹی کو کُنڈے سے پکڑے ہوئے باہر

لائین کے پاس پہنچتی ہیں۔ فاصلے پر گونگا درخت تلے کھڑا ہے۔ زینی اسے اشارے سے بلاتی ہے وہ متوجہ نہیں ہے۔ پھر زینی تالی بجاتی ہے۔ گونگا یکدم متوجہ ہوتا ہے اور بھاگ کر ادھر آتا ہے۔ اب زینی اُسے سمجھاتی ہے کہ کپڑے نچوڑ کر لائین پر ڈالنے ہیں۔ ریحانہ اسے ایک مردانہ قمیض چٹکی سے لگانا سکھاتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے اور ان کی تسلی کرتا ہے کہ وہ کپڑے ڈال دے گا۔ وہ دونوں ہنستی ہوئی اندر چلی جاتی ہیں۔ اس دوران پھر ڈاک بنگلے کی جانب سے انگریزی موسیقی کی آواز آ رہی ہے۔ اب گونگا کپڑے نچوڑ کر دو جینز، ایک مردانہ قمیض اور ایک لمبی سٹاکنگ کی جوڑی چٹکیوں سے لگاتا ہے۔ غور سے دیکھتا ہے۔ آخر میں سکرین پر ایک لمبی جراب رہ جاتی ہے۔)

کٹ ———

سین ۱۳
آؤٹ ڈور
صبح کا وقت

(پچھلے کپڑوں سے کٹ کر کے ہم نہر کنارے گونگے کی ماں کو کپڑے پھیلاتے دکھاتے ہیں۔ وہ ایک بڑا سا گھگھرا سُوکھنے کے لیے ڈالتی ہے۔ اس وقت بھی اس نے گھگھرا پہن رکھا ہے۔ پھر ایک کھیس سُوکھنے کے لیے ڈالتی ہے اور ایک ڈھیلا ڈھالا کُرتا پھیلاتی ہے۔ کیمرہ ان کپڑوں کے کلوز سے ہوتا ہوا آہستہ آہستہ دُور پل کے اُوپر بیٹھے ہوئے گونگے پر آتا ہے۔

وہ جیسے اپنی ماں کے پہناوے کو غور سے دیکھتا ہے کہ یہ کیا واہیات کپڑے ہیں۔)

کٹ ________

سین ۱۴
آؤٹ ڈور
دن

(ڈاک بنگلے کے باہر میراثی ڈھول بجا رہا ہے اور چھ سات دیہاتی بڑی خوبصورتی سے بھنگڑا ڈال رہے ہیں۔
ان پر سے ہو کر کیمرہ ان قطار کرسیوں پر آتا ہے جن میں آرکیالوجی گروپ بیٹھا ہے۔ لڑکیاں کوکا کولا پی رہی ہیں اور لڑکے سگریٹیں پی رہے ہیں۔ چیونگ گم چبا رہے ہیں۔ دونوں پروفیسر پائپ اور سگریٹ پی رہے ہیں۔ ان سب سے ہٹ کر چوہدری کرم داد اور داروغہ مونڈھوں پر بیٹھے ہیں اور چار سے لگ رہے ہیں۔ ناچ جاری رہتا ہے۔ لڑکیاں جمائیاں لیتی ہیں اور آپس میں باتیں کرتی ہیں۔ لڑکے بھی جیسے جمائیاں لیتے ان مانتے جی سے سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔
ان سب سے ہٹ کر گونگا ننگے پاؤں زمین پر بیٹھا ہے۔ اس کے سامنے دو فلیٹ بوٹ اور تین چار ہائی بوٹ پڑے ہیں۔ گونگا ناچ نہیں دیکھ رہا بلکہ بڑی مستعدی سے ان جوتوں کو کپڑے سے رگڑ رگڑ کر صاف کرتا ہے۔)

کٹ ________

سین ۱۵
آؤٹ ڈور

دن

(یہ سین گاؤں کے مختلف مقامات پر فلمایا جائے اور جو بھی مقامی گاؤں والے ہوں ان کو اس سین میں شامل کیا جائے۔ اس وقت آرکیالوجی کا سارا گروپ ٹھاٹ دار لباس میں ہے۔ لڑکیوں نے بھی جینز اور مردانہ قمیضیں پہن رکھی ہیں۔ پروفیسر صاحبان حسب عادت پائپ اور سگار پی رہے ہیں۔ لڑکے لڑکیوں کے منہ میں چیونگ گم ہے۔ کیمرے اور ٹیپ ریکارڈر ساتھ ہیں وہ آپس میں باتیں کرتے ہنستے بولتے گاؤں دیکھتے جا رہے ہیں۔ داروغہ اور چوہدری کرم داد نہایت خوشامدی انداز میں ساتھ ہیں۔ گروپ میں کوئی بھی ان کی باتوں کو قابلِ اعتماد نہیں سمجھتا۔ گلی کوچوں سے بچے نکل کر اپنے اپنے گھروں کے دروازوں اور دیواروں سے لگے کھڑے ہیں۔ جس گاؤں میں بھی شوٹنگ کرنے کے لیے تشریف لے جائیں اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ عورتیں بچے بوڑھے جوان تمام کو اس گروہ کو دیکھتے رہنا ہے ان کے چہرے اور ردّ عمل بہت ضروری ہیں۔۔۔ گاؤں کے بازار میں یہ گروپ خریداری کرتا ہے۔ گلیوں میں گزرتا ہے جہاں کہیں بھینسیں بندھی ہیں وہاں سے گزرتے ہوئے لڑکیاں ناک پر رومال رکھ لیتی ہیں۔۔۔ لوگ کوٹھے اور چھتوں سے اس گروہ کو جاتے ہوئے دیکھتے ہیں اور یہ گروپ اپنے ملک میں اپنے لوگوں میں یوں گھومتا ہے جیسے سفید گوراصاحب کے نیٹوز میں رہتا تھا۔ ان تمام سینوں پر وہی گانا سُپر امپوز کیجیے جو یہ ہمیشہ سُنتے ہیں۔)

کٹ ________

سین ۱۶
آؤٹ ڈور
صبح کا وقت

(اسی مقام پر جہاں شروع میں آرکیالوجی گروپ کام کر رہا تھا۔ اب بھی یہ ساری ٹکڑی کام کر رہی ہے۔ حانہ ایک پتھر کو برش سے صاف کر رہی ہے۔ زینی اور سلمان ایک جگہ کی پیمائش کر رہے ہیں۔ جواد کچھ جگہوں کی تصویریں بنانے میں مشغول ہے۔ ڈاکٹر بیدل کچھ ڈکٹیٹ کروا رہے اور نعیم خوشی ٹائپ رائیٹر پر جلدی جلدی ٹائپ کر رہا ہے۔ پروفیسر رفیق ایک پتھر کی اینٹ کو احتیاط کے ساتھ دھونے میں مشغول ہیں۔ یہ تمام سین کٹ کے شکل میں ترتیب دیجئے۔ پہلے لانگ شاٹ میں یہ طے کیا جاتا ہے کہ تمام لوگ کام کر رہے ہیں۔ پھر اس کھنڈر سے کافی فاصلے پر گاؤں کے لوگوں کی کئی ٹکڑیاں توجہ اور دلچسپی سے مبہوت بیٹھی ان کو دیکھ رہی ہیں۔ ایک ٹولی لڑکیوں کی ہے۔ دو عورتیں پانی کے گھڑے رکھے ان کو دیکھ رہی ہیں ـــــ دادا اور پوتا بھی ان کو دیکھنے آئے ہیں ایک درخت تلے کستوری بیٹھی ان کو دیکھ رہی ہے۔ اس کے ساتھ ایک آدمی پیٹی لیے بیٹھا ہے۔ تمام لوگ جو اس کھیل میں وقتاً فوقتاً نظر آتے رہے ہیں، اب اکیلے اکیلے، ٹکڑیوں کی شکل میں دم بخود اس ایسٹ انڈیا کمپنی کو دیکھ رہے ہیں۔ انگریزی موسیقی بہت اونچی بجتی ہے۔ گروپ کو ان لوگوں کا قطعی احساس نہیں وہ اپنے کام اور اپنی ذات میں منہمک ہیں لیکن ان لوگوں کو تمام تر اس گروہ نے جذب کر رکھا ہے)

ڈزالو ــــــــ

سین ۱۷
ان ڈور
شام

(چوہدری کرم داد کے زنان خانے میں اس وقت جمیلہ ،بشریٰ ، بیبو، کستوری اور کچھ دیہاتی عورتیں موجود ہیں ۔ جابجا میزوں پر کھانے کا انتظام پڑا ہے ۔ ریحانہ اور زینی نے پتلونوں کے اُوپر پھلکاریاں اوڑھ رکھی ہیں اور ڈھو والے موڑھوں پر بیٹھی ہیں جس وقت کیمرہ اس سین میں کھلتا ہے، جمیلہ اور بشریٰ حانہ اور زینی کے دائیں بائیں خدمت گاروں کی طرح کھڑی ہیں ۔چودھرائن گو تخت پوش پر بیٹھی ہے لیکن تمام ترجی حضوری بنی ہوئی ہے باقی عورتیں زمین پر بیٹھی ہیں۔ حانہ نے اس وقت ریکارڈنگ جاری کر رکھی ہے ۔کستوری اور باقی پانچ عورتیں اس وقت گھوڑیاں گا رہی ہیں ۔ دس سیکنڈ کے بعد یہ سلسلہ بند ہوتا ہے تو حانہ زینی کی طرف مائیکروفون کرتی ہے جو انگریزی میں اس پر اناؤنسمنٹ کرتی ہے ۔)

زینی : These were popular Ghori songs sung by Kasturi, the mirasan of Golaywala and a few others. Ghori is usually sung by village folks when the bridegroom mounts on his horse to proceed to the bride's house. This ritual is rich in a traditional way but is fast dwindling due

to villagers loosing a hold on their native cultures.

ریحانہ : مسز کرم داد ان کو ایکس پلین کریں پلیز۔

(ٹیپ بند کرتی ہے)

کہ ہم لوگ شادی بیاہ کے گیت اور رسومات جیسی کہ آج ولیجز میں ہیں، انہیں ریکارڈ کر رہی ہیں تاکہ ہم شہر والوں کو جا کر بتا سکیں کہ ہمارا کلچر ہمارے گاؤں کے کتنا قریب ہے۔ اور ہم سب ایک ہیں۔

کستوری : میں سمجھ گئی سرکار۔ گھنا سمجھ گئی ہوں آپ حکم کریں۔

چودھرائن : الویں کستوری تیزی نہ کر ـــــ کیا سمجھ گئی ہے تُو۔ میں تو سمجھی نہیں کچھ، تُو خوامخواہ سمجھ گئی ہے۔

جمیلہ : اماں یہ کہہ رہی ہیں شادی کی رسمیں بیان کریں۔

بشریٰ : پہلے تو جی مائیوں بٹھاتے ہیں۔ پھر شگن تیل ہوتا ہے۔ دُولہے والے کے گھر سے پنجیری آتی ہے۔

ریحانہ : نہیں نہیں رسمیں ہمیں نہیں چاہئیں۔ ان پر ایک جرمن آتھر کی بہت اچھی کتاب آگئی ہے مارکیٹ میں ـــــ ہم دراصل اس بات میں انٹرسٹڈ ہیں کہ مختلف رسومات کے وقت جیسے مہندی کے وقت سہرا باندھنے کے وقت آپ لوگ کیسے کیسے گیت گاتی ہیں ـــــ ہمیں صرف گانے ریکارڈ کرتے ہیں۔

کستوری : گون کو پُوچھ رہی ہیں۔ گون ـــــ کو بڑی بی بی جی۔

زینی : دیکھیے ہم لوگ اس thesis پر کام کر رہی ہیں کہ گاؤں اور شہر میں کوئی فرق نہیں۔ ہم سب ایک ہیں۔ ہمارا کلچر، ہمارا رہنا سہنا ایک ہے۔

چودھرائن: ہاں۔کیوں نہیں۔ مَیں تو جس دن سے تم لکھتی ہو ڈاک بنگلے میں یہی سمجھاتی جا رہی تھی چودھری صاحب کو ___ کہ آخر شہر کی رہنے والیاں ہیں تو کیا ہُوا۔ ہیں تو اپنی ___ کیوں بیبو؟

زینی : دیکھیے اب مسز کرم داد ان سے کہیے کہ کوئی ایسے گیت گائیں جو آپ لوگ خاص شادی کے موقع پر گاتی ہیں۔

کستوری: سیٹھناں سُنائیں چودھرائن جی۔

جمیلہ : ہائے اماں جی ناں ___ یہ لوگ کیا سوچیں گے۔

زینی : نہیں نہیں ہم کچھ نہیں سوچیں گے بی بی۔ ہم بھی آپ ہی میں سے ہیں۔ بتائیے بتائیے۔

بیبو : گل یہ ہوتی ہے مِس صاحب کہ جب مُنڈے والیاں ___

چودھرائن: تم چُپ کرو بیبو۔ ایک تو تجھ کو بات کرن کا بہت شوق ہے۔

حانہ : جی فرمائیے۔

چودھرائن: جس وقت لڑکے والیاں آتی ہیں لڑکی والوں کے گھر میں اور ملنی ہوتی ہے...

زینی : جی جی آپ بتائیں بتائیں۔

(وہ کاپی میں نوٹ کرتی جاتی ہے۔)

ملنی سے آپ کی کیا مُراد ہے؟

چودھرائن: ملنی نہیں ہوتی۔

بشریٰ : (جلدی سے) جی براتیں اور گھر والیاں ملتی ہیں۔

زینی : اچھا اچھا ___ جب ہار وغیرہ ڈالتے ہیں برات والیوں کے گلے میں۔

کستوری: اس وقت ہم سیٹھناں گاتے ہیں۔ گالیاں دیتے ہیں لڑکے والیوں کو۔

حانہ : How strange! ___ گالیاں کیوں دیتے ہیں آپ؟

چودھرائن : بس جی رواج ہے اپنو اپنا۔

جمیلہ : (آہستہ) اب اماں ان سٹھنیوں کی کیا ضرورت تھی بتانے کی۔

حانہ : دیکھئے میرا ٹیپ ذرا کم ہے۔ جب میں اشارہ کروں تو آپ بند ہو جائیں۔

چودھرائن : سُن لیا کستوری جب اشارہ کریں تو بند کر دینا ہے گون شون۔

کستوری : ہلا بادشاہو ہلا جی ہلا ....

(ریحانہ ٹیپ فٹ کرتی ہے۔ زینی مائیکروفون کستوری وغیرہ کے پاس لے جاتی ہے۔ کستوری اور اس کی ساتھی عورتیں وغیرہ سٹھنیاں گاتی ہیں پھر حانہ اشارہ کرتی ہے چودھرائن بھی جوش سے اشارہ کرتی ہے۔ عورتیں چُپ کرتی ہیں۔ حانہ سب کو چُپ رہنے کا اشارہ کرتی ہے اور زینی مائیکروفون پر کہتی ہے۔)

زینی : Title-Marriage Songs

A strange custom exists in villages to abuse the bridegroom's kith and kin. Such songs savour of vulgarity and are discarded by the refined and educated folks.

حانہ : بس بس ٹیپ ختم ہو گیا۔

زینی : تھینک گاڈ

حانہ : (اپنا سامان اُٹھاتے ہوتے زینی کے ساتھ) ——————

Let us now run away. These women stink of pure ghee.

چودھرائن : کیا بات ہے۔کچھ چاہیئے۔

زیبی : نہیں جی ہم اس عورت کی ڈنڈیاں پسند کر رہے تھے انگریزی میں کتنا خوبصورت زیور ہے۔

چودھرائن : ہاں جی یہ کام ہمارے پنڈ کے اشرف سنار صاحب کا ہے۔چار پُشت سے لاکھ کا کام کرتا ہے اس کا خاندان۔

حانہ : Ask the price.

زیبی : کتنے کی ڈنڈیاں ہیں یہ ؟

جمیلہ : شرمانہ شرمانہ بتادے۔

عورت : مجھے کیا پتہ فضل کا ابا ہوا کر لایا تھا ساٹھ ستر کی ہوں گی۔

زیبی : (پرس سے سو روپے نکال کر) یہ لو سو روپے پلیز اور ڈنڈیاں ہمیں اُتار دو۔ وہاں ہمارے شہر میں ان چیزوں کا بہت vogue ہے۔

چودھرائن : اتار دے اتار دے مری نہ جا۔اتار دے۔

عورت : فضل کا ابا ناراض ہوگا بی بی جی۔

چودھرائن : لے تُو نے سو روپے جب اس کو دیئے تو اس نے کیوں ناراض ہونا ہے۔ اتار دے۔

عورت : رُدپے میری ساس نے لے لینے ہیں بی بی جی۔میرے پاس تو ڈنڈیاں بھی نہیں رہنی۔

(جمیلہ اور بشریٰ پاس جاتی ہیں۔)

بشریٰ : تیری تو قسمت کھُل گئی۔تیری ڈنڈیاں پسند آگئیں ان کو۔بھلا ایسے لوگوں کو ہمارا کچھ پسند آتا ہے۔اُتار ڈنڈیاں۔

جمیلہ : پتہ نہیں ہے ابا جی کا —— اُتار دے۔

(ایک کان سے بُشریٰ دوسرے سے جمیلہ بالیاں اُتارتی ہے۔)

______ کٹ

سین ۱۸
ان ڈور
رات

(ڈاک بنگلے کے اندر ڈائننگ رُوم: سب کھانے کی میز پر ہیں۔)

بیدل : لیکن دو دِن اگر اور ٹھہر جائیں تو پروجیکٹ بالکل ختم ہو سکتا ہے۔ تم لوگوں کو شاید گاؤں اچھا نہیں لگا۔ کیوں ریحانہ؟

ریحانہ : یہ بات نہیں ہے سر۔ ہمیں تو بلکہ یہ جگہ بہت ہی پیس فُل لگی ہے۔

جوّاد : کتنے سمپل لوگ ہیں۔

سلمان : سمپل اینڈ اوبیڈیئنٹ

رفیق : جب لوگ سمپل ہیں، ہوا تازہ ہے، شہر کی headaches نہیں تو تم سب یکدم اور بیک آواز واپس کیوں جانا چاہتے ہو؟

نعیم : (ہاتھ اُٹھا کر) سر ہم سب یہاں کے کلچرل پیٹرن کے عاشق ہو گئے ہیں لیکن پھر بھی واپس جانا بہت ضروری ہے۔

حانہ : بتادیں؟

زینی : بتانا ہی پڑے گا۔ کیوں جوّاد؟

رفیق : بتاؤ۔ بتاؤ۔ بتادیں کیا مطلب؟

زینی : سر نیو برڈلاف شکسپیر سوسائٹی آرہی ہے کل۔

رفیق : اوہ یس! مجھے یاد ہے۔ پندرہ اور سولہ کو وہ لیڈی میکبتھ کریں گے۔

نعیم : اب سر ہم لوگ اگر نہ دیکھ سکے لیڈی میکبتھ تو کتنا نقصان ہوگا۔

بیدل : لیکن کل تو داروغہ جی یہاں لوکل آرٹسٹوں کا شو کروا رہے ہیں ہمارے آنز ہیں۔ بُرا لگتا ہے یار۔ ہم لوگ اُنہیں تھوڑی سی sense of participation دے سکتے ہیں۔

حانہ : لیکن سر برڈلاف کمپنی بھی تو روز روز نہیں آتی...

بیدل : ہاں لیڈی میکبتھ بھی دیکھنا ضروری ہے تاکہ صحیح پلے پروڈکشن کا پتہ چل سکے۔

نعیم : ضروری نہیں سر بہت ضروری!

رفیق : شکسپیر جس طرح historical continuation پیدا کرتا ہے اس کی بہترین مثال بھی لیڈی میکبتھ ہے ——— ساری اینگلو سیکسن ریس کو ایک لڑی میں پرو دیتا ہے ظالم...

حانہ : تو چلیں سر صحیح ہے ناں۔

بیدل : بالکل چلیں۔ سو فیصد۔ اب تو مجبوری ہے۔

(سب جلدی سے اُٹھتے ہیں اور گاتے ہوئے جاتے ہیں:)

For he is a jolly good fellow.....

——— کٹ

سین ۱۹
آوٹ ڈور
صبح

(ڈاک بنگلے کے باہر جیپ کھڑی ہے۔ لڑکے لڑکیاں باری باری اپنا اپنا سامان لا کر لادتے ہیں۔ سلمان جیپ میں سوار ہے۔ وہ ہارن بجاتا ہے۔ پروفیسر صاحب بھی برآمد ہوتے ہیں۔ سب جانے کے لیے تیار ہیں۔ ڈاک بنگلے کا چوکیدار مالی خانساماں دست بستہ برآمدے میں کھڑے ہیں۔ ڈاکٹر بیدل سب کو بخششیں دیتے ہیں۔ سلمان جیپ چلاتا ہے یکدم نوشی جیپ روکتا ہے اور جیپ سے اُتر کر اندر جاتا ہے۔ کیمرہ اس کو فولو کرتا ہے۔ وہ اندر جاتا ہے الماری کھولتا ہے۔ اس میں کھوپڑی پڑی ہے وہ نکال کر اپنے تھیلے میں ڈالتا ہے بھاگ کر باہر آتا ہے اور جیپ میں سوار ہوتا ہے۔

جیپ پھر چلتی ہے۔ مغربی گانا اُس پر سپر امپوز ہوتا ہے۔ ڈاک بنگلے کے ملازمین سب کو سلام کرتے ہیں۔ جیپ والے بھی سلام کا جواب ہاتھ ہلا کر دیتے ہیں۔

جیپ گیٹ سے باہر نکلتی ہے۔ پھاٹک پر چودھری کرم داد اور داروغہ ہار لے کر کھڑے ہیں۔ جیپ رُکتی ہے۔ سب نکلتے ہیں یہ دونوں ان کو ہار پہناتے ہیں۔ ایک مزارع جیپ میں گنے رکھتا ہے۔ دوبارہ جیپ میں چڑھتے ہیں۔ جیپ چلتی ہے داروغہ غمناک ہے۔ ایک انگلی سے آنکھ کے کونے سے آنسو پونچھتا ہے جیپ چلی جاتی ہے۔)

کٹ ــــــــــ

سین ۲۰
آؤٹ ڈور
صبح

(کچی سڑک کے کنارے ایک درخت کے پیچھے گونگا چھپا کھڑا ہے۔ جیپ اس کے پاس سے گزرتی ہے تو وہ سرپٹ اس کے پیچھے بھاگنے لگتا ہے۔ ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر آوازیں دیتا ہے لیکن جیپ دُور نکل جاتی ہے۔ وہ جیپ کے پیچھے بھاگتا ہے۔ پیچھے سے ٹرک کاریں اس کو کراس کرتی ہیں۔ وہ جیپ کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے بہت لاؤڈ ہارن بجتے چلے جاتے ہیں۔)

کٹ ________

سین ۲۱
ان ڈور
دوپہر

(گونگے کے گھر کے صحن میں چارپائی پر اس کا جنازہ پڑا ہے اور گاؤں کی وہ ساری عورتیں جو اس ڈرامے میں ٹیک ہیں، اس کے اِرد گرد بیٹھی رو رہی ہیں اور باری باری سے ماسی کو گلے لگا کر تسلی دے رہی ہیں۔ ان عورتوں میں چودھرائن اور اس کی دونوں بیٹیاں بھی ہیں۔

اتنے میں چودھری کرم داد، داروغہ صاحب اور محمد صدیق اور بابا سلمان

انڈر داخل ہوتے ہیں۔)

چودھری : اب اجازت دیئو بہن۔

(زور کا رونا)

ماں : نہ چوہدری جی نہ ــــــ میرے گونگے کو نہ لے جاؤ۔ میرے مشوم بہشتی کو تیرے چوبارے بسدے رہن چوہدریا نہ لے جانا میرے کلّے پُتر کو۔ نہ دے چوہدری ناں۔

چودھری : صبر بہن صبر۔ اس زور آور کے آگے کس کا زور چلتا ہے۔

داروغہ : بس جو ہونا تھا ہو گیا بہن طالعاں۔ گئے ہوؤں کو کوئی واپس نہیں لا سکتا۔ اس کو کس نے کہا تھا بد نصیب کو موٹر کے پیچھے بھاگنے کو سڑک پر جانے کو۔

بابا سلمان : حکم داروغہ جی حکم۔ بڑی کچہری کے حکم آگے کوئی وکیل جھگڑا نہیں چلتا۔

(چارپائی کے ہاتھ ڈالتے ہوتے)

بادشاہوں کے بادشاہ اگے کسے کا زور نہیں۔ موتیاں والیو بسم اللہ۔ کلمہ شہادت!

(دُوسرے بھی ساتھ مل کر کلمہ شہادت کہتے ہیں اور چارپائی اُٹھاتے ہیں۔ عورتیں زور زور سے رونے لگتی ہیں اور روتے روتے ماسی طالعاں کو زور سے پکڑ لیتی ہیں۔ چارپائی سین سے باہر نکل جاتی ہے۔)



مایا اور مون سون

کردار :

سارہ : جذباتی امیرزادی

شاہد : بے حد ذہین نوجوان

تایا جمشید : سارا کے تایا —— قالینوں کا بیوپاری - دنیا کو سمجھنے والا

پرویز : سارہ کا والد - سرکاری افسر

تنویر : سارہ کی والدہ - عام امیر عورت

مریم : سارہ کی سہیلی

روفی : سارہ کی ہم جماعت

گگی : سارہ کی دوست

عامر : ایم بی اے میں سارہ اور شاہد کا ہم جماعت

فیروز : شاہد کا دوست

سرفراز : سارہ کا کزن

باجی آمنہ : سارہ کی بڑی بہن - فیشن ایبل امیر عورت

سین ۱
ان ڈور
شام کا وقت

(امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ کا گھر۔ ایک خوبصورت ڈرائینگ روم میں یہ نوجوان ہم جماعت جمع ہیں۔ گپیں ہانک رہے ہیں۔ اس کمرے کے اندر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بڑے ہی صاحب حیثیت لوگوں کا گھر ہے۔ جب سین کھلتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ نوجوان قالین پر بیٹھے ہیں کچھ صوفوں پر۔ شاہد ایسی جگہ بیٹھا ہے جو ہر ایک کی توجہ کا مرکز ہے۔ یوں تو سارے ہی اس ذہین نوجوان سے متاثر ہیں لیکن سارہ تو گویا اس پر بکی ہوئی ہے۔ مریم چائے کی ٹرالی آہستگی سے دھکیلتی ہوئی فیلڈ میں داخل ہوتی ہے۔)

فیروز : (ایک دم اُٹھ کر) کلاس سٹینڈ

مریم : (مُسکرا کر) پلیز! پلیز! بچو be seated

عامر : یہ تم کیا ایک دم بچے بن جاتے ہو۔

فیروز : چائے بھئی چائے۔ اینڈ فروٹ کیک۔

سارہ : پلیز فیروز —— سننے دو ایک منٹ۔ ہاں شاہد

شاہد : یہ کوئی آخری ڈیفینیشن نہیں ہے سارہ۔ میرا مطلب ہے طے شدہ نہیں ہے بات۔ لیکن سمجھانے کے لیے اسی قدر کہہ سکتا ہوں انتھروپولوجی ان پڑھ اور غیر مہذب قوموں اور گروہوں کے مطالعے کا علم ہے اور سوشیالوجی پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ لوگوں کی زندگیوں کے مشاہدے کا علم ہے۔

گگی : جن لوگوں کو تم ان پڑھ اور غیر مہذب کہہ رہے ہو نا شاہد۔ وہ گروپس....

شاہد : بالکل ٹھیک ۔ بالکل ٹھیک ــــ میں تم سے اتفاق کرتا ہوں گگی لیکن میں تو تم لوگوں کو ایک آسان سی ترکیب بتا رہا تھا فرق کرنے کی۔

سارہ : شاہد تو ایک ڈیفینیشن بتا رہا تھا۔

شاہد : آربیٹریری بٹ یُوز فل

عامر : اچھا بھئی ۔ تم اتنے لائق ہو اور اس قدر ذہین ہو تو یہ بتاؤ . . .

شاہد : میں کہاں لائق ہوں بابا۔

عامر : سارے سمسٹروں میں اوّل آتے رہے ہو اور اب کسرِ نفسی کر رہے ہو۔

روفی : (ہنس کر) پروفیسر دانش تک تو چڑتے تھے تم سے ۔

شاہد : وہ تو ان کے خصوصی توجّہ دینے کا طریقہ تھا ۔ ورنہ کون اُستاد چڑتا ہے اپنے شاگرد سے ۔

عامر : اچھا یہ بتاؤ کہ پرندے چہچہاتے کیوں ہیں۔

شاہد : (کھسیانی ہنسی) بھئی یہ تو کوئی ماہرِ پرندیات ہی بتا سکتا ہے۔

گگی : چہچہاتے اس لیے ہیں کہ پرندے ہم انسانوں سے زیادہ ایٹ ایز ہوتے ہیں ۔

عامر : غلط

فیروز : دراصل وہ خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہیں ۔

مریم : اور ہر وقت خوش رہتے ہیں ۔

سارہ : اور ان میں sense of superiority نہیں ہوتی ۔

عامر : او بھائی لوگو ۔ سائیں بادشاہو ۔ وہ اس لیے چہچہاتے ہیں کہ انہیں کسی زبان کا ایک بھی لفظ نہیں آتا ۔ نہ قومی زبان کا نہ علاقائی زبانوں

کا۔بس اس لیے ہر وقت چھپاتے رہتے ہیں۔ بحث مباحثہ نہیں کرتے۔
کیوں ٹھیک ہے؟

شاہد : (ہنس کر) ونڈرفل ــــ

فیروز : میرے ماموں کے پاس ایک توتا تھا بڑی باتیں کرتا تھا۔ اس کو چھیڑو تو گندی گالیاں دیتا تھا۔

روفی : وہ تمہارے ماموں جان نے سکھائی ہوں گی۔

شاہد : لیکن تمہارے ماموں کے توتے کو ہم زبان داں نہیں کہہ سکتے فیروز۔ زبان صرف انسان کو ملی ہے۔ یا اس نے اختراع کی ہے یا اپنی سہولت کے لیے ایجاد کی ہے۔ اس کی ابتدا کی بھی کئی تھیوریاں ہیں۔

مریم : بس۔بس بس!!!

سارہ : بھئی سننے دو مریم ــــ ہاں شاہد۔

شاہد : (انکساری کے ساتھ) ایک تو Bow Bow تھیوری ہے کہ زبان آوازوں کی نقالی سے بنی ہے۔ جیسے کتے کی آواز، آبشار کی آواز۔ ہواؤں کی آواز وغیرہ وغیرہ ــــ اور ایک Pooh Pooh تھیوری ہے کہ زبان انسان کی جبلّی آوازوں سے بنی ہے۔ اس کے دُکھ اس کی خوشی اس کی تکلیف کی ساؤنڈز سے پیدا ہوئی ہے ایک Yo-he-ho تھیوری ہے۔ کہ زبان جسمانی قوت استعمال کرتے وقت کی آوازوں سے بنی ہے۔ ایک ڈنگ ڈونگ تھیوری ہے۔ Gastral تھیوری ہے۔ Jesperson کی Trara-boom-deay تھیوری ہے۔ لیکن آپ لوگ بور ہو جائیں گے۔

عامر : ہم پہلے ہی ہو چکے ہیں۔ جائیں گے کیا معنی۔

ستارہ : بتاؤ شاہد بتاؤ ——

گگی : بس بھئی بس۔ آج کے لیے یہی کافی ہے۔

عامر : لو، تم اتنے لائق بنے پھرتے ہو آل ویز فرسٹ اِن دا کلاس۔ یہ بتادو کہ کتے کو سکھانے پڑھانے کے لیے آدمی کو کیا کرنا چاہیئے۔

مریم : ایک کتا حاصل کرنا چاہیئے۔

عامر : اور کتا حاصل کرنے کے بعد۔۔۔۔

گگی : آدمی کے پاس ایک چھڑی ہونی چاہیئے۔

شاہد : یا اس کو ریوارڈ اینڈ پنش منٹ کی تھیوری پر عمل کرنا چاہیے۔

عامر : نہیں بھائی کتے کو سکھانے پڑھانے کے لیے آدمی کے پاس سب سے پہلے کتے سے زیادہ عقل ہونی چاہیئے۔

(سب تالیاں بجاتے ہیں۔)

اور پروفیسر نور کو پڑھانے سے پہلے سٹڈی کرکے آنا چاہیئے۔

گگی : ڈونٹ بی ہین عامر — اب ہمارا کیا تعلق رہ گیا ڈیپارٹمنٹ سے۔ ونس یو آر آؤٹ۔

فیروز : وہ تو ٹھیک ہے لیکن پروفیسر کو تو ساری عمر ڈسکس کیا جاسکتا ہے۔

ردفی : ایم بی اے کلاس کے پروفیسرز کو نہیں۔ یہ فاؤل ہوگا۔

عامر : وہ سائیں لوگ ہوتے ہیں ان کو تکلیف پہنچتی ہے ہمارے ڈسکس کرنے سے۔

مریم : پتہ ہے مسعود کو جاب بھی مل گیا۔ سروش کو مل گیا۔ بیگ جارہا ہے ابروڈ پروفیسر اعظمی کے ساتھ۔

شاہد : تم سب کو بھی مل جائے گا۔ جاب حاصل کرنا کون سا مشکل کام ہے۔ مل جایا کرتا ہے۔

فیروز : لڑکیوں کو جلدی مل جاتا ہے۔

سب لڑکیاں : ہیں ہیں ہیں ؟

شاہد : (اُونچی آواز میں) بھئی پلیز گرلز — بس۔ فیروز کا یہ مطلب نہیں جو آپ لوگ سمجھتے ہیں۔ فیروز تو شاید یہ بتانا چاہتا تھا کہ عورت چونکہ مرد کے مقابلے میں ایک بہتر مخلوق ہے اور مرد اس کے مقابلے میں انفیریر ہے۔ اس لیے عورتوں کو ملازمت جلد مل جاتی ہے۔

عامر : (ہنس کر) ویسے فیروز کا یہ مطلب نہیں تھا۔

گگی : فیروز کا یہ مطلب نہ بھی ہو تو بھی ہم سپیریئر لوگ ہیں۔ ہم عورتوں نے آج تک —

مریم : کوئی جنگ نہیں کی۔ کسی علاقے پر بمبارڈمنٹ نہیں کی۔ کسی کو دھوکے فریب سے قتل نہیں کیا۔

روقی : عورت مشکلات پر قابو پانا جانتی ہے۔ صابر و شاکر ہے۔

گگی : مرد اپنی زندگی کے ہر دور میں نفسیاتی الجھنوں میں زیادہ شدت سے گرفتار ہوتا ہے۔ جان بوجھ کر عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔

مریم : عورت عام طور پر انٹیلی جنس ٹیسٹ میں مرد سے بہتر ثابت ہوئی ہے۔

فیروز : وہ ولایت کی عورتیں ہوتی ہیں۔

گگی : عورت فیروز عورت — صرف عورت۔ اس میں ولایت بے ولایت کی بات نہیں۔

عامر : پلیز لیڈیز اینڈ جنٹلمین۔ انسان کو انسان کی سطح پر دیکھنا اور پرکھنا چاہیے۔

اس میں مرد عورت ایک جیسے ہیں شاہد۔ برابر ہیں۔ عورت مرد سے سپیریئر نہیں ہے۔

شاہد : عورت مرد سے شاید سپیریئر تو نہیں لیکن مفید ضرور ہے۔

عامر : یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو مسٹر انٹی لکچوئیل۔

شاہد : مفید تر اِن معنوں میں عامر! کہ انسانی بقا کے لیے اور اس کرۂ ارض کو آباد رکھنے کے لیے عورت مرد سے زیادہ ضروری ہے۔

(سارہ کی تالی۔ اس کے ساتھ ہی دوسری لڑکیوں کی تالیاں)

فیروز : واہ بھئی واہ۔ بڑی تعریف کیا کرتی ہے سارہ تمہاری۔ سُن رہی ہو مسٹر وزڈم کیا فرما رہے ہیں۔

سارہ : بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔

عامر : اُٹھو یار —— آؤ —— اُٹھو فیروز (کھڑا ہو جاتا ہے) اگر بقائے انسانی کے لیے ہماری ضرورت ہی نہیں تو پھر اس بے عزّتی کو برداشت کرنے کی بھی ضرورت نہیں —— اُٹھو۔

(فیروز اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔)

مریم : بھئی پلیز

شاہد : ویسے ہم تم کو جانے تو نہیں دیں گے لیکن اپنے اس فوری ارادے سے ایک بات سمجھ لو —— تشریف رکھیے۔ (دونوں اسی طرح کھڑے ہیں) میں کہتا ہوں تشریف رکھیے۔ (وہ اسی طرح کھڑے ہیں۔ شاہد مصنوعی جھڑکی کے ساتھ کہتا ہے) بیٹھو۔

(دونوں مسکراتے ہوئے شرارت کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔)

شاہد : دیکھو بھائی مردو۔ اس میں غصے کی کوئی بات نہیں۔ لیکن یہ ہے

حقیقت کہ اس کرۂ ارض کو آباد رکھنے میں عورت مرد سے اہم تر ہے۔

(فیروز اور عامر ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہیں۔)

شاہد : فرض کرو اس دنیا میں، اس کرۂ ارض پر، اس گھڑی اسی لمحے سارے مرد۔ چھوٹے بڑے۔ جوان بوڑھے ایک ساتھ فوت ہو جائیں اور صرف عورتیں باقی رہ جائیں تو نسلِ انسانی بدستور آگے چلتی رہے گی۔ (ہاتھ کے اشارے سے بتاتا ہے۔ خاموشی کا وقفہ) لیکن، اگر اس وقت، اسی گھڑی، اسی لمحے میرے ایک دو تین کہنے پر ساری دنیا کی عورتیں ایک ساتھ فوت ہو جائیں تو نسلِ انسانی ختم ہو جائے گی۔ اور یہ کرۂ ارض ہیومن بینگز سے بالکل خالی ہو جائے گا ـــــ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

(لڑکیاں پھر تالی بجاتی ہیں۔ عامر اور فیروز بھونچکے اس پہیلی کو سوچتے ہیں۔ عامر کی نظروں میں چمک آتی ہے۔ وہ بات سمجھ گیا ہے لیکن فیروز ڈل بیٹھا ہے۔ اور حیران ہو رہا ہے کہ ایسے کیونکر ہو سکتا ہے۔ لکی آگے بڑھ کر اس کی پتھرائی ہوئی آنکھوں کے آگے ہاتھ جھلاتی ہے اور سب ہنستے ہیں۔)

فیڈ آؤٹ ـــــ

سین ۲
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(لمبی خوبصورت کار میں سامنے عامر کار چلا رہا ہے۔ اس کے ساتھ شاہد

اور فیروز بیٹھے ہیں۔ پچھلی سیٹ پر سارہ، مریم، گگی اور روقی بیٹھی ہیں۔
یہ سب مست الست طریقے سے مل کر انشا جی کا گیت گا رہے ہیں۔
"سب مایا ہے سب مایا"۔ گانے کا آخری بند ہی گایا جاتا ہے۔ جس میں لکھا
ہے اور کٹیا کے ماتھے پر یہ لکھوایا ہے ـــ سب مایا ہے۔ جس وقت آخری
بول آتے ہیں ہم سارہ کے گھر کے پھاٹک میں داخل ہو کر ایک خوبصورت
کوٹھی کو آہستہ آہستہ پین کر کے دکھاتے ہیں اور لڑکے لڑکیوں کی آواز آتی
رہتی ہے۔ "سب مایا ہے"۔ اس آؤٹ ڈور میں کار شہر کے خوبصورت مختلف
مقامات سے گزرتی ہے۔ مثلاً نہر کے ساتھ ساتھ، ایچی سن کالج کو بیک
گراؤنڈ رکھ کر مال، لارنس باغ میں عقب میں مسجد اور سامنے کار چل
رہی ہے۔ یہ دھن دو طریقوں سے تیار ہو گی۔ یہاں پر درت میں بڑی چلنت
اور آخری سین میں خیال کے رنگ میں بڑی آہستہ اور دُکھ بھری۔ جس
وقت کار پھاٹک کے سامنے رکتی ہے لڑکیاں کار سے اُترتی ہیں۔ گیت
کی موسیقی جاری رہتی ہے۔ سارہ، شاہد والی کھڑکی کی طرف جاتی ہے۔
اور اس کی کھڑکی میں ہاتھ رکھ کر اسے خدا حافظ کہتی ہے۔ شاہد کی آنکھوں
میں بھی اشتیاق اور محبت ہے۔ وہ سارہ کی جیکٹ کا کالر ٹھیک کر کے
اسے خدا حافظ کہتا ہے۔ کار کی کھڑکی میں سے ہاتھ نکال کر لڑکے الوداع کرتے
ہیں۔ لڑکیاں اپنے اپنے طور پر ہاتھ ہلا کر پرس گھما کر اور رومال کے اشارے
سے خدا حافظ کہتی ہیں۔ کار چلی جاتی ہے۔ لڑکیاں اندر کی طرف چلتی ہیں سب
مایا ہے کی موسیقی جاری ہے ـــ ان لڑکیوں کو پورچ کی طرف چلتے ہوئے دکھاتے
ہیں۔)

ـــــــــــ کٹ

سین ۳۲
ان ڈور
دن کا وقت

(یہ تایا جمشید کا کمرہ ہے۔ تایا جمشید لندن میں قالینوں کا بیوپار کرتے ہیں اور کچھ عرصہ کے لیے سارہ کے آبا سے ملنے پاکستان آئے ہوئے ہیں۔ یہ گریس فل بڈھا بڑا سمجھدار ہے اور اس کی ڈاؤن ٹو ارتھ فلاسفی ہے۔ یہ کمرہ بیڈ روم بھی ہے اور لونگ روم بھی۔ جس وقت کیمرہ کھلتا ہے تو دو ہاتھ ٹافی پر سے سلور کی پنّی اُتار رہے ہیں۔ پھر ایک ہاتھ سے بڑے لالچ کے ساتھ یہ ٹافی سرفراز اپنے منہ میں ڈالتا ہے۔ سرفراز قالینوں کا تاجر ہے۔ بے تحاشا امیر ہے۔ لیکن ذرا بھی کلچرڈ نہیں ہے۔ اس وقت وہ تایا جمشید کے پلنگ پر نیم دراز ہے اور رسالے میں سے تصویریں دیکھ رہا ہے۔ اس کی جیب میں مختلف قسم کی ٹافیاں اور چاکلیٹ ہیں۔ وہ کچھ دیر بعد تپائی پر سے نیا رنگین ولایتی رسالہ اُٹھاتا ہے۔ منہ میں اُنگلی ڈال کر تھوک لگاتا ہے۔ اور بچوں کی سی دلچسپی کے ساتھ رسالے کی ورق گردانی کرتا ہے ساتھ ہی ساتھ وہ تصویروں سے خوش ہو کر ہنستا بھی ہے۔ دو ایک مرتبہ وہ جیب سے ٹافیاں نکال کر سب کو آفر بھی کرتا ہے لیکن سارہ کی سہیلیوں اور جمشید کے مباحثے میں شریک نہیں ہوتا۔ وہ رسالے کی تصویروں میں اس قدر منہمک ہے کہ ان باتوں کا اس سے کوئی تعلق ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس وقت تایا جم لمبے صوفے پر بیٹھے ہیں۔ انہوں نے سامنے کھلنے والا کارڈگن جو بہت ڈھیلا ہے پہن رکھا ہے۔ چہرے پر عینک ہے۔ ان کے دونوں بازو بہت

ریلکسڈ انداز میں صوفے کی نشست پر سیدھے پڑے ہیں۔ سامنے نیم دائرے
کی شکل میں لڑکیاں لیدر کے موڑھوں پر بیٹھی ہیں صرف سارہ کھڑی ہے۔
ہم ان سب کو بڑے گرم مباحثہ کے درمیان میں پکڑتے ہیں۔)

تایا : بس بس بس۔ چلڈرن —— ہم سب بڑے غلط ٹریک پر جا رہے ہیں۔ تم
سب کو پہلے یہ ڈیفائن کرنا پڑے گا کہ انڈرسٹینڈنگ ہوتی کیا ہے۔ خاص
کر مرد اور عورت کے درمیان —— اور اس سے بھی زیادہ شادی شدہ مرد
اور عورت کے درمیان انڈرسٹینڈنگ کے مطلب کیا ہیں۔

مریم : مفاہمت جم تایا ——

روفی : دونوں ایک دوسرے کے آئیڈیاز کو سمجھتے ہوں جم تایا۔ ایک ہی پیٹرن پہ
سوچتے ہوں ایک سی تھنکنگ رکھتے ہوں۔

سارہ : ہم خیالی ——

تینوں : (مل کر ایسے بولتی ہیں کہ کچھ پلے نہیں پڑتا۔)

مریم : مثلاً وہ میرے پرابلمز کو سمجھتا ہو۔

روفی : ہم دونوں سوچ کی ایک ہی فریکوئنسی پر ہوں

سارہ : جم تایا ہمارے آئیڈیاز ملتے ہوں ایک دوسرے سے۔

(اس وقت سرفراز رسالے کی تصویر دیکھ کر ہنستا ہے۔)

تایا : وَن ایٹ اے ٹائم۔ ون ایٹ اے ٹائم۔ اچھا مریم تم کو صرف انڈرسٹینڈنگ
چاہیئے اپنے ہونے والے شوہر سے۔ صرف ہم خیالی؟

مریم : صرف مجھے نہیں ہم چاروں کو ——

تایا : میرا خیال ہے تم ہیمپرنگ —— چاہتی ہو تینوں چاروں جسے تم
انڈرسٹینڈنگ کا نام دے رہی ہو۔ انڈرسٹینڈنگ تو دو رویہ سڑک ہوتی

ہے آنا جانا برابر کا ہوتا ہے۔ظالم قسم کا گیو اینڈ ٹیک ـــــ تم سب میری طرح ہو۔میں بھی ساری عمر کسی اچھی ہینڈ سم عورت کے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا جس کی میرے ساتھ انڈرسٹینڈنگ ہوتی۔لیکن حوصلہ ہی نہیں پڑا ـــ اور دیکھ لو۔ایٹ ففٹی فور یو فائنڈ می اے سنگل مین لیونگ ان لنڈن الون۔

سارہ : یہ تو آپ ایسے ہی مخول کر رہے ہیں جم تا۔آپ کے آئیڈیاز پر کوئی عورت پوری ہی نہیں اُتری ساری عمر۔

تایا : نہیں سارہ میرے بچے ـــ اس میں کسی عورت کا قصور نہیں ہے۔مجھے اپنے آئیڈیاز سے بڑی محبت رہی ہے لیکن ویسی جیسی پڑھے لکھے طبقے کو اپنے فوک کلچر سے ہوتی ہے۔آئیڈیاز سے محبت کرنے کے لیے بڑی سخت قسم کی کنوکشن درکار ہوتی ہے اور مجھ میں محبت تو ضرور تھی اپنے آئیڈیاز کے لیے لیکن یقین کامل نہیں تھا ـــ اور یقین نہ ہو تو تمام آئیڈیاز مایا ہیں اپنے آپ پر اعتماد نہ ہو تو (اچانک رُک کر) مایا جانتی ہو کیا ہوتی ہے؟ کلف تو نہیں سمجھ رہی ہو روفی۔

روفی : (اثبات میں سر ہلاتی ہے) جی سٹارچ

تایا : یوں سمجھو کہ کچھ موجود نہ ہو اور تمہیں نظر آنے لگے اور موجود سا ہو جائے hallucination اور delusion کو ملا دو ـــ تو مایا بنتی ہے۔ کبھی آسمان پر بادلوں کو دیکھا ہے مون سون سے پہلے۔جیسے آسمان پر ہر طرف مایا ہی مایا ہو۔

مریم : کئی دفعہ انکل۔

تایا : کبھی وہ تمہیں سفید بھالو نظر آتے ہیں پولر بیئرز ـــ کبھی لگتا

ہے رُوئی کے کارخانے میں ہوا چل رہی ہے ——— کبھی شام کے وقت
لگتا ہے رنگدار شامیانے میں آگ لگ گئی ہے۔ یہ سب مایا ہے ———
مون سون سے پہلے ——— یہ جو تم سب نے دو گھنٹے سے رٹ لگا رکھی ہے
کہ تم کو انڈر سٹینڈنگ چاہیے مردوں سے یہ سب مایا ہے....
کوئی گانٹھ کا پورا ——— عقل کا اندھا تلاش کر کے شادی کر لو اور عیش
کرو ——— لمبے بکھیڑے میں مت پڑو ڈیئر گرلز۔

چاروں: نیور۔ نیور.... نیور

(اس وقت سرفراز آ کر سب کو ٹافیاں پیش کرتا ہے۔ سب ٹافیاں لیتی
ہیں۔ صرف سارہ تو تھینک یو کہتی ہے۔ سرفراز واپس جا کر پلنگ پر
نیم دراز ہو کر رسالے دیکھنے میں مشغول ہوتا ہے۔)

تایا : میں تمہارا تایا جم ہوں تمہارے انٹرسٹ کی بات کرتا ہوں۔ سٹاک ہوم
سے لے کر فرینک فرٹ تک میں اپنے مشورے کی بھاری فیس لیتا ہوں
قالینوں کے بارے میں۔ لیکن تم کو اپنی ایڈوائس مفت دے رہا ہوں۔
——— جس طرح فرش پر قالین اچھا پائیدار اور قیمتی ہونا چاہیئے اسی طرح
شوہر بھی یوزفل اور سروس ایبل ہونا چاہیئے ——— سُن مریم وہ بھی
ایک قسم کا قالین بلکہ doormat ہوتا ہے۔ اچھا پائیدار اور قیمتی
ہو گا تو خوش رہو گی۔ باقی تم سب مجھ سے زیادہ پڑھی لکھی ہو ——— اپنی
زندگی تباہ کرنے کے نسخے مجھ سے بہتر جانتی ہو۔

چاروں ملکر : شیم شیم شیم تایا جم شیم .... شیم

تایا : اچھا اچھا سنو میں بھی تو تمہارا پوائنٹ آف ویو چار گھنٹے سے سن رہا ہوں۔

گگی : جی تایا جمشید فرمائیے۔ ہم سُن رہے ہیں۔

تایا : جو انڈر سٹینڈنگ امیر شوہر کی دولت سے پیدا ہو گی وہ ایک ذہین اور شریف مگر غریب شوہر کی رفاقت، دوستی، سمجھ بُوجھ سے کیسے پیدا ہو سکتی ہے؟ شوہر امیر ہو تو انڈرسٹینڈنگ کی بک بک ہی نہیں رہتی۔ وہ اپنے کام پر جُتا ہوا ہے تم اپنے آرام پر ٹیک لگائے بیٹھی ہو ــــ شادی کے پہلے سال یورپ ٹور کی وجہ سے انڈر سٹینڈنگ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ پھر بچّے کو انڈر سٹینڈ کرنے پر سارا وقت لگ جائے گا۔ اس کے بعد انڈر سٹینڈنگ کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔

سارہ : یعنی اگر ہم اس کے ساتھ بُکس کو ڈسکس کریں گے تو وہ بالکل نہیں کر سکے گا۔

تایا : بالکل نہیں بُکس تو اس کی فیلڈ ہی نہیں ہونی چاہیئے۔

سارہ : ہماری انجوائے منٹ میں بھی وہ شامل نہیں ہوگا۔ ہیں تایا جی؟

تایا : اس کی دولت شامل ہو گی سارہ جان . . . اور یہی بہتر ہے اُس کی ذات کی nuisance نہ ہو لیکن اس کی فراہم کردہ convenience موجود ہو۔

سارہ : ہمارے ٹیسٹس مختلف ہوں گے؟ بالکل؟ میرے ہزبینڈ کے اور میرے؟

تایا : بالکل جیسے ائر فورس کا اور نیوی کا مزاج مختلف ہوتا ہے پھر بھی دونوں ایک فوج ہوتے ہیں۔

سارہ : اور مَیں اس کے ساتھ رہوں گی ــــ وہ کسی فریکوئنسی پر مَیں کسی اور پر۔

تایا : بالکل

سارہ : اور آپ کا خیال ہے میں خوش رہوں گی ــ کمال ہے!

تایا : بالکل —— You will live happily ever after

سارہ : —— mean...mean...mean...mean... تایا جم۔

(مریم پیار سے تایا کو مکے مارتی ہے۔ روفی اور گگی بھی سارہ کے ساتھ کھتی ہیں۔ کیمرہ سرفراز پر آتا ہے وہ ایک ٹافی کا سلور اُتار کر مُنہ میں ڈالتا ہے۔)

کٹ ———

سین ۴
ان ڈور
شام کا وقت

(شاہد صاحب سارہ کے گھر میں بیٹھے ہیں۔ ان کے ساتھ سارہ کی ماما اور ڈیڈی ہیں۔ سارہ اس وقت گھر پر نہیں ہے۔ جب سین کھلتا ہے تو شاہد کہہ رہا ہے۔)

شاہد : آپ بجا فرماتی ہیں آنٹی۔ اور آپ کی بات ہے بھی ٹھیک لیکن نماز میں دل نہ لگنا یا دوران نماز طرح طرح کے خیالات کا ستانا۔ یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے۔

ڈیڈی : بھئی وہ نماز ہی کیا جس میں کیفیت نہ ہو —— ذوق نہ ہو۔

شاہد : دراصل انکل .... ہمیں نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ ذوق اور کیفیت پیدا کرنے کا آرڈر نہیں ہے۔

ڈیڈی : نہیں نہیں نہیں نہیں بیٹے۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

ماما : میرا تو بس دھیان ہی نہیں ٹکتا نماز میں۔ ہزار طرح کے خیالات آتے رہتے ہیں۔
شاہد : تو انہیں آنے دیجئے کوئی ہرج نہیں۔
ڈیڈی : نہیں نہیں نہیں بھائی، نہیں نہیں۔
شاہد : جب آدمی کسی منزل کی طرف چلتا ہے آنٹی اور ایک راستہ اختیار کرتا ہے منزل کی طرف تو اس راستے میں کتے بھی آتے ہیں۔ بلّے بھی آتے ہیں۔ غلاظت کے ڈھیر بھی آتے ہیں۔ گندے پانی کے گڑھے بھی آتے ہیں۔ اگر انسان دوران سفر ان کتوں بلوں کے پیچھے بھاگنا شروع کر دے یا غلاظت کے ڈھیر اُٹھوانے اور گڑھے پُر کرنے پر لگ جائے تو وہ منزل تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔
ماما : شاباش بیٹے۔ خدا تیرا بھلا کرے۔ سارہ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ ماما جو کچھ پوچھنا ہے شاہد سے پوچھا کرو ۔ ۔ ۔ ۔ شاباش۔
شاہد : یہ تو اُس کی مہربانی ہے آنٹی ۔ ۔ ۔ ۔ ورنہ میں تو ۔ ۔ ۔ ۔
ڈیڈی : لیکن بھائی ایسے بے ہنگم خیالات کو رفع کرنے کا بھی تو حکم ہے۔ حضوری تو پھر اسی طرح پیدا ہو گی۔
شاہد : وسوسوں کی طرف اس قدر انہماک سے توجہ دینا اور بھی خطرناک ہے۔ جیسے بجلی کا تار ہوتا ہے ناں انکل تو اس کو اگر پرے کرنے کی غرض سے بھی آپ ہاتھ لگائیں گے تو بھی چپٹ جائیں گے۔
ڈیڈی : لیکن وہ تو — میرا مطلب ہے — اس طرح سے تو پھر ۔ ۔ ۔ یہ تو بات ٹھیک نہیں ہے میرے حساب سے ۔ ۔ ۔
ماما : میرے تو دل کو لگ گئی شاہد میاں کی بات۔
شاہد : جاننے کی بات اتنی ہی ہے آنٹی کہ بندہ بندگی سے بنتا ہے۔ خدائی سے

نہیں۔ جو شخص بار بار یہ کہتا ہے کہ میری نماز درست نہیں میں وسوسوں میں اُلجھا رہتا ہوں۔ میرا رُخ ٹھیک نہیں ہے۔ میری عبادت میں نقص ہے تو وہ بندگی سے نکل کر اپنی "میں" کے اندر اور اپنی انا کے تکبر میں پھنسا ہوا ہے۔ بندگی کی شان تو یہی ہے کہ بندہ حکم کے اندر لگا رہے۔ اسی میں بندے کے لیے رحمت اور حکمت ہے۔

ماما : لیکن شاہد بیٹا ایک بات تو بتاؤ کہ جب انسان نے یہ سمجھ لیا اور....

ڈیڈی : ذرا ایک منٹ، ایکسکیوز می تنویر.... میں نے سنا ہے تم کچھ صوفی ازم وغیرہ میں بھی انڈلج کرتے ہو۔۔۔ ای ایس پی وغیرہ میں۔

شاہد : صرف اکیڈمک حد تک سر۔ اس سے آگے نہیں۔ سلوک نہ کبھی میری منزل رہی ہے ناں ہی یہ میرا حال ہے اور میں اس کیفیت سے بالکل ناآشنا ہوں لیکن میں نے اس موضوع پر پڑھا ضرور ہے۔

ڈیڈی : اگر پڑھا ہے اور اس کے بارے میں ....

شاہد : لیکن صوفیا فرماتے ہیں کہ جس قول یا جس بات کی شہادت، کہنے والے کا عمل نہ دے وہ قول مُردہ ہوتا ہے اور اس سے سننے والے کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

ڈیڈی : وہ کیوں۔

شاہد : اس لیے کہ راستے کی باتیں کرتے رہنے سے راستہ طے نہیں ہوتا۔

ڈیڈی : لیکن بات سے اور کمیونیکیشن سے اور بتانے سے تبلیغ تو ہوتی ہے۔

شاہد : آئی ایم سوری انکل۔ عطا کے چار مقام ہیں : قول۔ عمل۔ علم اور اخلاص۔ جب تک کسی شخص میں یہ چاروں موجود نہ ہوں اور وہ نصیحت اور تبلیغ

کرے تو اس کی تبلیغ شوکت نفس کے لیے ہوگی اور محض تکبر کی بنا پر ہوگی۔

ڈیڈی : لیکن یہ جو اسقدر لٹریچر شائع ہو رہا ہے۔ مورل اینڈ ایتھیکل اور جو اس وقت تحریکیں چل رہی ہیں یورپ اور امریکہ میں تو ..... تمہارا کیا مطلب ہے ....

شاہد : ایکسکیوزمی انکل — بھیجنے والے نے انسان کو کسی عمل کے لیے بھیجا ہے۔ صرف پڑھنے پڑھانے کے لیے نہیں۔ جو لوگ پڑھنے پڑھانے ہی کو عمل سمجھتے ہیں وہ عمل کے لیے دیا گیا وقت بھی گفتگو میں ضائع کر دیتے ہیں۔

ڈیڈی : (شرمندہ سا ہو کر) لیکن بھئی .... وہ .... یہ سارہ کہاں گئی تنویر؟

ماما : بتایا تو تھا کہ لکی کے یہاں گئی ہے۔

ڈیڈی : تو اسے اب تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔ تم نے کوئی چائے کافی وغیرہ پی کہ نہیں؟

ماما : میں تو کب سے کہہ رہی ہوں — لیکن ....

شاہد : نو انکل۔ تھینک یو۔ تھینک یو ویری مچ۔

(اُٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔)

میں اب اجازت چاہوں گا۔ آپ یہ پیکیٹ سارہ کو دے دیجئے گا.... پھر کسی دن انشاء اللہ ....

ڈیڈی : بھئی وہ تم سے میٹنگ رہے گی اس موضوع پر تفصیلی — میری تشفی نہیں ہوئی ہے تمہاری باتوں سے .... تم ینگ جنریشن کے لوگ .... بس ایسے ہی ہو .... ایویں سے .... اس پر رکھیں گے کسی دن .... فل ڈے .... پوری تفصیلات کے ساتھ .... مجھے ینگ جنریشن کی بڑی فکر رہتی ہے۔

(ڈیڈی ہاتھ ملا کر جاتا ہے اور ہلائے جاتا ہے اور شاہد شرمندہ سا کھسیانا سا کھڑے جاتا ہے۔)

شاہد : جی۔جی .... ضرور ضرور .... بالکل سر بالکل۔

—— فیڈ آؤٹ

سین ۵
ان ڈور
دن

(سرفراز، پرویز، تنویر اور تایا جمشید سب ڈائننگ روم کی میز پر بیٹھے ہیں اور کھانا کھایا جا چکا ہے۔ اس وقت وہ پھل کھانے میں مشغول ہیں۔ سرفراز کیلے پسند کرتا ہے۔ ماں تنویر سیب کاٹنے میں مشغول ہے۔ تایا جمشید پھل بالکل نہیں کھا رہا۔ بلکہ اس کے سامنے جوس کا گلاس ہے۔ وہ پائپ پیتا ہے اور ساتھ ساتھ جوس کے گھونٹ بھرتا ہے۔)

سرفراز : اب تو تایا جم ہمارے قالین سارے یورپ پر چھا گئے ہیں۔ میں اس سال گریس گیا تھا وہاں تو سوائے پاکستانی قالینوں کے اور کسی قالین کی کھپت ہی نہیں۔

تایا : صرف لیبر مہنگا ہو گیا ہے پاکستان میں۔

سرفراز : ساتھ ساتھ ہے تایا جم۔ ہر چیز مہنگی ہو گئی ہے لیبر۔ ویل .... یہ تو ہوتا ہی ہے۔ آج سے سات سال پہلے جو قالین بائیس روپے فٹ پڑتا تھا

اب ڈیڑھ سو روپے فٹ پڑتا ہے لیکن پھر مارجن آف پرافٹ بھی بڑھ رہا ہے۔

پرویز : انفلیشن کی وجہ سے!

تایا : پتہ نہیں وجہ کیا ہے ـــــ لیکن اتنی مہنگائی کے باوجود مارجن آف پرافٹ واقعی بڑھ رہا ہے۔

سرفراز : اچھا آنٹی مجھے اجازت ہے؟

ماں : بیٹھیے سارہ آتی ہوگی۔ نہا رہی تھی۔

سرفراز : پھر شام کو آجاؤں گا کچھ قالین نکلواتے ہیں گودام سے۔ پیکنگ چیک کرنی ہے کچھ اور . . . . اچھا انکل خدا حافظ ـــــ

سب : خدا حافظ

(سرفراز جاتا ہے۔ اندر سے باجی یعنی سارہ کی بڑی بہن جو بڑی فیشن ایبل امیر عورت ہے نکلتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں جوس کا گلاس ہے۔)

باجی : سرفراز کہاں ہے؟

ماں : وہ تو چلا گیا۔

باجی : لو مجھے جوس بنانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ کہاں گیا۔

پرویز : شام کو پھر بنا دینا۔ بیٹھ جاؤ۔

(باجی بیٹھ جاتی ہے اور خود ہی جوس پینے لگتی ہے۔)

باجی : پھر کیا سوچا امی آپ نے ـــــ سرفراز کی امی مجھ سے پوچھ رہی تھیں کل شام بھی۔ ان کو جلدی پڑی ہوئی ہے اور آپ لوگ . . . .

پرویز : اب یہ تو سارہ پر ڈیپنڈ کرتا ہے۔

تایا : یہ غلط بات ہے پرویز۔ یہ ہم سب پر ڈیپنڈ کرتا ہے۔ ہم سب سارہ

کو انفلوئنس کر سکتے ہیں کسی حد تک۔

ماں : رہنے دیں جمشید بھائی۔ وہ کسی سے انفلوئنس نہیں ہوتی۔

تایا : تو چلو ہم سب اسے اپنی رائے دیں ــــ وہ ہمیں اپنی رائے بتائے ــــ اگر ہم اسے انفلوئنس کر سکے تو ٹھیک ہے، ورنہ ہم اس کی رائے مان لیں گے ــــ یہ تو فیئر ڈیل ہے پرویز۔

پرویز : فیئر تو ضرور ہے بھائی جی ــــ لیکن .... پتہ نہیں۔

تایا : میں کہاں سے واپس آؤں گا ــــ لندن سے بار بار۔ میرے سامنے کچھ سیٹل ہو جاتا۔ کیوں بھئی تنویر تمہاری کیا رائے ہے؟

ماں : میری کیا رائے ہونی ہے جمشید بھائی۔ مجھے تو شرافت چاہیئے۔ شراب نہ پیتا ہو ــــ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو۔ بس۔

تایا : یعنی یہ جو تین کوالیٹیز تم نے بتائی ہیں وہ الگ ہوں اس بنیادی شرط سے کہ لڑکا امیر ہو۔ کھاتا پیتا ہو ــــ ہے نا؟

ماں : میں نے تو اپنی خواہش کا اظہار کر دیا ہے۔ باقی آپ جو چاہے نکتہ اس میں پیدا کر لیں۔

تایا : یار پرویز تم کیسے رشتے کی تلاش میں ہو۔

پرویز : پتہ نہیں میرا اپنا آئی کیو کمزور ہے کہ ویسے ہی میں کچھ تعلیم کو idolize کرتا ہوں لیکن میرا تو جی چاہتا ہے کہ میرا داماد ایسا ہو ــــ ایسا ہو کہ ابنِ عربی سے لے کر ولیم جیمز تک اور سائنس اینڈ ٹیکنالوجی سے لے کر پیراسائیکلوجی تک اور اوشنوگرافی سے لے کر نیورالوجی تک تمام علوم میں دسترس رکھتا ہو۔ بقراط لگے ہر محفل میں....

تایا : اس کے علاوہ تو اور کوئی ڈیمانڈ نہیں تمہاری ــــ لڑکا بیشک غریب ہو۔

پرویز : فی الحال تو اور کوئی ڈیمانڈ نہیں بھائی جی۔لیکن غریبی ضروری نہیں۔

تایا : کیوں بھئی ہماری آمنہ کا کیا خیال ہے ؟ کیسا بہنوئی چاہیئے تمہیں ؟

باجی : بس تایا جی اچھی بات کرنے والا — ہو — شیریں زبان — شیریں گفتار۔

تایا : میرا خیال ہے کہ آپ تینوں بھی سارہ کی طرح آئیڈیلسٹک ہیں اور ایک خاص نقطے کو مرکز مان کر لڑکا تلاش کر رہے ہیں — میں نے شادی تو نہیں کی بھائی تنویر . . . . نہ ہی میں ایسے matter پر اتھارٹی ہوں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ مجھے سارہ سے بڑا پیار ہے۔اور میں لندن میں بھی کبھی کبھی جب رات کو میری آنکھ کھل جاتی ہے تو اس کے متعلق سوچتا ہوں — ہم سب غلطی کر رہے ہیں ایک — ایک بنیادی غلطی۔

ماں : مثلاً ؟

تایا : شادی کا بھی ایک پورا عمل ہے — یہ ایک پورا whole ہے — اس کو چھوٹے چھوٹے ٹائم یونٹ میں کاٹ کر — یا اس کے چھوٹے چھوٹے جزو بنا کر ہم شادی کے گیش ٹالٹ کو تباہ کر دیتے ہیں۔سارہ اگر آئیڈیلسٹ ہونا چاہتی ہے تو ہونے دیں . . . . لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ کمپیوٹر صرف اُس سوال کا جواب دے سکتا ہے جس کا matter ہم اس میں فیڈ کرتے ہیں۔سارہ اپنے آئیڈیلزم کے باوجود خاص عادتوں خاص آرزوؤں کا اور مخصوص اپ برنگنگ کا مجموعہ ہے — ہم سب اس پروگرام کا حصہ ہیں جو ہم نے سارہ میں فیڈ کیا ہے۔ پھر وہ ہماری سوچ سے کیسے — اور کہاں تک مختلف ہو سکتی ہے ؟ ہم اپنی چھوٹی چھوٹی آرزوؤں کو ضرورت سے زیادہ امپورٹنس دے رہے ہیں اور اصل ایشو کو بھول رہے ہیں۔

پرویز : تو آپ کیا چاہتے ہیں بھائی جی ۔

تایا : سرفراز اچھا ہے ۔ وہ سارہ کو بہت انڈرسٹینڈنگ دے گا جیسی انڈرسٹینڈنگ کی وہ آرزومند ہے ۔ سرفراز کے پاس بڑے پھاٹک کی چابی ہے اور جس کے پاس یہ چابی ہو اس کو بعد کے چھوٹے موٹے دروازوں کی فکر نہیں کرنی چاہیئے ۔

پرویز : پھر کیا مشورہ ہے ؟

تایا : ایک خاص قسم کے آرام اور ایک مخصوص قسم کے کلچر میں پلی ہے سارہ ـــــ خاص ٹائپ کا کھانا ۔ خاص ٹائپ کا لباس ۔ بیڈ روم ۔ باتھ روم ۔ ہاٹ کولڈ واٹر ۔ ہائی فائی میوزک ایک certain سٹینڈرز کی لگژری ہیں ـــــ ایسے لوگوں کا کیا کام آئیڈیلزم سے ؟ ہم اپنے کمپیوٹر میں لگژری کی پروگرامنگ فیڈ کر چکے ہیں ۔ آپ لوگ خواہ مخواہ پریشان نہ ہوں ۔ ہماری زندگیاں آئیڈیلزم سے نہیں چلتیں ۔ دولت اور آسائش سے چلتی ہیں ۔ آپ سرفراز سے شادی کر دیں چپ چاپ اور بے فکر ہو جائیں ۔ آئیڈیلزم بھی چلتی رہے گی ۔ یہ تو انسانی زندگی کی ایک سجاوٹ ہوتی ہے ۔ ربڑ پلانٹ نہیں رکھ لیتے ہم اپنے کمروں میں !

ماں : خیر یہ تو آپ نہ کہیں بھائی جمشید ۔ جب میری شادی ہوتی ہے تو ان کے پاس کیا تھا ؟

پرویز : ساری عمر آرام سے ہی رہی ہو تنویر ـــــ سرکاری افسر کے پاس دولت نہ سہی ـــــ فریج بیبی فٹس تو لاکھوں کے ہوتے ہیں ۔

آمنہ : میں نہیں جانتی تایا جم ۔ آدمی کی بس ایک خوبی لاکھوں خوبی جیسی ہے ۔ زبان کا میٹھا ہو ـــــ آری کٹاری نہ چلائے بات کرتے وقت ..... دولت کو گولی ماریں ۔ کیا کرنے ہیں دولت کے انبار ۔

تایا : میں بھی ساری عمر ایک سادہ عورت کے ساتھ شادی کرنے کے منصوبے بناتا رہا ہوں لیکن ۔ ۔ ۔ یہ جھوٹ تھا۔ ہم جیسے لوگوں کا اوور آل صرف دولت پورا کر سکتی ہے۔ ہمارے پاس وہ اعتماد نہیں جس کے سہارے کسی ایک آئیڈیلزم کے لیے زندہ رہا جا سکے۔

(اب سارہ اندر سے آتی ہے۔ اس نے سر پر تولیہ باندھ رکھا ہے۔)

سارہ : کھانا کھا لیا سب نے۔

ماں : اور کیا۔

سارہ : How mean! —— میرا انتظار نہیں کیا۔

تایا : جی تو چاہتا تھا انتظار کریں۔ کرتے چلے جائیں —— پر کیا کریں کھانا سامنے ہو تو رہا نہیں جاتا —— (گھنٹی بجتی ہے) ہم لوگ اپنی خواہشات کے آگے کچھ زیادہ ہی مجبور ہیں سارہ ——————

Keep sitting —— میں دیکھتا ہوں کون ہے۔

(اٹھ کر جاتا ہے۔)

پرویز : اب تم اتنی سیریس بھی نہ ہو جاؤ تنویر! بھائی جمشید کی تو عادت ہے۔ ہم تو وہی کچھ کریں گے جو ہماری سارہ پسند کرے گی —— ختم فیصلہ ہے میرا یہ۔

سارہ : ہائے پھر مجھ پر ڈسکشن ہو رہا ہے۔

باجی : تم ہی برننگ ٹاپک ہو آج کل۔

سارہ : کاش میں ایم۔ بی۔ اے میں فیل ہی ہو جاتی —— ذرا چاول pass کر دیں —— آپ نے ڈیڈی ہمیں سپوائل کر دیا ہے بالکل ۔ ۔ ۔ ۔ اس گھر سے باہر کچھ اچھا نہیں لگتا۔

(ماں چاول اس کی طرف بڑھاتی ہے۔)

کٹ ________

سین ۶
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(سارہ اور شاہد موٹر سائیکل پر۔ دونوں ہنستے ہوئے باتیں کرتے ہوئے جا رہے ہیں۔ بیک گراؤنڈ میں "سب مایا ہے" کا میوزک لگا ہے۔)

کٹ ________

سین ۷
ان ڈور
صبح کا وقت

(برٹش کونسل لائبریری جیسی ایک لائبریری کی سیڑھیاں۔ سٹوڈیو سیٹ، خوبصورت چوڑی سیڑھیاں۔ ان پر قالین بچھا ہے اوپر والی سیڑھی پر سارہ بیٹھی ہے دو سیڑھیوں کو چھوڑ کر نیچے شاہد بیٹھا ہے۔)

شاہد : لیکن سارہ اتنے بچپنے کی بھی کیا ضرورت ہے؟ کچھ تو انفرمیشن ہونی

چاہیئے آخر؟

سارہ : بس ہے نا؟ جم تایا بھی لگے رہتے ہیں سارا وقت ان کا بھی خیال ہے کہ آئیڈیلزم اور لائف دو مختلف چیزیں ــــ ہیں۔

شاہد : دیکھو ناں (محبت سے) بہت سے فیکٹرز ہوتے ہیں بہت سے ویری ایبلز ہوتے ہیں۔

سارہ : تمہاری کوئی فیملی نہیں ہے کوئی بیک گراؤنڈ نہیں ہے ــــ بس نہیں ہے ــــ مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

شاہد : (تحمل کے ساتھ) چلو تمہیں پرواہ نہیں ــــ شاید تمہاری امی کو ہو ــــ شاید تمہارے پیرنٹس کچھ انفرمیشن حاصل کرنا چاہیں ــــ میں حاضر ہوں۔

سارہ : میں نے آج تک کبھی تم سے کچھ پوچھا ــــ تمہارے پاسٹ کے متعلق تمہاری فیملی کے متعلق۔

(شاہد نفی میں سر ہلاتا ہے۔)

سارہ : تمہارے اکنامک سٹیٹس کے بارے میں۔

شاہد : پوچھا تو نہیں لیکن پوچھنا چاہیئے ــ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے یہ تمہارا رائیٹ ہے۔

سارہ : دیکھو شاہد جب مجھے کوئی فکر نہیں تو میرے پیرنٹس کو کیوں ہو ــــ زندگی میں نے بسر کرنی ہے ــــ کہ انہوں نے؟

شاہد : (سارہ کا ہاتھ پکڑ کر) میں جانتا ہوں تم بہت بہادر ہو ــــ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہاری محبت بہت سٹرانگ ہے ــــ لیکن سارہ .....

سارہ : میں بہت ضدی لڑکی ہوں شاہد۔ میں حساب کتاب میں believe نہیں کرتی۔ تم نے مجھے کمپلیٹ انڈر سٹینڈنگ دی ہے ــــ میرے لیے ساری عمر کے لیے یہ کافی ہے ــــ ہاں جس روز تم مجھے انڈر سٹینڈ کرنا

چھوڑ دو گے ہمارے راستے علیحدہ ہو جائیں گے ـــــ چھٹی ہو جائے گی۔
باقی سارا hoax ہے۔ انڈرسٹینڈنگ کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہیئے
ہوتا اپنے ہزبینڈ سے۔

شاہد : (سر کھجلاتے ہوئے) بہت چھوٹی ڈیمانڈ ہے تمہاری۔ مجھے تو اس
سے ڈر لگتا ہے۔

(اس وقت ایک چپڑاسی اُوپر سے اُترتا آتا ہے۔)

سارہ : بھئی یونس یہ لائبریری کیوں بند ہے آج۔

چپڑاسی : ان کی چھٹی ہے سر جی کوئی ـــــ گوروں کی۔

سارہ : پرسوں بھی ہم آئے تھے ـــــ اتنی لمبی چھٹیاں یونس۔

چپڑاسی : پتہ نہیں سر مالک ہیں یہ لوگ۔

شاہد : یار وقت کیا ہوا ہے۔

چپڑاسی : (اپنی گھڑی دیکھ کر) پونے نو سر جی۔

(شاہد اپنی گھڑی اُتار کر وقت ملاتا ہے۔)

ـــــــــــــ کٹ

سین ۸
اِن ڈور
صبح کا وقت

(ہوٹل انٹرکونٹینٹل کے ایک کمرے میں عروسی چھپر کھٹ لگا ہے۔ سارہ دلہن

بنی چھپر کٹ کے ایک کنارے پاؤں لٹکا کر بیٹھی ہے۔ اس کے سامنے ناشتہ
کی میز ہے۔ میز کے دوسری جانب اس کی باجی آمنہ اور ماما تنویر بیٹھی ہیں۔
سارہ اپنے پلنگ سے اُٹھنے لگتی ہے تو باجی آمنہ جلدی سے اس کا سینڈل
اس کے آگے کرتی ہے۔)

سارہ : ہائے باجی کیا کرتی ہیں آپ، خدا کے لیے۔

آمنہ : بھئی دِس اِز یور ڈے سارہ ــــ آج کے دن بڑے، بڑے نہیں رہتے۔
دُلہن کے خادم ہوتے ہیں۔

سارہ : خدا نہ کرے۔
(چل کر ایک کرسی گھسیٹتی ہے اور ان لوگوں کے قریب بیٹھتی ہے۔)

ماما : (بریف کیس زمین سے اُٹھا کر دیتے ہوئے) بھئی یہ اپنا زیور سنبھالو بابا۔
ہم تو سو نہیں سکے ساری رات اس کی پہرے داری میں۔

سارہ : ہائے ماما آپ اسے یہاں کیوں اُٹھا لائیں۔ میں منگوا لوں گی۔ جب اپنے گھر
جاؤں گی۔

آمنہ : تو کیا آج بھی ہوٹل میں رہنے کا ارادہ ہے۔

شاہد : (غسل خانے سے برآمد ہو کر۔ شیو آدھی بنائی ہے سیفٹی اس کے ہاتھ میں ہے)
تو یہ کریں باجی۔ ہم غریب لوگ ہیں ایسے پاش ہوٹل میں کس طرح رہ سکتے
ہیں ایک دن اور ــــ

آمنہ : تو کیا ابھی بھاگ جاؤ گے۔ چیک آوٹ ٹائم سے پہلے۔

شاہد : چیک آوٹ ٹائم کی معافی ملی ہوئی ہے ــــ ولیمے کی وجہ سے ــــ
مہمانوں کو بھگتا کر جائیں گے۔ کیوں ماما۔

ماما : جیسے تمہارا دل کرے بیٹا ــــ اب تم جاتو اور سارہ جانے۔

شاہد : بلکہ اب تو ہر معاملے کو یہی جاتے ماما — شادی کے بعد مرد پرایا ہو جاتا ہے
رستے بستے گھر میں۔

سارہ : اوہو — بیچارا مرد !

شاہد : کیوں باجی کیا خیال ہے ؟ آپ آفیسر کلاس لوگوں کے گھروں میں کیا
ہوتا ہے مرد۔ اور کس حد تک اس کا — (فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ شاہد
اٹھاتا ہے) جی جی — بول رہا ہوں — جی — یہی کوئی ساڑھے آٹھ
بجے تک — میرا خیال ہے اس وقت تک سارے مہمان چلے جائیں
گے (ہنس کر) جی ہاں کون ٹھہرتا ہے ان بارشوں میں رات کے وقت
. . . . جی نہیں . . . . ہم بھی چلے جائیں گے مہمانوں کو رخصت کر کے
— شکریہ سر شکریہ — تھینک یو ویری مچ — وہائی ناٹ . . . .
ضرور آئیں گے پھر بھی — کبھی — اوہ پلیز اس کو اوپر بھیج دیں —
ایک دم خدا حافظ (فون بند کرتا ہے) کمال ہے یہ گدھا عامر بھی نیچے آیا
بیٹھا ہے۔

سارہ : نیچے !

شاہد : ہاں

سارہ : ریسپشن پر۔

شاہد : ہاں !

سارہ : تو اوپر کیوں نہیں آیا۔

شاہد : پتہ نہیں

سارہ : اس کو ماریں پکڑ کے شاہد۔

شاہد : مشکیں باندھ کے۔ (دروازے پر دستک ہوتی ہے) آ گئے !

(شاہد دروازہ کھولنے گیلری کی طرف جاتا ہے۔ سین ڈزالو ہو کر اگلے سین میں مدغم ہوتا ہے۔)

ڈزالو ———

سین ۹
ان ڈور
صبح

(کرشن نگر جیسے علاقے میں ایک کمرے اور چھوٹے آنگن کا سین۔
یہ شاہد کا گھر ہے آنگن میں بانس کی سیڑھی لگی ہے جو اُوپر لیٹرین کو جاتی ہے۔ شاہد کے کمرے میں ہر طرف کتابیں پڑی ہیں۔ چھوٹا سا میز کتابوں سے بھرا ہے۔ چارپائی پر کتابیں ہیں ——— چارپائی کا ایک پایہ ٹوٹا ہے۔ اس کی جگہ بھی کتابیں لگی ہیں۔ دری پر بھی کتابیں پڑی ہیں۔
جس وقت کیمرہ کھلتا ہے شاہد ہاتھ میں لوٹا لئے بانس کی سیڑھی پر سے اتر رہا ہے۔ اس نے بنیان اور لائینوں والا پاجامہ پہن رکھا ہے۔ آنگن میں سارہ کھڑی ہے۔ اس نے خوبصورت غرارہ قمیض پہن رکھا ہے۔ اور چوتھی کی دولہن بنی کھڑی ہے لیکن وہ گھبرائی ہوئی ہے۔ کیمرہ نیچے ہے اور لمبی سیڑھیوں سے شاہد کو اُترتے دکھاتا ہے۔)

سارہ : (جس وقت شاہد اُتر کر نیچے آتا ہے تو سارہ اس سے پوچھتی ہے) ٹائیلٹ کہاں ہے شاہد؟

شاہد : (ہاتھ کے اشارے سے) اوپر ــــ لیفٹ ہینڈ پر ہمارا ہے اور رائیٹ ہینڈ والا مالک مکان کا ہے ــــ

(سارہ اُوپر دیکھتی ہے ــ یکدم سیڑھیوں کو پین کرکے دکھاتے ہیں۔ شاہد مٹکی میں سے لوٹے میں پانی بھرتا ہے اور سارہ کو پکڑاتا ہے۔ سارہ جو بہت گھبرائی ہے آہستہ سے تھینک یُو کہہ کے لوٹا پکڑتی ہے اور سیڑھیاں چڑھتی ہے۔ شاہد دری پر کتابوں میں بیٹھ جاتا ہے اور ورق گردانی کرنے لگتا ہے۔ اب سارہ غرارہ اور لوٹا سنبھال کر سیڑھیاں چڑھنے لگتی ہے لیکن ہر سیڑھی کے ساتھ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگتا جاتا ہے۔ جب وہ آخری سیڑھی پر پہنچتی ہے تو یکدم رُکتی ہے اور واپس اُترتی ہے۔ اب جیسے وہ فیصلے پر پہنچ چکی ہے وہ واپس آکر لوٹا رکھتی ہے اور شاہد کے پاس آکر کتابوں کے ایک پٹھے پر بیٹھتی ہے۔)

شاہد : (سر اُٹھائے بغیر) دیکھا ہمارا غسلخانہ۔

سارہ : دیکھا

شاہد : نیا ایکسپیرینس ہوا ــــ ؟

سارہ : بالکل نیا!

شاہد : میں ابھی کچھ بندوبست کرتا ہوں ناشتے کا یہ ذرا ایک پیراگراف دیکھ لوں۔

سارہ : اب ناشتے کی ضرورت نہیں ہے شاہد۔

شاہد : (سر اُٹھا کر) یہاں بڑی اچھی پُوریاں بنتی ہیں۔

سارہ : بڑی ہیوی ہوتی ہیں پُوریاں اور سموسے۔

شاہد : کیا بات ہے سارہ؟ ہوا کیا ہے؟

سارہ : جم نا کہا کرتے ہیں کہ جو کچھ کمپیوٹر میں فیڈ کرتے ہیں اسی کے مطابق جواب ملتا ہے میری کبھی ایسی پروگرامنگ نہیں کی گئی شاہد کہ میں ..... اتنی ساری چیزوں کے ساتھ —— اتنی ساری تبدیلیوں کے ساتھ جو مجھ میں کبھی فیڈ نہیں کی گئیں سمجھوتہ کر لوں ۔

شاہد : تم شاید میری اس poverty کا ذکر کر رہی ہو۔ اس بیچارگی کا.... اس ....

سارہ : تم تو اچھے بھلے موٹر سائیکل پر آیا کرتے تھے یونیورسٹی ... میں سمجھتی تھی کہ تم امیر نہیں ہو لیکن .... اتنے غریب بھی نہیں ہو ... لیکن آئی ایم سوری اتنی غریبی تو میں نے کبھی imagine بھی نہیں کی تھی۔ (کھڑی ہو جاتی ہے ۔)

شاہد : موٹر سائیکل تو سامنے والے میڈیکل سٹور کی تھی سارہ —— وہ دن بھر دوکان چلاتا ہے اسے ضرورت نہیں ہوتی موٹر سائیکل کی مجھے دے دیتا ہے ۔مجھ سے بہت پیار کرتا ہے گلزار ۔

سارہ : غالباً تمہارے علم کی وجہ سے ۔ ولیمہ تم نے انٹر کانٹی نینٹل میں کیا —— کیوں شاہد ؟

شاہد : وہ تو عامر کی مہربانی تھی .... بضد تھا کہ ولیمہ انٹر کون میں کروں گا —— تم نے دیکھا ہو گا —— وہاں میرا اپنا کوئی تھا ہی نہیں ... سب ہماری کلاس کے لڑکے لڑکیاں ، ان کے والدین تھے —— خرچ سارا عامر نے کیا ۔ تم کھڑی کیوں ہو سارہ ؟ بیٹھو ناں —— میں جلد ہی کوئی نوکری ڈھونڈ لوں گا —— ہمیشہ تو سٹینو ٹائپسٹ نہیں رہوں گا محکمہ فوڈ میں .... ہم یہ مکان چھوڑ دیں گے .... ہم آہستہ آہستہ ایک

اچھا سٹینڈرڈ بلڈ کرلیں گے، اُونچا معیارِ زندگی — اسی لیے تو میں نے
ایم بی اے میں داخلہ لیا تھا۔

سارہ : بہت دیر لگ جائے گی شاہد — بہت سال لگ جائیں گے — میں
تو آج ہی بلکہ اسی وقت تھک گئی ہوں۔

شاہد : لیکن سارہ . . . .

سارہ : ہم دونوں میں بڑی انڈرسٹینڈنگ ہے شاید — اتنی انڈرسٹینڈنگ
کہ ہم بولے بغیر بھی ایک دوسرے کی بات سمجھ سکتے ہیں — میں . . .
تم سے کسی تلخی کے بغیر bitterness کے بغیر رخصت ہونا چاہوں گی۔

شاہد : ہاں — ٹھیک ہے۔

(کتابوں میں بیٹھ کر ایک کتاب کھول لیتا ہے۔)

سارہ : شادی ایک لمبے وقفے کی چیز ہے۔ اس کو چھوٹے چھوٹے وقفوں میں کاٹ
کر نہیں دیکھا جا سکتا۔ یہ ایک پوراگیش ٹالٹ ہے۔ ہم چھوٹی چھوٹی
جزئیات پر توجہ دے کر سارے whole کو تباہ نہیں کر سکتے۔

شاہد : (نگاہیں کتاب پر ہیں) ہاں — ٹھیک ہے۔

سارہ : تم تا کہتے تھے کہ آئیڈیلزم اچھی چیز ہے لیکن کنوکشن کے بغیر، اعتماد کے بغیر،
یقینِ کامل کے بغیر آئیڈیلزم زندہ نہیں رہتا — تم مجھے انڈرسٹینڈ کرتے
ہو شاہد . . . . مجھ میں اس وقت اتنی کنوکشن نہیں ہے کہ میں صرف
انڈرسٹینڈنگ کے سہارے باقی ساری زندگی گزار سکوں!

شاہد : ہاں — ٹھیک ہے!

(اس وقت سرفراز آتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت پیک کیا
ہوا شادی کا تحفہ ہے۔)

سرفراز : سوری سارہ میں تم لوگوں کی شادی پہ حاضر نہ ہو سکا۔
(اس وقت شاہد اور سارہ روٹھے روٹھے بیٹھے ہیں۔)

سرفراز : مبارک ہو شاہد !congratulations

شاہد : شکریہ

سرفراز : بڑا گھر تلاش کیا تم لوگوں کا ــــ پہلے میں آگے وہ گھمی سٹور تک نکل گیا
چلتے چلتے ــــ پھر........... This is something

for you, Sarah.

سارہ : تھینک یو۔

سرفراز : بھئی فی الحال میرا کوئی آئیڈیا نہیں تھا تمہیں ڈسٹرب کرنے کا ــــ
لیکن کل صبح سٹاک ہوم جا رہا ہوں ــــ تو فرض یہ ٹھہرا کہ ملتا جاؤں
ــــ اچھا جی !best of luck

شاہد : شکریہ

سارہ : ٹھہرو سرفراز میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔

سرفراز : ویلکم ــــ ویلکم آؤ شاہد

سارہ : نہیں شاہد پھر آجائیں گے ــــ یہ میرا سوٹ کیس لے چلو پلیز۔

سرفراز : sure — sure

(سرفراز سوٹ کیس لے کر آگے چلا جاتا ہے۔)
خدا حافظ شاہد

شاہد : خدا حافظ ــ

(سارہ شاہد کے پاس آتی ہے۔)

سارہ : شاہد !

شاہد : (بغیر کتاب سے سر اٹھائے) جی

سارہ : جس طرح پانی مچھلی کا گیش ٹالٹ ہے مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی جس طرح پرندے ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے ـــــ بدقسمتی سے ایک خاص ماحول میں پلے ہوئے لوگ بھی آسائش کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے ـــــ خالی دل ملنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ ماحول بھی ملنا چاہیئے ـــــ خالی انڈرسٹینڈنگ یہ سارا بوجھ نہیں اٹھا سکتی ـــــ تم مجھے انڈرسٹینڈ کرتے ہو ناں شاہد۔

شاہد : ہاں ـــــ

سارہ : میری مجبوری کو سمجھتے ہو ناں ـــــ

شاہد : (اثبات میں سر ہلاتا ہے)

سارہ : تم مجھے خوشی سے رخصت کر رہے ہو محبت کے ساتھ۔

شاہد : ہاں ـــــ بالکل ـــــ

سارہ : خدا حافظ (ہاتھ آگے بڑھاتی ہے) خدا حافظ ـــــ

شاہد : خدا حافظ

(سر ویسے ہی نیچے کئے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہے۔
سارہ چلی جاتی ہے۔ شاہد کتاب پر جھکتا ہے۔ پڑھنے کی کوشش کرتا ہے پھر عینک اُتار کر صاف کرتا ہے۔ اس کے چہرے پر آنسو گر رہے ہیں اور عینک دھندلا چکی ہے اس وقت "سب مایا ہے" کا گیت اُبھرتا ہے جو بالکل اداس اور دھیما ہے۔ کیمرہ آہستہ آہستہ تمام کتابوں کا کلوز اپ لیتا ہے۔)

ـــــ٭ـــــ

عارف اور سکندر

کردار :

سکندر : مقابلے کے لیے مستعد۔ چالیس بیالیس برس کا خود اعتماد شخص

عارف : بارہ برس کا لڑکا۔ موسیقی کا شیدائی۔ نازک شکل وصورت۔ سکندر کا بیٹا

مس عزیز : جوانی میں مقابلے کی تعلیم دینے والی اور بڑھاپے میں بہتر انسان بنانے کی خواہاں

روبینہ : سکندر کی فیشن ایبل بیوی

مینجر : چاپلوس صورت۔ ڈرا ہوا شخص

شیداں : دیہاتی لڑکی۔ کھری بات کہنے والی

فیقا : دیہاتی لڑکا۔ زبان دراز

اور دوسرے شاگرد



سین ۱
آؤٹ ڈور
صبح کا وقت

(نہر کنارے لمبی سفید کار میں سکندر اور اس کا بیٹا عارف مُسلم ٹاؤن کی طرف سے ایچی سن کالج جا رہے ہیں۔ سکندر گہرے خیال میں ہے اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا کچھ گھبرایا ہوا اور بندھا ہُوا سا بیٹھا ہے۔ باپ کبھی کبھی پلٹ کر بیٹے کی طرف دیکھتا ہے پھر کار چلانے لگتا ہے۔ مال روڈ پر بائیں ہاتھ گھوم کر کار ایچی سن کالج کے سامنے رکتی ہے۔ بیٹا اپنا بڑا سا بستہ جلدی سے نکال کر باہر نکلتا ہے۔ باپ کو ہاتھ ہلا کر ٹاٹا کرتا ہے۔ باپ بھی اَن مانے جی کے ساتھ ہاتھ اُٹھا کر اس کا جواب دیتا ہے اور پھر کار بیک کر کے مال روڈ پر چلا جاتا ہے۔ کیمرہ اس کا لانگ شاٹ لیتا ہے۔)

کٹ ________

سین ۲
اِن ڈور
صبح کا وقت

(سکندر صاحب کے لونگ رُوم میں ۔ سکندر دفتر جانے کے لیے تیار ہو رہا ہے۔ اس وقت ٹائی باندھ رہا ہے۔ پھر وارڈروب میں سے کوٹ نکال کر پہنے گا۔ ٹائی لگا چکنے کے بعد کونے میں ڈریسنگ ٹیبل سے سپرے اُٹھا کر کولون اپنے بدن اور

گردن اور سر پر سپرے کرتا ہے اور ساتھ ساتھ اپنی بیوی رُوبینہ سے باتیں کر رہا ہے جو ایک سیٹی پر بیٹھی ہے۔)

سکندر : آپ میری بات سمجھیں رُوبینہ جان۔ میں عارف کا باپ ہوں۔ اگر مجھے اس کی فکر نہ ہوگی تو اور کس کو ہوگی۔

رُوبینہ : لیکن آپ تو گھبرا جاتے ہیں سکندر ذرا ذرا سی بات پر۔

سکندر : میری یہ گھبراہٹ نیچرل ہے رُوبینہ۔ ساری دنیا کے باپ گھبرائے ہوئے ہیں اس وقت۔ بچے کی تعلیم کا مسئلہ ہی اس وقت سب سے اہم مسئلہ ہے۔

رُوبینہ : میں کب کہتی ہوں کہ یہ اہم مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن اس طرح سے بچے کو جھڑکنا اور اُسے شرمندہ کرنا اس کی پرسنیلٹی تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔

سکندر : اور ایسے گریڈز اس کی ساری زندگی تباہ کر کے رکھ دیں گے۔ مجھے اس کے مستقبل کی فکر ہے اور تم پرسنیلٹی کا رونا رو رہی ہو — سوائے نیچر سٹڈی کے وہ اور کسی مضمون میں پاس ہی نہیں۔

رُوبینہ : سکول بھی ریگولرلی اٹنڈ کرتا ہے۔ ٹیوشن بھی باقاعدگی سے جاری ہیں۔ کھیلتا بھی نہیں۔ وقت بھی ضائع نہیں کرتا۔ پھر بھی اس کے گریڈز کم ہیں تو میں کیا کروں۔

سکندر : اس میں کچھ امبیشن انفیوز کرو رُوبینہ۔ اس میں بڑا بننے کی آرزو پیدا کرو۔ آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا کرو۔ یہ ماؤں کے کام ہوتے ہیں۔ باپ تو سارا دن باہر دھکے کھاتے پھرتے ہیں روزی کمانے کے لیے۔

رُوبینہ : آپ کا کیا خیال ہے میں اس میں امبیشن پیدا نہیں کرتی۔ اس کا شوق نہیں بڑھاتی۔ اس کو پڑھائی کی طرف مائل نہیں کرتی۔

سکندر : وہ تو ٹھیک ہے۔ میں کب انکار کرتا ہوں۔ لیکن اس پر اتنی توجہ نہیں دی جا رہی جتنی کہ ہم دونوں کو دینی چاہیے۔ اس وقت دنیا کے سب والدین کی

میجر آکوپیشن بچّوں کو سکول لے جانا اور سکول سے واپس لانا ہے۔ نہ دفتروں میں کام ہو سکتے ہیں نہ فیکٹریوں کارخانوں میں۔ نہ تجارتی اداروں میں نہ رفاحِ عام میں۔ ہر وقت دھیان سکول ٹائمنگز پر لگا رہتا ہے اور کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا۔

رُوبینہ : میں بھی تو اس کے سوا اور کوئی کام نہیں کرتی۔ تینوں ٹیوشنوں کے وقت گھر پر موجود رہتی ہوں۔ بار بار کسی بہانے اس کے کمرے کے چکر لگاتی ہوں کہ ٹیوٹر کیا کر رہا ہے۔ ہر روز اس کے ہوم ورک پر ٹیچرز کے ریمارکس دیکھتی ہوں۔ آپ کا خیال ہے میں غافل ہُوں!

سکندر : نہیں غافل تو نہیں ہو۔ ۔ ۔ ۔ میں یہ تو نہیں کہتا لیکن اور خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے عارف پر۔ اگر سیونتھ میں ہی اس کا یہ حال ہے تو آگے چل کر کیا ہوگا؟

رُوبینہ : (بیزاری سے) مجھے کیا خبر کیا ہوگا!

سکندر : یہ بنے گا کیا بڑا ہو کر — یہ کرنا کیا چاہتا ہے۔

رُوبینہ : ڈرم بجانا چاہتا ہے۔

سکندر : کیا؟

رُوبینہ : ڈرم بجانا چاہتا ہے بڑے ہو کر۔

سکندر : ڈرم بجانا چاہتا ہے!

رُوبینہ : بس اس کا شوق ہے۔ اسی خبط میں رہتا ہے رات دن — میرے ساتھ سوائے ڈرم بجانے کے اور کوئی بات ہی نہیں کرتا۔

سکندر : از ہی میڈ رُوبینہ۔ پاگل ہے بیوقوف! ڈرم بجا کر کس طرح زندگی گزر سکتی ہے۔

رُوبینہ : یہ آپ بتائیں ناں جنہوں نے اسے سکول بینڈ میں جانے کی اجازت دی تھی۔

سکندر : کیا نالائق چیز پیدا ہوئی ہے ہمارے گھر میں۔ رستی قول۔

———— کٹ

سین ۳
آؤٹ ڈور
صبح کا وقت

(گراؤنڈ میں سکول بینڈ کھڑا ہے اور بینڈ ماسٹر اس کی ریہرسل کروا رہے ہیں ان کے درمیان عارف چاق و چوبند، خوش خوش کھڑا ڈرم بجا رہا ہے اور اس کے چہرے پر مُسکراہٹیں بکھری ہوئی ہیں۔
بینڈ ماسٹر روک روک کر ان سے دُھنیں بجوا رہا ہے اور ہر ایک کے پاس جا جا کر اس کی دُھن کے ساتھ ہاتھ کے اشاروں سے درست کر رہا ہے۔)

کٹ

سین ۴
ان ڈور
دن

(سکندر سکول کے ہیڈ ماسٹر کے کمرے میں۔ ان کے درمیان پہلے بھی بہت سی باتیں ہو چکی ہیں۔)
ہیڈ ماسٹر: دیکھیے سکندر صاحب بچے میں امبیشن پیدا کرنا تو والدین کا کام ہے — ہم بھی کوشش کرتے ہیں پوری .... ہمارا بھی یہی کام ہے لیکن والدین اس سلسلے میں زیادہ مدد کر سکتے ہیں۔

سکندر : کونسے والدین چاہیں گے کہ ان کا بچہ زندگی میں ترقی نہ کرے۔ آگے نہ بڑھے دوسروں کو surpass نہ کرے۔

ہیڈ ماسٹر: صرف چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا سکندر صاحب۔ اس کے لیے کوشش کرنی پڑتی ہے۔ محنت کرنی پڑتی ہے۔ بچے کے دل میں مقابلے کا جذبہ پیدا کرنا پڑتا ہے اس میں سپرٹ آف کمپی ٹیشن پیدا کرنی پڑتی ہے۔ جب تک اس کو incentive نہیں ملے گا، بچہ ترقی نہیں کرے گا۔

سکندر : پہلے تو آپ اس کو سکول بینڈ سے نکال دیجئے پلیز!

ہیڈ ماسٹر: لیکن وہ تو ہمارا فرسٹ ریٹ ڈرمر ہے۔ اس کو بینڈ سے کیسے نکال دیں۔

سکندر : اگر آپ اس کو بینڈ سے نہیں نکالیں گے سر تو میں اسے اس سکول سے نکال لوں گا۔

ہیڈ ماسٹر: نہیں سر۔ ایسے سخت اقدام کی بھی ضرورت نہیں میرا مطلب ہے میں بینڈ ماسٹر صاحب سے بات کروں گا۔ آپ دس پندرہ دن تو اور انتظار کر سکتے ہیں۔

سکندر : نہیں نہیں دس پندرہ دن سے زیادہ ہیڈ ماسٹر صاحب! آپ ایک مہینہ لے لیں۔
(کھڑا ہوتا ہے۔)

میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ اس کی توجہ پڑھائی پر جم جائے۔ باقی تو سب بیکار چیزیں ہیں۔

ہیڈ ماسٹر: بالکل۔ بالکل۔ بالکل۔ آپ ذرا اس میں خواہش پیدا کریں ترقی کی۔ کوئی منزل مقرر کر کے۔ کوئی اچھا سا اعلیٰ سا ٹارگٹ بنا کے۔ پھر دیکھیں یہ کیسے آگے بڑھتا ہے —— اس میں بڑا بننے کی آرزو انفیوز کریں۔ جب تک یہ نہیں ہوگا سکندر صاحب اس کے گریڈز ایسے ہی رہیں گے۔

سکندر : (ہاتھ ملاتے ہوئے) مہربانی ہیڈ ماسٹر صاحب۔ شکریہ۔ تھینک یو۔ تھینک یو ویری مچ!

——— کٹ

سین ۵
ان ڈور
گہری شام

(عارف اپنے کمرے میں کھڑا ڈرم کی پریکٹس کر رہا ہے۔ سکندر کتابوں کا پشتارا لیے
اندر داخل ہوتا ہے۔ عارف ڈرم اُتار کر کونے میں رکھ دیتا ہے۔ باپ اس کے ساتھ
محبت سے باتیں شروع کرتا ہے۔)

سکندر : واہ بھئی واہ بڑا خوبصورت ڈرم بج رہا تھا۔ دُور سڑک تک اس کی آواز آ رہی تھی۔
(صوفے پر بیٹھتے ہوئے)
میں نے سوچا یہ تو عارف کا ہاتھ لگتا ہے۔ آؤ آؤ۔ میرے پاس آؤ اِدھر۔
(عارف آ کر ساتھ بیٹھتا ہے۔)
دیکھو ہم تمہارے لیے کیسی اچھی کتابیں لائے ہیں۔ بڑے آدمیوں کی کہانیاں۔
کامیاب لوگوں کی زندگی کے قصے۔ وہ لوگ جو ترقی کرتے شہرت اور ناموری کے
مینار پر چڑھ گئے۔
(ایک ایک کر کے کتاب دکھاتا جاتا ہے۔)
ایسے ایسے بہادر اور باہمت لوگ جنہوں نے راتیں جاگ جاگ کر اپنی زندگیاں
بنائیں یہ دیکھو.... یہ .... تم نے سُنے ہیں ان کے نام ؟

عارف : سب کے تو نہیں سُنے ابُو لیکن کچھ کے سُنے ہیں۔

سکندر : میری خواہش ہے کہ زندگی کے میدان میں تم ایسا نام بناؤ، ایسی شہرت پاؤ کہ ان
سب لوگوں کی کہانیاں تمہارے سامنے ماند پڑ جائیں۔ دُنیا بھول جائے ان لوگوں
کو اور صرف تمہارا نام ہی شہرت اور ناموری کے آسمان پر لکھا جائے۔ ساری دُنیا

عارف سکندر کو ہی جانے۔

عارف : اچھا جی۔

سکندر : تم ایک بہت بڑے گھرانے کے بیٹے ہو عارف۔ تم کو ہر حال میں بڑے بن کر ہی زندگی گزارنی ہے۔ تم کو اپنے باپ سے، اپنے دادا سے، اپنے بزرگوں سے آگے بڑھنا ہے۔ اپنا اور اپنے خاندان کا نام روشن کرنا ہے۔ یہ ڈرم بجانا، تصویریں بنانا، گیمز میں دلچسپی لینا سب واہیات چیزیں ہیں۔ مَیں ان سے منع نہیں کرتا لیکن یہ سب کچھ اصل نہیں ہے۔ اصل چیز پڑھائی ہے۔ اصل چیز آگے بڑھنا ہے۔ اصل چیز مقابلہ کرنا اور معرکہ مارنا اور مقابلے میں کامیاب ہونا ہے۔ جو شخص مقابلے میں آگے نہیں بڑھ سکتا عارف، وہ زندہ نہیں مُردہ ہے۔ سمجھے آپ!

عارف : جی۔

سکندر : میں ان ساری چیزوں سے منع نہیں کرتا عارف۔ تمہاری عُمر میں مَیں بھی اسی طرح کا تھا۔ مجھے بھی سکول سے اور کتابوں سے اور اُستادوں سے نفرت تھی لیکن میری قسمت اچھی تھی کہ مجھے شروع زندگی میں ہی ایک ایسی ٹیچر مل گئیں جنہوں نے میری دُنیا بدل کر رکھ دی۔ میں زندگی کے آخری سانس تک مس عزیز کا احسان مند رہوں گا۔

——— ڈزالو ان ٹو فلیش بیک

سین ۶
ان ڈور
صبح کا وقت

(کلاس روم کا سین۔ لڑکے حساب کا سوال حل کرنے میں مصروف ہیں اور مس عزیز

بڑی تمکنت کے ساتھ اپنی کرسی پر بیٹھی ہیں۔ پھر وہ سر ذرا سا اُوپر اُٹھا کر کہتی ہیں۔)

مس عزیز : تو تو عمر دراز ــــ تو چیٹنگ

(ذرا سے وقفے بعد اپنی کلائی کی گھڑی دیکھ کر کہتی ہیں :)

ففٹین منٹس مور !

(لڑکے جلدی جلدی اپنے سوال حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مس عزیز بڑی گر بہ پائی کے ساتھ اپنی کرسی سے اُٹھتی ہیں اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کلاس کے آخری لڑکے کے پاس پہنچتی ہیں۔ یہ لڑکا سکندر ہے، جو بڑے انہماک کے ساتھ کاغذ پر ایک تصویر بنانے میں مصروف ہے۔)

عزیز : یہ کیا ہو رہا ہے سکندر ؟

سکندر : (خوفزدہ کھڑا ہو جاتا ہے) کچھ نہیں مس

عزیز : (تصویر لے کر) یہ سوال حل ہو رہے ہیں۔

سکندر : مجھے سوال آتے نہیں مس ۔

عزیز : کیا مطلب ؟

سکندر : حساب مجھے اچھا نہیں لگتا مس ۔

عزیز : اچھا نہیں لگتا تو چلو پھر کارنر میں کھڑے ہو جاؤ۔ کوئیک ۔

(سکندر اپنے ڈیسک سے نکل کر کلاس روم کے کونے میں جا کر منہ دیوار کی طرف کر کے کھڑا ہو جاتا ہے اور مس عزیز اس کی تصویر پھاڑ کر اور اس کے پُرزے پُرزے کر کے اس کے ڈیسک پر رکھ دیتی ہے۔)

ــــــــــ کٹ

سین ۷
ان ڈور
شام

(ہوسٹل کے ایک کمرے میں جہاں مس عزیز رہتی ہیں، چھوٹا سکندر اپنے دونوں ہاتھ گود میں رکھے بڑے ادب کے ساتھ کرسی پر بیٹھا ہے اس کے سامنے پلنگ کی پائنتی مس عزیز بیٹھی ہیں۔)

مس عزیز : سکندر میں نے تمھیں ہوسٹل میں آج اس لیے بلایا ہے کہ مجھے تم سے چند بہت ضروری باتیں کرنی ہیں۔

سکندر : جی

عزیز : دیکھو سکندر! ہم اس دنیا میں کام کرنے کے لیے اور محنت کرنے کے لیے اور جدوجہد کرنے کو آئے ہیں۔

سکندر : جی

عزیز : اس کے سوا ہمارا اس دنیا میں اور کوئی کام نہیں ہماری زندگی اور موت، اُٹھنا بیٹھنا، نفع نقصان جو کچھ بھی ہے محنت اور مشقت کے لیے ہے۔ اگر کسی انسان میں یہ نہ ہو تو اس کا جینا بیکار اور اس کی زندگی فضول ہے۔

سکندر : جی

عزیز : جو شخص کمپیٹ نہیں کرتا سکندر اور مقابلے میں پورا نہیں اُترتا اور اپنے ساتھیوں سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتا وہ انسان نہیں وجیٹیبل ہے، گھاس پھوس ہے۔

سکندر : جی

عزیز : تم ایک بڑے گھرانے کے لڑکے ہو۔ اور تمہارے خاندان کا اُونچا نام اور اُونچا مقام

ہے اگر تم ابھی سے اپنی زندگی بنانے کی فکر نہیں کرو گے تو زمانے کی ریس میں بہت پیچھے رہ جاؤ گے۔ کوئی تمہارا نام بھی نہ جان سکے گا۔

سکندر : میں آرٹسٹ بننا چاہتا ہوں مس۔

عزیز : تم جوان ہو بہادر ہو طاقتور ہو تم کو ایسے پیشے کی طرف بالکل توجہ نہیں دینی چاہیے۔ آرٹسٹ خواہ وہ پینٹر ہو خواہ ڈانسر، موسیقار ہو یا اداکار اس کی سوسائٹی میں اتنی عزت نہیں ہوتی جسقدر کہ ایک سیاستدان یا ایک کامیاب تاجر یا ایک پاورفل بیوروکریٹ کی ہوتی ہے۔ تم کو زندگی میں پاورفل اور طاقتور انسان بننا ہے۔

سکندر : اچھا جی

عزیز : اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ تم اپنے ساتھیوں، اپنے ہم جماعتوں اور اپنے اردگرد کے لوگوں سے زندگی کی ہر ریس میں آگے بڑھ جاؤ۔ دُور . . . . بہت دُور . . . . جیسے تیراک بپھرے ہوئے پانیوں سے لڑتا ہُوا لہروں کو پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔

سکندر : جی!

عزیز : نہ گھبرانا ہے نہ کسی کی پروا کرنی ہے نہ کسی کے لیے رکنا ہے بس اپنی منزل پر نگاہ رکھنی ہے اور آگے بڑھتے جانا ہے۔

سکندر : بہت اچھا مس۔

عزیز : دیکھو تم ابھی چھوٹے ہو اور اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ نہیں سکو گے لیکن مَیں پھر بھی تمہیں بتا دینا چاہتی ہُوں کہ میری divorce صرف اس وجہ سے ہوئی کہ مَیں اپنے ماحول سے اور اپنے اردگرد سے اور اپنے ساتھیوں سے کمپیٹ نہیں کر سکتی تھی۔ مُجھ میں ان کا مقابلہ کرنے اور ان سے آگے بڑھ جانے کی سپرٹ نہیں تھی۔ تین سال مسز مقبول رہنے کے بعد میں پھر مس عزیز بن گئی — خیر یہ بات تو مَیں نے ایسے ہی کہہ دی . . . .

(اُٹھتے ہوئے اور اپنی الماری کی طرف جاتے ہوئے :)

تم میرے ساتھ ایک وعدہ کرو سکندر !

سکندر : جی مس

عزیز : پکّا وعدہ کرنا۔ جواں مردوں جیسا !

سکندر : بالکل پکّا وعدہ مس

(عزیز واپس آکر خاکی زین میں لپٹی ہوئی ایک سٹین لیس کی قینچی نکال کر :)

عزیز : اس قینچی کو ہمیشہ اپنے پاس رکھنا ایک سمبل کے طور پر !

سکندر : کیا مس ؟

عزیز : ایک سمبل۔ ایک نشانی کے طور پر — پکڑو اس کو اور اب دیکھو۔

(کپڑے کا ایک کنارہ اس کے ہاتھ میں دیتی ہے گزر گزر کاٹتی ہوئی قینچی کپڑے کی آدھ تک پہنچا کر رک جاتی ہے۔)

جس طرح یہ قینچی اپنے ماحول سے بے نیاز، اپنے اردگرد سے بے پرواہ، اس کپڑے سے لاتعلق ہو کر آگے بڑھتی جاتی ہے، اسی طرح تم کو بھی زندگی میں آگے بڑھنا ہے۔ کلاس میں بھی فرسٹ آنا ہے، گیمز میں بھی اوّل آنا ہے اور سب کو پیچھے چھوڑ جانا ہے۔

سکندر : ٹھیک ہے مس۔

عزیز : اور اس قینچی کو زندگی بھر اپنے ساتھ رکھنا ہے جب بھی کوئی مشکل آئے جب بھی کوئی رکاوٹ پیش آئے، اس کو نکال کر دیکھنا ہے اور پھر اس مشکل سے اس رکاوٹ پر سے سیلاب کی طرح گزر جانا ہے۔ طوفان کی مانند، یلغار بن کر۔ سمجھ گئے۔

(سکندر اثبات میں سر ہلاتا ہے۔)

عزیز : (کمر پر تھپکی دے کر) شاباش۔ شاباش۔ گڈ بوائے

—— پچھلے سین میں ڈزالو

سین ۸
ان ڈور
وہی وقت

(سکندر اور عارف ابھی تک اسی طرح بیٹھے ہیں اور ان کے گرد "سو بڑے آدمی"، "Stories of Great Men"، چنگیز خاں، نپولین بوناپارٹ وغیرہ کتابیں بکھری ہوئی ہیں۔)

سکندر : تو اس وقت، عارف صاحب میں آپ کے لیے صرف کتابیں ہی نہیں لایا بلکہ اپنا قیمتی تحفہ بھی آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں جو مس عزیز نے مجھے سمبل کے طور پر عنایت فرمایا تھا۔

(کوٹ کی اندرونی جیب سے قینچی نکال کر اُسے دیتا ہے۔)

عارف : (قینچی لے کر) تھینک یو انکل!

سکندر : اور مجھے اُمید ہے عارف بیٹے جس طرح اس قینچی نے میری زندگی بدل دی اور مجھ کو ایک کامیاب اور successful انسان بنا دیا اسی طرح یہ سمبل تمہاری بھی راہنمائی کرے گا۔

عارف : ہاں جی

سکندر : (ہاتھ آگے بڑھا کر) اب میں آپ سے اجازت چاہوں گا کیونکہ مجھے کارخانے جانا ہے اور کارخانے سے سیدھے بحرین جانا ہے ــــ اور پرسوں جب میں واپس آؤں گا تو عارف بیٹا ایک عقل مند، بہادر اور ذمہ دار نوجوان میں تبدیل ہو چکا ہوگا۔

(عارف اثبات میں سر ہلاتا ہے۔ سکندر یقینِ کامل کی سُرخی اپنے چہرے پر لیے اس

کے کمرے سے نکل جاتا ہے اور عارف غور سے اس قینچی کو دیکھنے لگتا ہے۔

پھر عارف کو کار سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ یعنی "سکندر گیا"، وہ اپنی جگہ سے اُٹھتا ہے اور سب سے پہلے اپنے کوٹ کے دونوں بٹن باری باری قینچی سے کاٹ کر مزا لیتا ہے۔ اس کے بعد قینچی کو اپنی میز پر پھینک کر کونے میں پڑا ہوا ڈرم اُٹھاتا ہے اور خوبصورتی کے ساتھ بجانے لگتا ہے۔)

کٹ ــــــــــــ

سین ۹
ان ڈور
صبح کا وقت

(سکندر کی فیکٹری کے خوبصورت دفتر میں اس کا مینجر فون پر اور انٹرکام پر مصروفیت کے عالم میں اُلجھا ہوا ہے۔ اتنے میں سکندر اندر داخل ہوتا ہے۔ اس کو دیکھ کر مینجر مع اپنے ٹیلی فونوں کے اُٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ سکندر ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کو کہتا ہے اور خود صوفے پر نیم دراز سا ہو جاتا ہے۔ مینجر جلدی سے فون بند کر کے پوچھتا ہے:)

مینجر : کیا بات ہے سر۔ آر یو ویل۔
سکندر : ٹھیک ہوں ٹھیک ہوں۔ تھینک یو
مینجر : (قریب آکر بیٹھتے ہوئے) آپ کچھ وریڈ سے دکھائی دیتے ہیں۔
سکندر : نہیں کچھ ایسی خاص بات نہیں۔ میں اپنے یہاں کے نظامِ تعلیم کے بارے میں

سوچ رہا ہوں ۔

منیجر : ہمارا نظامِ تعلیم تو بہت ہی ناقص ہے سر۔ نظام ہی نظام ہے تعلیم تو ہے ہی نہیں۔

سکندر : آج سے دس بارہ برس پہلے تو، ہمارے زمانے میں، اس طرح کا نہیں تھا یہ نظام۔

منیجر : اب دنیا مصروف ہوگئی ہے سر۔ لوگوں کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ دوسروں پر توجہ دے سکیں۔

سکندر : لیکن ہم جن سکولوں میں پڑھے ہیں وہاں تو ایسی مصروفیتیں نہیں تھیں۔ اس زمانے میں تو devoted teachers ہوتے تھے مس عزیز جیسے !

منیجر : وہ زمانہ اور تھا سر یہ زمانہ اور ہے۔ آج کل تو ہر شخص اپنی ذات کے سوا اور کسی کے بارے میں سوچتا ہی نہیں۔

سکندر : میں ایک سکول کھولنا چاہتا ہوں۔ ایک نفیس سا مثالی سکول ——————

A perfect, faultless school

منیجر : عارف میاں کے لیے ؟

سکندر : نو سر! صرف عارف میاں کے لیے نہیں۔ قوم کے سارے عارف بچوں کے لیے۔ جن کو صحیح تعلیم کی ضرورت ہے۔ جو آگے چل کر ملکی اور قومی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا سکیں۔ جو اس ملک کو ترقی کی طرف گامزن کر سکیں۔

منیجر : آج کا بچہ کل کا باپ سر اور آج کا سٹوڈنٹ کل کا ذمہ دار شہری۔

سکندر : لیکن مستقبل کے ان ذمہ دار شہریوں کے لیے مناسب تعلیم کا کوئی بندوبست نہیں۔ ان کی سائنٹیفک تربیت کے لیے کوئی درس گاہ نہیں۔ دنیا کی دوسری قومیں کہاں سے کہاں تک پہنچ گئیں اور ہم ابھی تک وہی پرانی لکیر کے فقیر اسی پرانی اور دقیانوسی تہذیب میں گھرے ہوئے ہیں۔ کیا بنے گا ہمارا !

منیجر : کچھ نہیں بنے گا سر۔ کچھ نہیں ہو سکے گا۔ اور کسی کی سوچ نہیں ہے آپ جیسی۔

سکندر : کیا ہم اسی طرح اسی پرانی رٹ میں پڑے رہیں گے اسی طرح زندگی گزارتے رہیں گے، جیسے ہمارے باپ دادا اور ان کے باپ دادا گزارتے رہے ہیں۔ کیا ہم کبھی ترقی نہیں کریں گے۔ کبھی پروگریس نہیں کر سکیں گے۔

کٹ ————

سین ۱۰

(نقشوں اور بلیو پرنٹ کے کاغذ پر منیجر دکھا رہا ہے اور سکندر دیکھ رہا ہے۔ سکول کی اُبھرتی ہوئی بلڈنگ، اس پر صبح کے وقت بجتی ہوئی گھنٹی سپر امپوزلیب پہ آتی ہے دُعا کا ترانہ ..... اس پر سکندر کا سوچتا ہوا چہرہ — اس پر پھر اُبھرتی ہوئی بلڈنگ۔ وغیرہ وغیرہ)

کٹ ————

سین ۱۱
ان ڈور
صبح کا وقت

(اپنی کوٹھی کی اوپری بالکونی میں کین کے صوفے پر منیجر بیٹھا ہے اور اس کے سامنے سکندر ایک بے چین رُوح بنا ہوا ہے اور چکر لگا رہا ہے۔ منیجر صاحب اس وقت

ٹیلی فون ڈائرکٹری میں کوئی نمبر غور سے دیکھ رہے ہیں۔)

سکندر : (گرج کر) بھئی کیا ہوگیا۔ کدھر رہ گیا فون۔

(ایک ملازم فون کو گردن سے پکڑے اور پیچھے بہت ہی لمبی تار جیسے اندر چوتھے کمرے سے فون آرہا ہو اور اس تار کے ساتھ ٹن ٹن ٹھن ٹھن بجتی ہوئی ڈبی اور دوسرے کنکشن وغیرہ بھی گھسٹتے چلے آرہے ہیں۔ ملازم فون لاکر منیجر کے سامنے رکھتا ہے۔)

منیجر : یہ ایک مس عزیز ارسلان کا نمبر ہے سر!

سکندر : نہیں بھائی آپ انکوائری سے پوچھیں مسز ڈینئل کا نمبر۔ پرنسپل کا۔

منیجر : تو کیا وہ اب بھی ہوں گی پرنسپل؟

سکندر : آپ پرنسپل کا نمبر لے کر ملائیے، میں بات کروں گا۔

منیجر : ان سے تو میں پوچھ چکا سر دو مرتبہ۔ وہاں کسی کو معلوم نہیں کہ مس عزیز آج کل کہاں ہیں۔

سکندر : لائیے مجھے دیجیے ایک منٹ کے لیے۔

(بیٹھ کر نمبر ملاتا ہے)

بھئی فاروقی ہیں ـــ او نہیں بھائی بڑے فاروقی صاحب شمس الدین فاروقی۔

(کھٹ سے بند کر دیتا ہے)

کمال ہے ایک ہفتہ سے مس عزیز کا کیؤ ہی نہیں مل رہا۔

(پھر نمبر ملاتا ہے)

ڈاکٹر صاحب ہیں؟ ڈاکٹر حمید شیخ صاحب ـــ یہ تمہاری آواز کو کیا ہوا بھائی ـــ تین دن سے فون کر رہا ہوں جناب کو ـــ تو ٹھیک کروا کر رکھا کرو ناں۔ انکوائری نے تو مجھے بتایا کہ فارنان پے منٹ آف ڈیوز بند ہے ـــ اچھا بھابی کیسی ہیں ـــ میرا اسلام کہنا.... یار وہ ہمیں میتھ اور جیوگرافی پڑھاتی تھیں ناں مس عزیز ـــ مس عزیز عینک والی وہ آج کل کہاں ہیں ـــ بس پڑ گئی ہے ایک ضرورت او ہو ـــ تم کو اس سے کیا۔

(مینجر سے)

یہ مجھے دیجئے گا۔

(مینجر پیڈ اور قلم دیتا ہے)

کہاں؟ کہاں؟ — ڈیرہ .... ڈی فار ڈاگ — کے فار کائیٹ — ٹی فار ٹوی

— تاج .... ڈیرہ تاج؟ کتنے میل؟ چار میل! خانیوال سے اس طرف یا اُس طرف؟

بٹوین خانیوال اینڈ ساہیوال۔ ٹھیک ہے۔ تھینک یو — اچھا سنو — ہیلو —

پکی سڑک پر ہے ناں یہ ڈیرہ تاج موٹر ایبل روڈ پر — ہاں — چلو ٹھیک ہے میں

پہنچ جاؤں گا — بتاؤں گا بتاؤں گا — آئی ایم کمنگ ٹو کراچی نیکسٹ ویک —

اچھا بھئی شکریہ — تھینک یُو۔ خدا حافظ

(فون بند کر کے)

لیجئے جناب یہ پریشانی تو دور ہوگئی۔ کیو مل گیا مس عزیز کا!

مینجر : کہاں ہیں سر؟

سکندر : خانیوال سے چار پانچ میل دُور ڈیرہ تاج میں۔

کٹ ————

سین ۱۲

آؤٹ ڈور

دوپہر

(ڈیرہ تاج کے ایک کُھلے ولگن میں۔ چوترے پر دس لڑکے لڑکیاں (سات لڑکے تین

لڑکیاں) تختی لکھ رہے ہیں۔ ایک لڑکا لکھوا رہا ہے۔)

لڑکا : حاتم طائی نے گھوم کر دیکھا تو وہاں سوار کا نام و نشان بھی نہ تھا ـــ وہ بہت حیران ہوا۔۔۔۔

دوسرا لڑکا: وہ بہت ؟

لڑکا : حیران ہوا۔

(ایک طرف سیاہ بھینس بندھی ہے، جس کی اوٹ سے مس عزیز دُودھ کی بالٹی دوھ کر اُٹھتی ہیں اور زمین پر جُوتا گھسیٹتی آرہی ہیں۔ وہ عبارت لکھتی ہوئی کلاس کے قریب سے گزر کر چوکے کی طرف جاتی ہیں اور وہاں بالٹی رکھ کر اس پر چھابہ دے دیتی ہیں۔ کلاس کے پاس آتی ہیں۔)

لڑکا : سوچنے لگا کہ سوار کو زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔

مس عزیز: (چوترے پر بیٹھ کر) بس ـــ شاباش ـــ لاؤ شیداں اپنی تختی۔

شیداں : اچھا جی۔

(اپنی تختی دیتی ہے۔ عزیز عبارت دیکھتے ہوئے اس پر کاٹے لگاتی جاتی ہے۔)

عزیز : یہ حاتم کس ح سے لکھا ہے تم نے شیداں۔

فیقا : اس کو نہیں آتا لکھنا آپا جی۔

عزیز : اور یہ گھوم کس طرح سے لکھا ہے ـــ کیا جوڑ ہوتے ہیں گھوم کے؟

شیداں : گھے پیش دا گھُو میا کوف ـــ گھُوم۔

عزیز : اور تم نے کیا لکھا ہے گوہُوم ـــ توجہ سے لکھا کرو۔

ایک لڑکا : یہ میرے ٹھونگے مار رہا ہے آپا جی۔

عزیز : اوہُوں ـــ کیا بتایا تھا میں نے تم کو ـــ پہلے سوار تم نے ٹھیک لکھا ہے، دوسری جگہ رے پہلے ڈال کر سوار کو رسوا بنا دیا۔

شیداں : غلطی ہو گئی آپاں جی۔

فیقا : اس سے غلطیاں بڑی ہوتی ہیں جی۔

عزیز : فیقے!

(قہر آلود نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ تھوڑی دیر خاموش رہتی ہے۔ پھر فیقے سے کہتی ہے۔)

لاؤ ذرا اپنی تختی دکھاؤ۔

فیقا : (دے کر) جی آپا جی۔

عزیز : یہ تائی کہاں سے آگئی تمہاری ـــ حاتم طائی اس طرح سے لکھتے ہیں فیقے ـــ طوے سے لکھتے ہیں۔

فیقا : غلطی سے لکھ گیا جی۔

شیداں : اس سے غلطیاں بڑی ہوتی ہیں آپا جی۔

عزیز : شیداں!

(سب سہم جاتے ہیں اور خاموشی چھا جاتی ہے مس عزیز تختیاں دیکھتی رہتی ہے۔ مرغیوں کے کٹکٹانے کی آواز:)

عزیز : کریم! صدیق! باہر جا کر دیکھو مرغیاں کیوں شور مچا رہی ہیں۔

(دونوں لڑکے بھاگ کر سین سے چلے جاتے ہیں۔)

ـــــــ کٹ

سین ۱۳

ان ڈور

تھوڑی دیر بعد

(اپنی بیٹھک میں مس عزیز ایک دیہاتی بزرگ کے ہاتھ پر پٹی باندھ رہی ہے۔)

عزیز : چاچا! یہ پٹی تو میں نے باندھ دی ہے لیکن یہ کافی نہیں ہے۔ زخم زیادہ گہرا ہے۔

بُوڑھا : (چہرے پر کرب کے آثار) کیوں نہیں پُتر اللہ شفا دے گا۔ خیر ہو جائے گی۔ چھوٹا سا پھٹا ہے خود ہی بھر جائے گا۔

عزیز : چھوٹا سا نہیں ہے ناں چاچا۔ بڑا ہے۔ اس کو ٹانکے لگنے چاہئیں۔ اس طرح لہو نہیں رُکے گا

بُوڑھا : رُک جائے گا دھیئے رُک جائے گا۔

عزیز : اچھا پھر دھی کی بات نہیں ملتے ناں آپ۔

بُوڑھا : ہے کہ نہیں جھلی۔ تیری بات کبھی موڑی ہے ہم نے۔

عزیز : تو پھر حیدر کا ٹریکٹر خانیوال جا رہا ہے اس کے ساتھ جا کر ڈاکٹر سے ٹانکے لگوائیں۔

بُوڑھا : سب خیر ہو جائے گی دو دن میں۔

عزیز : میری بات نہیں سُن رہے چاچا اور اپنی ہانکے جا رہے ہو — میں جو کہتی ہوں کہ ڈاکٹر کے پاس جا کر ٹانکے لگوائیں۔۔۔۔

بُوڑھا : بڑی زور آور ہے میں ہماری دھی رانی۔ ایسے چیرے تو ہم کو روز ہی لگتے رہتے ہیں۔

(اس وقت ایک لڑکا بھاگا بھاگا مس عزیز کے پاس آتا ہے۔)

لڑکا : آپاں جی آپاں جی شیداں اور فیقا پھر لڑ رہے ہیں جی گھسنو گھسن۔

عزیز : تم نے روکا نہیں ان کو؟

لڑکا : ہم سے نہیں رُکتے جی۔ ہم کو بھی مارتے ہیں۔

عزیز : (اُٹھ کر۔ جلدی سے) چلو چلو — چاچا جی آپ جائیں حیدر کے ساتھ اسی وقت خانیوال — سُن لیا ہے ناں۔

بُوڑھا : سُن لیا ہے۔ دھیئے سُن لیا ہے — اللہ تیری حیاتی کرے۔۔۔۔ سُن لیا ہے۔۔۔۔

کٹ ————

سین ۱۴
آؤٹ ڈور
شام

(کچھ گاؤں کے دیہاتی احاطہ میں جمع ہیں۔ کچھ مونڈھوں پر کچھ تخت پوش پر بیٹھے ہیں۔ ایک مونڈھے پر مس عزیز بیٹھی ہے۔ اس نے تختی کے اُوپر کاغذ رکھا ہوا ہے اور وہ عرضی لکھنے کے انداز میں بیٹھی ہوئی ہے۔)

دیہاتی ۱ : یہ بات پکّی طراں لکھیں آپا جی کہ نہر ہمارے گراں سے کل دو رقبے دُور ہے۔

دیہاتی ۲ : اوئے دو رقبے کیا سمجھے گا صاحب۔

بُوڑھا : تم سارے صبر تسلی سے بیٹھو۔ دھی رانی کو ایک بار بات سمجھا دو۔ پھر چُپ کر جاؤ سارے، وہ آپی سوہنی سُتھری عرضی بنا دے گی ــــ تُو بول فقیر محمد، دس بی بی کو ہم پنڈ والے کیا چاہتے ہیں!

فقیر محمد : آپا جی مال آفیسر کے نام عرضی جائے گی۔

دیہاتی ۳ : نہیں اوئے "بورڈ دوانیہ" کے نام جائے گی۔

بوڑھا : فیر وہی بات۔ فیر اوہی بات ــــ ہاں فقیر محمد ــــ بول تُو۔

فقیر محمد : آپا جی حکومت کو یہ عرضی ڈالنی ہے کہ نہر کا پانی ڈیرہ تاج تک نہیں پہنچتا۔ یا تو موگھا پورا چالو کر دیئو یا ہمارا موگا الگ کر دیئو۔ ہم لوگ دس سال سے عرضیاں پا رہے ہیں، کوئی داد فریاد نہیں ہوئی۔

عزیز : اچھا اب مجھے بیان کرنے دیں کہ میں کیا سمجھی ہوں آپ لوگوں کا مطلب!

بُوڑھا : سنو بھئی سنو!

دیہاتی ۱ : ہاں آپا جی ــــ

عزیز : ہم کو یہ عرضی ڈالنی ہے کہ نہر ہمارے قریب سے گزرتی ہے لیکن موگھا دوسرے چک کا لگتا ہے۔

بُوڑھا : شاباش !

عزیز : یا تو حالیہ موگھا پورا پانی دے یا پھر ہمارے لیے نئے موگھے کا بندوبست کیا جائے۔ آپ کی مہربانی ہوگی۔

دیہاتی ۱ : مہربانی والی عرضیاں تو بہت لکھی ہیں اِس بار کڑکا کے عرضی لکھیں، رعب دے کر۔

دیہاتی ۲ : خوامخواہ کڑکا کے لکھیں۔ اوئے ہمارا کوئی سوہرا گھر ہے کہ کڑکا کے لکھیں۔ بس جی عرضی انگریزی میں ہو اور تگڑے تگڑے حرف ہوں انگریزی کے۔

فقیر محمد : نہیں نہیں اوئے ہے کہ نہیں اُلو۔ یہ عرضی اُردو میں ہونی چاہیے۔ ہم کو کیا پتہ لگے گا کہ عرضی میں کیا لکھا ہے۔

بُوڑھا : ہے نا کملا عزیز بی بی نے عرضی لکھنی ہے — یہ کوئی غیر ہے۔ یہ جو کچھ لکھے گی ہمارے فیدے کا لکھے گی۔

عزیز : اچھا جی تو عرضی انگریزی میں ہو۔

بُوڑھا : بالکل — پُتر اوئے بالکل — اپنی حکومت کی بولی جو انگریزی ہوئی۔ اگر اُردو میں لکھی تو اُسے سمجھ کیسے آئے گی۔ ہماری ڈنگروں کی بات !

فقیر محمد : او چاچا۔ ہمیں بھی تو سمجھ آنی چاہیئے . . .

بُوڑھا : — ناں بیٹا ہم تو ہوئے سوالی . . . ہم نے تو مانگنے جانا اے ہماری بولی میں سرکار کو کیا سمجھ آئے گی۔ داتا کی بولی میں سوال کرنا چاہیے !

عزیز : آپ سب چاہیں تو مَیں اُردو میں لکھ دیتی ہوں . . .

بُوڑھا : نہ بچیا ناں . . . . حکومت کو ہم سے کوئی بات منوانی ہو، ووٹ لینے ہوں چھوٹا کٹھا کرنا ہو . . . . سڑک کے لیے جگہ لینی ہو . . . . تو وہ ہماری بولی میں بات کرے گی۔

..... سوال جو ہوا ..... اب ہم سوالی ہیں تو حکومت کی بولی میں ہی سوال کریں گے ناں ــــ کیوں دھی رانی!

عزیز : جیسا آپ کا حکم؟

بُوڑھا : لے تو پھر بسم اللہ۔

عزیز : اچھا جی۔

(لکھنے لگتی ہے۔)

فقیر محمد : افسراں کے نام جائے گی عرضی!

دیہاتی ۳ : ایویں نہ ماری جا افسراں کے نام ــــ بورڈ دوانیہ میں عرضی جانی اے۔

بُوڑھا : بولی نہ جاؤ کم عقلو ــــ دیکھتے نہیں بی بی لکھ رہی ہے۔

(بی بی پر کیمرہ آتا ہے وہ انگریزی میں عرضی لکھنے میں مشغول ہے۔)

ــــــــــــ کٹ

سین ۱۵

ان ڈور

دوپہر

(گاؤں کی ایک متوسط درجے کی بیٹھک میں بغیر ڈھو کے ایک نواڑی پلنگ پر ریٹائرڈ تحصیلدار صاحب چوخانے کپڑے کا تہمد باندھے اور قمیض سوئیٹر پہنے تین چار تکیے پیچھے لگائے نیم دراز ہیں۔ ان کی ایک آنکھ پر سبز رنگ کے کپڑے کی دھجی بندھی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے حال ہی میں موتیا بند کا آپریشن کرایا ہے۔ وہ کچھ

بے چین اور شکستہ دل سے ہیں۔ ایک دم چونک کر دروازے کی طرف مُنہ اُٹھا کر کہتے ہیں۔)

تحصیلدار : کون ہے۔ کون ہے بھئی ؟

(لیکن وہاں کوئی بھی نہیں۔ وہ نابینائی کی بیچارگی میں پھر خاموش سے ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور اپنے بستر کی چادر ہاتھ سے سیدھی کرنے لگ جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر تک خاموشی کا عالم رہتا ہے اور پھر ان کے دروازے پر ہلکی سی ٹکٹاہٹ ہوتی ہے۔)

عزیز : (آف کیمرہ) اجازت ہے ماماجی؟

تحصیلدار : آؤ بیٹا آؤ ــــ آؤ . . . .

عزیز : (داخل ہو کر) معاف کیجئے گا آج مجھے ذرا دیر ہو گئی ۔

(مونڈھے پر بیٹھتی ہے۔)

تحصیلدار : وقت مقررہ سے تھوڑی سی بھی دیر ہو جائے عزیز بیٹا تو مجھے بے چینی سی ہو جاتی ہے۔ گھبرا جاتا ہوں ۔

عزیز : اب ناں گھبرایا کریں ماماجی۔ ریٹائرڈ لائف کا یہی تو ایک فائدہ ہے کہ اس میں سے گھبراہٹ کا عنصر نکل جاتا ہے۔

(اخبار اُٹھاتی ہے۔)

تحصیلدار : لیکن میں تو ریٹائرڈ ہو کر پہلے سے بھی زیادہ بے چین ہو گیا ہوں ۔

عزیز : (ہنس کر) وہ کیوں ؟

تحصیلدار : یوں محسوس ہوتا ہے کہ اب زندگی پر گرفت باقی نہیں رہی۔

عزیز : یہ آپ کے اپریشن کی وجہ سے ہے ماماجی ــــ جب آپ دیکھنے دکھانے اور چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں گے تو یہ گرفت واپس لوٹ آئے گی ۔

تحصیلدار : یہ بھی تو ہو سکتا ہے عزیز کہ آپریشن کامیاب نہ ہو اور مجھے نظر ہی ــــ . . . .

عزیز : کمال کرتے ہیں آپ ماماجی۔ سوائے نیگٹو بات سوچنے کے اور کچھ آپ کے ذہن

میں آتا ہی نہیں۔ اچھا سنیے آج کی خبریں ـــ

(اخبار سیدھا کرتی ہے۔)

تحصیلدار : ذرا ٹھہرو ـــ پہلے مجھے ایک بات پُوچھ لینے دو۔

عزیز : جی۔

تحصیلدار : یہ خبریں سُننے اور اخبار پڑھنے کا نشہ دوسرے نشوں سے کسی طرح کم تو نہیں۔

عزیز : بالکل نہیں۔

تحصیلدار : اور پھر یہ ساری خبریں پڑھ کر یا سُن کر انسان کچھ کر بھی نہیں سکتا۔

عزیز : نشے میں انسان کچھ بھی نہیں کر سکتا ماما جی۔

تحصیلدار : اخبار آتے ساتھ ہی میں تمہارا انتظار شروع کر دیتا ہوں اور مجھے شدید گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔

عزیز : اگر آپ کہیں تو میں ذرا پہلے آجایا کروں۔

تحصیلدار : نہیں بیٹا یہ بات نہیں ـــ خدا تجھے زندہ اور سلامت رکھے تُو تو میری خدمت سگی بھانجیوں سے بھی زیادہ کرتی ہے۔ میں تو .... یہ کہہ رہا ....

عزیز : گویا آپ کو ابھی شک ہے کہ میں سگی نہیں ہوں۔

تحصیلدار : او تیرا بھلا ہو جائے تُو تو بات بھی نہیں کرنے دیتی۔ میں تو یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ ایسی بے چینی کیوں ہے مجھ میں۔

عزیز : مجھے تو کوئی خاص نہیں لگتی۔ آپ ماشاءاللہ بالکل نارمل ہیں۔

تحصیلدار : دیکھ ناں عزیز۔ یہ اخبار ہے .... یا یہ میرا ٹرانسسٹر ہے ناں اِدھر.... تو میں ان سے بڑی باقاعدگی کے ساتھ خبریں سمیٹتا رہتا ہُوں ـــ بڑی بے صبری کے ساتھ۔ اور بڑے پیپل کے پاس مسجد سے مجھے آواز آتی رہتی ہے۔ حیّ الافلاح حیّ الافلاح .... اور میں اُٹھ کر ادھر نہیں جا سکتا ـــ ایسی خبریں پڑھتا اور

سُنتا رہتا ہوں جن کا نہ کچھ بنا سکتا ہوں نہ بگاڑ سکتا ہوں — اور بالکل قریب سے
ایک آواز مجھے میری بہتری کے لیے بُلا رہی ہوتی ہے جس میں میری فلاح کا پکا وعدہ ہوتا
ہے، پھر بھی میں اخبار پڑھتا اور ریڈیو سنتا رہتا ہوں۔ ایسا کیوں ہے عزیز بی بی۔

عزیز : سارے نشوں میں ایک سی خرابی ہوتی ہے ماما جی کہ انسان فلاح کی طرف نہیں جا سکتا۔

تحصیلدار : میں اندھا مورھا یہاں لیٹا نہ یو این کا کچھ بنا سکتا ہوں نہ بگاڑ سکتا ہوں نہ کارٹر کو
کوئی رائے دے سکتا ہوں نہ اس کی مان سکتا ہوں۔ پھر بھی صبح سے میں خبروں کا
انتظار شروع کر دیتا ہوں اور رات کو سونے تک سُوئی گھماتا رہتا ہوں اور وہ مجھے
پکار پکار کر بُلاتا رہتا ہے فلاں کی طرف آؤ بھائی فلاح کی طرف آؤ۔

عزیز : جب آپ ٹھیک ہو جائیں ناں پوری طرح سے تو پھر وہاں بھی چلے جایا کریں گے انشاء اللہ۔

تحصیلدار : اچھا کیا ہے آج کی شہ سُرخی۔

عزیز : (اخبار پڑھ کر) افغان مجاہدین نے ایک بڑا حملہ کر کے صوبہ ہلمند کی ایک اہم چوکی پر قبضہ
کر لیا — چینی وفد کے سربراہ آج صدر سے ملاقات کریں گے — اور ۔۔۔ اور ۔۔۔
پاکستان کا اہم ترین مسئلہ اپنی سلامتی کا تحفظ کرنا ہے ۔۔۔

کٹ ——————

سین ۱۶
آؤٹ ڈور
صبح کا وقت

(اس وقت فیقا اور شید اں چونترے کے سامنے گتھم گتھا ہوتے لڑ رہے ہیں۔ دُور

سے آپا جی آتی ہے باقی کلاس اردگرد بے بس سی کھڑی ہے۔)

عزیزہ : پھر لڑ رہے ہو بے شرمو! شیداں! فیقے کیا ہوگیا ہے تم دونوں کو — بند کرو فوراً۔
یہ ہر ادھ گھنٹے بعد تم کو کیا ہو جاتا ہے۔ چھوڑ اس کے بال فیقے — چھوڑ۔

فیقا : (کھڑے ہو کر) دیکھیں آپا جی اس نے کیسے چک مارا ہے میرے بازو میں دیکھیں جی۔۔۔
(بازو ننگا کرتا ہے۔)

عزیزہ : کیوں شیداں اس کے دانت کیوں کاٹے تُو نے؟

شیداں : یہ میری گت نہیں چھوڑتا تھا۔

فیقا : آپا جی آپ اسے سکول سے نکال دیں جی۔

شیداں : تجھے نہ نکال دیں وڈا تھانیدار۔

عزیزہ : بیٹھو — سب بیٹھو! سب۔۔۔۔

(سب چوترے پر بیٹھے ہیں وہ بھی مونڈھے پر بیٹھی ہے۔ شیداں اور فیقا اس کے پاس
کھڑے ہیں۔)

عزیزہ : پچھلے ہفتے میں نے تمہیں ایک کہانی لکھنے کو دی تھی یاد ہے حضرت امیر حمزہ کی؟
یاد ہے۔

شیداں : میں اور فیقا ایک تپڑ پر بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتے آپاں جی۔

عزیزہ : کیوں؟

فیقا : اس کے اور میرے خاندان کا سر وڈھواں ویر ہے آپا جی — زمین کا مقدمہ ہمارا
چل رہا ہے قتل کا مقدمہ ہمارا چل رہا ہے۔ جب ہائی کورٹ میں اس کے چاچے کو
پھانسی ہوئی تو ہمارے گھر دیگیں پکنی ہیں۔ دو پلاؤ کی، ایک زردے کی۔

شیداں : اوئے ہوتے دو پلاؤ کی، ایک زردے کی — تمہارے گھر چالیسویں کی دیگیں پکنی
ہیں، ایک تمہارا پیو مارا جانا اے، ایک تیرا وڈا بھائی پھانسی لگ جانا اے۔ ایک

وہ مارا جاتا ہے لنگڑدین تیرا ماما — تیرے گھر میں تو ہر جمعرات کو چالیسویں کی دیگیں پکتی ہیں — میری ماں کہتی ہے۔

فیقا : منہ سنبھال کر بات کر — میں آپا جی کی وجہ سے لحاظ کر رہا ہوں تیرا۔

عزیز : بیٹھ جا فیقے شاباش! اچھے بچّے کی طرح — تو بھی بیٹھ جا شیداں۔

(فیقا بیٹھ جاتا ہے لیکن شیداں کھڑی ہے۔)

یاد ہے ناں تمہیں کیا بتایا تھا میں نے پرسوں جب اُحد کی جنگ ہوئی تو حضور پاکؐ کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ وحشی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ ہندہ بھی رسول پاکؐ کی دشمن تھی لیکن ہمارے پیارے نبیؐ نے ان دونوں کو معاف کر دیا اور ان سے کوئی بدلہ نہیں لیا۔

شیداں : میں چلتی ہوں آپا جی آپ فیقے کو رکھ لیں — میں نہیں پڑھتی۔

عزیز : نہیں بھئی نہیں — تم کیسے جا سکتی ہو شیداں!

شیداں : نہیں جی آپ کو فیقا زیادہ اچھا لگتا ہے مجھے مارنے والا (رونے لگتی ہے) اس نے آج مجھے مارا بھی ہے اور میرے منہ پر تھوکا بھی ہے۔

عزیز : (آپا اس کا ہاتھ پکڑتی ہے) شیداں .... شیداں — بس بھئی بس —

(قریب کر کے اسے ساتھ لپٹا لیتی ہے اور سسکیاں بھرتی ہوئی شیداں کو "بس بس بس" کہتی ہوئی عزیز تھپکے جاتی ہے۔ فیقا سر جھکا کر شرمندہ سا بیٹھا ہے۔ کریم اور صدیق واپس آتے ہیں۔)

کریم : آپ کے دو مہمان آئے ہیں آپا جی۔

صدیق : چٹی سفید کار پر جی۔

عزیز : میرے مہمان!

صدیق : شہر سے آئے ہیں جی۔

عزیز : کہاں ہیں ؟

کریم : ہم نے اندر بیٹھایا ہے جی بیٹھک میں ۔

عزیز : شاباش ۔ (شیداں کو چھوڑ کر جانے کے لیے پلٹتی ہے) دیکھو شور نہیں کرنا شرارت نہیں کرنی —— آرام سے بیٹھ کر پہاڑہ یاد کرنا ہے بارہ کا ۔

سب : اچھا جی ۔

(مس عزیز بیٹھک کی طرف چلتی ہیں تو پہاڑہ شروع ہو جاتا ہے ۔)

ایک لڑکا : باراں ایکم باراں ۔ بارو دوناں چوبی ——

سب : باراں ایکم باراں —— بارو دوناں چوبی ۔

(سب پہاڑہ کہہ رہے ہیں صرف شیداں چوترے کے ایک کونے کے ساتھ لگی بڑے دکھ اور کرب کے ساتھ رو رہی ہے ۔)

کٹ ——————

سین ۱۷

ان ڈور

کچھ دیر بعد

(عزیز آپا کی اس بیٹھک میں رنگدار پائیوں والے پلنگ پر سکندر اور اس کا منیجر ٹانگیں لٹکائے بیٹھے ہیں ۔ آپا سر پہ دوپٹہ کندھوں کے گرد گرم چادر لیے بڑی آہستگی سے اندر داخل ہوتی ہیں —— دونوں حضرات کھڑے ہو جاتے ہیں ۔)

عزیز : بیٹھیے بیٹھیے — تشریف رکھیے ۔

سکندر : جی۔شکریہ

(بیٹھ جاتے ہیں۔)

عزیز : فرمایئے

سکندر : آپ نے مجھے پہچانا نہیں شاید۔

عزیز : (خلوص اور ایمانداری سے) نہیں

سکندر : میں سکندر ہوں مس — آپ کا شاگرد۔

عزیز : سکندر!

سکندر : آپ کو یاد ہوگا نائنٹین ففٹی ٹو میں ....

عزیز : سکندر سیال یا سکندر حبیب ؟

سکندر : سکندر حبیب مس — کلاس ریپ۔

عزیز : بھئی تم تو بہت بدل گئے سکندر — کیا حال ہے تمہارا۔

عزیز : ٹھیک ہوں مس — تھینک یُو۔

منیجر : یہ تو ماشاءاللہ اس وقت ہمارے ملک کے بہت بڑے بزنس مین ہیں میڈم۔
ہماری فرم نے ابھی بحرین میں کنسٹرکشن کا بہت بڑا ٹھیکہ لیا ہے۔

عزیز : خوب!

منیجر : تین فارن فرم کے مقابلے میں ہمارا ہی ٹینڈر منظور ہوا جی۔

عزیز : اچھا!

سکندر : یہ سب آپ کی تعلیم کا اثر ہے مس ورنہ میں تو .... بس .... ایسا ہی تھا نالائق سا۔

عزیز : نہیں نہیں بھئی — تم بڑے اچھے تھے۔

سکندر : میرے پاس آپ کی قینچی اب بھی محفوظ ہے مس جو آپ نے مجھے ایک سمبل کے
طور پر دی تھی۔

عزیز : اچھا!

سکندر : اور اس قینچی نے مجھے ہر مقام پر بڑی تقویت عطا کی مس - میں نے ہر چیلنج کو قبول کیا اور ہر للکار کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔

مینجر : سر آپ کی بہت تعریف کیا کرتے ہیں میڈم۔ جب بھی کوئی مشکل مرحلہ آتا ہے ہمیشہ آپ ہی کی مثال دیتے ہیں ۔

عزیز : یہ اس کی مہربانی ہے بھئی ۔

سکندر : اس وقت میں آپ کی خدمت میں ایک خاص ضرورت کے تحت حاضر ہوا ہوں۔

عزیز : بتاؤ، میں حاضر ہوں۔

سکندر : میں آپ کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے ایک سکول کھول رہا ہوں ۔

عزیز : میرے مشن کو ؟

سکندر : تعلیم کو اور تعلیم کے فروغ کے مشن کو !

عزیز : ضرور کھولو۔

سکندر : لیکن اسے رن کرنے کے لیے ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہوگی ۔

عزیز : میری مدد کی !

مینجر : جی میڈم —

سکندر : اگر آپ اس سکول کی پرنسپل بننا پسند کریں گی تو ہم وہ سکول چلائیں گے ورنہ بند کر دیں گے ۔

مینجر : بلکہ کھولیں گے ہی نہیں ۔ یہی سر کا فیصلہ ہے ۔

عزیز : اب مجھ سے، اس عمر میں یہ کام کیسے ہو سکے گا سکندر - I am too old for principalship.

سکندر : یہ آپ کیا فرما رہی ہیں مس — آپ تو خدا کے فضل سے آخری دم تک اولڈ

نہیں ہوں گی۔ اتنی ہمت ہے آپ میں۔

عزیز : نہیں بھئی نہیں اب ایسے بوجھ نہیں اُٹھائے جاسکتے۔

مینجر : ٹیچر تو کبھی اولڈ نہیں ہوتا میڈم بلکہ جوں جوں اس کی عمر بڑھتی ہے اُس کا تجربہ اور وسیع ہوتا ہے۔

عزیز : اسی تجربہ وسیع ہو جانے کی وجہ سے تو کہہ رہی ہوں کہ اب میں ایسا بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔

سکندر : سکول کے کارنر میں آپ کی کوٹھی ہو گی ___ خانساماں ___ چپڑاسی ___ چوکیدار ___

everything found

عزیز : بھئی میں معافی چاہتی ہوں سکندر۔ تم مس ہارپر کو رکھ لو۔ میڈم فیروزہ کو رکھ لو وہ مجھ سے بہتر یہ کام کر سکیں گی۔

سکندر : لیکن میں فیصلہ کر چکا ہوں مس کہ آپ کے سوا میرے سکول کا اور کوئی پرنسپل نہیں ہوگا۔

عزیز : پھر تو تم کو اپنا فیصلہ واپس لینا ہوگا۔

سکندر : میں یہ کام نیشنل انٹرسٹ میں کر رہا ہوں مس۔ قوم کے فائدے کے لیے بچوں کو صحیح تعلیم دینے کی غرض سے۔

مینجر : ہمارا معاشرہ تعلیم کی کمی کی وجہ سے تباہ ہو رہا ہے میڈم۔ آپ جیسے لوگوں کو آگے بڑھ کر قربانی دینی چاہیئے۔ استاد تو قوم کا معمار ہوتا ہے۔

عزیز : معمار تو ہوتا ہے ___ لیکن یہ نظام تعلیم بہت ناقص ہے سکندر!

سکندر : (یقین کے ساتھ) اسی لئے تو میں عرض کر رہا ہوں کہ ہمیں اپنے معیارِ تعلیم کو اُونچا کر کے اسے مہذب ملکوں کے معیار پر لانا ہے۔

عزیز : مہذب ملکوں کا معیارِ تعلیم ہم سے بھی زیادہ ناقص ہے۔

سکندر : جی !

عزیزہ : ان درسگاہوں میں انسان بنانے کی فکر نہیں کی جاتی، کارکن مکھیاں تیار کی جاتی ہیں، ملکہ کی اور نکھٹو مکھیوں کی خدمت کرنے کے لیے !

سکندر : یہ آپ کیا فرما رہی ہیں مس !

عزیزہ : میں جو کچھ عرض کر رہی ہوں اپنے تجربے کی بنا پر کہہ رہی ہوں اور بڑے طویل مشاہدے کے بعد یہاں پہنچی ہوں ! یہ سکول وکول چلانے کے خیال چھوڑ دو اور کوئی ایسا کام کرو جس سے مخلوق خدا کو آسانی نصیب ہو۔

مینیجر : مخلوق خدا کی آسانی کے لیے ہی تو تعلیم عام کی جاتی ہے میڈم، لوگوں کے بھلے کے لیے۔

عزیزہ : ایسی تعلیم سے لوگوں کا بھلا نہ آج ہوا ہے، نہ کل ہو گا — یہ نظامِ تعلیم خواہ ہارورڈ کا ہو یا ہائیڈل برگ کا، برکلے کا ہو یا آکسفورڈ کا، پنجاب یونیورسٹی کا ہو یا پٹسلے وینا یونیورسٹی کا اس کے ساتھ ایک ہی لعنت وابستہ ہے کہ یہ آدمی کو پاک دل، خوش اطوار اور خوش وضع انسان بنانے کے بجائے اس کو انسان دشمن اور آشنا دشمن بنا دیتا ہے۔ اور اس کے اندر مقابلے کا اور کمپی ٹیشن کا نہ ختم ہونے والا زہر بھر دیتا ہے۔

سکندر : نو مس آئی کانٹ بی لیو اٹ۔

عزیزہ : جس روز ایک خوبصورت، شفاف اور معصوم بچہ جس کے پاکیزہ گالوں پر گلاب کا رنگ اور جس کی سانسوں میں شہد کی خوشبو ہوتی ہے سکندر ! پہلی مرتبہ مدرسے میں لایا جاتا ہے تو سب سے پہلا سبق جو اس کو اپنے استاد کی طرف سے ملتا ہے وہ مقابلے کا اور کمپی ٹیشن کا ہوتا ہے۔ اسے بتایا جاتا ہے کہ اگر وہ اپنے ساتھیوں میں سب سے اوّل آئے گا تو اس کو کتابوں کا ایک پیکٹ، ہیڈ مسٹریس کا سرٹیفکیٹ اور پچاس روپے کے انعامی بانڈ ملیں گے۔ اس کا نام آنرز لسٹ

میں لکھا جائے گا۔ اخبار میں اس کی تصویر چھپے گی اور اس کو کلاس ریپ بنا دیا جائے گا ــــ اس وقت ــــ سکندر! پہلی مرتبہ اپنی سیٹ پر بیٹھا ہوا وہ معصوم بچہ چور نگاہوں سے اپنے اردگرد کے ساتھیوں کو دیکھتا ہے اور سوچتا ہے جن سے میں کھیلنے اور خوش ہونے کے لیے آیا تھا وہ تو میرے حریف اور میرے رقیب ہیں، اور اس قدر قریب ہیں۔ پھر وہ اپنے ذہن کے اندر عزم اور ارادے کی ایک بھرپور انگڑائی لیتا ہے اور ان رقیبوں اور مخالفوں اور دشمنوں کو پچھاڑنے کے لیے پورے طور پر تیار ہو جاتا ہے ان کو پچھاڑنے کے لیے جو اس کے ساتھ بیٹھے ہوتے ہیں، قریب ہوتے ہیں، اس کی جماعت سے ہوتے ہیں ــــ اور جب وہ گریجویشن کے بعد سند لے کر کالج سے باہر نکلتا ہے تو وہ ایک بہتر انسان یا ایک better human being نہیں ہوتا بلکہ ایک مقابلہ باز، ایک کمپی ٹیٹر، ایک مزاحم، ایک رکاوٹ ہوتا ہے جو ہر طرح کے مقابلے کے لیے تیار اور ہر وقت اپنے آپ کو عزت عطا کرنے کے لیے سوچتا رہتا ہے۔ وہ اپنے اردگرد، دائیں بائیں ایسی خوش اسلوبی سے وار کرتا چلتا ہے کہ زخم کھانے والے کو گر جانے کے بعد بھی پتہ نہیں چلتا کہ اُس پر ضرب کاری لگ چکی ہے۔ چونکہ اس کو ایک خاص ڈسپلن کے تحت صرف کمپی ٹیشن ہی کی تعلیم دی جاتی ہے اس لیے وہ اپنی ذات کے سوا اور کسی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ وہ محبت، خلوص، درگزر اور forgiveness کے جذبات سے واقف نہیں ہو پاتا ــ پھر وہ چاہے سیاست میں جائے چاہے تجارت میں ــــ ملازمت اختیار کرے یا زمیندارہ، صنعت کار بنے یا سمگلر، وہ خلق خدا کو آسانی عطا نہیں کر سکتا کیونکہ اس پر ہر وقت صرف اپنے آپ کو آگے بڑھانے کا جنون سوار رہتا ہے۔

سکندر : آگے بڑھنا اور مقابلہ کرنا تو ایک حرکی قوت ہے مس۔ یہ تو زندگی کی علامت ہے۔

عزیز : اگر یہ زندگی کی علامت ہے سکندر تو پھر ناکام رہنے والوں کی مجموعی موت کا باعث

کون ہے ؟ یاد رکھو جہاں بھی کوئی کامیاب ہوگا اس کے گرد ناکامیابوں کی لاشیں ضرور ہوں گی ۔ کیونکہ ہر کامیاب ناکامیابوں کے حوالے سے ہی کامیاب ٹھہرتا ہے۔ اور ناکامیاب لوگ بھی انسان ہوتے ہیں۔ ان کا بھی زندہ رہنے کو جی چاہتا ہے۔ ان کا بھی زندگی پر حق ہے کیا ان سب کو ختم کرتے جانا ہی کامیابی ہے ؟

مینجر : میڈم آپ سمجھتی نہیں ۔ انسان کمپی ٹیشن ضرور کرے ۔ کامیاب ضرور ہو لیکن اصول کے مطابق ۔۔ شرافت کے ساتھ ۔۔ انسانی ہمدردی اور اخلاق کو سامنے رکھ کر کمپی ٹیشن کرے ۔

عزیز : کیا آپ کے نظامِ تعلیم میں اخلاق ، شرافت ، تقوےٰ اور انسانی ہمدردی کا کوئی مقام ہے ؟ کیا دنیا کی کسی درسگاہ میں ، راؤنڈ دا گلوب ، ساؤتھ پول سے نارتھ پول تک ، کبھی ، کسی وقت ، کسی طالب علم کو اس وجہ سے فرسٹ قرار دیا گیا کہ اس کا رویہ اپنے ہم جماعتوں کے ساتھ محبت بھرا تھا ۔۔ کسی طالب علم کا نام صرف اس وجہ سے آنرز لسٹ میں لکھا گیا کہ وہ جذبہ ہمدردی سے سرشار تھا ۔۔ کسی سٹوڈنٹ کو ہر مضمون میں صفر لینے کے باوجود گولڈ میڈل دیا گیا کہ وہ تقوےٰ میں بلند تر تھا کسی طالب علم کو صرف better human being ہونے کی بنا پر وظیفہ دیا گیا ؟ دنیا کی کسی یونیورسٹی نے اپنے ہال میں اس طالب علم کا برونز سٹیچیو رکھا جو گریڈ میں سب سے نیچے اور انسان دوستی میں اور اخلاق میں سب سے بلند تھا ۔۔ دنیا کی کسی حکومت نے کبھی ایسے شخص کو اپنے ادارے کا سربراہ بنایا کہ اس کی جیب میں ڈگری تو نہیں تھی لیکن اس کا دل انسانی محبت سے بھرپور تھا اور وہ خلقِ خدا کو بہتر طریق پر فائدہ پہنچا سکتا تھا ۔۔ کیا تم اپنے سکول میں ایسے طالب علم پیدا کرنے کی خواہش رکھتے ہو جو مصیبت کے وقت سب ساتھیوں سے آگے ہوں اور انعام بٹنے کے وقت سب سے پیچھے ! ایسے سٹوڈنٹس کو فرسٹ گریڈ

فرسٹ کلاس دے سکو گے ؟ ـــــ بولو۔

سکندر : (خاموش ہے)

عزیز : تم نے تو اپنے سب سے بڑے امتحان اور اپنی سب سے ارفع تعلیم کا نام بھی
Competitive Examination رکھا ہوا ہے۔ تم کیا تعلیم دو گے !
کمپی ٹیشن کا ماحول تیار کر کے کس طرح انسانیت سکھاؤ گے ایک شخص کو سالہا سال
خود غرضی، خود پرستی اور خود آرائشی کی تعلیم دے کر کس طرح اس سے توقع رکھو گے
کہ وہ دوسروں کے ساتھ محبت شفقت رحمدلی اور خلوص کے ساتھ پیش آئے !
تم کس طرح better human being پروڈیوس کر سکو گے سکندر میاں ؟
ـــــ سب سے اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ لوگ روز یو این او میں اکٹھے ہوتے ہیں۔
روز سکیورٹی کونسل کی میٹنگیں ہوتی ہیں۔ روز بڑے بڑے خوبصورت بیان چھپتے
ہیں۔ کیا مل جاتا ہے اُن خوبصورت باتوں سے بنی نوع انسان کو ـــــ کیا آسانیاں
عطا کر دیں ہیں انہوں نے ابنِ آدم کو ؟ کیا سکون عطا کر دیا ہے تمہاری سُپر
پاوروں نے انسان کو ؟ کیا دودھ کی نہریں بہا دی ہیں انہوں نے افریقہ میں۔
کیا سکھ عطا کر دیا ہے انہوں نے بھوکی ننگی بلبلاتی ہوئی انسانیت کو۔ ان سے
زیادہ پڑھا لکھا ان سے زیادہ مہذب، ایڈوانس اور ترقی یافتہ تو اور کوئی نہیں
ـــــ تمہاری سُپر پاوروں سے زیادہ !

مینجر : معاف کرنا میڈم علم حاصل کرنے کے لیے تو حضورؐ نے بھی فرمایا ہے کہ چاہے تمہیں
علم حاصل کرنے کے لیے چین جانا پڑے تو جاؤ۔

عزیز : حضورؐ کے علم کی ڈیفی نیشن کو اس علم کے ساتھ نہ ملائیے پلیز جو اس وقت کرہ
ارض پر ایک مہلک وبائی صورت میں پھیلایا جا رہا ہے۔ اس کی فضیلت اور ہے۔

سکندر : کیا میں پوچھ سکتا ہوں مس کہ .... اس میں ....

عزیز : ہمیں جس علم کے حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے سکندر اس کی ڈیفی نیشن یہ ہے کہ "بہتر جاننے والا کمتر جاننے والے کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس کے مقصود تک پہنچا دے اور اس کو آسانیوں سے ہمکنار کر دے۔"

مینجر : معاف کیجیے میڈم ــ میرے سر پر سے گزر گئی یہ بات۔

عزیز : جو شخص کسی شے کا علم حاصل کر لیتا ہے، وہ اس شے کے بارے میں بہتر جاننے والا ہو جاتا ہے۔

سکندر : جی

عزیز : اور جو اسی شے کے بارے میں کوئی علم نہیں رکھتا وہ کمتر جاننے والا ہوتا ہے۔

سکندر : جی۔

عزیز : اب علم کی فضیلت اور علم والے کا فرض یہ ہے کہ وہ کمتر جاننے والے کا ہاتھ پکڑ کر اس کو قدم قدم چلاتا ہوا اس کی منزل تک اس کے مقصود تک پہنچا دے۔ آپ چل پھر سکتے ہیں آپ بڑے ہیں آپ طاقتور ہیں آپ کے پاس چلنے اور کھڑے ہونے کا علم ہے اب آپ پر فرض عائد ہو گیا ہے کہ گھٹنوں چلتے کھڑے ہونے کی کوشش کرتے بچے کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اس کے مقصود تک یعنی دو پاؤں پر چلنے کی مہارت تک پہنچا دیں۔ آپ کارخانہ دار ہیں۔ تاجر ہیں لکھ پتی ہیں آپ کے پاس تجارت کا علم ہے آپ اس علم کے بہتر جاننے والے ہیں۔ اب بہتر جاننے والے کی حیثیت سے آپ پر فرض واجب ہو گیا کہ ایک نو آموز چھابڑی والے کا ہاتھ پکڑ کر اس کی ہر طرح سے مدد کرتے ہوئے اُسے تجارت کے مقصود تک پہنچا دیں۔ آپ طب کا علم رکھتے ہیں دوا کو سمجھتے ہیں میڈیسن کے بہتر علم والے ہیں آپ کا فرض ہو گیا کہ جس بیمار کے پاس یہ علم نہیں ہے اُسے اس کو مقصودِ صحت تک پہنچا دیں۔ اس کو چل کر آپ کے پاس نہ آنا پڑے بلکہ اپنے علم کی نعمت کا شکریہ ادا کرنے کے لیے

آپ کو اسے ڈھونڈنا پڑے۔ آپ ایک انجینئر ہیں اور سینئر ہیں، ایس ڈی او ہیں
آپ کے پاس تعمیر کا اور کنسٹرکشن کا بہتر علم ہے، آپ اس معاملے میں کمتر علم رکھنے
والوں کے پاس جاکر انہیں نہر کھودنے کا علم بھی عطا کریں اور انہیں ان کے مقصود
پانی تک بھی پہنچادیں۔ اس وقت آپ کے ہمسایہ چین میں اسی طرح سے ہو رہا ہے
کہ بہتر جاننے والے کمتر جاننے والوں کے گھر گھر جاکر انہیں علم عطا کر رہے ہیں۔
اور حضورؐ نے بیشک صحیح فرمایا تھا کہ . . . .

مینیجر : میرے خیال میں سر اب ہمیں اجازت لینی چاہیئے۔

عزیزہ : نہیں بھئی۔ اس قدر جلدی کیوں۔ کھانا کھا کر جائیے۔

سکندر : نہیں مس اب اجازت دیجیے، پھر کسی وقت سہی۔ آپ کا ایڈریس تو ہمیں معلوم
ہو ہی گیا۔ اگلی مرتبہ . . . . انشاء اللہ . . . .

عزیزہ : اچھا تو پھر ذرا دیر کو تو ٹھہرو۔ (اُٹھ کر جاتے ہوئے) میں ابھی آجاتی ہوں ایک
منٹ میں۔

(چلی جاتی ہے۔)

سکندر : ہماری یہ مس اس قدر لائق اور ایسی ٹیلنٹڈ تھیں کہ ساری ایجوکیشنل
ورلڈ میں ان کا دل سے احترام کرتے تھے لوگ۔

مینیجر : آپ نے بتایا سر کئی مرتبہ!

سکندر : اور میں جو اس وقت ہوں سب انہی کی وجہ سے ہوں۔

مینیجر : لیکن اب دیکھیے سر کس طرح سے . . . بالکل ہی . . . . الٹ ہوگئیں۔

سکندر : ایچ منصور صاحب — ایچ جوں جوں عمر بڑھتی ہے انسان کی سوچ دھندلانے
لگتی ہے۔ مس عزیزہ بھی کنفیوز ہوگئی ہیں بچاری! senile ہوگئی ہیں۔

مینیجر : اب کیسی بے جوڑ باتیں کر رہی تھیں، irrelevant۔ بھلا کمپیٹیشن کے بغیر

کس طرح سے زندگی گزاری جا سکتی ہے۔ اور پھر سر کمپیٹیشن تو ہوتا ہی کٹ تھروٹ ہے اس میں یا اپنا گلا کٹتا ہے یا دوسرے کا ___ کٹ تھروٹ کے بغیر تو ترقی ناممکن ہے۔ سپر پاور بننے کے لیے پس ماندہ ملکوں کا گلا کاٹنا ہی پڑتا ہے اُوپر ابھرنے کے لیے ساتھیوں کو دبانا ہی پڑتا ہے۔

سکندر : (خود یقینی کے اندر ہیں) بڑی برائیٹ تھیں مس عزیز.... آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ.....

(مس عزیز چینی کی پلیٹ میں تین چار مالٹے اور دو تین سیب اور ساتھ ایک چھری رکھ کر واپس داخل ہوتی ہیں تو سکندر اپنی گفتگو بند کر دیتا ہے۔ دونوں اُٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔)

عزیز : پلیز.... پلیز.... بیٹھو بھئی بیٹھو۔

سکندر : یہ آپ نے کیا تکلّف کیا مس!

عزیز : تکلف نہیں سکندر، یہ تو سنت ہے ___ اور پھر تم اتنے لمبے سفر سے آئے ہو۔

سکندر : اگر آپ اجازت دیں تو ہم یہ فروٹ اپنے ساتھ لے جاتے ہیں، راستے میں کھاتے جائیں گے۔

عزیز : ضرور ضرور جیسے تمہارا دل چاہے ___ میں لفافے میں ڈال دیتی ہوں۔

مینجر : تھینک یو میڈم (لیتے ہوئے) یہ تو جیبوں میں آجائیں گے تھینک یو۔

(اپنے کوٹ کی جیبوں میں ڈالتا ہے۔)

عزیز : اور تم لوگ آئے کیسے تھے؟

سکندر : کار پر مس۔

عزیز : لیکن ہماری سڑک تو چار پانچ میل تک اُدھڑی پڑی ہے۔ تمہیں بڑی تکلیف ہوئی ہوگی۔

منیجر : کچھ نہ پوچھیئے میڈم۔ واپسی کے خیال سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

عزیز : تم ایسے کرو سکندر۔ نہر کی پٹڑی سے چلے جاؤ اور اگر راستے میں تمہیں کوئی روکے تو ان سے کہہ دینا ہم آپا عزیز کے مہمان ہیں۔

منیجر : اوہ تھینک یو ویری مچ میڈم یہ تو آپ نے ہماری مشکل بڑی آسان کر دی۔

سکندر : اچھا مس۔ اجازت ؟

عزیز : (کندھے پر ہاتھ پھیر کر) اللہ کے حوالے۔ خدا تمہیں آسانیاں عطا فرمائے۔ فی امان اللہ

منیجر : اچھا میڈم خدا حافظ۔

عزیز : خدا حافظ ــ خدا حافظ

(دونوں بیٹھک سے باہر نکل جاتے ہیں تو مس عزیز باہر گلی والا دروازہ بند کر کے اپنی پلیٹ اور چھری اُٹھاتی ہیں اور دوسرے دروازے سے اندر دالان کی طرف آتی ہیں۔ یاد رہے کہ جب وہ پلیٹ اور چھری اُٹھاتی ہیں تو موٹر سٹارٹ ہونے کا ساؤنڈ ایفیکٹ ضرور دیا جائے۔ اور مس عزیز کے گزشتہ طویل مکالمے کے دوران بارہ کے پہاڑہ کا بہت ہی مدھم ٹوپ چلتا رہے۔)

کٹ ــــــــــــــ

سین ۱۸
آؤٹ ڈور
کچھ لمحوں بعد

(مس عزیز، سکندر اور اس کے منیجر کے چلے جانے کے بعد خالی پلیٹ اور چھری

لے کر واپس وگن میں چلی آرہی ہے اور بچے پہاڑہ یاد کر رہے ہیں تو وہ ذرا دیر رک
کر چبوترے کا جائزہ لیتی ہے۔ فیقا وہاں موجود نہیں۔ دوسری طرف نگاہ کرتی ہے تو
فیقا مرغی کو پکڑنے کے لیے کھرلیوں کے پاس بھاگا پھرتا ہے۔ مس عزیز گرج کر آواز
دیتی ہے تو پہاڑہ بند ہو جاتا ہے۔)

عزیز : فیقے —— ٹھہر جا تو ——

(فیقا خوفزدہ سا چبوترے کی طرف چلنے لگتا ہے۔)

ادھر آ —— ادھر میرے پاس —— فوراً .....

(پلیٹ اور چھڑی زمین پر رکھ دیتی ہے اور قریب لگی ہوئی ایک جھاڑی یا باڑ سے ایک
سوکھی شاخ توڑتی ہے —— فیقا آپا عزیز اور چبوترے کے درمیان رک جاتا ہے۔)

آج تو میں تیرے ساتھ وہ کروں گی کہ ساری عمر یاد رکھے گا تُو —— ایک مرتبہ سمجھایا
دو دفعہ سمجھایا لیکن تُو تو ایسی ڈھیٹ ہڈی ہے کہ کچھ اثر ہی نہیں ہوتا تجھ پر....
بتا کیوں گیا مرغی کے پیچھے۔ (چھڑی تان کر) میں نے تجھ سے کہا نہیں تھا پہاڑہ
یاد کرنے کو (ہلکے سے ایک چھڑی اس کے کندھے پر مارتی ہے) بول —— بتا ——
آج میں تیری ساری چمڑی ادھیڑ کر رکھ دوں گی۔

(دوسری چھڑی مارتی ہے۔ چبوترے پر بیٹھے ہوئے سب بچے یورش کر کے مس عزیز
کی طرف بھاگتے ہیں اور ساتھ ساتھ کہتے آتے ہیں "ناں آپا جی۔ ناں آپا جی۔
ناں آپا جی —— ناں جی ناں جی"۔)

عزیز : (غصے سے) دفع ہو جاؤ تم سارے —— خبردار جو کوئی آگے آیا۔

سب : ناں آپا جی ناں آپا جی ——

(اس ناں جی ناں جی میں شیداں لپک کر آگے بڑھتی ہے اور اپنی پھٹی ہوئی میلی
اوڑھنی فیقے کے اوپر ڈال کر اس کو حفاظت سے کور کر لیتی ہے —— مس عزیز کا ہاتھ

اوپر اُٹھا رہ جاتا ہے اور اس کے چہرے کا غصہ اس کے چہرے پر ہی گویا "ساکت" ہو جاتا ہے۔ سارے بچے اس کے ساتھ لپٹ جاتے ہیں۔ اور "گانا" شروع کر دیتے ہیں باراں ایکم باراں — بارہ دونا چودی — بارو تیا چھتی بارو چوک اڑھتالی... مس عزیز چھڑی پھینک کران کو اپنے ساتھ لپٹاتی جاتی ہے اور مسکراتی ہے اور مسکرانے کے عمل میں فرطِ جذبات سے اور فرطِ محبت سے اس کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگتے ہیں۔ وہ دونوں ہاتھ چھپانے والی شیداں اور چھپے ہوئے فیقے کی طرف بڑھاتی ہے۔ وہ دونوں بھی آکر مس عزیز سے لپٹ جاتے ہیں اور پہاڑہ گانے میں شامل ہو جاتے ہیں۔)



آوارہ اور آواری

کردار :

حکیم عبدالغنی شکیبا : مرنجاں مرنج ۔ بہت کچھ سہہ جانے والا درویش آدمی

نوری : دل کی نیک ۔ شوخ چشم بد زبان ۔ عمر بائیس سال

نوری کی ماں : عمر چالیس پینتالیس کے قریب ۔ نوری کی وجہ سے بوکھلائی ہوئی عورت

نوری کا باپ : بجلی کا کام کرنے والا ۔ اپنے کام میں مگن

دائی : بہری عورت

فرید : نوجوان خوش شکل ۔ اٹھائیس برس کا ڈاکٹر

فضل : فرید کا چھوٹا بھائی

فیروز : نوری کا کزن ۔ کراکری کی دوکان کا مالک

چوہدری : عمر چالیس برس

پھتو : حکیم صاحب کا ملازم



سین ا
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(لوہاری یا موچی دروازے کے اندر ایک پُرانی حویلی کا بڑا سا محرابی دروازہ۔ یہ دروازہ رنجیت سنگھ کے عہد کا نظر آتا ہے۔ بڑا پھاٹک بند ہے اس میں بڑے بڑے لوہے کے کوکے لگے ہیں۔ پھاٹک میں بغلی دروازہ جو عام آمد و رفت کے لیے مخصوص ہے کھلتا ہے دروازہ کھول کر نوری باہر نکلتی ہے۔ نوری بیس بائیس برس کی بھرپور نوجوان لڑکی ہے۔ جس کی صحت، اشتہا اور ادائیں خوداعتمادی کا مظہر ہیں۔ وہ اَن جھک بھی ہے اور تماش بین بھی۔ وہ جو کچھ کرتی ہے نہ اس کے متعلق سوچتی ہے نہ اس کے بارے میں پچھتاتی ہے۔ اسے چلتے پھرتے لوگ، بازاری کھانے، میلے ٹھیلے، فیشن کی چیزیں پسند ہیں۔

نوری بڑے پھاٹک کا دروازہ جو چھوٹا ہے کھول کر باہر نکلتی ہے گھر سے نکلتے وقت اس کے سر پر ایرانی وضع کی چادر ہوتی ہے۔ پھاٹک سے نکلتے ہی وہ یہ چادر تہہ کرتی ہے اور اپنے پلاسٹک کے تھیلے میں ڈالتی ہے۔ تھیلے میں سے ریشمی جھلملاتا دوپٹہ نکال کر اوڑھتی ہے بازو پر تھیلا لٹکاتی ہے اور بائیں ہاتھ کی انگشت شہادت اور انگوٹھے سے ناک کی تیلی درست کرتی ہے۔ پھر حویلی کے پھاٹک کے سامنے کی تین سیڑھیاں اُتر کر گلی میں داخل ہوتی ہے۔ نوری شموز، ساٹن، موں لائیٹ جیسے کپڑے پہنتی ہے، جن کا رنگ کیسری، سرخ، فیروزی، آتشی گلابی اور گہرا جامنی ہوتا ہے۔ براؤن، گرے اور بادامی قسم کے سوبر رنگوں سے اسے نفرت ہے۔)

کٹ ________

سین ۲
آوٹ ڈور
دن

(گلی کا حصہ — کافی فاصلے سے ہم نُوری کو آتے ہوئے دکھاتے ہیں۔ گلی میں دو تین آدمی آجا رہے ہیں۔ نُوری اُونچی ایڑی کی جُوتی پہنے ہوتے ہے۔ اس کی جُوتی کی آواز ایکو میں ریکارڈ کرلیجئے اور اس منظر پر سُپر امپوز کیجئے۔ کافی فاصلے سے نُوری آرہی ہے وہ راہگیروں کو مُسکرا کر دیکھتی ہے اور بیگ جُھلاتی ہوئی آگے بڑھتی ہے۔ جب وہ کیمرہ کے عین سامنے آجاتی ہے تو ایک مکان کے سامنے رکتی ہے۔ جُھک کر ایک روڑا تلاش کرتی ہے پھر یہ روڑا ہاتھ میں لے کر مکان کی اُوپر والی منزل کی طرف دیکھتی ہے اور تاک کر اُوپر والی منزل کی ایک کھڑکی کا نشانہ بناتی ہے۔ کھڑکی کُھلتی ہے۔ لیکن نُوری کھڑکی کا انتظار نہیں کرتی اور آگے چل پڑتی ہے۔ کیمرہ نُوری کی پُشت پر آتا ہے اور اسے دُور تک سنسان گلی میں جاتا ہوا دکھاتا ہے۔ دیر تک اس کی جُوتیوں کی کھٹکاہٹ آتی رہتی ہے۔)

کٹ ——————

سین ۳
آوٹ ڈور
دن کا وقت

(رنگ محل کے پچھواڑے۔ وزیر خانی مسجد کی جانب جانے والی سڑک کا بازار ——

یہاں دُکانیں، کھوکھے اور ریڑھی والوں کی بھرمار ہے۔ اس بازار میں نُوری پوری لٹک کے ساتھ چلتی ہوئی داخل ہوتی ہے۔ وہ ایک کھوکھے کے سامنے کھڑی ہوتی ہے اور سامان دیکھنے لگتی ہے۔ یہ دکان اِمی ٹیشن جیولری، نقلی جُوڑے، کیوٹکس اور لپ سٹکوں سے بھری پڑی ہے۔ دکان کے ماتھے سے دو ڈنڈے آگے بڑھے ہوئے ہیں ایک پر رنگدار دوپٹے لٹک رہے ہیں اور دوسرے ڈنڈے پر ہر سائز اور وضع کی چوٹیاں لٹک رہی ہیں۔)

نُوری : (ایک پلاسٹک کا ہار اُٹھا کر) یہ کتنے کا ہے بھائی؟

دُکاندار : بیس روپے کا۔

نُوری : کوئی سونے کا ہے۔ پلاسٹک کی مالا اور بیس روپیہ کی۔ کتنا لُوٹتے ہو تم دُکاندار۔ توبہ جی توبہ۔

دکاندار : تیری پسلی نہیں ہے تو رہنے دے۔

نُوری : ہے کیا اس میں۔ بھٹے کے پھول بنا کر جوڑ دیتے ہیں۔

(ایک اور عورت اس وقت آجاتی ہے۔)

عورت : بھائی بٹن ہیں براؤن رنگ کے مردانہ سوئیٹر کے لیے؟

دُکاندار : دو سوراخ والے کہ چار والے؟

عورت : دو والے

(جس وقت عورت اور دُکاندار میں باتیں شروع ہوتی ہیں نُوری ایک کیوٹکس کی شیشی کھولتی ہے اور اپنے ناخنوں پر لگانے لگ جاتی ہے۔ دُکاندار دو چار پتّے عورت کو دکھاتا ہے وہ پسند کرتی ہے۔)

عورت : یہ ٹھیک ہیں۔ کتنے پیسے؟

دکاندار : تین روپیہ چالیس پیسے۔

(عورت پیسے دیتی ہے اور جاتی ہے۔)

دُکاندار : ہیں ہیں یہ کیا کر رہی ہے۔

نُوری : نیل پالش لگا رہی ہوں۔

دُکاندار : خریدنا ہے تو خرید — شیشی کیوں خراب کر رہی ہے۔

نُوری : توبہ جی توبہ — کتنا کنجوس ہے۔ دس ناخنوں پر پالش کیا لگالی آنکھیں باہر آ گئی ہیں — رکھ بابا اپنی شیشی اور گلے میں ڈال اپنا ہار — شوم کہیں کا — تبھی برکت نہیں پڑتی نا۔ (جاتے ہوئے) خواہ مخواہ روتے پھرتے ہیں مہنگائی کو — چڑی جتنا تو دل ہے دُکانداروں کا۔

(ویسے ہی جھولتی جھلاتی چلی جاتی ہے۔)

کٹ ———

سین ۴
ان ڈور
وہی وقت

(اسی محلے میں چلتی ہوئی نُوری ایک مطب کے قریب پہنچتی ہے، جس کی کرسی بار سڑک سے کوئی فٹ بھر اُونچی ہے۔ دروازے کی چوکھٹ پر بورڈ لگا ہے "حکیم عبدالغنی شکیبا"۔ اندر سے ہاون دستہ کُوٹے جانے کی آواز آ رہی ہے۔ قدرے اندھیرا ہے۔ حکیم شکیبا صاحب کا ہیولا صاف واضح ہے۔ نُوری اندر داخل ہوتی ہے تو حکیم صاحب کے خدوخال بھی واضح ہوتے ہیں پینتیس چالیس برس کا

خوبصورت نوجوان، سیاہ تراشواں داڑھی ہے جس نے اس کو قدرے معمر بنا دیا ہے)

نُوری : بیٹھ جاؤں حکیم جی؟

حکیم : (ہاون دستہ روک کر) ضرور بیٹھو۔

نُوری : کھڑی نہ رہوں جی؟

حکیم : جیسے تمہارا دل کرے۔

نُوری : مُربّہ لے لوں ایک ٹکڑا؟

حکیم : ضرور لے لو۔

نُوری : پیسے نہیں ہیں میرے پاس۔

(الماری میں رکھے مرتبان کی طرف رُخ کرتی ہے۔)

حکیم : میں نے مانگے کب ہیں نُوری۔

نُوری : اور جو کبھی مانگ بیٹھو حکیم جی —— پھر!

(مرتبان سے ایک پھانک نکال کر کھانے لگتی ہے۔)

حکیم : پھر وہ بھی دیکھ لیں گے۔

نُوری : تم اچھے ہو—حکیم جی—سچ!

حکیم : تیری مہربانی ہے نوری۔

نُوری : پر تم نے شادی نہیں کی نا—— یہ اچھا نہیں کیا۔

حکیم : (اس کی طرف دیکھ کر محبت سے مُسکراتا ہے۔)

نُوری : کیا پتہ بابا کر بھی رکھی ہو اور ہم کو بتایا ہی نہ ہو۔

حکیم : یہ بھی ہو سکتا ہے۔

نُوری : ویسے حکیم جی؟

حکیم : [illegible] جی

نُوری : تم بڑے گھنّے ہو۔ کچھ پتہ ہی نہیں چلتا تمہارا جو بات تم سے پوچھو آدھا سا جواب دیتے ہو۔ یہ جو تمہارے دانت ہیں نا حکیم جی۔ اور آنکھیں ہنستی ہوئی۔ ان کو میں نے ــــ

(اُوپر سے اس کی ماں داخل ہوتی ہے۔)

ماں : اے تیرا ستیاناس جائے نُوری ــ تُو مجھے مروا کے چھوڑے گی ایک دن۔

نُوری : ایک دن تو سبھی کو مرنا ہے ماں۔

ماں : اُٹھ چل ــ دفع ہو میرے ساتھ ــ م ــ میں سارے علاقے میں تجھے ڈھونڈ کے آ رہی ہوں۔

نُوری : تُو سیدھی اسی جگہ آجاتی ماں ــــ حکیم جی کے پاس۔

ماں : چل اُٹھ اب ــ اور لگ میرے آگے ــ تیری ہڈیاں سیکوں گھر لے جا کر۔

(نوری اسی طرح مربّہ کھاتی کھاتی مطب سے باہر نکلتی ہے۔)

ماں : (پلٹ کر) حکیم جی اسے اپنے پاس نہ آنے دیا کرو۔

حکیم : اچھا جی

(ماں باہر نکل جاتی ہے حکیم جی پھر ہاون دستہ میں ہڑ بہیڑا کوٹنے لگ جاتے ہیں۔)

ـــــــــــــ کٹ

سین ۵
آوٹ ڈور
کچھ دیر بعد

(نُوری اور اس کی ماں بازار میں ایک دوسرے کے پیچھے چلی جا رہی ہیں۔ راستے میں

ماں آگے ہو جاتی ہے۔ نوری پیچھے چلنے لگتی ہے۔ ماں گھر کے اندر داخل ہوتی ہے تو نوری کا باپ اندر ایک کونے میں تخت پوش پر بیٹھا دیوار کے ساتھ لٹکائی ہوئی لائیٹ مرچیں جلا بجھا کر دیکھ رہا ہے۔ سامنے مرمّت کے لیے آئی ہوئی ایک استری کھلی پڑی ہے۔ ایک ٹوٹا ہوا ٹیبل فین تخت پوش کے دوسرے کنارے پر ہے۔ زمین پر بجلی کا کچھ اور سامان (جو لنڈے سے لیا جائے) رکھا ہے جن میں کوائیل وغیرہ اور پرانی موٹروں اور ڈائینمو کے کھوکھے وغیرہ رکھے ہیں۔)

ماں : (داخل ہوتے ہی) میں تنگ آگئی ہوں اس بدبخت سے!

باپ : کس بدبخت سے تنگ آگئی ہو؟

ماں : نوری سے اور کس سے! ڈیڑھ گھنٹہ لگا کر تلاش کر کے لائی ہوں اس آواری کو — اور کیا مجال جو اس کے کان پر جوں تک رینگ جائے۔ (غصہ سے) کیوں نی جب تجھے پتہ تھا (پلٹ کر دیکھتی ہے) اچھی طرح سے (آواز دے کر) کہاں مر گئی ایک بار پھر۔

باپ : پتہ نہیں کس کو ڈھونڈتی رہی گھنٹہ بھر!

ماں : نوری کو — تیری — اب سُنتے ہو میرے مُنہ سے کچھ اور — وہ تو زندہ نہ رہا (رو کر) جو آنکھ کا تارا تھا اور ہمارا آگے کا سہارا تھا۔ اور یہ زندہ رہ گئی آواری۔ ہمیں دُکھ دینے کو بدبخت — بدنام کرتے کو — بے عزّت زمانے بھر کی۔

(غصہ میں پھر گھر سے باہر نکل جاتی ہے۔ اور اسی بازار میں آگے کو چلنے لگتی ہے۔ دیکھتی کیا ہے کہ نوری ایک چھابڑی والے سے مُونگ کے لڈّو کھا رہی ہے۔ چھابڑی والے نے مونگ کے ایک لڈّو میں دھاگہ پرو رکھا تھا اور وہ اسے جھلا رہا ہے۔ نوری بڑا سا مُنہ کھول کر اس پر حملے کرتی ہے اور بالآخر اس لڈّو کو اپنے منہ میں دبوچ لیتی ہے اُوپر سے ماں آ کر اس کو چٹیا سے پکڑ لیتی ہے اور پیچھے کو کھینچتی ہے۔

نوری کے مُنہ میں لڈو ہے۔ پیچھے کھینچے جانے کی وجہ سے لڈو کا دھاگہ چھابڑی والے کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ ماں نوری کو اسی طرح بازار میں لئے آ رہی ہے۔)

کٹ ________

سین ۶
ان ڈور
شام کا وقت

(نمازِ عصر کے وقت حکیم صاحب اپنی دُکان کے باہر چبوترے پر بیٹھے وضو کر رہے ہیں۔ پاس ہی پھتّو لاچا اور واسکٹ پہنے ایک پرچ میں سے معجون انگلی پر لگا لگا کر کھا رہا ہے۔)

پھتّو : میٹھا کُش کم رہ گیا حکیم جی۔

حکیم : اور ڈال لیں گے۔

پھتّو : گُڑ نہیں ڈل سکتا؟

حکیم : ڈل تو سکتا ہے پر اس سے تاثیر بدل جائے گی۔

پھتّو : پھر اس طراں سے بھی ہو سکتا ہے کہ ــ بھئی ۔۔۔

(گاموں جولاہا، سیدھا سائیں آدمی گھبرایا، سراسیمہ، حواس باختہ فیلڈ میں داخل ہوتا ہے۔)

گاموں : (آف کیمرہ) حکیم جی۔ حکیم جی۔ جلدی کرو جی۔ (اِن کیمرہ) جلدی حکیم جی۔ کاکے نذر محمد کو دورہ پڑ گیا ہے دوبارہ۔

حکیم : (مسح کرتے ہوئے ہاتھ روک کر) گولی کھلائی تھی اس کو؟

گاموں : گولی تو جی حکیم جی شام کو دینی تھی۔ آپ اُٹھیں جی میرے ساتھ چلیں۔ میرے نذر محمد کو کچھ ہو گیا تو کچھ بھی نہیں رہ جانا اس دنیا میں۔ (رو کر ہاتھ باندھ کر) جلدی حکیم جی جلدی۔

پھتّو : اوئے بھئی دیکھ نہیں رہے حکیم صاحب وضو کر رہے ہیں۔

گاموں : (روتے ہوئے) میرے مولا جی۔ حکیم جی۔ بعد میں جی پہلے میرے نذر محمد کو دیکھ لیں چل کر جی۔

پھتّو : ہے کر نہیں بے عقل۔ اوئے نماز پڑھے بغیر کیسے جا سکتے ہیں تیرے ساتھ ــ پہلے نماز پھیر دنیاداری۔

حکیم : (وضو کرنا چھوڑ کر جوتا پہن رہے ہیں) چلو جی گاموں صاحب۔

پھتّو : نماز تو پڑھ لیتے حکیم جی۔

حکیم : نماز کی قضا ہے پھتّو صاحب لیکن خدمت کی کوئی قضا نہیں۔ جب بھی فریاد دُکھ آجائے یا ضرورت مند طلب کرے، خدمت اُسی وقت فرض ہو جاتی ہے ــ چلو جی گاموں جی۔

(دونوں فیلڈ سے باہر نکل جاتے ہیں۔ پھتّو حیران ہو کر دیکھتا ہے پھر پرچ میں سے انگلی کے ساتھ معجون چاٹنے لگتا ہے۔)

کٹ ــــــــــ

سین ۷

ان ڈور

دن کا وقت

(حکیم صاحب مطب والی الماری کے پاس زمین پر چھوٹی صف بچھائے طب اکبری

سے نسخہ نقل کر رہے ہیں اور ان کی ساری توجہ کتاب پر ہے۔ نوری دبے پاؤں آتی ہے اور ان پر سے ہوکر الماری کھولتی ہے۔ حکیم صاحب چونک کر پوچھتے ہیں۔)

حکیم : کیا چاہیے؟

نُوری : چُورن حکیم جی۔ میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔

حکیم : مجھ سے کہا ہوتا!

نُوری : آپ تو لکھ رہے ہیں نا حکیم جی۔ آپ سے کہتی تو آپ کا حرج ہوتا۔ مجھے خود پتہ ہے کہ چورن کہاں رکھا ہے۔ پتہ ہے نا جی؟

حکیم : تجھے تو ہر بات کا پتہ ہے۔

نُوری : یہ ڈبیہ نئی بنائی ہے؟

حکیم : ہوں

نُوری : کیا ہے اس میں؟

حکیم : ہے کچھ۔

نُوری : خون بنانے کی دوا ہے — لالی کی؟

حکیم : ہاں

نُوری : میں لے لوں؟

حکیم : لے لو۔

(نوری وہاں سے ڈبیہ اٹھا کر اور الماری سے ذرا سی پشت لے کر سیدھی کھڑی ہوتی ہے، مُسکراتی ہے اور اِٹھلاتی ہوئی باہر نکل جاتی ہے۔ اُوپر کا سین ٹی وی کی دُنیا میں ایک اعلیٰ درجہ کا شاٹ بنانے کے لیے بھی لکھا گیا ہے۔ کیمرہ ایک مرتبہ صفت پر بیٹھے ہوئے حکیم جی کے نقطۂ نظر سے جُھکی ہوئی نوری کو دکھاتا ہے اور دوسری مرتبہ جُھکی ہوئی مٹیار نوری کے نقطۂ نظر سے نیچے بیٹھے ہوئے جذباتی

طور پر بے چین مگر صابر حکیم جی کو دکھاتا ہے۔)

کٹ ____________

سین ۸
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(گلی کا وہی حصّہ ۔ جہاں نُوری نے چوبارے کی کھڑکی میں روڑا مارا تھا۔ نُوری نے اس وقت برقعہ پہن رکھا ہے۔ نقاب اُلٹا ہوا ہے وہ فاصلے سے آرہی ہے منظر پہ اس کی اُونچی ایڑی کی آواز سُپر امپوز کیجیے۔ وہ مکان کے قریب آتی ہے اور حسبِ عادت اُوپر والی کھڑکی پہ روڑا مارتی ہے۔ پھر گلی میں آگے پیچھے غور سے دیکھتی ہے کچھ دیر رُکتی ہے۔ کھڑکی اُوپر سے نہیں کُھلتی۔ تو نُوری گھر کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے۔)

کٹ ____________

سین ۹
ان ڈور
دن کا وقت

(ایک اندرون شہر کا گھر۔ جس کا آنگن درمیان میں اور چاروں طرف کمرے ہوتے

ہیں اس وقت نُوری نلکے کے پاس رکھے ہوئے تخت پوش پر بیٹھی ہے۔ اس نے اُوپر والا نقاب اُتار رکھا ہے اور صرف کوٹ پہن رکھا ہے۔ فضل اس کے پاس کھڑا ہے اور گنّے کو چاقو سے چھیل رہا ہے۔ جب پوری صاف ہو جاتی ہے تو وہ اس کی گنڈیریاں بنا کر نُوری کو دیتا ہے، جو مزے سے اس کو چوستی ہے۔)

فضل : اچھا ایک دن میں تجھے پھنساؤں گا بلّی طرح — تُو روڑا مارے گی، میں کھڑکی بند رکھوں گا۔ تو سمجھے گی گھر پر کوئی نہیں، فٹ آجائے گی اندر (نقل اُتار کر) السلام علیکم جی۔

نُوری : پھر؟ — پھر؟

فضل : پھر سب اندر ہوں گے۔ چاچا جی، بے بے، بھائی قاسم، نانا جی، ابّا —

نُوری : پھر پھر — ؟ بول پھر؟ پھر کیا ہوگا؟

فضل : پھر — سب مل کر تجھ پر ایسے جھپٹیں گے جیسے چیل آتی ہے بسنتی چوزے پر۔

نُوری : کیوں ؟

فضل : کیوں ؟ حد ہے — جدّی پُشتی دشمنی ہے ہماری۔ پوچھتی ہے کیوں، اُلّو کی سالی!

نُوری : پڑی ہو — ہمیں کیا لینا ہے دشمنی سے فضل۔

فضل : ابھی تو ہم سب چھریاں تیز کرتے ہیں تیرے گھر والوں کے لیے۔ ابّا ابھی بھی اپنے بھائی کو یاد کر کے روتا ہے۔ بھولتی نہیں اسے چاچے گلزار کی شکل۔

نُوری : اور میرے جوان بھائی کو قتل کر دیا تیرے مشٹنڈے مامے نے۔ وہ کچھ نہیں ہوا۔ تیرے گھر میں میرے ساتھ کچھ نہیں ہوگا۔ ہاں، میری ماں کو پتہ چل گیا کہ میں یہاں آتی ہوں تو وہ میرے ڈکرے کر دے گی — گنڈاسا لے کر۔

فضل : پھر تیری ماں کا قیمہ میں بناؤں گا — چھوٹی بوٹی کا اور ڈالوں گا گندے نالے میں آدھی رات کے وقت، جب چوکیدار سیٹیاں بجاتے ہیں۔

نُوری : اے ہے۔ میری ماں کا قیمہ — مُنہ دیکھ اپنا۔ مُردے نکالنے والا بجّو کہیں کا۔

مُردے کھا۔ بجّو بھا۔

فضل : تُو بھی کتّے کی دُم ہے نوری۔ تجھے بھی اس گھر میں لا کر سیدھا کرنا پڑے گا۔ فرمے پر چڑھا کر، چابک بجا کے۔

نُوری : اس گھر میں — میری ماں کا نہیں پتہ۔ وہ مجھے اس گھر میں بھیجنے کے بجائے زہر دے دگی۔

فضل : میں لاؤں گا تجھے بیاہ کر یہاں — پھر دیکھوں گا کون تجھے کچھ کہتا ہے۔

(نوری ہنستی ہے)

نُوری : تُو — ؟ شکل دیکھی ہے اپنی — (ہنستی ہے) شادی ؟ تیرے جیسے بجّو سے تو شادی کرنے سے پہلے میں خود زہر پی لوں گی، گوں گپتوں میں بھر کر۔

فضل : بھائی فرید کو بھی میں نے خط ڈال دیا ہے دوبئی۔

نُوری : خط ؟ — کیسا خط ؟ !

فضل : چھ مہینے سے دوبئی جا بیٹھے ہیں کچھ آ کر میری مدد کریں روپیہ بنانے کے پیچھے پڑے ہیں۔

نُوری : کیسی مدد ؟

فضل : کچھ تجھے آ کر سیدھا کریں۔ کچھ اپنی ماں کو راضی کریں۔ کچھ تیری ماں پر ٹٹو ڈالیں۔

نُوری : اوئے ہوئے کیا کیا بند و بست کر رہا ہے بیچارا۔ کسی وہم میں بتلا نہ ہو جانا۔ میرا تو من موجی ہے بخیر خیریت پتہ کرنے کو جی چاہتا ہے، چلی آتی ہوں کہیں یہی سمجھتا ہو کہ فضل شاہ کے پیچھے آتی ہے نوری۔

(ٹھینگا دکھاتی ہوئی جاتی ہے)

فضل : ایک دن تجھے ہمارے گھر آنا پڑے گا۔

نُوری : (ٹھینگا دکھا کر) انشاء اللہ — پر تو منہ دھو رکھ اپنا۔ بجّو شاہ — ! یہاں میری شادی قیامت تک نہیں ہو سکتی۔

——— کٹ

سین ۱۰
ان ڈور
شام

(نُوری کا گھر۔ آنگن ۔ اس وقت آنگن میں ایک گول مونڈھے پر نوری کا ماموں زاد بھائی فیروز بیٹھا ہے۔ یہ نوجوان رنگ محل میں چینی کے برتنوں کی دُکان کا مالک ہے۔ اس نے پینٹ قمیض اور جناح کیپ پہن رکھی ہے ۔ وہ اس وقت گود میں آج کل کے مروجہ جاسوسی ڈائجسٹ کو کھول کر بڑے انہماک سے پڑھ رہا ہے۔ نوری برقعہ پہنے چھوٹے بغلی دروازے سے داخل ہو کر اندر آتی ہے ۔ اور پیچھے سے آکر فیروز کی پُشت میں زور سے مُکا مارتی ہے ۔ اس وقت ماں جو اندر سے چائے کا ٹرے لے کر آرہی ہے رُکتی ہے ، غور سے دیکھتی ہے اور اندر کی طرف واپس لوٹتی ہے ۔)

نُوری : (جس نے ماں کو نہیں دیکھا) اوئے ہوئے پڑھاکو !

فیروز : توبہ کتنے زور سے مارا ہے میرا کندھا ہی توڑ دیا تُو نے ۔

نُوری : دکان پر جاؤ تو کتنا ڈانٹ رہا ہوتا ہے گاہکوں کو ۔۔۔ (نقل اُتار کر) اوجی یہ فرانسیسی گلاس ہیں ۔ ایک سو آٹھ روپئے کے درجن ۔ لینے ہیں تو لیں ورنہ جائیں ۔ ماں کے کیا رعب ڈال رہا ہے پڑھائی کا ۔

فیروز : میں رعب تو نہیں ڈال رہا تھا ۔ میں تو پڑھ رہا تھا ۔

نُوری : کیا پڑھ رہے تھے چینی کے تاملوٹ ؟

فیروز : کنگفو اور ہیرے کی داستان

(ماں اندر سے آواز دیتی ہے ۔)

ماں : نوری ! ۔۔۔ نوری

نُوری : جی اماں — آئی۔

فیروز : سُن تو سہی — تیری ماں کا مُوڈ کیسا ہے ؟ (ماں پھر آواز دیتی ہے۔)

نُوری : آواز نہیں آ رہی — ایسا ہی مُوڈ ہے۔ ملزم کو لمبا ڈال کر بینت مارنے والا۔

فیروز : (اُٹھتا ہے۔) تو میں جاؤں ؟

نُوری : نہیں بیٹھا رہ۔ تیری تو پھوپھی ہے تجھے تھوڑی کچھ کہے گی۔ ماں تو میری ہے چمڑی تو میری اُدھیڑے گی۔

(ماں پھر آواز دیتی ہے۔ نوری اندر جاتی ہے۔)

کٹ ————

سین ۱۱

ان ڈور

وہی وقت

(نُوری کی ماں کا کمرہ۔ ماں غصّے میں لال پیلی پلنگ پر بیٹھی ٹانگیں جھلا رہی ہے۔ نوری چنّی اُٹھا کر اندر داخل ہوتی ہے۔)

نُوری : جی بادشاہو ؟

ماں : باہر کیا کر رہی تھی ؟

نُوری : میں گئی تھی ماں — چاچی نذیراں کے پاس ابّا نے بھیجا تھا کہ پوچھ آؤں مہندی والے دن بتیاں لگنی ہیں کہ شادی والے دن کہ دونوں دن — میرا مطلب ہے دونوں راتیں —

ماں : میں وہ نہیں پوچھ رہی ـــــ وہ سب مجھے پتہ ہے۔ میں پوچھ رہی تھی کہ تو باہر کیا کر رہی تھی ابھی ؟

نُوری : ابھی ـــ ابھی برقعہ کھول رہی تھی پیچ گنڈ پڑ گئی تھی بڑی مشکل سے کھلی۔

ماں : اس سے پہلے جب تو فیروز کے مونڈھے کے پیچھے کھڑی تھی ؟

نُوری : وہ ذرا ایسے ہی ماں ـــ میرے مامے کا بیٹا جو ہوا فیروز ہنسی مذاق کرنا پڑتا ہے نا ـــ سمجھا کر ـــ ورنہ مامی ناراض ہو جائے گی۔

ماں : پکڑ کے دھموکا مار دیا اس کے کندھے پر ـــ یہ کوئی عقل کی بات ـــ کیا سمجھتا ہو گا وہ ـــ

نُوری : تو کیا اس کا دستِ مبارک چُوم لیتی ؟ ـــ ہے ناماں بھی بالکل پاگل ! ـــ

ماں : تجھے کس دن عقل آئے گی آوارہ ؟ گھر گھر تیرے قصے، ہٹی ہٹی تیرا ادھار.... بندہ بندہ تیری باتیں کرتا پھرتا ہے۔

نُوری : تُو خوش ہوا کر ماں ـــ آج کل تو لوگ اپنی مشہوری کے لیے پلے سے خرچ کر کے اخباروں میں فوٹو چھپواتے ہیں۔ تیری بیٹی کا مقدر دیکھ ـــ بغیر پستول چلائے بغیر اغوا ہوئے ـــ بغیر فلموں میں گئے تیری بیٹی مشہور ہو گئی ہے ـــ اور کیا چاہیئے تجھے ؟

ماں : (ٹوپی پلنگ سے اٹھا کر) یہ ٹوپی ؟ ـــ یہ کس کی ہے ؟

نُوری : یہ ٹوپی ـــ یہ ہے الیاس بلے کی۔

ماں : ان کا پکا مولویوں کا گھرانہ ـــ تو جو کل الیاس بلے کی ٹوپی پہن گھر آ گئی تو کیا وہ باتیں نہیں بنائیں گے ـــ نوری ؟ آواری ٹھیک ہو جا ـــ ٹھیک۔

(نُوری ماں کے ہاتھ سے ٹوپی لے کر اپنے سر پر رکھتی ہے۔)

نُوری : ذرا نہیں سج رہی تھی اس کے ـــ میں نے پہن لی۔ سچ بتا اماں میرے سجتی ہے

نال ٹوپی ؟

ماں : (غصّے سے) ادھر آ میرے پاس ۔

: مارے گی تو نہیں ؟

ماں : نہیں —

نوری : پہلے تُو وعدہ کر اماں مارے گی نہیں۔

ماں : تو ادھر آ نوری — ادھر میرے پاس ۔

(نوری آہستہ آہستہ ماں کے پاس جا کر بیٹھتی ہے۔)

ماں : طفیل نے اپنے بیٹے کے لیے کہا — اچھا کھاتا پیتا گھرانہ — لڑکے کی اعظم مارکیٹ میں دوکان — تُو نے اپنی بوتھی ہلا دی — ناں ماں ناں! یہاں نہیں —

نوری : اوہ نہیں اماں — میرے کس کام کا شوکت — سامنے کے دو دانت ٹوٹے ہوئے، پُرانے گز کی طرح لمبا پتلا — سوا دو روپئے میٹر۔

ماں : تو اس فیروز سے شادی کر لے — تیرے مامے کا بیٹا ہے — اتنا کاروبار ہے کچّے برتنوں کا۔

نوری : فیروز سے ؟ — اس جاسوسی ناول پڑھنے والے سے ؟ ہائے ماں تجھے کیا ہوا ہے — کچّے برتنوں کے بیوپاری بڑے کچّے ہوتے ہیں۔

ماں : تو گلبرگ والے ڈاکٹر صاحب کا بھائی ہے۔ وہ لوگ تو اچھے ہیں — پڑھے لکھے، خوبصورت ۔

نوری : جب میں نے ایک بار، دس بار، سو بار، ہزار بار تجھے کہہ دیا ہے کہ مجھے شادی نہیں کرانی پھر؟ پھر تُو نے ضرور لڑکے ڈھونڈتے پھرنا ہے — تجھے شوق ہے شادی کا تو تُو ایک اور کرا لے — چل میری اجازت ہے —

ماں : کیسی زبان کھُلی ہے اس کی — کوئی ماں کو ایسی باتیں کہتا ہے بے شرم!

نُوری : تو شرافت سے مانتی جو نہیں میری بات — تو روز مونگرے پکاتی ہے میں نے کھائے
ہیں کبھی — تو ہر روز مجھے نہانے کو کہتی ہے کبھی نہائی ہوں میں تیرے کہنے پر —
تو ہر صبح مجھے جگاتی ہے — کبھی نماز پڑھی ہے میں نے فجر کی — عجیب ماں ہے
اپنی اولاد کو نہیں سمجھتی ابھی تک۔

ماں : تو بیٹھی رہے گی یونہی — ساری عمر۔

نُوری : ہاں! بڑے شوق سے — مزے سے۔

ماں : کچھ پتہ تو چلے تو کس سے شادی کرانا چاہتی ہے۔

نُوری : اگر پتہ چل جائے تو پھر کیا فرق پڑے گا۔ تو کون سا مان جائے گی۔

ماں : لیکن وہ ہے کون ؟

نُوری : بتا جو دیا کہ تجھے پسند نہیں آئے گا — زیادہ پوچھ کر کیا لے گی خواہ مخواہ عادت
پڑی ہے تجھے باتیں پوچھنے کی۔

ماں : پھر بھی — ؟ (نُوری مسکراتی ہے) ڈاڑھی رکھی ہے ؟

نُوری : ہاں! بڑی نورانی۔

ماں : غریب ہے ؟

نُوری : خدا نہ کرے۔

ماں : اس محلے میں رہتا ہے کہ دور ؟

نُوری : دور نہ پاس .... (ہنس کر) بس رہنے دے تُو نہیں بوجھ سکتی — تیری عقل
ہی نہیں پہنچ سکتی وہاں تک!

ماں : علاج کرتا ہے لوگوں کا ؟

نُوری : ہاں —

ماں : شکل سے بھولا بھالا لگتا ہے لیکن گھنّا ہے — آوارہ!

ماں : بالکل ماں بالکل — لیکن رہنے دے تیرے فرشتے بھی توجہ نہیں سکتے۔

(اس وقت چق اٹھا کر فیروز اندر دیکھتا ہے۔)

فیروز : پھوپھو جی میں اندر آجاؤں ؟

نوری : آئیے آئیے — آپ کیوں باہر بیٹھے رہیں اکیلے — ماما جی نے ضرور داتا دربار کے سامنے کسی فقیرنی سے لے کر تجھے پالا ہے — ہمیشہ بھیڑ بھاڑ میں جی لگتا ہے تیرا — آؤ جی آؤ — اماں ذرا اس کی طبیعت بھی خوش کر دے۔

فیروز : میں چلا جاؤں پھوپھو جی ؟

ماں : اس کی باتوں میں نہ آجانا — یہ اٹھا لا چائے۔ ادھر آجا میرے پاس۔

نوری : ادھر آجا اماں کے پاس — یہاں جامنوں جھڑ رہے ہیں درخت سے ..... آجا — کھائے۔

(فیروز چائے کا ٹرے اٹھاتا ہے پھر چائے کے برتنوں پر آتا ہے۔)

ڈزالو ———

سین ۱۲
آؤٹ ڈور
شام کا وقت

(نہر کے کنارے — شام کا جھٹپٹا — ایک فاصلے سے نوری کی ماں۔ لہو میں سنے ہوئے کچھ کپڑے اٹھائے لاتی ہے اور ان کو پانی میں بہا دیتی ہے۔ پھر پانی میں ہاتھ ڈال کر دھوتی ہے، اٹھتی ہے اور چلتی ہے۔ یہ جگہ گاؤں کا ماحول ہے —

کھلے میدان سے کچھ فاصلے پر ایک جھگی نظر آتی ہے۔ نوری کی ماں جھگی تک آتی ہے)

کٹ ———

مکس ان ٹو
سین ۱۳
ان ڈور
شام کا وقت

(غریبانہ دیہاتی جھگی۔ اس وقت سر پر سیاہ دوپٹہ باندھے زچہ کی صورت بنائے نوری کھیس اوڑھے پلنگ پر لیٹی ہے۔ اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھی دائی بچے کو نہلانے دھلانے کے بعد چادر میں لپیٹ رہی ہے ماں اندر آتی ہے وہ غصہ سے بھوت ہو رہی ہے۔)

ماں : جی تو چاہتا تھا کہ گندے کپڑوں کے ساتھ ہی اس گناہ کی گانٹھ کو بھی نہر میں ڈال آؤں۔

نوری : نہ ماں نہ — اس نے تیرا کیا بگاڑا ہے؟ (دُکھ سے) ابھی تو دنیا دیکھی ہے اس نے اپنی ماں کی — پہلی بار۔

ماں : اس کو کہاں لے جاؤں — ؟ کس کے پاس لے جاؤں؟ تیرا باپ اس کو دیکھ کر خوش ہو گا؟ محلے والے اس سوغات کی خوشی منائیں گے۔

دائی : (کان پر سننے کے انداز میں ہاتھ رکھ کر) بی بی بے فکر رہو بالکل میں نے کاکا جی کو اچھی طرح لپیٹ دیا ہے — ٹھنڈ نہیں لگے گی —

ماں : تیری ماسی اس بولی دائی کا پتہ نہ بتاتی تو اس وقت محلے میں یہ بدبخت رو رہا ہوتا —— ساری عزت خاک میں مل جاتی تیرے باپ کی۔

نوری : جو مرضی ہے کہہ لے ماں —— جو مرضی ہے کر لے —— لیکن اتنا یقین رکھ یہ ایک بڑے نیک آدمی کا بچہ ہے۔

ماں : نیک ! —— یہ نیکی ہے اس کی ہمارے منہ پر کالک مل کر رفوچکر ہو گیا ہمیں بدنامی میں پھنسا کر خود غائب ہو گیا ——

نوری : وہ اگر آ بھی جاتا ماں تو تُو کبھی بچہ اس کے حوالے نہ کرتی !

ماں : دیکھ نوری میں نے بڑا صبر کیا . . . . تیرے گناہ کو چھپایا لیکن اب تُو مجھے سچ سچ بتا دے اس کا باپ کون ہے ورنہ —— تو میرا اعتبار نہ کر میں اسے نہر میں پھینک دوں گی ——

نوری : نہاں —— ماں ناں —— خدا قسم ——

(رونے لگتی ہے۔)

ماں : میرے غصے کا کچھ پتہ نہیں میرے ہاتھوں یہ بچے گا نہیں۔

نوری : گلا دبانا ہے تو میرا دبا —— تو اس کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہے ؟

ماں : یا تو مجھے بتا دے اس کا باپ کون ہے —— یا یہ مجھ سے بچ نہیں سکتا۔

دائی : (فاصلے سے) بچ جائے گا دودھ بھی پچ جائے گا آہستہ آہستہ —— ابھی تو گڑتی کھلائی ہے بی بی کچھ وقت لگے گا —— دودھ بھی پچے گا — کیا ہاتھ پیر ہیں کاکا جی کے —— دیکھنا بی بی جی۔

ماں : (پلنگ پر جھک کر) کون ہے اس کا باپ نوری —— بتا جلدی نہیں تو —— نہیں تو بچہ نہیں رہے گا پھر۔

نوری : ہے ماں ہے —— ایک اللہ کا بندہ۔

ماں : ڈاڑھی ہے ؟

نُوری : ہاں ہاں ـــ

ماں : علاج کرتا ہے لوگوں کا ؟

(نُوری سر ہلاتی ہے ۔)

ماں : میں پہلے ہی سمجھ گئی تھی ۔ جب نہ تب ہر وقت اس گھنے حکیم کے پاس گھسی رہتی تھی ـــ اس نے بھی تجھے بادام مربّے کھلا کھلا کر رام کر لیا تھا ۔ بدمعاش ۔ آوارہ ۔

نُوری : (رو کر) حکیم صاحب کو کچھ مت کہہ ماں ـــ ایسے ہی تو ان کے پیچھے پڑ گئی ہے ۔

ماں : ہاں تجھ کمبخت کی تو ساری ہمدردی اس سے ہے ۔

نُوری : باپ جو ہوا بچّے کا ماں ـــ ہمدردی کیسے نہ ہو ؟

دائی : بڑا ہو کر حکیم بنے گا ـــ دیکھو بی بی جی کیسی آنکھیں ہیں جیسے نسخہ سوچ رہا ہو ...

(کیمرہ نُوری پر آتا ہے اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں ۔)

ـــــــــــــ کٹ

سین ۱۴

آؤٹ ڈور

رات کا وقت

(رات کا پہلا پہر ہے ۔ سردیوں کا موسم ہے ۔ حکیم صاحب کے مطب کا دروازہ بند ہے لیکن اندر سے لائیٹ چھن چھن کر آ رہی ہے جو دروازے کی جھریوں اور سوراخوں سے نمایاں ہے ۔ اندر سے حکیم صاحب کے ہارمونیم پر گانے کی آواز آ رہی ہے :

بیا جاناں تماشا کن کہ در انبوہ جانبازاں

بہ صد سامان رسوائی سر بازاری رقصم

اس شعر کے دوران ایک آدمی سر پر چائے کا سماوار اور ہاتھ میں بالٹی پکڑے گزرتا ہے اور پھر ایک ریڑھی والا اپنا سودا سلف فروخت کرنے کے بعد آہستہ آہستہ ریڑھی دھکیلتا ہوا گھر واپس جا رہا ہے۔ نُوری، اس کی ماں اور اس کا باپ چوروں کی طرح حکیم صاحب کی دُکان کے سامنے آتے ہیں۔ سب سے آگے باپ ہے۔ جو خوفزدہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہے ماں نے بچہ اُٹھایا ہوا ہے۔ نُوری نے ماتھے پر کَس کر دوپٹہ باندھا ہُوا ہے۔ نُوری پژمردہ ہے۔ باپ خوفزدہ ہے۔ ماں خوفناک ہے۔ وہی دروازے پر دستک دیتی ہے۔ اندر سے گانے کی آواز بند ہوتی ہے۔ پھر دروازہ تھپتھپایا جاتا ہے۔)

حکیم صاحب : (آف کیمرہ) کون ہے ؟

باپ : دروازہ کھولو حکیم صاحب

ماں : (باپ سے) اب کھولے گا تو نہیں مکّار — دغا باز

نُوری : کھولے گا ماں — کھولے گا —

باپ : میں نے کہا تھا نُوری کی ماں کہ بولنا نہیں زیادہ —

(حکیم صاحب دروازہ کھولتے ہیں اور ان سب کو پہچان کر کہتے ہیں۔)

حکیم : (خوش دلی کے ساتھ) اوہو

(تینوں جلدی سے مطب کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ باپ دروازہ بند کر دیتا ہے۔ حکیم صاحب کچھ گھبرائے اور کچھ بوکھلا سے جاتے ہیں۔)

ماں : (غصّے سے) یہ سنبھالو اپنی سوغات

حکیم : سوغات !

باپ : اپنے گناہوں کی گٹھڑی

حکیم : گمشدڑی !

باپ : (رو کر) تم نے ہمارے گھرانے کو جس طرح لوٹا ہے ظالم اس طرح سے تو کافر بھی نہیں کرتا۔

حکیم : کافر!

ماں : ہم نے تیرا کیا بگاڑا تھا کتے ! جو تُو نے ایسا بدلہ لیا ہم سے۔

حکیم : بدلہ !

ماں : بول بدبخت تُو کیوں نہیں بولتی — بڑی شریف زادی بن کر کھڑی ہے پردے کی بو بو — آواری !

نُوری : تُم نے میرے ساتھ جو کچھ کیا حکیم جی اس کی سزا تو خدا دے گا — لیکن تمہارے جُرم کی اس نشانی کو میں اپنے پاس نہیں رکھ سکتی — سنبھالو اس کو !

باپ : (چاقو نکال کر) اگر زندگی پیاری ہے تو اس لعنت کو اپنے پاس رکھو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

ماں : کالے کلنک کو !

حکیم : لیکن یہ تو بچہ ہے۔

نُوری : اور یہ تمہارا بچہ ہے — میرے بطن سے۔

ماں : گندے خون کا گندہ نشان !

حکیم : آپ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہی ہوگا۔

ماں : ٹھیک ہے — تو سنبھالو اسے۔ رکھو اپنے پاس۔

حکیم : جی ! دے جائیے !

(ماں اس کو بچہ دیتی ہے۔ وہ حیران، خاموش، غمناک بچے کو لے لیتا ہے اور کوئی جذبہ ظاہر نہیں کرتا۔)

باپ : اور اگر آئندہ کبھی ہم سے تعلق رکھنے کی کوشش کی ظاہرا یا خفیہ تو تمہاری لاش نہیں ملے گی اس ملک میں —

(حکیم خوفزدہ ہو کر نفی میں سر ہلاتا ہے اور ہلاتے جاتا ہے۔)

فیڈ آوٹ ______

سین ۱۵
آوٹ ڈور
دن

(حکیم صاحب بچہ کندھے سے لگائے ۔گرد کمبل لپیٹے "بھائی پھیرو" کے بازار میں ایک دروازے پر کنڈی بجا کر انتظار کرتے ہیں۔ اندر سے ایک زمیندار صاحب نکلتے ہیں۔)

حکیم : السلام علیکم چوہدری صاحب۔

چودھری : وعلیکم السلام جی — فرماؤ۔

حکیم : میرا نام حکیم عبدالغنی ہے۔ یہ میرا ایک چھوٹا سا بچہ ہے دس دن کا — "میری بیوی" فوت ہو گئی ہے اور مجھ کو .... ایک دوکان کی تلاش ہے۔

چودھری : کچھ زیادہ ہی گھبرائے ہوئے ہو حکیم صاحب۔

حکیم : وہ جی .... بازار میں کسی نے بتایا تھا کہ آپ کی کچھ دوکانیں ہیں، نئی، کرایہ کے لیے۔

چودھری : کیوں نہیں۔ کیوں نہیں — بڑی دوکانیں حکیم جی — بڑی — آؤ میرے ساتھ — بڑا فضل ہے اللہ مولا کا — آؤ — آؤ —

(دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور دور تک لانگ شاٹ میں چلے جاتے ہیں — پھر ایک طرف کو مڑ جاتے ہیں۔)

کٹ ______

سین ۱۶
ان ڈور
دن کا وقت

(نوری کے گھر کا آنگن — اس وقت نوری چپ چاپ تخت پوش پر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھی ہے اس کے گھٹنوں کے ساتھ اون کا لچھا لپٹا ہے اور وہ ہاتھوں سے گولا بنانے میں مشغول ہے۔ یہ نوری پہلی سی نوری نہیں ہے بلکہ اب وہ اجاڑ صورت عورت نظر آتی ہے۔ باتوں میں شوخی کی بجائے جلا کٹا پن آگیا ہے۔ باپ اندر سے نکل کر آتا ہے۔ اس نے بٹیل فین اٹھایا ہوا ہے۔)

باپ : اپنی ماں کو بتا دینا میں بلال گنج جا رہا ہوں اس کے بش خریدنے۔ مجھے کچھ دیر ہو جائے گی —

نوری : اچھا!

باپ : میرا کھانا نہ رکھنا میں کھا لوں گا بازار میں۔

نوری : اچھا!

باپ : (پاس آکر) تجھے ہوا کیا ہے؟

نوری : کچھ نہیں — مجھے کیا ہونا ہے؟

باپ : بول کیسے رہی ہے؟

نوری : کیوں اور کیسے بولتے ہیں؟

باپ : پچھلے پونے دو سال سے میں تجھے دیکھ رہا ہوں — تو مجھے نوری ہی نہیں لگتی۔

نوری : (جعلی مسکراہٹ کے ساتھ) نوری نہیں لگتی تو کیا حضوری لگتی ہوں —؟

باپ : تو اپنا خیال رکھا کر نوری — موسم اچھا نہیں۔

نوُری : اچھا —
(جاتا ہے)

باپ : (جاتے ہوئے) ماں کو بتا دینا میں دیر سے آؤں گا۔

(باپ چلا جاتا ہے اس وقت کوّے کی کائیں کائیں سنائی دیتی ہے نوُری آسمان کی طرف دیکھتی ہے جیسے کوّے کو دیکھ رہی ہو۔ پھر مُسکراتی ہے ماں اندر داخل ہوتی ہے)

ماں : دیکھ تو کتنا اچھا رنگ ہے اور ملا بھی کتنا سستا آٹھ روپے گز —

نوُری : اچھا ہے۔

ماں : ہیں بغیر دیکھے — اچھا ہے — دیکھ تو سہی۔

نوُری : دیکھنے سے کوئی زیادہ اچھا ہو جائے گا — ایویں لگی رہتی ہے۔

ماں : مجھے تو چاچی نذیراں نے کہا — خرید لے خرید لے نوری پر اچھا لگے گا اس کا سوٹ۔

نوُری : کوئی حکیم صاحب نے کہا ہے کہ نوری پر اچھا لگے گا — تُو تو خواہ مخواہ پیسے اجاڑتی رہتی ہے کپڑوں پر —

ماں : پائینچہ کتنا رکھواؤں ؟

نوُری : جتنا مرضی رکھوالے۔

ماں : تجھے ہوا کیا ہے ؟

نوُری : کچھ نہیں — ابّا دیر سے آئے گا آج۔

ماں : درزن کو دے آؤں سوٹ ؟

نوُری : تیری مرضی — دے آ۔

(ماں جاتی ہے — کوّا پھر کائیں بولتا ہے نوُری اُوپر دیکھتی ہے اس وقت ڈاکٹر فرید داخل ہوتا ہے۔ یہ فضل کا بھائی ہے اور دوبئی سے آیا ہے۔ نوُری کو جیسے اسے دیکھ کر سکتہ ہو جاتا ہے —)

نُوری : تُو — تُو ڈاکٹر تُو یہاں — ہمارے گھر میں.... تجھے کس نے کہا ہے کہ.... کہ مرنے کو اِدھر آجا — فضل نے تجھے خط نہیں لکھا ماں نے قرآن کی قسم کھائی ہے کہ وہ تیرے خاندان سے بدلہ لے گی۔

فرید : مجھے فضل کا خط ملا تھا — بڑا لمبا چوڑا —

نُوری : چلا جا فرید.... ابھی تو میری ماں کو اپنا بیٹا نہیں بھولا —

فرید : فضل نے لکھا تھا کہ تو سال بھر سے کبھی ہمارے گھر نہیں گئی — گلی میں بھی فضل کے سلام کا جواب نہیں دیا — کیا ہے ؟ یہ سب — یہ خاموشی — یہ رازداری — فضل تو تیرا دیور رہے اُس سے کیسی دشمنی ؟

نُوری : جہاں اتنی دشمنی ہو — وہاں اور کیا باقی رہے گا ؟ تو چلا جا فرید.... میری ماں آگئی تو تجھے کچا چبا جائے گی.... اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں.... قصائن ہے قصائن۔

فرید : اپنی بیٹی کے شوہر کو کچا چبا جائے گی.... چبانے دے.... میں تیری باتوں کے پیچھے لگ کر خراب ہوا نُوری — تُو نے مجھے مشورہ دیا — کہ میں نکاح کر کے ملک چھوڑ کر چلا جاؤں سب کچھ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گا۔ کہاں ٹھیک ہوا، کیا ٹھیک ہوا — اب میں پرواہ نہیں کرتا۔

نُوری : تُو پرواہ نہیں کرتا لیکن ماں تو ابھی یاد کرتی ہے میرے بھائی کو — چھُریاں لے کر پھرتے ہیں میرے مامے —

فرید : ویسے تو ابا بھی یاد کرتا ہے چاچا گلزار کو —

نُوری : جا چلا جا فرید — ڈاکٹر صاحب — اب کچھ باقی نہیں رہا — نہ یاد رکھنے کو نہ آگے لے جانے کو (روتے ہوئے) میں تو اس دن بھول گئی تھی جب تُو نے ہمارے گھر آکر معافی مانگی تھی محبد سے اور کہا تھا۔ "دیکھ نُوری تیرے بھائی کا مجھے اتنا ہی غم ہے جتنا اپنے چاچے کا".... اس حیلے کے سہارے میں نے بہت وقت گزارہ ہے۔

فرید : اُٹھ چل میرے ساتھ .... ہم دونوں باہر چلے جائیں گے ولایت .... اکٹھے رہیں گے ہمیشہ اپنے اپنے خاندان سے بچھڑ کر ـــ

نُوری : میں تو اسی دن اپنے لوگوں سے بچھڑ گئی تھی جب میرا بچّہ مجھ سے جدا ہوا اب کیا بچھڑنا ہے میں نے کسی .... سے (دُکھ سے) چلا جا فرید .... جب میں نے اس کی جُدائی برداشت کر لی تو .... تو .... کیا تجھے نہ بھول جاؤں گی ....

فرید : کون سا بچّہ ؟ ـــ کس کا بچّہ ؟ ـــ کیسا بچّہ !

نُوری : اوہ جا ڈاکٹر ـــ جا ـــ چلا جا ـــ چھوڑ ان باتوں کو ـــ

(فرید سر پکڑ کر بیٹھتا ہے ـ کوّا کائیں کائیں کرتا ہے ۔)

ـــــــــ کٹ

سین ۱۷
ان ڈور
کٹ ٹو کٹ

(۱۔ حکیم صاحب بچّے کا مُنہ دُھلا رہے ہیں ۔ ساتھ ساتھ اسے پیار کرتے جاتے ہیں ۔
۲۔ حکیم صاحب بچّے کے پاس بیٹھے کھلونے سے اس کا دل بہلا رہے ہیں ۔
۳۔ حکیم صاحب بچّے کو پالنے میں ڈالے ماں کی طرح جھولا جُھلا رہے ہیں اور ساتھ گا رہے ہیں ۔)

ـــــــــ کٹ

سین ۱۸
آوَٹ ڈور
صبح کا وقت

(صبح کا وقت ہے۔ حکیم صاحب کے پینڈو مطب پر سُورج کی پیلی پیلی کرنیں اُتر رہی ہیں۔ وہ لوٹے سے پانی چھڑک کر پہلو کے چبوترے پر جھاڑو دے رہے ہیں۔ پھر وہ اندر اپنی کوٹھڑی میں جاتے ہیں جہاں چارپائی پر کاکا سویا ہوا ہے۔ اس کے پاس بیٹھ کر مُنہ میں کچھ پڑھتے ہیں اور تین مرتبہ اس کو دم کرتے ہیں۔ باہر سے آواز آتی ہے۔)

فرید : (آف کیمرہ) حکیم صاحب!

حکیم : (اندر سے) کون ہے بھائی؟

فرید : ذرا باہر آئیے گا۔

(حکیم صاحب کچھ متردّد اور کچھ متفکّر اور کچھ سوچتے ہوئے آہستہ آہستہ اُٹھتے ہیں اور آہستہ آہستہ باہر آتے ہیں۔ فرید اور نوری ایک ساتھ کھڑے ہیں۔ حکیم صاحب انہیں دیکھ کر جیسے خطرے کی نوعیت بھانپ جاتے ہیں لیکن ان کے چہرے سے کچھ بھی عیاں نہیں ہے۔ بغیر کچھ کہے واپس پلٹتے ہیں۔ الماری کھول کر مرتبان سے مربے کا ایک صحت مند سیب نکال کر پرچ میں ڈالتے ہیں اور نُوری کی طرف بڑھا دیتے ہیں۔ نُوری لے لیتی ہے۔)

نُوری : میں تو اپنا بچّہ لینے آئی ہوں حکیم صاحب۔

حکیم : بچّہ!

نُوری : میرا بیٹا

حکیم : تمہارا بیٹا ـــ

فرید : میں اس بچّے کا باپ ہوں حکیم صاحب ۔

حکیم : بچّے کا باپ !

نُوری : ہم اپنے بچّے کو لینے آئے ہیں ـــ اپنے ....؟

حکیم : عرفان کو ؟

نُوری : جی حکیم صاحب عرفان کو ۔

فرید : عرفان ہمارا بچّہ ہے حکیم صاحب ـــ میرا بیٹا ـــ

حکیم : آپ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہی ہوگا ۔

فرید : ٹھیک ہے تو پھر لائیے ہمارا بچّہ ۔

حکیم : جی ـــ لے جائیے ۔

(آہستہ آہستہ اندر جاتا ہے اور کمبل میں لپٹے ہوئے عرفان کو لاکر ان کی طرف بڑھتا ہے ۔ نُوری جو اب تک پرچ میں مربہ کے ٹکڑے لئے کھڑی تھی جلدی سے پرچ زمین پر رکھتی ہے اور تڑپ کر اپنے بچّے کو گود میں لیتی ہے اور دونوں لپک کر سامنے کھڑی ہوئی خوش رنگ "خصوصی نمبر پلیٹ" والی کار میں بیٹھ جاتے ہیں ۔ حکیم صاحب دوکان کی دہلیز کا سہارا لے کر کھڑے رہ جاتے ہیں ۔

کیمرہ زمین پر پڑی ہوئی پرچ میں خوش رنگ شربتی مربہ والا پورا سیب دکھاتا ہے جو شیرے کی وجہ سے چمک رہا ہے ۔ اس پر آہستہ آہستہ زمین کی دُھول پڑنے لگتی ہے ۔ کیمرہ اس کو بگ کلوز میں لیتا ہے اور اس پر کریڈٹ شروع ہو جاتے ہیں ۔)

———*———

سپین اور اباسین

کردار :

سربلند خان : بظاہر پاکستان سے محبت کرنے والا باپ

ستارہ : ایم۔اے سوشیالوجی کی طالبہ۔ پاکستان سے شدید محبت کرنے والی

سلیم : گہری سوچ کے عالم میں رہنے والا نوجوان

نکی : ستارہ کی شوخ سہیلی

سہیلی/۱ : ستارہ کی ہم عمر

سہیلی/۲ : ماڈرن لڑکی

سہیلی/۳ : ستارہ کی ہم جماعت

مرزا صاحب : اباجی کا دوست

بٹ صاحب : پُرانی یادوں کے سہارے جینے والا معمر آدمی

شاہ صاحب : اباجی کا سنگی ساتھی



سین ۱
ان ڈور
شام کا وقت

(ستارہ ایک بہت جذباتی لڑکی ہے ۔ وہ پاکستان سے شدید محبت کرتی ہے اور اپنے آپاجی کو اس لیے آئیڈیل سمجھتی ہے کہ انہوں نے پاکستان کے لیے بہت قربانیاں دی ہیں ۔ اس وقت ستارہ ، جسے سلیم اور ملازم وغیرہ تارا کہتے ہیں ، بہت انہماک سے ٹیلیویژن دیکھ رہی ہے ۔ جس وقت ٹیلپ سپین اور ابا سین یا ٹی وی منسٹر ختم ہوتا ہے ، فوراً پاکستان کا کرکٹ یا ہاکی میچ شروع ہو جاتا ہے ، جس میں پاکستان فتحیاب ہو ۔ چند ثانیے یہ میچ جاری رہتا ہے ۔ اب آہستہ آہستہ کیمرہ پیچھے جاتا ہے ۔ دیکھتے ہیں کہ تارا قالین پر اوندھی لیٹی ہے ۔ اس نے دونوں کہنیوں کے نیچے تکیہ لے رکھا ہے اور دونوں ہتھیلیوں کا پیالہ بنا کر اس میں چہرہ رکھا ہوا ہے ۔ جب پاکستان گول کرتا ہے وہ خوشی سے تالیاں بجاتی ہے ۔ اس وقت فون کی گھنٹی بجتی ہے ۔ تارا بھاگ کر جاتی ہے لیکن مڑ کر ٹیلیویژن کی طرف دیکھتی جاتی ہے ۔)

ستارہ : (فون اُٹھا کر جلدی جلدی) ہیلو ؟ نکی ؟ بڑی بے تُکی ہو تم — میچ ہو رہا ہے بابا گول کر دیا ہم نے ۔ اچھا ٹھیک ہے میچ کے بعد میں خود رنگ کر لوں گی ۔ خدا حافظ یونگی — خدا حافظ ۔

(فون رکھ کر بھاگ کر آتی ہے ۔ ٹیلیویژن کی تصویر اس وقت کٹ کر کے آ رہی ہے ۔ وہ ہولڈ کی ناب سے اُسے درست کرتی ہے ۔ پھر آلتی پالتی مار کر گود میں تکیہ لے کر بیٹھتی ہے اور میچ دیکھتی ہے ۔ ملازم چند ثانیے بعد آتا ہے ۔)

ملازم : تارا باجی دھوبی آیا ہے ۔

ستارہ : شٹ اَپ

ملازم : دھوبی آیا ہے باجی ۔

ستارہ : گولی مار دو دھوبی کو ۔

ملازم : جی ؟

ستارہ : دھوبی کو معلوم نہیں آج پاکستان کا میچ ہو رہا ہے ۔ بھیج دو فوراً اس کو اسی وقت ۔

ملازم : کہاں جی ؟

ستارہ : جہنم میں — کل آئے ۔

ملازم : اچھا جی

(ملازم چلا جاتا ہے ۔ ستارہ اُٹھ کر تصویر کو وائیٹ کرتی ہے اور انہماک سے دیکھتی ہے کچھ لمحے بڑی گرمجوشی سے میچ جاری رہتا ہے ۔ پھر دروازے پر دستک ہوتی ہے ۔)

ستارہ : (اُٹھتے ہوئے) سب کام آج ہوں گے ۔ ساری قیامت آج آئے گی ۔ کسی کو خبر ہی نہیں ۔ احساس ہی نہیں ۔ (دوسرے دروازے کی چٹخنی کھولتی ہے اور کھلے دروازے کے اندر منہ کر کے کہتی ہے) ہاں جی فرمائیے ۔ سلمہ باجی آئی ہیں تو میں کیا کروں ۔

(اس نے تھوڑا سا دروازہ کھول کر منہ باہر نکالا ہوا ہے ۔)

ستارہ : بٹھاؤ ان کو ڈرائینگ روم میں ۔ اور پلاؤ گرم شکنجبین — آتی ہوں چلو — سلمہ باجی آئی ہیں ۔

(توجہ سے چٹخنی لگاتی ہے ۔ واپس آ کر ٹیلیویژن کے سامنے بیٹھتی ہے ۔ اب ٹیلیویژن پر ایسا ٹکڑا دکھایا جائے جس سے ظاہر ہو کہ پاکستان جیت گیا ہے ۔ ٹیلیویژن پر پرجوش طریقے سے اناؤنسمنٹ ہوتی ہے کہ پاکستان یہ کرکٹ یا ہاکی کا میچ اتنے گولوں سے جیت گیا ہے ۔ ساتھ ہی ٹیلیویژن سے "ہے جمالو" کی دھن لگتی ہے اور میدان میں آنے والے پرجوش پاکستانی دکھائے جاتے ہیں ۔ "ہے جمالو" کی دھن بجتی ہے تو ستارہ تکیہ پھینک

کر پورے جوش کے ساتھ بھنگڑہ ڈالتی ہے۔ اس ناچ سے اس کی مسرت کا پورا اظہار ہونا چاہیئے۔ وہ اس قدر خوشی سے ناچتی ہے اور ناچ میں ایسا جوش کہ اُسے احساس نہیں ہوتا کہ سلیم دوسرے دروازے سے آکر اُسے دیکھ رہا ہے۔ وہ آگے بڑھ کر ٹیلیویژن بند کرتا ہے۔)

سلیم : کوئی ٹروپ جوائن کرلو۔ اچھا خاصا نام بنا سکتی ہو باہر جاکر ـــــ

(جب اُسے پتہ چلتا ہے کہ سلیم آیا ہے، وہ بھاگ کر اس سے لپٹتی ہے۔ ستارہ بڑی جھلّی قسم کی فراخ دل لڑکی ہے۔)

ستارہ : سلیم! پاکستان جیت گیا۔ ہماری ٹیم نے چار گول کئے۔

سلیم : بڑی گرمی ہے، دو قدم پیچھے ہو کر بات کرو۔

ستارہ : wet blanket ـــــ میچ کے بعد ملا بھی تو کون ـــــ تمہیں، خوشی نہیں ہوئی نا ـــــ ہے نا۔

سلیم : ہوتی ہے۔

(سگریٹ جلا کر اطمینان سے صوفے پر بیٹھتا ہے۔)

ستارہ : یہ خوشی ہے۔ یہ خوشی ہے۔ لعنت! ڈوب مرو۔

(بھاگ کر فون پر جاتی ہے۔ نمبر ملاتی ہے۔)

ستارہ : نکی ـــ ہائے نکی پورے چار گول ـــــ تو پہنچ سہی کالج ـــ ٹریٹ دینی پڑے گی تجھے۔ ہماری ٹیم ویک نہیں تھی۔ ایسے پروپیگنڈہ تھا۔ کیا۔ جھوٹی۔ اب چاہے تو کچھ کہے۔ ٹریٹ تو تمہیں دینی پڑے گی۔ وعدہ نہیں کرا تھا تُو نے۔ بول؟ اچھا بائی ـــ

ستارہ : فائزہ ـــ سوری رانگ نمبر ـــ لیکن آپ کو میں ایک اچھی نیوز دے دوں جی پاکستان میچ جیت گیا ہے۔ چار گول سے ـــ کوئی بات نہیں جی اگر آپ ٹیلیویژن دیکھتے تو آپ کو خود پتہ چل جاتا۔

سلیم : اب فون بند کرو تارا۔
ستارہ : (نمبر ملاتے ہوئے) کیوں ؟
سلیم : ایک مَیں ہوں ایک سلمٰی باجی بیٹھی ہیں۔ ڈرائینگ روم میں۔
ستارہ : تم لوگوں کو پتہ نہیں تھا کہ اس وقت میچ ہو رہا ہے ٹیلیویژن پر۔
سلیم : پتہ تھا۔
تارہ : پھر؟ اس وقت کیا مطلب تھا آنے کا۔
سلیم : میں تمہاری طرح جذباتی نہیں ہوں۔ میچ ہوتے رہتے ہیں۔ جیت ہار چلتی رہتی ہے نہ ہار مجھے متاثر کرتی ہے نہ جیت میرے موریل کو بلند کرتی ہے۔
تارہ : تم وہ پتھر ہو جو ندی کنارے پڑے ہوتے ہیں۔ کوئی پانی کی لہر انہیں گیلا نہیں کرتی۔ ڈرپ ڈرائی قسم کے پتھر!
سلیم : لیکن ان میں اتنی خنکی ہمیشہ موجود ہوتی ہے کہ کوئی سورج کی کرن انہیں گرم بھی نہیں کر سکتی۔
تارہ : تم ایسے وقتوں میں میرے سامنے نہ آیا کرو سچ!
سلیم : کیسے وقتوں میں؟
تارہ : جب میں خوش ہو رہی ہوں۔ یا جس وقت میں رونے والی ہوں۔ تُم میرے مُوڈ کا بیلنس خراب کر دیتے ہو۔
سلیم : مجھے تم جیسے لوگوں سے دلی ہمدردی ہے جو سینما شو میں ترانہ بجنے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں وہ سچے پاکستانی ہیں۔
تارہ : کھڑے نہیں ہونا چاہیئے؟
سلیم : کھڑے ہونا چاہیئے — لیکن اس زعم میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ ہم سچے بھی ہیں اور پاکستانی بھی!

ستارہ : تم تو کھڑے ہو کر سگریٹ پینے لگے تھے پچھلے فرائیڈے۔ جب اباجی نے تمہیں چیک کیا تھا کہ ایک سانحہ دو گناہ ــــ ایک سینما ہاؤس میں تمباکو نوشی، دوسرے ترانے کے وقت ....

سلیم : اگر تم لوگ اتنے ہی سچے ہو تو ترانہ انٹرول کے وقت کیوں بجاتے ہو آخر پر کیوں نہیں بجاتے ـــ بھاگ جانے کا خدشہ ہوتا ہے نا؟

ستارہ : سلیم۔ تمہیں کسی انسان سے ـــ کسی نظریئے سے کسی چیز سے یعنی ـــ اس دُنیا میں کسی بھی چیز سے دلی محبت ہے؟

سلیم : ہے ـــ

ستارہ : کس سے؟

سلیم : مجھے اتنی زیادہ چیزوں سے محبت ہے کہ میں ہر وقت ایک خاص وقت کی، ایک خاص قسم کی diffused فضا میں رہتا ہوں جس میں محبت کے بخارات ہر وقت سٹیم بن کر جمع رہتے ہیں۔ میری محبت میں نہ گرم جوشی ہوتی ہے نہ سرد مہری۔

ستارہ : سرد مہری توبہ کرو تم تو سرد مہری کے چاچے ہو ــــ اپنی اماں سے سرد مہری۔ میرے اباجی سے کولڈ وار۔ سلمٰی باجی سے کولڈ رویّہ۔ مجھ سے سرد ـــ سرد ـــ فریزر میں لگی ہوئی محبت۔

سلیم : کاش ایسا ہوتا ــ ہو سکتا ــ

(لمبا کش دھوئیں کا بادل باہر نکلتا ہے۔)

ــــــــــ کٹ

سین ۲
آوٹ ڈور
شام

(وسیع کوٹھی کے خوبصورت لان میں کنارے کنارے جہاں پودے لگے ہیں، وہاں باپ پانی کے ایک بھبکے سے پودوں کو پانی دے رہا ہے۔ دو تین پودوں کو پانی دینے کے بعد وہ بھبکا رکھ دیتا ہے اور کھرپا لے کر قریبی کیاری سے گھاس نکالنے لگتا ہے۔ اس کے قریب ہی ستارہ ایک پودے کے تھالے میں گوڈی کر رہی ہے۔ اُس نے شلوار قمیض پہن رکھی ہے اور دوپٹے کو کمر کے پیچھے گانٹھ دے رکھی ہے۔ سلیم اس لان کے عین وسط میں لیٹا ہے۔ اس کے قریب ایک پرچ پیالی میں کافی رکھی ہے۔ اس وقت وہ دُوربین لگا کر اُوپر آسمان میں اُڑتی ہوئی چیل کو دیکھ رہا ہے۔ پھر وہ کہنی کے بل ہو کر اپنی پیالی اُٹھا کر ایک چُسکی کافی کی لگاتا ہے اور ذرا دور ستارہ اور اُس کے اباجی کو کام میں مصروف دیکھتا ہے۔ دُوربین اُٹھا کر انہیں دیکھنے لگتا ہے۔ دُوربین کے حلقوں میں دونوں باپ بیٹی نظر آتے ہیں۔)

ستارہ : اباجی — اصل پودوں کی جڑوں میں اتنا سارا گھاس پھوس اور دوسری جڑی بُوٹیاں کیوں اُگ آتی ہیں؟

ابا : بس یہ قدرت کا اصول ہے تارہ بیٹی۔ پوہلی بھکڑا کاٹ جلائی۔

ستارہ : عجیب اصول ہے یہ قدرت کا ـــ

ابا : ایک یہیں نہیں، مفید اور کار آمد لوگوں کے گرد بھی نا اہل اور بے کار لوگوں کا ہجوم ہو جاتا ہے۔ کارکن مکھیوں کے ساتھ ہزار ہا نکھٹو بھی پلنے لگتے ہیں لیکن اچھا کاشتکار وہ ہوتا ہے، تارا جان جو اپنی پھلواڑی کو جھاڑ جھنکار سے پاک رکھتا ہے۔

ستارہ : اور اچھا سربراہ وہ ہے اباجی جو اپنے ملک کو نااہل لوگوں اور بے کار لوگوں سے پاک کرتا رہے۔

ابا : ہمارے قائدِاعظم میں یہ خوبی تھی تارا کہ وہ ایسے لوگوں پر نگاہ رکھتے تھے اور انہیں قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ ان کی نظر باز کی سی تھی اور سر افلاطون کا سا! وہ ایسی کڑی کمان تھے جس کا ہر تیر نشانے پر ٹھیک بیٹھتا تھا۔

(اب کیمرہ سویپ کر کے لیٹے ہوئے سلیم پر آتا ہے جس نے اپنی دُوربین پھر آسمان کی طرف اٹھائی ہے۔ اباجی نے کیاری کا جو حصہ صاف کیا تھا وہاں بھیکے سے ذرا سا پانی دیتے ہیں اور پھر اس کے قریبی حصے میں نلائی شروع کر دیتے ہیں۔ ستارہ ابھی تک اس پودے کے گرد سے ویڈز نکال رہی ہے۔)

ستارہ : جہاں امّی شہید ہوئیں اباجی کیا نام تھا اس سٹیشن کا؟

ابا : پھگواڑہ ——

ستارہ : تو پھگواڑہ میں گاڑی رُکی کیوں ؟

ابا : بتایا تو ہے لاکھ مرتبہ کہ بلوائیوں نے روک لی تھی۔ کئی ہزار بلوائی تھے، کلہاڑیوں تلواروں اور بندوقوں سے مسلح۔

ستارہ : تو نہ روکتے۔ چلاتے رہتے۔

ابا : اتنے ہزار بلوائیوں کی ایک ساتھ فائرنگ اُوپر سے خوفناک نعرے اور چیخوں کا شور۔ ڈرائیور بھی تو انسان ہوتا ہے نا ——

ستارہ : اگر امی آج ہمارے درمیان ہوتیں تو ہماری زندگی کس قدر مختلف ہوتی —— ہے نا اباجی!

ابا : یقیناً ہوتی۔ بہت بہتر ہوتی۔ لیکن ایسے لوگوں کی قربانیوں کے بدلے پاکستان کا وجود اور اُس کا قیام مہنگا نہیں۔

ستارہ : یہ تو ٹھیک ہے — ابا جی — لیکن —

ابا : اب پاکستان کو زندہ رکھنا، اس کو آبرو عطا کرنا، اس کی سالمیت برقرار رکھنا آپ لوگوں کا کام ہے۔ ہم سے تو جو ہو سکا ہم نے کر دکھایا۔

ستارہ : پتہ نہیں ابا جی ہم آپ کے معیار پر پُورے بھی اُترتے ہیں یا نہیں ۔

(اتنے میں سلیم صاحب اپنی دوربین تھامے اُن کے قریب آ کھڑے ہوتے ہیں۔)

سلیم : اگر اس تلائی سینچائی میں کوئی کام میرے کرنے کا ہو چچا جان تو ارشاد فرمایئے۔ میں حاضر ہوں ۔

ابا : کام پوچھ کر نہیں کیے جاتے سلیم میاں ۔

سلیم : وہ چچا جان بات دراصل یہ ہے کہ مجھے مالی گیری کے کاموں کی کچھ خاص سمجھ نہیں ۔

ابا : یہ تو خیر بہانے ہیں بھائی صاحب ۔ اگر نیت درست ہو تو سارے کام خود ہی آجاتے ہیں۔

ستارہ : آپ اپنی اڑتی ہوئی چیلوں کو دیکھ چکے۔

سلیم : سب اپنے اپنے گھروں کو چلی گئیں — بس (ستارہ کی طرف انگلی کر کے) ایک رہ گئی ہے۔

ابا : اس کو بھی اپنے گھر چلے جانے دیتے میاں۔

سلیم : اس کا شاید — چچا جان — ابھی تک کوئی گھر نہیں بنا۔ اکیلی فضاؤں میں ڈولتی پھر رہی ہے ۔ بڑی لونلی ہے۔

ستارہ : کوئی بھی نہیں ۔ ذرا بھی نہیں ۔ ذرا بھی نہیں لونلی — خوامخواہ ۔

——— کٹ

سین ۳
ان ڈور
دن کا وقت

(کالج کا کمرہ ——— اس وقت ایم ۔ اے ففتھ ایئر کی پانچ لڑکیاں موجود ہیں۔ ایک ڈسک پر بیٹھی ہے ۔ ایک دو کرسیاں جوڑ کر ان پر لیٹی ہوئی ہے۔ ایک پروفیسر کی میز پر چڑھی بیٹھی ہے۔ ستارہ کرسی پر بیٹھی ہے لیکن ٹانگیں ڈسک پر ہیں۔ تکی بال برش کرنے میں مشغول ہے۔)

ڈسک والی: ہائے بڑا مزہ آیا۔ ہم سب تھے۔ میرے تینوں کزن اور میری چھوٹی بہن۔ ہم نے ہوسٹل کے پچھواڑے "یہ شارع عام نہیں ہے" والا بورڈ اکھاڑا۔ کار کی ڈکی میں پھنسایا اور گھر۔ ساٹھ کی سپیڈ پر — سچی —

پروفیسر کی میز والی: شارع عام والا بورڈ سالم اکھیڑ لیا۔ جڑ سے ۔

ڈسک والی: پہلے ہی بارش کی وجہ سے پولا ہو چکا تھا۔

(اب کرسیوں والی اپنا آپ اُٹھا کر چیونگم چباتی سر اُٹھاتی ہے۔)

کرسیوں والی: ہائے چینا — لیکن اس بورڈ کا کیا کیا تم نے۔ فائدہ اس کا — ؟

ڈسک والی: مزہ آیا۔ پبلک پراپرٹی خراب کر کے۔ کسی کی اتھارٹی کو چیلنج کرو تو بڑا مزہ آتا ہے۔ ماں باپ سے rudeness کر کے، نوکروں کو ڈانٹ کر، غریب رشتہ داروں سے بُرا سلوک کر کے بڑا مزہ آتا ہے۔ تمہیں نہیں آتا۔

ستارہ: یہ تم نے اچھا نہیں کیا — چینا۔ شارع عام والے بورڈ تو عوام کی مدد کے لیے ہوتے ہیں۔ اباجی کہا کرتے ہیں کہ اصلی non-conformist وہ ہوتا ہے جو معاشرے کی برائیوں کے خلاف جہاد کرے نہ کہ نقصان پہنچائے معاشرے کو —

کُرسیوں والی: (سر اٹھاکر) لو آگئے ابا جی !

تکّی : (نعرہ لگاکر) ابا جی میرے ابا جی

(اچانک سب لڑکیاں یہ کورس گانے لگتی ہیں۔)

لڑکیاں : اک پاکیزہ ڈبّہ جی کھول کے دیکھا اندر سے

اندر کچھ نہ لبھا جی ابا جی میرے ابا جی

ستارہ : شرم کر تکّی شرم کر اُلو کی چرخی۔ ابھی پرسوں تو مان گئی تھی کہ میرے ابا جی گریٹ آدمی ہیں۔ بڑی کوالیٹیز کے مالک ہیں۔ عام ابا جیز کی طرح نہ بلیک مارکیٹر ہیں نہ چور نہ سمگلر۔ اب کیوں بکواس کر رہی ہے۔

میز والی : اللہ میاں سے زیادہ کوالیٹیز تو کسی میں نہیں ناں، پھر ہم سارا دن ان کی باتیں تو نہیں کرتے رہتے تارا — اللہ میاں کی —— پھر ہر وقت ابا جی کا ذکر کیوں؟

کُرسی والی: ابا جی کا ٹاپک بند نہ کراؤ — بیوقوفو ورنہ دوسرا کام شروع ہو جائے گا۔

تکّی : وہ کون سا؟

کُرسی والی: وہی پاکستان کی سوڈو محبت کا۔

میز والی : تو یہ اسے شرم بھی نہیں آتی تارا کو۔ بی اے تک تو ٹھیک ہے۔ آدمی ماں باپ کو آئیڈیل سمجھتا ہے، وطن سے محبت کرتا ہے اس کے بعد تو۔ it is so odd

ستارہ : (خفگی سے) کیا تم لوگوں کو اپنے وطن سے محبت نہیں؟

تکّی : بھئی تارا خدا کے لیے!

ستارہ : (اور خفگی سے) کیا تم اپنے والدین سے محبت نہیں کرتیں؟

کُرسی والی: ہائے خدا نہ کرے!

تکّی : ہماری کوئی ڈیپنڈنٹ قسم کی personalities تھوڑی ہیں تارا!

ستارہ : تمہارا دل نہیں کرتا کہ تم اپنے ماں باپ جیسی بنو — بڑی ہو کر ——

کُرسی والی: ہائے گاڈ فاربڈ— میں اپنی امی جیسی ہو جاؤں بڑی ہو کر— ہیوی ویٹ۔ ڈبل چن۔

تکی : پتہ ہے تارا ہم سب تمہاری فرینڈز ہیں— اس لیے ہم— تمہارے لیے feel کرتی ہیں— مائنڈ نہ کرنا تم بڑی odd باتیں کرتی ہو۔

پروفیسر کی میز والی: پتہ ہے تارا ایک ینگ گرل کو حب الوطنی سوٹ نہیں کرتی۔ وہ ذرا بھی feminine نہیں لگتی حب الوطنی کی باتیں کرتے ہوئے—

ڈسک والی : سچی تارا ایک ینگ لڑکی کو تو بڑی اوپن مائنڈڈ ہونا چاہیئے۔ اگر وہ مذہبی ہو گی تو بڑی فنیٹک لگے گی۔ اگر وہ نیشنلسٹ ہو تو بڑی نیرو مائنڈڈ لگے گی۔ اگر وہ ماں باپ یا پروفیسروں سے محبت کرے تو بالکل سٹوپڈ ہو جائے گی۔ بابا تم فقفقہ ایڈ سوشیالوجی میں پڑھتی ہو کوئی عربی کا ایم اے تھوڑی کر رہی ہو۔ کچھ تو آگے بڑھو۔ خدا کے لیے—

تکی : اس کو رہنے دو۔ یہ شارع عام کا بورڈ نہیں ہے جسے ہم اکھیڑ سکیں اس کی جگہ سے۔

(وقفہ)

کُرسی والی: چینا تمہارے کزن آ گئے کینیڈا سے ؟

ڈسک والی: ابھی کہاں! میری پھوپھی ہیں لندن میں۔ وہاں ایک ہفتے کا بریک ہے۔

پروفیسر کی میز والی: یہ Londoners بھی کیا چیز ہیں خدا قسم۔ یہ لوگوں پر حکومت کی ہے مجھے ان سے نفرت کرنی چاہیئے۔ لیکن کیا کریکٹر ہے۔ ممی بتا رہی تھی نہ وہاں کوئی بورڈ لگا ہے نہ کوئی بوبی منع کرتا ہے، لیکن مجال ہے جو ایک انگلش آدمی ہری گھاس کو پیدل کراس کر جائے۔

تکی : برسوں سے ٹریننگ ہوئی ہے ان کی۔ اس میں اُن کا کمال ہے ڈسپلنڈ لوگ ہیں۔ اگر دو آدمیوں کا تعارف نہ ہو باقاعدہ تو وہ بھی بات نہیں کریں گے۔

ستارہ : میرے ابا جی کہا کرتے ہیں کہ ایک دفعہ—

سب مل کر: وی وانٹ تو ابا جی

وی وانٹ تو ابا جی

وی وانٹ تو ابا جی

ابا جی میرے ابا جی

اک پاکیزہ ڈبہ جی

(اس وقت گاؤن پہنے ایک پروفیسر داخل ہوتے ہیں۔ لڑکیاں بھاگ کر اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھتی ہیں۔)

کٹ ___________

سین ۴

آؤٹ ڈور

دن کا وقت

(یہ سین رائفل ٹریننگ کا ہے۔ گرل گائیڈ سنٹر پر جا کر یہ سین بنایا جا سکتا ہے۔ یہاں پر ستارہ لڑکیوں کے ایک سکواڈ میں نمایاں ہے اور رائفل چلانا سیکھ رہی ہے ــــ اس کے چہرے سے بڑا عزم اور سادگی نظر آتی ہے ــــ تین چار لڑکیاں لیٹ کر نشانہ بازی کی تعلیم حاصل کر رہی ہیں اور جمعدار صاحب ان کی سکھلائی کر رہے ہیں۔)

کٹ ___________

سین ۵
ان ڈور
شام کا وقت

(سر بلند خان صاحب کے خوبصورت اور روشن ڈرائنگ روم میں ان کے دوست صوفوں پر بیٹھے ہیں، چائے پی رہے ہیں اور اس وقت ان کے درمیان بڑے جذبے کے ساتھ گفتگو ہو رہی ہے ۔۔۔ جس وقت سین کھلتا ہے اس وقت کلوزاپ میں چائے دانی سے پیالی میں چائے انڈیلی جا رہی ہے ۔ ستارہ چائے انڈیل رہی ہے اور پیالی مرزا صاحب نے اُوپر اُٹھائی ہوئی ہے ۔)

مرزا : بس بس بس بیٹے ۔۔۔ اتنی چائے نہیں ۔۔۔ آدھی چائے اور آدھا دودھ ۔

شاہ : ہماری عمر میں تو چائے بغیر ہی خشکی کافی ہوتی ہے، ستارہ بیٹی ۔۔۔

بٹ : بلکہ ہم تو جب آئیں ہمیں دودھ بالائی کچھ ٹھنڈا وغیرہ پلایا کرو ۔۔۔

مرزا : یہ تو تمہارے ابا جان کا خوف ہے، جو ہم آنکھیں بند کر کے چائے پی جاتے ہیں ۔۔۔ ورنہ گھر پر نہیں پیتے ہم لوگ ۔

ابا : جس نے چائے نہ پی مرزا صاحب اُس نے اس دُنیا میں پیا کیا ۔۔۔

بٹ : یہی ہم کہتے ہیں صبح و شام خان صاحب کہ جس نے نمکین چائے نہ پی وہ جیا کیا ۔

مرزا : بھئی وہ آپ والی چائے تو بڑی واہیات ہوتی ہے بٹ صاحب نہ رنگ چائے کا نہ مزا چائے کا نہ مٹھاس چائے کی ۔

ابا : قائدِ اعظم بہت پسند فرماتے تھے چائے ۔ لیکن صرف صبح کے وقت ایک کپ ۔

ستارہ : صرف ایک کپ ابا جی ۔۔۔ سارے دن میں ۔

بٹ : بیٹا تم لوگوں کو کیا خبر ہے کہ وہ زمانہ کیا تھا اور کیسی کیسی لڑائیاں لڑنی پڑی ہیں

ہم لوگوں کو — اور کیسے کیسے دشمنوں سے پالا پڑا تھا۔ وہ محنت کا وقت تھا۔

شاہ : تم کو تو بنا بنایا پاکستان مل گیا۔ ایک خوبصورت، ایک عظیم ملک مملکتِ خداداد۔ ہم لوگوں سے پوچھو ہم نے کیسی کیسی قربانیاں دی ہیں اس ملک کے لیے۔

مرزا : اور کیسے کیسے پاپڑ بیلے ہیں اسے حاصل کرنے کے لیے۔ اپنا گھر بار چھوڑا۔ اپنے کاروبار تباہ کیے۔ جانوں کی قربانی دی۔ لیکن پرواہ نہیں کی۔ دل پر میل نہیں آنے دیا۔

آبا : ان بے چاروں کو پتہ بھی کیسے لگے مرزا صاحب۔ کسی نے بتایا ہی نہیں، سمجھایا ہی نہیں۔ تعلیم ہی نہیں دی نئی نسل کو —

بٹ : تعلیم خان صاحب تعلیم۔ سب سے ضروری چیز تعلیم — اور وہی کمزور ہے ہمارے ملک میں — یعنی بچوں کو پتہ ہی نہیں کہ پاکستان کن مصیبتوں سے بنا اور اس کے لیے ان کے بڑوں نے کیا قربانیاں دیں۔

شاہ : اب کسی کا قبلہ روس ہے، کسی کا امریکہ ہے۔ کوئی یورپ کے آگے سرنگوں ہے۔ کوئی یہ ازم ہے کوئی وہ ازم ہے اور نظریۂ پاکستان کی نیو جنریشن میں کسی کو خبر ہی نہیں۔

ستارہ : واہ انکل خبر کیوں نہیں۔ ہم سے زیادہ اس کے بارے میں اور کون جانتا ہے۔

مرزا : صرف جاننا ہی کافی نہیں ناں بیٹے میرے۔ اس کے لیے کرنا بھی ضروری ہے۔ علم کافی نہیں چاند بیٹے، عمل کی بھی ضرورت ہے اور عمل کا نام خاک نہیں آتا آپ لوگوں کو۔ معاف کرنا۔

(اتنے میں سلیم داخل ہوتا ہے۔)

آبا : لیجیے یہ تشریف لے آئے علامہ دھران سے سوشو اکنامک پیٹرن آف کیوبا کے بارے میں پوچھیے، کھٹ جواب دیں گے اور تفصیلی لیکچر عطا فرمائیں گے — Boer Wor اور میگنا کارٹا کے بارے میں سوال کیجیے تسلی بخش جواب ملے گا۔ لیکن پاکستان کے بارے میں پوچھیے تو آئیں بائیں شائیں، کچھ پتہ ہی نہیں۔ معلوم ہی نہیں کہ ہوا کس رُخ

کو چل رہی ہے اور پاکستان حاصل کیسے ہوا اور اس کے پیچھے کون لوگ تھے۔

ستارہ : چائے سلیم ؟

سلیم : ڈونٹ مائنڈ۔

(ستارہ اس کے لیے چائے بنانے لگتی ہے۔)

مرزا : میں نے ایک مرتبہ لکھنؤ میں خان لیاقت علی خاں صاحب کا بازو تھام کر کہا خان صاحب پتہ ہے مہاسبھائی کیا کر رہے ہیں۔

ستارہ : آپ ان کو جانتے تھے انکل۔

ابا : ان کو — بیٹے کیا بات کر رہی ہیں آپ۔ شملے میں یہ میں — یہاں — اور تقریباً اتنے فاصلے پر قائداعظم کانفرنس ہال سے نکل کر رکشا میں بیٹھ رہے تھے — میں نے ہاتھ اُٹھا کر جواب دیا۔

شاہ : کیا جوش تھا اس وقت مسلمانوں میں — اللہ اکبر — اب تو کسی کو کچھ پتہ ہی نہیں۔

مرزا : لوگوں کو یہ تک تو معلوم نہیں شاہ صاحب کہ پاکستان میں کل کتنے دریا بہتے ہیں اور اس کی بندرگاہیں کتنی ہیں۔

بٹ : تعلیم مرزا صاحب تعلیم۔ جب تک ابتدا سے پاکستان کے بارے میں تعلیم نہیں دی جائے گی، بچوں کو کس طرح سے معلوم ہوگا کہ پاکستان کب بنا، کیسے معرضِ وجود میں آیا، کیسی کیسی مصیبتوں سے گزرا اور اب کس حال میں ہے۔

شاہ : اور پاکستان بننے سے پہلے ہم لوگ کیسے کیسے مصائب میں مبتلا تھے اور غیر نے ہم پر زندگی کے دروازے کس کس طرح سے بند کر رکھے تھے۔

سلیم : ہم بھی آپ کے پاکستان سے کافی محبت کرتے ہیں بزرگو —

ابا : تم اور پاکستان سے ہمدردی! کیسی انہونی بات کی تم نے سلیم صاحب۔ تم کو پتہ ہی نہیں وطن سے محبت کس چڑیا کا نام ہے۔ تم کو تو بس اپنا چاچا چاچا چاچا — چھوئی چھوئی چھوئی۔

جم جم جم عزیز ہے۔ تم کیا جانو اخلاقی اقدار کیا ہوتی ہیں۔ تمہارے بزرگوں کا ورثہ کیا ہے۔ پاکستان کی تخلیق کے لیے ہم جیسے لوگوں نے کیا کیا قربانیاں دی ہیں۔

مرزا : اور اب کس حسرت اور کس دُکھ کے ساتھ اس مملکتِ خداداد کی حالت دیکھ رہے ہیں۔

شاہ : خدا رحم کرے ہم لوگوں پر اور ہدایت کی توفیق عطا کرے آپ لوگوں کو!

بٹ : جو چیز ہم آپ لوگوں کے ہاتھوں میں سونپ کر جا رہے ہیں۔ میرے منہ میں خاک — اس کا انجام کچھ اچھا نظر نہیں آتا —

ستارہ : پلیز چچا جان۔ میرے ہوتے تو ایسی بات نہ کیجئے۔

بٹ : ایک دیوانگی سے کیا ہو گا بیٹیا۔

مرزا : اکیلا چنا کیا بھاڑ پھوڑے گا بیٹیا، پوری نئی نسل کے سامنے۔

سلیم : آپ اسقدر مایوس نہ ہوں مرزا چچا — ہم لوگ آپ جتنا نہیں تو آپ سے آدھا یا آپ سے ایک چوتھائی کام تو کر ہی لیں گے اپنے پاکستان کے لیے —

ابا : واہ — سبحان اللہ — کیا زعم ہے — کیا دعوےٰ ہے — کیا کلیم ہے۔۔۔۔ ایک بٹہ دو نہیں تو ایک بٹہ چار ضرور کر لیں گے — واہ سبحان اللہ!

———— فیڈ آؤٹ

سین ۶

آؤٹ ڈور

شام کا وقت

(برآمدے میں باوردی تارا کھڑی ہے۔ کار آتی ہے۔ اباجی اُترتے ہیں۔)

تارا : سلام علیکم ابا جی

ابا : وعلیکم سلام آ گئی بیٹی میری۔

تارا : جی

ابا : بس میں تکلیف تو نہیں ہوئی بیٹے۔

تارا : توبہ کریں ابا جی۔ میں بڑی پکی ہوں۔

ابا : میں بس کار بھیج ہی نہیں سکا۔ آئی ایم ویری سوری۔

تارا : چھوڑیں ابا جی۔ میں نے اب روز آنا ہے بس میں۔ بڑی آسانی سے مل جاتی ہے، بس بھی اور جگہ بھی۔

ابا : میں جا رہا ہوں، سبحانی صاحب کے یہاں کچھ پرانے دوست جمع ہو رہے ہیں۔ محفل "یاد ماضی"، کچھ پاکستان کی باتیں ہوں گی کچھ علی گڑھ کی۔ تم کھانا کھا لینا، انتظار نہ کرنا میرا۔

تارا : اچھا ابا جی

ابا : اور یہ کچھ سیکورٹی بانڈز ہیں بیٹے۔ انہیں چھوٹے سیف میں رکھنا اُوپر والی شیلف میں جہاں میری انشورنس کے کاغذات ہیں۔

(خاکی لفافہ اسے دیتا ہے۔)

تارا : جی

ابا : (جاتے ہوئے) ذرا میرے کمرے میں سپرے کر دینا۔ رات تو مچھروں نے سونے ہی نہیں دیا کمبختوں نے۔

(باپ دوبارہ کار میں بیٹھ کر روانہ ہوتا ہے۔ تارا بانڈز والے ہاتھ سے wave کرتی ہے۔)

کٹ ــــــــــــ

سین ۷
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(اس وقت کوٹھی کے پچھواڑے تارا نے چند مفلوک الحال بچے جمع کر رکھے ہیں۔ ان میں ایک خانساماں، دو تین دھوبیوں کے، ایک دو اور ملازم پیشہ بچے ہیں۔ آٹھ بچوں کا یہ سکواڈ اس وقت قطار میں ہے۔ سامنے بندوق کندھے پر لیے تارا انہیں پریڈ کرا رہی ہے۔)

تارا : لفٹ رائیٹ... لفٹ رائیٹ ... لفٹ رائیٹ ..... رائیٹ وہیل۔

(بچے جنہوں نے لکڑیوں کی بندوقیں بنائی ہیں اور تارا کی طرح جذبے سے اٹھا رکھی ہیں، رائیٹ کو مڑتے ہیں۔ کچھ دیر پریڈ کرانے کے بعد تارا کاشن دیتی ہے۔)

سٹینڈ ایٹ ایز (سب لڑکے قطار میں ہو کر سٹینڈ ایٹ ایز ہوتے ہیں) آئیز فرنٹ۔

(لڑکے سامنے دیکھتے ہیں۔ تارا سامنے جاتی ہے اور اپنی فوج کے آگے کھڑی ہو کر ان کو مورائل لیکچر دیتی ہے کہ:)

سنو بچو پیارے بچو۔ میری بات غور سے سنو اور اس کو اپنے دل میں جگہ دو۔

(اس وقت کچھ فاصلے پر سائیکل چلاتا سلیم آتا ہے۔ وہ سائیکل سے اتر کر لان میں بیٹھ جاتا ہے اور گلے میں لٹکائی دوربین سے تارا اور لڑکوں کا منظر دیکھتا رہتا ہے۔)

تارا : تم سب پاکستان کے معزز شہری ہو۔ تم اگلی جنریشن ہو۔ پاکستان کی باگ تمہارے ہاتھ میں ہو گی۔ فاروق تم اپنے باپ کی طرح خانساماں نہیں بنو گے بلکہ انجنیئر ہو گے۔

(اس وقت فاروق کے چہرے پر کیمرہ آتا ہے اور جہاز سے بوریاں اتارتا ہوا کرین سوہنی دھرتی کی ساؤنڈ کے ساتھ فاروق کے چہرے پر سپر امپوز ہوتا ہے۔
یہ چند ثانیے کا ایفکٹ ہے۔)

تارا : پاکستان کی دھرتی پر تم سب کا حق برابر ہے۔ تم میں وہ سب صلاحیتیں ہیں نذیر جو ایک اچھے ڈاکٹر میں ہوتی ہیں۔ نذیر chin up! جوان کا کام ہے گردن اُونچی رکھے۔

(اب کیمرہ نذیر کے چہرے پر آتا ہے۔ اس پر کسی اپریشن تھیٹر کی تصویر سپر امپوز کیجئے۔ ساتھ ہی آواز آتی ہے۔)

جیوے جیوے پاکستان

تارا : ہم سب سپاہی ہیں۔ وطن کے سپاہی قوم کے سپاہی۔ وطن کی راہ میں ہر چھوٹا کام ہر بڑا کام مشنری سپرٹ سے کیا جائے گا۔ جو آدمی پاکستان میں ایک گلاب کا پودا لگاتا ہے، وہ بھی اتنا ہی اہم ہے جس قدر وہ شخص جو اس ملک کے لیے ڈیم بناتا ہے، نہر نکالتا ہے۔

(اب ان لڑکوں کے چہروں پر فوجیوں کی پریڈ سپر امپوز ہوتی ہے۔ ساتھ نورجہاں کی آواز آتی ہے۔ 'اے وطن کے سجیلے جوانو')

تارا : اب تم سب جا سکتے ہو۔ ڈسپرس —

سب بچے : پاکستان زندہ باد

تارا باجی زندہ باد .... پاکستان زندہ باد

تارا باجی زندہ باد

تارا : ٹھہرو۔ رُک جاؤ۔ ہالٹ۔ (بچے چُپ ہو جاتے ہیں) دیکھو کبھی کسی فرد کے نام کا نعرہ نہ لگاؤ۔ فرد آتے جاتے رہتے ہیں۔ ہمیشہ وطن کے نام کا نعرہ لگاؤ۔ پاکستان زندہ باد۔

(سب اس کے بعد نعرہ لگاتے ہیں اور جاتے ہیں۔)

سلیم : تارا باجی پائندہ باد

(دُور سے تارا پاس آتی ہے۔)

تارا : تم کب آئے ؟

سلیم : ابھی تھوڑی دیر ہوئی۔

تارا : اندر چلیں۔
سلیم : چلو

کٹ ــــــــــ

سین ۸
ان ڈور
شام کا وقت

(تارا کا کمرہ۔ چائے کے برتن لگے ہیں۔ تارا چائے بنارہی ہے۔ سامنے سلیم بے دھیان سا بیٹھا ہے۔)

سلیم : جھوٹ ہے بکواس ہے۔ جس بات پر تمھاری اپنی گرفت نہیں، وہ ان معصوم بچوں کو کیوں سکھاتی ہو ــــ ؟

تارا : ہر وہ چیز جو میں انھیں سکھاتی ہوں، اس پر میرا پورا ایمان ہے سلیم۔

سلیم : تم ساری عمر خود نعرہ لگاتی رہی ہو، آپاجی زندہ باد سربلند خان پائندہ باد اور بچوں کو منع کرتی ہو فرد کا نعرہ لگانے سے۔

تارا : اباجی کی اور بات ہے۔ وہ میرے آئیڈیل ہیں۔ اتنی قربانیاں سلیم! توبہ اتنی قربانیاں جو اُنھوں نے دی ہیں اپنے ملک کے لیے۔

سلیم : میں فرینک ہونے لگا ہوں ذرا۔ ہو جاؤں کہ بعد میں چائے نہیں ملے گی۔

(تارا سر کے اشارے سے اجازت دیتی ہے۔)

سلیم : کیا قربانی دی ہے تمھارے اباجی نے بائی دی وے ــــ ؟

تارا : جب امی شہید ہوئی ہیں پھگواڑے کے سٹیشن پر تو . . . .

سلیم : پھر ؟

تارا : پتہ ہے سلیم مائنڈ نہ کرنا۔ اب میں فرینک ہونے لگی ہوں ۔

سلیم : زہے نصیب ـــ بسم اللہ

تارا : تم اباجی سے جیلس ہو۔ تم جانتے ہو کہ وہ میرے ڈریم ہیرو ہیں۔ اور یہ تم سے برداشت نہیں ہوتا ۔

سلیم : ہاں ۔ (سر کھجلا کر) ہو سکتا ہے ۔ غالباً یہ کسی بھی نوجوان سے برداشت نہیں ہوتا۔ ہمارے اندر صدیوں کی شاونزم چھپی ہوتی ہے ، آہستہ آہستہ نکلے گی۔

تارا : تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے سوائے کسی اور کو آئیڈیل نہ بناؤں ۔

سلیم : ہو سکتا ہے کہ اندر کہیں بہت اندر میری یہی آرزو ہو ، لیکن ویسے اُوپر سے میری آرزو ہے کہ تم نہ میرا آئیڈیل بناؤ نہ اباجی کا۔ آئیڈیل بڑے خطرناک ہوتے ہیں ۔ جب یہ ٹوٹتے ہیں تو آدمی خود بھی ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے اور پھر اس کی عمر اپنی ہی کرچیاں چنتے گزرتی ہے ۔

تارا : تم میرا آئیڈیل نہیں بناتے سلیم ۔؟

سلیم : روکتا رہتا ہوں ۔ اپنے آپ کو . . . . کیونکہ میں تُم سے محبت کرنا چاہتا ہوں ہمیشہ . . . . ہر وقت . . . . لگتا ہے تارا اور انسان گتے کا بنا ہوا ہے تارا ـــ ! بلاٹنگ پیپر کا بنا ہوا ہے ۔ ذرا سا بوجھ زیادہ پڑے ، پانی کے چھینٹے آ گریں ۔ گتّا ، کاغذ ، بلاٹنگ پیپر سب گل جاتے ہیں ۔ میں چاہتا ہوں کہ جب تم کترن کترن ہو جاؤ ، جب تمہارا لفافہ بھی نہ بنایا جا سکے ، پُڑیا بنا کر تم میں کچھ پیک بھی نہ کر سکیں تو میں تمہیں محبوب کے پھٹے ہوئے خط کی طرح کوٹ کی اندر والی جیب میں رکھوں . . . . . تمہارا کوئی حرف پڑھا نہ جا سکے ، کاغذ بوسیدہ ہو لیکن خوشبو لگا کر رکھوں ہمیشہ ۔

اگر میں نے تمہیں آئیڈیل بنا لیا تو پھر.... بہت قریب آنے پر تو یہ آئیڈیل ٹوٹ جائے گا — ضرور — بالکل — ہر حال میں۔

کٹ ______

سین ۹
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(سلیم اور تارا سائیکلوں پر نہر کے کنارے کسی دیہاتی علاقے میں نہر کے کنارے ایک لڑکا بھینس چرا رہا ہے۔ تارا سائیکل سے اُترتی ہے اور لڑکے سے کچھ باتیں کرتی ہے۔ اتنے میں سلیم بہت آگے نکل جاتا ہے۔ وہ کافی فاصلے پر جا کر رُکتا ہے۔ پھر تارا بچّے کو پانچ روپے کا نوٹ دیتی ہے۔ پھر سائیکل پر چڑھ کر سلیم کو جوائن کرتی ہے۔ تھوڑی دُور تک اکٹھے جاتے ہیں۔ نہر کے کنارے دو عورتیں کپڑے دھو رہی ہیں۔ تارا سائیکل روک کر اپنی ڈائری لے کر ان کے پاس جاتی ہے اور اُن سے سوال جواب کرتی ہے۔ اتنی دیر میں سلیم پھر دُور نکل جاتا ہے اور سائیکل روک کر انتظار کرتا ہے۔ تارا پھر اسے جوائن کرتی ہے۔ دونوں لانگ شاٹ میں دُور تک جاتے ہیں۔ یہ سین خاموش ہے۔ صرف حرکات، مکالمات کی کمی پوری کرتی ہیں۔)

کٹ ______

سین ۱۰
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(یہ پروڈیوسر کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ اسے سٹوڈیو میں فلمائے۔ ایک ٹوٹا سا چھپر ہے جس کے نیچے دونوں سائیکلیں ہیں۔ ایک لکڑی کا ٹھنٹھ ہے جس پر سلیم بیٹھا ہے اور ٹوٹی ہوئی چارپائی پر تارا بیٹھی ہے۔)

سلیم : پلیز تم ان سب کو وہیں رہنے دو — جہاں یہ رہ رہے ہیں۔

تارا : تم چاہتے ہو کہ تمہارے ہم وطن سارے جاہل رہیں۔ انہیں جگانے والا کوئی نہ ہو۔

سلیم : جگانے کے بعد اگر حصہ بٹانے کا حوصلہ نہ ہو تو پھر اسی طرح رہنے دو — یہ خیرات ٹھیک نہیں۔

تارا : کیا مطلب!

سلیم : سفید مشنری، سیاہ قوموں کے ساتھ اس طرح ہی کرتے رہے ہیں۔ زیادہ تعلیم یافتہ، ان پڑھ کے ساتھ بھی رویہ استعمال کرتے رہے ہیں۔ بہت متمدن قومیں، کم تہذیب یافتہ قوموں سے یہی کچھ کرتی ہیں۔

تارا : تمہیں تو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔ بڑے فضول خیالات ہیں تمہارے۔

سلیم : تیرنا سکھاتے نہیں اور پانی میں دھکا دے دیتے ہیں۔ ان لوگوں کا بھلا چاہتی ہو تو انہیں یونہی رہنے دو — تارا جب تک کوئی واقعی جگانے کا اہل آدمی ان میں نہ آئے۔

تارا : تم جدوجہد کے خلاف ہو۔ تم کچھ کرنا نہیں چاہتے۔ تم کسی قسم کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لینا ہی نہیں چاہتے۔

سلیم : یہ ذمہ داری اپنے کندھوں پر لینا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ تُم میں یہ صلاحیت نہیں ہے۔ تارا کنوئیں کے مینڈک کو یا تو کُھلے پانیوں میں لے جاؤ یا پھر کنوئیں کے خلاف کچھ نہ کہو۔ تارا میں سمجھتا ہوں یہ گُناہ ہے۔ واقعی کچھ کرنا ہے تو صرف اپنا فرض نبھائے جاؤ ـــ

تارا : میں سمجھتی تھی سلیم کہ تُم میرا ساتھ دو گے۔ تُم ڈاکٹر نہیں بنے نہ سہی۔ میں نے اسے کم ہمتی نہیں سمجھا۔ تُم نے آبا جی کو خوش کرنے کے لیے انجینیرنگ نہیں کی ـــ کوئی بات نہیں۔ نیور مائنڈ۔ ہر قدم پر میں تمہارے لیے excuses بناتی رہی ہوں۔ لیکن آج مجھے پتہ چلا ہے کہ تمہارے دل میں اپنے غریب دیہاتی ہم وطنوں کے لیے بھی جگہ نہیں ہے۔ میرا خیال نہیں کہ اس کے بعد ہم اکٹھے ساتھ چل سکتے ہیں، کندھے سے کندھا ملا کر۔

سلیم : میں اپنا مطلب سمجھا نہیں سکا تارا ـــ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ طریقہ ٹھیک نہیں۔

تارا : مَیں جو کچھ بھی کروں گی تمہیں غلط لگے گا سلیم۔ تمہارے اندر جو مرد ہے وہ شاونِ ازم کا مارا ہوا بلڈ ہاؤنڈ ہے ـــ خدا حافظ۔

(تارا سائیکل اُٹھاتی ہے اور روانہ ہوتی ہے۔)

سلیم : تارا ـــ تارا رُک جاؤ۔ مجھے غلط نہ سمجھو۔ مِس انڈرسٹینڈ نہ کرو۔

(سائیکل پر پیچھے روانہ ہوتا ہے۔)

کٹ ـــــــــــ

سین ۱۱
ان ڈور
رات

(تارا رات کے وقت اپنے پلنگ پر بہت سے اُردو انگریزی اخبار پھیلائے ان میں سے پاکستان کے بارے میں معلومات اور پاکستان کے بارے میں تصاویر قینچی سے کاٹ رہی ہے۔ سرہانے کے پاس بستر پر ہی گوند دانی اور قریب ہی البم رکھی ہے۔ اتنے میں اباجی وضو کرکے گیلے گیلے مُنہ اور گیلے گیلے بالوں کے ساتھ اندر داخل ہوتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں تولیہ ہے جس سے وہ اپنے بازو پونچھ رہے ہیں۔)

ابا : تارا بیٹے میں میاں صاحب کے گھر جا رہا ہوں۔

ستارہ : اچھا اباجی

ابا : میری وارڈ روب میں دھاریدار کوٹ کے اندر ایک لفافہ ہے اسے بڑے سیف کے اندر رکھ دینا۔

ستارہ : اچھاجی

ابا : بھول نہیں جانا بیٹے۔ اس میں چھ ہزار روپے ہیں۔ بڑی سیف کے چھوٹے خانے میں رکھ دینا جہاں تمہاری اماں کی جیولری پڑی ہے۔

ستارہ : اچھاجی

(باپ یہ کہہ کر چلا جاتا ہے اور ستارہ اخبار سمیٹنے لگتی ہے۔ ابھی وہ اس کام میں مشغول ہے کہ باپ پھر واپس آجاتا ہے اور کرسی کھینچ کر قریب بیٹھ جاتا ہے۔)

ابا : تُم سے ایک بہت ضروری بات کرنا تھی بیٹے۔

ستارہ : جی اباجان

آبا : آج بھابی پھر آئی تھیں — صغراں بھابی سلیم کے رشتے کی بابت۔

ستارہ : جی

آبا : میں نے بڑے اعتماد اور بڑی شرافت کے ساتھ انکار کر دیا ہمیشہ کے لیے۔

ستارہ : کیوں آبا جی

آبا : بیٹے، میں سمجھتا ہوں وہ تیرے قابل نہیں — تیری مرحومہ والدہ کے بعد جس محبت اور محنت سے میں نے تجھے پروان چڑھایا ہے، اکیلے رہ کر ایک عظیم قربانی دے کر — اور جہاں تُو خدا کے فضل سے پہنچ چکی ہے، وہ تیرے لائق نہیں۔

ستارہ : لیکن آبا جی!

آبا : وہ میرے بڑے ہی محترم اور بے حد قابلِ تعظیم مرحوم بھائی کی نشانی ہے۔ لیکن اس میں بھائی صاحب جیسی ایک بھی بات نہیں۔ میں اسے آج تک ٹھیک سے سمجھ ہی نہ سکا — وہ ایک لاپرواہ اور بے تعلق سا نوجوان ہے جسے نہ اپنے مستقبل کی فکر ہے نہ کچھ سننے کا شوق۔

ستارہ : میرے ساتھ تو ہر وقت مستقبل کی سکیمیں بناتے رہتے ہیں۔

آبا : سب خیالی۔ سب زبانی کلامی۔ عمل کی صورت کہیں بھی نظر نہیں آئی — ایف۔ ایس سی کرنے کے بعد ڈاکٹری میں داخلہ نہ لیا۔ پھر انجینیئرنگ کی طرف مائل ہُوا تو چھ ماہ بعد اسے بھی چھوڑ دیا۔ اب آٹھ مہینے سے ایم اے کر کے بیٹھا ہے۔ لیکن کوئی لائحہ عمل نہیں۔ کوئی پروگرام نہیں۔ میں نے کہا بھئی مقابلے کا امتحان ہی دے ڈالو — کہنے لگا چچا جان کچھ دل نہیں جمتا۔

ستارہ : کیوں؟

آبا : پتہ نہیں — پھر میں نے کہا بزنس ایڈمنسٹریشن کر لو۔ بڑا کھلا میدان ہے۔ کہنے لگا میرا مزاج نہیں۔ میں نے کہا کوئی کام شروع کر لو — میرے ساتھ یا الگ سے۔

کہنے لگا جی بڑے بکھیڑے ہیں ۔ بڑے چکر ہیں ۔میں ابھی سوچ رہا ہوں ۔میں نے کہا کیا سوچ رہے ہو تو ہنس کر بولا ۔سچی بات تو یہ ہے چچا جان کہ ابھی ٹھیک سے سوچنا بھی شروع نہیں کیا ۔میں لائف کو ایزی بنانا چاہتا ہوں ۔ اب ایسے ایزلونگ کے ساتھ تو میں اپنے جگر گوشے کو نہیں دے سکتا تاں ۔

ستارہ : جی

ابا : (پیار سے سر پر ہاتھ پھیر کر) تم مائینڈ نہ کرنا تارا بیٹی ۔میں نے سوچ سمجھ کر انکار کیا ہے اور اس میں تمہاری بہتری ملحوظ تھی ۔

ستارہ : (غمناک ہو کر) جی اچھا

(باپ چلا جاتا ہے ۔ اور ستارہ گھٹنوں میں اپنا سر دبا کر خاموش ہو جاتی ہے ۔نہ روتی ہے نہ سسکیاں بھرتی ہے ۔لیکن اس کی نشست کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ اس کو اس بات کا شدید صدمہ ہوا ہے ۔)

ــــــــــ کٹ

سین ۱۲
آوٹ ڈور
شام کا وقت

(ستارہ اپنی کار میں سوار ، جسے شوفر چلا رہا ہے ، لاہور کی سڑک پر جا رہی ہے ۔پھر وہ ریواز گارڈن کالونی میں داخل ہوتی ہے ۔ ایک کوٹھی ایک کنال کی چھوٹی سی بغیر لان کے ۔سامنے اس کی کار رکتی ہے اور وہ اندر چلی جاتی ہے ۔ اندر کمرے میں سلیم اپنے

پلنگ پر پاؤں نیچے لٹکائے کمر موڑے بستر پر رکھا ہوا ہارمونیم بجا رہا ہے اور مومن کے مقطع کا آخری مصرعہ گا رہا ہے ؎

ہم تو کل خواب عدم میں شب ہجراں ہوں گے

ستارہ تھوڑی دیر اُس کی کمر کے پیچھے کھڑی اس کا مصرعہ سنتی ہے پھر آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی اس کے سامنے آجاتی ہے۔ سلیم ایکدم ہارمونیم بند کر دیتا ہے۔)

سلیم : کیا تاثیر ہے۔ کیا کشش ہے میرے گانے کی!

ستارہ : (خطوں کا پلندہ آگے بڑھا کر) میں تمہارے خط واپس کرنے آئی ہوں سلیم۔

سلیم : (زہر خند) اتنی دُور جو آئی ہو تو انہیں وہیں جلا دیتیں۔

ستارہ : میں نے کہا تمہاری چیز تمہیں واپس پہنچ جانی چاہیئے۔

سلیم : (لے کر) شکریہ

ستارہ : تمہیں مجھ سے کوئی گلہ نہیں ہونا چاہیئے سلیم۔

سلیم : بالکل نہیں

ستارہ : ابّا جی کا حکم تھا۔ اور انہی کا فیصلہ ہے۔ اور ان کے آگے میرے لیے دنیا کی ہر چیز ہیچ ہے۔

سلیم : ابّا جی بھی میری تمہاری طرح کے انسان ہیں۔ ان میں بھی وہ کوتاہیاں ہو سکتی ہیں جو ہم میں ہیں۔ جو ہم سب میں ہیں۔

ستارہ : میرے ابّا جی میری تمہاری طرح کے ایک عام انسان نہیں۔ وہ عظیم ہیں۔ اُنھوں نے اس ملک کے لیے وہ کچھ کیا ہے، جو ایک عام انسان نہیں کر سکتا۔

سلیم : ہم بھی اس ملک کے لیے اور اس مملکت کے لیے بساط بھر کر رہے ہیں لیکن عام انسان ہیں اور عام بن کر ہی رہنا چاہتے ہیں۔ عظیم انسان کی شخصیت میں بڑے چِب پڑ جاتے ہیں اور اپنی عظمت نبھانے کے لیے وہ ہر وقت ٹیڑھا میڑھا ہوتا

رہتا ہے۔ تشنج کا شکار ہو جاتا ہے۔

ستارہ : تم اباجی سے جیلس ہو۔ تم ان کی گریٹنس سے جلتے ہو۔

سلیم : میرے لیے ان سے جلنے کا کوئی جواز نہیں تارا۔

ستارہ : اُنہوں نے ہماری منگنی توڑ دی اس لیے تُم ان کے خلاف زہر اُگل رہے ہو۔ حالانکہ ساری دُنیا جانتی ہے کہ سربلند خان ایک قد آور اور بُلند شخصیت ہے۔

سلیم : میں تمہیں اس صدمے سے بچانا چاہتا ہوں تارا، جسے تم کسی بھی صورت میں برداشت نہیں کر سکتی ہو۔

ستارہ : مجھے اباجی نے اس طرح پروان چڑھایا ہے کہ میں ہر بڑے سے بڑے صدمے کو آسانی سے برداشت کر سکتی ہوں۔

(اپنی جگہ سے اُٹھ کر جاتا ہے اور الماری سے ایک بریف کیس نکالتا ہے۔ اُسے لا کر پلنگ پر رکھتا ہے اور کھولتا ہے۔ اُس میں سے ایک خاکی لفافہ نکالتا ہے اور اُسے ستارہ کے حوالے کرتا ہے۔)

ستارہ : کیا ہے یہ؟

سلیم : نوٹ ہیں۔ سو سو کے سو نوٹ۔ دس ہزار روپئے۔ کھولو۔ گھبراؤ نہیں۔ کاٹیں گے نہیں۔

(ستارہ نوٹوں کی تھدی نکال کر دیکھتی ہے۔ سلیم بریف کیس سے ایک سرمئی پنسل نکال کر دیتا ہے۔)

سلیم : ان نوٹوں کے کونے پر اپنے انیشل کرو۔ کسی بھی کونے میں۔ پھُول میں۔ بیل میں یا قائداعظم کی تصویر کے نیچے۔

ستارہ : (حیران اور بھونچکی) لیکن کیوں؟

سلیم : تمہارے اباجی نے ایک سودا کیا ہے۔ کیمیکلز کا۔ سات ہزار روپے کا تو وہ چیک لیں گے اور اس کی رسید دیں گے۔ دس ہزار روپے وہ بلیک منی لیں گے۔ نقد

نوٹوں کی صورت میں۔

(ستارہ ایک زناٹے دار تھپڑ سلیم کے مُنہ پر رسید کرتی ہے۔ سلیم خوشگواری سے مُسکراتا ہے اور کہتا ہے۔)

سلیم : خریدار میرا ایک دوست ہے۔ سودا طے پا چکا ہے۔

ستارہ : بکومت

سلیم : یُونہی۔ اپنی تعلیم کے لیے ۔ ۔ ۔ ۔ سیلف ایجوکیشن کے لیے۔ کیا حرج ہے۔ ستارہ تم پڑھی لکھی لڑکی ہو۔ لیبارٹری میں تجربے کرتی آئی ہو۔ ایک تجربہ یہ بھی سہی۔

(ستارہ بڑی دیر تک سوچتے ہوئے آہستگی سے پنسل اس کے ہاتھ سے لیتی ہے اور آرام سے بیٹھ کر نوٹوں کے کونے پر اپنے نام کے انیشل کرنے لگتی ہے۔)

فیڈ آؤٹ ———

سین ۱۳

ان ڈور

رات کا وقت

(جس طرح ستارہ بیٹھی میچ دیکھ رہی تھی؛ اب وہ پھر ٹیلی ویژن کے سامنے ہے اور کوئی نیشنل گیت سُن رہی ہے۔ اتنے میں گیلری میں سے اباجی آواز دیتے ہیں۔)

ابا : تارا بیٹے۔ اِف یُو ڈونٹ مائینڈ۔ میری بات سنو ذرا۔

(تارا کمرے سے باہر گیلری میں آتی ہے اور دروازہ اپنے پیچھے بند کرتی ہے۔ اس طرح اب وہ ٹیلی ویژن والا کمرہ چھوڑ کر ایک لمبی گیلری میں آجاتی ہے۔)

ابّا : بیٹے جان میں ذرا سُبحانی صاحب کے یہاں جا رہا ہوں۔ لیٹ ہو جاؤں گا۔ یہ دس ہزار روپے ہیں۔ ان کو بڑے سیف میں اپنی امی کی جیولری کے ساتھ رکھ دینا۔ اور بیٹے دیر تک ٹیلی ویژن نہ دیکھتے رہنا۔ صبح کالج جانا ہے۔

(تارا نوٹ پکڑتی ہے۔ باپ جاتا ہے۔ دُور تک باپ جاتا ہوا نظر آتا ہے۔ تارا نوٹ دیکھتی ہے۔ پھر باپ کو دیکھتی ہے۔ پھر ایک ایک کر کے نوٹ دیکھتی ہے۔ اپنے انیشل پہچانتی ہے۔ اب وہ نڈھال ہو کر گیلری میں بچھی پٹّی پر بیٹھ جاتی ہے۔ آنسو اُس کی آنکھوں سے گرتے ہیں۔ اب سلیم آتا ہے اور آ کر اس کے پاس بیٹھتا ہے۔)

ستارہ : (دُکھ سے) یہ وہی ہیں سلیم ۔ وہی نوٹ ۔ وہی انیشل ۔ وہی ۔ پورے دس ہزار ۔

(سلیم محبت سے اس کا ہاتھ پکڑتا ہے اور اسے تھپتھپا کر کہتا ہے۔)

سلیم : تمہارے ابّا جی ہر بڑے آدمی کی طرح بڑے بدنصیب ہیں۔ وہ اس کھلاڑی کی طرح ہیں تارا جو سارے hurdles پھلانگ جاتا ہے لیکن آخری hurdle کے وقت چھلانگ لگاتے ہوئے اس کے گھٹنے ٹکرا جاتے ہیں اور وہ اوندھے مُنہ گرتا ہے۔

تارا : میں ساری عمر ابّا جی کی شکل نہیں دیکھوں گی سلیم۔ آئی ہیٹ ہِم ۔ آئی ہیٹ ہِم ۔

سلیم : بس بس بس ..... یوں نہیں کیا کرتے ... ایسے نہیں۔

تارا : اُوپر سے کیا بنے پھرتے ہیں اور اندر سے کیا نکلے ۔

سلیم : کوئی ذیابطیس سے بیمار ہوتا ہے۔ کسی پر فالج گرتا ہے۔ کوئی کینسر میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہ ہیومین فیٹ ہے جس قدر کوئی اُوپر چڑھتا ہے اتنا ہی نیچے کی طرف آتا ہے۔ بہتر تو یہی ہے کہ جس طرح مریض کے لیے دعا مانگی جاتی ہے، تم ابّا جی کے لیے دعا مانگو۔

تارا : چھوڑو سلیم۔ میں تو ایسے ابّا جی کے لیے مرتے دم دعا نہ مانگوں جنہوں نے پاکستان کو یہ دیا .... اپنی پناہ کے بدلے۔

سلیم : پاکستان بہت بڑا ہے تارا ــــ ایک شفاف بڑے دریا کی طرح۔ دریائے سندھ کی طرح۔

اس میں ہر شہر اپنا سیوریج ڈالتا ہے۔ گندے نالے، مردہ جانور، جھاڑ جھنکار، لیکن دریا بہتا رہتا ہے۔ کوئی غلاظت اتنی بڑی نہیں ہوتی کہ شفّاف دریا کو گدلا کر سکے۔

تارا : سلیم !

سلیم : ہم تو چھوٹے آدمی ہیں تارا۔ پکنک منانے اس دریا کے کنارے آ بیٹھے ہیں — آم کی گٹھلیاں، کیلے کے چھلکے، گندے کاغذی رومال اس میں پھینک دیں گے تو چھوٹے آدمیوں کا سا کام کریں گے۔ لیکن دریا پھر بھی شفّاف رہے گا۔ جھیل مانسرور سے چل کر کراچی تک آنے والا سندھ — اباسین مہران . . . . یہ دریا نہ تمہارے آپاجی نے بنایا ہے نہ تم نے جس نے اسے بنایا ہے وہی اس کے پانیوں کو شفّاف بھی رکھے گا۔ ہمارا تمہارا فرض صرف اتنا ہے کہ جو کام ہم کو سونپا گیا ہے اسے نبھاتے رہیں۔ وفاشعاری سے — ایمانداری سے — اس سے زیادہ نہیں — دوسروں کو ٹھیک کرنے کی بجائے اپنا رُخ سیدھا رکھیں — بس — فقط اپنا رُخ — اپنی soul searching کرتے رہیں۔

(اتفاق سے ٹی وی روم کا دروازہ کھول دیتا ہے جہاں سے ٹی وی صاف نظر آ رہا ہے۔ ٹیلی ویژن پر جھنڈا نظر آتا ہے — ساتھ ہی ترانے کی آواز آتی ہے۔ سلیم اُٹھتا ہے اور مؤدب کھڑا ہوتا ہے۔ تارا بھی ذرا رُک کر اُٹھتی ہے لیکن اس کی سپرٹ ختم ہو چکی ہے — وہ سلیم کا سہارا لے کر رونے لگتی ہے سلیم اس کے کندھے کے گرد بازو ڈال کر کھینچتا ہے اور بڑے عزم اور محبت کے ساتھ جھنڈے کی طرف رُخ کئے کھڑا رہتا ہے۔)



فرماں اور بردار

کردار :

سرفراز : گہرائی تک سوچنے والا ذہین نوجوان

ابا جی : سرفراز کے کامیاب دنیادار دادا

ابی عظمت : سرفراز کے تایا صاحب

ابو حشمت : سرفراز کے ابا جی

امی خورشید : سرفراز کی والدہ - امیر خاتون۔ ٹھسّے والی

آمنہ : سرفراز کی پھوپھی

رضوانہ : سرفراز کی خوبصورت طرحدار کزن

رضوانہ کی والدہ : امیر خاتون

فقیر حسین : سفلی کام کا ماہر

مزمل : فیکٹری کا پی اے

مسرتی : رضوانہ کی سہیلی

ارم : رضوانہ کی دوست

فریحا : رضوانہ کی ہم جماعت

پروفیسر ۱
پروفیسر ۲ } : سرفراز کے اساتذہ

اس کے علاوہ کچھ مرد اور عورتیں

سین ۱
ان ڈور
دن کا وقت

(بہت امیرانہ ڈرائنگ روم۔ اس کا تمام فرنیچر دیواروں کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ درمیان میں بہت بڑے بدخشانی قالین پر دس پندرہ معزز امیر خواتین اور لڑکیاں قرآن خوانی میں مشغول ہیں۔ قالین کے وسط میں چھوٹی تپائیوں پر اگربتی جل رہی ہے۔ ایک تپائی پر بہت سارے سیپارے پڑے ہیں۔ یہ تمام خواتین اور لڑکیاں امرا۔ سے تعلق رکھتی ہیں۔ کشمیری شالیں، خوبصورت فر کے کوٹ پہنے ہوئے ہیں۔ ایک موٹی عورت اس ٹکڑی سے ہٹ کر صوفے پر بیٹھی سیپارہ پڑھ رہی ہے۔ ایک خاتون نے فر کے کوٹ کے اُوپر بالوں کو خوبصورت سکارف سے لپیٹ رکھا ہے۔ لڑکیوں نے کٹے ہوئے بالوں پر دوپٹے اس طرح رکھے ہیں کہ ان کے سروں پر صرف ایک رسی سی پڑی ہوئی نظر آتی ہے۔ ایک ٹکڑی میں جہاں رضوانہ کی ماں اور ایک اور چکدار عورت بیٹھی ہے، آہستہ آہستہ کھسر پھسر ہو رہی ہے۔ رضوانہ کی ماں اپنے ہیرے کی انگوٹھی دکھاتی ہے۔ دوسری عورت انگوٹھی اُتروا کر اپنی انگلی میں پہن کر دیکھتی ہے۔ آخری تین سیپارے پڑھنے کے لیے رہ گئے ہیں۔ باقی تمام سیپارے پڑھے جا چکے ہیں۔ ایک سیپارہ ایک نوجوان لڑکی پڑھ رہی ہے۔ ایک سیپارہ صوفے پر بیٹھی ہوئی خاتون کے ہاتھ میں ہے۔ ایک سیپارہ ایک خاتون پڑھ رہی ہے۔ ایک دوسری ٹکڑی میں ایک عورت پرس کھول کر ایک خط نکال کر ساتھ والی کو دکھاتی ہے۔ ساتھ والی پرس سے عینک نکال کر پڑھتی ہے۔ پہلی عورت کچھ کان میں کھسر پھسر کرتی ہے۔ ایک

اور ٹکڑی میں ایک اور خاتون اپنی ساتھ والی خاتون کے ساتھ دبی آواز میں جیسے اپنے شوہر کی بے وفائیوں کا رونا رو رہی ہے۔ یہ دونوں باتیں کرنے میں بہت مشغول ہیں لیکن ان کی آواز نہیں آتی۔ ایک لڑکی سوئیٹر کی جیب سے چلغوزے نکال کر آہستہ آہستہ کھانے میں مشغول ہے۔ ایک اور خاتون اپنے پرس میں سے ایک چھوٹی سی قیمتی بروکیڈ کی تھیلی نکالتی ہے۔ اس میں سے الائچیاں نکالتی ہے اور ساتھ والی کو آفر کرتی ہے۔ اس بزنس کے دوران نوجوان لڑکی سیپارہ ختم کر لیتی ہے اور اُٹھ کر سیپارہ اسے دیتی ہے۔ وہ سیپارہ صوفے والی سے لے کر تپائی پر رکھتی ہے۔ اس کے بعد آخری خاتون سیپارے کو چوم کر بند کرتی ہے اور اُٹھ کر اسے تپائی پر رکھتی ہے۔ اس وقت ایک بڑے طشت میں بہت ساری مٹھائی لئے کر بی بی خورشید آتی ہے۔ سب عورتیں مل کر "مبارک مبارک" کا نعرہ لگاتی ہیں۔ بی بی خورشید خیر مبارک کہہ کر تمام عورتوں کے سامنے تھال لے کر مٹھائی پیش کرتی ہے۔ رضوانہ کی ماں اپنی بیٹی کو کہنی مار کر اٹھاتی ہے کہ وہ جا کر تھال اُٹھالے۔ ادھر سے چلغوزے کھانے والی کی ماں بھی اپنی بیٹی کو اُٹھاتی ہے۔ دونوں لڑکیاں بھاگ کر بی بی خورشید سے تھال لینے کی کوشش کرتی ہے۔ کیمرہ مٹھائی کے کلوز اَپ پر آتا ہے۔ مٹھائی کے آنے کے بعد تمام عورتیں بیک وقت بولنے لگتی ہیں۔ کوئی ساس کا ذکر، کوئی بیٹی کا ذکر، کوئی باہر گئے ہوئے شوہر کی بات، کوئی کرایہ دار کا رونا روتی ہے۔ یہ کراس ٹاک اتنی اچانک اور اکٹھی ہے کہ کچھ سمجھ نہیں آتا کون کیا بول رہی ہے۔)

کٹ ______________

سین ۲
ان ڈور
شام

(حشمت اللہ صاحب کے خوبصورت ڈرائنگ رُوم میں خوبصورت قالین بچھا ہے لیکن اس کا رنگ اور نقش و نگار پہلے سین کے قالین سے بالکل مختلف ہیں۔ اس پر حشمت اللہ، ان کے بڑے بھائی عظمت اللہ، بڑے ابا اور تین اور معزز افراد بیٹھے ہیں۔ سوائے بڑے ابا کے باقی سب لوگ سوٹ پہنے ہوئے ہیں اور بڑی مشکل سے قالین پر بیٹھے ہیں۔ ہر ایک کی نشست مختلف ہے۔

جب سین کُھلتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مولوی صاحب دُعا منگوا رہے ہیں اور دُعا کے آخری الفاظ کہہ رہے ہیں۔ مولوی صاحب مُنہ پر ہاتھ پھیرتے ہیں تو سب لوگ مُنہ پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ حشمت اللہ صاحب قالین کے درمیان رکھا ہوا خوبصورت دو کلو کی مٹھائی والا ڈبہ، جس پر سبز رنگ کا گدی کا غذ چڑھا ہے اور گوٹے سے بندھا ہے، مولوی صاحب کو دیتے ہیں۔ (پراپرٹی سیکشن: یاد رہے کہ ڈبّہ وزنی ہو جس میں دو کلوگرام وزن سے کم نہ ہو) مولوی صاحب ڈبّہ اپنی گود میں رکھتے ہیں تو حشمت اللہ صاحب ٹرے ان کے آگے کرتے ہیں۔ وہ ایک امرتی اُٹھا کر کھانے لگتے ہیں۔ پھر ٹرے دوسرے حاضرین کے سامنے کی جاتی ہے۔)

______کٹ

سین ۳
ان ڈور
دن کا وقت

(بی بی خورشید بڑی فیشن ایبل امیر عورت ہے۔ اس وقت وہ فیروزی چادر اوڑھے صوفے پر بیٹھی ہے۔ چادر تمام کشمیری کڑھائی سے بھری ہوئی ہے۔ اس کی پشت پر ایک پندرہ سولہ برس کی نوجوان لڑکی، جو شکل سے خوبصورت لیکن اطوار سے دیہاتی ہے، کھڑی ہے۔ یہ نوکرانی بی بی خورشید کے سر میں تیل ڈال رہی ہے۔ فون کے دوران مسلسل بی بی خورشید کی خدمت ہوتی رہتی ہے۔)

امی خورشید : (فون پر) ہائے توبہ — ہائے توبہ — ہائے توبہ — کمال ہے — یہ آپ کہہ رہی ہیں آپا آمنہ — توبہ توبہ توبہ۔ مجھے اپنی نند سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے؟ جی — ؟ — جی نہیں آپا آمنہ پلیز آپ بات تو سنیں میری — فنکشن ابھی نہیں ہوا صرف قرآن خوانی ہوئی ہے۔ فنکشن نہیں ہوا بادشاہو فنکشن نہیں ہوا۔ میں آپ کے بغیر فنکشن کر سکتی ہوں۔ کمال ہے آپ میری بات تو سنیں۔

(اس وقت خانساماں ایک پیالی کافی لاتا ہے اور پاس کی تپائی پر رکھتا ہے۔ خورشید چونگے پر ہاتھ رکھ کر کہتی ہے۔)

امی خورشید : تھوڑا کیک بھی لانا

(خانساماں چلا جاتا ہے۔)

آپ کو پتہ ہی ہے آپا آمنہ کہ ہم ہر موقع پر پہلے قرآن خوانی کراتے ہیں۔ ہم ہر وقت اللہ رسولؐ کے غلام ہیں — شکریہ — آپ کو مبارک جی۔ آپ کا سرفراز پاس ہوا ہے۔ آپ کو پتہ ہی ہے۔

(اس وقت بڑی عمر کی ملازمہ ہاتھوں میں فر کے بیڈروم سلیپر لے کر آتی ہے۔ بی بی خورشید جس نے اب تک صوفے پر ٹانگیں کر رکھی ہیں، ٹانگیں نیچے کرتی ہے اور نوکرانی ان کے پیروں میں فر کے جوتے پہناتی ہے۔ فون ساتھ ساتھ جاری رہتا ہے)

خورشید : طیر صاحب کے لڑکے نے تین بار امتحان دیا کوئی پاس ہُوا؟ اپنی کاکی بُوا کے لڑکے نے امتحان دیا۔ کافی محنتی pushing لڑکا تھا لیکن آپا آمنہ کچھ بیک گراؤنڈ بھی تو کاؤنٹ کرتی ہے۔ جی — جی — جی بس جی اللہ نے مہربانی کی ہم تو اسی کی رحمت کو مانتے ہیں۔

(اس وقت جمعدار ایک ہاتھ میں بُرش لیے اور دوسرے ہاتھ میں اخبار لے کر آتا ہے اور اخبار بی بی خورشید کو دیتا ہے۔ اب بی بی خورشید گود میں اخبار رکھ کر ساتھ ساتھ اخبار دیکھ رہی ہے، ساتھ ساتھ بات کرتی ہے۔ جُوتی والی نوکرانی چلی جاتی ہے، خانساماں کیک لیے آتا ہے۔)

خورشید : بس جی کسی وقت اس کو نہیں بھولنا چاہیے۔ آخر قیام پاکستان کے وقت ہم لوگ کیا تھے؟ سب اس کی وجہ سے ملا ہے جی — جی — جی — جی میں تو مانتی ہوں ان ساری باتوں کو آمنہ آپا — جی — جی — پہلے اس کے احکامات، پہلے اس کی اطاعت جی — بالکل ہے ہی یہ۔ اصلی بات بالکل — جو اللہ کا ہو گیا اس کی دُنیا اور آخرت دونوں بن گئیں۔ بالکل جی۔

(اس وقت جمعدار بُرش پھیر رہا ہے۔ بی بی خورشید اسے اشارہ کرتی ہے کہ ابھی میں بیٹھی ہوں تم بُرش نہ پھیرو، اپنی ناک پر اسی طرح چادر کرتی ہے کہ مٹی نتھنوں میں نہ گھس جائے۔)

خورشید : میرا تو ایمان ہے جی پہلے اللہ، پھر کچھ اور (جیسے غور سے بات سنتی ہے) خدا کی قسم آپا جی۔ مَیں نے کار بھیجی تھی۔ آپ گھر پر نہیں تھیں۔ یقین مانیں

فنکشن آپ کے بغیر نہیں ہوگا — ہائے توبہ توبہ توبہ جی —
(فون پر ہاتھ رکھ کر سر میں تیل لگانے والی نوکرانی سے)
ذرا اِدھر سے فون کا پلگ نکال دینا۔ شاباش
(لڑکی فون کا پلگ نکالتی ہے۔ خورشید بیگم تسلّی کے ساتھ فون رکھ دیتی ہے اور سر میں مالش کروانے لگتی ہے۔)

——— فیڈ آؤٹ

سین ۴
آؤٹ ڈور
شام کا وقت

(شاہ جمال یا گلبرگ کی اُونچی کوٹھی کا ٹریس۔ شام کا وقت۔ سرفراز ٹریس پر ہے۔ اُس نے دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ڈال رکھے ہیں اور ٹریس پر کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہُوا چل رہا ہے۔ اس کے پیروں میں اُونچی ایڑی کی جُوتی ہے۔ یہاں پر رکشہ اور کاروں کی آواز بھی آرہی ہے۔ بہت دُور جیسے شاہ جمال کے مزار پر قوالی ہو رہی ہے۔ اس قوالی کی آواز اتنی مدھم اور دُور ہے کہ الفاظ سنائی نہیں دیتے۔ سرفراز ٹہلتا ہُوا رُکتا ہے۔ سگریٹ سُلگاتا ہے۔ پھر ٹہلنے لگتا ہے۔ پھر رُکتا ہے۔ جیب میں سے ایک سکّہ نکالتا ہے۔ ٹاس کرتا ہے۔ ٹاس ہاتھ پر لیتا ہے۔ غور سے دیکھتا ہے۔ پھر ٹہلنے لگتا ہے۔ پھر مُنڈیر پر بیٹھتا ہے اور آسمان کی جانب دیکھتا ہے۔ آسمان پر ایک تنہا پتنگ اُڑ رہی ہے۔ پھر یہ پتنگ کٹ

کر گرتی ہے۔ کیمرہ کچھ دیر پتنگ کو فالو کرتا ہے۔ اس کے بعد کیمرہ پھر سرفراز پر آتا ہے۔ حسبِ معمول ٹہل رہا ہے۔ تھوڑی دیر ٹہلتا رہتا ہے۔ پھر منڈیر کے پاس آتا ہے اور سامنے شہر کی جانب دیکھتا ہے۔ سارا شہر اسے نظر آتا ہے۔ پھر وہ نیچے جانے والی سڑک کی طرف دیکھتا ہے۔ اس وقت ایک مولوی صاحب سائیکل پر سوار چوک پر آتے ہیں۔ لال بتی آتی ہے۔ سب رُکتے ہیں۔ مولوی صاحب بھی رُکے ہوئے ہیں۔ بتی کھلتی ہے۔ مولوی صاحب کے ساتھ تین کاریں، دو رکشہ آگے نکل جاتے ہیں۔ مولوی صاحب اپنی سائیکل چلاتے ہیں۔ کافی دُور تک اُوپر چھت سے انہیں کیمرہ فالو کرتا ہے۔ پھر سرفراز پر آتا ہے۔ وہ مولوی صاحب کو غور سے دیکھ رہا ہے۔ وہ سڑک کی طرف پُشت کر کے مُنڈیر پر بیٹھ جاتا ہے اور ایک اور سگریٹ سُلگاتا ہے۔ اس کے چہرے سے تذبذب ظاہر ہے۔)

________ کٹ

سین ۵
ان ڈور
شام کا وقت

(گھر کے خوبصورت ڈرائنگ رُوم میں خاندان کے لوگ صوفوں پر بیٹھے ہیں۔ صرف حشمت اللہ کھڑے ہیں۔)

ابا : بھئی کوئی بات ہے عظمت اللہ۔ کوئی تُک ہے۔ ہے اس بے وقوف میں عقل کی ایک رتی۔

ابی : بالکل اباجی۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں ہنڈرڈ پرسنٹ۔ کس کو یہ اعزاز ملا ہمارے خاندان میں، کون ہے جو کہہ سکے۔

ابا : ساری برادری میں بیٹا۔ تم خاندان کی بات کر رہے ہو۔ ساری برادری میں۔

انو : میں کب انکار کرتا ہوں اباجی لیکن گھر پر فنکشن کرنے میں ایک اور ہی فضا ہو گی۔

امی : آپ رہنے دیں اپنی یہ پسند۔ جو کچھ اباجی اور بھائی عظمت کہہ رہے ہیں، ٹھیک ہے۔

ابی : یہ پریسٹیج کا معاملہ ہے خورشید۔ بڑے بڑے لوگوں کو بلانا ہے۔ سرفراز کا ان سے تعارف کرانا ہے۔ اس کو آگے چل کر ان سے ملنا ہے۔ رابطہ پیدا کرنا ہے۔ ایز ایزی ایز دیٹ۔

ابا : کس نے کیا ساری برادری میں سی ایس ایس؟ بولو۔

انو : کسی نے نہیں جی

ابا : اور کس نے لئے اتنے نمبر؟

ابی : کوئی نہیں جی

آمنہ : پھر ہم کوئی بھوکے ننگے ہیں خدانخواستہ۔ کوئی غریب ہیں۔

انو : میں غریبی کی بات نہیں کرتا۔ میں تو صرف اس قدر کہہ رہا ہوں کہ یہ فنکشن گھر پر ہونا چاہیئے۔

امی : لیکن کیوں ہونا چاہیئے گھر پر؟

ابا : پوچھو اس سے

انو : اس لیے اباجی کہ گھر پر ایک پریسٹیج ہوتی ہے دعوت کی۔ ایک امپیکٹ ہوتا ہے جو ہوٹل میں نہیں ہوتا۔

ابی : ہوٹل میں کیوں نہیں ہوتا ؟

ابّو : ہوٹل میں بھائی جی —— کچھ کمرشلائیز سا ہو جاتا ہے سارا معاملہ۔

ابی : تو پھر کیا حرج ۔ کمرشلائیز ہوتا ہے، تو ہو جائے ۔ ایزایزی ایز ڈیٹ ۔ کیوں ابا جی ۔

ابّا : میں تو کہہ رہا ہوں ۔ اس احمق کے ذہن میں بھی ڈالو یہ بات ۔

امّی : آپ کیوں نہیں مان جاتے حشمت ؟

ابّو : مجھے اعتراض کوئی نہیں —— لیکن —— میں ذاتی طور پر یہ سمجھتا ہوں —— کہ اگر آپ سب ——

ابّا : او بابا غضب خدا کا —— مقابلے کے امتحان میں آٹھویں نمبر پر آیا ہے ہمارا لڑکا ۔ سی ایس ایس —— میں —— کوئی معمولی بات ہے ۔

ابی : ظہیر صاحب کا لڑکا تین سال سے فیل ہو رہا ہے ۔

آمنہ : اس نے تو بی ۔ اے بھی بل ملا کر کیا تھا ۔ وہ کیسے پاس کرے گا یہ امتحان ۔

ابّا : اور پھر لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ خدا نے کیا کرم کیا ہے ہم پر ۔ کیا رحمت ہے رحمتہ اللعالمین کی اس گھرانے پر ۔ اور کس طرح سے دُعائیں قبول ہوئی ہیں ۔

ابّو : تو پھر گھر کے بجائے کارخانے میں کرا لیتے ہیں یہ فنکشن ۔

ابّا : (مصنوعی غصّہ سے) اگر یہ تیری بیوی نہ بیٹھی ہو سامنے تو جُوتے مار کر نکال دُوں اسی وقت ۔

امّی : (ہنس کر) مجھے کوئی اعتراض نہیں ابا جی ۔

ابی : (ہنس کر) خورشید تو بلکہ خوش ہوگی ابا جی —— اور سنو میاں حشمت صاحب ۔ سرفراز تمہارا ہی بیٹا نہیں ، وہ اس سارے گھرانے کا واحد فرزند ہے ۔ سمجھے ، میرا بھی بیٹا ہے ۔

امّی : آپ کا پہلے بھائی جی۔

ابّی : اس کی کامیابی کا فنکشن ہوٹل میں ہوگا۔ اور یادگار فنکشن ہوگا۔ فنشڈ۔ ایز ایزی ایز دیٹ۔

کٹ ______

سین ۶
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(سٹوڈیو کے اندر چھوٹی کار کھڑی ہے۔ پیچھے ایریا کی لمبی باڑ ہے۔ سائیڈ پر ایک درخت ہے۔ اس کے ساتھ چھوٹا سا وکٹ کا پھاٹک ہے جس کے اُوپر موٹا موٹا 'نو انٹری' لکھا ہے۔ ایک گول گپے والا کار اور وکٹ پھاٹک کے درمیان کھڑا ہے اور اس وقت لڑکیوں کو سودا بیچ رہا ہے۔ رضوانہ اور اس کی تین سہلیاں اس وقت کار سے باہر ہیں۔ رضوانہ اور اِرم اس وقت گول گپے والے کے پاس ہیں۔ فریحا کار کی بونٹ پر بیٹھی ہے۔ مسرت ابھی کار کی فرنٹ سیٹ میں بیٹھی ہے۔)

رضوانہ : اب باہر بھی نکل آ مسرتی۔ کوئی حد ہوتی ہے ڈھٹائی کی۔

مسرتی : (اندر سے) باہر ابھی نکلیں گی مسز خان اور تم سب کو کریں گی فائن۔

فریحا : ہم سب مل کر فائن دے دیں گی تیرا ___ نکل آ۔ ویسے وہ کلاس لے رہی ہیں۔ اس وقت نہیں آسکتیں۔

مشرقی : نہیں آئی ایم ناٹ اے پارٹی۔ مجھے زکام ہوا ہے۔

ارم : آج تو ٹریٹ دے رہی ہے رضوانہ ــــ مفت کے گول گپّے ــــ آجا مشرقی۔

مشرقی : منگیتر اس کا آٹھواں آیا ہے سی ایس ایس میں اور یہ کھلا رہی ہے گول گپّے! شیم آن ہر۔

فریحا : (گول گپّے والے سے) بھئی گول گپّے والے ــــ یہ تمہاری میٹھی چٹنی ذرا اچھی نہیں۔ اس میں کیا ڈالا ہے تم نے؟

ارم : سکرین ــــ وہائی آسک؟

گول گپّے والا : نہیں بی بی جی۔ ہم سکرین نہیں ڈالتے اس میں۔ شام کو میری بیٹی کا منگیتر آیا ہُوا تھا دُوبئی سے۔ سب اس کی آؤ بھگت میں لگے رہے اِدھر توجہ ہی نہیں دی کسی نے ــــ میں کہتا رہا بہت، پر ان کو خوشی اتنی چڑھی ہوئی تھی۔

رضوانہ : This class is all Dubai-mad.

ارم : اس پلیٹ میں آٹھ ــــ موٹے موٹے چنے ڈالنا اس بار۔

گول گپّے والا : موٹے موٹے لیں ــــ جی

فریحا : These people think anybody in Dubai is all right, all safe.

ارم : ان کی ویلیوز ہی ایسی ہیں۔

مشرقی : ویلیوز تو ارم ایجوکیشن سے بنتی ہیں۔ تم ان لوگوں کو خواہ مخواہ blame کر رہی ہو۔ آخر یہ بھی تو improve کرنا چاہتے ہیں۔

رضوانہ : Let me ask--Let me know .... اچھا بھئی گول گپّے والے یہ تم نے جو اپنی لڑکی کی منگنی کی ہے کیا نام ہے اس کا؟

مسرتی : (چیخ کر) What does her name matter?

گول گپّے والا: جمیلہ سرجی

رضوانہ : جمیلہ کا میاں کیا کرتا ہے دُوبئی میں ؟

گول : ریڈیو کی دُکان پر ملازم ہے جی۔ بڑا سُوکھا ہے ـــــ کھلا رزق ہے۔

اِرم : تم کیا کر رہی ہو؟

رضوانہ : جسٹ اے منٹ ..... جسٹ اے منٹ ـــــ اچھا بھئی گول گپّے والے تمہاری بیٹی خوش ہے اس منگنی سے !

گول : ہاں جی بڑی ـــــ اس کی ماں بھی خوش ہے ۔

رضوانہ : اور تم ..... تم خوش نہیں ہو؟

گول : اب تو جی میں بھی خوش ہوں ـــــ پر جب منگنی ہوئی تھی تب میں خوش نہیں تھا ۔

فریحا : (بونٹ سے اُتر کر آتی ہے) تم کیوں خوش نہیں تھے ؟

گول : میرے بھائی کا لڑکا ہے جی ایک .... قرآن شریف کا حافظ ... بہت سُریلا قاری ہے۔ میری خواہش تھی اس سے جمیلہ کی شادی ہو جاتی .... پر جہاں وہ دونوں خوش رہیں ماں بیٹی ـــــ ہم تو بول نہیں سکتے ایسے معاملے میں۔

فریحا : تمہاری بیٹی دُوبئی چلی جائے گی شادی کے بعد ؟

مُسرتی : (چلّا کر) سٹاپ اِٹ آل ....

گول : ابھی تو جی ریھیڑ رہی ہے۔ اس کی پہلی بیوی نے اس شرط پر اجازت دی ہے دوسری شادی کی کہ نہ جمیلہ جائے گی دوبئی نہ وہ .... دونوں بیویاں پاکستان میں رہیں گی .... وکھری وکھری ....

مسرتی : (کار سے نکل کر) اس دُوبئی والے کی پہلی بیوی بھی ہے اور تم نے منگنی کر دی
اس سے اپنی بیٹی کی۔

گول : خیر سے چار بچے بھی ہیں پہلی سے۔ پر ہے سُوکھا ——— دو گھر پال سکتا ہے۔

مسرتی : اس سے تو بہتر تھا کہ تم اس دوسرے لڑکے سے کر دیتے ——— کیا کرتا ہے تمہارے
بھائی کا لڑکا ——— وہ بہتر تھا . . . .

گول : ابھی تو کچھ نہیں کرتا مسرتی ——— بے چارے کو وقت ہی نہیں ملتا ———
گلی کے بچوں کو قرآن پڑھاتا ہے۔ محلے والوں سے گزر بسر کے لیے اکٹھا ہو
جاتا ہے کافی . . . .

اِرم : (گاتی ہے) That Dubai-one is better

Anytime, any day

She is lucky, She is happy

She is merry, She is gay

So Dubai-one is better

Anytime, any day

فریحا : دیکھو گول گپّے والے یہ تم نے بڑا غلط سٹیپ اُٹھایا ہے ——— بائی گاڈ ان
لوگوں کی کوئی ویلیوز ہی نہیں ہوتیں۔

گول : یہی میرا بھی خیال تھا بی بی جی . . . . وہ لڑکا بہت ہی شریف ہے
میرے بھائی کا . . . . رزق کا کیا ہے جی، وہ تو مل ہی جاتا ہے۔ اللہ کا نام
لیتا ہے، بڑی بات ہے۔

(اس وقت وکٹ پھاٹک کھلتا ہے۔ چاروں لڑکیاں بھاگ کر کار کے پیچھے
چھپتی ہیں اور موٹی مسز خان جو کالج کی پرنسپل ہے، باہر نکلتی ہے۔)

مسز خان: تم کو معلوم نہیں یہ جگہ Out of bounds ہے تمہارے لیے ....
نکالو اپنی ریڑھی .... بھاگو یہاں سے ـــ سو دفعہ کہا ہے لاکھ دفعہ کہا
ہے کہ کالج ایریا میں تم لوگ نہیں آسکتے۔ منہ اُٹھا کر آجاتے ہیں۔
(تالی بجا کر جیسے چوکیدار، چپڑاسی کو بُلاتی ہے۔)
چوکیدار .... قادر بخش قادر بخش .... اس گول گپّے والے کو نکالو....
یہاں ـ کہاں مر گئے ـــ چوکیدار .... قادر بخش ـــ قادر بخش
(گول گپّے والا ریڑھی لے کر جاتا ہے۔ مسز خان تالی بجاتی ہے۔ کیمرہ اس پر
آتا ہے۔ وہ آوازیں دے رہی ہے۔)

ـــــــــ کٹ

سین ۷
ان ڈور
شام کا وقت

(ایک پختہ عمر کے گھڑی ساز کی دوکان ہے، جو سٹوڈیو کے اندر لگائی جائے
گی۔ یہ دکان دراصل ایک چھوٹا سا کیبن ہے جس کے اندر گھڑی ساز کے
بیٹھنے کی جگہ بھی مشکل سے پیدا کی گئی ہے۔ سامنے شوکیس میں گھڑیاں ہیں۔
گاہک کو کھڑے ہو کر گھڑی ساز سے رابطہ پیدا کرنا پڑتا ہے۔ اس گھڑی ساز
کے کیبن کے ساتھ دو اور چھوٹی چھوٹی دوکانیں ہیں۔ جن میں ایک تو چمڑے
اور پلاسٹک کے بیگوں اور بکسوں کی ہے اور دوسری پراندوں، وگوں اور

عورتوں کے سامانِ آرائش کی ہے۔

جس وقت سین کھلتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ گھڑی ساز آنکھ پر شیشہ چڑھائے کسی گھڑی کی مرمت میں مصروف ہے ــــ سرفراز اس کی دوکان پر آکر رکتا ہے۔)

سرفراز : السلام علیکم رضی صاحب

گھڑی ساز : (شیشہ اُتار کر) وعلیکم السلام وعلیکم السلام۔ مزاج شریف۔

سرفراز : مہربانی سر۔ شکریہ

گھڑی : پرسوں آپ کی بہت یاد آئی صاحبزادے ــــ یہی کوئی اسی ٹائم پر۔

سرفراز : بندہ پروری ہے سر لیکن آپ نے تو ــــ

گھڑی : تین نوجوان آگئے تھے آپ جیسے خوبصورت، ذہین اور پاک۔ ان سے ملوانا تھا آپ کو۔

سرفراز : لیکن آپ نے تو مجھے آج آنے کے لیے کہا تھا۔

گھڑی : میں نے تو یہی عرض کیا تھا لیکن پرسوں ان کی آمد سے آپ کی یاد آگئی ــــ میں نے ان سے کہا بھی کہ ایک نوجوان اور تشریف لایا کرتے ہیں آپ جیسے ــــ آپ کا نام پھر بھول گیا ــــ

سرفراز : سرفراز!

گھڑی : اللہ سرفراز کرے۔ دین دنیا میں سرخرو فرمائے ــــ آپ جیسے نوجوانوں سے مل کر بڑا انشراح ہوتا ہے۔ خدا آپ کو برکت دے۔

سرفراز : وہ ٹھیک ہو گئی ہو تو عنایت فرما دیجئے ــــ میری گھڑی۔

گھڑی : گھڑی آپ کی ٹھیک ہے۔ جب بھی ٹھیک تھی اور اب بھی ٹھیک ہے۔ خدا کے فضل سے جو گھڑی بھی آپ پر ہو گی ٹھیک ہو گی ــــ (آواز دے کر) سلیمان! ایک کپ چائے دے جانا بیٹے۔

سرفراز : چائے کا تکلف نہ کیجیے سر۔ میں پی کر آرہا ہوں۔

گھڑی : ہمارے یہاں تکلف نہیں ہوتا بیٹے۔ مہمان کے احترام میں اہتمام ضرور ہوتا ہے۔ جو بھی اردگرد آسانی سے مل سکے، حاضر کیا جائے گا۔ تکلف نہیں ہوگا۔ کب جا رہے ہیں آپ اکیڈمی میں؟

سرفراز : ابھی تو کوئی بلاوا نہیں آیا سر۔

گھڑی : پروفیسر بشیر کے صاحبزادے تو تشریف لے گئے!

سرفراز : جی نہیں وہ بھی ابھی نہیں گئے۔ . . . وہ اپنی ہمشیرہ سے ملنے ساہیوال گئے ہیں۔

گھڑی : آپ کے والد کیا کرتے ہیں؟

سرفراز : ان کی فیکٹری ہے سر چپ بورڈ اور پلائی وڈ کی ـــ لیکن اس دن آپ کی وہ بات . . . جو آپ پروفیسر بشیر صاحب سے کر رہے تھے، وہ کچھ میری سمجھ میں نہیں آئی ٹھیک سے ـــ ایکسکیوزمی۔

گھڑی : نہیں نہیں۔ اس میں معافی مانگنے کی کیا بات ہے ـــ آپ کا حق ہے مجھ پر ـــ بڑوں پر چھوٹوں کے بہت زیادہ حقوق ہوتے ہیں ـــ میں ان سے کہہ رہا تھا بیٹے کہ بہت سے بھولے بھالے لوگ صرف اخلاقیات کو ہی پورا مذہب سمجھ لیتے ہیں ـــ یا مذہب کو اخلاقی نظام کا نام دے کر پکارنے لگتے ہیں۔

سرفراز : یہ تو ہم سبھی سمجھتے ہیں۔

گھڑی : تو آج سے نہیں سمجھیں گے انشاء اللہ ـــ

سرفراز : یعنی آپ اخلاقیات کو اور تعمیرِ کردار کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے۔

گھڑی : بڑی اہمیت بہت زیادہ ـــ بلکہ اہمیت ہی اہمیت ـــ لیکن مذہب کو صرف کردار کی تعمیر تک محدود کر دینا اور تعمیرِ کردار سے یہ مراد لینا کہ اس

سے معاشی زندگی کو فائدہ پہنچے گا اور اعلیٰ کردار معاشرہ کے لیے مفید ثابت ہوگا ــــ یہ دین نہیں ہے۔

سرفراز : جو چیز بھی معاشرے کے لیے مفید ہوگی رضی صاحب یقیناً مذہب نہ سہی مذہب کے قریب ہوگی۔

گھڑی : (نفی میں انگلی اور سر ہلاتے ہوئے) معاشرہ بڑی چھوٹی چیز ہے (انگلی انگوٹھا دکھا کر) اتنی سی۔ جیسے ثقافت ہوتی ہے ــ کلچر ــ کچھ سادہ لوح اور پاک نوجوان اور پڑھے لکھے بزرگ، میری عمر کے، مذہب کو ثقافت کا ایک جزو سمجھنے لگ جاتے ہیں اور مذہب کو صرف اسی لیے قابلِ قدر جانتے ہیں کہ یہ ثقافت کا ایک حصہ ہے۔

سرفراز : یہ تو طے شدہ حقیقت ہے سر۔

(سلیمان چائے لے کر آتا ہے اور شوکیس پر رکھ کر جاتا ہے۔)

گھڑی : کس نے طے کر دی یہ حقیقت ــ سرفراز میاں۔

سرفراز : سوشیالوجی اور انتھروپولوجی کے علوم اس بحث کو کبھی کے طے کر چکے ہیں۔ بڑی ریسرچ ہو چکی ہے ان پر اب تک۔

گھڑی : یورپ کا ایک بڑا کمال یہ ہے کہ وہ مہمل اور بے معنی اور بیہودہ ترین نظریے کو بھاری بھر کم اصطلاحات ــ اور لایعنی ٹرمینالوجی میں اسی طرح چھپا جاتا ہے کہ ہر شخص خواہ مخواہ مرعوب ہو جاتا ہے۔ یورپ کی مالی اور فوجی طاقت اور سب سے بڑھ کر اس کے اپنا علم پھیلانے کے ذرائع اسقدر طاقتور ہیں سرفراز میاں کہ ہر نگاہ خیرہ اور ہر دماغ شل ہے۔

سرفراز : لیکن دیکھ لیجیے وہ لوگ کہاں پہنچ گئے اور آپ کہاں بیٹھے ہیں۔

گھڑی : (ہنس کر) ٹھیک بالکل ٹھیک۔ بیٹھے ہیں .... لیکن سائنس کی جتنی بھی

ایجادات ہیں یہ نفسانی خواہشات کو تسکین دینے والی ہیں —— یہ ڈجیٹل گھڑیاں، یہ ہائی فائی میوزک، یہ الیکٹرک مساجر —— یہ بے پائلٹ کے جہاز، یہ ایئر ٹو ایئر میزائل یہ سب انسان کو بھونچکا کر دیتی ہیں عقل گم کر دیتی ہیں۔ ان کے سامنے لوگوں کے ذہن بند ہو جاتے ہیں اور وہ حسّی مشاہدے کو ہی عقلی دلیل سمجھنے لگ جاتے ہیں —— جب اس جادوگری کا بچھڑا بولنے لگتا ہے تو ہر شخص سامری کے آگے گھٹنے ٹیک دیتا ہے —— (ہنس کر) اور تو اور آپ کے پروفیسر بشیر بھی اس بچھڑے کے پجاری ہیں۔

سرفراز : لیکن سر —— آپ نے —— آئی مین —— آپ میں یہ طاقت کہاں سے پیدا ہو گئی کہ آپ اس ساری جادوگری ......

گھڑی : (گھڑی دیتے ہوئے) یہ لو تمہاری گھڑی —— سیٹ ہو گئی ہے —— بالکل پرفیکٹ (سرفراز گھڑی لینے لگتا ہے) اوں ہوں —— اس کو میں تمہاری کلائی پہ باندھوں گا خود —— اتنا اعزاز تو مجھ کو ملنا چاہیئے۔

سرفراز : مہربانی سر (ہاتھ آگے بڑھا کر) شکریہ

گھڑی : فرمان کی برداری کر لو گے —— اٹھا لو گے بوجھ فرمانبرداری کا۔ (سرفراز ہولے سے اثبات میں سر ہلاتا ہے۔ گھڑی باندھتے ہوئے) جس بات سے تم کو فائدہ پہنچ چکا ہے، وہی بات دوسروں کو بتانا —— کتابی بات کبھی نہ کرنا۔ اسی سے مخلوقِ خدا کا نقصان ہو گا۔

(سرفراز حیران کھڑا ہے۔)

گھڑی : مشکل مقام پر ہمیشہ اپنے ساتھیوں سے آگے رہنا اور جب انعام تقسیم ہونے لگے تو سب سے پیچھے کھڑے ہونا۔

(سرفراز مزید حیران ہوتا ہے۔)

گھڑی : اپنے اردگرد کے لوگوں کو کبھی بھی اپنے علم سے خوفزدہ نہ کرنا۔ اس سے جماعت بھٹ جائے گی اور لوگ تمہارے علم کے ڈر سے دُور دُور رہنے لگیں گے۔ لوگوں کو، اپنے لگتوں کو، اپنے پیاروں کو اپنے قریب رکھنا — اپنے اور ان کے درمیان علم کے تکبّر کی باڑ نہ کھڑی کر لینا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَسَلِّم

(گھڑی ساز ذرا آگے ہو کر اسی طرح بیٹھے بیٹھے دونوں ہاتھوں سے اس کے سر پر پیار دیتا ہے۔)

—— فیڈ آؤٹ

سین ۸
ان ڈور
شام

(بڑے ابّا اپنے کمرے میں پلنگ پر نیم دراز ہیں۔ انہوں نے کہنی تلے گاؤ تکیہ لے رکھا ہے۔ سامنے اعلیٰ درجے کا حقّہ ہے۔ اس وقت وہ اشاروں میں اپنے ساتھ باتیں کر رہے ہیں اور ہلکے سے اس "شخص" سے ناراض ہیں جس سے وہ باتیں کر رہے ہیں۔ سرفراز کندھے جھکائے اور سر نیہوڑائے اندر داخل ہوتا ہے۔)

بڑے ابّا : (چونک کر) آؤ آؤ — آؤ جوان بسم اللہ

سرفراز : میں بے وقت تو نہیں آگیا بڑے ابّا۔

ابّا : نہیں یار — تمہارے لیے تو ہم ہر وقت نظریں بچھائے رکھتے ہیں بیٹھو۔

سرفراز : (کرسی پر بیٹھتے ہوئے) شکریہ

ابا : دیکھ لیا تم نے اپنے ماسٹر صاحب طفیل کو۔ نہیں آیا ہمارے فنکشن پر۔ بڑی رشتہ داری بگھارا کرتا تھا۔

سرفراز : کوئی بات نہیں بڑے ابا۔ ان کی کچھ مصروفیات ہوں گی۔

ابا : میں سب سمجھتا ہوں ایسے لوگوں کی مصروفیات۔ اندر سے جلتے ہیں سارے۔ حسد کرتے ہیں ہم سے۔ پہلے جب ہم نے فیکٹری لگائی تو آدھا خاندان کٹ گیا۔ اب تم نے سی ایس ایس کا امتحان پاس کیا تو باقیوں کو مرچیں لگ گئیں۔

سرفراز : میرا خیال ہے، ایسے نہیں ہے ابا جی۔

ابا : تمہارے خیالات شروع سے ہی ایسے واہیات اور بیہودہ ہیں۔ تم کیا جانو لوگوں کو اور ان کی نظروں کو اور ان کی نیتوں کو۔ میں انہیں خوب سمجھتا ہوں۔

سرفراز : جی ـــ بیشک!

ابا : تم ابھی بچے ہو ـــ زمانے کے نشیب و فراز کو نہیں سمجھتے۔ زمانہ بڑا بدذات ہے۔

سرفراز : اچھا جی

ابا : یہ سب منافق لوگ ہیں۔ ہپوکریٹ۔ منہ پر کچھ اور دل میں کچھ۔

سرفراز : جی

ابا : میں ان کو اندر باہر دونوں طرف سے جانتا ہوں۔ (اچانک) کب آرہا ہے بلاوا؟

سرفراز : کیسا بلاوا جی؟

ابا : اکیڈمی جوائین کرنے کا!

سرفراز : وہ جی .... میرا خیال ہے ـــ ابھی تو کافی دیر ہو گی شاید۔ یا شاید جلدی بلوا لیں۔

ابا : تمہاری ماں کی طرح مجھے بھی فارن سروس پسند ہے ـــ یہ کمشنر ڈپٹی کمشنری تو بکواس ہے بالکل۔

سرفراز : جی

ابّا : تم نے اپنا چوائس فارن سروس کا ہی دیا تھا ناں۔

سرفراز : جی

ابّا : بس! اسی میں عزّت ہے۔ یہی پسند ہے ہم سب کو ــــ تم بھی کیا حماقت کرنے لگے تھے ایم فل کے بعد، پروفیسری کی۔

سرفراز : جی

ابّا : پروفیسری ٹھیک ہے لیکن ہمارے ملک میں نہیں ــــ اس پیشے میں کچھ دبدبہ نہیں ہوتا ــــ شریف سے لوگ ہوتے ہیں چوہے سے ــــ عینکوں والے۔ اب تو تم کو بھی پسند نہیں ہوگی ــــ پروفیسری۔

سرفراز : جی بالکل نہیں

ابّا : اور ہم نے کوئی پیسے کی خاطر تھوڑی کرنی ہے نوکری سرفراز۔ پیسہ ہمارے پاس خدا کے فضل سے کافی ہے ــــ ہم تو عزّت اور دبدبے کی خاطر سروس میں داخل ہو رہے ہیں۔

سرفراز : جی بیشک ــــ اس میں عزّت اور دبدبہ تو بہت ہے۔

ابّا : جب ہم آئے تمہارے پاس، فرینک فرٹ ــــ ڈین ہاگ یا کوپن ہیگن وغیرہ تو ان خاندان والوں کی آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی ــــ جاتے ہیں! لوگ جاتے ہیں فارن کنٹریز میں لیکن کوئی ہماری طرح سے نہیں جائے گا۔

سرفراز : شاید آپ بھی نہ جا پائیں بڑے ابّا۔

ابّا : واہ ــــ ہم کیوں نہ جا پائیں گے تمہارے پاس!

سرفراز : وہ اس لیے ابّا جی کہ ــــ میں نے نوکری کرنے کا ارادہ چھوڑ دیا ہے۔

ابّا : (تڑپ کر بستر پر بیٹھتا ہے) کیا! کیا!! کیا!!!

سرفراز : میں نے مقابلے کا امتحان پاس کرنے کے بعد، فارن سروس میں جانے کا ارادہ
ترک کر دیا ہے۔

ابّا : ایگزیکیٹو میں جانا چاہتے ہو؟

سرفراز : نہیں بڑے ابا۔ میں نے نوکری کرنے کا خیال ہی دماغ سے نکال دیا ہے۔

ابّا : (غصّے سے) یعنی.... تو پھر — گویا.... نہیں تو پھر کیا کرو گے؟

سرفراز : کچھ نہیں

ابّا : تو زندہ کس طرح سے رہو گے؟

سرفراز : جس طرح سے وہ رکھے گا، رہوں گا۔

ابّا : سی ایس ایس میں آٹھویں پر آنے کے بعد نوکری نہیں کرو گے۔

سرفراز : جی نہیں

ابّا : یہ تم سے کس نے کہا۔

سرفراز : کسی نے نہیں بڑے ابا۔

ابّا : میرا مطلب ہے یہ پٹّی تمہیں کس نے پڑھائی۔

سرفراز : کسی نے بھی نہیں جی

ابّا : یہ مردود خیال تمہارے اپنے گندے ذہن کے اندر پیدا ہوا ہے؟

سرفراز : جی

ابّا : اور تم اس پر عمل بھی کرنا چاہتے ہو۔

سرفراز : یقیناً — بڑے ابا

ابّا : تمہارے ماں باپ کو معلوم ہے تمہارا یہ ارادہ؟

سرفراز : جی نہیں، میں تو صرف آپ سے دُعا برکت لینے آیا تھا — آپ کی آشیرباد۔

ابّا : اُٹھ جاؤ.... اُٹھ جاؤ میرے سامنے سے.... اور دور ہو جاؤ میری

نظروں سے.....

سرفراز : وہ..... بڑے.... ابا.....

(کھڑا ہوتا ہے۔)

ابا : مَیں کہتا ہوں دفع ہو جاؤ اسی وقت، اسی لمحے ___ لے جاؤ اپنے اس منحوس چہرے کو میرے سامنے سے.... آؤٹ.... آؤٹ.... آئی سے آؤٹ۔

(سرفراز بڑی خاکساری، انکساری اور عاجزی کے ساتھ بڑی مستقل مزاجی اور عظمت کا اظہار کرتے ہوئے لمبے لمبے ڈگ بھرتا بڑے ابا کے کمرے سے باہر نکل جاتا ہے۔)

کٹ ______

سین ۹ ___ کٹ ٹو کٹ

اے
ان ڈور
دن کا وقت

(رضوانہ اور سرفراز ایک ہوٹل میں کھانا کھا رہے ہیں۔ سرفراز کی پلیٹ قریباً خالی ہے۔ رضوانہ اسے ایک ڈِش اُٹھا کر پیش کرتی ہے۔ وہ انکار کرتا ہے۔ پھر سگریٹ جلاتا ہے ___ رضوانہ تھوڑے سے تعجب سے اُسے دیکھتی ہے پھر کھانے میں مشغول ہوتی ہے۔ وہ پلیٹ میں سگریٹ بجھاتا ہے۔ پھر جیب میں

سے سِکّہ نکال کر ٹاس کرتا ہے۔ ٹاس کا سکّہ میز سے دُور گرتا ہے وہ اُسے اُٹھانے کے لیے جھکتا ہے۔ کیمرہ اس کے ہاتھ اور سکّے پر کلوز اَپ میں کٹ کرتا ہے۔)

کٹ ــــــــــ

بی
آؤٹ ڈور
شام

(رضوانہ اور سرفراز دونوں ساتھ ساتھ نہر کے کنارے ٹہل رہے ہیں۔ سرفراز قدرے لاتعلق ہے۔ رضوانہ اس کے بازو میں اپنا بازو ڈالتی ہے۔ سرفراز جیسے خیالوں سے لوٹتا ہے اور رضوانہ کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتا ہے۔ رضوانہ اپنا سر اس کے کندھے کے ساتھ لگاتی ہے۔ سرفراز یکدم سر اُٹھا کر اُوپر دیکھتا ہے۔)

کٹ ــــــــــ

سی
ان ڈور
رات

(رضوانہ اور سرفراز قالین پر بیٹھے ہیں۔ سرفراز دونوں مُٹھیاں بند کئے رضوانہ

کے سامنے جیسے منتظر بیٹھا ہے۔ رضوانہ کی آنکھیں بند ہیں۔ وہ آنکھیں بند کر کے سرفراز کے ہاتھوں کو تلاش کرتی ہے۔ پھر دائیں ہاتھ کی مُٹھی پکڑ کر کھولتی ہے۔ اس مُٹھی میں ایک چھوٹا سا کاغذ چُرمُرا اکٹھا کیا ہوا ہے۔ سرفراز یہ پرچی کھولتا ہے اور دیکھتا ہے۔ کیمرہ اس کی پُشت سے اس پرچی کا کلوز لیتا ہے۔ اس پر مارکر کے ساتھ فری ہینڈ میں مسجدِ نبوی کا چھوٹا سا گنبد اور ساتھ مینار بنا ہوا ہے۔)

کٹ ——————

ڈی
اِن ڈور
شام کا وقت

(چھوٹا سا لونگ رُوم: اس وقت رضوانہ صوفے پر دونوں ٹانگیں رکھے نٹنگ کر رہی ہے۔ کچھ فاصلے پر سرفراز بیٹھا ہے۔ اس کے ہاتھ میں اُون کا وہ گولا ہے جو رضوانہ کی سلائیوں پر چڑھا ہے۔ دونوں کا مُوڈ مختلف ہے۔ رضوانہ مخول بازی کا مُوڈ رکھتی ہے اور سرفراز بالکل سنجیدہ ہے۔)

رضوانہ : تمہاری ایسی باتوں سے امپریس نہیں ہو سکتی سرفراز۔

سرفراز : مَیں یہ باتیں تمہیں امپریس کرنے کے لیے نہیں کر رہا۔

رضوانہ : یعنی تُم دینی مدرسے میں چلے جاؤ گے —— اکیڈمی کے بجائے!

سرفراز : ہُوں

رضوانہ : ڈاڑھی رکھ لو گے —— اُن جیسی!

سرفراز : کیوں نہیں .... اپنے ملکوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے کے لیے رکھنی پڑے گی۔

رضوانہ : گٹوں سے اُونچی شلوار پہنا کرو گے ؟

سرفراز : جو بھی ایک گروہ کا لباس ہوتا ہے، وہی پہننا پڑتا ہے۔

رضوانہ : حلوہ کھا کر ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا کرو گے ؟ ہیں ؟

سرفراز : شاید میرے لیے صفائی کا تصور بدل جائے۔ مَیں جسمانی صفائی کو اس قدر زیادہ اہمیت نہ دُوں آئندہ چل کر، روحانی صفائی کے مقابلے میں ...

رضوانہ : گو آن سرفراز — تم کیا واقعی فنیٹک ہو جاؤ گے ؟

سرفراز : میں فنیٹک نہیں ہو رہا ... میں صرف ان لوگوں کو ٹیسٹ کرنا چاہتا ہوں اور اپنے ذاتی تجربے سے سمجھنا چاہتا ہوں کہ جنہیں ہم فنیٹک کہتے ہیں۔ کیا وہ فنیٹک ہیں یا ہم یا ہم دونوں! .... میں سائنٹیفک لی یہ دیکھنا اور سمجھنا چاہتا ہوں کہ .... اتنی ساری تعلیم حاصل کرنے کے بعد مَیں زیادہ روشن دماغ اور لبرل ہوں یا وہ لوگ جنہیں ہم تنگ نظر، متعصب اور کٹر کہہ کر پکارتے ہیں۔

رضوانہ : آخر اس ریسرچ کی ضرورت کیا ہے ؟

سرفراز : ضرورت ہے رضوانہ —— بڑی ضرورت ہے .... ہر سوسائٹی کو ایک نہ ایک دن یہ دیکھنا ہی پڑتا ہے کہ پانی کہاں مر رہا ہے ۔ کرائم کیوں بڑھ رہا ہے ؟ ویلیوز کیوں ختم ہو رہی ہیں ۔ ہیومن بینگ کیوں ڈاؤن جا رہا ہے ؟ ہمیں پن پوائنٹ کرنا پڑے گا کہ .... اتنی ترقی کے باوجود .... اتنا سٹینڈرڈ آف لونگ بڑھ جانے کے بعد .... سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے ہوتے ہوتے .... یہ گراوٹ .... یہ بکھرا بکھرا پن .... یہ خوف ، یہ دُکھ ، یہ مزری کیوں ہے ؟ مَیں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ انسانی پستی کا وائرس کہاں چالو ہوتا ہے ؟

(اس وقت چائے کی ٹرے لے کر رضوانہ کی ماں آتی ہے۔)

ماں : ابھی بحث ختم نہیں ہوئی تمہاری۔

رضوانہ : ایسی پُھپھٹی کھوپڑی لگی ہے سرفراز کی کہ میں بتا نہیں سکتی امّی۔

ماں : نہ نہ ایسے نہیں کہتے رضوانہ۔

رضوانہ : اب یہ اکیڈمی میں جانے سے انکار کر رہا ہے۔

ماں : یہ تمہیں شاک کر رہا ہے۔ بیوقوف تم ہو جو شاک ہو رہی ہو خوامخواہ۔۔۔۔

سرفراز : نہیں آنٹی۔۔۔۔ مَیں شاک نہیں کر رہا۔۔۔۔ دراصل میں کچھ اچھی طرح سے ایکس پلین نہیں کر سکتا۔۔۔۔ مَیں وہ کُچھ نہیں کر سکتا جو میرے ماں باپ۔۔۔۔ اور رضوانہ اور آپ چاہتے ہیں۔

ماں : چائے پیو بیٹا۔۔۔۔ خوامخواہ لمبی سوچوں میں نہیں پڑتے۔۔۔۔ ساری عمر سوچوں میں ہی گزرتی ہے۔

سرفراز : آپ ٹھیک کہتی ہیں آنٹی بڑی سوچیں ہیں۔۔۔۔ کیا پتہ تضاد سے اور دبدھا سے نکل جاؤں کیا پتہ یہ چائے کی آخری پیالی ہو۔۔۔۔ آنٹی کے ہاتھ کی بنی ہوئی۔۔۔۔ کیا معلوم یہ آخری شام ہو۔۔۔۔ یوں آمنے سامنے بیٹھنے کی۔۔۔۔ کیا پتہ یہ آخری بار ہو۔۔۔۔ یوں باتیں کرنے کی اور اس کے بعد۔۔۔۔ آگے کچھ نہ ہو۔۔۔۔ میں بہت جلد ٹیک آف کرنے والا ہوں آنٹی۔ میرے پاؤں تھوڑی ہی دیر میں رَن وے کو چھوڑ دیں۔۔۔۔ گے۔۔۔۔ میں پٹڑیوں پر چلنے والا نہیں ہوں رضوانہ۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ ایک ساتھ چلتی دو متضاد پٹڑیوں پر اپنا بیلنس نہیں رکھ سکتا۔۔۔۔ بار بار ڈی ریل ہو جاتا ہوں۔ پٹڑی سے اُتر جاتا ہوں۔ بار بار اُتر جاتا ہوں۔

کٹ

سین ۱۰
ان ڈور
رات

(یہ پھر گھر کے اندر کا سین ہے۔ بہتر ہے کہ یہ سین حشمت صاحب کے لونگ رُوم میں ہو۔ اس میں کچھ لوگ پلنگ کی پٹی پر بیٹھے ہوں اور کچھ کُرسی اور فوم کے گول مونڈھے پر۔ ہر شخص اپنے حفظِ مراتب کے اعتبار سے بیٹھا ہو۔ یہ گھر والوں کی اپنی اندرونی نشست ہے۔ اس لیے اس میں باہر کا کوئی شخص موجود نہیں — دروازہ بند ہے اور چٹخنی لگا دی گئی ہے۔ سرفراز ڈریسنگ ٹیبل کی تپائی پر بیٹھا ہے اور اُس نے ایک کُرسی اپنے آگے کر رکھی ہے۔ کُرسی کی نشست لوگوں کی طرف ہے اور اس کی پُشت سرفراز کی طرف۔ وہ کُرسی کی بیک کے پیچھے ایک قیدی بھی ہے اور عدالت میں بیان دیتا ہوا کٹہرے میں کھڑا ایک مُلزم بھی۔
جس وقت سین کُھلتا ہے، اس وقت امّی خورشید ایک خوبصورت شال لیے پلنگ کی پٹّی پر بیٹھی ہیں اور ان کا ایک ہی ٹشو پیپر آنسوؤں سے بالکل بھیگ چکا ہے۔ اس وقت وہ رونے کے ساتھ ساتھ ہلکی ہلکی سسکیاں بھی لیتی ہیں۔ سب لوگ اپنی اپنی نشستوں پر خاموش اور ساکن اور غمناک اور دردمند بیٹھے ہیں۔ کیمرہ ان سب کو دکھاتا ہے اور فضا کا تأثر قائم کرتا ہے۔ پورے گیارہ سیکنڈ کے بعد بڑے ابّا بولتے ہیں۔)

بڑے ابّا : اب رو کیوں رہی ہو خورشید۔ مری کیوں جا رہی ہو — تیرے آنسوؤں کا اس پر اثر ہو گا۔ اِس پتّھر دل پر۔

سرفراز : مجھے ان آنسوؤں کا بڑا احترام ہے ابّا جی لیکن مَیں ....

ابّا : بکواس مت کر کتے۔ بے حیا۔ مَیں تجھ سے بات نہیں کر رہا۔
سرفراز : مَیں وضاحت کرنی چاہتا ہوں ابّا جی۔
ابّی : اوہ بھائی وضاحت تو تم اپنی پچھلے تین روز سے کر رہے ہو لیکن کیا تعمیل کی تم نے ہمارے حکم کی۔
سرفراز : تایا ابی میں آپ کے حکم کی تعمیل میں ہی تو یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔
ابّو : کیا حکم دیا تھا تایا ابی نے تم کو۔
سرفراز : میرا مطلب ہے ابّو کہ بڑے ابّا نے، ابی نے، آپ نے اور سب بزرگوں نے یہی کہا اور کم از کم مَیں تو آج تک یہی سُنتا آیا کہ اِس مُلاّ نے ہماری دین اور دُنیا تباہ کر کے رکھ دی۔ اس نے مذہب کو ہمیشہ غلط رنگ میں پیش کیا اور...
ابّا : تو کیا جھوٹ ہے، بہتان ہے۔ کیا ساری دُنیا اندھی ہے، بہری ہے، گونگی ہے۔ یہ مصنّف اور دانشور فلسفی پاگل ہیں جو مُلاّ کو بُرا کہتے ہیں۔
سرفراز : نہیں میں کسی کو پاگل نہیں کہتا خدانخواستہ۔ میرا رویہ سائنسی ہے۔ مَیں سولڈ فزکس کا ایم فِل ہوں۔ مَیں کسی پر اس وقت تک الزام نہیں لگاتا جب تک اس کو اپنی لیبارٹری میں لے جا کر ٹیسٹ نہ کر لوں۔
آمنہ : اتنی دُنیا پڑی ہے سرفراز۔ کس کس کو اپنی لیبارٹری میں ٹیسٹ کرتے پھرو گے بیٹے۔ سُنی سنائی اور چھپی چھپائی پر یقین کرنا ہی پڑتا ہے!
سرفراز : میرا attitute دوسرے لوگوں سے ذرا مختلف ہے پھوپی جان۔ میں کسی بیان کو، کسی سٹیٹ منٹ کو پرکھنے میں ذرا دیر لگایا کرتا ہوں۔
آمنہ : دیر لگا بیٹے۔ شوق سے لگا۔ لیکن ہماری اُمنگوں کو تو برباد نہ کر۔
سرفراز : میں آپ کی اُمنگیں ہی تو پوری کر رہا ہوں پھوپی جان۔
ابّا : ہماری اُمنگ یہ تھی کہ تو پڑھ لکھ کر، ایم فِل ہو کر، سی ایس ایس میں

آٹھویں نمبر پر آ کر مُلّا بن جائے! کالی کھوئی مسجد کی پیش امامی کرے۔ لوگوں میں بدنام کرائے ہم کو!

سرفراز : اس میں بدنامی کی کیا بات ہے ابا جی؟

ابا : بکواس نہ کر۔ مَیں تجھ سے کلام نہیں کر رہا!

ابی : دیکھو سرفراز! ماں باپ کو اولاد سے یہی توقع ہوتی ہے ناں کر وہ پڑھ لکھ کر علم حاصل کر کے اُونچے مقام پر پہنچیں اور خاندان کا نام روشن کریں۔

سرفراز : میری بھی یہی آرزو ہے ابی جی۔

ابی : لیکن تمہارا عمل اس سے مختلف ہے بیٹے۔ تمہیں معلوم ہے تمہارے اس فیصلے سے مجھ کو کسقدر رنج ہو گا۔ مَیں جو ایک بے اولاد شخص ہُوں اور اپنے بڑھاپے بلکہ اپنی زندگی کے واحد سہارے کو تمہاری شکل میں دیکھ رہا ہوں۔

سرفراز : میں آپ کو کبھی مایوس نہیں کروں گا ابیّ۔ انشاء اللہ

آمنہ : شاباش بیٹے۔ ہم سب کو تم سے یہی توقع تھی۔

امی : (خوش ہو کر آنسو پونچھ کر) تو پھر تُو ہم کو ڈراتا کیوں تھا سرفراز۔

سرفراز : مَیں نے کسی کو نہیں ڈرایا امی۔ میں آپ سب کا صدق دل سے احترام کرتا ہوں۔ آپ سے محبت کرتا ہوں۔

اتو : تو پھر تم نے یہ کیوں کہا کہ مقابلے کا امتحان پاس کر لینے کے بعد میں اکیڈمی نہیں جاؤں گا، نوکری نہیں کروں گا۔

سرفراز : وہ اس لیے اتو کہ میں علم حاصل کرنا چاہتا ہوں اور جاننا چاہتا ہوں کہ اصل خرابی کہاں ہے اور پانی کہاں مر رہا ہے اور ان ساری خرابیوں کا سکیپ گوٹ کس کو بنایا جا رہا ہے۔

ابی : تم علم حاصل کرو۔ شوق سے کرو۔ بائی آل مینز کرو۔ ہم تمہارا خرچہ برداشت

کریں گے۔ ہارورڈ جاؤ۔ آکسفورڈ جاؤ۔ جرمنی جاؤ۔ ہم تیار ہیں لیکن یہ جو....

سرفراز : (طنز کے ساتھ) ان اداروں کو میں دیکھ چکا اچھی طرح سے۔ اندر باہر سے!

ابّا : اور اب کہاں کا ارادہ ہے شہزادے کا؟

سرفراز : میں جامعۃ نور یہ فضیلہ میں داخلہ لینا چاہتا ہوں۔

ابّا : مُلّا بننے کے لیے!

سرفراز : جی

ابّا : دھکے کھانے کے لیے!

سرفراز : نہیں ابّا جی۔ اپنا مشن پورا کرنے کے لیے۔ اپنی کنوکشن کے لیے۔ اپنے لگتوں کا علم حاصل کرنے کے لیے۔ اس لڑی کو جاننے کے لیے جس سے ہم بندھے ہوئے ہیں۔

ابّا : مَیں تم سے بات نہیں کر رہا۔ سمجھے!

آمنہ : یہ علم تو تم ویسے بھی حاصل کر سکتے ہو بیٹے۔ اپنے طور پر۔

امّی : ہزاروں کتابیں موجود ہیں۔ تفاسیر ہیں۔ دینی لٹریچر چھپتا ہے روز۔ تم گھر بیٹھ کر اس کا مطالعہ کر سکتے ہو۔

سرفراز : گھر بیٹھ کر تو ہر قسم کا علم حاصل کیا جا سکتا ہے امّی۔ پھر یہ ساری درس گاہیں، دانش گاہیں اور یونیورسٹیاں کس لیے۔ یہ اتنے بڑے بڑے ادارے اور اسقدر....

ابّا : سُنا تم نے سُنا —— سُن لی اس کی منطق —— تین دن کے اندر اندر اگر تو تم نے اپنے فیصلے کو بدل دیا تو ٹھیک ہے ورنہ تمہیں اس خاندانی جائیداد سے عاق کر دیا جائے گا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

سرفراز : مجھے منظور ہے ابّا جی۔

(امّی سسکیاں لے کر رونے لگتی ہے۔)

ابّا : میں تم سے بات نہیں کر رہا کُتّے —— دفع ہو جا میری نظروں کے سامنے سے۔

سرفراز : جی بہت بہتر

(سرفراز اُٹھ کر آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا دروازے کی طرف جاتا ہے۔ امّی قدرے اُونچی آواز میں رونے لگتی ہے۔ ابا جی غصہ سے نتھنے پھلائے ہاتھ کے اشارے سے "دفع دفع" کر رہے ہیں۔)

______ کٹ

سین ۱۱

ان ڈور

دن

(پچھلا برآمدہ۔ سرفراز کا بنگلہ۔ پچھلے برآمدے میں بڑی خوبصورت کین کی کرسیاں لگی ہیں۔ جابجا منی پلانٹ، ربر پلانٹ اور گملوں میں ایور گرین کی جھاڑیاں لگے ہیں۔ اس وقت سرفراز کی ماں امّی ایک کرسی پر بیٹھی ہے۔ وہ بہت دل برداشتہ ہے۔ اس کے سامنے بہت مؤدب انداز میں عامل فقیر حسین بیٹھا ہے۔ اس کے ہاتھ میں چائے کی پیالی پرچ ہے۔ وہ پہلے چائے کو پرچ میں ڈالتا ہے اور پھر پرچ سے منہ لگا کر چائے پیتا ہے۔)

عامل : نہ بی بی جی۔ ہمارا کام کچا نہیں ہوتا۔ ہم عامل لوگ ہتھیلی پر سرسوں بھی اُگا دیتے ہیں۔ آپ اس کا ساگ بھی پکا سکتی ہیں لیکن مقدار تھوڑی ہو گی۔

امّی : دونوں تعویز میں نے عرق گلاب میں گھول کر پلا دیئے تھے۔ کچھ اثر نہیں ہوا۔ ____ بلکہ رات تو وہ اپنی کتابیں وغیرہ چھانٹ رہا تھا۔

عامل : چلو نہ سہی تعویذ کا اثر ــــ نہ ہو ــــ کوئی ایک عمل ہے ، کہیں تو اس کے ہمزاد کو اس کے اُوپر حاوی کر دیں ؟

ماں : ہمزاد کو ؟

عامل : جی !

ماں : کوئی خرابی تو نہ ہوگی ؟

عامل : بس جی اتنی خرابی ہوگی کہ سرفراز جہاں کہیں بھی جائے گا ہمزاد اسے موڑ توڑ کر اکیڈمی میں لے جائے گا ــــ یہ بیٹھے گا ہوٹل میں ــــ ہمزاد اسے لے جائے گا اکیڈمی میں ۔ یہ جائے گا لائبریری کی طرف ــــ ہمزاد اس کا رُخ کرے گا اکیڈمی کی طرف ۔ یہ جانا چاہے گا سیر گل کو ، کاشانۂ محبوب کو ، ہمزاد اسے کھینچ کر لے جائے گا اکیڈمی میں ۔

ماں : اس طرح اس کا دل لگ جائے گا اکیڈمی میں ؟

عامل : اب یہ دل ہمارے کنٹرول میں نہیں ہے بی بی جی ــــ فقیر حسین جو کرتا ہے جسم کے ساتھ کرتا ہے ــــ نفس کو اُبھار کر کرتا ہے ۔ قلب والا کام سفلی علم کے کنٹرول میں نہیں ۔ قلب بڑا چندرا ہوتا ہے ۔ سو سال مانا رہے ، آخر ایک دن دغا دے جاتا ہے ۔ ہمیشہ خیر کی طرف نیکی کی طرف لوٹ جاتا ہے ۔ نفس بڑا وفادار ہوتا ہے ۔ خواہش کے مطابق رہتا ہے ۔

ماں : چلئے ہمزاد ہی اکیڈمی میں لے جائے ۔ وہی اس کو باندھ کر رکھے ۔ مجھے منظور ہے .... دیکھئے نا عامل صاحب کتنی مشکل سے سی ایس ایس کا امتحان پاس ہوتا ہے ــــ اس نے تو پوزیشن بھی آٹھویں لی ہے سارے پاکستان میں ۔

عامل : ماشاء اللہ ماشاء اللہ ۔ آپ نے بتایا تھا مجھے پہلے بھی ۔

ماں : خدا جانتا ہے ۔ کچھ رُوپے پیسے کی وجہ سے میں نہیں کہہ رہی ۔ بڑی جائیداد

ہے۔ اللہ کا فضل ہے۔ فیکٹریاں کارخانے سب کچھ ہے۔

عامل : مجھے معلوم ہے بی بی جی۔ سب کو معلوم ہے اچھی طرح سے۔

ماں : اللہ نے عزت دی ہے — اس کو . . . . بہت بڑا سرکاری افسر بن سکتا ہے۔ — لیکن . . . . لیکن اب میں کیا سمجھاؤں اُسے ؟ (آنسو پونچھ کر) گھر آئی عزت کو یوں پھینکتے ہیں باہر۔

عامل : آپ بے فکر رہیں بی بی جی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کالے بکرے کی سری میں آدھ سیر ماش کی ثابت دال رکھ کر اُسے رات کو برخوردار کے کمرے میں کہیں چھپا دیں۔ صُبح سویرے سری کے بال تھوڑے سے — بالکل تھوڑے سے قینچی سے کاٹ لیں۔ پھر سری اُٹھا کر کسی چوراہے میں رکھوا دیں۔

ماں : (آہستہ آہستہ دُہراتے ہوئے) کالے بکرے کی سری میں آدھ سیر ماش کی دال . . . . رات بھر سرفراز کے کمرے میں رکھیں صُبح بال کاٹ کر — میں خود چوراہے میں سری رکھنے جاؤں۔

عامل : نہیں — کوئی ضروری نہیں۔ کوئی رکھ سکتا ہے۔ ملازم رکھ سکتا ہے۔ چار جمعراتیں عمل کرنا پڑے گا۔ بی بی جی کالے بکرے کی سری میں آدھ سیر ماش —

ماں : کالے بکرے کی سری میں آدھ سیر ماش۔ رات کو سرفراز کے کمرے میں۔

عامل : بالکل . . . . اور صُبح سری کے بال کاٹ کر پھینکنے نہیں ہیں . . . .

(ماں پیچھے پیچھے بولتی ہے۔)

جمع کرتے جانے ہیں۔ ان کا تعویذ بنے گا۔ ہمزاد کے حاوی ہوتے کا بس بال ذرا حفاظت سے رکھنے جانا ہے۔

(ماں پیچھے پیچھے بولتی ہے۔)

کٹ ——————

سین ۱۲
ان ڈور
دن

(فیکٹری کا دفتر۔ یہ بڑا خوبصورت دفتر ہے۔ اس وقت عظمت اللہ یعنی ابی اور حشمت یعنی ابّو دفتر میں بیٹھے ہیں۔)

ابّی : صبر۔صبر۔صبر — اللہ صابرین کے ساتھ ہے — کبھی حشمت اللہ عظمت اللہ چپ بورڈ فیکٹری میں سٹرائیک ہوئی آج تک!

ابّو : کبھی نہیں بھائی جی —

ابّی : ہمارے مزدور ہمارے ورکر کچھ کم مُنہ زور تو نہیں لیکن — ہم نے انہیں کبھی کسی بات پر اڑنے نہیں دیا حشمت! — ہم نے ہمیشہ اپنے کارندوں کو یہ احساس دیا کہ وہ اپنی مرضی کر رہے ہیں۔ ان کی ڈیمانڈ پوری ہو رہی ہے اور ہمیشہ اپنی بات منوائی — ایز ایزی ایز دیٹ۔

ابّو : بھائی جی مزدور اور چیز ہے، بیٹا اور چیز ہے — مزدور کے مستقبل کی فکر تھوڑی ہوتی ہے، لیکن بیٹے کے مستقبل کی فکر ہر ایک کو ہوتی ہے — وہ بے وقوف کرے گا کیا آخر؟ تباہ ہو جائے گا احمق! اللہ کے دین پر یوں تھوڑا چلا کرتے ہیں...

ابّی : صبر.... صبر.... نوجوان ہے..... اور جوانی نادانی کا گھر ہے.... غلط مشورے پر عمل کرنے کو جی چاہتا ہے — غلط راستے پر نکل جانے کی سوجھتی ہے۔ تم اپنے مُنہ سے کچھ نہ کہو سرفراز کو.... بس رسی لمبی کرتے جاؤ۔

ابّو : میں باپ ہوں بھائی جی — میں سمجھائے بغیر کیسے رہ سکتا ہوں؟

ابی : میں بھی تو اس کا باپ ہوں ۔میری کون سی اولاد ہے اس کے سوا؟ بس اس کی درگاہ میں عاجزی رکھو ——————————
بلاؤ پی اے کو .... بلاؤ ۔

اتو : (فون کا بزر بجا کر) مزمل صاحب ذرا آئیے ۔

مزمل : (دروازہ کھول کر داخل ہوتا ہے) جی سر ۔

ابی : دیکھو بھئی مزمل پچاس لوٹے لاؤ — مٹی کے ۔

مزمل : لوٹے جی ؟

ابی : اللہ کے نام پر مختلف مسجدوں میں — چھوٹی بڑی مسجدوں کی کوئی شرط نہیں ...

اتو : (جیب سے سو روپے نکال کر) یہ کافی رہیں گے لوٹوں کے لیے —

مزمل : میرا تو خیال ہے جی کافی ہوں گے ۔

اتو : مٹی کے لوٹے مل جائیں گے ؟

ابی : مٹی کے نہ ملیں تو پلاسٹک کے سہی .... اللہ کے نام پر ستھری چیز دینی چاہیے بلکہ تم لاؤ ہی پلاسٹک کے .... یہ لو دو سو روپیہ اور مزمل ..... ان کی صفیں لاؤ .... کھجوری صفیں .... مضبوط .....

مزمل : چار خط ٹائپ ہونے والے رہ گئے ہیں سر، پھر میں چلا جاؤں گا ۔

ابی : ناں ناں ناں —— اپنے سب کام روک کر پہلے اللہ کا کام پہلے اس کا نام .... اس کے کام میں کوئی روک نہیں ہونی چاہیے .... دین نکلواؤ —— پلاسٹک کے لوٹے اور کھجوری صفیں .... نمازیوں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے ۔میں جانتا ہوں کئی بار رُومال بچھا کر نماز پڑھنی پڑتی ہے مسجدوں میں ۔

مزمل : کتنے لوٹے اور کتنی صفیں سر ؟

اتو : (جیب سے سو روپیہ اور نکال کر) یہ سو روپیہ اور لے جاؤ ۔کمی بیشی ہو جائے

تو پورا کر لینا۔

ابی : بچانا کچھ نہیں ــــ اللہ کے گھر سے کوئی جگہ بہتر نہیں ہے مزمل۔ اس کے کام سے کوئی بڑا کام نہیں ہے ۔ ۔ ۔ ۔ جو کچھ وہاں سے ملتا ہے اور کہیں سے نہیں ملتا ایز ایزی ایز ڈیٹ ۔ جاؤ شاباش !

مزمل : یس سر

(جاتا ہے ۔)

ابی : مزمل

مزمل : جی سر

ابی : صاف ستھری صفیں ہوں ــــ پچاس ساٹھ کھلوانی پڑیں تو کوئی حرج نہیں۔

مزمل : اچھا سر

ابی : اور ایک ہی مسجد میں نہ پھینک آنا ــــ

مزمل : نہیں جی

ابی : مختلف مسجدوں میں ــــ دو دو چار چار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مزمل : بالکل سر

ابی : اور ہر جگہ دعا مانگنی ہے کہ ہم دونوں بھائیوں کی مشکل اللہ آسان کرے۔

مزمل : انشاء اللہ سر

(جاتا ہے۔ حشمت اللہ آنسوؤں پر ضبط کر کے چہرہ چھت کی طرف اُٹھا دیتا ہے۔)

ابی : یہ تمہیں کیا ہوا ہے حشمت اللہ ؟

ابو : پتہ نہیں بھائی جی ۔ مجھے کچھ ڈر سا لگ رہا ہے۔

ابی : کیوں ؟

ابو : پتہ نہیں کیوں لیکن ۔ ۔ ۔ ۔ سرفراز نے ساری عمر کبھی اپنی نہیں منوائی ہماری

ہی مانتا رہا ہے۔ اس یار مجھے لگتا ہے جیسے وہ اپنی منوا کے رہے گا ۔۔ میرا کچھ دل کہتا ہے۔

ابی : عجیب احمق آدمی ہو جس نے ساری عمر اپنی نہیں منوائی، وہ یکدم اچانک کیسے بہادر بن جائے گا۔ کیسے سانپ بن جائے گا پھن اُٹھا کر؟ ایز ایزی ایز دیٹ۔

ابّو : اس کی آنکھ میں ایک چمک سی ہے ۔۔

ابی : سرفراز کو ابھی سمجھ نہیں ہے۔ وہ نہیں جانتا ۔۔ ہمارے یہاں رہبانیت نہیں ہے۔ دنیا چھوڑنے کا حکم نہیں ہے بلکہ دنیا کمانے کا حکم ہے ۔۔ یہاں دنیا میں رہ کر ۔۔ دین پر عمل کرنا ہے۔ دنیا کو چھوڑنا نہیں ہے۔ دنیا کو پکڑ کے رکھنا ہے مضبوطی سے ۔۔ مَیں سمجھاؤں گا اس کو کہ دنیا کس قدر ضروری ہے ۔۔ لازمی ہے۔

ابّو : سمجھائیے بھائی جی۔ جلد سمجھائیے۔ کہیں پھر دیر نہ ہو جائے۔

(دُکھ سے خاموش ہو جاتا ہے۔)

ابی : ہیں ہیں یہ کیا حشمت اللہ ۔ ۔ ۔ ۔ شیخ حشمت اللہ ۔ ۔ ۔ ۔ میرے بھائی یہ کیا۔

(کیمرہ ابّو پر آتا ہے۔ وہ آنکھوں پر رُومال رکھے رو رہا ہے۔)

حد کر رہے ہو تم یار۔

کٹ

سین ۱۳
ان ڈور
شام

(حشمت صاحب کے ڈرائنگ روم میں سرفراز کے دو پروفیسر بیٹھے ہیں اور

ان کے ساتھ سرفراز کے والد حشمت بھی ہیں۔ سرفراز کی والدہ بھی ایک کونے میں ہیں۔ سرفراز بڑے ادب کے ساتھ دیوان کے ایک کونے پر بیٹھا ہے۔ فضا کشیدہ ہے اور مغموم ہے۔ کیمرہ پروفیسر نمبر ا کے فقرے کے ساتھ کھلتا ہے۔)

پروفیسر ۱ : لیکن تمہیں یہ خیال کس طرح سے آیا سرفراز ؟

سرفراز : سر میں نے سی ایس ایس کے امتحان میں اسلامک ہسٹری لی تھی۔

پروفیسر ۲ : پہلے تو تم نے ایم فل کر کے سی ایس ایس کا امتحان دیا، یہ غلطی کی — اس پر اسلامک ہسٹری لے لی — سبجیکٹ کے طور پر۔

سرفراز : وہ سر..... بس ایسے ہی.... میں نے سوچا اس سے کچھ معلومات میں ہی اضافہ ہو جائے گا۔

ابّو : پروفیسر صاحب۔ یہ سب اسی سبجیکٹ کے چناؤ کی وجہ سے ہوا ہے۔ ورنہ اچھا بھلا تھا اس سے پہلے۔

پروفیسر ۱ : Polite and accomplished

سرفراز : تھینک یو سر

پروفیسر ۱ : لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ تم نے یہ فیصلہ کیسے کر لیا — تم تو کافی بیلنسڈ سٹوڈنٹ تھے ہمارے۔

پروفیسر ۲ : بلکہ....... distinguished eminent سکالر۔ ساری سائنس فیکلٹی کو فخر تھا تم پر!

پروفیسر ۱ : اور اب بھی ہے پروفیسر صاحب۔

پروفیسر ۲ : جی جی۔ کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔

امّی : سی ایس ایس میں آٹھویں نمبر پر آیا ہے پروفیسر صاحب۔

پروفیسر ۲ : ہمیں معلوم ہے بیگم صاحب! ہر ایک کو معلوم ہے لیکن.... آئی مین....

پروفیسر ۱ : یہ کس کو معلوم نہیں کہ اِس اعلیٰ درجے کی کامیابی حاصل کرنے کے بعد، ایسے سنہرے مستقبل کے پرومس کے باوجود سرفراز میاں کسی اور ہی طرف بھٹک گئے ہیں۔ ناؤ —— پلیز سرفراز! آپ سیریئس ہیں یا اپنے ماں باپ کو خواہ مخواہ پریشان کر رہے ہیں اور ایک pampered چائلڈ کی طرح ان کا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔

سرفراز : میں سیریئس ہوں سر۔

پروفیسر ۲ : وہ کیا نام بتایا تھا تم نے مدرسے کا۔ مدرسہ کیا ؟

سرفراز : جامعہ نوریہ فضیلہ —— پانچ سال کا کورس ہے وہاں ——

ابّو : مولوی بنانے کا !

پروفیسر ۲ : جی جی —— جی سرفراز ——

سرفراز : سر!

پروفیسر ۱ : اس کے بعد تم مولوی لگ جاؤ گے کسی مسجد میں —— پیش امام۔

سرفراز : اگر خدا نے چاہا سر تو ضرور لگ جاؤں گا۔

پروفیسر ۱ : لیکن اس سارے فیصلے کے پیچھے کیا ہے —— کیا ہے سرفراز ؟ دولت تو ہو نہیں سکتی کیونکہ یہ lucrative پوسٹ نہیں ہے مولوی کی۔

پروفیسر ۲ : عزّت اور شہرت بھی نہیں مل سکتی اس سے۔ پاور بھی نہیں —— کوئی اُونچا مقام بھی نہیں سوسائٹی میں —— پھر کوئی شادی وغیرہ ؟ کسی نیک پردہ نشین کے ساتھ ؟

سرفراز : نو سر —— اس فیصلے پر عمل کرنے کے میرے تین motives ہیں۔ پہلے تو یہ سر کہ عام طور پر ہمارے معاشرے میں، بلکہ ساری اسلامک ورلڈ میں کہا جاتا ہے کہ دین کو غلط انداز میں پیش کیا جاتا ہے اور کئی صدیوں

سے غلط رنگ میں ہی پیش کیا جا رہا ہے اور اس کی وجہ مُلّا ہے۔ مُلّا تنگ نظر کٹّر اور تنگ دل ہوتا ہے اور پڑھا لکھا اور تعلیم یافتہ اور ویسٹرن ایجوکیٹڈ انسان کھلے دل کا اور کھلے نظریات کا اور اوپن مائنڈڈ ہوتا ہے ـــــ تو سر میں تنگ نظر دُنیا میں فریش واٹرز لے کر جانا چاہتا ہوں ـــــ جس طرح سر ہمارے یہاں ڈاکٹروں کی کمی تھی اور لوگ کوئیکس کے پھندوں میں پھنسے ہوئے تھے ـــــ انجینیروں کی کمی تھی اور لوگ مستریوں کے شکنجے میں تھے۔ سائنس دانوں کا dearth تھا اور لوگ ضعیف الاعتقادی میں گھرے ہوئے تھے تو ہمارے یہاں کی حکومتوں نے اور استادوں نے اور والدین نے سوچا کہ اس کمی کو فوراً دُور کیا جانا چاہیئے چنانچہ انہوں نے اپنے بچوں کو سائنس کی تعلیم دلوانا شروع کی ایک شدید کمی کو پُورا کرنے کے لیے، ملک کی بہتری کے لیے، خلقِ خدا کے فائدے کے لیے سر، معاشرے کی اَپ لفٹ کے لیے اس وقت سر جو لوگ اپنے بچوں کو کثیر تعداد میں ڈاکٹر بنا رہے ہیں تو کوئی پیسہ کمانے یا دولت حاصل کرنے کے لیے تو نہیں بنا رہے بلکہ عوام الناس کی خدمت کرنے کے لیے بنا رہے ہیں ـــــ انجینیر بنا رہے ہیں تو ملک کے بھلے کے لیے بنا رہے ہیں۔ سائنس دان تیار کر رہے ہیں تو نوکریوں کے لیے تو نہیں سر! بلکہ قوم کے فائدے کے لیے کر رہے ہیں ـــــ میں نے بچپن سے اپنے گھر میں ہمیشہ بڑے ابا کو، ابی جی کو اور ابو کو یہی کہتے سنا کہ ہمارے مذہب کی غلط ترجمانی ہو رہی ہے اور اس interpretation نے مِلّت کو فرقوں میں بانٹ دیا ہے اور فساد پھیلایا ہے اور بڑی تباہی کی ہے اور ہم کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے تو میرے دل میں اس وقت سے یہ خیال جگہ پکڑ گیا سر کہ اس خرابی کو ضرور دور ہونا چاہیئے۔

تمام والدین کو یہ خرابی دُور کرنے کے لیے کم از کم اپنے ایک بچّے کو ایم۔ اے کرانے کے بعد ضرور مولوی بنانا چاہیے تاکہ وہ دین کی صحیح طور پر ترجمانی کرسکے۔ یہ ڈاکٹری اور انجینیرنگ سے بھی زیادہ اہم ہے۔ ہمیں زندگی کے اس اہم شعبہ کو کوتیکس کے ہاتھوں سے چھڑانا چاہیے اور اپنے لوگوں کو مہذّب دنیا اور civilized nations اور جمہوریت پسند قوموں کی شفقت اور

peaceful coexistence ——————— benevolence

اور انسانیت نوازی کا نمونہ پیش کرنا چاہیے۔ مجھے یقین ہے سر کہ جو بھی مُلّا پر یا مولوی پر یا کوتیک پر اس دکھ کے ساتھ نکتہ چینی کرتا ہے کہ اس نے ہم کو تباہ کر دیا تو وہ ضرور اپنے ایک بچّے کو صحیح دینی تعلیم کے لیے تیار کر رہا ہوگا کہ آئندہ ایسی غلطی پھر نہ ہو —— لیکن افسوس سر ہمارے گھر میں یہ بات نہ ہوئی —— میرے بڑے بزرگ ہیں معافی چاہتا ہوں اتو۔ ملّا پر تنقید تو کرتے رہے لیکن انھوں نے مجھ جیسے ذہین طالب علم کو اس خرابی کے دُور کرنے کے لیے تیار نہ کیا —— مجھے اس پروفیشن میں نہ بھیجا —— مجھے اِدھر بھجوانے کے لیے کوئی پلاننگ نہ کی۔ شاید میرے گھر والے اس موضوع پر تفریحاً گفتگو کیا کرتے تھے اور سیریس نہیں تھے۔

(خاموشی جس میں سب کے کٹ دکھائے جائیں۔)

پھر سر جب سی ایس ایس کے امتحان کے لیے میں نے اسلامک ہسٹری کا سبجیکٹ لیا تو مجھے منٹگمری واٹ —— اور فلپ کے ہٹس —— اور Kenneth Cragg ، اور ہنری کوربین جیسے بڑے orientalists نے بتایا کہ کہ یہ اسلام وغیرہ ایک ڈھکوسلہ ہے۔ یہ تو چند جنگجو، بے راہرو، بے مقصد اور بے منزل لوگوں کا ٹولہ ہے جو تاریخ کی صدیوں میں بھٹکتا پھر رہا ہے اور

اس طرح دھکے کھاتا پھرے گا۔ ان مصنّفوں کا انداز بیان سر اور ان کے کھلے دلائل اور ان کا حوالہ دے دے کر ہسٹری پر ہسٹری بناتے جانا اس قدر پُر فریب ہے کہ کوئی بھی ان کے طلسم سے نہیں نکل سکتا۔ میں جامعہ تو ریہ فضیلہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ان سے ان ہی کی زبان میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ یہ میرا دوسرا motive تھا اور تیسرا motive یہ سر کہ میں ملّا کو لیبارٹری ٹیسٹ دینا چاہتا ہوں اور ایگزامن کرنا چاہتا ہوں کہ میرے ملک میں پچھلے تیس سال میں ملّا نے کیا کیا خرابیاں پیدا کی ہیں۔ ہماری اکنامک پالیسی کو اس نے کیوں خراب کیا۔ ایجوکیشن پہ کیوں قبضہ رکھا ہے اور امپورٹ ایکسپورٹ تجارت صنعت اور بنکنگ وغیرہ میں کس لیے دخل دیا۔ آخر کسی کو تو دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی کرنا ہی ہوگا ناں سر۔

پروفیسر ۱ : ہُوں - تو وہاں سے چل کے یہاں پہنچ گئے تم۔

پروفیسر ۲ : What a fall, professor! What a fall!

پروفیسر ۱ : اچھا بھئی سرفراز تم ایک کانٹریکٹ کرو ہمارے ساتھ۔ باقی باتیں پھر سہی۔

سرفراز : یس سر

پروفیسر ۱ : ہم تم کو تمہارے اس مشن سے منع نہیں کرتے بلکہ appreciate کرتے ہیں، تمہاری یہ سپرٹ — تم ایسے کرو کہ اکیڈمی میں داخلہ لے لو۔ ٹریننگ حاصل کرو اور دو سال تک نوکری کرو۔ اس کے بعد بھی اگر تم مدرسہ whatever it's name میں جانا چاہو تو چلے جاؤ شوق سے میری طرف سے اجازت ہے۔

اتو : میری طرف سے بھی اجازت ہوگی پروفیسر صاحب۔

پروفیسر ۲ : اس طرح سے بلکہ تم زیادہ خدمت کر سکتے ہو لوگوں کی — اعلیٰ رتبہ پر پہنچ کر، Status attain کر کے۔

سرفراز : میں کسی خدمت کے خیال سے تو نہیں جا رہا سر۔ میں تو صرف اس وجہ سے...

پروفیسر : آپ چھوڑیں پروفیسر صاحب لمبی باتوں کو — پہلے میرے کانٹریکٹ کو ختم ہونے دیں۔ کیوں بھئی وعدہ۔

سرفراز : سر مَیں سوچ کر عرض کر سکتا ہوں۔

امّی : کتنے دن میں ؟

پروفیسر : اس میں دن مہینے کی کوئی بات نہیں بیگم صاحب۔ سرفراز کو کھلی چھٹی ہے جتنے دن اس کا جی کرے، سوچ لے۔ پھر مجھے فون کر دے۔

امّی : مجھے بتا دے پروفیسر صاحب۔

پروفیسر : بالکل ٹھیک ہے، سرفراز اپنی امّی کو بتا دے۔

سرفراز : نہیں سر — مَیں خود حاضر ہوں گا آپ کی خدمت میں۔

پروفیسر : (اُٹھ کر ہاتھ آگے بڑھا کر) وعدہ —

سرفراز : یس سر —

(ہاتھ پروفیسر کے ہاتھ میں دیتا ہے اور پروفیسر بڑی گرمجوشی کے ساتھ اس کا ہاتھ ہلاتے جاتا ہے۔)

——— فیڈ آوٹ

سین ۱۴۴
ان ڈور
شام کا وقت

(وہی پہلے والا سین اور وہی قالین جس پر مرد لوگ جمع تھے اور مولوی صاحب

نے دُعا منگوائی تھی۔ اب اس قالین پر ابّو، امی اور سوٹ والے تین شرفا تاجر بیٹھے ہیں۔)

تاجر ۱ : لیکن یہ جگہ کون سی ہے شیخ صاحب ؟

ابّو : تھر پار کر میں کنسری نام کا ایک قصبہ ہے۔

امی : چھوٹی لائن کی گاڑی جاتی ہے میر پور خاص سے میٹر گیج۔۔

تاجر ۱ : وہاں بھی دینی مدرسہ ہے ریگستان میں ؟ کمال ہے ۔۔۔

ابّو : بس بھائی صاحب ہماری تو زندگی ختم ہو گئی۔

امی : زندگی تو میری ختم ہوئی حشمت اللہ۔ بے اولادے کی۔ میرا تو پہلے بھی کچھ نہیں تھا۔ اب تو میں زندہ در گور ہو گیا۔

تاجر ۲ : کوئی خط وغیرہ لکھتا ہے برخوردار۔

ابّو : خط تو لکھتا ہے قریشی صاحب ہفتے کے ہفتے، باقاعدگی کے ساتھ۔ لیکن خطوں سے کیا ملتا ہے۔

تاجر ۲ : تو یہ جی۔ کوئی کہنے کی بات ہے۔ جوان بیٹا۔ شریف۔۔ لائق۔۔ خوبصورت۔۔۔ اس طرح سے چلا جائے۔۔ ماں باپ تو ختم ہو گئے جیتے جی۔

ابّو : اباجی ایک مہینہ اور گیارہ دن سے پڑے ہیں اسی طرح۔ نہ کھانا نہ پینا۔ نہ بولنا۔

تاجر ۳ : چلو شیخ صاحب حوصلہ کریں۔ ہے تو اپنے ملک میں۔ ولائت کی نوکری لگ جاتی تو پتہ نہیں کتنے کتنے سال نظر سے دور رہتا۔

تاجر ۱ : واہ جی واہ میاں صاحب۔

ابّو : کمال کرتے ہیں آپ۔

امی : کہاں ولایت کی نوکری' فارن سروس کی اور کہاں ریگستانوں کی دھول۔ حد کر دی آپ نے بھی میاں صاحب۔

تاجر ۳ : (شرمندہ ہو کر) وہ تو ٹھیک ہے جی۔ وہ تو آپ صحیح فرماتے ہیں۔۔۔۔ دُکھ کی

بات تو ہے سیدھی ۔ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ۔

(اتو جی کھڑے زانو پر سر رکھتے ہیں اور سب خاموش اور غمگین ہو جاتے ہیں)

کٹ

سین ۱۵

ان ڈور

شام

(اندر اسی جگہ وہی قالین بچھا ہوا ہے جہاں پہلے عورتیں سپارے پڑھ رہی تھیں۔ اب وہاں امّی خورشید دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی ہیں اور ساتھ دو تین اور عورتیں ہیں سبھی خاموش ہیں۔ اتنے میں رضوانہ اور اس کی والدہ داخل ہوتی ہیں۔ رضوانہ کی والدہ جلدی سے قالین پر جاکر بیٹھی ہوئی امّی خورشید سے گلے ملتی ہے اور امّی خورشید کا بدن سسکیوں سے ہلنے لگتا ہے۔ رضوانہ بھی آہستہ آہستہ آکر قالین کے کنارے بیٹھتی ہے لیکن چور سی دکھائی دیتی ہے۔)

امّی : (ٹشو پیپر سے آنسو پونچھ کر) تمہیں مبارک ہو بہن ۔

رضوانہ کی امّی : خیر مبارک بہن ۔ شکریہ ۔ آپ ہی کو مبارک ہو

امّی : منگنی ہو گئی رضوانہ ۔

(رضوانہ شرمندگی سے سر جھکاتی ہے۔)

رضوانہ کی امّی : میں نے تو ساتھ نکاح بھی کر دیا کہ رخصتی بعد میں دیکھی جائے گی ۔

امّی خورشید : اچھا کیا اچھا کیا ـــ اللہ نیک نصیب کرے ۔ قسمت اچھی ہو ۔ کیا کرتا

ہے لڑکا ؟

رضوانہ کی امّی: وہاں انجینیئر ہے .... اپنے — کیا نام ....

رضوانہ : ٹیکساس آنٹی !

(امی خورشید پھر دیوار کے ساتھ سر لگا لیتی ہے اور نگاہیں اُوپر کر کے چھت کو گھورنے لگتی ہے۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے گالوں پر چلنے لگتے ہیں۔)



سنڈریلا اور سکینہ

کردار :

سکینہ : تھرڈ ائیر کی نوجوان خوبصورت لڑکی

وحیدہ : سکینہ کی بڑی بہن۔ٹائپسٹ

جمیلہ : سکینہ کی چھوٹی بہن

ستارہ : سب سے چھوٹی۔سکول کی لڑکی

اماں : صابر عورت۔عمر چالیس بیالیس۔سکینہ کی ماں

مہربان علی : غریبی کے ہاتھوں تنگ آیا ہوا۔عمر پچاس کے قریب۔سکینہ کا باپ

نثار : بیگم وقار کا اکلوتا لاڈلہ بیٹا۔عمر چھبیس برس

بیگم وقار : نثار کی فیشن ایبل ماں

لیڈی سربلند : نثار کی دادی



سین ا
اِن ڈور
دن کا وقت

(مفلوک الحال لوگوں کے گھر کا چھوٹا سا صحن جس میں ایک طرف چولہا چونکا۔
چھوٹا برآمدہ۔ پیچھے دو کوٹھڑیاں۔ ایک کونے میں انار کا پودا اس کے قریب
مہربان علی پتنگ ساز کا اڈہ۔ جس وقت کیمرہ کھلتا ہے، ہمیں کوئی کردار مکمل
نظر نہیں آتا۔ چارپائی پر بیٹھی لڑکیوں کی ٹانگیں نظر آتی ہیں۔ کیمرہ ایک سینڈل
کے ڈبے پر مرکوز ہے۔ اب وحیدہ کے ہاتھ جُوتی کے ڈبے کا ڈھکنا کھولتے
ہیں۔ سینڈل کا کلوز اپ لیا جاتا ہے۔ پھر وحیدہ کے ہاتھوں میں ایک سینڈل
کا جوتا آتا ہے۔ پھر اس کو اپنے پیروں میں ڈالتی ہے لیکن جُوتی فِٹ نہیں آتی وہ
فرش پر ان کو جمیلہ کی طرف کھسکا دیتی ہے اب جمیلہ ان سینڈلوں کو پہنتی ہے
اس کے بھی صرف ہاتھ پاؤں اور سینڈل نظر آتے ہیں۔ جمیلہ کے پیروں میں
بھی یہ سینڈل فِٹ نہیں آتی۔ پھر ستارہ کی طرف یہ جُوتیاں جاتی ہیں وہ پہنتی
نہیں اور سکینہ کی طرف کھسکا دیتی ہے۔ سکینہ جُھک کر سینڈل اپنے پاؤں
پر فِٹ کرتی ہے۔ پہلی مرتبہ فریم میں چہرہ آتا ہے۔ سکینہ بڑی توجہ سے سینڈل
پہنتی ہے اور سینڈل اس کے پاؤں پر پورے اُترتے ہیں۔ کیمرہ بیک کرتا ہے
اور پتہ چلتا ہے کہ وحیدہ، سکینہ، جمیلہ اور ستارہ چاروں ٹانگیں لٹکا کر چارپائی
پر بیٹھی تھیں اور سینڈل کا جوڑا ان کی امی فیروزہ لائی ہے۔ سینڈل پلاسٹک
کی بنی ہوئی ہے اور ایسی ہے جو اُوپر سے ٹرانسپیرنٹ ہوتی ہے اور جس
پر شیشے کا گمان ہوتا ہے۔ یہ جُوتی پہنتے ہی سکینہ اُٹھتی ہے اور اترا ہٹ

سے چلتی ہے۔ باپ جو نسوار کھانے کا عادی ہے اڈے پر بیٹھا ہے۔ ماں جیسے ابھی بازار سے آئی ہے۔ برقعہ اُتار کر کھونٹی پر لٹکاتی ہے۔)

سکینہ : مجھے تو بالکل فِٹ آگئی امّاں۔

ماں : شکر ہے۔ میں نے تو یُونہی اندازے سے خرید لی تھی۔

ابّا : کمال کے اندازے ہیں تمہاری ماں کے۔

ستارہ : اور ہم اماں ـــ ہم کیا کریں؟

ماں : تمہارے پاس ہیں تو سہی فلیٹ اچھے بھلے۔

ستارہ : فلیٹ ہیں لیکن سینڈل تو نہیں ہیں۔

جمیلہ : رہنے دے ستارہ۔ اماں سے کچھ کہنے کا فائدہ۔ اس کے دل میں انصاف نہیں ہے۔

ابّا : ہے ـــ ہے انصاف۔ خوب انصاف ہے تیری ماں میں لیکن اس کا انصاف اُوپر والے جیسا ہے۔ بادل برسایا تو ایسا کہ سیلاب آگیا نہ برسایا تو قحط ڈال دیا ـــ دیا تو چھپر پھاڑ دیا۔ رکھنے دھرنے کو جگہ نہ رہی نہ دیا تو ایک وقت کی روٹی بھی نہیں۔ تیری ماں بادشاہ آدمی ہے۔

(نسوار کی چٹکی منہ میں ڈالتا ہے۔)

ماں : مہربان علی تجھے جو کچھ کہنا ہو مجھ سے کہہ۔ ہماری عقل ہی کتنی ہے جو ہم اُوپر والے کو پہچانیں خواہ مخواہ باتیں بنانے سے تو اُلٹا گناہ گار ہوتا ہے اِنسان۔

وحیدہ : پر اماں۔ یہ تو تم مان لو نا کہ تم بے انصاف ہو۔ بُرقعہ بنا تو سکینہ کا۔ نئی رضائی بنی تو سکینہ کی۔ اب سینڈل آئے تو اس کے لیے۔

ماں : بُرقعہ میں تیرے لیے لائی تھی لیکن تجھے رنگ پسند نہ آیا۔

جمیلہ : خیر اماں تمہیں معلوم تھا کہ باجی کو نسواری رنگ اچھا نہیں لگتا۔ تم جان

کے نسواری رنگ لائیں آپا سکینہ کی آنکھوں جیسا۔

ستارہ : میں آج سکول نہیں جاؤں گی۔

باپ : سب سٹرائیک پر چلی جاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کوئی مذاق ہے کوئی مخول ہے۔ جن کے گھر میں ایک پڑھی نہیں تھی وہ آج کاروں میں لئے پھرتے ہیں پاں پاں پاں۔۔۔۔ جن کے گھر ایک وقت کو نہیں تھا کھانے کے لیے ـــــ ان کے گراسی پلاٹوں میں بھی باورچی خانے کھڑے ہیں تفریحی۔ یہ انصاف ہے۔ کچھ سوچتا ہے دینے والا۔

ماں : قسمت سے مت لڑا کر مہربان علی۔ اس کا جو حساب کتاب ہے اسے ہم نہیں سمجھتے چھوٹی کھوپڑی والے۔ کئی چار دن میں ساری عمر کا رزق کما لیتے ہیں کچھ کو تھوڑا تھوڑا ملتا رہتا ہے ساری عمر۔۔۔ قسمت کی باتیں تو سمجھتا کیا ہے؟

وحیدہ : اس محلے میں ایک ہم ہی غریب رہ گئے۔ اچھی قسمت ہے؟

ستارہ : اماں مجھے بھی ایسی سینڈل لا دے نہیں تو میں سکول نہیں جاؤں گی۔

ماں : تو مت جا سکول۔ پہلے جو یہ چاروں سکول جاتی رہی ہیں تو کیا بن گیا۔

باپ : اب راستے پر آئیں۔۔۔۔ ہاں ہاں بول بول۔۔۔۔ اور اس اپنی سکینہ لاڈلی کو جو تو بی۔ اے کرا رہی ہے تو اس کا کیا فائدہ ہوگا۔ میری مان اب بھی اسے کالج سے اُٹھا کر ٹائپ رائیٹر سکھا دے کم از کم یہ بھی پانچ سو کمانے لگے گی وحیدہ کی طرح۔

سکینہ : اب تو ابا چار مہینے رہ گئے ہیں امتحان میں۔

جمیلہ : (رو کر) اماں تجھے میرا پاؤں یاد نہیں تھا۔

باپ : مت رو جمیلہ۔ دعا کر اگلے گھر انصاف کرنے والے ہوں۔

ماں : (کڑک کر) میری بیٹی کو بددُعا مت دے مہربان علی۔ انصاف ہم نے کیا کرنا ہے۔ لڑکیوں کی زندگی کبھی انصاف کے سہارے گزری ہے۔ دُعا کر ان پہ فضل ہو۔ ان کے نصیب اچھے ہوں۔ قسمت کھل جائے ان کی اللہ بتے لگا دے پاک نبی کے واسطے۔

باپ : بتے لگ بھی گئیں تو کتنے دن۔ اچھے نصیب ہو بھی گئے تو کتنے دیہاڑے فیروزہ . . . . میں ساری عمر اپنی دہلیز پر کھڑا انتظار کرتا رہا ہوں اچھے دنوں کا . . . . میرے گھر اچھے بختوں کی بارات نہیں اُتری آج تک روپیہ ملا تو سوا روپیہ کا خرچ ہوا۔ ایک نعمت ملی تو چار نعمتوں کو چھٹی مل گئی۔ میری اولاد ہے آخر اس کے نصیب مجھ سے بہتر کہاں ہوں گے۔

ماں : ماں باپ کا منہ متھا ضرور لگ جاتا ہے اولاد کو پر قسمت ورثے میں نہیں ملتی کبھی ــــ دیکھ مہربان علی میں تیرے ہاتھ جوڑتی ہوں اچھا اچھا بولا کر۔

باپ : (ہنستے ہوئے) ایک دن تو بھی انگوٹھے آنکھوں میں دے کے کہے گی یہ کہاں کا انصاف ہے جب قسمت کی چنگیر نہ بھری تو ایک دن تو بھی صرف انصاف مانگے گی . . . . دیکھتی چل تو ــــ دیکھتی چل . . . .

سکینہ : اماں۔ میں یہ سینڈل پہن کر کالج چلی جاؤں آج۔

وحیدہ، جمیلہ، ستارہ : سینڈل؟

ــــــــــ کٹ

سین ۲
آؤٹ ڈور
صبح کا وقت

امال روڈ کا بس سٹاپ۔ پی آئی اے کے دفتر کے قریب۔ سکینہ اپنے برقعہ کا نقاب اُلٹے کتابیں ہاتھ میں اُٹھائے بس سٹاپ پر کھڑی ہے۔ نثار بڑی سی گاڑی امپیریل الیکٹرک کے سامنے روکتا ہے اور باہر نکل کر بس سٹاپ کے پہلو سے سڑک کراس کرنی چاہتا ہے وہ سکینہ کو دیکھ کر ٹھٹھکتا ہے۔ رُک جاتا ہے۔ سکینہ پریشانی کے عالم میں ذرا تیزی سے چیرنگ کراس کی جانب دیکھتی ہے تو اس کی کتابیں ہاتھ سے نکل کر زمین پر بکھر جاتی ہیں۔ وہ گھبرا کر ان کو سمیٹتی ہے اُٹھ کر کھڑی ہوتی ہے تو اس کا پن گر جاتا ہے وہ جُھک کر پن اُٹھاتی ہے اور پھر سٹینڈ کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔

بس آتی ہے اور سکینہ اس میں سوار ہو جاتی ہے۔ اس کے سوار ہوتے ہی نثار تیزی کے ساتھ اپنی موٹر کی طرف جاتا ہے اسے سٹارٹ کرتا ہے اور ریگل کی طرف جاتی ہوئی بس کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ کار کے نقطہ نظر سے بھنگیوں کی توپ تک ساری مال روڈ خوش اسلوبی سے یوں دکھائی جائے کہ ہر چوراہے کی بتی پر نثار کو روکا جائے اور اس کے سامنے سے گزرنے والا ٹریفک دکھایا جائے۔

بڈھا دریا کراس کرنے کے بعد بس ٹمبر مارکیٹ کے کسی سٹاپ پر رکتی ہے اور سکینہ اس میں سے نکلتی ہے اور کتابیں احتیاط سے سنبھال کر برقعہ گرا کر ذرا سے کُھلے میں چل کر ایک گلی میں داخل ہوتی ہے نثار

اپنی کار سڑک کے کنارے روکتا ہے۔ جلدی سے نکلتا ہے اور سکینہ کا پیچھا کرتا ہے۔ اس کو گلی میں جاتے ہوئے دیکھتا ہے۔ جب وہ اپنے گھر میں داخل ہو جاتی ہے تو نثار آرام سے قدم اُٹھاتا ہوا اس کے گھر کے سامنے پہنچتا ہے اور اس کے گھر کو اچھی طرح سے آنک لیتا ہے۔ واپس مڑتا ہے اور گلی میں چلتے چلتے اپنی پتلون کی ہپ پاکٹ سے چھوٹی ڈائری نکال کر اس پر مکان نمبر لکھتا ہے۔

واپس آکر اپنی کار میں بیٹھتا ہے۔ اس کا رُخ گھما کر پھر شہر کی طرف چل دیتا ہے۔)

_______ کٹ

سین ۳
آؤٹ ڈور
کچھ دیر بعد

(نثار ورکشاپوں کے ایک بازار میں اپنی کار باہر روکتا ہے اور ایک ورکشاپ میں داخل ہوتا ہے۔ کُھلی اور ٹوٹی پھوٹی قابلِ مرمّت کاروں کے پیچھے چند شاگرد پیشہ لوگ مرمّت کر رہے ہیں اور دو "غنڈے" ایک چارپائی ڈال کر اس پر آڑے لیٹے ہوئے ہیں۔ نثار سیدھا اُن کے پاس پہنچتا ہے اور وہ دونوں تڑپ کر اپنی منجی سے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ نثار ذرا فاصلے سے :)

نثار : (چٹکی بجا کر بُلاتے ہوئے) سینڈو !

سینڈو : یس سر !

نثار : ذرا باہر آؤ ۔

سینڈو : جی جناب !

(نثار آگے اور سینڈو اس کے پیچھے لیکن قریب قریب ورکشاپ میں سے نکل رہے ہیں ۔ نثار اپنی ہپ پاکٹ میں سے وہی نوٹ بک نکالتا ہے اور اس کو کھولتا ہے اور اس کو اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے ۔ پھر وہ موٹر کی ڈکی کے ساتھ کولہا لگا کر کھڑا ہو جاتا ہے اور سینڈو لجاجت کے ساتھ سوالیہ نشان بنا ہوا اس سے پُوچھتا ہے :)

سینڈو : جی سر جی

نثار : دیکھو ___

(لمبا وقفہ ۔ وہ پاکٹ بک کے صفحہ میں گم ہے پھر چونک کر ___)

اس کا ہارن دیکھو بجتا نہیں ۔

سینڈو : اچھا سر ۔

(کھڑکی کے اندر ہاتھ ڈال کر ہارن بجاتا ہے نہیں بجتا ۔ پھر وہ بونٹ کھول کر اس کے اندر جُھکتا ہے اور ٹوٹی ہوئی تار لگاتا ہے ۔ سر باہر نکال کر بونٹ بند کرتا ہے واپس کھڑکی میں ہاتھ ڈال کر پاں پاں ہوٹ کرتا ہے ۔ نثار چونک کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آتا ہے اور تھینک یُو کہہ کر اندر بیٹھتا ہے اور زوں کر کے کار سٹارٹ کر کے جاتا ہے ۔ سینڈو کھڑا اُسے دیکھتا رہتا ہے ۔)

_____ فیڈ آؤٹ

سین ۴
اِن ڈور
دن کا وقت

(چھوٹا کمرہ۔ اس وقت چارپائی پر بیٹھی سکینہ پڑھ رہی ہے۔ پھر کاپی میں کچھ نوٹ کرتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد گلی کی جانب سے کھلی کھڑکی میں سے ایک انار آتا ہے اور سکینہ کے کندھے پر لگتا ہے۔ یہ سرخ انار کھٹا ہونا چاہیے تاکہ کندھے سے لگتے ہی سکینہ کے سفید کپڑوں پر اس کے سُرخ داغ لگ جائیں۔ سکینہ اُٹھتی ہے کھڑکی تک جاتی ہے اور گلی کے باہر دیکھتی ہے۔ انار اس کے ہاتھ میں ہے کندھے اور سینے پر انار کے داغ ہیں۔)

کٹ ـــــــــ

سین ۵
اِن ڈور
کچھ دیر بعد

(اس وقت آنگن میں باپ ماں وحیدہ، جمیلہ اور ستارہ موجود ہیں۔ ستارہ ماں کے سامنے بیٹھی ہے وہ ستارہ کے بالوں میں سے جوئیں نکال رہی ہے۔ جمیلہ ہتّھی والے نلکے سے پانی نکال رہی ہے وحیدہ باپ کے پاس مونڈھے پر بیٹھی نٹنگ کر رہی ہے۔ باپ حسب معمول بانس کی کھپچیوں پر چاقو سے

رندہ کر رہا ہے۔)

ماں : یعنی تیرے نزدیک قسمت کچھ نہیں۔ کوئی چیز نہیں مقدر۔

باپ : جھوٹ۔ فریب۔ دل بہلاوا غریب آدمی کا۔ کیوں وحیدہ بیٹے۔

وحیدہ : اماں کبھی مانی ہے ابا۔

ماں : یہ جو دنوں میں لوگوں کے کرم کھلے ہیں۔ لکھ سے لکھ کے ہوئے ہیں لوگ یہ بھی قسمت نہیں تیرے بھانویں۔

باپ : یہ کوشش ہے کوشش۔ محنت۔ تگ و دو . . . . لوگوں نے روپیہ کمانے کی کوشش کی مل گیا۔ مایا کو مایا ملی کر کر لمبے ہاتھ۔

ماں : کبھی کسی کو بنا کوشش کے مایا نہیں ملی آج تک؟

وحیدہ : اماں اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ خزانہ مل جائے بیٹھے بٹھائے دبا ہوا کہیں سے۔

ماں : اور وہ جو عرب شریف میں تیل نکل آیا ہے۔ میلوں میل ریت کے سوا کچھ نہیں تھا — کیسی لہر بہر ہو گئی ہے وہاں۔ اونٹوں سے اُتر کر کاروں میں جا بیٹھے۔ وہ تیل کوشش سے نکلا؟ — یہ جو نابھے والے حکیم جی کا بانڈ نکلا ایک لاکھ کا یہ کوشش سے ہوا ان کی؟ بتا؟ سردار محمد کا دادا مرا — عیش ہو گئے سردار محمد کے — تین تین حویلیوں کا کرایہ اور باغ باغیچے علیحدہ — مربعے زمینیں جُدا — یہ سردار محمد کی کوشش سے ہوا؟ بول؟ بتا؟

جمیلہ : سارے محلے میں آواز جا رہی ہے تیری آہستہ بول اماں۔

باپ : اچھا اچھا تو مت ڈھونڈ ان کے رشتے۔ پڑی سڑنے دے انہیں مت کہہ کسی سے۔ دیکھتے ہیں کون تیری چوگاٹھ توڑنے آتا ہے۔

ماں : جس کی قسمت میں یہ دھن لکھا ہوگا مہربان علی وہ آپی لے جائے گا۔

باپ : دھن۔ (ہنستا ہے) بالکل .... آجائے گا کسی دن ایک لنگا ... لُولا .... پانچ بچّوں کا باپ — ٹیرا ! بال بال قرضائی۔ پھر ان چاروں کو باجماعت بیاہ دینا اس سے۔

ماں : خدا کا خوف کر مہربان علی۔ شرم کر۔

وحیدہ : کیا اماں ابّا آپ دونوں ہر وقت بحث کرتے رہتے ہیں۔ میں تو عاجز آگئی ہوں۔

باپ : اس کو فکر نہیں ہے تمہاری بیٹا نہیں ہے۔ اب یہ میرا کام تو نہیں رشتے تلاش کرنے کا — یہ ماں ہے اسے بر تلاش کرنے چاہئیں۔ یہ اس کا فرض ہے۔ اسے کوشش کرنی چاہیئے۔

ماں : میں کہاں تلاش کرنے جاؤں کرموں ماری۔ ٹوٹا پھوٹا میرا خاندان تھا پہلے ہی سو وہ بھی سکھر جا بسا — جانے کون کس حال میں ہے ؟ کہاں ہے !

باپ : کسی نائین سے کہہ — کسی سہیلی بہنیلی سے دکھ رو — یہ لڑکی ذات کو تو اُولی لگ جاتی ہے راتوں رات۔ دو چار سال میں رنگ روغن بھی اُتر جاتا ہے ان کا۔

جمیلہ : ابّا خدا کے لیے چپ کرو۔ سارے محلے میں آواز جاتی ہے۔

باپ : زندوں کی آواز آیا ہی کرتی ہے — مر جاؤں گا تو چپ ہو جائے گی — آپ سے آپ۔

ماں : منہ اچھا نہ ہو تو بات اچھی کیا کرو۔

باپ : منہ میرا اچھا نہیں۔ قسمت میری اچھی نہیں۔ طبیعت میری اچھی نہیں۔ اخلاق میرا اچھا نہیں۔ کمائی میری اچھی نہیں۔ فیروزہ اب بھی وقت

ہے تو بھی اپنے لیے کوئی گھر تلاش کر لے بیٹیوں کے ساتھ۔

(ماں کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ توبہ کرتی ہے۔)

وحیدہ : اب خدا کے لیے ابّا حد ہوتی ہے ہر بات کی۔

باپ : آگے پیچھے۔ سچّے کھپّے سارے نقص مجھ میں جو ہوئے ہیں جو ذمہ دار ہُوا ہر مصیبت کا....

(اس وقت اندر سے سکینہ ہاتھ میں انار لیے آتی ہے۔)

ہر کٹھنائی کا — ہر آفت کا....

سکینہ : اماں انار —

ستارہ : انار! کہاں سے آیا؟

سکینہ : پتہ نہیں کھڑکی میں سے کسی نے پھینکا اماں۔

باپ : اور کھڑکی کھلی رکھ۔ ابھی تو صرف انار آیا ہے آگے دیکھنا کیا کچھ آتا ہے۔ لا میرے پاس —

(سکینہ پاس جاتی ہے۔)

لاکھ بار کہا ہے کھڑکی بند رکھا کرو، لیکن کوئی سنتا ہی نہیں۔

سکینہ : ابّا کھڑکی کے آس پاس کوئی نہیں تھا۔ ساری گلی سنسان تھی۔ خدا کی قسم کوئی نہیں تھا ابّا۔

باپ : دکھا ذرا —

(انار اس کے ہاتھ سے لیتا ہے۔)

قندھاری ہے کہ دیسی؟

ماں : بڑا اچھا شگون ہے سکینہ.... جن کے کرم اچھے ہوں ان کے لیے پھل آتے ہیں غیب سے۔

وحیدہ : اور یہ جو اس کی نئی قمیض پر سارے انار کے دھبّے پڑ گئے ہیں اماں؟ یہ بھی غیب سے پڑے ہیں۔

ماں : (دُعا کے انداز میں ہاتھ اُٹھا کر) اللہ تیرا شکر ہے۔

باپ : (انار کھاتے ہوئے) انار کا داغ کبھی گیا ہے ـــــ صابن سے دھوؤ اور پکّا.... دُودھ سے اُتارو اور پکّا۔ نمک ملو اور پکّا...

ستارہ : ابّا تھوڑا سا انار مجھے دے۔

باپ : آگے ساری رات کھانستی رہتی ہے۔ دھونسا چلتا ہے اُوپر سے انار کھائے گی ـــــ کھاؤ جی۔

جمیلہ : ابّا دو دانے مجھے دے۔

باپ : کھٹا ہے بابا کھٹا ہے ـــــ بڈھے باپ کے منّہ میں کبھی کچھ نہ پڑے چھیڑ پھاڑ کر جب بھی ملے تم چڑیلیں کھا لینا۔ انار کیا مل گیا سب کی لاٹری نکل آئی۔

سکینہ : اماں یہ داغ اُتر جائیں گے انار کے؟

باپ : ادئے اس کو کیا پتہ یہ کوئی ڈرائی کلینر ہے۔ اس کے داغ کبھی نہیں اُترتے بیٹا۔ انار کا پھل چاہے بازار سے آئے چاہے آسمان سے۔ اس کا داغ ہمیشہ پکّا ہوتا ہے یہ بھی الٰہی مہر ہوتی ہے۔

(سکینہ نلکے کے پاس جاتی ہے اور بالٹی میں پانی جمع کرتی ہے۔ ماں اس کے پاس آکر غور سے اُسے دیکھتی ہے جیسے سکینہ کے چہرے پر اُسے کچھ اور نظر آ رہا ہو۔)

ـــــــــــ کٹ

سین ۶
ان ڈور
رات

(نثار کا بہت شاندار محل نما بنگلہ۔ لیڈی سربلند جنھوں نے پارسی انداز کی ساڑھی پہن رکھی ہے، اس وقت اپنی وہیل چیئر میں بیٹھی ہے۔ اس کے ہاتھ میں مونوکل ہے سامنے ٹرالی لگی ہے جس میں چاندی کا سامان ہے۔
لیڈی سربلند کی دائیں طرف صوفے میں نثار نیم دراز ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک رسالہ ہے اور جسے وہ دیکھ رہا ہے۔ لیڈی سربلند محبت سے اپنے پوتے کو دیکھتی اور مسکراتی ہے۔ نثار دادی کی طرف پیار سے دیکھتا ہے اور پھر ہاتھ سے دادی کو فلائنگ kiss دیتا ہے دادی ونک کرتی ہے۔
لیڈی سربلند کے بائیں طرف بیگم صاحبہ یعنی نثار کی امی چائے بنا رہی ہیں۔ وہ دادی اور پوتے کے اس اقبالِ محبت کو شفقت سے دیکھتی ہے۔ تینوں خاموش اور شفقت سے بھرے ہوتے ہیں۔ ان تینوں کی نظروں سے محبت ظاہر ہونی چاہیئے۔ الفاظ کا سہارا جس میں نہ ہو۔
سامنے رنگین ٹیلی ویژن لگا ہے۔ جس پر نانا مسکوری کا یہ گیت جاری ہے :)

Let it be, let it be

Whispering words of wisdom

Let it be, let it be....

(نانا مسکوری سے کٹ کر کے دو تین مرتبہ ان تینوں کے چہرے دکھلائے جاتے

ہیں اور آخر میں نانا سکوری پر ڈزالو تیار کیا جاتا ہے۔)

ڈزالو ———

سین ۷
آوٹ ڈور
دن کا وقت

(کار میں بیگم صاحبہ سوار ہیں۔ ساتھ ملازمہ ایک بڑا سا خوان سرپوش ڈالے بیٹھی ہے۔ یہ وہی مرسیڈیز ہے جس پر پہلے نثار سوار تھا۔ کار کو پہلے اسی جگہ شوٹ کرتے ہیں جہاں نثار نے سکینہ کو دیکھا تھا۔ اب وہ اسی رُوٹ پر جاتی ہے جہاں نثار نے سکینہ کا پیچھا کیا تھا۔ دونوں بار شوٹ کرنے میں مکمل طور پر مماثلت ہونی چاہیئے۔ گلی میں کار داخل ہوتی ہے۔ یکدم کار رُکتی ہے۔ ڈرائیور اترتا ہے ٹائر دیکھتا ہے ایک ٹائر میں سے ہوا نکل رہی ہے۔ وہ بیگم صاحبہ کے پاس آتا ہے۔ ہوا نکلنے کی آواز ضرور ریکارڈ کر لیجیئے۔)

ڈرائیور : بیگم صاحب۔ ٹائر پنکچر ہو گیا ہے میں ذرا ٹائر تبدیل کر لوں۔
بیگم : (ناگواری کے ساتھ) بھئی کیا مصیبت ہے۔
ڈرائیور : دس منٹ لگیں گے سر۔
بیگم : اچھا تم ٹائر بدلو۔
(اشارہ کر کے)
وہاں آجانا۔ اس سامنے والے گھر کے پاس۔

ڈرائیور : جی بہت اچھا

(کار میں سے اُترتی ہے۔ اُتر کر ٹیشو سے اپنا چہرہ صاف کرتی ہے۔ ساڑھی درست کرتی ہے اور ملازمہ کے ساتھ سکینہ کے گھر کی طرف چل پڑتی ہے۔)

کٹ ————

سین ۸
ان ڈور
کچھ دیر بعد

(وہی صحن اور وہی کونے میں اڈے پر بیٹھا ہوا ابا پتنگ بنا رہا ہے۔ بانس کی کھپچی چاقو سے صاف کر رہا ہے۔ ارد گرد دیواروں کے ساتھ رنگ برنگ پتنگ لگے ہیں۔

منجھلی بیٹی جمیلہ سلائی کی مشین برآمدے میں رکھے کاغذ کے پیٹرن کاٹ رہی ہے۔ چھوٹی ستارہ ابا کے قریب بیٹھی موگری کے ساتھ اپنے سینڈل کی ایڑی ٹھونک رہی ہے۔ پہن کر دیکھتی ہے کیل ابھی چبھتی ہے۔ پھر بیٹھ کر دو تین ضربیں کیل پر لگاتی ہے۔

اماں پرات میں میتھی ڈالے اس کے پتے توڑ رہی ہے۔ اتنے میں سامنے کا دروازہ پٹاخ سے کھلتا ہے اور بوریا کے پردے کو ہٹا کر بیگم وقار کھڑی نظر آتی ہیں۔ سب حیران ہو کر اس عظیم الشان خاتون کی طرف دیکھتے ہیں۔)

بیگم وقار : اجازت ہے بھائی صاحب۔

(ابا ڈر کے مارے ادب سے کھڑا ہو جاتا ہے۔)

اماں : آئیے جی آئیے۔

(اُٹھ کر آگے بڑھتی ہے۔ بیگم وقار اندر داخل ہوتی ہیں تو ان کے پیچھے بڑا سا خوان پوش اُٹھائے ان کی نوکرانی بھی داخل ہوتی ہے۔)

اماں : بیٹی وہ جلدی سے کُرسی اُٹھا لا بیگم صاحب کے لیے۔

(منجھلی بھاگ کر کُرسی لاتی ہے۔)

بیگم : (بیٹھتے ہوئے) شکریہ۔ مہربانی۔

(اماں ایک چھوٹا مونڈھا نوکرانی کے قریب رکھتی ہے اور وہ خوان پوش کو اسی طرح لئے لئے بیٹھ جاتی ہے۔)

بیگم : (ابا سے) آپ بیٹھیے بھائی صاحب۔ تشریف رکھیں۔

(ابا اسی طرح ڈرتے ڈرتے بیٹھ جاتا ہے۔)

بیگم : (اماں سے) آپ بھی تشریف رکھیں۔

(اماں اپنا مونڈھا ذرا آگے کر کے بیٹھ جاتی ہے۔)

بیگم : میرا نام بیگم وقار ہے اور میں سربلند فیکٹریز والوں کی بہو ہوں۔

ابا : سربلند فلور ملز جی۔

بیگم : سربلند فلور ملز۔ سربلند رولنگ ملز۔ سربلند کیمیکلز۔ سربلند پیکرز — بہت ساری فیکٹریاں ہیں خدا کے فضل سے۔

ستارہ : پھوپھو نسیم کے گھر بھی سربلند شاپ پر اُترا کرتے ہیں اماں۔

بیگم : آپ کے کتنے بچے ہیں ماشاء اللہ۔

اماں : خدا کے فضل سے چار ہیں۔

ابا : چاروں بیٹیاں۔

بیگم : بیٹیوں کی بڑی برکت ہوتی ہے بھائی صاحب ۔

ابا : جی ہاں کافی ہوتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ کافی ہوتی ہے ۔ کیوں نہیں ۔

بیگم : پڑھتی ہیں ؟

اماں : بس جی ۔ ایسے ہی ہے بیگم صاحب ۔ بڑی تو ملازم ہے خیر سے پونے چھ سو روپے لیتی ہے ۔

بیگم : خوب ۔

ابا : یہ اپنا بنک ہے ناں جی بڑے ڈاکخانے کے پاس شیشوں والا اس میں ٹائپ کا کام کرتی ہے ۔

اماں : دوسری کالج میں پڑتی ہے ۔

ابا : تھرڈ ایئر سائنس سبجیکٹس ۔ اور یہ تیسری ہے ۔ دسویں چھوڑ کر اس نے گھر پر ہی سلائی کٹائی کا کام شروع کر دیا ہے ۔

اماں : یہ البتہ سکول جاتی ہے ۔ چھوٹی ۔ ستارہ !

بیگم : ماشاء اللہ بڑی پیاری ہے ستارہ تو ـــــ کونسی جماعت میں ہے ۔

ستارہ : چھٹی میں جی ۔

بیگم : اور اس کا کیا نام ہے جو تھرڈ ایئر میں پڑھتی ہے ۔

ابا : سکینہ ـــ سکینہ مہربان علی ۔

بیگم : (اچانک) بھائی صاحب ! (ہاتھ باندھ کر) میں سکینہ کا رشتہ مانگنے آئی ہوں ـــــ ہاتھ باندھ کر ۔

(اماں حیرانی سے باپ کی طرف دیکھتی ہے ۔ جمیلہ اُٹھ کر کھڑی ہو جاتی ہے ۔ ستارہ اپنی جگہ ساکت ہو جاتی ہے ۔ ایک وقفہ خاموشی کا سارے گھر پر چھا جاتا ہے ۔ باہر سے فقیر کی صدا بیک گراؤنڈ کے طور پر آتی ہے :)

"اللہ کے نام کا سوال ہے بابا لوگو —— کملی والے کا واسطہ سخی بابا ——
کر بھلا ہو بھلا۔ انت بھلے کا بھلا۔ اے بابا لوگو۔ سخی داتیو۔ سوالی کا سوال
ہے بابا لوگو . . . ."

(بیگم صاحبہ بدستور ہاتھ باندھے بیٹھی ہے۔)

اماں : (جواباً ہاتھ باندھ کر) ہم غریب لوگ ہیں بیگم صاحب۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

ابا : ہماری بیٹی کا نام سکینہ ضرور ہے میڈم صاحب لیکن یہ وہ سکینہ نہیں جس کی آپ کو تلاش ہے۔

بیگم : ہم کو اسی سکینہ کی تلاش ہے بھائی صاحب۔ اور میں اس وقت تک یہاں سے نہیں اٹھوں گی جب تک آپ ہاں نہیں کریں گے۔

اماں : یہ کس طرح ہو سکتا ہے بیگم صاحب۔ آپ بادشاہ لوگ ہیں اور ہمارے یہاں دو وقت کی روٹی بھی مشکل سے پوری ہوتی ہے۔

بیگم : میرے ساتھ لمبی بات نہ کرنا بہن۔ تم بھی اولاد والی ہو اور ماں کا دل جانتی ہو۔ میں بھی اولاد والی ہوں۔ میرے نثار نے زندگی میں پہلی مرتبہ ہاں کی ہے اور خود اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ مجھے خالی ہاتھ نہ لوٹانا۔

اماں : معاف کرنا بیگم صاحب۔ ہم مجبور ہیں۔

بیگم : (ساڑھی کا پلو پھیلا کر) یہ میرے پھیلے ہوئے دامن کو دیکھئے بھائی صاحب۔ اور میری جھولی پر نظر کیجئے۔

ابا : وہ تو ٹھیک ہی ہے جی —— لیکن ——

بیگم : میں آپ کے دروازے پر سوالی بن کر آئی ہوں یہ بھول جائیں کہ میں کون ہوں۔

اماں : یہ کس طرح ہو سکتا ہے بیگم صاحب۔ سکینہ اس لائق نہیں کہ....

بیگم : (رندھی ہوئی آواز سے) میں آپ کو رسولؐ کا واسطہ دیتی ہوں بہن۔ کالی کملی والے کا واسطہ۔

اماں : ہم مجبور ہیں بیگم صاحب....

ابّا : بس خبردار.... بس.... اتنے بڑے واسطے کے آگے زبان نہیں کھولنا۔ (پلٹ کر) ہمیں منظور ہے بہن جی۔

اماں : مہربان علی!

جمیلہ : ابّا!

ابّا : بس.... بس.... آگے نہیں بولنا — بس!

بیگم : (خوشی کے ساتھ روتے ہوئے) ہم آج ہی نکاح خوانی کے لیے حاضر ہو جائیں؟

ابّا : جو آپ کا دل چاہے جس طرح آپ کو آسانی ہو۔ قول دے چکنے کے بعد سکینہ اب آپ کی ہے۔

بیگم : خدا آپ کا بھلا کرے بھائی صاحب۔ آپ کو اس کا اچھا ایوارڈ ملے۔

(اماں کو آگے بڑھ کر گلے لگا لیتی ہے اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لپٹ جاتی ہیں۔)

مہربانی۔ مہربانی.... آپ کا شکریہ۔ آپ کی مہربانی۔

(ملازمہ سرپوش والا طشت مہربان علی کے اڈے پر ایک کنارے پر رکھ دیتی ہے۔)

کٹ ________

سین ۹
آؤٹ ڈور
رات

(سکرین پر رنگ برنگی آتشبازی چھوٹتی ہے اسی کے پس منظر میں شہنائی کی آواز آتی ہے۔ مصنّف ذاتی طور پر اس سین کو پسند نہیں کرتا لیکن لوگوں کے لیے اس کی انسرشن شاید ضروری ہے۔)

کٹ ______

سین ۱۰
اِن ڈور
گہری رات

(بہت خوبصورت وائینڈنگ سیڑھیوں پر نثار سکینہ اور بیگم وقار ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ سکینہ پُوری دلہن بنی ہوئی ہے۔ نثار بھی دُولہا کے کپڑے اور ہار پہنے ہوئے ہے۔ بیگم صاحبہ بھی بہت فیشنی ساڑھی میں ملبوس ہیں۔ تینوں خوشیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔)

کٹ ______

سین ۱۱
اِن ڈور
گہری رات

(تینوں لمبی گیلری میں چلتے ہوئے آرہے ہیں۔ بیگم صاحبہ نے ایک طرف سے دُلہن کو سہارا دے رکھا ہے۔ نثار چور نگاہوں سے سکینہ کو کبھی کبھی دیکھ لیتا ہے۔ سکینہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ہے۔)

کٹ ————————

سین ۱۲
اِن ڈور
گہری رات

(اس وقت لیڈی سربلند اپنی وہیل چیئر میں بیٹھی ہیں۔ اُنھوں نے بڑا صاف ستھرا سرویٹ گود میں پھیلا رکھا ہے۔ نرس ان کا کھانا ٹرے میں لاتی ہے۔ اور ان کے سامنے ٹیبل پر لگاتی ہے۔ لیڈی سربلند سُوپ پی رہی ہیں کہ دروازے پر دستک ہوتی ہے۔)

لیڈی : کم اِن۔

(دروازہ کھول کر بیگم صاحبہ دُلہن کو کندھوں سے پکڑ کر اندر لاتی ہیں۔ پیچھے پیچھے نثار ہے۔)

بیگم : (آتے ہوئے) ممی دیکھیے ہم آپ کے لیے کس کو لائے ہیں۔

لیڈی : Blessed soul! اسے کیوں لائے اُوپر۔ میں خود آجاتی نیچے۔ نونو۔ نو!

نثار : یہ تو آپ کا سونے کا وقت ہوتا ہے، ممی آپ کو کیسے بُلاتے! — آؤ سکینہ۔

لیڈی : سکینہ؟ نہیں بھئی ہم اس کو سونیا بلائیں گے آج سے۔

(محبت سے سِنگ سانگ)

سونیا

بیگم : ممی کو ہمیشہ اور یجنیل بات سوجھتی ہے۔

لیڈی : (نرس سے) روزی میرے ڈریسنگ رُوم کی الماری کھولو۔ تھرڈ drawer کی ہول پریس کر دو ایک ڈبہ ہے اُوپر ... fairies بنی ہوئی ہیں رپنگ پیپر پر — fairies with a wand — وہ ڈبہ لے کر آؤ۔

(نرس جاتی ہے۔ یہ تینوں پاس بیٹھتے ہیں۔)

لیڈی : سونیا اِدھر میرے پاس آکر بیٹھو۔ یہاں۔ سویٹ ہارٹ۔ اِدھر!

(سونیا اُٹھ کر آتی ہے اور لیڈی کے پاس بیٹھتی ہے اس کی نگاہیں جھکی ہوئی ہیں۔ لیڈی مونوکل لگا کر غور سے اُسے دیکھتی ہے پھر بڑی تہذیب سے مُسکراتی ہے۔)

لیڈی : جب میں ملکہ الزبتھ کی کورونیشن پر گئی تھی تو رات کے bouquet پر میں نے Duchess of Kent کے ساتھ بالکل ایسی لڑکی دیکھی تھی۔ سونیا جیسی — A girl's face in her fortune — ساری رات تمام royalty اس کوشش میں لگی رہی کہ .... اس لڑکی کے ساتھ ناچے باری باری سے — It was a great privilege for everybody.

بیگم : اپنی بہو پسند آئی آپ کو؟

لیڈی : میں بھی نثار کی طرح ہوں۔ اس فولش چارمنگ پرنس کی طرح ——

I also fall for beauty —— سونیا.....

(اس کا ہاتھ پکڑتی ہے۔)

سکینہ : جی

نثار : (آہستہ) لیڈی سربلند

سکینہ : جی لیڈی سربلند

لیڈی : نو نو نو آئی ایم ناٹ لیڈی سربلند فار یو... آئی ایم پلین ممی.... کان ادھر لاؤ سونیا۔

(سونیا لیڈی سربلند کے پاس کان کرتی ہے۔)

یہ جو میرا پوتا ہے ناں —— بالکل اپنے دادے پر گیا ہے۔ اس کا دادا بھی بالکل ایسا تھا۔ سپر ڈیشر سمیشر! ہارٹ تھراب!!

(سکینہ مسکراتی ہے۔)

بیگم : اب ممی اسے آپ اور زیادہ spoil نہ کریں۔ پلیز!

لیڈی : تم کو کچھ پتہ نہیں ہے —— کچھ لوگوں کو پہلے مدر نیچر pamper کرتی ہے۔ پھر لائف spoil کرتی ہے اور آخر میں —— there is God to forgive all, condone everything —————— اس کے دادے کی طرح۔

(اس وقت نرس ڈبہ لے کر آتی ہے۔ لیڈی یہ ڈبہ سکینہ کو دیتی ہے۔)

لیڈی : کھولو سونیا—— اِٹس اے سمال گفٹ —— کھولو! سوری نثار میں نیچے کامن فنکشن میں شامل نہیں ہو سکی۔ آج بلڈ پریشر تھوڑا ہائی

ہوگیا۔ اور پھر میں نے سوچا ....

بیگم : میں آپ کو ویسے بھی تکلیف نہ دیتی ممی .... اتنی بھیڑ بھاڑ میں۔

(سکینہ کاغذ اتارتی ہے۔ اندر سے جیولری کا ڈبہ نکلتا ہے وہ اس کاغذ کو احتیاط سے صوفے پر رکھتی ہے اور ڈبہ ہاتھ میں لیتی ہے۔)

لیڈی : کھولو سونیا۔ It is for you.

(ڈائمنڈ کا ایک قیمتی سیٹ کیمرہ کے کلوز میں آتا ہے۔)

بیگم : اوہ گاڈ ممی! یہ سیٹ دے دیا آپ نے سونیا کو۔

لیڈی : اگر اس نے نثار کو چارم کر لیا تو میں اسے ایمرلڈ کا وہ سیٹ بھی دے دوں گی جو میں نے کورونیشن پر پہنا تھا۔

(نثار اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے لیڈی سربلند کو فلائنگ kiss دیتا ہے۔ لیڈی سربلند اسے محبت سے ونک کرتی ہے۔ کیمرہ سکینہ سے ہو کر کاغذ پر آتا ہے۔ اس کاغذ پر جگہ جگہ ایسی fairies بنی ہوئی ہیں جن کے ہاتھ میں میجک وینڈ ہے۔)

کٹ ______

سین ۱۳

اِن ڈور

رات کا وقت

(نثار کا بیڈ روم۔ ایک طرف بہت شاندار حجلۂ عروسی بنا ہے۔ کمرہ بہت

خوبصورت اور سجا ہوا ہے: نثار اور سکینہ اس وقت صوفے پر ساتھ ساتھ بیٹھے ہیں۔ نثار اپنے گلے سے ہار اُتار کر تپائی پر رکھتا ہے۔ اُس کے چہرے پہ حجاب اور محبت ساتھ ساتھ ہیں۔)

نثار : بڑا تھکا دینے والا کام ہے شادی۔ شکر ہے زندگی میں صرف ایک مرتبہ ہی یہ فنکشن ہوتا ہے۔

سکینہ : جی ضروری تو نہیں۔ (ہلکا سا مُسکراتی ہے۔)

نثار : اچھا!

سکینہ : (آہستہ سے) میرا تو جی چاہتا ہے ـــــ میری ہر روز شادی ہو..... اسی طرح سے....

نثار : مگر کس سے؟

سکینہ : (سر جھکا کر) ہے ایک پرنس چارمنگ۔

نثار : جب میں چھوٹا تھا سونیا تو مجھے عادت تھی رات کو چلنے کی.... میری آنکھیں بند ہوتی تھیں اور میں چلتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ ممی بالکل مجھے چھت کی مُنڈیر سے پکڑ کر لائی تھیں۔ آج بھی مجھے لگ رہا ہے جیسے میں خواب میں ہوں اور چل رہا ہوں ـــــــــــــــ

I don't know how to express myself.

سکینہ : جی!

نثار : کبھی تمہیں خواب میں محبت ہوئی ہے کسی سے سونیا؟

سکینہ : (حیرانی سے مُنہ اٹھا کر) جی!

نثار : جب میں آکسفورڈ میں تھا تو ایک رات مجھے خواب میں ایک لڑکی سے بے پناہ محبت ہوگئی ـــ پھر میں نے اور اس نے جیسے کئی صدیاں اُس

خواب میں گزار دیں۔ ہم کئی مرتبہ اکٹھے escalators پر چڑھے۔ کئی مرتبہ اکٹھے اُترے۔ . . . ہم نے ایک ہی بائی نوکیولر سے باری باری کئی بُل فائیٹس دیکھیں . . . . وینس کے گنڈولوں میں پیٹھ سے پیٹھ جوڑ کر ہم نے کئی اطالوی گیت گائے . . . . وہ میرے اسقدر قریب تھی . . . . جیسے ہونٹوں پر سانس! . . . . جیسے پلکیں پتلیوں پر جھکی جھکی . . . . ساتھ ساتھ الگ الگ!

سکینہ : پھر؟

نثار : صبح جاگنے کے بعد وہ لڑکی نہیں تھی لیکن وہ کیفیت باقی تھی۔ میں اسقدر lovesick تھا سوتیا کہ میں نے ہفتہ بھر اس کی تلاش کی ہر ڈیپارٹمنٹ میں گھوما . . . . ہر ہوسٹل میں جا کر دیکھا . . . . کلبوں اور ریستورانوں میں اس کی تلاش کی . . . . پورا ہفتہ میں نے صرف کافی پی — کچھ نہیں کھایا — اور صرف اس کی تلاش کی۔ مجھے پورا یقین تھا . . . کہ وہ مجھے کسی جگہ ضرور ملے گی۔

سکینہ : نہیں ملی پھر وہ؟

نثار : پورے ایک سال بعد ایمسٹرڈم کے ائرپورٹ پر نظر آئی۔ وہ ٹرائی سٹار کی سیڑھیاں اُتر رہی تھی اور اس کے ہاتھ میں نیلے رنگ کا ایک وزنی بیگ تھا۔ وہ آ رہی تھی اور میں جا رہا تھا، اور ہم دونوں ایک ہی چھت کے نیچے تھے۔ وہ arrivals میں کسٹم کاؤنٹر پر کھڑی تھی اور میں departures میں کسٹمز کروا چکا تھا اور ہمارے درمیان موٹے شیشے کی ایک شفاف دیوار تھی۔ میں نے ہاتھ لہرا کر اسے "چاؤ" کہا —

(خاموش ہو جاتا ہے۔)

سکینہ : پھر!

نثار : لیکن اس نے میری طرف دیکھا نہیں کسٹم والوں سے بات کرتی رہی۔

سکینہ : پھر؟

نثار : پھر بڑے سالوں کے بعد میں نے اُس لڑکی کو پرسوں بس شاپ پر دیکھا۔ اس کے ہاتھ سے کتابیں گر گئی تھیں۔ وہ اُنہیں زمین پر بیٹھ کر اکٹھا کر رہی تھی لیکن میں ڈرتا ہوں کوئی مجھے جگا نہ دے اور میرا خواب پھر نہ ٹوٹ جائے اور میں تھکا ہارا ——ٹوٹا پھوٹا مارا مارا پھرتا رہوں۔

سکینہ : (کندھے پر پیار سے ہاتھ رکھ کر) لگتا ہے آپ بہت تھک گئے ہیں۔

نثار : (یکدم اپنے آپ کو نارمل کرتے ہوئے) او سوری.... تھک تو تم گئی ہو گی۔ پلیز.... بی ایٹ ہوم۔ آرام سے بیٹھو۔ کمفرٹیبل ہو کر.... جس طرح تمہارا جی چاہے۔

سکینہ : (سینڈل اتارتے ہوئے) یہ میرے سینڈل بہت تنگ کر رہے ہیں۔

نثار : اوہ پلیز.... پلیز

(یہ وہی سینڈل ہیں جو پہلے سین میں تھے۔ کیمرہ اُن پر آتا ہے۔)

نثار : غالباً جس روز میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا، یہی سینڈل تھے تمہارے پاؤں میں۔

سکینہ : اسی لیے تو یہ پہن کر آئی ہوں۔ بڑے خوش قسمت ہیں یہ سینڈل۔

(نثار جھکتا ہے اور سکینہ کے ہاتھ سے ایک سینڈل پکڑتا ہے کیمرہ اس کے ہاتھوں پر آتا ہے۔)

——— کٹ

سین ۱۴
اِن ڈور
صبح کا وقت

(حجلۂ عروسی اسی طرح ہے۔ صبح کا وقت ہو چکا ہے۔ اس وقت سکینہ بڑی خوبصورت نائیٹی پہنے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی ہے۔ مشہور بیوٹی کلینک گلیمر کی بیوٹیشنز اس کے پاؤں کے ناخنوں پر کیوٹکس لگا رہی ہے۔ حجلۂ عروسی کی ایک طرف کے ہار اُٹھے ہوئے ہیں اور نثار ابھی تک پلنگ پر ہے۔ اس سارے سین میں یہ میک اَپ کرنے والی سارا وقت کبھی سکینہ کے بال بناتی ہے کبھی چہرے کا میک اَپ کرتی ہے۔ کبھی آنکھوں پر مسکارا اور آئی شیڈو ٹھیک کرتی ہے۔ نثار اوندھا لیٹا ہوا ہے اس کے پاس چائے کی ٹرولی دھری ہے۔)

نثار : کچھ زرد سا پہنتا سونیا اپنے complexion جیسا۔۔۔ جیسے کوئی لڑکی خواب سے نکل رہی ہو۔۔۔ راستہ بھولی ہوئی سی۔۔۔

سکینہ : (مُسکرا کر) اچھا جی۔۔۔ ساڑھی کہ غرارہ۔۔۔

نثار : کچھ فلوٹنگ سا۔۔۔ جیسے بادل کا کوئی ٹکڑا پیچھے رہ جائے، آسمان پر مرغابیوں کے بعد ـــ سورج کی پیلی دُھوپ میں۔۔۔

سکینہ : (اُٹھ کر) میں ابھی آئی ایکسکیوز می۔۔۔

(واڈروب تک جاتی ہے۔ وہاں ایک زرد رنگ کی ساڑھی نکالتی ہے۔)

یہ ٹھیک ہے۔ اسے اِستری کر لوں ؟

نثار : (بغیر دیکھے) سب ٹھیک ہے۔ ہر کپڑا ہر چیز ـــ جسے تم نے چُھو لیا۔۔۔ جسے تم نے دیکھ لیا خود بخود ٹھیک ہو گئی۔

(سر جھٹک کر)

کیا میں زندہ ہوں سونیا ؟ پلیز ٹل می ؟

سکینہ : آپ تیار ہو جائیں ناں - بتائیں کونسا سوٹ استری کر دوں ؟

(نثار اُٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر دیوار تک لے جاتا ہے پھر اُس کی انگلی ایک بٹن پر دھرتا ہے اور دباتا ہے -)

نثار : اگر میں شاعر ہوتا تو ــــ بڑی خوبصورت غزل کہتا اگر آرٹسٹ ہوتا تو تصویر بناتا . . . لیکن میں تو صرف . . . . نیند میں چل سکتا ہوں ــــ واقعی سونیا پلیز - بتاؤ ــــ یہ سب کیا ہے ؟ یہ سوڈو رُومانٹک سچوئیشن ہے کہ . . . . خواب ؟

دھوبن : (آتی ہے) ہم آجاویں صاحب !

نثار : آؤ آؤ دھوبن . . . . کم ان . . . . یہ premises پہ ہی رہتی ہے ہماری دھوبن - کیا حال ہے دھوبی کا ؟

دھوبن : ٹھیک ہے صاحب ! مجے کرت ہے دُعا دیوت ہے صاب لوگن کو ــــ کپڑے دے دیو استری والے -

سکینہ : یہ ساڑھی اور یہ صاحب کا سوٹ -

(دوبارہ آکر میک اپ کرانے بیٹھ جاتی ہے -)

دھوبن : ابھی لیو بیگم صاحب ابھی . . . . ایک منٹ ماں - ہم تو صاحب لوگن کے گلام ہیں - ان کی پرجا ہیں - (کپڑے لے کر چلی جاتی ہے -)

(نثار اپنے شب خوابی کے کپڑوں میں فرش پر کھڑا کھڑا ایک خوبصورت انگڑائی لیتا ہے جیسے عمران خاں باؤلنگ کے وقت ہوتا ہے - بٹلر داخل ہوتا ہے -)

بٹلر : مے آئی کم ان سر ؟

نشار : کم ان ! کم ان !!

بٹلر : سر بیگم صاحب نے آڈر دیا ہے کہ مینو چھوٹی بیگم صاحب کے حکم سے بنے گا۔

نشار : نہیں نہیں جوزف ابھی نہیں۔ ابھی ہم چھوٹی بیگم صاحب سے اتنا کام نہیں لے سکتے۔ یہ بالکل اَن فیئر بات ہے۔

بٹلر : ویری رائٹ سر ویری رائٹ ــــ پھر سر لنچ پر ؟

نشار : (لااُبالی پن سے) اپنی تھنگ ! سُوپ اینڈ فش برائلڈ چکن وِد آلنڈز.......

بٹلر : یس سر!

نشار : کچھ بنوالیں پلیز۔

بٹلر : ویری ویل سر۔ ویری ویل ! سر آج آپ کو سرپرائز دینے کی اجازت ہے!

نشار : ضرور.....ضرور.... with pleasure

بٹلر : تھینک یُو سر.... گڈ مارننگ ــــ

(چلا جاتا ہے۔)

نشار : گڈ مارننگ

(پھر کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہوتا ہے۔)

خواب تھا یا خیال تھا کیا تھا؟ حُسن تھا یا جمال تھا کیا تھا؟

سکینہ : دیکھئے میک اَپ اوور تو نہیں لگ رہا ؟

نشار : بالکل نہیں۔ (پاس آکر) مسز ڈانگے یُو آر ونڈر فل ! .... عموماً میک اَپ سے چہرے بھیانک ہوتے ہیں۔ لیڈی میکبتھ نظر آتے لگتی ہیں عورتیں میک اَپ کر کے... لیکن آپ نے تو انہیں اوفیلیا بنا دیا ــــ

مسز ڈانگے: تھینک یو سر

نثار : خواب تھا یا خیال تھا کیا تھا؟ حسن تھا یا جمال تھا کیا تھا؟ ایک شعر تم
سناؤ سکینہ۔

سکینہ : میں؟ مجھے تو کوئی شعر نہیں آتا۔

نثار : صرف ایک۔ اور پھر مسز ڈانگے سے بھی ایک شعر سنیں گے۔

سکینہ : شعر؟ ۔۔۔۔ اچھا ۔۔۔ لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری۔ زندگی شمع
کی صورت ہو خدایا میری۔

نثار : فاؤل فاؤل فاؤل۔ یہ اُستادی نہیں ہوگی یہاں۔

(اس وقت بیگم صاحب ہاتھوں میں زیورات کے چند ڈبے اُٹھائے آتی
ہیں۔)

بیگم : مے آئی کم اِن نثار؟

نثار : آیئے آیئے ممی ۔۔۔۔ آیئے ۔۔۔۔

بیگم : (خوشی سے) آہا ۔۔۔ میری پیاری مینا — dainty and delightful
سوئیا ۔۔۔ لیڈی سربلند کی کچھ اولڈ فرینڈز تمہیں
دیکھنے آرہی ہیں۔

نثار : لیکن ہم دونوں تو فیکٹری جا رہے ہیں امی۔

بیگم : آج! اس وقت!! تمہاری ہر بات آؤٹ آف پلیس ہوتی ہے نثار۔
آؤٹ آف ٹائم۔

نثار : ہم دو گھنٹے میں واپس آجائیں گے امی — میں نے ان لوگوں سے
پرومس کر رکھا ہے، فیکٹری والوں سے۔

بیگم : میں تو ساری عمر اس کو نہیں سمجھ سکی۔ تم شاید اس کی اِن حرکتوں سے مانوس

ہوجاؤ۔ ذرا اُوچ ہلکا کریں مسز ڈانگے۔ صبح کا وقت ہے۔

سکینہ : یہی تو ان کی خوبصورتی ہے امّی —— اتنی آؤٹ آف پلیس بات کرتے ہیں کہ یہ ہم میں سے لگتے ہی نہیں —— پرنس چارمنگ سے اِسپر بینگ!

نثار : میں تو reality ہوں سونیا.... It is you who are out of the dream.

بیگم : اچھا سکینہ یہ دیکھو بیٹے —— یہ میں کچھ sets لائی ہوں جو بھی تم پہننا چاہو اس وقت۔

سکینہ : زرد شفون کی ساڑھی ہے امّی آپ خود بتادیں۔

بیگم : یہ پرلز اچھے ہیں۔ کیوں نثار؟

(نثار اب کھڑکی میں جا کھڑا ہوا ہے۔)

میرا تو خیال تھا کہ تم میرا کندن کا سیٹ پہنتی۔

نثار : ناں امی ناں ناں .... thats too heavy ....اسے پہن کر یہ battle ground سی لگے گی۔

بیگم : سُنی اس کی بات۔ اچھا پھر پرلز رکھ جاؤں سونیا!

سکینہ : ٹھیک ہے جی

(باقی سیٹ لے کر چلتی ہے پھر رکتی ہے۔)

بیگم : ہا! میں بھی کتنی بے وقوف ہوں۔ کیا پتہ تمہارا مُوڈ بدل جائے اور تم کچھ اور پہننا چاہو .... بچے! جو مرضی پہن لینا —— یہ سب یہاں ہیں اور جلدی سے آجانا فیکٹری سے۔ نثار تمہیں پتہ ہے ممی کے nap کا وقت ہوجاتا ہے۔

(زیورات سکینہ کے پاس رکھتی ہے۔)

سکینہ : انہیں کہاں رکھوں نثار ۔

نثار : یہاں وہاں — جہاں تمہارا دل چاہے ——————

Every place is yours: room, house, world, void..

everything is yours.

سکینہ : آپ وہاں کیا کر رہے ہیں تیار ہو جائیں ناں ۔

نثار : ایک نظم یاد کر رہا ہوں خیام کی ۔ (پاس آتے ہوئے) ٹوٹ ٹوٹ کر یاد آ رہی ہے ۔

(سکینہ کی ناک پر آہستگی سے انگلی پھیرتے ہوئے)

There was a door to which I found no key

There was a veil past which I could not see

Some little talk awhile me and thee

There seemed- and then no more of thee and me

(کیمرہ نثار کا کلوز اپ لیتا ہے ۔ اس کے چہرے پر محبت کی تمام شائستگی اور ملائمت موجود ہے ۔)

کٹ

سین ۱۵
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(کار ایک بہت بڑی فیکٹری میں داخل ہوتی ہے ۔ پورچ میں جا کر کار

رکتی ہے۔ سامنے بیس پچیس ورکرز، مینجر، کلچرل آفیسر، میڈل آفیسر تمام کھڑے ہیں۔
مرسیڈیز میں سے نثار اُترتا ہے۔ مینجر جلدی سے بیگم صاحبہ والی سیٹ کا دروازہ
کھولتا ہے۔ بیگم صاحبہ کے گلے میں ہار پہناتا ہے پھر نثار کے گلے میں ہار ڈالتا ہے
اب سامنے کی دیوار سے لگے دو چھوٹے بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی آتے ہیں۔
لڑکے کے ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ ہے لڑکی کے ہاتھوں میں چھوٹی سی ٹوکری
ہے جس میں گلاب کے پھولوں کی پتیاں ہیں۔ وہ دونوں آتے ہیں۔ لڑکا سکینہ
کو گلدستہ پکڑاتا ہے۔ سب تالیاں بجاتے ہیں۔ اب لڑکی آگے آگے چلتی ہے
اور ٹوکری میں سے پھولوں کی پتیاں نکال کر راستے میں بکھیرتی جاتی ہے۔ نثار
اور سکینہ دونوں آگے جاتے ہیں۔ باقی لوگ ان کے پیچھے چلتے ہیں۔)

کٹ ________

سین ۱۶
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(فیکٹری کے مختلف حصوں میں دو تین کٹ۔ جن میں نثار سکینہ کو اپنی فیکٹری
دکھاتا ہے۔ پیچھے چار پانچ معتبر قسم کے آدمی ساتھ ساتھ ہیں۔ پروڈیوسر کی
آسانی اور استعداد کے مطابق۔)

کٹ ________

سین ۱۷
ان ڈور
دن کا وقت

(نثار کا دفتر۔ سکینہ سامنے بیٹھی ہے اور کافی پی رہی ہے۔)

نثار : تھک تو نہیں گئیں سونیا!
سکینہ : ایسے ہی .... آپ تو پتہ نہیں مجھے کیا سمجھتے ہیں۔
نثار : میرے ساتھ .... یہ واقعہ پہلے کبھی نہیں ہوا۔
سکینہ : کیا واقعہ؟
نثار : یہ محبت کا ایکس پیرینس ...... میں صرف ایک بار محبت زدہ ہوا تھا خواب میں۔ زندگی میں .... تھوڑی بہت infatuation ہوتی رہتی ہے —— لیکن میں یوں مکمل طور پر weightless نہیں ہوا کبھی! .... مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں گریوٹی سے نکل گیا ہوں ..... فضا میں ہوں ..... زمین ساتھ ہے بھی اور نہیں بھی .....

(سکینہ ہلکا سا مسکراتی ہے۔)

سکینہ : مجھے تو یہ بھی سمجھ نہیں آتی کہ —— آپ کی باتوں کا کیا جواب دوں!
نثار : ٹیل می —— ؟ کیا میں زندہ ہوں؟ کیا یہ بھی خواب تو نہیں؟

(اسی وقت مینجر آتا ہے۔)

مینجر : آئیے سر
نثار : آؤ سونیا ....

(مینجر کے ساتھ دونوں جاتے ہیں۔)

کٹ ——————

سین ۱۸
ان ڈور
دن کا وقت

(اب نثار اور سکینہ ایک بڑے ہال میں داخل ہوتے ہیں۔ جہاں قریباً دو سو ورکرز موجود ہیں۔ ان کی آمد پر تمام لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں اور تالیاں بجاتے ہیں۔ اب ہال کے مختلف حصّوں سے لوگ آ آ کر ان دونوں کو ہار پہناتے ہیں۔ یہ دونوں چلتے جاتے ہیں اور تالیاں جاری رہتی ہیں۔ یہ دونوں قطار میں سامنے صوفے پر بیٹھے ہیں۔ ہار اب بھی ڈالے جاتے ہیں۔ ہار اسقدر ہونے چاہئیں کہ ان کی گردنیں بوجھ سے جھک جائیں۔ پھر یہ دونوں گردنوں سے ہار اتار کر سامنے میز پر رکھتے ہیں۔ نثار سکینہ کی مدد کرتا ہے۔ اب سامنے چھوٹے سے سٹیج کا پردہ کھلتا ہے اور ایک سٹیج سیکرٹری مائیکروفون پر آتا ہے۔)

سیکرٹری: حضرات! جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے یہ دن ہمارے لیے لیے انتہا خوشی کا دن ہے۔ ہم سب نثار صاحب کو ان کی شادی خانہ آبادی پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اس خوشی کے موقعہ پر ہماری کنٹین کے مینجر جناب رباب شور کوٹی صاحب نے ایک سہرا لکھا ہے۔ تو سب سے پہلے میں رباب شور کوٹی صاحب سے عرض کروں گا کہ وہ سٹیج پر آ کر خود سہرا پیش کریں۔

رباب شور کوٹی صاحب!

(رباب شور کوٹی لوگوں میں سے اُٹھ کر سٹیج پر آتا ہے۔)

رباب : اس تہنیت کے موقع پر عرض کیا ہے۔ اجازت ہے سر؟

(نثار ہاتھ کے اشارے سے اجازت دیتا ہے۔)

نثارِ روح نثارِ جاں نثارِ انبساط آئے

جہاں سے جو ملا اس کا بنا کر لائے ہیں سہرا

محبت کی فراوانی سے ہر اک پھول دھو دھو کر

وفورِ شادمانی میں سجا کر لائے ہیں سہرا

رباب شور کوٹی ادب سے خاموش ہو جا اب

کہ محنت کش محبت سے اٹھا کر لائے ہیں سہرا

(جس وقت وہ محبت کہتا ہے اس وقت کیمرہ نثار اور سکینہ پر آتا ہے۔
سکینہ اس وقت بائیں ہاتھ سے اپنی آنکھ مل رہی ہے۔ رباب شور کوٹی
فریم میں جڑا ہوا سہرا لے کر سٹیج سے اُترتا ہے اور ان کے پاس آتا ہے سکینہ
کو سہرا پیش کرتا ہے۔ سکینہ سہرا قبول کرتی ہے پھر آنکھ ملتی ہے۔ نثار اپنی
جیب سے رومال نکال کر دیتا ہے اور سرگوشی سے پوچھتا ہے:)

نثار : کیا ہوا؟

سکینہ : پتہ نہیں۔ کچھ پڑ گیا ہے ان ہاروں میں سے۔ ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔

(نثار کے رومال سے آنکھ پونچھتی ہے۔ کیمرہ دوبارہ سٹیج پر جاتا ہے۔ جہاں
سٹیج سیکرٹری اعلان کرتا ہے۔)

سیکرٹری : ورکرز یونین نے اس انتہائی خوشی کے موقع پر ایک کلچرل شو کا انتظام
کیا ہے۔ اُمید ہے ہمارے محبوب باس اور مالک فیکٹری ہذا اس کو پسند

فرمائیں گے۔ اب آپ کے سامنے تھریڈنگ سیکشن کے ورکر بھنگڑا پیش
کریں گے ۔

(اب یہاں سٹیج پر دو بھرائی اور چھ بھنگڑا ڈالنے والے جوان آتے ہیں جو
بولیوں کے ساتھ ساتھ بڑا بھرپور بھنگڑا ڈالتے ہیں۔ کچھ دیر یہ شو جاری رہتا
ہے پھر کیمرہ نثار اور سکینہ پر آتا ہے۔

اب نثار کے ہاتھ میں رومال ہے اور وہ سکینہ کی آنکھ دیکھ رہا ہے۔
سکینہ کی آنکھ سے ایک آنسو گر کر اس کی گال پر لٹک رہا ہے۔ ان دونوں
کی محویت کا یہ عالم ہے کہ انہیں نہ بھنگڑے کی آواز آرہی ہے نہ انہیں یہ
خبر ہے کہ وہ دونوں ہال میں موجود ہیں ۔)

کٹ ــــــــــــ

سین ۱۹
ان ڈور
دن کا وقت

(سفید فرنیچر کے سفید ہال میں جہاں ماربل کی دیواروں میں زمین سے پانچ
پانچ فٹ اُونچی کھڑکیاں ہیں ۔ ہر چیز سفید ہے اور جہاں جہاں ضرورت ہے
وہاں گولڈن حاشیہ لگا ہوا ہے۔

اس وقت گولڈن حاشیہ کے سفید صوفے پر سکینہ کی اماں اور اس
کے دائیں بائیں وحیدہ ، جمیلہ اور ستارہ بیٹھی ہیں ۔ یہ چاروں اپنی بساط

کے مطابق اعلیٰ قسم کے کپڑے پہن کر آئی ہیں۔ ان کے ساتھ قالین پر سفید
چمڑے کے اُون بھرے مونڈھے پر سکینہ بیٹھی ہے۔ وحیدہ اپنا پرس کھول
کر کہتی ہے:)

وحیدہ : لے۔ چیونگ گم کھائے گی؟

سکینہ : (ہتھیلی آگے بڑھا کر) ضرور

وحیدہ : (محبت سے) اور نہیں ملے گی۔

سکینہ : بس یہی کافی ہے باجی۔

(اتنے میں کمرے کی گہرائی دکھانے کے لیے ستارہ کو دکھاتے ہیں جو ہال کے
اس سرے پر پہنچ کر چوروں کی طرح دائیں بائیں دیکھتی ہے اور پھر ٹپ ٹو
واپس اپنی بہنوں کی طرف آرہی ہے امارت کا خوف اس کے چہرے سے
عیاں ہے۔ اسے قریب آتے دیکھ کر سکینہ اپنے دونوں بازو اس کی طرف اُٹھا
دیتی ہے اور وہ سہمی سہمی آکر اپنی باجی سکینہ کے بازوؤں میں اس کے ساتھ
قالین پر بیٹھ جاتی ہے۔ ان کی اماں اپنے جُڑے ہوئے گھٹنوں پر دونوں
ہاتھ توبہ کے انداز میں باندھے بیٹھی ہیں اور خاموش ہیں۔ اتنے میں بیرا
داخل ہوتا ہے اور سلام کر کے پُوچھتا ہے:)

بیرا : جی بیگم صاحب

سکینہ : (وحیدہ سے) چائے یا کافی؟

وحیدہ : چائے

سکینہ : تمہارے لیے جُوس ستارہ یا کچھ اور؟

ستارہ : آئس کریم

سکینہ : اماں آپ؟

اماں : بس بیٹا۔ چائے ٹھیک ہے۔

سکینہ : ہمارے لیے چائے۔ ستارہ کے لیے آئس کریم۔ جمیلہ کے لیے کولڈ ڈرنک۔

بیرا : یس سر

(جانے لگتا ہے تو سکینہ روک کر پوچھتی ہے۔)

سکینہ : اور دیکھو —— صاحب کدھر ہے۔

بیرا : پتہ نہیں سر۔

سکینہ : ہاٹ ہاؤس میں جا کر مالی سے پوچھو —— اور اگر وہاں ہوں تو ان سے کہیں فوراً آئیں۔

بیرا : یس سر۔ (چلا جاتا ہے)

سکینہ : (ستارہ سے) پستہ کھاؤ گی نمکین ؟

(ستارہ مبہوت نفی میں سر ہلاتی ہے۔)

سکینہ : اماں جو میری کتابیں پڑی ہیں ناں میز پر۔ اور پن پنسل ربڑ کھلے ہوئے ان کو الماری میں رکھ دینا۔

جمیلہ : میں نے رکھ دی تھیں ساری چیزیں۔

سکینہ : میرا کوئی خط آیا ؟

اماں : ڈیڑھ تو دن ہوا ہے تجھے وہاں سے آئے ہوئے اور پوچھ رہی ہے۔۔۔۔

سکینہ : پھر بھی اماں۔ (اُٹھ کر جاتے ہوئے) ڈیڑھ دن میں کئی خط آ سکتے ہیں۔ میں تمہیں نثار کا البم لا کے دکھاؤں آکسفورڈ کے زمانے کا۔

وحیدہ : ضرور

(سکینہ چلتی ہوئی لمبی گیلری میں ایک طرف کو مڑ جاتی ہے۔)

—— کٹ

سین ۲۰
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(نثار اور سکینہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہیں اور جا رہے ہیں سکینہ ذرا اوپری بیٹھی ہے لیکن نثار بہت بے تکلف کر رہا ہے۔)

کٹ ـــــــــ

سین ۲۱

(جہاز میں نثار اور سکینہ۔ سکینہ کے چہرے پر خوشی اور طمانیت ہے۔)

کٹ ـــــــــ

سین ۲۲
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(دونوں گولف کورس ہیں۔ سکینہ نے جینز پہن رکھی ہے۔ نثار کھیل رہا ہے اور وہ ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔)

کٹ ـــــــــ

سین ۲۳
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(کسی خوبصورت مقام پر برف میں نثار اور سکینہ چل رہے ہیں۔)

کٹ

سین ۲۴
آؤٹ ڈور
دن

(ایک اور خوبصورت مقام پر نثار اور سکینہ پُل پر کھڑے نیچے بائی نوکلیر سے باری باری دیکھتے ہیں۔)

کٹ

سین ۲۵
آؤٹ ڈور
دن

(مری میں دونوں ایک اور خوبصورت مقام پر ایک دوسرے سے پیٹھ

جوڑے بیٹھے ہیں۔ اِس پر کوئی ہسپانوی یا اطالوی لوک گیت سُپرامپوز کیجیے۔)

کٹ ___________

سین ۲۶
آؤٹ ڈور
دن

(نشار اور سکینہ نے ایک بہت بڑا snowman تیار کر رکھا ہے۔ اس وقت سکینہ اس snowman کے گلے میں مفلر پہنا رہی ہے۔ مفلر پہنانے کے بعد وہ ادھر اُدھر تلاش کرتی ہے۔)

سکینہ : آج میرے پاؤں برف کی طرح ٹھنڈے ہو گئے ہیں۔

نشار : کیوں ؟

سکینہ : سینڈل جو پہن لیے میں نے۔ برف ہو گئے ہیں میرے پاؤں۔

نشار : کس نے کہا تھا سینڈل پہننے کو سونیا تم بھی کمال کرتی ہو۔

سکینہ : میں نے سوچا ہوٹل کے سامنے ہے ایسے ہی چلی چلتی ہوں۔ اور پھر آپ کو جوا تنے اچھے لگتے ہیں۔ ہر وقت پہننے کو جی چاہتا ہے۔

نشار : چلو واپس ہوٹل چلیں اسی وقت۔ تمھیں ٹھنڈ لگ جائے گی۔

سکینہ : (بیٹھ کر) مجھے تلاش تو کر لینے دو نشار، ابھی تھا میرے پاؤں میں جب میں مفلر باندھ رہی تھی۔

نشار : لیکن کیا ؟

سکینہ : ایک سینڈل دھنس گیا ہے برف میں ــــ ابھی ابھی ....

نثار : دفع کرو forget it - کم آن .... تمہارے پاس یہی ایک سینڈل تو نہیں !

سکینہ : یہ وہی سینڈل ہے نثار جو میں بس سٹاپ پر پہن کر آئی تھی ۔

نثار : بس اب زیادہ superstitious نہ بنو ــــ آؤ چلیں ٹھنڈ لگ جائے گی سِلی گرل ۔ کم آن ۔

(سکینہ نثار کا سہارا لیتی ہے ۔ایک پاؤں جو ننگا ہے اُٹھا لیتی اور دوسری ٹانگ پر اُچک اُچک کر چلتی ہے ۔عقب میں ہسپانوی گیت جاری رہتا ہے ۔)

ــــــــــ کٹ

سین ۲۷

ان ڈور

رات کا وقت

(ہوٹل کا خوبصورت کمرہ ۔نثار پلنگ پر نائیٹ سوٹ میں بیٹھا ہے ۔سکینہ لنگری میں ملبوس ہے لیکن کھڑکی کے سامنے کھڑی ہے ۔)

نثار : کھڑکی کیوں کھول دی ہے سونیا ــــ سارا کمرہ ٹھنڈا ہو جائے گا ۔

سکینہ : میں اپنا سنو مین دیکھنا چاہتی ہوں .... وہ اکیلا ہے باہر ٹھنڈ میں ۔ مفلر تو کافی نہیں ناں بے چارے کے لیے نثار !

نثار : وہ بے چارہ بھاگ کر کہاں جائے گا ؟ کھڑکی بند کر دو پلیز ۔

سکینہ : اگر صبح دھوپ چمکی تو بھی ہوگا وہاں ــــ مجھے لگتا ہے نہیں ہوگا۔
نثار : شاید اس کا سر پگھل جائے تھوڑا سا۔ لیکن ہو سکتا ہے صبح جب ہم چلنے لگیں تو ابھی وہ موجود ہو ۔ ۔ ۔ ۔ پورے کا پورا ــــ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رات پھر برفباری ہو اور وہ دفن ہو جائے اپنے وجود کے مواد میں۔
سکینہ : میرا جی چاہتا ہے ــــ کہ وہ موجود رہے ۔ ۔ ۔ اور مجھے ڈر لگتا ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ نہیں ہوگا۔ پتہ نہیں ہمیں سنومین نہیں بنانا چاہیے تھا ۔ ۔ ۔ خوامخواہ ۔ ۔ ۔ ۔
نثار : (پاس آتا ہے) سردی لگ جائے گی مسٹر سنومین۔ اب آپ برائے مہربانی پلنگ پر جائیں اور کانوں تک کمبل اوڑھ کر لیٹیں۔

(سکینہ آخری بار کھڑکی کے باہر دیکھتی ہے جہاں گھپ اندھیرا ہے پھر جاتی ہے اور پلنگ پر کمبل لے کر لیٹ جاتی ہے۔ نثار کھڑکی بند کرتا ہے پھر کھڑکی کھولتا ہے اور جھرجھری سی لیتا ہے۔)

نثار : یہ رات کا اندھیرا بھی کیا چیز ہے سونیا ــــ اس میں آنے والا اگلا دن گھات میں بیٹھا ہوتا ہے ــــ چیتے کی طرح ۔ ۔ ۔ ۔ اس گولے کی طرح جو توپ کی نال میں چھپا ہوتا ہے۔
سکینہ : اب آپ کھڑے ہو گئے کھڑکی کے سامنے! بڑی سردی ہے۔
نثار : کل سے نارمل ordinary زندگی شروع ہو جائے گی ــــ کسی کو کسی کے اتنا قریب بھی نہیں رہنا چاہیئے جیسے ہم رہے ہیں پچھلے تین دنوں میں۔ عینک کے شیشوں کی طرح۔
سکینہ : سردی لگ جائے گی سر! آجائیے۔
نثار : ادھر دیکھو سونیا ادھر اندھیرے میں ــــ کیا تمہیں نظر نہیں آرہا ۔ ۔ ۔ ۔

(کھڑکی میں یکدم کمرہ مایر ہسپانوی بُل فائٹنگ شروع ہو جاتی ہے۔ نثار

منہ پر بائی نوکلیر لگا کر اُسے دیکھتا ہے۔ پھر یہ منظر کٹ ہو جاتا ہے۔ ایک escalator پر نثار اور ایک لڑکی اوپر جا رہے ہیں۔ لڑکی نے مغربی لباس پہن رکھا ہے اور کیمرے کی طرف اس کی پشت ہے۔ صرف ناظرین نثار کو پروفائل سے پہچان سکتے ہیں۔ یکدم جھرجھری لے کر نثار کھڑکی بند کر کے واپس آتا ہے۔)

نثار : کسی سے خواب میں محبت کرنا بڑا تکلیف دہ ہے .... ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں آنکھ نہ کھل جائے۔ پلیز ٹل می مسز ستومین۔ کیا میں زندہ ہوں؟ تمہارے پاس ہوں۔ سکینہ مہربان علی کے پاس۔

سکینہ : سکینہ نثار کے پاس —— پلیز۔

کٹ ——————

سین ۲۸
آؤٹ ڈور
دن

(نثار اور سکینہ مری سے لوٹ رہے ہیں اور ان کی کار پہاڑی سڑک پر بل کھاتی ہوئی جا رہی ہے۔ سکینہ نے اپنا سر نثار کے کندھے سے لگایا ہوا ہے اور کار ریڈیو پر گانا بج رہا ہے۔

نثار شرارت سے بار بار سکینہ کا سر اپنے بازو پر اُٹھا کر پرے دھکیل دیتا ہے اور وہ پھر اس پر لڑھک آتی ہے۔ وہ پھر دھکیلتا ہے وہ پھر اس

پر آگرتی ہے۔ اس طرح خوش خوش زندگی سے بھرپور اور مستی کے نشہ سے سرشار
وہ دونوں نیچے پنڈی کی طرف جا رہے ہیں۔ اچانک ایک شارپ ٹرن پر وہیل
نثار کے اختیار میں نہیں رہتا۔ کار ایک درخت سے، پھر ایک پتھر سے ٹکراتی
ہے اور لڑھکیاں کھاتی ہوئی نیچے کھڈ میں جا گرتی ہے۔)

کٹ

سین ۲۹
ان ڈور
دن

(سکینہ اور اس کی ساس بیگم وقار آپریشن تھیٹر کے باہر بیٹھی ہیں۔ سکینہ کے سر
پر پٹی بندھی ہے اور اس سے تازہ خون رِس رہا ہے۔ اس کے چہرے پر دھول
داغ بیٹھی ہے اور وہ پتھر کا ایک بُت لگ رہی ہے۔ بیگم وقار منہ ہی منہ میں
آیات پڑھ رہی ہیں اور ان کے گالوں پر آنسوؤں کی دھاریں رواں ہیں۔
تھیٹر کا دروازہ کھلتا ہے اور سرجن تولیے سے ہاتھ پونچھتا برآمد ہوتا
ہے۔ وہ بیگم وقار کے قریب پہنچ کر کہتا ہے:)

سرجن : خطرہ ٹل گیا ہے بیگم صاحبہ — مبارک ہو — انشاءاللہ آؤٹ آف ڈینجر۔
(بیگم صاحبہ دونوں ہاتھ باندھ کر سر اُوپر اُٹھا لیتی ہیں۔)

سرجن : ہیمریج رک گیا ہے۔ آپ تسلّی رکھیں۔
(سسٹر تیزی سے دروازہ کھول کر برآمد ہوتی ہے۔)

سسٹر : ڈاکٹر صاحب ... جلدی آئیے سر — جلدی

(سرجن گھبرا کر تیزی سے اندر جاتا ہے۔ اس کے پیچھے نرس ہے۔ سکینہ تو بُت بنی تھی اب بیگم وقار بھی آنکھیں کھول کر رہ جاتی ہیں۔ اس خاموش ماحول پر اب پہلی بار کلاک کی ٹِک ٹِک سنائی دینے لگتی ہے۔ کلاک نظر نہیں آتا۔ تھوڑی دیر اسی طرح رہتا ہے پھر دروازہ کھلتا ہے اور سرجن سر جھکائے دروازے کے سامنے آکر کھڑا ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ ایک زور کا بینگ۔ بجتا ہے۔)

ڈاکٹر : مجھے افسوس ہے بیگم صاحب۔ (سر جھکا کر) لیکن اس کے حکم کے آگے ہم سب بے بس ہیں۔

کٹ ——

سین ۲۰

اِن ڈور

دن

(بالکل پہلے منظروں کی طرح سارا خاندان آنگن میں موجود ہے۔ صرف سکینہ یہاں نہیں ہے۔ فیروزہ ستارہ کی جُوئیں نکال رہی ہے اس کی آنکھوں سے آہستہ آہستہ آنسو اُتر رہے ہیں۔)

اماں : مت کُفر کی باتیں کر مہربان علی مت کر... حاصل تو کچھ نہیں ہوتا — خوامخواہ گناہ گار ہو جاتا ہے انسان۔ صبر شکر سے رہ ہر حال میں...

باپ : جس طرح تھانے میں بُلا لیتے ہیں سچ اگلوانے کے لیے .... ملزم نہ مانے تو گالیاں پڑتی ہیں۔ اُس پر بھی نہ مانے تو بید پڑتے ہیں۔ اور پکا ہو تو الٹا لٹکا کر دھواں دیتے ہیں ناسوں میں .... ایسے ہی صبر شکر سکھاتا ہے تیرا خدا .... پہلے غریبی آتی ہے .... آدمی نہ مانے تو پھر .... کوئی نہ کوئی انگ توڑ دیتا ہے .... اندھے ہوئے پر بھی صبر کا کلمہ نہ نکلے تو بچے مرجاتے ہیں ملبے میں دب کر .... آخر کو راضی برضا ہونا پڑتا ہے ___

ماں : تو اس کی نعمتوں کو تو گن ہی نہیں سکتا مہربان علی .... کیوں منہ کھول کر ناشکرا بننا چاہتا ہے ___ اپنے ارد گرد دیکھ تو سہی۔

باپ : بڑی نعمتیں ہیں میرے پاس .... کوئی حد ہے بھلا۔ سبحان اللہ .... کبھی غریبی پکڑا دی .... کبھی ماں باپ چھین لیے بچپنے میں۔ کبھی اکلوتا بیٹا مار دیا .... کبھی جوان بیٹی کو شریک لے گئے اغوا کر کے۔ واہ وا ___ سُبحان اللہ .... ہم کو تو سمجھ نہ آئی رب کی۔

ماں : تُو ایسا رب کیوں بنانا چاہتا ہے مہربان علی جو تیری سمجھ میں آجائے۔ پتنگ ساز کی سمجھ میں ___ ہمارا اتنا سا سر، چھوٹا سا وجود۔ اندھی نظر .... ہم اس کو کیا سمجھیں۔

باپ : تو ایسے رب کو ہم کیوں پُوجیں جو ہمیں پکڑائی ہی نہ دے .... کوئی ہماری سوچ جیسا ہوتا تو انصاف پر چلتا ....

(ماں دونوں آنکھوں کو مٹھیوں سے بھینچ کر آنسو پونچھتی ہے۔)

ماں : انصاف نہ مانگا کر .... نہ مانگا کر مہربان علی .... اس کا فضل مانگا کر۔ اچھی قسمت مانگا کر۔

باپ : تُو کہہ! تو عرضی گزار!! .... تُو رہ قسمت کے گیڑ میں ___ ہم کو تو صرف

انصاف چاہیے...... بس ۔

ماں : (دُکھ سے) یہ تیری کالی جیبھ ہی ایسی ہے .... انصاف نہ مانگا ہوتا تو کیوں میری بیٹی کے کرم جلتے .... ہو گیا انصاف ___ سب روتے دھو دیئے کچھ دنوں میں .... حساب چکا دیا اگلا پچھلا ۔ اب بیٹھ کر روتا رہ ساری عمر ۔ تیری بیٹی کو تو اس نے تکڑی کے تول سارے سُکھ پہنچا دیئے تین دنوں میں .... سب لیکھا چُکا دیا ۔ قسمت اچھی ہوتی تو ساری عمر ملتا رہتا کبھی کم کبھی زیادہ .... اب لے لے بڑی کچہری کی ڈگری .... لگا لے سینے سے انصاف کو .... فیصلے کو ۔

(رو کر)

فضل مانگا کر اس کا ۔ کرم مانگا کر اپنے مولا سے !

(اس وقت سکینہ اندر سے آتی ہے ۔ منہ جھاڑ سر پہاڑ ہاتھ میں سفید قمیض نلکے پر آتی ہے اور پانی نکالتی ہے ۔ باپ جو سارا وقت سب کا جانی دشمن لگتا ہے منہ میں نسوار کی چٹکی لے کر پاس آتا ہے ۔)

باپ : بڑی سردی ہے سکینہ یہ تو شام پڑے کیا دھونے لگی ہے بیٹیا ؟

سکینہ : قمیض ہے ابا ۔ داغ لگ گیا تھا اس پر ۔

باپ : کیسا داغ سکینے !

سکینہ : انار کا داغ ابا ۔ یاد نہیں ؟

باپ : انار کا داغ کبھی نہیں اُترتا بیٹیا ___ انار کا پھل چاہے بازار سے آئے چاہے آسمان سے ، اس کا داغ ہمیشہ پکا ہوتا ہے ۔ الٰہی مہر !

سکینہ : اچھا ابا ۔

باپ : پیروں میں جُوتی بھی پہن لیتی ۔ ننگے پاؤں نہ پھرا کر ہر وقت ۔

سکینہ : اچھا ابا ۔

باپ : اور تُو بھی اب ٹائیپ رائیٹر سیکھ لے بیٹیا۔ چھوڑ بی۔اے، ایف۔اے کو۔
سکینہ : اچھا ابا۔

(سکینہ آرام سے کمرے میں پیڑھی پر بیٹھ جاتی ہے اور اپنی سفید قمیض بالٹی میں ڈبوتی ہے۔ ایک دو مرتبہ جھبلتی ہے اور پھر بازو بالٹی کے کنارے پر لٹکا کر گم سم ہو جاتی ہے۔)

نثار : (آواز) (عمر خیام کی رُباعی کے سارے الفاظ پھر ادا ہونے لگتے ہیں۔)

(آنسو جواب تک سکینہ کی آنکھوں میں ٹھہرے ہوئے تھے روانی سے بہتے ہیں اور پتھر کا بُت بنی سامنے دیکھ رہی ہے۔)



طمع اور حطمہ

کردار :

ملک فیاض : عمر پچاس کے لگ بھگ ۔ نہایت خود غرض اور کنجوس شخص

حبیبہ : ملک فیاض کی پہلی بیوی ۔ عمر چالیس پنتالیس کے درمیان ۔ دکھی عورت

عاصمہ : عمر چوبیس کے لگ بھگ ۔ سیدھی سادی شکل کی لڑکی ۔ ملک کی بیٹی

شگفتہ : ملک صاحب کی بیٹی ، سادہ شکل ۔ عمر بائیس سال

صولت : ملک صاحب کی چھوٹی بیوی ۔ عمر تیس برس ۔ خوب نخرے دار

صومی : صولت کا چھ برس کا بیٹا ۔ لاڈلہ

مہندرو : تیس برس کی طرح دار عورت ۔ لگائی بجھائی کرنے والی

مینیجر : ملک فیاض کا مینیجر ۔ حسابی آدمی

سراج : ملک صاحب کا ذاتی ملازم ۔ حالات کا فائدہ اُٹھانے والا

چپراسی : عام آدمی

مولوی : عمر پچاس کے لگ بھگ

کریم : نوجوان ڈرافٹس مین ۔ مذہب کا وسیع مطالعہ رکھنے والا

پہلی آواز
دوسری آواز } : پس پردہ رہنے والی تین مختلف آوازیں
تیسری آواز

ڈاکٹر : پاگل خانے کا ڈاکٹر

لڑکا
لڑکی } : سائیکالوجی کے سٹوڈنٹس

سین ا
ان ڈور
صبح کا وقت

(جبیبہ بڑے جذبے کے ساتھ قرآن پڑھ رہی ہے۔ ایک آدھ آنسو اس کی گال پر بہہ آیا ہے اور زندگی کی تمام مشکلات اور سختیاں جو اس نے سہی تھیں، اس کے چہرے پر بے نقاب ہو گئی ہیں۔ پہلے کیمرہ اسے قرآن پڑھتے دکھاتا ہے پھر عاصمہ اور شگفتہ پر آتا ہے۔ اس وقت شگفتہ نے دونوں ہاتھوں میں دوپٹہ پکڑ رکھا ہے اور عاصمہ ان میں چنٹ ڈال رہی ہے۔ نوابوں کی سی کوٹھی ہے جس میں بھاری بھرکم پرانی وضع کا فرنیچر ہے۔ اونچی اونچی محرابیں اور طاقچے ہیں۔ کوئی چیز حالیہ فیشن کی نہیں ہے لیکن یوں ظاہر ہو جیسے یہ وہ لوگ ہیں جو ۱۹۴۷ء سے پہلے اکابرینِ شہر میں شمار ہوتے تھے۔)

عاصمہ : امّاں آپ نے قرآن پڑھ لیا ہو تو ہماری بات سن لیں۔
(جبیبہ غصّے سے قرآن چوم کر بند کرتی ہے۔)

جبیبہ : فرمائیے۔ کہیئے۔ وہ ضروری بات جو قرآن پڑھنے سے بھی زیادہ اہم ہو۔

شگفتہ : خیر امّاں آپ تو ہر وقت ہی قرآن پڑھتی رہتی ہیں۔

جبیبہ : تو اور کیا پڑھوں کہاں دل لگاؤں۔ کس کی طرف مدد کے لیے دیکھوں۔ کس کو پکاروں جب دل میں ہول اُٹھے۔ بتا؟ کس کے پاس جاؤں؟

عاصمہ : ہائے اللہ آپ تو ناراض ہوتی ہیں۔

جبیبہ : تم دونوں۔ جو بجّو کی شکل لے کر پیدا نہ ہو گئی ہوتیں تو آج میں تمہیں

بنیٹر سبیٹر کر چلی جاتی مدینے شریف اپنی بہن کے ساتھ۔

عاصمہ : تمہارا دل وہاں نہ لگتا اماں۔ لکھوا لو مجھ سے۔

جبیبہ : کیا کہا؟ میرا دل نہ لگتا۔ عمرہ کرنے گئی تھی تو آنے کو دل نہیں کرتا تھا۔

شگفتہ : تو رہنا تھا وہاں پر کچھ دن۔ بھاگی کیوں آئیں پندرہ دن میں۔

جبیبہ : اس لیے کہ تم دونوں لتریوں کو چھوڑ گئی تھی۔ اس بھٹی میں۔ میں نے سوچا مر نہ جائیں۔ کہیں زہر نہ دے دے سوتیلی ماں۔ ملک صاحب کا کیا پتہ خرچہ دیں نہ دیں۔

عاصمہ : اماں سچ بتاؤں۔

جبیبہ : بول سچ ہی بتا۔ ایک تو تیرے سچ میرا کلیجہ چھلنی کر دیتے ہیں۔ بول۔

عاصمہ : جب سے تمہاری سوکن آئی ہے۔ تم جوان ہو گئی ہو۔ سات سال پہلے بوڑھی لگتی تھیں اماں۔ کیوں شگفتہ؟

جبیبہ : تم پر آئے سوکن تب پتہ چلے۔

عاصمہ : ہماری ایسی قسمت کہاں اماں۔

جبیبہ : دفع دور کالی زبان والی۔

شگفتہ : ہماری شادیاں ہی نہیں ہونیں۔ ہماری سوکنیں کہاں سے آنی ہیں۔ ہم نے یہیں اباجی کی دہلیز پر خضاب لگانے بیٹھ جانا ہے بالوں کو۔

جبیبہ : لگتا تو مجھے بھی ایسے ہی ہے۔ رشتے ہوتے ہیں شکلوں کے ساتھ۔ رشتے ہوتے ہیں دولت کے ساتھ۔ تمہارے باپ نے تو کُل سات سو روپیہ رکھنا ہے میری ہتھیلی پہ اسی میں کفن دفن۔ اسی میں نکاح رخصتی۔

شگفتہ : چلیں ہماری شادی نہ کرائیں اماں ہمیں کالج میں ہی داخل کروا دیں پروفیسر جمیلہ آئی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھیں داخلہ مل جائے گا۔

حبیبہ : تمہیں کالج میں داخلہ؟ تم دونوں چھچھوندروں کو۔

عاصمہ : چلو اماں ہم بھی پڑھ کر پروفیسرنیاں لگ جائیں گی۔ کچھ سال جہیز جوڑ کر شادی کرلیں گی اپنی اپنی۔

حبیبہ : ادھر ملک صاحب کو پتہ چلا کہ تمہاری نوکری لگ گئی ہے۔ ادھر انہوں نے فٹ خرچہ بند کر دینا ہے۔ اس سگی کا خرچہ بڑھادیں گے فوراً۔ کنی کا۔

(اس وقت جمعدارنی آتی ہے۔)

مہندرو : سلام بی بی جی۔

حبیبہ : وعلیکم السلام۔ ایک تو مہندرو خدا جانے تو کیوں کبھی وقت پر نہ آئی۔ دن ڈھلنے لگتا ہے تو تجھے ہمارا خیال آجاتا ہے۔

مہندرو : (ٹوکرے میں سے موتیے کا ہار نکالتی ہے۔ اور حبیبہ کے پاس فرش پر بیٹھ جاتی ہے) میں تو فجر ویلے کی آئی ہوئی ہوں آپ کی سوکن نے بڑی دیر کرائی بی بی۔ میں نے بھی اس کا سارا موتیا توڑ کر آپ کے لیے ہار بنا لیا۔ لو۔

(حبیبہ کے گلے میں ہار ڈالتی ہے۔)

حبیبہ : تو چھ گھنٹے وہاں کیا کرتی رہی۔

مہندرو : پہلے دھلائیاں نالیاں۔ پھر دھلایا دالگن، پھر کھانے کے کمرے میں لے گئی ہدوانے کے چھلڑ۔ ہدوانے کے بیج فریج تھلے۔ قالین اتے۔ بی او بی ——— بی او بی ——— تسی اٹھو جی بیٹو۔ اک پرائیویٹ بات کرنی ہے۔ اٹھو۔

(لڑکیاں جو اس گفتگو میں بہت دلچسپی لے رہی تھیں بادل نخواستہ اٹھتی ہیں)

حبیبہ : خوشبو لگائی ہوئی تھی اس چھچھوندر نے۔

مہندرو : اوتے ہوئے لپٹاں فشک فشک بوتل نہیں ہوتی۔

حبیبہ : لپ سٹک بھی لگائی ہوتی ہوگی تڑکے تڑکے۔

مہندرو : لپ سٹک ۔ ناخن رنگے ہوئے ۔ گوٹے والا دوپٹہ ۔ تمہارا سارا اپنا قصور ہے
بی بی ۔ تم نے آپ اپنے پر ظلم کر رکھا ہے ۔ دنداسہ سرمہ ۔ مرد ذات کا کیا ہے؟
بندے کی قدر نہیں کرتا ۔ لشک فشک کی کرتا ہے ۔

حبیبہ : چلو اچھا ہم کو کیا ۔ پڑی رنگے سر منہ جو ہونا تھا وہ ہو گیا ۔

مہندرو : لے اخے جو ہونا تھا سو ہو گیا ۔ ابھی تو صومی کاکے کے نام ساری جائداد لگنی
ہے ابھی تو آپ جناب کو طلاق ہونی ہے ۔ ابھی تو میری بی بی نے اپنے پیکے
گھر جا کے بھابھیوں کے جھوٹے برتن مانجھنے ہیں ۔ لو ابھی کیا ہوا ہے ؟
سات سال میں تو مساں مساں پیر جمتے ہیں نئی ووہٹی کے ۔

حبیبہ : چل دفع کر یہ تو صبح صبح کیا ذکر لے کر بیٹھ جاتی ہے اس بدبخت کا ۔

مہندرو : چلو جی اچھا دھلاؤ غلسخانے ۔

حبیبہ : ان کالے منہ والیوں کے لیے ہی کچھ ڈھونڈ یہ خدائی ڈھیریاں میرے سر
سے اُٹھیں تو میں دنیا سے نکلوں ۔

مہندرو : (پاس بیٹھ کر) بات ہوئی تھی میری تحصیل دار کی سوانی سے ۔ لڑکا ان کا
ایس ڈی او ہے ۔

حبیبہ : اچھا ۔ کیسا ہے ؟

مہندرو : بس دانت بہت مانجھتا ہے ۔ ہر وقت برش ۔ میں کہتی رہتی ہوں ۔ چھوٹے
شاہ جی غلسخانہ خالی کرو ۔ پر وہ اور ٹوپ لگا لیتا ہے ۔ گلابی رنگ کی ۔

حبیبہ : اچھا قد کتنا ہے ۔

مہندرو : اپنے ملک صاحب سے چار انگلی اونچا ۔

حبیبہ : اور رنگ ۔

مہندرو : رنگ اچھا ہے واہ وا ۔ تیری سوکن جیسا ۔ چٹا سفید

جلیبہ : دفع دور وہ بھی کوئی رنگ ہے۔ مری ہوئی چھپکلی کے پریٹ جیسا۔

_____ کٹ

سین ۲
ان ڈور
دن

(گھر کا یہ حصہ بھی جلیبہ کے پورشن جیسا ہے۔ اس میں بھی بھاری پردے، گھسے ہوئے قالین، پرانا فرنیچر، اونچے اونچے پلنگ ہیں۔ اس وقت صولت دونوں ٹانگیں کرسی پر رکھ کر بیٹھی ہے۔ اور ناول پڑھ رہی ہے۔ اس کا بیٹا صومی پلنگ پر سو رہا ہے۔ پھر وہ اپنی گھڑی دیکھتی ہے۔ ریڈیو لگاتی ہے۔ اس پر کوئی فلمی گیت بج رہا ہے۔ جس وقت وہ ناول پڑھ رہی ہے اور ریڈیو سُن رہی ہے سراج آتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں دو تھیلے ہیں۔)

سراج : باجی جی۔ (کھانس کر اندر آتا ہے صولت ریڈیو بند کرتی ہے)

صولت : آجا سراج۔

سراج : ملک صاحب نے بھیجا ہے جی یہ تھیلا۔ آپ چیزیں گن لیں جی۔ ایک وائل کا سوٹ ایک دوپٹہ شنون کا ایک ڈوئی اور ایک دودھ پُننے کی جالی آپ نے حکم دیا تھا۔

صولت : اور اس دوسرے تھیلے میں۔

سراج : اس میں باجی جی۔ تین سوٹ وائل کے تین دوپٹے ایک ڈوئی اور ایک پونی۔

صولت : دکھا ذرا۔

سراج : نہ جی ملک صاحب کا حکم نہیں۔ یہ بڑے گھر کے لیے ہیں۔

صولت : میں نے سوٹوں کے رنگ دیکھنے ہیں کمبخت۔

سراج : چاروں سوٹوں کا ایک ہی رنگ ہے باجی جی۔ کیتھے رنگ ـــــ میں خود کٹوا کے لایا ہوں پونے پانچ پانچ گز۔

صولت : اپنے ملک صاحب کو بتا دینا اب فیشن بدل گیا ہے۔ اب پونے پانچ گز میں سوٹ نہیں بنتا اور یہ بھی بتا دینا جو رنگ اُدھر بھیجا کریں اِدھر نہ بھیجیں۔ ورنہ میں کپڑا ان کے سامنے چولہے میں پھینک دوں گی۔

سراج : یہ بھی بتا دوں گا۔ اور کچھ۔

صولت : اور ان کو یہ بھی بتا دینا کہ میرے سر کا درد نہیں گیا۔ حکیم کی دوائی سے کچھ فرق نہیں پڑا مجھے۔ ڈاکٹر کو دکھائیں حوصلہ کر کے۔

سراج : اچھا جی کہہ دوں گا۔

(اس وقت جمعدارنی آتی ہے۔)

صولت : آگئی مہارانی .... ایک تو تیرے انتظار میں آنکھیں پک جاتی ہیں۔

جمعدانی : خیریں سلاں۔ صدقے جاواں۔

سراج : میں جاؤں جی۔

صولت : جاـــ میں نے کہا ہے رکا رہ۔

سراج : سلام باجی جی

صولت : وعلیکم السلام۔ (سراج چلا جاتا ہے)

وہاں اچھا کھانے کو ملتا ہے تجھے۔ جو بیٹھی رہتی ہے مزے سے وہاں۔

مہندرو : لیں ـــــ آج تو تین دن سے مسر پک رہے ہیں وہاں۔ ثابت مسر

صبح۔ثابت مسر شام۔صبح مسر۔شام مسر۔

صولت : تجھے لگے ہیں چسکے مہندرو۔

مہندرو : ایویں ۔

صولت : لسی تو پی ہوگی ۔

مہندرو : (چلّو بنا کر) کل اتنی لسی۔چپنی ہیں جتنی آجائے۔

صولت : سچ سچ بتا اور کیا پکا ہے وہاں ثابت مسروں کے علاوہ۔

مہندرو : گڑ آیا ہے گڑیوں والا۔

صولت : ملک صاحب نے بھیجا۔

مہندرو : پتہ نہیں ملک صاحب نے ہی بھیجا ہوگا۔ مجھے سنانے کو تو کہہ رہی تھی کر شگفتہ کی سہیلی نے بھیجا ہے قصور سے ۔

صولت : اندر اندر بڑی خدمت کرتے ہیں ملک صاحب ان کی۔

مہندرو : لے ہے نا پاگل ۔بی بی ادھر جوان دھیاں جو ہوئیں بڑی سوکن خود چاہے کیہن جوگی ہو، پر دھی کے ہاتھوں مروا دیتی ہے جوان سوکن کو ۔

صولت : اب اور کیا مرنا ہے میں نے ۔ اباّ جی کو پتہ نہیں کیا سوجھی تھی۔سوچتے ہوں گے اتنا بڑا کاروبار ہے ویسی امارت ہے بیٹی عیش کرے گی۔یہ نہیں پتہ تھا کہ پانچ سو روپے ملیں گے ہر مہینے۔اسی میں میل ملاقات۔اسی میں کنگھی پٹی ۔ اسی میں سب کچھ ۔

مہندرو : (ٹوکری میں سے کچّی امبیاں اُٹھا کر) یہ میں شاہ جی کے لان میں سے اٹھا کر لائی ہوں۔

صولت : کیا ہے ؟

مہندرو : امبیاں ہیں۔چٹنی کے لیے ۔

کٹ ______

سین ۳
ان ڈور
شام کا وقت

(یہ ایک لمبا سا کمرہ ہے۔ اس میں ایک بہت بڑا ساگوان کا پلنگ ہے۔ الماریاں ہیں۔ دیوار میں لگا ہوا سیف ہے۔ اس وقت سراج ہولے ہولے گیت گا رہا ہے۔ ملک صاحب کا بستر بچھا رہا ہے۔ یکدم سرہانے کے نیچے سے ایک روپیہ ٹن سے نیچے گرتا ہے۔ سراج اس کھنکتے ہوئے روپے کے پیچھے جاتا ہے اور اسے اپنی جیب میں ڈالتا ہے۔ اس وقت حلیمہ آتی ہے۔ اس نے صاف ستھرے سفید کپڑے پہن رکھے ہیں۔ سر پر سفید دوپٹے کی دوہری بکل مار رکھی ہے۔)

حلیمہ : ملک صاحب کہاں ہیں سراج۔

سراج : ابھی دفتر سے نہیں آئے۔ آپ بیٹھیں بی بی جی۔

حلیمہ : (سارے کمرے میں نظر دوڑا کر) جب میری شادی ہوئی تھی تو یہ سامنے والا پورشن بند رہتا تھا۔ ملک صاحب اندر ہی رہتے تھے ہمارے پاس۔ ادھر تو کوئی بھٹکتا بھی نہیں تھا۔

سراج : وقت وقت کی بات ہے بی بی جی۔ ایک وقت آدمی ماں باپ کے پاس رہتا ہے۔ ایک وقت دفتر میں رہتا ہے۔ ایک وقت قبروں میں جا پڑتا ہے۔ سدا ایک ٹھکانہ نہیں ہے آدمی کا۔ وقت وقت کی بات ہے جی۔

حلیمہ : (لمبی آہ بھر کر) میرے سسر زندہ تھے تب — ان کے ہوتے ہوئے کبھی خرچ مانگنا نہیں پڑا۔ ہمیشہ تیس کو خرچ دیتے چاہے اکتیس کا مہینہ ہو۔

بڑے شاہ خرچ تھے۔ یہ کوٹھی ان ہی کا حوصلہ تھی جو بنی۔ ان کے بعد تو
چھت تک نہ پڑی پڑ چھتی کی۔

(جبیبہ سر کی جانب بیٹھتی ہے۔ اس وقت صولت آتی ہے ذرا سا پردہ کھول
کر سر اندر کر کے جھانکتی ہے۔)

سراج : آجاؤ باجی جی —— بسم اللہ۔

جبیبہ : تو اس کو بٹھالے آنکھوں پر میں چلتی ہوں۔

(اُٹھ کر کھڑی ہوتی ہے۔)

سراج : لیں جی یہ کیا بات ہوئی۔ آپ کیوں کھڑی ہو گئیں۔

جبیبہ : آپ آمد تیم برخاست۔

صولت : تم کو ہی بیٹھنا نصیب ہو۔ میں خود جا رہی ہوں۔

جبیبہ : ایسی آپ جانے والی ہوتیں تو آتیں کیوں ادھر۔

سراج : بیٹھیں بیٹھیں بڑا پلنگ ہے۔ دونوں بیٹھ جائیں آپ سرہانے۔ آپ پائندی۔

جبیبہ : (بیٹھتے ہوئے) گھر بڑا پلنگ بھی بڑا ہے پر دل چھوٹے ہیں۔

صولت : آپ مجھے کچھ نہ کہیں تو اچھا ہو گا۔ میری عادت نہیں لحاظ کرنے کی (بیٹھ
جاتی ہے۔)

جبیبہ : مجھ سے زیادہ کسے تجربہ ہو گا۔ تم لحاظ کرنے والی ہوتیں تو بخش نہ دیتیں
ہمارے گھر کو۔

صولت : میں سو مرتبہ آپ سے کہہ چکی ہوں کہ مجھے کوئی شوق نہیں تھا ملک صاحب
سے شادی کرنے کا۔ میرے چچا نے زبردستی شادی کرادی۔

جبیبہ : تم کو صرف ان کی دولت کا شوق تھا اب مزہ چکھ لیا۔ سو جوتے بھی کھائے
اور سو پیاز بھی۔ بڈھے سے بھی بیاہی گئیں اور چیتھڑے بھی لٹکانے پڑے۔

جیسی نیت ویسی مُراد۔

صولت : چپ ہوتی ہے کہ نہیں مائی۔ میں لحاظ کئے جارہی ہوں عمر کا۔ یہ کمبخت بڑھتی جارہی ہے۔ بڑھتی جارہی ہے۔

حبیبہ : کسے کہا مائی۔ کون ہے مائی۔ اپنی شکل دیکھی ہے۔ کھال کھینچوا کے ٹانکے لگوائے ہیں کانوں پیچھے اور خود کو مس صاحب سمجھ رہی ہے۔ ہم دونوں سوکنیں ہیں۔ عمر بڑی چھوٹی ہوئی تو کیا ہوا۔ گریڈ تو ہمارا ایک ہی ہے۔

سراج : جانے دیں بی بی جی جانے دیں۔

صولت : تمہاری بیٹیوں سے تو میں چھوٹی ہوں۔

سراج : اوہ جی چپ ہو جائیں آپا جی ملک صاحب آنے والے ہیں۔

(اس وقت ملک فیاض، بیگ اٹھائے آتا ہے۔)

فیاض : السلام علیکم۔

تینوں : وعلیکم السلام

سراج : بیبیاں خرچ لینے کو آئی ہیں ملک صاحب۔

ملک : مجھے معلوم ہے۔ معلوم ہے۔ آج پہلی تاریخ ہے۔ ہاں جی تو حبیبہ یہ ہیں تمہارے پانچ سو اور یہ سو روپیہ عاصمہ کا۔ اور یہ سو شگفتہ بیٹی کا۔

صولت : ملک صاحب خدا کے لیے خرچ بڑھا دیں۔ بڑی مہنگائی کا وقت ہے۔

ملک : خرچ بڑھانے سے کچھ نہیں ہوگا صولت جی! اخراجات کم کرنے سے سب کچھ ہوگا۔ الّلے تلّلے چھوڑ دیں یہی خرچہ کافی ہوگا انشاء اللہ۔

حبیبہ : اور کیا؟ جہاں روز امبیوں کی چٹنی کھائی جائے اور وہ بھی قلمی آموں کی وہاں کیا بچتا ہے۔

ملک : اچھا اچھا خاموش۔ میں کوئی فلم دیکھ کر نہیں آرہا۔ دفتر سے آرہا ہوں سیدھا۔

صولت : یہ آپ کی بیگم صاحبہ کو بولنے کا شوق ہی بہت ہے۔
ملک : مہربانی سے آپ دونوں تشریف لے جائیں۔ یہ لیں آپ کے پانچسو اور ایک سو صومی کا۔ دونوں جائیں۔ میں انشاء اللہ خود حاضر ہو جاؤں گا۔ مقررہ اوقات پر۔

حبیبہ : (جاتے ہوئے) مجھے خود کچھ ایسا شوق نہیں ہے یہاں آنے کا۔
صولت : (جاتے ہوئے) لاکھ ایو ائیڈ کرو ہر مہینے ٹکر ہو ہی جاتی ہے پُرانے مُردوں سے۔ کفن پھٹوں سے۔

(دونوں چلی جاتی ہیں۔)

سراج : چائے لاؤں ملک صاحب۔
ملک : لے آ ــــ لیکن ساری چینک نہ بنا دینا۔ میں صرف ایک پیالی پیوں گا۔

(سراج جاتا ہے۔ ملک سیف کھولتا ہے۔ نوٹوں کی گڈیاں گنتا ہے انہیں واپس سیف میں رکھتا ہے۔ پھر اپنے بریف کیس کو میز پر رکھ کر دراز سے لیجر نکالتا ہے۔ اب بریف کیس کھول کر دن بھر کی آمدنی جو ہزاروں میں ہے میز پر رکھتا اور رقم لکھتا ہے۔ اب وہ ان نوٹوں کو اکٹھا کر کے استری سٹینڈ کی طرف جاتا ہے۔ استری کا پلگ آن کرتا ہے۔ پھر وہ ایک رومال کو گلاس سے پانی لے کر چھینٹے لگاتا ہے۔ اب وہ تین چار نوٹ سٹینڈ پر رکھتا ہے اوپر گیلا رومال رکھ کر ان نوٹوں کو استری کرتا ہے۔)

سین ۴
آؤٹ ڈور
صبح کا وقت

(ماڈل ٹاؤن یا لارنس روڈ کی کوئی بے تحاشا بڑی کوٹھی کا بیرونی حصہ۔ ملک صاحب کوٹھی میں سے نکلتے ہیں۔ کوٹھی جو کئی کنالوں میں بنی ہوئی ہے، اس کے برآمدے کے سامنے مرسڈیز کار کھڑی ہے ــــ ڈرائیور پچھلا دروازہ کھولتا ہے وہ بیٹھتے ہیں اور کار چلتی ہے۔ شہر کے مختلف حصوں میں سے کار جاتی ہے وہ اپنا بریف کیس گھٹنوں پر رکھے سارے جہاں سے لاتعلق اپنی پاس بکیں دیکھتے رہتے ہیں اور ان کو باری باری بریف کیس میں بند کرتے ہیں اور واپس نکالتے رہتے ہیں۔)

ــــــ کٹ

سین ۵
آؤٹ ڈور
صبح کا وقت

(گلبرگ کی لبرٹی مارکیٹ میں ملک صاحب کی کار داخل ہوتی ہے پھر وہ بازار کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ "فیاض پراپرٹی ڈیلر" کا بورڈ نظر آتا ہے۔ وہ اندر جاتے ہیں۔)

کٹ ـــــــــ

سین ٦
ان ڈور
رات

(اپنے کمرے میں بتیاں جلا کر ملک صاحب سیف سے تمام گڈیاں نکالتا ہے ان کو محبت کے ساتھ گنتا ہے پھر نوٹ استری کرنے کے مشغلے میں لگ جاتا ہے۔ یکدم اسے خیال آتا ہے جیسے کوئی دروازہ کھلا نہ ہو۔ وہ دبے پاؤں دروازے چیک کرتا ہے۔)

کٹ ـــــــــ

سین ۷
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(کسی خوبصورت بنک کے سامنے کار رکتی ہے۔ ملک اترتا ہے۔ اندر جاتا ہے۔ مینجر سے ملتا ہے۔ مینجر اس کے ساتھ جاتا ہے۔ لاکروں والی سائیڈ پر جا کر لاکر کھولتا ہے مینجر اپنی چابی لگانے کے بعد چند ثانیے رکتا ہے۔ ملک صاحب اپنی چابی فٹ کرتے ہیں۔ پھر مسکرا کر مینجر کو جانے کی اجازت

دیتے ہیں۔ ملک ہینجر کے جانے کے بعد پردہ دروازے کے سامنے کر کے لا کر کھولتا ہے اب اس میں شیئرز کے کاغذات، بلیک منی، زیورات کے ڈبے نکال کر اپنی جیب سے نوٹ بک نکال کر ملاتا ہے۔)

کٹ ــــــــــ

سین ۸
ان ڈور
دوپہر

(جمعدارنی مہندرو دروازے کے ساتھ کندھا لگا کر منہ بسورے کھڑی ہے۔ صولت قالین پر بیٹھی شلوار کاٹنے میں مشغول ہے۔)

مہندرو : تو پھر کر دیں میرا حساب جی۔

صولت : کیسا حساب۔ کیا ہوا ہے تمہیں آج صبح صبح۔

مہندرو : آپی مجھ کو کہا کہ جا چل جا۔ مجھے تیرا اعتبار نہیں۔ تجھے زیادہ ہمدردی ہے بڑی بی بی سے۔ اب جو میں اس کی ساتھن ہوتی تو تم کو بتاتی کہ ادھر خربوزے آتے ہیں پورے چار سیر پتہ نہیں کتھوں۔

صولت : ادھر آجا۔ بیٹھ جا یہاں۔

مہندرو : نہ جی اب کیا بیٹھنا۔

صولت : (چھوٹا سا کپڑا پکڑاتے ہوتے) لے اس کا کُرتا بنا لینا۔ اپنے منّے کے لیے ـــ لے پکڑ۔

مہندرو : (کھسکتی کھسکتی قالین پر پاس آکر بیٹھتی ہے) تو بیٹھی شلوار وترتی رہیں بی بی اودھر دو جہیز تیار ہو جاتے ہیں۔ دونوں لڑکیوں کے۔ تیرے اوجھلے اوجھلے۔

صولت : میں اب اس فریبن کا مقابلہ تھوڑی کر سکتی ہوں۔ چالاک بڑھیا کا۔

مہندرو : میں نے تو کہا تھا آپا جی۔ اپنی امر سدھو والی بی بی سے تعویز کرا لاتی ہوں آپی نہ نکل جائے تین کپڑوں میں تو مہندرو کے سر میں سو جوتیاں۔

صولت : ڈر لگتا ہے۔

مہندرو : تو اچھا ہے ڈری جاؤ۔ ڈری جاؤ۔ بڈھی نے ایسا وار کرنا ہے بیٹھے بیٹھے مرگی کے دورے پڑتے ہیں تم کو۔ اپنی سولہ ایل والی بی بی نہیں تھی سوکن نے دم کرا کے پانی پلا دیا اب سارا دن گیٹے کھیلتی ہے ولگن میں سب کو کہتی پھرتی ہے میرے کاکا ہونے والا ہے۔ پاگل ہو گئی ہے۔

صولت : پھر میں کروں کیا مہندرو۔

مہندرو : بڈھی کو نکلوا گھر سے۔ دفع کروا —— اور جائداد کروا اپنے کاکے صومی کے نام —— سیدھا بدھا کام۔

صولت : (لمبی آہ بھر کر) وہ خرچہ پورا نہیں دیتے تو جائداد لکھوانے کو کہہ رہی ہے۔

مہندرو : آج رات جب ملک صاحب آئیں ناں.....

صولت : آج رات وہ نہیں آئیں گے آج اُدھر کی باری ہے۔

مہندرو : کل جب آئیں ناں ملک صاحب تو تم نے حویلی سے ان کے والوں کی کوئی انگل بھر لٹ کاٹ کر مینوں دینی ہے —— بس۔

صولت : ہائے میں مر جاؤں۔

مہندرو : قینچی رکھنی ہے سرہانے۔ سویا مرد لاش برابر ہوتا ہے۔

—— کٹ

سین ۹
ان ڈور
دوپہر

(عاصمہ الانی چارپائی پر لیٹی ہے۔ پائنتی پر شگفتہ بیٹھی ہے اور بالوں میں کنگھی کر رہی ہے۔)

شگفتہ : کیا سوچ رہی ہیں باجی۔

عاصمہ : کچھ نہیں کیا سوچنا ہے؟ ہے کیا سوچنے کو۔

شگفتہ : مہندرو والی بات؟

عاصمہ : کیا؟ — کیا مہندرو والی بات؟

شگفتہ : ایس ڈی او والی بات۔

عاصمہ : (ہنس کر) تو سمجھتی ہے کہ کیا واقعی کوئی ایس ڈی او ہے — ہے نا احمق کہاں کا ایس ڈی او..... کہاں کا تحصیلداروں کا ٹبر.... کہاں کس نے اس گھر میں آنا ہے۔ اور ساری دنیا مر گئی ہے۔

(آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔)

شگفتہ : لیکن مہندرو تو کہہ رہی تھی کہ جمعہ کے روز آئیں گے مہمان — اس کی بھر جائی اور بہنیں۔

عاصمہ : پھر جمعہ آئے گا..... صبح سے دن کو پہیئے لگ جائیں گے.... میں ماری ماری پھروں گی۔ آنگن کمرے سب دھلیں گے — چینی کے برتن نکلیں گے الماری سے..... میں..... گلابی جوڑا پہنوں گی،.... شام پڑتی جائے گی..... اندھیرا ہوتا جائے گا اور آخر میں.....

سب سو جائیں گے صرف میں جاگتی رہوں گی ..... اور صبح مہندی نہیں آئے گی ..... اور تیسرے دن جب وہ آئے گی تو .....

(یکدم رونے لگتی ہے۔)

کہے گی ان کو کوئی کام پڑ گیا تھا ..... آنے والیوں کو۔

شگفتہ : باجی ..... باجی ..... کیا ہو گیا ہے آپ کو۔

عاصمہ : اماں کوئی ہمیں بیاہ تھوڑی سکتی ہے بے چاری ..... وہ تو ہمیں کالج بھی نہیں بھیج سکتیں ..... کچھ لڑکیوں کو کئی کئی رشتے مل جاتے ہیں۔ کچھ ..... کچھ دہلیزوں پر ——

(شگفتہ پیار سے اسے گلے لگاتی ہے۔)

بیٹھی بیٹھی بوڑھی ہو جاتی ہیں ..... خضاب لگانے لگتی ہیں ماں باپ کی چوکھٹ پر .....

کٹ ——————

سین ۱۰

ان ڈور

رات

(ملک صاحب پلنگ پر لیٹے ہیں۔ سراج پاؤں دبا رہا ہے۔)

ملک : دیکھ سراج حساب حساب ہوتا ہے۔ ماں بیٹی میں حساب ہوتا ہے۔

سراج : ہاں جی۔

ملک : اس میں منہ بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ـــــ تو نے پچھلے مہینے مجھ سے پچاس روپے ادھار لیئے تھے ـــــ لیئے تھے کہ نہیں۔

سراج : لیئے تھے ملک صاحب۔

ملک : اور کہا تھا ناں کہ اگلے مہینے تنخواہ میں سے کاٹ لیں۔

سراج : کہا تھا جی۔

ملک : تو اب منہ بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ تجھے ضرورت تھی میں نے مدد کر دی ..... اب وعدے کے مطابق میں نے تیری تنخواہ میں سے کاٹ لئے۔

سراج : ٹھیک ہے ملک صاحب۔

ملک : لیکن تو یوں کیسے رہا ہے مریل مریل۔

سراج : اس مہینے میری ماں بیمار تھی ..... خرچ زیادہ ہو گیا اوپر سے آپ نے پچاس روپے کاٹ لئے۔ میں آپ کے ترلے کر رہا ہوں دس دس روپے کر کے کاٹ لیں۔

ملک : دیکھ سراج۔ میری کوئی بات نہیں۔ لیکن جو وعدے کا پاس نہیں کرتا دوزخ میں جاتا ہے۔ ساری بات وعدے کی ہے۔ تُو نے وعدہ کیا تھا اگلے مہینے کٹوائے گا۔

سراج : تو پھر ٹھیک ہے آپ نے کاٹ لیے۔ آپ خوش رہیں۔

ملک : اچھا اٹھ انتظام کر۔

سراج : آج بی بی جی کی طرف کہ آپا جی کی طرف۔

ملک : دیکھ دو چار ..... چھ آٹھ تمام جفت تاریخوں کو بی بی کی طرف اور طاق تاریخوں کو ایک تین پانچ سات ..... کو آپا جی کی طرف ـــــ اٹھا تھیلا اور بازار جا۔

سراج : چلا جاتا ہوں جی ابھی بڑا وقت ہے۔

ملک : چھ کباب ——— صادق سے کہہ دینا کباب سرخ کر کے لگاتے اور ایک پاؤ خرمانی۔

سراج : ایک پاؤ تو تھوڑی رہے گی ملک صاحب۔

ملک : میرے اکیلے کے لیے بہت ہے ——— میرا قاعدہ ہے سراج میں نے شروع دن سے کہہ دیا تھا دونوں بیگمات کو کہ وہ میرے لیے کوئی تکلف نہ کریں۔ یہ لے پانچ روپے ——— اور اگر کچھ کمی بیشی ہو تو اپنے پاس سے خرچ کر لینا میں پورا کر دوں گا۔

سراج : چھ کباب اور دو سو پچاس گرام خرمانی۔

ملک : ہنس کے جا ——— شاباش۔ ہنس کے۔

——— کٹ

سین ۱۱

ان ڈور

رات

(ملک صاحب اور صومی بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں۔ ملک صاحب اپنی پلیٹ میں سے ایک سیخی کباب اٹھا کر صومی کو دیتے ہیں۔ باقی سب لالچ کے ساتھ خود کھاتے ہیں۔ صولت پلنگ پر لیٹی ناول پڑھ رہی ہے اور ان دونوں سے لاتعلق ہے۔)

کٹ ـــــــــــ

سین ۱۲
ان ڈور
رات

(ملک صاحب لیٹے ہوئے ہیں۔ شگفتہ اور عاصمہ ٹانگیں دبا رہی ہیں ملک صاحب اطمینان سے لیٹے لیٹے کیلا کھائے جاتے ہیں۔ کچھ فاصلے پر جبیبہ تخت پر بیٹھی قرآن پڑھ رہی ہے اس کے آنسو بہہ رہے ہیں۔)

کٹ ـــــــــــ

سین ۱۳
ان ڈور
صبح

(ملک صاحب لیجر کھولے حساب کرنے میں مشغول ہیں۔ ان کے سامنے کچھ نوٹوں کی گڈیاں پڑی ہیں۔ جن کو وہ کیلکولیٹر سے گننے میں مشغول ہیں۔ جبیبہ آتی ہے ـــ ملک صاحب یکدم ڈر جاتے ہیں اور نوٹوں پر کرسی سے اُٹھا کر گدی رکھتے ہیں۔)

ملک : یہ تم بغیر دستک کے ۔۔۔۔ بغیر اطلاع دیئے ـــ جب ایک بار میں نے

اصول بنا دیا ہے کہ میرے حجرے میں کسی کو نہیں آنا ——— بغیر اطلاع کے۔ صرف پہلی تاریخ کی اجازت ہے۔ جب میں نے ایک دفعہ فیصلہ کر دیا ہے بات ختم۔

حبیبہ : بولے جائیں بولے جائیں۔ کسی کی نہ سننا کبھی۔ مجھے بھی تو کوئی مجبوری ہو گی تو آئی ہوں ورنہ شیر کی جوہ پر کس کا جانے کو دل کرتا ہے۔

ملک : مجبوری روز روز کا بہانہ نہ بن جائے حبیبہ۔ میرا اصول ہے۔

حبیبہ : کمال ہے ملک صاحب میں کوئی خوشی سے آئی ہوں۔ کوئی کڑکی جال لگانے آئی ہوں۔

ملک : دیکھو ناں بے انصافی ہوتی ہے صولت کی۔ میں سمجھتا ہوں یہ شرط انصاف کے خلاف ہے۔

حبیبہ : ملک صاحب آپ دو منٹ تسلی سے بات سن لیں۔ پھر میں چلی جاؤں گی۔

ملک : فرمائیے۔

حبیبہ : عاصمہ کو دیکھنے آ رہی ہیں کچھ عورتیں۔

ملک : تو یہ بات آپ کل رات بھی مجھ سے کر سکتی تھیں اپنی باری کے دن۔

حبیبہ : وہ کل شام آئیں گی خیر سے آج آپ کو میری طرف آنا نہیں تھا۔ بتائیے میں کیا کرتی۔

ملک : تو آنے دیں ——— اس میں کونسی امرجنسی ہے۔

حبیبہ : کوئی چائے پانی۔ کیک بسکٹ؟ پھل فروٹ۔ ہونے والی سسرالی عورتوں کے سامنے کچھ تو ......

ملک : اتنا تو آپ کو پس انداز کرنا چاہیئے تھا اب تک۔

حبیبہ : سات سو روپے میں پس انداز؟ حد کرتے ہیں آپ بھی۔

ملک : کتنی عورتیں ہوں گی کُل ؟

جبیبہ : ایک تو ایس ڈی او کی بھرجائی۔ دو اس کی بہنیں اور ایک آدھ کوئی ہمسائی وغیرہ۔

ملک : یہ لو دس روپے بوتلیں پلا دینا۔ بہتر تو تھا کہ ان میں سے ایک عورت آجاتی۔

جبیبہ : دس روپے . . . . .

(جلدی سے کش اٹھا کر پھینکتی ہے۔)

جس باپ کے پاس اتنی دولت ہو . . . . . اس کی بیٹی کے بَر دکھوئے کے لیے دس روپے۔

ملک : تم کو جرأت کیسے ہوئی — ہیں . . . . . ہیں تم کو جرأت کیسے ہوئی گدی اٹھانے کی۔

جبیبہ : ملک صاحب یہ سارا دھن دولت سانپ ہے . . . . . جس کو آپ پال رہے ہیں۔

ملک : چپ کرو . . . . .

جبیبہ : میری تو ساری عمر کبھی آپ نے سنی نہیں . . . . . لیکن آج میں آپ کو بتا دوں . . . . . یہ جو آپ مال گن گن کر رکھ رہے ہیں۔ یہ سب آپ کا دشمن ہے۔ آپ کو دوزخ میں کھینچے گا یہ سب کچھ۔

ملک : تم بولتی رہو گی ——

جبیبہ : نہیں میں بولتی نہیں رہوں گی . . . .

(جلدی سے اندر جاتی ہے۔)

آج میں نہیں کوئی اور بولے گا۔

ملک : کاش میں نے اس بدزبان کو طلاق دے دی ہوتی۔ دفع کر دیا ہوتا دوسری شادی سے پہلے۔

جلیبہ : (گدّی کے اوپر لا کر قرآن رکھتی ہے) آج یہ بولے گا۔ ملک صاحب یہ ..... اتنی اُونچی آواز آئے گی کہ آپ کی روح کے سارے پردے پھٹ جائیں گے۔ پڑھیں پڑھیں ...... ڈریں ناں اُونچی اُونچی پڑھیں — پڑھیے ملک صاحب جس کو آپ سینت سینت کر کلیجے سے لگا کر رکھتے ہیں ..... اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔

ملک : (آہستہ آہستہ پڑھتا ہے) اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں ایک دردناک عذاب کی خبر سُنا دیجئے۔ جس دن وہ سونا اور چاندی تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں۔ پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو اور پہلوؤں کو اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا کہ یہی ہے وہ جسے تم اپنے واسطے جمع کرتے رہتے تھے سو اب مزا چکھو اپنے جمع کرنے کا۔

(ملک چہرہ اُٹھا کر جلیبہ کی طرف دیکھتا ہے وہ تھوڑی دیر خاموش رہتی ہے — پھر۔)

جلیبہ : کمانے کی اجازت ہے۔ جوڑ جوڑ کر رکھنے کا حکم نہیں ہے ملک صاحب۔ تجوریوں میں بنکوں میں اور لاکروں میں۔ پڑھ لیجیے خود۔ اپنی آنکھوں سے —

(ملک صاحب پھر قرآن مجید کی اس آیت کو غور سے پڑھنے لگ جاتے ہیں۔)

کٹ ———

سین ١٤
ان ڈور
دن کا وقت

(ملک صاحب اپنے دفتر کے اندر چپ چاپ اور خاموش بیٹھے ہیں۔ انہوں نے چہرہ سامنے دیوار کی طرف اٹھا رکھا ہے اور بہت ہی گہری سوچ میں ہیں۔ پھر وہ گھنٹی بجا کر چپراسی کو اندر بلاتے ہیں۔)

چپراسی : جی سر
ملک : ذرا کریم صاحب کو بھیجو اندر۔
چپراسی : اچھا جی

(چپراسی کے جانے کے بعد وہ پھر اسی طرح بیٹھ جاتے ہیں۔ کرتے شلوار میں ملبوس کریم اکاؤنٹنٹ ہاتھ میں پنسل لیے اندر آتا ہے۔)

اکاؤنٹنٹ : جی سر۔
ملک : (جھلا کر) اوہ آپ نہیں یار۔ وہ دوسرے ڈرافٹس مین صاحب۔ کیا نام ان کا موج دین صاحب۔
اکاؤنٹنٹ : ایم ڈی کریم صاحب؟
ملک : ہاں۔
اکاؤنٹنٹ : اس نے تو مجھے کہا تھا کہ ملک صاحب بلاتے ہیں۔
ملک : اوھو تو اب ان کو بھیجیں ایم ڈی صاحب کو۔
اکاؤنٹنٹ : اچھا جی

(اس کے جانے کے بعد ملک صاحب ایک مرتبہ دراز کھول کر پھر بند

کر دیتے ہیں۔ پھر سب سے نچلی دراز کھولتے ہیں اتنے میں بشرٹ پتلون میں ملبوس ایک سمارٹ سے نوجوان اندر آتے ہیں۔)

کریم : آپ نے مجھے بلایا ملک صاحب۔

ملک : جی جی۔ تشریف رکھیے۔

کریم : (بیٹھتے ہوئے) شکریہ سر

ملک : کریم صاحب آپ کا تو بہت مطالعہ ہے بڑا واسٹ قسم کا۔ اسلام میں دولت کمانے کا حکم نہیں ہے ؟

کریم : بالکل ہے سر۔ خوب دیا کرے۔ لیکن اسے جمع کرنے کا حکم نہیں ہے۔ accumulation of wealth کی مناہی ہے۔ بلکہ اس پہ شدید عذاب کی خبر دی گئی ہے۔

ملک : آپ کا مطلب ہے کہ ـــــ

کریم : از روئے قرآن مسلمان روپیہ جوڑ کر نہیں رکھ سکتا۔ اللہ نے ارتکاز زر کو سختی سے منع کیا ہے۔

ملک : لیکن کریم صاحب کسی مشکل کے وقت، کسی مصیبت کے وقت، کوئی ایسا وقت آجائے۔

کریم : وہ مصیبت ہی کیا ملک صاحب جو دولت سے دور ہو جائے۔ مصیبت جب آتی ہے تو جمع کیا ہوا سرمایہ جوں کا توں رہ جاتا ہے۔ فرمان خداوندی ہے کہ اور ہم نے جو کچھ تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آ کھڑی ہو۔ پھر وہ کہنے لگے اے میرے پروردگار مجھے اور کچھ دن مہلت کیوں نہ دی کہ میں خرچ کر لیتا اور نیک کاروں میں شامل ہو جاتا۔

ملک : لیکن کریم صاحب رینی سیزن کے لیے کچھ تو بچا کر رکھنا چاہیئے۔

کریم : جب رینی سیزن ہی آ گیا ملک صاحب تو پھر ..... پھر تو ..... وہ بارش ہی کیا جس میں چھتری بارش سے بچا لے ..... بارش تو جب ہو گی چھتری برساتی سب بیکار ہو جائیں گی۔ بس ..... اور میں زیادہ نہیں جانتا سر۔ اس قدر معلوم ہے کہ اسلام میں کمانے کی تو اجازت ہے لیکن جوڑنے اور جمع کرنے کا حکم مطلق نہیں۔ ایسے ہی جب بُرے دن آئیں گے جمع جتھہ بنک بیلنس سب بیکار ہو گا ..... آپ شاہ ایران کی حالت نہیں دیکھتے .... سب دولت کے باوجود کسقدر گرفتارِ بلا ہے۔

ملک : ایسے کمانے کا کیا فائدہ جب انسان جمع نہ کر سکے۔

کریم : اب فائدے اور بے فائدے کے متعلق تو میں کچھ عرض نہیں کر سکتا ملک صاحب لیکن ڈر بہت لگتا ہے۔

ملک : کیوں ؟ ڈر کس بات کا۔

کریم : وہ سر —— دولت کو گھیرے میں لے کر رکھنے کا۔ کسی فرد واحد کی طرف سے یا کسی گروہ کی طرف سے دولت کو accumulate کر کے رکھنے کے نتائج پھر ساری قوم کو بھگتنے پڑتے ہیں۔ قرآن کی رو سے۔

ملک : قرآن کی رو سے۔

کریم : سورہ الفتح میں فرمایا گیا ہے ملک صاحب کہ —— ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ تمہیں بلایا جاتا ہے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے سو تم میں سے بعض وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں اور جو کوئی بخل کرتا ہے وہ درحقیقت اپنے آپ سے بخل کرتا ہے۔ اور اللہ تو کسی کا محتاج نہیں ہے بلکہ تم محتاج ہو۔ تو اگر تم روگردانی کرو گے (یعنی اس حکم کو نہیں مانو گے) تو اللہ تمہاری

جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا۔ پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔ تو اس بات سے
ڈر لگتا ہے ملک صاحب۔

ملک : لیکن مسلمانوں میں تو خدا کے فضل سے دولت جمع کرنے کی یا اسے جوڑ جوڑ
کر رکھنے کی کوئی بیماری نہیں۔ روپے پیسے کے پیچھے بھاگنے کا مرض نہیں۔
دولت کے پیچھے۔

کریم : اب یہ تو آپ مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں۔

ملک : اچھا۔ مہربانی۔ تھینک یو۔

کریم : تھینک یو سر۔
(اٹھ کر کھڑا ہوتا ہے۔)

ـــــــــ کٹ

سین ۱۵
آوٹ ڈور
شام

(ملک صاحب کی خوبصورت بڑی گاڑی "یتیم خانہ دارالسکون" میں داخل
ہوتی ہے اور دفتر کے سامنے کھڑی ہوتی ہے۔ ملک صاحب اپنا بریف
کیس اٹھائے دفتر کے اندر داخل ہوتے ہیں۔)

ـــــــــ کٹ

سین ۱۶
ان ڈور
شام

(ایک چھوٹے حجرے کا دروازہ جس کے آگے بوریئے کا پردہ لٹک رہا ہے۔ باہر بغیر ڈھو کے مونڈھے ڈال کر ملک صاحب اور مولوی صاحب بیٹھے ہیں۔)

مولوی : بتایا جی ملک صاحب۔ کئی مرتبہ بتایا مگر شاید آپ نے غور نہیں کیا۔
ملک : مجھے تو تین سال ہو گئے آپ کے پیچھے جمعہ پڑھتے۔ میں نے تو کبھی سنی نہیں ایسی بات۔
مولوی : ذکر میں نے ضرور کیا ملک صاحب کئی مرتبہ لیکن وضاحت کے ساتھ نہیں۔
ملک : کیوں۔ وضاحت کے ساتھ کیوں نہیں۔ زور کیوں نہیں دیا آپ نے اس بات پر۔
مولوی : عرض یہ ہے کہ آپ کی مسجد میں آنے سے پہلے میں "درس مسجد" میں امامت کرتا تھا۔ تو وہاں ایک مرتبہ سورہ ہمزہ کی تفسیر بیان کی میں نے جمعہ کے خطبے میں تو صدر انجمن نے بلا کر مجھے خوب ڈانٹا۔
ملک : صدر انجمن کون۔
مولوی : انجمن انتظامیہ درس مسجد۔
ملک : لیکن ڈانٹا کیوں انہوں نے۔
مولوی : کہنے لگے تمہارے پاس خطبہ میں وضاحت کرنے کو یہی موضوع رہ گیا تھا۔ کوئی اور موضوع نہیں تھا۔ میں نے عرض کیا کہ قرآن کے دوسرے موضوعات کی طرح یہ بھی بہت اہم موضوع ہے اور اس کا علم عام ہونا

چاہیے۔ انہوں نے کہا یہ رہی آپ کی اکیس دن کی تنخواہ اور یہ رہا انجمن کا حکم مسجد چھوڑنے کا اور حجرہ خالی کرنے کا۔ میں نے اگلے دن حجرہ خالی کر دیا۔

ملک : لیکن معاف کرنا . . . . مولوی صاحب مجھے اپنی نالائقی کا اعتراف ہے۔ اس سورۃ میں ہے کیا؟

مولوی : یہ تیسویں سپارے کی سورۃ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے خطاب کر کے فرماتا ہے "کہ کمبختی ہے پس پشت عیب جوئی کرنے والے کے لیے اور طعنہ دینے والے کے لیے جو مال جمع کرتا رہتا ہو اور اسے گنتا رہتا ہو۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔ ہاں ہاں وہ ضرور حطمہ میں جھونک دیا جائے گا۔ اور جانتے ہو حطمہ کیا ہے؟ —— وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک جا پہنچے گی وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی بڑے بڑے لمبے ستونوں میں۔"

(ملک سوالیہ انداز میں مولوی کی طرف دیکھ رہا ہے۔)

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ انسان بے حد حرص اور طمع کی وجہ سے اور شدید بخل کی وجہ سے مال جمع کرنے کی دھن میں لگا رہتا ہے اور اس کو گنتا رہتا ہے۔ عددہ کے معنی ہیں بار بار گنتے رہنا اور حساب کرتے رہنا۔ یہ گنتے رہنا اور حساب کرتے رہنا دلیل ہے مال اور دولت کے ساتھ بے پناہ محبت کی۔ اس میں انہماک کی۔ اس میں لتھڑے رہنے کی۔ مثلاً بنک میں روپیہ جمع کرانا اور پاس بک کو یا ماہانہ ریٹرن کو یا پے ان سلپ کو دیکھتے رہنا کہ کتنا جمع ہوا اور کس قدر نکل گیا یہ سب گننے کے معنوں میں آتا ہے۔ یہ چیک، کھاتے، ہنڈی اور ڈرافٹ وغیرہ کے چکر میں پڑے رہنا۔ سٹہ صرافہ اور شیئر مارکٹ وغیرہ کی خبروں کو تلاش کرنا

اور ان کی ٹوہ میں لگے رہنا یہ سب گننے کے حکم میں آجاتے ہیں۔ اور مال جمع کرنے والے اور اسے گن گن کر رکھنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک سپیشل قسم کی آگ تیار کی ہے جس کا نام حطمہ ہے۔

ملک : یعنی یہ سب کھاتے اور اکاؤنٹ اور لاکر اور سیف وغیرہ .....

مولوی : قرآن کی رو سے دولت جمع کرنے یا روپیہ پیسہ جوڑنے یا اس کو گن گن کر رکھنے کا حکم نہیں ہے۔

ملک : لیکن کیوں مولوی صاحب۔

مولوی : قرآنی حکمت اور قرآنی فلسفے کے مطابق وہ روپیہ جو کھانے پینے پہننے سیر و سفر کرنے اور دوسری ضرورتوں کے پورا کرنے کے بعد آپ کے پاس بچ رہتا ہے وہ آپ کی ضرورتوں سے زیادہ ہے۔ اس کو جمع کرنے یا جوڑنے یا گن گن کر رکھنے والے کے لیے فیصلہ کر دیا گیا کہ جمع کرنے والا ضرور حطمہ میں جھونک دیا جائے گا اور حطمہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک جا پہنچے گی۔

ملک : اور آپ نے یہ بات اسی طرح سے بیان کر دی تھی جمعہ کے روز اپنی پرانی مسجد میں۔

مولوی : بڑی وضاحت کے ساتھ۔ مثالیں دے کر اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کر کے۔ تاریخ کے حوالے دے کر۔

(ملک سوچتے ہوئے اپنے پورے پنجے سے گال کھجا رہا ہے اور سین ختم ہو جاتا ہے۔)

کٹ ———

سین ۱۷
ان ڈور
صبح کا وقت

(مہندرو جھاڑو پھیر رہی ہے اور ساتھ گا رہی ہے کچھ فاصلے پر حبیبہ پہلے سے انداز میں بیٹھی قرآن پڑھ رہی ہے اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ اس وقت سراج آتا ہے۔)

مہندرو : سب توں سوہنیا ..... ہائے وے من موہنیا ....

سراج : بی بی جی — تو ذرا ادھر جا مہندرو — باہر ایک منٹ کے لیے۔

مہندرو : کیوں مجھے کیا ہے۔

سراج : بات کرنی ہے بی بی جی سے۔

مہندرو : دیکھتا نہیں کہ بی بی جی قرآن شریف پڑھ رہی ہیں۔

حبیبہ : تو غسلخانہ دھولے شگفتہ عاصمہ کا مہندرو .... ایسے بحث کرنے سے فائدہ۔

مہندرو : ٹھیک ہے جی ٹھیک ہے۔ کوئی سراج تھوڑی ہو جائے گی مہندرو .... ٹھیک ہے جی۔

(چلی جاتی ہے۔)

سراج : بی بی جی ملک صاحب پچیس ہزار روپیہ نکال کر لے گئے ہیں بینک سے اور یتیم خانے میں دے آئے ہیں۔

حبیبہ : کیا کہا؟

سراج : چاہے پوچھ لیں جا کر بابو دلشاد منیجر سے۔

حبیبہ : اور اس کو معلوم ہے، دوسری کو؟

سراج : پتہ نہیں جی ان کا۔۔۔۔ میں ان سے زیادہ بات نہیں کرتا۔ میرا خلوص تو صرف آپ کے لیے ہے۔ رات ملک صاحب مجھ سے کہہ رہے تھے۔ یار سراج جو کچھ دنیا میں ہمارے پاس ہے وہ تو ختم ہوجائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا۔

جبیبہ : یا تو تُو پاگل ہوگیا ہے یا ملک صاحب کا دماغ چل گیا ہے۔

سراج : آپ یقین کریں جی انہی کو کچھ ہوگیا ہے۔ پہلے مانگنے والے کو گولی سے اڑا دینے کو کہتے تھے اب ضرورت مند کے لیے انتظار کرتے رہتے ہیں۔

جبیبہ : تیرے منہ میں خاک ـــــ خدا نہ کرے ـــــ ملک صاحب کی ایسی کیفیت ہو۔

کٹ

سین ۱۸
ان ڈور
رات

(ملک فیاض اپنے کمرے میں اپنے پلنگ پر نیم دراز ہے اور بہت زیادہ بے چین ہے۔ متفکر ہے، وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد پہلو بدلتا ہے اور چھت کی طرف ہی دیکھے جاتا ہے۔ اتنے میں اس کے کمرے کے اندر پہلے Electronic reverberation کا ایک طوفان سا اٹھتا ہے پھر ہلکی ایکو کے ساتھ یہ آوازیں آنے لگتی ہیں۔ وہ بڑے ادب کے ساتھ پلنگ پر چوکڑی مار کر اور سر جھکا کر انہیں سننے لگتا ہے۔)

پہلی آواز : اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس کو خرچ نہیں کرتے
اللہ کی راہ میں آپ انہیں ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجیے جس
دن وہ (سونا اور چاندی) تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں۔ پھر اس سے
ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا
کہ یہی ہے وہ جسے تم اپنے واسطے جوڑ جوڑ کر رکھتے تھے سو اب مزا چکھو
اپنے جمع کرنے کا۔

دوسری آواز : اور تم ہرگز ہرگز نیکی کو نہ پہنچ سکو گے۔ جب تک کہ تم اپنی محبوب ترین شے
اللہ کی راہ میں صرف نہ کرو۔

تیسری آواز : کمبختی ہے اس پس پشت عیب جوئی کرنے والے کے لیے اور طعنہ دینے
والے کے لیے جو مال جمع کرتا رہتا ہو اور اسے گنتا رہتا ہو۔ وہ یہ خیال کرتا
ہے کہ اس کا یہ مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔ ضرور وہ حطمہ میں جھونکے
جائے گا۔ اور جانتے ہو حطمہ کیا ہے؟ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے
جو دلوں پر چڑھ جائے گی۔ وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی بڑے بڑے
لمبے ستونوں میں۔

(جب یہ صدائے بازگشت ختم ہوتی ہے تو وہ اپنا چہرہ اُوپر اٹھاتا ہے۔ اس
پر ہلکا سا بہت ہی ہلکا سا تبسم ہے اور بہت کافی عزم ہے۔ پھر وہ پاؤں
نیچے اتار کر جوتا پہنتا ہے۔ اور کونے میں کھڑی ہوئی لوہے کی الماری کھول کر
اس کے اندر سے شیئرز، سرٹیفکٹس اور سیکورٹی بانڈز اور نٹ یونٹ وغیرہ نکال
کر انہیں پلنگ پر پھیلاتا ہے۔)

کٹ

سین ۱۹
ان ڈور
دن کا وقت

(جبیبہ اور صولت آگے آگے اور پیچھے پیچھے سراج آتا ہے۔ سامنے سیف کھلا پڑا ہے اس وقت جبیبہ اور صولت جیسے سگی بہنیں ہوں۔)

صولت : جب ملک صاحب باہر گئے تو تم پاس تھے؟ ہائے میں مرجاؤں یہ تو سارا ہی کھلا پڑا ہے آپا۔

سراج : ہاں جی اور کیا نہیں۔

جبیبہ : جب وہ بھول گئے بند کرنا تو تُو نے یاد کیوں نہیں دلایا؟

سراج : اوہ جی میں نے کہا تھا ملک صاحب سیف کھلا ہے کہنے لگے . . . . میں ابھی آجاؤں گا کونسا وہاں بیٹھا رہوں گا۔ تو دھیان رکھنا۔

جبیبہ : ہائے صولت! یہ تو ہو ہی نہیں سکتا — ملک صاحب گئے کدھر ہیں؟

صولت : آپا اسے بند تو کرلیں پہلے۔

جبیبہ : (پلنگ پر بیٹھ کر) اسی طرح بیٹھے بیٹھے پاگل ہو گئے تھے۔

صولت : کون آپا؟

جبیبہ : میرے نانا ابا — اچھے بھلے رات کو سوئے . . . . صبح کپڑے اُتار کر چٹکیاں بجاتے ہوئے سڑک پر نکل گئے۔

صولت : ہائے نہیں آپا مجھے ڈرائیں نہیں۔

جبیبہ : ایسے ہی پاگل ہوئے تھے وہ بھی۔
(رونے لگتی ہے۔)

صولت : روئیں ناں آپا ـــــ خدا کے لیے ۔ مجھے ڈر لگتا ہے آپ کے رونے سے۔

حبیبہ : کھلا کیوں چھوڑ گئے اس طرح۔

صولت : (سیف کے اندر جھانک کر) نوٹ تو یہاں ایک بھی نہیں۔

سراج : تالا لگا دیں آپا جی تالا ـــــ چابیاں ساتھ لگی ہیں۔

(صولت تالا لگاتی ہے)

ـــــــــــ کٹ

سین ۲۰
ان ڈور
شام

(حبیبہ اور صولت، حبیبہ کے گھر میں اکٹھی بیٹھی ہیں۔ شگفتہ اور عاصمہ ہومی کے ساتھ بیٹھی لوڈو کھیل رہی ہیں۔ حبیبہ اور صولت بہت پریشان ہیں اور ان کی سانجھی پریشانی نے انہیں اکٹھا کر دیا ہے۔)

حبیبہ : اب کیا ہو گا صولت ؟

صولت : آپ بتائیں آپا ـــــ میرا تو اور کوئی ہے بھی نہیں اس دنیا میں سوائے آپ کے۔

(اس وقت ملک صاحب آتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں زیوروں کے ڈبے ہیں)

ملک : اچھا ہوا کہ تم یہاں آ گئیں صولت۔ بہت اچھا کیا تم نے۔

شگفتہ / عاصمہ : سلام علیکم

ملک : وعلیکم السلام —— یہ لو بھئی — تمہارا زیور حبیبہ اور —— یہ تمہاری چیزیں صولت۔ بہتر یہ ہے کہ اسے پاس نہ رکھو ورنہ یہ تپا کر تمہارے ماتھے اور چہرے پر لگا دیا جائے گا اور کہا جائے گا یہی ہے وہ جسے تم جوڑ جوڑ کر رکھتے تھے.... سو اب تم .....

حبیبہ : اب ملک صاحب آپ بڑھتے ہی نہ جائیں —— عورتوں کے لیے یہ حکم نہیں ہے۔ عورتیں چاہے جتنا مرضی سونا چاندی رکھ لیں۔ ان کو اجازت ہے۔

ملک : حکم تو سب کے لیے ایک ہے چاہے مرد ہو چاہے عورت —— لیکن آگے تمہاری مرضی ہے۔

صولت : یہ آپ کو کیا ہوتا جا رہا ہے ملک صاحب —— بیچاری آپا روتی رہتی ہیں ہر وقت۔

ملک : انہوں نے ہی تو میری زندگی بنائی انہوں نے ہی تو مجھے بچایا —— یہی تو میری پیر ہیں۔ صولت ان سے کہو کوئی فکر نہ کریں رویا نہ کریں۔ مجھے زندگی میں پہلی مرتبہ صحت کلی عطا ہوئی ہے۔ شکر ادا کیا کریں اسی کا کہ میں حطمہ کے بھڑکتے ہوئے سلنڈر سے نکل رہا ہوں۔ آہستہ آہستہ ——

(چلا جاتا ہے۔ حبیبہ روتی ہے صولت اسے تسلی دینے کے انداز میں کندھے پر ہاتھ رکھتی ہے اور "آپا آپا" کہتی رہتی ہے۔ اس وقت مینجر آتا ہے۔)

مینجر : میں آجاؤں بی بی جی —— ملک صاحب گئے۔

حبیبہ : آجاؤ دلشاد —— آجاؤ .... پیغام ملتے ہی آنا تھا۔

(اب سراج بھی آتا ہے۔)

مینجر : آپ دونوں تو لُٹ گئیں آپا جی۔

سراج : ملک صاحب تو سارا کچھ لٹا دیں گے بی بی جی اور —— پھر تماشا دیکھنا آپ دونوں۔

صومی : کیا لٹا دیں گے ابا جی ؟

صولت : تم تینوں چلو یہاں سے ـــــ شگفتہ عاصمہ ..... صومی چلو سارے یہاں سے۔

(تینوں بچے جاتے ہیں)

صومی : (جاتے ہوئے) ہم سکواش پی لیں امی۔

صولت : پی لو لیکن ساری بوتل نہ ختم کر دینا۔

مینجر : سارے شیئرز بیچ رہے ہیں ملک صاحب مجھ سے کل کہہ رہے تھے کہ میں کوئی گاہک تلاش کروں۔

صولت : شیئرز ان کے پاس ہیں کہ تمہارے پاس۔

مینجر : ابھی تو ان کے پاس ہیں ـــــ لیکن ـــــ زیادہ دن نہیں رہیں گے۔ نہ شیئرز نہ بانڈز نہ سرٹیفکیٹ ـــــ

حبیبہ : اگر وہ شیئرز تم کو دیں تو فوراً ہمیں لا دینا۔

سراج : ہاں جی دلشاد صاحب ـــــ ملک صاحب کی جو چیز بس آپ کو ملے آپ نے لا دینی ہے بی بی جی کو آپا جی کو .....

صولت : اب کہاں گئے ہیں۔

سراج : ہسپتال۔

حبیبہ }
صولت } : ہسپتال۔

مینجر : ایک لاکھ بیس ہزار کے بونڈ بھجوائے تھے۔

صولت : پھر

مینجر : میرا خیال ہے ساری رقم وہیں دے آئیں گے غریبوں بیماروں اپاہجوں کے لیے۔

صولت : (رو کر) آپا کیا کر دیا آپ نے ملک صاحب کو۔ بچوں کی زندگیاں برباد کر دیں۔

ہم کو تباہ کر دیا۔ وہ سارا روپیہ خرچ کر رہے ہیں آپا۔ پھونک رہے ہیں اور آپ کو فکر ہی نہیں۔

کٹ ـــــــــــ

سین ۲۱
ان ڈور
رات

(سراج ہولے ہولے ملک صاحب کے سرہانے سے چابیوں کا گچھا اٹھاتا ہے اور دبے پاؤں باہر جاتا ہے)

کٹ ـــــــــــ

سین ۲۲
آؤٹ ڈور
رات کا وقت

(حبیبہ صولت اور سراج تینوں دبے پاؤں گیراج کے پاس آتے ہیں۔ گیراج کا پھاٹک کھول کر گاڑی دیکھتے ہیں۔ پھر پھاٹک لاک کر کے چابیاں حبیبہ کو دیتا ہے صولت اپنے ہاتھ سے تالے پر ایک اور تالا گیراج کو لگاتی ہے

اور چابی حبیبہ کو دیتی ہے۔)

ـــــــــــ کٹ

سین ۲۳
ان ڈور
دن کا وقت

(حبیبہ رو رہی ہے صولت پاس ہے سراج فرش پر بیٹھا ہے۔)

صولت : (ماتھا پیٹ کر) میں تو لوٹی گئی برباد ہو گئی آپا تباہ ہو گئی۔

حبیبہ : خدا نہ کرے! برباد ہوں تیرے دشمن۔

صولت : اگر کوٹھی جائیداد سب کچھ بیچ دی تو میرا اصومی کیا کرے گا .....

حبیبہ : جائیداد کیسے بک جائے گی۔ وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ دو لڑکیاں بیاہنے جوگی بیٹھی ہیں ان کے سر پہ۔

سراج : انہیں کوئی روک سکتا ہے جی ؟

صولت : وہ تو ہم گیراج کو تالا نہ لگا دیتے تو اب تک کار بھی بک گئی ہوتی۔

سراج : اخبار میں اشتہار تو آگیا ہے بی بی جی۔

صولت : ہائے میں کیا کروں۔ میرا تو بچہ بھی چھوٹا ہے۔

حبیبہ : تو مت رو صولت ـــــ خدا کے لیے حوصلہ کر۔ اللہ رحم کرے گا۔

صولت : ہائے کیا کریں لوگو۔ کیا کریں آپا جی۔ کس طرح اپنی دولت اپنی آنکھوں کے سامنے لٹتی دیکھیں۔

جلیبہ : یہ ہمارا امتحان ہے صولت۔ یہ سختی ہم پر خدا نے بھیجی ہے ہمارا امتحان لینے کے لیے۔

(کچھ لمحے خاموشی۔ اس وقت مہندرو آتی ہے۔)

مہندرو : (آتے ہوئے) ایہہ ملک صاحب کو تو پاگل خانے چھوڑ آو بی جی ..... ان کی حالت ٹھیک نہیں ہون لگی۔

جلیبہ : کیا بکواس کر رہی ہے بدبخت۔

مہندرو : سڑک کنارے کھڑے بچوں کو روپیہ روپیہ بانٹ رہے ہیں خوش ہو رہے ہیں۔ ایک خلقت جمع ہے ارد گرد۔ ان کا کوئی علاج نہیں پاگل خانے بغیر کسی دن تینوں بچوں کو بھی بیچ دیں گے ایک ایک کر کے۔ میری نناں کا جوائی پاگل ہو گیا تھا ایسے طراں اپنے ہی بالوں کو اکھاڑ اکھاڑ کر چلاتا رہتا تھا۔ نہا دھوا کر اپنے بچے کو پاس بٹھا رکھا تھا ایک دن چھری تیز کر رہا تھا..... اوپر سے میرا سوہرا پہنچ گیا مشکل سے پاگل خانے لے کر گئے اس کو۔

سراج : الویں نہ بولی جا، بکی جا، آجاتی ہے منہ اٹھا کر ڈرانے۔

(صولت اور جلیبہ ایک دوسرے کو غور سے دیکھتی ہیں۔)

کٹ

سین ۲۴

آؤٹ ڈور

دوپہر

(ایک سوزوکی وین مال روڈ پر جا رہی ہے اس میں سراج جلیبہ اور صولت

سامنے بیٹھی ہیں ـــــ پھر وین جیل روڈ پر آتی ہے۔ پھر پاگل خانے میں وین داخل ہوتی ہے جیبہ اور صولت اترتی ہیں۔ اندر جاتی ہیں۔ کیمرہ وین کے پچھلے حصہ کو دکھاتا ہے۔ اس وقت ایک کرسی پر ملک صاحب بیٹھے ہیں۔ اور انہیں رسیوں سے باندھ رکھا ہے ـــ اس وین کی ترپال پیچھے سے گری ہوئی چاہیئے تاکہ جب پردہ اٹھائیں تو اندر ملک صاحب کی کیفیت معلوم ہو۔)

ـــــــــ کٹ

سین ۲۵

ان ڈور (ڈاکٹر کا کلینک)

کچھ دیر بعد

(ڈاکٹر کے سامنے جیبہ اور صولت)

ڈاکٹر : محترمہ یہ تو ٹھیک ہے کہ آپ کے ہزبینڈ کا بی ہیویئر نارمل نہیں ہے اور ایک صحت مند، دنیادار، ضرور تمند اور نارمل شخص کو اپنی دولت سنبھال کر بڑی احتیاط سے رکھنی چاہیئے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ پاگل ہیں۔

جیبہ : کمال ہے۔ آپ ہم کو بتا رہے ہیں ڈاکٹر صاحب جس وقت ہم دونوں نے انہیں پکڑ کر کرسی پر دھکا دیا اور ان کے اردگرد رسیاں لپیٹیں تو انہوں نے شور مچا کر ایک دنیا سر پر اٹھالی۔ ہم تو ان کے منہ میں رومال ٹھونس کر لاتے ہیں یہاں۔

صولت : آپا ٹھیک کہہ رہی ہیں ڈاکٹر صاحب۔ انہوں نے ٹھڈا مار کر مجھے بھی گرا دیا فرش پر جب ہم ان کو باندھ رہے تھے۔

ڈاکٹر : ٹھیک ہے۔ ہم ان کے ٹسٹ نکال لیں گے۔ انہیں چیک کرلیں گے اچھی طرح سے۔ ایسے ہی تو کسی شخص کو پاگل ڈب نہیں کیا جا سکتا ناں کسی کے کہنے پر۔

حبیبہ : کمال ہے۔ آپ کا خیال ہے ہم جھوٹ بول رہی ہیں؟

ڈاکٹر : نہیں نہیں۔ آپ کو کیا ضرورت ہے جھوٹ بولنے کی۔ پھر بھی (اٹھ کر جاتے ہوئے) ہم ان کا معائنہ کرنے کے بعد ہی کوئی رائے قائم کرسکیں گے۔

صولت : ضرور ضرور ڈاکٹر صاحب۔

حبیبہ : بڑے شوق سے کریں معائنہ۔ ملک صاحب سے بڑا پاگل آپ کی ساری زندگی میں نہ آیا ہوگا کبھی۔

(ڈاکٹر باہر دین کی طرف آتا ہے۔ پاگل خانے کے دو قلی بندھے ہوئے ملک صاحب کو کرسی سمیت اٹھاتے ہیں اور ڈاکٹر صاحب کے ساتھ دُور تک لیے جاتے ہیں۔)

کٹ ————

سین ۲۶
ان ڈور
شام

(ملک صاحب ہسپتال کے ایک صاف شفاف بستر پر ڈھولگا بیٹھے ہیں اور کوئی کتاب پڑھ رہے ہیں۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوتی ہے۔)

ملک : کم اِن

(ایک نوجوان اور ایک لڑکی ہاتھ میں خوبصورت فائیلیں لے کر اندر داخل ہوتے ہیں۔)

لڑکا : اجازت ہے سر۔

ملک : آئیے آئیے تشریف رکھیے۔ بیٹھیے۔

لڑکی : شکریہ

(دونوں بیٹھتے ہیں۔)

لڑکا : ہم دونوں سائیکلوجی کے سٹوڈنٹ ہیں اور .....

ملک : (مسکراکر) اور یہاں کے مریضوں پر کام کر رہے ہیں۔

لڑکی : جی یہ ہماری اسائن منٹ ہے۔

ملک : آپ بھی مجھے پاگل ڈیکلیئر کرنے آئے ہیں میرے بیوی بچوں کی طرح ؟

لڑکی : نہیں سر ہمیں تو ایسے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔

لڑکا : بلکہ آپ بالکل نارمل اور ہماری طرح کے انسان ہیں۔لیکن ابھی آپ کو انڈر آبزرویشن رکھا جارہا ہے۔

لڑکی : (فائیل دیکھتے ہوتے) کیا بات ہے ملک صاحب آپ اپنی دولت میں اضافہ کرنے کے بجائے اس کو لوگوں میں کیوں تقسیم کر رہے ہیں۔

ملک : وہ اس لیے کہ میرے پاس میری ضرورت سے زیادہ دولت ہے، بہت زیادہ۔ اتنی زیادہ کہ مجھے اس کا کوئی مصرف نظر نہیں آتا۔

لڑکا : اس لیے آپ اسے ضرورت مندوں میں تقسیم کر رہے ہیں رابن ہڈ کی طرح۔

ملک : نہیں اس وجہ سے نہیں، بلکہ اس مجبوری کی وجہ سے کہ ہمارے چارٹر میں دولت جمع کرنے کی اجازت نہیں ہے اور جو اسے جمع کرتا ہے یا جس کے

پاس یہ غلطی سے یا بھول پنے سے جمع ہو جاتی ہے اس کے لیے بڑی سخت سزا ہے، ایک سپیشل قسم کی آگ میں جلانے کی جس کا نام حطمہ ہے۔ اور یہ دیکھ رہے ہیں آپ دونوں۔ یہ میری سکن یہ بڑی ڈیلی کیٹ ہے۔ ذرا سی دھوپ میں میرے سارے بدن پر پت نکل آتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی پھنسیاں بن جاتی ہیں اور حطمہ کی جو ڈسکرپشن دی گئی ہے وہ میرے سارے بدن میں لرزہ طاری کر دیتی ہے۔ میں گرمی سے اور حدت سے بہت ڈرتا ہوں۔ (ہاتھ بڑھا کر) یہ آپ میری سکن دیکھ رہے ہیں ناں۔

لڑکی : لیکن اس دور میں سر، جبکہ سکیورٹی نہیں ہے۔ کچھ پتہ نہیں ہے کہ بڑھاپے میں کس چیز کی ضرورت آ پڑے۔ علاج کی سپیشل فوڈ کی سپیشل کیئر کی تو اس کے لیے تو کچھ جمع جتھہ ہونا ہی چاہیئے۔

ملک : کچھ کیا، بہت ہونا چاہیئے۔ اتنا زیادہ کہ جب انسان مرے تو اس کے وارث لمبی مقدمے بازی کر سکیں اچھی طرح سے لڑ بھڑ سکیں۔ پھر مال حاصل کرنے کے بعد مزے بھی لوٹ سکیں۔ لیکن مسلمان کو اس کا حکم نہیں ہے accumulation of wealth کا۔ ارتکاز زر کی اجازت نہیں ہے۔ ہم ایسا کر نہیں سکتے۔ مجبوری ہے۔ دوسرے مذہبوں والے مزے اڑا سکتے ہیں۔ ہم ارتکاز زر نہیں کر سکتے۔

لڑکی : کیا نہیں کر سکتے۔

ملک : ہم دولت سینت سینت کر اور گن گن کر رکھ نہیں سکتے۔ یہ ہماری مجبوری ہے۔

لڑکا : گویا ہم بزنس نہ کریں......

ملک : دبا کے

لڑکا : کارخانے نہ لگائیں۔

ملک : کرڑکا کے ۔ ہر روز تے ۔

لڑکا : اور صنعت و حرفت کو فروغ نہ دیں ۔

ملک : بچ بچا کر ۔ دندنا کے ۔ خوب کمانا ہے ۔ ڈھیروں ڈھیر لیکن جمع نہیں کر سکتے ۔ ارتکاز نہیں کر سکتے دولت کا ۔ اپنے پاس سینت کر نہیں رکھ سکتے ۔

لڑکا : لیکن اس کے لیے تو پھر سسٹم کی تبدیلی کی ضرورت ہے ۔ جب تک سسٹم تبدیل نہیں ہوتا اس وقت تک ۔ ۔ ۔ یعنی ــــ

لڑکی : اکیلا چنا کیا بھاڑ پھوڑے گا ۔

ملک : ہے تو ٹھیک ــــ لیکن اب کیا کریں ــــ مجبوری ۔ ہمارے یہاں ہر فرد اپنے عمل کا جوابدہ ہے اور پھر بھائی میں اب بوڑھا آدمی ہوں ۔ اگر پانچ چار سال تک اور سسٹم تبدیل نہ ہوا تو میں تو مارا گیا ناں ۔ اصل میں میری سکن پر دھوپ سے آبلہ پڑ جاتا ہے اور وہ حملہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ کچھ ستون جیسی آگ ہے وہائٹ فلم کی جو دلوں پر جا چڑھے گی ۔ تو کم از کم مجھے تو سینت سینت کر نہ رکھنے دو روپیہ پیسہ تجوریوں میں اور لاکروں میں ۔ میرا تو ٹائم ہی تھوڑا رہ گیا ہے ۔ کیوں بی بی ــــ

لڑکا : لیکن آپ کو اپنی اولاد کے لیے اور لواحقین کے لیے تو ضرور کچھ بچا کر رکھنا چاہیے ۔

ملک : وہ تو ٹھیک ہے لیکن جب میں اپنی اولاد اور آنے والی نسل اور پوتوں اور نواسوں کے لیے کچھ چھپا کر اور سنبھال کر رکھوں گا تو ان لوگوں کی ضرورتیں پوری نہ ہو سکیں گی جو اس وقت موجود ہیں ۔ جو اس وقت زندہ ہیں ــــ ٹوڈے ــــ اور پھر منطق کوئی نہیں بچو ۔ بس حکم ہی نہیں ۔

لڑکی : لیکن جو اتنے بڑے بڑے بادشاہ اور ۔ ۔ ۔ ۔ نیک دل حکمران ۔ ۔ ۔ ۔

ملک : ہمارے چارٹر میں بادشاہت کا وجود نہیں ہے بیٹی ــــ نبیوں کی بات

کروجن میں سے ایک بھی دولت مند نہ تھا۔

(لڑکا اور لڑکی حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ ملک صاحب اپنے تکیہ کے نیچے ہاتھ پھیر کر سو کا ایک نوٹ نکالتے ہیں اور آگے بڑھا کر کہتے ہیں۔)

ملک : یہ لو۔ کنٹین سے کچھ لے کر کھا لینا — لے لو — لے لو ..... شاباش — شرماتے کیوں ہو یار۔ تم بھی تو میرے بچوں جیسے ہو۔

لڑکا : (ہچکچاتے ہوئے لے کر) تھینک یو سر

ملک : اور جو باقی بچے اسے دوستوں یاروں کو کھلا دینا۔ جوڑ کر نہ رکھ لینا۔

لڑکا : (ہنس کر) نہیں سر

لڑکی : (بھونچکی سی) چلیں

لڑکا : ضرور (اٹھتے ہوئے) اچھا سر۔ اجازت

ملک : ضرور — ضرور .... بصد شوق۔

لڑکی، لڑکا : خدا حافظ

ملک : خدا حافظ

(اس کمرے سے باہر نکل کر دونوں ایک گیلری میں چلتے ہیں اور پھر ایک کھڑکی کے پاس رک کر کہتے ہیں۔)

لڑکا : کیا خیال ہے تمہارا ثمینہ۔

لڑکی : I can't say anything

لڑکا : ہے تو ابنارمل۔

لڑکی : وہ تو شاید ٹھیک ہے لیکن اس کو ابنارملیٹی کے کس خانے میں رکھیں

گے؟ ویٹر؟

لڑکا : میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ کل پروفیسر اکرم کو ساتھ لائیں گے وہی طے کر کے دیں گے کہ کون سی بیماری ہے ان بزرگوں کو۔ ویری ڈیفی کلٹ کیس۔

لڑکی : ڈیفی کلٹ اینڈ ڈیفرنٹ کیس شاید۔



چابی اور چابیاں

کردار :

پُشکلا : نمکین صورت نوجوان لڑکی

ابراہیم : نوجوان، بھلی طبیعت کا آدمی۔ ایک خاص موڑ پر آ کر مذہب سے گہری وابستگی

صائمہ : ابراہیم کی چھوٹی بہن۔ ابراہیم سے شدید محبت کرنے والی

ملندا : پُشکلا کا باپ۔ مرنجان مرنج

مرزا ثروت بیگ : ابراہیم کا باپ

حمیدہ : ابراہیم کی ماں

فیروزہ : ابراہیم کی خالہ

ماموں نواز : ابراہیم کے ماموں



سین ۱
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(لان کے وسط میں فوارہ چل رہا ہے۔ ابراہیم موٹر سائیکل چلا رہا ہے۔ پیچھے صائمہ بیٹھی ہے۔ صائمہ نے سر پہ ابراہیم کی ٹوپی لے رکھی ہے اور رنگین چھتری لگا رکھی ہے۔ ابراہیم موٹر سائیکل کو فوارے کے گرد دائرے میں چلاتا ہے اس چکر پھیری پر ٹیلیپ آنے لگتے ہیں۔ جب ٹیلیپ ختم ہوتے ہیں تو اماں جی حمیدہ لان تک آکر آواز دیتی ہے:)

حمیدہ : صائمہ.... ابراہیم — کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے بچو! جلدی آؤ۔
(ماں اندر جاتی ہے یہ دونوں پھر موٹر سائیکل چلانے لگتے ہیں۔)

کٹ ———

سین ۲
ان ڈور
دوپہر

(مرزا ثروت بیگ کا خاندان۔ اس وقت ماں، ماموں نوازہ، خالہ فیروزہ اور مرزا صاحب کھانے کی میز پہ موجود ہیں۔)

مرزا : یہ صائمہ ابراہیم کہاں ہیں؟
حمیدہ : موٹر سائیکل پر لان میں چکر لگا رہے ہیں۔

مرزا : بڑا بیہودہ شوق ہے۔ خاص کر عورتوں کے لیے۔ ہمارے اسلام میں اس بے حجابی کی اجازت نہیں۔

حمیدہ : میں صائمہ کو کون سا گھر سے باہر جانے دیتی ہوں۔ موٹر سائیکل پر۔ بھائی کے ساتھ لان کے چکّر لگاتی ہے۔

(اس وقت صائمہ اور ابراہیم اندر آتے ہیں دونوں خوش ہیں صائمہ کمرے میں آکر چھتری بند کرتی ہے۔)

نواز : یہ موٹر سائیکل کی سیر تو سُنی تھی لیکن چھتّری لگا کر سیر کرنے کا منظر پہلی بار دیکھا۔

صائمہ : بڑی تیز دُھوپ ہے نواز ماموں۔

(دونوں ساتھ ساتھ بیٹھتے ہیں۔)

صائمہ : (سر پہ دوپٹہ لیتی ہے) ابراہیم بھائی مٹر قیمہ؟

(ابراہیم اور صائمہ ایک پلیٹ میں کھانا کھاتے ہیں ابراہیم اپنی پلیٹیں دُور کھسکا دیتا ہے۔)

ابراہیم : نہ — میرے لیے نہیں۔

صائمہ : تو میرے لیے بھی نہیں۔

حمیدہ : تُو نے تو خاص کہہ کر پکوایا ہے صائمہ۔

صائمہ : اس وقت جی کر رہا تھا اماں جی۔ یہ بھنڈیاں۔

ابراہیم : ڈالو ڈالو — اور — اور — اور

(دونوں مل کر کھاتے ہیں)

حمیدہ : اب علیحدہ علیحدہ کھانے کی عادت ڈالو صائمہ۔

صائمہ : کیوں اماں۔

فیروزہ : کل جب اس کی بیوی آجائے گی تو وہ تیرے ساتھ کھانے دے گی اس کو۔

ابراہیم : میں اسے ہی کچا کھا جاؤں گا۔ جو میرے اور صائمہ کے درمیان کھڑی ہوئی۔

فیروزہ : یہ سب کہنے کی باتیں ہیں ابراہیم بیٹے۔

ابراہیم : آپ دیکھتی جائیں خالہ جان۔

مرزا : اچھا چُپ چاپ کھانا کھاؤ۔ کھانا کھاتے وقت باتیں نہیں کرتے۔ منع ہے۔

ابراہیم : (اطاعت سے) جی اباجی۔

صائمہ : آپ کو روغنی ہڈی پسند ہے کہ مُرکتی ہڈی ابراہیم بھائی۔

ابراہیم : (آنکھیں) شی — اباجی ناراض ہوتے ہیں۔

(دونوں چُپ چاپ کھانا کھاتے ہیں۔ صائمہ روٹی اُٹھاتی ہے اور اس کے درمیان سے گول گول کرکے روٹی توڑتی ہے یعنی ساری روٹی کے اندر سے چاند کی طرح گول روٹی نکال کر ابراہیم کو دیتی ہے اور خود کنارہ پکڑ کر کھاتی ہے۔)

کٹ ________

سین ۳

ان ڈور

رات

(ابراہیم باورچی خانے میں چولہے کے سامنے ہے۔ وہ چولہے پر سے کیتلی اُٹھا کر تیز گرم پانی گلاس میں ڈالتا ہے پھر ایک ڈبّہ اٹھاتا ہے جس پر بڑے حروف میں ٹیبل سالٹ لکھا ہے ایک چمچہ نمک نکالتا ہے پھر گرم پانی میں انڈیلتا ہے۔ اور پانی میں چمچ کے ساتھ نمک ملاتا ہے۔)

کٹ ________

سین ۴
ان ڈور
کچھ دیر بعد

(صائمہ کا کمرہ۔ صائمہ لیٹی ہوئی ہے جس وقت وہ ابراہیم کو آتے دیکھتی ہے فوراً آنکھیں بند کر کے خراٹے لینے لگتی ہے اور یوں ظاہر کرتی ہے جیسے وہ گھوک سوئی ہوئی ہے۔ ابراہیم آتا ہے۔)

ابراہیم : صائمہ — صائمہ۔ اچھا یہ پانچ منٹ میں اتنی گھوک نیند آگئی کہ خراٹے بھی آنے لگے — چلو اچھا ہے سونے دو۔ ہم اس کی ڈائری پڑھتے ہیں چوری چوری۔
(دراز کھولتا ہے۔)

صائمہ : (جلدی سے اُٹھ کر) میری ڈائری نہ پڑھنا ابراہیم بھائی۔

ابراہیم : کیوں — کچھ خفیہ باتیں لکھی ہیں۔

صائمہ : نہیں۔

ابراہیم : بتا دے — بتا دے۔ (ڈائری نکالتا ہے) یہ نکل آئی۔ لال رنگ کی بیر بہوٹی۔ (ایک صفحہ اُلٹ کر) آج دس مارچ ہے — اچھا یہ کافی نہیں کہ اُوپر دس مارچ چھپا ہُوا ہے۔
(صائمہ بھاگ کر پاس آتی ہے۔)

صائمہ : ابراہیم بھائی۔ ڈائری دے دیں پلیز۔

ابراہیم : میں تو آج پڑھ کر رہوں گا۔ آخر مجھ سے کیوں راز رکھے جا رہے ہیں۔
(دونوں بہن بھائی میں چھینا جھپٹی ہوتی ہے۔)

صائمہ : کوئی خاص بات نہیں ہے۔

ابراہیم : ہے نا تبھی تو چھپائی جاتی ہے یہ ڈائری۔

صائمہ : کچھ نہیں سچی۔ ابراہیم بھائی۔

(ابراہیم میز پر چڑھ جاتا ہے۔ اور پڑھتا ہے۔)

ابراہیم : آج مشتاق صاحب کی دونوں نئی نئی شادی شدہ بہنیں آئی تھیں۔ دونوں نے ایک سے کپڑے پہن رکھے تھے (صائمہ منہ چھپا کر بیٹھ جاتی ہے) کیا مجھے بھی ان ہی کی طرح کپڑے پہننے پڑیں گے۔

صائمہ : پڑھتے جائیں پڑھتے جائیں میں ساری عمر نہیں بولوں گی۔

(میز سے اُتر آتا ہے۔ ڈائری دراز میں رکھتا ہے۔)

ابراہیم : یہ تو فاؤل ہے۔ تم نہیں بولو گی تو میں جیوں گا کیسے۔

صائمہ : تو آپ نے کیوں پڑھی میری پرائیویٹ ڈائری۔

ابراہیم : تمہارے اور میرے درمیان کچھ پرائیویٹ نہیں ہے۔ چلو غرارے کرو۔

صائمہ : آج نہیں ابراہیم بھائی۔

ابراہیم : پھر میں ڈائری پڑھوں گا۔

صائمہ : ہائے نہیں۔

ابراہیم : لیکن عقل کی کودن تُو نے اتنی پرائیویٹ ڈائری دراز میں کیوں رکھ چھوڑی ہے؟

صائمہ : آپ کے سوائے تھوڑی کوئی پڑھے گا۔

ابراہیم : اچھا یہ بتاؤ مشتاق اچھا لگتا ہے کہ مَیں۔

صائمہ : آپ اور کیا۔

ابراہیم : اور شادی کے بعد۔ آج سے دس سال بعد۔

صائمہ : مشتاق

(صائمہ ہنستی ہے۔)

ابراہیم : خبردار میں اسے جان سے مار دوں گا ــ چلو غرارے کرو۔

صائمہ : آج کی چھٹی دے دیں ــ خدا کے لیے ۔ بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے۔

ابراہیم : تیرا ارادہ ہے ٹانسلز کے اپریشن کرانے کا ــ چل سیدھی طرح ۔

(دونوں غسل خانے میں جاتے ہیں۔ صائمہ غرارے کرتی ہے۔ ساتھ ساتھ دونوں باتیں کرتے ہیں۔)

صائمہ : مَیں کرلُوں گی ابراہیم بھائی۔ آپ بیٹھیں۔

ابراہیم : میرے سامنے غرارے ہوں گے۔ سارے گلاس کے شروع۔

صائمہ : آپ میرا ذرا بھی یقین نہیں کرتے۔ کمال ہے۔

ابراہیم : اگر تُو باقاعدگی سے غرارے کرے اور ڈائری کم لکھے تو یہ ٹانسلز ٹھیک ہو سکتے ہیں۔

صائمہ : (پانی تھوکتے ہوئے) ڈائری کا ذکر نہ کرنا کسی سے ابراہیم بھائی (پھر پانی منہ میں لیتی ہے)

ابراہیم : کسی سے ذکر نہیں کروں گا۔ صرف مشتاق کو بتاؤں گا۔ جس روز بھی وہ آیا تھری پیس سوٹ پہن کر۔

صائمہ : کیوں ؟

ابراہیم : میں اسے بتاؤں گا کہ ڈائری ہے لال رنگ کی ۔ صائمہ کے پاس۔ اس کے ہر صفحے پر تمہاری بہنوں کا ذکر ہے ۔ یار صائمہ یہ تمہارا منگیتر تھری پیس سُوٹ کیوں پہن کر آتا ہے ہمیشہ ؟

صائمہ : (خوفزدہ ہوکر) ابراہیم بھائی آپ اسے بتا دیں گے ڈائری کا۔

ابراہیم : ضرور بتاؤں گا۔

صائمہ : (خوفزدہ ہوکر) کہیں جو اسے سچی پتہ چل گیا تو ــ تو کتنی بُری بات ہو گی۔

ابراہیم : مجھے نیند آئی ہے۔

صائمہ : تو آپ جائیں نا۔ سوئیں۔ مَیں کر لوں گی غرارے۔

(ابراہیم اسے چھوڑ کر کمرے میں آتا ہے۔ ڈائری کھولتا ہے۔ پڑھتا ہے۔)

ابراہیم : (پڑھتے ہوئے) میرے ابراہیم بھائی۔ آج سو رہے تھے۔ مَیں ان کے کمرے میں گئی مجھے وہ اتنے اچھے لگے سوتے ہوئے ـــ ابراہیم بھائی جیسا تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ صرف مَیں ان پر کبھی اظہار نہیں کرتی کہ وہ مجھے سب سے اچھے لگتے ہیں۔

(اب صائمہ ہاتھ میں گلاس لئے آتی ہے۔)

صائمہ : پھر وہی بات ابراہیم بھائی۔

ابراہیم : مَیں پڑھ تھوڑی رہا ہوں۔ میں تو دیکھ رہا تھا کہ یہ اصلی چمڑا ہے یا پلاسٹک کا کوَر ہے ـــ تم غرارے کرو شب بخیر۔

صائمہ : (مُسکرا کر) شب بخیر

ـــــــــ کٹ

سین ۵

آوٹ ڈور

دن کا وقت

(انٹرکونٹی نینٹل کا بیرونی حصّہ۔ ایک رکشہ میں سے پُشکلا اُترتی ہے اس نے ساڑھی پہن رکھی ہے۔ وہ انٹرکونٹی نینٹل میں داخل ہوتی ہے لفٹ تک پہنچتی ہے لفٹ میں سوار ہوتی ہے۔)

ـــــــــ کٹ

سین ٦
ان ڈور
کچھ دیر بعد

(انٹر کانٹی ننٹل کا ایک کمرہ ۔ ملندا صاحب جو شکل و صورت سے ضعیف کر یکٹر سے ملتے جلتے ہیں اس وقت صوفے پر بیٹھے ہیں اور سگریٹ پی رہے ہیں پُشکلا ان کا سوٹ کیس اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہی ہے ۔)

پُشکلا : یہ ــــ یہ ساڑھی پاپا ــــ یہ کس کے لیے ؟

ملندا : ہماری پُشکلا کے لیے اور کس کے لیے !

پُشکلا : اور یہ سیپی کا ہار ــ یہ ؟

ملندا : یہ بھی ہے کسی کے لیے ۔ ہم نے سوچا کچھ گفٹس لے چلیں سری لنکا سے ۔ ۔ ۔ لاہور کے فرینڈز کے لیے ۔

پُشکلا : آپ کے کون سے دوست ہیں لاہور میں ۔

ملندا : نہیں ہیں تو بنا لیں گے ۔ دوست بنانے میں کونسی دیر لگتی ہے ۔

پُشکلا : تو آپ دوست بنانے آئے ہیں پاپا لاہور ۔ میری خاطر نہیں آئے ۔

ملندا : اِدھر آؤ ــــ اِدھر پاپا پاس ۔

(پُشکلا پاس آتی ہے ۔)

یہاں بیٹھو ۔ آہستہ بیٹھنا ۔ پہاڑ کی طرح گرنا نہیں ۔

(اپنے پاس صوفے پر بٹھاتا ہے اور بازو اس کے کندھے کے گرد حائل کرتا ہے ۔)

پُشکلا ! سری لنکا سے دوست بنانے لاہور آؤں گا ۔ ۔ ۔ پگلی ۔ مجھے تو تمہارا خط ملا کہ پاپا میں بہت اُداس ہوں سری لنکا یاد آتا ہے ــ گھر یاد آتا ہے ۔ میں نے

فوراً سیٹ بُک کرالی۔ہم نے سوچا اس لیٹر سے اُداسی کی خوشبو آتی ہے۔

پُشکلا : (سر باپ کے کندھے پر رکھتی ہے) کیسی خوشبو۔

ملندا : ایسی خوشبو۔جیسی فسٹ سائیٹ LOVE کے بعد لڑکی کی باتوں سے آتی ہے اس کی آنکھوں سے ـــــ اس کے چلنے پھرنے سے۔اس کے اُٹھنے بیٹھنے سے۔

(اُٹھتی ہے اور پھر سُوٹ کیس کے پاس جاتی ہے۔)

پُشکلا : پاپا پنیر نہیں لائے۔

ملندا : لایا بھئی لایا کیوں نہیں۔نیچے فریج میں رکھوا دیا گرمی کے ڈر سے۔

پُشکلا : اور ناریل پاپا۔

ملندا : ناریل نہیں لا سکا پُشکلا۔

پُشکلا : کیوں پاپا؟

ملندا : ہم نے سوچا ـــــ اس وقت پُشکلا بہری اوکیوپائیڈ ہے وہ شاید ناریل کی طرف دیکھے بھی نہ۔کیا نام ہے اس کا؟

پُشکلا : کس کا پاپا؟

ملندا : اچھا اچھا تم کہیں ملا دینا ان پندرہ دنوں میں اس سے زیادہ دن ہم یہاں ٹھہر بھی نہیں سکتے پُشکلا۔

پُشکلا : آپ کو کیسے پتہ ہے کہ کوئی ملانا چاہیے۔

ملندا : پتہ ہے ہم کو پُشکلا کا۔ہم پُشکلا کی ممی کے ساتھ بیس سال رہے ہیں وہ بھی بہت رومانٹک Soul تھی۔بیس سال شادی کے بعد بھی کبھی کبھی چاندرات کو کہتی ملندا صاحب چلو رات کے وقت beach پر جا کر "دھاما پادھا" پڑھیں۔

پُشکلا : آپ کو ممی بہت یاد آتی ہیں پاپا۔

ملندا : ہم جزیرے کے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں پُشکلا۔جہاز سامان اُتار کر چلا بھی

جاتا ہے کشتی لہروں میں اوجھل بھی ہو جاتی ہے پر ہم لوگ دیکھتے ہی رہتے ہیں کنارے پر کھڑے کھڑے۔ جانے والوں کو یاد کرتے رہتے ہیں۔

پُشکلا : وہ بہت ہینڈسم ہے پاپا۔

ملندا : ہماری پُشکلا بھی بہت attractive ہے۔

پُشکلا : بہت ریفائینڈ اور کلچرڈ ہے پاپا۔

ملندا : اِدھر کے لوگ ایسے ہی ہیں پُشکلا۔

پُشکلا : پاپا یہ سیپی کا ہار کس کے لیے ہے؟

ملندا : تیرے لیے اور کس کے لیے بھئی۔

پُشکلا : (ہار پہنتے ہوئے) I love you papa!

ملندا : I love you more dear!

پُشکلا : Love in the afternoon papa?

ملندا : Love in all seasons Pushkala!

کٹ ______

سین ۷
آؤٹ ڈور
کچھ دیر بعد

(انٹرکانٹی ننٹل۔ لفٹ سے پُشکلا اُترتی ہے اور باہر جاتی ہے۔ وہ پیدل انٹرکانٹی ننٹل سے نکلتی ہے۔)

کٹ ______

سین ۸
ان ڈور
شام

(صائمہ قالین پر ٹانگیں پھیلا کر اور پلنگ کی پٹی سے کمر لگا کر بیٹھی ہے۔ اس کے آس پاس بہت سے رسالے بکھرے پڑے ہیں۔ یہ انگریزی رسالے صائمہ دیکھ رہی ہے۔ ابراہیم پلنگ میں لیٹا ہوا کتاب پڑھ رہا ہے۔)

صائمہ : ابراہیم بھائی —— یہ جو میمیں ہوتی ہیں۔ تو جب یہ بازار جاتی ہیں تو انہیں شرم نہیں آتی۔

ابراہیم : کیا مطلب ؟

صائمہ : یوں کھلے بدن بازار چلے جانا —— شرم تو آتی ہوگی اندر ہی اندر۔

ابراہیم : یہ رسالے بند کر دے اور آرام سے جا کر سو جا غرارے کر کے۔

صائمہ : (رسالہ دکھا کر) اچھا ابراہیم بھائی۔ یہ بتائیں آپ کو یہ لڑکی اچھی لگتی ہے کہ یہ —— (ایک صفحہ دکھاتی ہے) بتائیں یہ نیلی آنکھوں والی اچھی ہے کہ یہ گھونگھریالے بالوں والی۔

(ابراہیم غور سے صفحہ دیکھتا ہے۔)

ابراہیم : مجھے تو یہ پسند ہے۔ یہ تیسری۔

صائمہ : اس کے لیے تو میں نے پوچھا ہی نہیں تیسری کے لیے۔ (صفحے اُلٹتے ہوئے) ابراہیم بھائی مشتاق کی کونسی بہن اچھی ہے۔ آمنہ کہ مریم ․․․․ ؟

ابراہیم : دونوں ٹیری سی ہیں۔

صائمہ : ہاں ٹیری سی — ان کی تو آنکھیں اتنی خوبصورت ہیں دونوں کی۔

ابراہیم : تو شاید ان کی ماں بھینگی ہے۔
صائمہ : میں آپ سے نہیں بول رہی۔
ابراہیم : میں بھی یہی چاہتا ہوں — کچھ دیر آرام رہے گا۔
(چند ثانیے خاموشی)
صائمہ : ابراہیم بھائی آپ کو اماں اچھی لگتی ہیں کہ ابا جی؟
ابراہیم : تمہیں
صائمہ : مجھے تو نواز ماموں — بڑے گڈو آدمی ہیں۔ ہے نا؟
ابراہیم : اچھا چپ چاپ تصویریں دیکھو۔
(چند ثانیے خاموشی)
صائمہ : ابراہیم بھائی چیل انڈے دیتی ہے کہ بچے؟
ابراہیم : چیل؟ — تجھے نہیں پتہ۔
صائمہ : میں نے کوئی چیل کا گھونسلا دیکھا ہے۔
ابراہیم : یہ جو چیل ہوتی ہے نا یہ نہ انڈے دیتی ہے نہ بچے یہ چُراتی ہے انڈے شکرے اور باز کے گھونسلے میں سے۔
صائمہ : نہیں ابراہیم بھائی!
ابراہیم : یہ چور ماں ہے۔ اسی لیے تو اس کے اندر دل نہیں ہوتا۔
صائمہ : (دُکھ سے) چلو ہمیں کیا لینا ہے پڑی چرائے انڈے (کچھ لمحے خاموشی رہتی ہے) ابراہیم بھائی آپ کو بھالو اچھا لگتا ہے کہ بندر؟
ابراہیم : چُپ
صائمہ : بتائیں نا۔
ابراہیم : مجھے تو صائمہ بندریا اچھی لگتی ہے۔

صائمہ : کیا مطلب؟

ابراہیم : بھالو نہ بندر (وقفہ) بندریا صائمہ۔

صائمہ : آپ مجھے بندریا کہہ رہے ہیں سچ سچ بتائیں۔

ابراہیم : خواہ مخواہ۔ میں تو کہہ رہا ہوں بندریا صائمہ۔

صائمہ : مجھے پتہ ہے۔ پتہ ہے مجھے آپ مجھے بندریا بنا رہے ہیں۔

ابراہیم : اب یہ بھی جا کر ڈائری میں نہ لکھ لینا کہ ابراہیم بھائی یوں کہتے ہیں۔

صائمہ : نیند آ رہی ہے ابراہیم بھائی۔

ابراہیم : اچھا چلو اُٹھو — (خود بھی اُٹھتا ہے۔)

صائمہ : مَیں غرارے کر لوں آپ لیٹے رہیں۔

ابراہیم : مَیں نے کبھی آج تک اعتبار ہی نہیں کیا۔ نہ کسی بھالو کا نہ بندر کا۔

(صائمہ منہ بناتی ہے۔ وہ اس کے کندھے کے گرد بازو حائل کرتا ہے۔ دونوں باہر جاتے ہیں۔)

______ کٹ

سین ۹

آؤٹ ڈور

صبح کا وقت

(انٹرکونٹی نینٹل کے باہر ابراہیم اپنی کار میں آتا ہے۔ کار پارک کرتا ہے۔ اندر جاتا ہے۔ لفٹ میں سوار ہوتا ہے۔)

______ کٹ

سین ۱۰
ان ڈور
کچھ دیر بعد

(یہ انٹرکانٹی نینٹل کا کمرہ ہے۔ اس وقت ابراہیم گُنشکلا اور ملندا صاحب بیٹھے ہیں.
اور کافی پی رہے ہیں۔ ملندا نے ڈریسنگ گاؤن پہن رکھا ہے۔
گُنشکلا بالکل چُپ چاپ ہے وہ کبھی ابراہیم کو دیکھتی ہے کبھی اپنے باپ
کو اور ہلکا سا مُسکراتی ہے۔)

ملندا : یہ اب گُنشکلا کا فائنل ختم ہو جائے ابراہیم تو تُم آنا کولمبو۔ ہم دونوں ــــ تُم اور
مَیں نوارا ایلیا چلیں گے۔ وہاں کینیا کے درخت ہیں اور سارے ایسٹ میں
ایسی اچھی گولف گراؤنڈ نہیں جیسی وہاں ہے۔ توارا ایلیا تو اٹلی ہے اٹلی۔

ابراہیم : جی میں ضرور آؤں گا۔ سری لنکا۔

ملندا : کسی ملک کے نقشے دیکھنے سے اس کی ہسٹری پڑھنے سے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ تُم
آؤ گے سری لنکا and you will fall in love with it

ابراہیم : (گُنشکلا کی طرف دیکھ کر) I have already fallen in love
with it.

ملندا : بہت جاتی کے لوگ ہیں وہاں تامل ہیں۔ ملائشی ہیں اور Vedda
aborigines ہیں مسلمان ہیں ــــ اور ہم سنہالی Buddhist ہیں
ہی۔ جتنا وہاں ویجی ٹیشن ہے ابراہیم ویسا ہی وہاں کا لوگ ہے ــــ
رنگ برنگا ــ بھانت بھانت کا۔

گُنشکلا : پاپا! کلاک ٹاور کا کیا حال ہے؟

ملندا : کلاک ٹاور ٹھیک ہے۔ سینٹ پیٹرز چرچ ٹھیک ہے۔ گارڈن کلب ٹھیک ہے۔ سب تُم کو یاد کرتے ہیں کولمبو میں۔

پُشکلا : ہمارا گھر۔ کلاک ٹاور — کے پاس ہے نا پاپا۔ لیکن ابراہیم نہیں مانتا۔

ملندا : کیوں ؟

پُشکلا : یہ کہتے ہیں کلاک ٹاور صرف فیصل آباد میں ہو سکتا ہے۔

ملندا : ٹھیک کہتا ہے ابراہیم۔

پُشکلا : کیوں پاپا۔

ملندا : بس ٹھیک کہتا ہے۔ اس کی ہر بات ٹھیک ہے۔ ہمارا جو کولمبو والا کلاک ٹاور ہے نا پُشکلا، وہ فیصل آباد کے کلاک ٹاور کا عکس ہے۔

پُشکلا : نہیں پاپا۔ یہ کلاک ٹاور عکس ہے۔ فیصل آباد والا۔

ملندا : ابراہیم! جب تُم کولمبو آئے تو پہلے مَیں تمہیں آدم پیک لے جاؤں گا۔ تُم اس ہولی پیک کے درشن کرنا۔ جہاں پہلے پہل بابا آدم اور ماں حوّا اُترے تھے۔

پُشکلا : پھر انورادھاپورا چلیں گے پاپا۔ نانی کے پاس۔

ملندا : پگلی دس دن تو اسے کولمبو دیکھنے میں لگ جائیں گے۔

پُشکلا : نہیں پاپا فوراً انورادھاپورا — ایک دم۔

ابراہیم : انورادھاپورا میں کیا خوبی ہے۔

ملندا : وہاں ایک Bo-tree ہے ہم بُدھ لوگوں کا۔ تھرپاراما سٹوپا ہے۔ داگوباس ہیں۔ سب طرف کیسری چادریں پہنے بھکشو گھوما کرتے ہیں۔ بہت ہسٹاریکل جگہ ہے۔

ابراہیم : یہ داگوباس کیا چیز ہے — ملنداصاحب۔

ملندا : اب ہم کیسے سمجھائیں۔ ایک مندر ایک شرائین قسم کی چیز سمجھ لو۔ اس میں یا تو مہاتما گوتم بُدھ کا کوئی نشان دفن ہوتا ہے یا ان کے کسی چیلے کا — وہاں آؤ گے تو سمجھ جاؤ گے۔

ہم سنہالی لوگ بہت پُرانے ہیں دھرتی پر۔ ہمارا ییجن بھی بہت پُرانا ہے۔ ویری اولڈ۔

پُشکلا : پاپا!

ملندا : جی پُشکلا؟

پُشکلا : ابراہیم کو بھی کچھ بات کرنے دیں۔ ۔ ۔ ۔

ملندا : کیوں کرنے دُوں! ہم سنہالی لوگ ہیں۔ ۔ ۔ ضروری نہیں کہ ہم سے بات ہی کی جائے تب ہی ہم سمجھیں۔ ہم جانتے ہیں، سب سمجھتے ہیں۔ جیسے کنارا سمندر کی زبان جانتا ہے — ہم بھی جانتے ہیں ہر ایک کے اندر کی بات۔

پُشکلا : پاپا آپ بات تو کرنے دیں ابراہیم کو!

ملندا : یہ کیا بات کرے گا ہم سے۔ ۔ ۔ جس طرح چاہو۔ جو فیصلہ کرو ابراہیم — ہم کو اطلاع دے دینا۔ ۔ ۔ ہم آجائیں گے۔ ۔ ۔ ہم اپنی بیٹی سے زیادہ اور کسی چیز سے پیار نہیں کرتے۔

پُشکلا : I love you more papa!

ملندا : Love in the afternoon Pushkala?

پُشکلا : Love in all seasons papa!

کٹ ————

سین ۱۱

ان ڈور

دوپہر

(خالہ فیروزہ، حمیدہ، مرزا ثروت بیگ اور نواز ماموں سب کھانے کی میز

پر جمع ہیں۔ صائمہ چُپ چُپ ہے لیکن ابراہیم موجود نہیں۔)

نواز : لیکن ابراہیم سے پُوچھ لینے میں کیا حرج ہے بھائی ثروت ٹھیک کہتے ہیں آپا حمیدہ۔

فیروزہ : ہمارے گھر میں پُوچھنے کا رواج نہیں ہے۔ لڑکی بی۔اے ہے صوم وصلوٰۃ کی پابند ہے۔

بیگ : یہ ہے دونوں بہنوں کی تصویر حمیدہ — بڑی ایم اے کر رہی ہے۔ چھوٹی نے بی۔اے کیا ہے۔

حمیدہ : مجھے تو یہ پیاری لگی — یہ بی۔اے والی — کیوں فیروزہ۔

نواز : آپ کے پیارے لگنے سے کیا ہوتا ہے۔ آپ اس سے پُوچھ لیں۔ ابراہیم سے۔

حمیدہ : میرا ابراہیم ایسا نہیں ہے۔ اس نے سارا معاملہ مجھ پر چھوڑ رکھا ہے بچپن سے....

بیگ : چلو پُوچھ لینے میں حرج کیا ہے حمیدہ۔

حمیدہ : لیجئے میں کیسے پُوچھ سکتی ہوں اس سے۔

بیگ : تو یہ صائمہ پتہ کرے گی — صائمہ دونوں تصویریں بھائی کو دکھا کر پُوچھ لو اچھی طرح سے!

صائمہ : اچھا اباجی

حمیدہ : اصرار بھی کرنا کہ چھوٹی اچھی ہے۔

فیروزہ : لیکن مجھے تو بڑی اچھی لگی آپا حمیدہ....

حمیدہ : لے فیروزہ بڑی بھی کبھی اچھی ہوئی ہے — ضرور کوئی نقص ہو گا جو ابھی تک بیٹھی ہے۔

نواز : پکا جواب لینا صائمہ۔

صائمہ : اچھا ماموں!

(صائمہ تصویریں دیکھتی ہے۔ کیمرہ تصویروں پر آتا ہے۔)

کٹ ————

سین ۱۲

ان ڈور

رات

(پلنگ پر دونوں تصویریں اوندھی پڑی ہیں۔ ابراہیم کا ہاتھ اور یہ تصویریں کیمرے کے فریم میں آتی ہیں۔ پہلے وہ ایک تصویر اُلٹتا ہے، پھر دُوسری۔ پھر کیمرہ ٹریک بیک کرتا ہے۔ اب یہ دونوں پلنگ کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھے ہیں اور تصویریں دیکھ رہے ہیں۔)

صائمہ : اچھا یہ بتائیں ـــ یہ تصویر اچھی ہے کہ یہ ....

ابراہیم : دونوں ہی extras ہیں۔

صائمہ : کیا مطلب!

ابراہیم : کوئی مطلب نہیں ـــ بس۔

صائمہ : بتائیں ناں۔ پھر امی پوچھیں گی۔

ابراہیم : ان کو بتا دینا کہ ابراہیم کول ڈوڈے پسند نہیں کرتا۔

صائمہ : کول ڈوڈے ـــ یہ کول ڈوڈے ہیں ـــ ہیں ابراہیم بھائی؟

ابراہیم : ابراہیم کو تو پُشکلا پسند ہے۔

صائمہ : پُشکلا؟

ابراہیم : پُشکلا ـــ کنول کا پھول ....!

صائمہ : پُشکلا کون ابراہیم بھائی۔

ابراہیم : پرانے زمانے میں چارسدہ کو پُشکلا کہتے تھے۔

صائمہ : آپ چارسدہ سے شادی کریں گے؟

ابراہیم : پُشکلا سے .... جو عورتوں میں ایسے نمایاں ہے جیسے پانیوں پر کنول کا پھُول۔

کٹ ________

سین ۱۳
آوٹ ڈور
دن کا وقت

(گنگارام ہسپتال کا بیرونی برآمدہ۔ اس میں کیمرہ برآمدے کے ایک کونے پر رکھیئے اور دوسری طرف سے ابراہیم بھاگتا ہُوا آتا دکھائیے اس پر ابراہیم کی آواز سپر امپوز ہوتی ہے پُشکلا۔ ابراہیم کچھ دُور تک بھاگتا ہے یہاں ایک جمعدار ٹاکی پھیر رہا ہے۔ ابراہیم رُک کر اس سے پُوچھتا ہے:)

ابراہیم : مس پشکلا ملندا ــــ پتہ ہے ان کا ؟

جمعدار : ڈاکٹر سراج صاحب کے ساتھ چار سٹوڈنٹ گئی ہیں جی پرائیویٹ وارڈ میں۔

کٹ ________

سین ۱۴
آوٹ ڈور
کچھ دیر بعد

(ابراہیم ایک پرائیویٹ کمرے پر دستک دیتا ہے اندر سے سسٹر نکلتی ہے۔)

ابراہیم : مس پُشکلا ملندا۔
سسٹر : ابھی گئی ہیں ڈاکٹر سراج کے ساتھ میل وارڈ میں۔

کٹ ________

سین ۱۵
آؤٹ ڈور
کچھ دیر بعد

(لمبا میل وارڈ۔ ایک دروازے سے ابراہیم داخل ہوتا ہے۔ دوسرے دروازے سے پُشکلا، ڈاکٹر سراج اور تین سٹوڈنٹ نکل جاتی ہیں۔ ان پر آواز سپر امپوز ہوتی ہے۔ "پُشکلا"۔)

کٹ ________

سین ۱۶
آؤٹ ڈور
ذرا سے وقت کے بعد

(سیڑھیوں پر اُوپر سے پُشکلا اُتر رہی ہے۔ اس نے ڈاکٹروں والا کوٹ پہن رکھا ہے۔ نیچے سے ابراہیم تیزی سے اُوپر چڑھتا ہے دونوں سیڑھیوں پر ملتے ہیں۔)

پُشکلا : ارے ارے ابراہیم !

ابراہیم : کہاں گُم ہو جاتی ہو تم ۔

پُشکلا : کیوں کیا ہُوا !

ابراہیم : صائمہ آئی ہوئی ہے ـــــ تم سے ملنے ۔

پُشکلا : کہاں ؟

ابراہیم : کار میں گیٹ پر

(پُشکلا تیزی سے سیڑھیاں اُترتی ہے ۔ برآمدے میں بھاگتی ہے اس کے پیچھے پیچھے ابراہیم تیز تیز چلتا ہے لیکن پُشکلا اور اس میں بہت فاصلہ رہ جاتا ہے ۔)

ـــــــــــ کٹ

سین ۱۷

آؤٹ ڈور

وہی وقت

(کار میں سامنے والی سیٹ پر ابراہیم پھر صائمہ اور پھر پُشکلا بیٹھے ہیں صائمہ نے برقعہ پہن رکھا ہے ۔ وہ تینوں باتیں کر رہے ہیں ۔ موسیقی فیڈ ان ہوتی ہے ۔)

ـــــــــــ کٹ

سین ۱۸
ان ڈور
شام

(اس وقت خالہ فیروزہ اور حمیدہ بیگم بیٹھی ہیں۔ پُشکلا لیڈی ڈاکٹر کا کوٹ پہنے سٹھتیسکوپ گلے میں لٹکائے بیٹھی ہے اور نسخہ لکھ رہی ہے۔ صائمہ اس کے پاس بیٹھی ہے اور پیار سے پُشکلا کی طرف دیکھتی ہے۔)

پُشکلا : نہیں اماں جی آپ کا بلڈ پریشر تو نارمل ہے۔
فیروزہ : میں بھی یہی کہتی ہوں آپ کو بلڈ پریشر نہیں ہے۔
پُشکلا : جب آپ کو رومیٹک فیور ہوتا ہے تو ممکن ہے اس وقت آپ کو لگتا ہو کہ بلڈ پریشر ہے۔ لیکن آپ بے فکر رہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔
فیروزہ : یہ بیٹی میرے کندھے بہت تھک جاتے ہیں کل مشین اُٹھائی تھی ابھی تک درد ہو رہا ہے۔ کیا نام بتایا تھا ڈاکٹر صاحب کا؟
صائمہ : پُشکلا ___ پُشکلا ملندا
فیروزہ : عیسائی ہے؟
صائمہ : (آہستہ) نہیں خالہ جی بُدھسٹ ہے۔ آہستہ بولیں۔
پُشکلا : کیا ہے صائمہ
صائمہ : خالہ فیروزہ کہہ رہی ہیں ان کو بھی نسخہ لکھ دیں۔
پُشکلا : ابھی لکھتے ہیں۔
حمیدہ : صائمہ ذرا نواز ماموں کو تو بُلا ___ وہ بھی دکھا دیں ڈاکٹر صاحب کو۔ ورم ہو گیا ہے اسے یہاں گلے کے پاس۔ اُٹھ صائمہ۔

صائمہ : (آہستہ) امی جی کیا کر رہی ہیں۔ مَیں نے انہیں صرف ایک مریض دیکھنے کے لیے بُلایا ہے۔ نواز ماموں کو مت بُلائیں۔

پُشکلا : بُلائیں بُلائیں —— آپ لائیں مریض کو صائمہ!

حمیدہ : لو آپی آ گیا بڑی عمر ہے میرے بھائی کی —— یہ ڈاکٹر ہے نواز۔ صائمہ کی سہیلی کی بہن —— بڑی لائق ہے —— تو بھی گلا دکھا لے نواز —— جا ذرا ابراہیم کو بُلا۔

پُشکلا : مُنہ کھولیے ذرا ——

(اندر ٹارچ سے دیکھتی ہے۔)

کھانستے وقت خُون تو نہیں آتا بلغم کے ساتھ؟

حمیدہ : جا صائمہ ابراہیم کو بُلا کے لا ——

(صائمہ جاتی ہے۔)

نواز : کبھی کبھی آ بھی جاتا ہے۔ کبھی کبھی نہیں آتا۔

پُشکلا : یہ تکلیف آپ کو کب سے ہے؟

نواز : کوئی چار مہینے تو ہو گئے ہیں۔

فیروزہ : بیٹی میرا نسخہ لکھنا مت بُھولنا۔

پُشکلا : ابھی لکھتی ہُوں جی۔ تو آپ نے پہلے بھی علاج کروایا ہو گا۔

نواز : بڑے علاج۔ بڑے ایکسرے۔ بڑے ٹیسٹس لیکن کوئی خاص فائدہ نہیں ہُوا۔

پُشکلا : آپ مجھے وہ نسخے دکھا سکتے ہیں۔

نواز : آپ کے پاس تھا سب کُچھ آپا فیروزہ۔

فیروزہ : مجھے پہلے ہی پتہ تھا مجھے اُٹھنا پڑے گا۔

(جاتی ہے۔ ادھر سے ابراہیم اور صائمہ آتے ہیں۔)

فیروزہ : ڈاکٹر صاحب آئی ہوئی ہیں ابراہیم۔

(ابراہیم پُشکلا کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے ٹھٹھکتا ہے۔ صائمہ پُشکلا کو دیکھ کر مُسکراتی ہے۔)

حمیدہ : ادھر آ ابراہیم ــــ یہ میری نہیں سُنتا ڈاکٹر صاحب۔ بیٹھ یہاں ان کے سامنے یہ میرا بیٹا ہے ــــ اکلوتا بیٹا۔

پُشکلا : جی

حمیدہ : جس وقت اس نے ایم اے پاس کیا تھا تو گلاب کا پھول تھا۔

ابراہیم : زرد گلاب اماں!

حمیدہ : تُو نے نہیں بولنا ــــ چُپ رہ بس۔

نواز : مجھے تو گلا دکھا لینے دیں آپا۔

پُشکلا : مَیں دیکھتی ہُوں جی آپ کے نسخے۔ آپ فکر نہ کریں۔

حمیدہ : دو سال ہوگئے ہیں اس کو اپنے باپ کا کارخانہ سنبھالتے اور کبھی اس نے ایک سیتی دُودھ نہیں پیا نہ ناشتے کے وقت نہ رات کو۔ شکل دیکھ لو اس کی پیلا پھٹک۔ آنکھوں تلے انگل انگل بھر گڑھے ــــ کوئی ٹانک شانک لکھ دیں اس کو۔ پہلے جیسا ہنستا بولتا بھی نہیں ہے۔

صائمہ : ان کو کوئی دل کی بیماری ہے امی جی۔

حمیدہ : دفع دُور ــــ شکل بُری ہو تو بات تو اچھی کرے بندہ۔

پُشکلا : ان کو تو آپ میرے پاس کلینک بھیج دیں۔ نبض دکھائیے۔

(ابراہیم آستین کھول کر کلائی آگے کرتا ہے اور اپنی ننھی سی گھڑی پر نظریں جما کر پُشکلا ابراہیم کی نبض دیکھتی ہے۔)

ــــــــ کٹ

سین ۱۹
آؤٹ ڈور
شام

(ایئر پورٹ کی بڑی لاؤنج میں بیگ اُٹھائے ملندا اور پُشپکلا داخل ہوتے ہیں۔ جنگلے کے پاس ملندا پُشپکلا کا سر چُومتا ہے۔ پھر کہتا ہے:)

ملندا : دیکھ پُشپکلا! اگر کچھ طے ہو جائے تو مجھے لکھ دینا۔ ۔ ۔ ۔ نہ ہو سکے تو غم نہیں کرنا بدھسنوا کا یہی حکم ہے ــــ پھر سیدھی کولمبو آ جانا وہاں ایک بہت بڑا پروجیکٹ بن رہا ہے مہاولی ڈویلپمنٹ پروجیکٹ ۔ ۔ ۔ تم آسانی سے کام کر سکتی ہو وہاں اور رونا نہیں ہے کبھی!

(پُشپکلا کی آواز رندھی ہوئی ہے۔ وہ صرف اثبات میں سر ہلاتی ہے۔ باپ رخصت ہوتا ہے۔ ہاتھ ہلاتی ہے۔)

ــــــــــ کٹ

سین ۲۰
اِن ڈور
رات

(ماں لیٹی ہوئی ہے۔ صائمہ پاس بیٹھی ہے۔)

حمیدہ : اچھی سکیم تھی تیری صائمہ ــــ بالکل اُلٹی کھوپڑی ہے۔

صائمہ : میرا تو خیال تھا کہ آپ پُشکلا باجی کو دیکھ لیں گی۔

حمیدہ : تو مجھے پہلے بتاتی۔ اس کے آنے سے پہلے — تُو نے تو کہہ دیا کہ ڈاکٹرنی آ رہی ہے۔

صائمہ : تو اماں وہ ڈاکٹرنی بننے والی ہی ہے نا — بلکہ ہو بھی گئی ہے۔

حمیدہ : میں نے سارے گھر کا معائنہ کرا لیا اس سے۔ پر تُو نے صائمہ پہلے کیوں نہ بتایا مجھے۔ اسے بلانے سے پہلے۔

صائمہ : میرا خیال تھا کہ ابراہیم بھائی کو پتہ چل جائے گا تو وہ ناراض ہوں گے۔

حمیدہ : لے میں کبھی بتاتی اسے۔

صائمہ : آپ کے منہ سے بات نکل جاتی ہے اماں جی۔

حمیدہ : ہاں صرف میرے منہ سے بات نکلتی ہے اس گھر میں، باقی تو سب کے سب فرشتے ہیں۔

صائمہ : اماں جی — آپ کو پُشکلا باجی اچھی لگیں ناں!

حمیدہ : اچھی تو ہے صائمہ .... لیکن میرے ابراہیم جیسی تھوڑی ہے —

کٹ ————

سین ۲۱

اِن ڈور

رات کا وقت

(سارا خاندان کمرے میں جمع ہے۔ ابراہیم جیسے کٹہرے میں کھڑا ہے۔)

ابراہیم : جی میں سمجھتا ہوں۔

بیگ : بیٹے ہم کوئی تمہاری دل شکنی نہیں کرنا چاہتے ہم کو لڑکی پر کوئی اعتراض نہیں۔

حمیدہ : لڑکی اچھی ہے فیروزہ۔

بیگ : تو بات مختصر یہ ہے ابراہیم کہ اسلام میں کچھ باتوں کی اجازت ہے۔ کچھ باتیں سرے سے منع ہیں۔ کچھ جائز تو ہیں لیکن مکروہ ہیں۔ تمام مسلمان ان اوامر اور نواہی کے پابند ہیں۔

نواز : جن باتوں سے ابراہیم میاں منع فرمادیا ہے وہ کسی قیمت پر بھی نہیں کی جاسکتیں .... نشہ حرام ہے۔ مردہ گوشت حرام ہے .... سوٗر حرام ہے ....

بیگ : یہ وہ حدیں ہیں جن کو پھلانگنے والا دوزخی ہوتا ہے۔

حمیدہ : کیسی باتیں کرتے ہیں آپ بیگ صاحب۔

بیگ : ہمیں بات کرنے دو حمیدہ !

ابراہیم : کیا ہم لوگ احکام کی تمام حدیں مانتے ہیں اباجی۔

نواز : تمام .... کم از کم ہمارا گھرانہ ....

بیگ : اگر لڑکی اہلِ کتاب ہوتی تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوتا۔

ابراہیم : اباجی گستاخی معاف اگر لڑکی سفید فام ہوتی .... اور اہلِ کتاب ہوتی تو غالباً آپ کو کوئی اعتراض نہ ہوتا ___ اگر لڑکی نیگرو ہوتی اور اہلِ کتاب ہوتی تو شاید آپ بھی ....

نواز : نہیں نہیں بیٹا۔ تم ہمیں غلط سمجھ رہے ہو ہم دراصل ان حدود کو پار کرنا نہیں چاہتے جو ہمارے لیے ہمارے دین نے مقرر کر دی ہیں۔ خدا جانتا ہے ہمیں اہلِ کتاب پر کوئی اعتراض نہ ہوتا !

بیگ : تم کو میرے بیٹے .... دراصل مذہب سے دوری نے یہ دن دکھایا ہے اگر

تم اپنے دین کے قریب ہوتے ۔ ۔ ۔ ۔ خود جانتے کہ کیا کچھ جائز ہے کیا کچھ جائز نہیں ہے تو ایسی غلطی کبھی نہ کرتے ۔ ۔ ۔ ۔ تمہارا قصور نہیں ہے تمہاری ساری پود ہی مذہب سے بہت دُور ہے ــــ اسے بے سروپا سرگرمیوں سے ہی فرصت نہیں ملتی ۔ مذہب کا مطالعہ کب کرے!

ابراہیم : شاید اتاجی ــــ اس لیے کہ ہماری پرورش ہی ایسے کی گئی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اور ہمیں تربیت نہیں دی گئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نواز : جانے دو یار ۔ تم لوگ تو بچپن سے دینیات پڑھ رہے ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ہمارے زمانے میں تو یہ سب کچھ کورس میں نہیں تھا ۔ پھر بھی ہماری بنیاد مضبوط تھی ۔

فیروزہ : پانچ سال قاری رفیق تمہیں قرآن پڑھاتے رہے ۔ اب قرآن ختم کرنے کے بعد تم نے اسے ہاتھ نہیں لگایا تو ہمارا قصور ہے ۔ ۔ ۔ ماں باپ نے تو اپنا قرض پُورا کر دیا ۔

ابراہیم : شاید فرض اسی قدر نہیں ہوتا خالہ فیروزہ ۔

حمیدہ : سنو ابراہیم مَیں ماں ہُوں ۔ میں لمبی بات نہیں کروں گی ۔ ۔ تم کو اگر وہ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ کیا نام ہے اس کا ۔

صائمہ : پُشکلا باجی

حمیدہ : پُشکلا باجی پسند ہے تو تم اس سے شادی کرو ــــ شوق سے کرو ۔

فیروزہ : کیا کہہ رہی ہیں آپ آپا ۔

نواز : آپا

بیگ : سُنو اس کی بات ۔

حمیدہ : ہاں کرے ۔ ۔ ۔ ۔ ابراہیم میرا بیٹا ہے ۔ ضرور کرے مَیں اس کے ساتھ ہوں لیکن پہلے پُشکلا کو مسلمان کرلے ۔ ۔ ۔ ۔ پھر شادی کرنا ۔

ابراہیم : اماں جی ۔۔۔ وہ ۔۔۔ دراصل ۔۔۔

حمیدہ : میری طرف سے تمہارے ابا جی کی طرف سے ۔۔۔ تمہارے ماموں نواز خالہ فیروزہ کی طرف سے سب کی طرف سے اجازت ہے ۔۔۔ لیکن ــــ لڑکی یا مسلمان ہو یا اہلِ کتاب ہو۔

ابراہیم : وہ تو یقیناً ہماری مثال دیکھ کر اور ہمارا کردار ۔۔۔ دیکھ کر ہو جائے گی ۔۔۔ خود بخود ۔۔۔ ایک دن۔

بیگ : دیکھو ابراہیم اسلام میں مِن مِن مِن نہیں ہے۔ تاویلیں تو جہیں نہیں چلتیں ۔۔۔ ہم اپنی عقل سے اپنی منطق سے قرآن کے اصُولوں کو موڑ توڑ نہیں سکتے۔ کچھ لوگ اپنی منشا کے مطابق قرآن کو انٹرپریٹ کرتے ہیں وہ بڑا گناہ کرتے ہیں۔ جو منع ہے سو منع ہے ــــ جو حلال ہے سو حلال ہے جو مکروہ ہے سدا مکروہ رہے گا۔

حمیدہ : بھئی تمہیں ہمارا یقین نہ آئے تو تم خود قرآن پڑھ کر اپنی تسلّی کر لو۔

ابراہیم : میرا تو خیال تھا کہ یہ بُدھ لوگ شاید یہ بھی پُرانی اُمتوں میں سے ہیں ۔۔۔!

نواز : اب یہ تو تمہارا خیال ہے نا ابراہیم تم اپنی آرزو کے مطابق تاویل نکال رہے ہو۔

بیگ : کوئی جبر نہیں۔ کوئی زبردستی نہیں ــــ تم خود پڑھے لکھے ہو ــــ خود تلاش کر لو ۔۔۔ اگر اہلِ کتاب سے علاوہ بھی کسی کا حکم آیا ہو تو ہم سر جھکا دیں گے چپ چاپ!

ابراہیم : مجھے افسوس ہے کہ میں آپ سب کی رائے سے اتفاق نہیں کر سکتا ۔۔۔ جس وقت میں کُشکلا ملندا سے ملا تھا مجھے معلوم تھا وہ بُدھ مت سے تعلق رکھتی ہے ۔۔۔ پھر بھی ۔۔۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ میں صرف اُسی کے ساتھ شادی کروں گا۔

بیگ : تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہاری اس حرکت کے بعد ــــ تمہاری اس ذلیل حرکت کے بعد صائمہ کی ہونے والی سسرال اپنے وعدے کی پابند رہے گی ۔۔۔ یاد

رکھو ابراہیم بیگ سب لوگ ہماری طرح فراخدل نہیں ہوتے ...... ہم تمہیں شاید
معاف کردیں گے تمہاری ماں شاید اس ملیدے کو اپنی بہو بھی بنالے گی لیکن صائمہ
کی منگنی ٹوٹ جائے گی اور خاندانی لوگوں میں شریف لوگوں میں منگنی ٹوٹنا نکاح
ٹوٹنے کے برابر ہوتا ہے۔

(صائمہ بھاگ کر ابراہیم سے لپٹتی ہے۔)

صائمہ : میری خاطر نہیں ــــ میری خاطر نہیں ابراہیم بھائی ....

ابراہیم : آپ شُپشکلا کو کہہ رہے ہیں اس کی خاطر تو میں اپنے آپ کو بھی چھوڑ سکتا ہوں۔

حمیدہ : اگر لڑکی مسلمان ہو جائے ــــ یہ کارِ ثواب بھی ہوگا .... ابراہیم اور تمہاری
خوشی بھی پوری ہوگی۔

صائمہ : (بلبلا کر) میری خاطر نہیں ابراہیم بھائی ــــ خدا کے لیے ... نہیں۔

(ابراہیم سے لگ کر رونے لگتی ہے وہ لاتعلقی سے صائمہ کے سر پہ پیار کرتا ہے۔)

کٹ ــــــــــــ

سین ۲۲

ان ڈور

شام

(جس طرح پچھلے سین میں صائمہ ابراہیم کے ساتھ لگ کر رو رہی ہے بالکل ویسے
ہی شُپشکلا ابراہیم کے سینے پر سر رکھ کر رو رہی ہے وہ بے دھیانی میں اس کے
سر پہ ہاتھ پھیرتا ہے۔)

ابراہیم : (اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہیں) ٹھیک ہے — ٹھیک ہے پُشکلا.... میں کوئی تم پر بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا.... آخر تمہارا بھی ضمیر ہے۔

پُشکلا : کاش تم نے یہ ڈیمانڈ نہ کی ہوتی ابراہیم

ابراہیم : میں کبھی یہ .... آرزو ظاہر نہ کرتا — لیکن میری مجبوری ہے پُشکلا۔

پُشکلا : اگر مَیں بیاہی جاتی.... اور خود اپنی آنکھوں سے تم لوگوں کی مثال دیکھتی.... میرا دل اسلام کی طرف ویسے ہی مائل ہو جاتا جیسے سارے مالدیپ کے لوگوں کا — مراکش سے آنے والے صرف ایک درویش کو دیکھ کر ہو گیا تھا.... لیکن .... ابراہیم.... ابھی میں اسلام سے محبت نہیں کرتی مجھے صرف....

ابراہیم : میں جانتا ہوں۔

پُشکلا : مَیں .... صرف تمہیں حاصل کرنے کے لیے .... یہ نہیں کر سکتی.... مجھے یہ بہت گھٹیا بات لگتی ہے.... کہ میں اندر سے بدھستوا کی پجارن رہوں اور اُوپر سے محض تم کو حاصل کرنے کے لیے کلمہ پڑھ لوں....

(دونوں تھوڑی دیر تک خاموش رہتے ہیں۔)

ابراہیم : تو اب میں جاؤں۔

پُشکلا : تم ناراض ہو....

ابراہیم : نہیں میں سوچ رہا ہوں کہ .... اب .... ہم دونوں کیا کریں گے.... کسی پر آکسیجن بند ہو جائے تو عموماً وہ کیا کرتا ہے۔

پُشکلا : مَیں تو سری لنکا واپس چلی جاؤں گی ابراہیم — وہاں ایک بہت بڑا ماڈل ہیلتھ پروجیکٹ بن رہا ہے مہاولی پروجیکٹ میں اس میں consume ہو جاؤں گی....

ابراہیم : اور میں....

پُشکلا : تم ؟ ــــ مریض عام طور پر immunity develop کر لیتے ہیں بیماری سے چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں۔

ابراہیم : یہ بھی صرف ڈاکٹروں کا خیال ہے۔

پُشکلا : ہاں (رونے لگتی ہے لیکن منہ پھیر لیتی ہے پھر اپنے پرس سے کارڈ کی ایک چابی نکال کر اُسے دیتی ہے) ہم سنہالی بدھوں میں یہ چابی ایک ٹونا ہوتی ہے۔ جب محبت کرنے والے ایک دوسرے کے ساتھ نباہ نہ کر سکیں ابراہیم تو وہ بھوج پتر سے ایک چابی کاٹ کر اپنے محبوب کو واپس کر دیتے ہیں تاکہ اس پر کوئی پابندی نہ رہے۔کوئی بائنڈنگ نہ رہے۔ وہ آزاد ہو جائے۔

ابراہیم : ہمارے یہاں بھی جبر و اکراہ کی مناہی ہے ــــ

(وقفہ)

جانے سے پہلے مجھے اطلاع دو گی پُشکلا ــــ

(پُشکلا نفی میں سر ہلاتی ہے۔)

ابراہیم : I love you Pushkala!

پُشکلا : (آہستہ) I love you more Ibrahim!

ابراہیم : Love in the afternoon Pushkala?

پُشکلا : (روتے ہوئے) Love in all seasons Ibrahim!

کٹ ــــــــــ

سین ۲۳
ان ڈور
رات

(ابراہیم اپنے بیڈ روم میں۔ اس کے اردگرد اسلامی کتابوں کا انبار ہے وہ خود سر پر رومال باندھے قرآن پڑھ رہا ہے۔)

کٹ ______

سین ۲۴
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(ابراہیم اپنے کارخانے میں مختلف شعبوں میں کام کر رہا ہے۔ اس کا چہرہ اُداس اور سُستایا ہوا ہے۔ ایک جگہ جہاں وہ بڑی مصروفیت کے ساتھ انسپکشن کر رہا ہے اذان سپر امپوز ہوتی ہے اور وہ جیب سے ٹوپی نکال کر سر پر لیتا ہے۔)

کٹ ______

سین ۲۵
اِن ڈور
صبح کا وقت

(ابراہیم اپنے دفتر کی کُرسی پر بیٹھا ہے۔ سامنے اسلامی کتابوں کا انبار لگا ہے وہ ایک کتاب پڑھ رہا ہے۔ فون کی گھنٹی بجتی ہے وہ اُٹھاتا ہے۔
اب سکرین پر ایک طرف ابراہیم اور دوسری جانب پُشکلا کی تصویر آتی ہے۔)

پُشکلا : میں کل سری لنکا جا رہی ہوں ابراہیم!
ابراہیم : کل — اتنی جلدی — کس وقت؟
پُشکلا : بس کسی وقت
ابراہیم : تم چاہتی ہو کہ میں سارا دن ایئر پورٹ پر بیٹھا رہوں انتظار میں۔
پُشکلا : نہیں مَیں چاہتی ہوں کہ تم bitter-end تک موجود نہ ہو... میں تمہارے سامنے رخصت ہونا نہیں چاہتی۔
ابراہیم : پلیز — آخری بار۔
پُشکلا : کچھ فائدہ نہیں ہے ابراہیم — ہر آخری بار سے ایک اور آخری بار نکل آتی ہے.... ہمیشہ — کچھ فائدہ نہیں۔
ابراہیم : پلیز... پُشکلا! میں جنگلے کے پاس کھڑا رہوں گا۔
پُشکلا : نہیں ابراہیم... مَیں سری لنکا جانا چاہتی ہوں اپنے پاپا کے پاس۔ خدا حافظ ابراہیم۔
ابراہیم : خدا حافظ پُشکلا —

پُشکلا : صائمہ کو بتا دینا۔۔۔کہ۔۔۔۔ میں اُسے ہمیشہ یاد رکھوں گی ــــ ہمیشہ۔

ابراہیم : تمہیں صائمہ اچھی لگتی ہے کہ ابراہیم۔۔۔۔

پُشکلا : جب تک صائمہ نہیں دیکھی تھی تب تک تم اچھے لگتے تھے۔۔۔۔ اب صائمہ اچھی لگتی ہے۔

ابراہیم : پُشکلا!

پُشکلا : Don't ask any questions, please. ــــــ خدا حافظ۔

ابراہیم : خدا حافظ ــــ کلاک ٹاور کو میرا اسلام۔۔۔۔ ملندا صاحب کو میرا اسلام۔

پُشکلا : کیا اب بھی تمہاری آنکھوں کا رنگ براؤن ہے ابراہیم ؟

ابراہیم : ہاں ــــ

پُشکلا : میں سمجھی اتنی صدیاں بیت گئی ہیں تو رنگ ضرور بدل گیا ہوگا۔

(فون جلدی سے بند کر دیتی ہے ابراہیم پُشکلا پُشکلا کہتا رہ جاتا ہے۔)

کٹ ــــــــــ

سین ۲۶

آؤٹ ڈور

دوپہر

(ابراہیم بڑی تیزی کے ساتھ کوٹھی کے پورچ میں داخل ہوتا ہے۔ جلدی سے کار سے نکلتا ہے پھٹاک سے اس کا دروازہ بند کرتا ہے اور پھر بھاگ کر اندر کی طرف لپکتا ہے۔ اندر کمروں میں تیزی کے ساتھ چلتا ہے۔۔۔۔ کٹ ٹو کٹ۔۔۔

اپنی اماں کے کمرے میں پہنچتا ہے جو پلنگ کی پائنتی کمبل تہہ کر کے رکھ رہی ہیں اور ابھی پلنگ پر بستر پوش ڈالنے ہی والی ہیں۔ ابراہیم ہڑبڑایا گھبرایا اور پھولی ہوئی سانس کے ساتھ چوکھٹ پر آتا ہے۔)

ابراہیم : اماں! اباجی کہاں ہیں؟

حمیدہ : کیوں! خیر ہے۔

ابراہیم : میں پُوچھ رہا ہوں اباجی کدھر ہیں اور آپ میری خیریت پُوچھ رہی ہیں۔

حمیدہ : (چوکھٹ کی طرف آتے ہوئے) اپنے کمرے میں نہیں ہیں۔

ابراہیم : وہاں نہیں ہیں۔

(تیزی سے چلا جاتا ہے۔)

حمیدہ : (اس کے پیچھے آوازیں دیتی ہوئی) ابراہیم — ابراہیم.... کیا بات ہے بیٹا۔

(ابراہیم کو پھر تیزی سے گیلری میں جاتے دکھاتے ہیں۔ وہ ایک کمرے کے اندر سر ڈال کر پُوچھتا ہے۔)

ابراہیم : خالہ جان اباجی کدھر ہیں؟

فیروزہ : (جس نے سر پر مہندی لگا رکھی ہے اور بڑے شیشے کے سامنے کھڑی ہے) ابھی یہاں تھے نواز بھائی کے ساتھ — کیوں خیر ہے۔

ابراہیم : (جھٹک کر پلٹتے ہوئے) سب خیر ہے خالہ جان۔

(جب پلٹتا ہے تو ماں پھر اس کو آواز دیتی آجاتی ہے۔ خالہ فیروزہ بھی اپنے کمرے سے نکلتی ہیں۔ اب دونوں عورتیں اس پریشان نوجوان کے پیچھے تیزی سے چلنے لگتی ہیں۔ ابراہیم لمبے لمبے ڈگ بھرتا ڈرائنگ روم میں جاتا ہے جہاں اباجی اور نواز ماموں بیٹھے ہیں اور اباجی کے ہاتھ میں ایک پرانی کتاب ہے اور وہ جھوم جھوم کر کہہ رہے ہیں۔)

بیگ : یہ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا .... نواز بھائی .... حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سبحان اللہ۔

ابراہیم : ابا جی ہم سے تو ایک زبردست بھول ہو گئی کارخانے میں۔

بیگ : کیا ہو گیا کیا ہو گیا۔

ابراہیم : آپ کو بھی شاید اس کا علم نہیں لیکن .... میں تو پریشان ہو گیا ہوں۔

(دونوں خواتین بھی آجاتی ہیں۔)

بیگ : کیا ہوا بیٹے۔ تم اس قدر گھبرائے ہوئے کیوں ہو۔

ابراہیم : وہ میں آج اکاؤنٹس دیکھ رہا تھا.... لیجرز اور کیش بکیں تو مجھ پر انکشاف ہوا کہ ہمارے اکاؤنٹنٹ نے زبردست گھپلا کر دیا ہے!

بیگ : منظور نے!

ابراہیم : جی

حمیدہ : دیکھا میں نہ کہتی تھی یہ منظور ایک نہ ایک دن گل کھلائے گا۔ اس کی شکل ہی ایسی ہے۔

بیگ : (خوفزدہ سراسیمہ) ٹھہرو حمیدہ بات تو سُن لینے دو۔

ابراہیم : میں نے اپنے آٹھوں کے آٹھوں اکاؤنٹس چیک کئے ابا جی، میری تو روح فنا ہو گئی بیلنس دیکھ کر۔

بیگ : لیکن چیک بکیں تو تمہارے پاس ہوتی ہیں۔

نواز : انڈر لاک اینڈ کی نہیں رکھتے ابراہیم بیٹے۔

ابراہیم : وہ تو سیف میں ہی ہوتی ہیں ماموں جان لیکن ہمارے سارے اکاؤنٹس کے بیلنس میں فرق ہے۔

بیگ : بیلنس فرق ہے؟ یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

ابراہیم : جی !— ان سب میں سُود جمع ہے ابا جی۔ سُود !

بیگ : (سکون کے ساتھ) مَیں سمجھا خدانخواستہ کوئی فراڈ ہو گیا ہے۔

ابراہیم : میں نے پوچھا منظور صاحب سے تو انہوں نے کہا یہ تو شروع ہی سے چل رہا ہے اسی طرح سے۔

نواز : وہ تو بھئی ....

ابراہیم : میں نے پُوچھا ابا جی کو معلوم ہے خدانخواستہ ! تو کہنے لگا معلوم ہی ہو گا۔ میں نے کہا یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے تو خاموش ہو گیا — اکاؤنٹ نمبر ۹۸ میں ستائیس ہزار سُود کا جمع ہے۔ ۵۷۔ ڈی میں نوے ہزار سے بھی اُوپر ہے — صرف چلنت اکاؤنٹ ٹھیک ہے گیارہ سو چھیالیس نمبر کرنٹ اکاؤنٹ — اس میں کوئی سُود نہیں۔

نواز : وہ بیٹا ... بات یہ ہے ... کہ تجارت میں تو سُود کے بغیر کام چلتا ہی نہیں۔

ابراہیم : لیکن یہ تو حرام ہے ماموں جان تجارت ہو یا نا تجارت۔ ہم تو نہیں لے سکتے کسی بھی صورت میں۔

نواز : ہم تو نہیں لے سکتے لیکن ساری دُنیا سکڑ کر اس وقت ایک مختصر سی آبادی بن گئی ہے۔ دوسرے ممالک لیتے ہیں۔ لیتے بھی ہیں اور دیتے بھی ہیں .... اور ان کے ساتھ ہمارے کاروبار بندھے ہیں۔ مجبوری ہے !

بیگ : مجبوری ہے تو اس لعنت کو اپنائے بیٹھے ہیں ابراہیم بیٹا ورنہ کس مسلمان کا دل چاہے گا خدا کی نافرمانی کرنے کو۔

ابراہیم : ابا جی —! ابا جی —!!

بیگ : یہ سسٹم ہی ایسا ہے ابراہیم میاں کہ اس میں ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں— ہم سب کے سب من حیث القوم مجبور ہیں۔

ابراہیم : اے مرے باپ! پھر تو میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی قوم صریح گمراہی میں ہے۔

نواز : اصل میں اگر یہ سسٹم تبدیل ہو جائے ابراہیم بیٹا تو پھر ہر شخص اس لعنت سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے۔

ابراہیم : اگر سارا سسٹم کھانے پینے اور ایٹنگ ڈرنکنگ میں مصروف ہو تو کیا آپ اپنا روزہ توڑ دیں گے۔

حمیدہ : خدا نہ کرے بیٹا ہم کیوں توڑیں روزہ۔

ابراہیم : اور اگر سارا سسٹم شرک میں مبتلا ہو تو آپ خدائے واحد کو چھوڑ کر کوئی اور معبود بنا لیں گے۔

بیگ : نعوذ باللہ نعوذ باللہ ـــــ یہ بات نہیں ہے بیٹے۔ یہ تو ایک مجبوری اور ایک بے بسی ہے۔ ہم انٹرنیشنل ٹریڈ میں دوسروں کے ساتھ برابر کے شریک ہیں اور ان کی وجہ سے اور ان کے ....

ابراہیم : لیکن میں ڈرتا نہیں ہوں ان سے جن کو آپ شریک کرتے ہیں۔

بیگ : میں تمہارے اس جذبے سے بہت خوش ہوا ہوں ابراہیم۔

حمیدہ : اب تو خدا کے فضل سے نواز بھائی، آپ کا بھانجا صبح و شام باقاعدگی سے تلاوت کرتا ہے۔

فیروزہ : نور بھی تو آ گیا ہے چہرے پر ماشا اللہ

ابراہیم : آپ کی مہربانی ہے خالہ جان لیکن ہم تو شدید عذاب میں پکڑے جانے والے ہیں ـــ مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ ہم کیا کھا رہے ہیں ـــ اب تک تو جو ہو گیا سو ہو گیا اباجی، اس میں معافی کی گنجائش ہے لیکن آج کے بعد سے میں سارے بنک اکاؤنٹ کرنٹ کھاتے میں کر رہا ہوں۔

بیگ : اس کا کیا فائدہ ہوگا۔

ابراہیم : فائدہ ! ـــ کرنٹ اکاؤنٹ میں سُود نہیں ہوتا اباجی۔

بیگ : ایک تم نے سود نہ لیا تو اس سے سسٹم تھوڑی بدل جائے گا۔ رقم تو بنک ہی میں رہے گی اور بنک ساری دنیا میں سُود پر چل رہے ہیں۔ ان کا بزنس ہی یہی ہے۔

ابراہیم : یہ آپ کا سسٹم کا فلسفہ بھی خوب ہے۔ اس دن بھی میری سمجھ میں نہیں آئی تھی آپ کی بات کہ ایک دو چار کی مدد کرنے سے کیا حاصل جب تک سسٹم نہ بدلے۔

نواز : ایک ایک دو دو لوگوں کی مدد کرنے سے بمشکل کوئی فائدہ نہیں ہوتا ابراہیم میاں۔ یہ تو سارا نظام ہی تبدیل ہونا چاہیئے تاکہ ہر ایک کا بھلا ہو ـــ ایک ساتھ۔

ابراہیم : یہ بھی اچھا بہانہ ہے ماموں جان کہ جب تک سب کی مدد نہیں ہوگی ایک ساتھ ہم ایک دو کی مدد بھی نہیں کریں گے۔ جب تک سارے معاشرے کو ہیلتھ اور میڈیکل ٹریٹمنٹ کی سہولت نہیں ملے گی اس وقت تک ہم ایک دو مریضوں کا بھی علاج نہیں کریں گے، ان کی تیمارداری نہیں کریں گے۔

بیگ : نظام کی تبدیلی ضروری بنیاد ہے بیٹا ـــ اس کے بغیر قومیں ترقی نہیں کرتیں اور نظام تبدیل کرنا حکومتوں کا کام ہوتا ہے ابراہیم ـــ ہم جیسے اِکا دُکا لوگوں کا نہیں۔

نواز : اور پھر یہ تو سُود بھی نہیں جیسے تم سُود سمجھ رہے ہو یہ تو ایک طرح کا منافع ہے۔ ایک ٹریڈ ہے۔

ابراہیم : آج سے چودہ سو برس پہلے بھی لوگ یہی کہتے تھے ماموں جان کہ تجارت بھی تو آخر سُود جیسی چیز ہی ہے ـــ حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سُود کو حرام ـــ پھر جس کو اپنے رب کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آگیا تو جو پہلے لے چکا وہ اس کا رہا۔ اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے لیکن جو کوئی پھر بھی سُود لے گا تو یہ لوگ دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ـــ

بڑی رعایت مل رہی ہے اباجی پونے بائیس لاکھ کا سُود مختلف کھاتوں میں
ہمارا رہا — معافی مانگ لیں گے کہ ہمیں اب نصیحت پہنچی لیکن آئندہ کے لیے
ختم —— میں اکاؤنٹ بدلوا رہا ہوں — آج ہی !

بیگ : اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا بیٹے۔ معاشرے میں گند بدستور موجود رہے گا۔
سسٹم نہیں تبدیل ہو جائے گا ساری دُنیا کا تمہارے اس اقدام سے معاشرے
کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور ہمارا نقصان ہو جائے گا۔

ابراہیم : تو آپ اسے ترک نہیں کریں گے۔ سیز فائر نہیں کریں گے خدا کے ساتھ !

بیگ : مجبوری ہے بیٹا۔ لاچاری ہے —— کون شوق سے لیتا ہے۔ کس کو خواہش ہے
لیکن یہ چکر ہی ایسا ہے اور ہم سب سسٹم کی تبدیلی تک اس لعنتی چکر سے
بندھے ہوئے ہیں۔

نواز : یہ امر مجبوری بھائی جان ورنہ کس کا دل چاہتا ہے حرام کھانے کو اور کھلانے
کو تمہارے جیسے معصوم اور پاک بچوں کو —— اپنی اولاد کو۔

ابراہیم : (جیب میں ہاتھ ڈال کر چابیاں نکالتے ہوئے) واقعی آپ بہت مجبور اور بے بس
لوگ ہیں۔ اللہ آپ پر فضل کرے۔ (چابیاں دکھا کر) یہ رہیں آپ کے کارخانے
کی چابیاں اباجی —— میں معافی چاہتا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ مل کر خدا
اور اس کے رسولؐ کے ساتھ مزید جنگ نہ کر سکوں گا۔

حمیدہ : یہ تو کیا کہہ رہا ہے ابراہیم۔

ابراہیم : میں نے متوجہ کر لیا ہے اپنا رُخ اس کی طرف جس نے بنائے آسمان اور
زمین اور میں نہیں شرک کرنے والا۔

بیگ : (غصے سے) اور تم ہمیں کو مشرک سمجھتے ہو۔

ابراہیم : اگر آپ خدا کے سوا اور کسی چیز پر تکیہ کرتے ہیں اور اس کو اپنا وسیلہ سمجھتے

ہیں تو بے شک آپ گمراہوں میں سے ہیں۔

بیگ : (غصہ سے چابیاں لے کر) تم سمجھتے ہو ایسی گیدڑ بھبھکیاں دے کر تم مجھے خوفزدہ کر لو گے۔

حمیدہ : اسے سمجھاؤ نواز ـــ محبت کے ساتھ سمجھاؤ۔

بیگ : جس کو صحیح چیز کا علم ہی نہ ہو اس کو محبت سے سمجھانے کا فائدہ !

ابراہیم : اے میرے باپ احاطہ کر لیا ہے میرے رب کے علم نے سب چیزوں کا۔ کیا تم سوچتے نہیں ہو۔ وہ علیم مطلق ہے اور یہ اسی کا حکم ہے ـــ خدا حافظ۔

حمیدہ : ابراہیم .... ابراہیم .... اسے روکیں مرزا جی .... روکیں ....

بیگ : جانے دو اس نئے سکالر کو .... دو دن بھوکا رہا تو عقل ٹھکانے آ جائے گی۔

فیروزہ : ابراہیم کو روکیں نواز بھائی۔

بیگ : خبردار جو کوئی اپنی جگہ سے ہلا تو .... دیکھے ہیں ایسے میں نے بہت سے مادر پدر آزاد ! یہ نئی نسل ہے ہی ایسی .... جانے دو اس کو .... دفع ہونے دو۔

(دونوں عورتیں اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر ہچکیاں لیتے ہوئے رونے لگتی ہیں۔)

کٹ

سین ۲۷

آؤٹ ڈور

دن کے مختلف اوقات

(شہر کے مختلف گوشوں اور سڑکوں اور پارکوں میں ابراہیم سڑک کے کنکروں

کو ٹھوکریں مارتا ہوا پھر رہا ہے۔)

کٹ ——————

سین ۲۸
آؤٹ ڈور
دوپہر

(لاہور ائیر پورٹ۔ بوئنگ جہاز کراچی جانے کے لیے تیار ہے۔ سواریاں جہاز کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ گُشکلا بھی کندھے پر اپنا نائیٹ بیگ لٹکائے جہاز کی طرف بڑھ رہی ہے اور بار بار پلٹ کر دیکھ رہی ہے۔ وہ ذرا رُکتی ہے اور پھر چاروں طرف نگاہ دوڑا کر دیکھتی ہے۔

دُور بہت دُور "وی آئی پی" لاؤنج والی سائڈ پر ابراہیم ایک چھوٹے سے پیڑ کے نیچے کھڑا ہے اور گُشکلا کو جہاز پر سوار ہوتے دیکھ رہا ہے۔ جہاز کا دروازہ بند ہوتا ہے اور جہاز ٹیکسی کرتا ہوا رن وے کی طرف جا رہا ہے۔

ابراہیم اپنی جیب سے گتے کی چابی نکالتا ہے اور اس کو چھوٹے پیڑ کی شاخوں کے ساتھ باندھ دیتا ہے۔ ہَوا کے زور سے وہ چابی زور سے گھومتی ہے۔ بوئنگ کے انجنوں کا شور تیز اسپوز ہوتا ہے جہاز چاہے نظر نہ آئے ابراہیم آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا وہاں سے نکلتا ہے اور کنکروں پتھروں کو چھوٹی چھوٹی ٹھوکریں مارتا چل دیتا ہے۔ چابی ہوا کے زور سے پھڑ پھڑا رہی ہے۔)



خواری اور سرداری

کردار :

ساحرہ	:	ایک خوبصورت نوجوان لڑکی۔ ٹی وی پروڈیوسر
فضل	:	عمر پنتالیس برس۔ ریٹائرڈ کرکٹر
رضوان شاہ	:	بہت شاندار بیٹسمین
تہمینہ	:	نوجوان، خوبصورت
ماں	:	رضوان سے محبت کرنے والی۔ حساس عورت
افتخار	:	کرکٹ کی کمنٹری کرنے والا ایکسپرٹ
		اور دوسرے



سین ا
ان ڈور
دن کا وقت

(جس وقت ٹیلپ بند ہوتا ہے ہم بڑے سٹوڈیو میں آتے ہیں۔ یہاں اس وقت خوب افراتفری ہے۔ کیمرے اِدھر اُدھر سیٹ کئے جا رہے ہیں۔ ساحرہ کاظمی ان کو ہدایات دے رہی ہیں۔ لائیٹنگ کرائی جا رہی ہے۔ یہ دراصل رضوان شاہ کے انٹرویو کا پروگرام ہے۔ فضل محمود انٹرویو کرنے والی جگہ بیٹھے ہیں اگر فضل مہیا نہ ہوں یا رضامند نہ ہوں تو کوئی ایکٹر ان کی جگہ رکھ لیجئے۔ ساری افراتفری میں ساحرہ ان کے پاس چھوٹی سی ڈائری کھولے آتی ہے اور انسٹرکشنز دیتی ہے۔)

ساحرہ : فضل صاحب آپ پلیز ذرا اِن فارمل رہیں۔

فضل : ضرور

ساحرہ : لوگ یہ نہیں جاننا چاہتے کہ رضوان شاہ کا ٹیسٹ ریکارڈ کیا ہے۔ اس نے اپنے پہلے ٹسٹ میں کتنا سکور کیا اور اب اس کی اوسط کیا ہے۔ بلکہ لوگ رضوان سے ملنا چاہتے ہیں۔ اس سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی وہ گھر میں کیا ہے۔ اس کے دوستوں، اس کے عزیزوں . . .

فضل : اب میں مکمل طور پر statistics کو ایوائڈ بھی نہیں کر سکتا۔ رضوان کا کیریئر ہی ایسا ہے۔

ساحرہ : نہیں آپ اس کے ٹسٹ کیریئر کا analysis ضرور کریں لیکن slant اس کی پرسنل لائف پر رکھیں۔ بس اس بات کا خیال رکھیں کہ اس وقت لوگوں کی اس میں جان ہے۔ آئی ایم سوری میں آپ کو ایسے ہی بریف کر رہی ہوں آپ

بہتر جانتے ہیں (تالی بجاکر) یہاں پانی لاکر رکھو۔ کتنی دفعہ کہا ہے میں نے۔ اور سپرے کرو خوب دباکر۔ ایک مکھی آجایا کرتی ہے ہمیشہ ریکارڈنگ کے وقت سارے پروگرام میں پارٹی سپیٹ کرتی ہے۔

——— کٹ

سین ۲

ان ڈور

دن کا وقت

(اس وقت رضوان میک اَپ روم میں میک اپ کرا رہا ہے۔ میک اَپ مین بڑی توجہ سے میک اپ کر رہا ہے۔)

میک اَپ مین : رضوان صاحب اس بار جو آپ ویسٹ انڈیز میں کھیلے ہیں اس کا جواب نہیں ذرا چہرہ اُوپر کریں۔

رضوان : شکریہ!

میک اَپ مین: اگر آپ ڈبل سنچری نہ کرتے سر تو پاکستانی ٹیم کبھی جیت ہی نہیں سکتی تھی۔ آپ کا سکور نکال دیں تو باقی کل ڈیڑھ سو رنز رہ جاتی ہیں۔

رضوان : نہیں بھئی میرے تمام ساتھی اچھا کھیلے۔ اب یہ قسمت کی بات ہے کہ میرے پاؤں جم گئے۔

میک اَپ مین : قسمت نہیں سر جیسا آپ کو اندازہ ہے (کنگھی کو پکڑ کر) جیسا آپ بیٹ اینڈ بال کا ملاپ کراتے ہیں کہ ٹک . . . . (کنگھی سے ہٹ کر) چھکا . . . .

(میک اَپ روم کا دروازہ کھول کر ساحرہ سر نکالتی ہے۔)

ساحرہ : آر یُو تھرو سر ؟

رضوان : بالکل (اُٹھتے ہوئے) تھینک یُو۔

میک اَپ مین: (ہاتھ ملاتے ہوئے) میری بڑی خواہش تھی آپ کا میک اپ کرنے کی۔ آج خدا نے پُوری کر دی۔ آج میری زندگی کا سب سے لکی دن ہے سر۔

رضوان : تھینک یُو۔

میک اَپ مین: تھینک یُو سر۔ خدا حافظ

کٹ ____________

سین ۳

ان ڈور

دن کا وقت

(ٹیلی ویژن کا کوری ڈور۔ یہ سین ڈائیلاگ کے بغیر ہے۔ اس کے بیک گراؤنڈ میں یہ گیت لگائیں۔ سپر مین .... وی لو یُو .... وی نیڈ یُو ....، سپر مین۔ پروڈیوسر اور رضوان کوریڈور میں آتے ہیں اور چلتے جاتے ہیں۔ راستے میں انہیں کئی آدمی ملتے ہیں جو تمام کے تمام رضوان کو بڑے اشتیاق سے دیکھتے ہیں اور سلام کرتے ہیں۔)

کٹ ____________

سین ۳۔ اے
ان ڈور
دن کا وقت

(سٹوڈیو — پروڈیوسر وی۔ٹی۔آر۔ رولنگ کی آواز دیتا ہے۔اب کیمرہ انٹرویو کرنے والے فضل اور رضوان شاہ پر آتا ہے۔)

کٹ ———

سین ۴
ان ڈور
دن کا وقت

(اُوپر کے کُوبّحہ میں تمام انجینیئر پروڈیوسر وغیرہ ایسے محتاط کھڑے ہیں جیسے وہ پروگرام ریکارڈ کر رہے ہیں۔ ساحرہ ایک ٹیلی ویژن پر دیکھتی ہے اس پر اس وقت رضوان شاہ کی تصویر آ رہی ہے۔ کیمرہ پاس جاتا ہے۔)

رضوان : میں حیدر آباد سندھ کا رہنے والا ہوں۔ دراصل میری والدہ سکھر کی ہیں اور میرے ابا رنی کوٹ کے پاس ایک گاؤں ہے وہاں کے ہیں لیکن میں نے وہیں حیدر آباد میں آنکھ کھولی۔ کیونکہ میرے والد وہاں سیٹل ہو گئے تھے۔

فضل : بہن بھائی ؟

رضوان : میں اکیلا ہوں سر۔ ایک بہن تھی وہ بچپن ہی میں مر گئی۔ مجھ سے بڑی تھی۔

فضل : بڑا افسوس ہُوا سُن کر ۔۔ ناظرین ۔۔ میں رضوان کے ٹسٹ کیریئر کے متعلق ابھی کچھ سوالات کروں گا۔ لیکن ایک بنیادی سوال ذہن میں آتا ہے ۔

رضوان : جی ۔ فرمائیے ۔۔

فضل : کیا آپ کے خاندان میں پہلے کوئی کھلاڑی رہا ؟ یعنی میرے پُوچھنے کا مطلب ہے کہ کیا کرکٹ آپ کو ورثہ میں ملی ہے کہ یہ خداداد صلاحیت صرف آپ کو ملی ۔ اپنے خاندان میں ؟

رضوان : میرے ماموں ملاکھڑا کے بہت بڑے چیمپئن تھے اپنے علاقے میں ۔ بلکہ اب بھی ہیں آپ ملاکھڑا سمجھتے ہیں سائیں ۔

فضل : کُشتی ہے غالباً ایک خاص قسم کی !

رضوان : بالکل بالکل ۔ یہ ہمارے سندھ کی خاص کُشتی ہے اس میں حیا داری کا بہت خیال رکھا جاتا ہے ۔ میری ماں چاہتی تھی کہ میں پڑھ لکھ کر انجینیئر بنوں ۔ اگر کبھی وہ مجھے ماموں کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے دیکھتی تو بہت لڑتی ۔

فضل : تو پھر یہ کرکٹ کیسے شروع ہوئی ؟ اس کی اُمنگ کیسے پیدا ہوئی ؟

رضوان : میرا خیال ہے فضل صاحب جس آدمی کو جو کام کرنا ہوتا ہے اس کے لیے سبب بھی خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں ۔ میں کرکٹ میچ دیکھنے جایا کرتا تھا مجھے کرکٹ کا بہت شوق تھا میچ دیکھنے کا ۔ لیکن یہ بالکل معلوم نہیں تھا کہ ایک دن اچانک میں بھی کھلاڑی بن جاؤں گا ۔

کٹ ــــــــــــ

(کیمرہ ماہر بہت زیادہ پبلک دکھا کر فرنٹ پر رضوان کو جنگلے کے ساتھ کھڑا دکھاتے

ہیں۔ پھر کٹ کر کے دکھاتے ہیں اندر میچ ہو رہا ہے۔ یہ میچ کسی غیر معروف ٹیم کا ہونا چاہیئے ۔۔۔ اس کے بعد ٹیم کا ایک کھلاڑی جو کالج سٹوڈنٹ لگتا ہے جنگلے تک آتا ہے اور رضوان سے کچھ کہتا ہے۔ اس کے بعد ہم کٹ کر کے دکھاتے ہیں۔ رضوان کرکٹ کے لباس میں فیلڈ میں داخل ہو رہا ہے۔

اِن ڈور ۔۔۔ رضوان اور انٹرویو کرنے والے پر کیمرہ آتا ہے۔ ساتھ ہی وہ کیمرے بھی دکھائے جاتے ہیں جو انٹرویو ریکارڈ کر رہے ہیں۔)

فضل : (حیرانی سے) یعنی پہلی اننگز میں آپ نے پہلی مرتبہ سنچری کر لی۔

رضوان : میں خود آج تک نہیں جان سکا ۔۔۔ یہ ۔۔۔ کیسے ہُوا؟ میں تو اس کھیل کو بھی اچھی طرح نہیں سمجھتا تھا۔ سلی مڈ آن مڈ آف گلی وغیرہ لیکن میرا خیال ہے اس روز مجھے خدا نے کرکٹ کھیلنے کے لیے چُن لیا تھا جیسے کچھ درختوں کو اللہ سائیں سلیکٹ کرتا ہے کہ ان پر پھل آئے گا۔ اور کچھ ۔۔۔ بالکل اتنی عمر اور اسی قد کے درخت ہوتے ہیں، ان پر کوئی پھل نہیں لگتا۔

فضل : آپ سپر نیچرل پر اعتبار کرتے ہیں؟

رضوان : دیکھیئے میرے پاس کوئی ثبوت تو نہیں ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کچھ باتیں، کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں جو آدمی کو لاجیکلی منطقی طور پر سمجھ آجاتے ہیں وہ اس کے analysis میں فٹ بیٹھتے ہیں لیکن کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں جن کی ہم کوئی ایکس پلینیشن نہیں دے سکتے۔ اب میرے متعلق مشہور ہے کہ میں نے جتنی سنچریاں لنچ سے پہلے بنائی ہیں، آج تک کسی پاکستانی کرکٹر نے نہیں بنائیں۔

فضل : یہ تو حقیقت ہے رضوان بلکہ میں کہوں گا کہ اس معاملے میں آپ کے ورلڈ ریکارڈ ہیں آپ سکور کرتے ہیں اور بہت فاسٹ کرتے ہیں۔ ایک طرح سے آپ کو ہم compulsive hooker کہہ سکتے ہیں۔

رضوان : میں سمجھتا ہوں یہ بالکل سپر نیچرل بات ہے۔ میرے پاس اس کی کوئی منطقی دلیل نہیں یہ بالکل اللہ سائیں کی قدرت ہے۔

فضل : اچھا رضوان ابھی تک آپ نے بیالیس ٹسٹ میچ کھیلے ہیں یہ ویسٹ انڈیز سمیت — یہ بتائیں آپ کو سب سے زیادہ خوشی کب ہوئی ہے؟

رضوان : یہ سیریز جو ہم نے اس بار ویسٹ انڈیز کے خلاف جیتی ہے اس نے مجھے بے حد خوشی دی ہے۔ آپ دیکھیں ویسٹ انڈیز کے پاس کولنز ہے، ٹڈ در تھ ہے، فلائیٹی ہے۔ ان کا تو گیارھواں کھلاڑی بھی بیٹ ہے اور چھ فاسٹ باؤلر ہیں ان کی ٹیم میں میرا خیال تھا اس مرتبہ ہم تنکوں کی طرح اُڑ جائیں گے ہوا میں لیکن یہ ایک اور سپر نیچرل بات ہوئی۔ وہ سیریز میں ایک میچ بھی جیت نہیں سکے۔ اور ہم لوگ.... جیت گئے۔

فضل : یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا رضوان!

رضوان : یہ شاید آپ کہہ سکتے ہیں سر لیکن میں نہیں کہوں گا ساری کوشش، ساری ایفرٹ، ہر طرح کی جدوجہد اور know-how کے باوجود کوئی ایسی پاور ضرور ہوتی ہے جو در پردہ فتح کو شکست میں اور شکست کو فتح میں بدلتی رہتی ہے۔ اور skill کا یا super skill کا کوئی زور ہی نہیں چلتا۔

فضل : ایک پرسنل سوال پوچھنے کی اجازت دیں رضوان؟ مائینڈ نہ کریں آپ۔

رضوان : ضرور پوچھیں۔ اگر مائینڈ کرنے والی بات ہوئی تو وہ بھی کر لیں گے لیکن آپ پوچھیں سائیں پوچھیں۔

فضل : لوگوں کو خاص کر آپ کی female fans کو آپ کی شادی میں بڑی دلچسپی ہے۔ کیا آپ بتائیں گے کہ ابھی تک آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟

رضوان : میرا خیال ہے فضل صاحب شادی بذاتِ خود ایک فُل ٹائم جوب ہے۔ اور جن

لوگوں کی شادیاں ہوئی بھی ہیں، وہ سوائے شادی نبھانے کے اور کوئی کام ہی نہیں کر سکے — اور جو بھی آدمی .... (وقفہ) ضروری نہیں وہ کرکٹر ہو — بلکہ جو بھی آدمی اپنے پروفیشن میں گہری دلچسپی لیتا ہے وہ ایکٹر ہو ڈاکٹر ہو — سائنسدان ہو، پائیلٹ ہو، ہاکی پلیئر ہو اس کا پروفیشن اسے شادی نہیں کرنے دیتا۔ کرکٹ میرا اوڑھنا بچھونا ہے۔ جب میں اسے طلاق دے دوں گا تو شادی کے متعلق بھی سوچ لوں گا۔ اس سے پہلے نہیں۔

فضل : لوگ کہتے ہیں آپ کسی فارن لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔

رضوان : میں سمجھتا ہوں فارن لڑکیاں ہماری لڑکیوں جتنی attractive نہیں ہوتیں۔ وہ بڑی ہڈل سی ہوتی ہیں۔ آئی ایم سوری ....

(فضل تالی بجاتا ہے اور ہیئر ہیئر کہتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی کٹ کرکے ہم تہمینہ پر آتے ہیں۔)

کٹ ————

سین ۵
ان ڈور
شام

(برآمدے میں رضوان اور تہمینہ بیٹھے چائے پی رہے ہیں۔ رضوان پوری کٹ میں ہے اور جیسے نٹ پریکٹس پر جانے والا ہے۔)

تہمینہ : بڑی شیخی نہ مارو — پھر میں نے یہ کیا پھر میں نے وہ کیا۔ آنٹی تمہارے لیے دعائیں

مانگتی رہتی ہیں ہر وقت۔ ورنہ ڈک پر آؤٹ ہو جایا کرو ہمیشہ۔ اور ٹوپی ماتھے پر کھینچ کر نکلا کرو فیلڈ سے ـــــ سر جھکا کر۔

رضوان : پھر وہ دُعا کرنے والی ماں کس کی ہے؟ اتنی پہنچی ہوئی!

تہمینہ : میری!

رضوان : میری ماں پر بھی قبضہ!

تہمینہ : تمہاری کسی نہ کسی چیز پر تو قبضہ کرنا ہی ہے نا چاہے جبراً ہی کیوں نہ ہو۔

رضوان : تم نے جانا نہیں۔ مَیں پریکٹس کے بعد سیدھا گھر آؤں گا جیسے گھوڑا تھان پر واپس آتا ہے۔

تہمینہ : نہ سائیں نہ۔ (بازو سے پکڑ کر) دس منٹ بیٹھ سکتے ہو تو بیٹھ جاؤ ـــ نہیں تو اِدھر تم گئے اور اُدھر ہم۔ تمہاری نٹ پریکٹس کا کیا پتہ۔ وہاں سے تم لندن چلے جاؤ ـــ ٹھیک کہتے ہیں یہ اخبار والے کہ تم لوگ بڑے mercenary ہوتے ہو۔ جہاں پیسہ دیکھتے ہو میچ کھیلنے چلے جاتے ہو۔

رضوان : (رُک کر بیٹھ جاتا ہے) کیا مطلب ہے تمہارا ویسٹ انڈیز سے واپسی پر یہ بات تم نے مجھے چار مرتبہ کہی ہے۔ (اس کی ناک پکڑتا ہے) بولو!

تہمینہ : ناک چھوڑو تو جواب دوں۔

رضوان : لو چھوڑ دی اب بتاؤ ـــ ہم لالچی ہیں؟

تہمینہ : ہاں تم لوگ بہت لالچی ہو ـــ نہ گیم کی خاطر کھیلتے ہو نہ ملک کی خاطر ـــ صرف (روپیہ ٹنکا کر) روپے کی خاطر کھیلتے ہو یا اپنا ریکارڈ بنانے کی خاطر۔

رضوان : مَیں؟ ـــ روپے کی خاطر کھیلتا ہوں مَیں؟

تہمینہ : ہاں تم بھی!

رضوان : یہ اتنا ہی بڑا الزام ہے جیسے میں کہوں تم صرف میری شہرت کی وجہ سے مجھ

سے محبت کرتی ہو۔ اگر میں اتنا بڑا سپر سٹار نہ ہوتا تو تم اندھوں کی طرح (تہمینہ اس کے کندھے پر مکے مارتی ہے) میرے پاس سے گزر جاتیں۔

تہمینہ : ہمیں ہیں ـــــ ہیں ہیں۔

رضوان : اب میں تمہیں ایک ہلکا مکا ماروں تو کالربون ٹوٹ جائے ـــ بٹیس مین کا ہاتھ معلوم ہے کیا ہوتا ہے۔

تہمینہ : لو مارو ـــ (کالر بون ننگی کرتی ہے۔ رضوان مکا تانتا ہے۔ اسی اثنا میں ماں ہاتھ میں پلیٹ لیے آتی ہے۔)

ماں : ہیں ہیں یہ کیا ہو رہا ہے۔

(یکدم تہمینہ رونے لگتی ہے۔)

تہمینہ : آنٹی مجھ پر اتنا ظلم ہو رہا ہے اور آپ پکوڑے تلنے میں لگی ہیں یہ آپ کا پیارا رضوان میری ہڈی توڑنے لگا ہے۔

(ماں محبت سے رضوان کے کندھے پر ہاتھ رکھتی ہے۔)

ماں : یہ تو باہر کے ملکوں سے بس یہی سیکھ کر آیا ہے رضوان۔

رضوان : جب یہ مجھے مکے مار رہی تھی ماں تب تو کہاں تھی۔

ماں : اس کی اور بات ہے . . . . یہ لاکھ مارے چوٹ تھوڑی لگتی ہے۔ پھول جتنے مرضی گریں زمین پر بوجھ تھوڑا ہی ہوتا ہے ان کا۔

رضوان : اس لیے تو میں اپنے ملک واپس نہیں آنا چاہتا۔ یہاں عورتوں سے بہت زیادہ لاڈ پیار ہوتا ہے۔ باہر کے ملکوں میں کم از کم برابری تو ہے دانت کے بدلے دانت ناک کے بدلے ناک ، مکے کے بدلے مکا۔

(اس وقت اندر سے ملازم آتا ہے۔)

ملازم : سر آپ کا فون ہے۔

ماں : کون ہے ؟

ملازم : کوئی لڑکی ہے سر جی نام نہیں بتا رہی کہتی ہے مجھے وہ نہیں جانتے۔

رضوان : تو انہیں بتانا تھا میں نٹ پریکٹس کے لیے جا رہا ہوں ۔

تہمینہ : اب جاؤ فون کر لو ۔۔۔ ایک تو تم نے ان بیچاریوں کا حشر کر رکھا ہے۔

رضوان : میں نے حشر نہیں کیا ان ٹیلی ویژن والوں نے حشر کروا دیا ہے ہمیں نشر کر کر کے ۔

(چلا جاتا ہے ۔ ماں پیار سے تہمینہ کے بازو پر ہاتھ پھیرتے ہوئے)

ماں : تجھ سے میرا ایک اتنا چھوٹا سا کام بھی نہیں ہوتا تہمینہ ۔۔۔!

تہمینہ : کیا آنٹی

ماں : تو اس رضوان گدھے کو بھی پھانس نہیں سکتی ۔ ہمارے زمانے میں تو ایسا جادو کر دیتی تھیں لڑکیاں کہ مرد مکھی بن کر ساری عمر ہاتھ ملتے رہتے تھے دیوار پر بیٹھ کر اور تم کو اتنے موقع ملتے ہیں پڑھی لکھی بھی ہو، پھر بھی وہ شادی پر رضامند نہیں ہوتا۔

تہمینہ : آنٹی آپ رضوان کی شادی نہ کریں اس کی شادی ہو چکی ہے۔

ماں : توبہ اللہ سائیں ، کس سے ؟ ۔۔۔ بتا ؟ کسی میم سے تو شادی نہیں کر لی ۔ جو یہاں نہیں ٹکتا ۔۔۔

تہمینہ : رضوان نے کرکٹ سے شادی کر لی ہے آنٹی ۔ وہ کسی اور سے شادی کرنے جوگا نہیں ہے ۔

ماں : شکر اللہ ۔ میں کچھ اور ہی سمجھی تھی۔

تہمینہ : آنٹی

ماں : جی بیٹے

تہمینہ : (محبت سے) میں تمہیں چرا کے نہ لے جاؤں اپنے گھر ؟ وہاں اپنے کمرے میں رکھوں۔ نہلا دھلا کے سینٹ لگا کے بالوں میں تمہارے ہو چنبیلی کے ہار ۔۔۔ اور ہاتھوں میں ہوں گجرے ۔ کبھی باورچی خانے میں قدم نہ رکھنے دوں ۔۔۔ کبھی دھلائی کے

کپڑے نہ گننے دوں — چادریں غلاف نہ بدلنے دوں — بس پاس رکھوں ہر وقت۔
اور تمہاری خوشبو مجھے آئی جائے آئی جائے — جیسے پہلی پہلی بارش کے وقت نہیں اٹھتی
مٹی کی خوشبو۔ ہلکی ہلکی سوندھی سوندھی دھرتی کی خوشبو — ماں کی خوشبو۔

ماں : ہے نا پاگل۔ ایک اللہ نے رضوان دیا اس کا تو کچھ بھی ٹھیک نہیں۔ دوسری یہ تہمینہ مل گئی الو — اس کی عقل بھی ٹھکانے نہیں۔ ۔ ۔ ۔

تہمینہ : (دُکھ سے) تمہیں تو آنٹی سیروں کے حساب سے تہمینیاں مل سکتی ہیں۔ اتنی چونٹیاں نہیں ہوتیں بل میں جتنی بہوویں تمہیں مل سکتی ہیں پاکستان میں، باہر ولایت میں لیکن تہمینہ میں کچھ ایسا نہیں ہے کہ اسے پھر کبھی آنٹی مل سکے۔

ماں : اری پگلی تجھے ہزاروں آنٹیاں مل سکتی ہیں لیکن رضوان نہیں مل سکتا۔ اسی لیے تو میں کہتی ہوں پکڑ اسے مضبوطی سے۔ کرلے کیچ جیسے یہ سلپ پر کیا کرتا ہے۔ کچھ ایسا کہو کہ — یہ شام سے پہلے پہلے شادی کرانے پر رضامند ہو جائے تیرے سے۔

تہمینہ : کیسے آنٹی — کیسے؟ میں کوئی جوگن ہوں — جادوگرنی ہوں۔

ماں : جادوگرنی تو ٹھیک ہے بالکل۔ پر تیرے منتر کا اثر دیر تک نہیں رہتا — یہ ڈھیل ہے تیرے میں۔

تہمینہ : اچھا کوشش کروں گی پھر۔ نٹ پریکٹس تک تو وہ میرے لیے چھوڑتا نہیں۔

ماں : چھوڑے نہ چھوڑے، وہ ساری عمر کرکٹ کھیلتا رہے پر ہم دونوں کو اکٹھا کر دے — ماں بیٹی کو۔

تہمینہ : آنٹی دراصل تُو ساری دعائیں سنجریوں پر لگا دیتی ہے۔ کر تو میری بات، ایک بار شاہ لطیف سے تو کر میری سفارش، ان سے بڑی سرکار نہیں۔

ماں : یہ تو میں نے کبھی سوچا ہی نہیں — تہمینہ۔

(اندر سے رضوان آتا ہے۔ دونوں یکدم مجرموں کی طرح چُپ ہو جاتی ہیں۔)

رضوان : کیا بات ہے ؟ یہ تم دونوں خلاف توقع چُپ کیوں ہو۔ اس طرح سے۔
(ماں اور تہمینہ چوروں کی طرح ایک دوسرے کو دیکھتی ہیں۔)

رضوان : تہمینہ ؟ ___ اماں ۔ (دونوں خاموش رہتی ہیں)

______ کٹ

سین ۶
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(نٹ پریکٹس۔ اگر کوئی موجودہ عہد کا مشہور کرکٹر مل جائے اور گیسٹ آرٹسٹ ہو سکے تو اسے مدعو کیجیے۔ مثلاً عمران خاں بولنگ کر رہا ہے اور رضوان پریکٹس کر رہا ہے۔ اس کے چند خوبصورت شاٹ بنائیے۔ اگر ممکن نہ ہو تو کوئی اور کرکٹر لگا کر پریکٹس دکھائیے۔ نہ ہو سکے تو ایڈٹنگ کر کے باؤلر الگ لیجیے اور رضوان الگ وغیرہ وغیرہ۔)

______ کٹ

سین ۷
ان ڈور
دن کا وقت

(کار میں رضوان ایک واپڈا جیسی بلڈنگ کے سامنے آکر کار پارک کرتا ہے۔ پھر

اندر جاتا ہے — اندر سے ہو کر وہ جیسے اپنے یونیورسل بنک میں داخل ہوتا ہے۔ کٹ کر کے دکھاتے ہیں کہ وہ بنک کے ایک دفتر میں جہاں وہ ملازم ہے بیٹھا ہے اور کام کر رہا ہے۔ فون آتا ہے۔)

رضوان : ہیلو۔ رضوان شاہ۔ جی بول رہا ہوں۔ جی — جی — جی۔ بالکل زونل مینجر ہوں اس بنک میں آپ کی انفرمیشن درست ہے جی — بس یہ کچھ رواج سا ہے کہ ہم لوگوں کو یا تو ایئر کمپنیاں یا پھر بنک لے لیتے ہیں۔ جی کام بھی کرتا ہوں۔ مجھے کافی اچھا لگتا ہے یہ کام — جی ہاں کافی آسان ہے۔ اگلے مہینے جی انشا اللہ — فارم میں ہیں سب اللہ سائیں کے فضل سے۔ کیوں نہیں ضرور ملوں گا۔ خدا حافظ۔

(اب اس کے میز پر بے تحاشا اخبار پڑے ہیں وہ ان اخباروں کو دیکھتا ہے۔ ان میں جا بجا اس کی تصویریں سپورٹس پیج پر موجود ہیں۔ اسی اثنا میں فون آتا ہے۔ پی اے سے کہتا ہے کہ لگاؤ۔)

رضوان : ہیلو — جی بول رہا ہوں فرمایئے — جی بی بی میں رضوان شاہ ہی بول رہا ہوں (فون رکھتا ہے) کمال ہے۔ سیدھا ہی آئی لو یو۔ (فون اُٹھا کر) تھینک یو مس۔ (پھر اخبار دیکھتا ہے — فون کی گھنٹی بجتی ہے۔)

رضوان : ہاں لگاؤ — جی — جی بول رہا ہوں — (کمر کرسی کے ساتھ لگا کر) آپ کی مہربانی ہے سر — آج تک ایسا اتفاق نہیں ہوا — کہ میں ڈک پر آؤٹ ہوا ہوں۔ ہو سکتا ہے۔ جی میٹر تو بہت کچھ کرتا ہے۔ پریکٹس۔ پیچ۔ فٹ واک۔ ریفلیکسز لیکن سب سے زیادہ اللہ سائیں کی رحمت میٹر کرتی ہے۔ میں ذاتی طور پر ڈیمینڈ کرتا ہوں۔ باقی سب دل لگی ہے۔

(اب ملازم اندر آتا ہے۔)

ملازم : سر کچھ لڑکے لڑکیاں آپ سے ملنے آئے ہیں۔

رضوان : اندر بھیجو۔

ـــــــــ کٹ

سین ۸
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(یہ حصہ بنانے کے لیے بڑے تخیل اور انوویشن کی ضرورت ہے جس قدر اسے خوبصورتی سے بنایا جائے گا اسی قدر اس کا اثر ہو گا۔ ظاہر یہ کرنا مقصود ہے ـــ کہ ہماری پاکستانی ٹیم جس میں تمام سُپر سٹار ہیں، ان ہی میں ایک رضوان شاہ بھی کھیل رہا ہے۔ آسٹریلیا کے ساتھ یا پھر وہ میچ جو ہندوستان سے پہلے کھیلے گئے دیکھنے پڑیں گے ان میں سے مناسب ٹکڑے لگائے جائیں۔ سب سے پہلے عمران خان بال کرتا آتا ہے۔ گریگ چیپل دکھایا جائے ساتھ ہی سلپس میں ماجد خان وغیرہ کھڑے ہیں یہ میچ کچھ عرصہ جاری رہے پھر باؤنڈری پر رضوان کو دکھایا جاتا ہے۔ وہ ایک کیچ پکڑتا ہے۔ پبلک کا ہاؤہو اور شور شرابا دکھایا جائے۔

اب رضوان بیٹ لئے کریز پر کھڑا پوری طرح کنسنٹریٹ کر رہا ہے۔ کٹ کر کے للّی کو دکھاتے ہیں۔ اس کے اُوپر پبلک کا شور سپر امپوز کیجئے۔ اب سکور بورڈ پر کیمرہ آتا ہے۔ سکور بورڈ پر رضوان کا سکور ۱۵۴ ہے۔)

سین ۹
ان ڈور
دن کا وقت

(یہ کمنٹری افتخار احمد یا چشتی مجاہد سے کروائی جائے۔)

افتخار : (کمنٹری کرتے ہوئے جس قدر ایکسپریشنز رضوان شاہ کے لیے استعمال کر سکتا ہے کرتا جائے اور اس کے پس منظر میں تماشائیوں کا شور اُبھرتا رہے۔)

کٹ ــــــــــ

سین ۱۰
آوٹ ڈور
دن کا وقت

(پنواڑی کی دکان ۔ یہ سین از راہِ کرم سٹوڈیو میں مت فلمائیں۔ کوئی چلتی پھرتی گنجان آباد علاقے میں پنواڑی کی دکان ۔ کچھ گاہک کھڑے ہیں ۔ پنواڑی بھی محو ہے ۔ ایک کار رُکتی ہے وہ بھی سر نکال کر پان لگوانے کے بجائے کمنٹری سننے لگتا ہے۔)

کمنٹری : یہ للّی کا دسواں اوور تھا۔ اب آرہے ہیں برائیٹ ۔ یہ آسٹریلیا کے زبردست سپنر ہیں اور بڑے نپے تلے بال دیتے ہیں۔ برائیٹ نے بال کو گھمایا .... رضوان نے جانچ کر بال کو جانے دیا۔ اور ایمپائر نے نو بال کا اشارہ کیا۔ برائیٹ کی پچھلے اوور میں بھی کوشش رہی ہے کہ وہ رضوان کو ایسے بال کھیلنے پر آمادہ کریں

لیکن رضوان نے بلا اُٹھا کر بال کو جانے دیا۔ اس طرح پاکستان کا کل سکور تین سو بائیس —— اور رضوان شاہ کا سکور ۱۶۵ ۔

کٹ ——————

سین ۱۱
ان ڈور
دن

(ایک چھوٹا سا خاندان جس میں ایک جوان لڑکی، ایک بوڑھا نانا جس نے ہیئرنگ ایڈز لگا رکھی ہے، ماں اور ایک جوان آدمی تمام کے تمام ریڈیو سے جُڑ کر کمنٹری سُن رہے ہیں۔
اب انگریزی میں کمنٹری جاری رہتی ہے جس میں بتایا جاتا ہے کہ رضوان کا سکور ایک چھکے کے بعد ۱۶۹ ہے۔)

کٹ ——————

(ایک ویران علاقے میں اُونٹ پر ایک شخص سوار جا رہا ہے۔ کچھ بچے تختیاں لیے بستے لٹکائے آ رہے ہیں۔)

اونٹنی سوار : شاوا جوانو ۔ رضوان شاہ دا کی سکور اے ؟
ایک بچہ : چاچا اک سو ستر۔

اونٹنی سوار : ماشا اللہ ماشا اللہ۔ اللہ خوش رکھے۔ پاکستان دی عزت رکھ لئی اے ۔ ماشا اللہ
اک سو ستر۔ شاوا اوئے سوہنیا۔ جیوندا رہ۔

کٹ ________

سین ۱۲
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(ایک نوکرانی بہت سے کپڑے نلکے کے پاس رکھے دھونے میں مشغول ہے۔ ایک پندرہ سولہ برس کی لڑکی پاس سے گزرتی ہے۔)

نوکرانی : صدقے جاواں بی بی۔ اپنا رضوان کتنے اپڑ گیا اے۔

لڑکی : ایک سو اسّی رنز ہوئے ہیں صغراں۔

نوکرانی : لے اجے پہلے دی توں میتوں ایہو دسیا سی۔ ہور ہو گئے ہونے نیں دس وی۔

لڑکی : نہیں ابھی ایک سو اسّی ہی ہیں۔

نوکرانی : انشا اللہ میرا غازی پتر کئی سو رنز کرسی۔ . . . میں مسیتے تیل پان جانا اے شامی . . . اللہ سچیا میرے رضوان شاہ کوں فتح دے۔ سوہنے بادشاہ لال قلندر دے طفیل جھولے لالن دے . . .

کٹ ________

سین ۱۳
ان ڈور
دن

(آپریشن تھیٹر کی ٹاپ لائٹس سے آہستہ آہستہ کیمرہ نیچے آتا ہے۔ اب ایک آپریشن جاری ہے۔ مریض لیٹا ہوا ہے۔ نرس ڈاکٹر کو قینچی پکڑاتی ہے اور زیرِ لب کہتی ہے۔)

نرس : ڈاکٹر صاحب دو چھکے اُوپر تلے۔
(بہت آہستہ بولتی ہے۔)
پریشان کر دیا ہے للّی کو رضوان نے۔ رونے والا ہو گیا ہے۔

ڈاکٹر : (آہستہ) God be praised-- Bless him God--

کٹ ــــــــــ

سین ۱۴
ان ڈور
دن

(ایک فیشن ایبل عورت غسلخانے کا دروازہ دھڑ دھڑاتی ہے۔)

بیگم : کیا کر رہے ہیں آپ اندر۔ دوبارہ رضوان beat ہو چکا ہے۔ باہر نکلیں....

مرد : (اندر سے) کیا کہہ رہی ہو....

بیگم : باہر نکلیں یہ کوئی نہانے کا وقت ہے ــ ڈبل سنچری میں صرف چھ رنز رہ گئے ہیں

اور آپ نہائی جا رہے ہیں۔

(اب مرد جسم پر تولیہ باندھے، سارے جسم پر صابن لگائے باہر نکلتا ہے۔)

مرد : کیا ہوا بھئی۔ آؤٹ تو نہیں ہو گیا؟

بیگم : خدا نہ کرے۔ لیکن کچھ ہو چلا تھا ابھی ابھی۔ وہ تو قسمت اچھی تھی لاک ہارٹ سے گر گیا۔

مرد : کچھ تو نہیں ہوا ناں۔

بیگم : نہیں پھسل گیا لاک کے ہاتھ سے۔

مرد : میرا تو ہارٹ فیل ہو چلا تھا۔ ابھی نکلا۔ ابھی تم چلو ٹیلی وژن کے آگے..... اُٹھو نا خدا کے لیے.....

کٹ ــــــــــــ

سین ۱۵

ان ڈور

دن

(اس وقت ایک پوش آفس میں ایک سیکرٹری لیول کا آفیسر بیٹھا ہے۔ اس کے سامنے دو اور معتبر اور امیر آدمی بیٹھے ہیں۔)

آفیسر : ٹھیک ہے ٹھیک بریڈمین کا بڑا نام ہے ـــ اس جتنی سنچریاں کسی نے سکور نہیں کیں ـــ لیکن حضور شیخ صاحب اب کرکٹ وہ نہیں ہے جو بریڈمین کے زمانے میں تھی....

شیخ : سر کا خطاب ملا ۔ سر ڈان بریڈمین ۔

آفیسر : آج کا رضوان شاہ ہو اور اُس زمانے کے باؤلرز ہوں تو کم از کم دس سنچریاں بنائے رضوان شاہ ۔ اور آج کے فاسٹ باؤلر ہوں اور بریڈمین صاحب کے ہاتھ میں بیٹ ہو تو شاید اس کا سکور کبھی پندرہ سے آگے نہ بڑھ سکے ۔

ملک : آپ مان کیوں نہیں لیتے سر کہ مغرب کے کھلاڑیوں میں زیادہ پوٹینشل ہے ۔

آفیسر : میں پوٹینشل کو تو نہیں مانتا، یہ ضرور مانتا ہوں کہ سارا ماس میڈیا ان کے پاس ہے ۔ سپیڈ ناپنے والی مشینیں ان کے پاس ہیں ۔ وہ جس کو چاہیں رات کی رات میں سپر سٹار بنا سکتے ہیں ۔

شیخ : یہ کبھی نہیں مانا کرتے ـــ ان کے نزدیک رضوان شاہ دُنیا کا بہترین بیٹس مین ہے ۔

آفیسر : اس کا فٹ ورک دیکھیں ۔ اس کی ٹائمنگ دیکھیں اس کے ریفلیکسز ۔ وہ بال کو صرف بلّے سے ٹچ کرتا ہے اور بال باؤنڈری کے پار ۔ کبھی زور لگا کر نہیں کھیلا ۔ آپ نوٹ کریں باقی کھلاڑی grammarians ہیں ۔ وہ شاعر ہے ـــ اس کا ہر سٹروک، اس کی ہر ڈلیوری ایک غزل ہے ۔ وہ کھیلتا نہیں، ردم میں ٹیک آف کرتا ہے ۔

شیخ : یہ تو آپ مانیں گے کہ ہمارے کھلاڑی دیرپا گیم نہیں کھیلتے اور سٹیڈی نہیں ہوتے ۔ یقین نہیں رکھتے ۔

آفیسر : ہمارے کھلاڑی کہ ہمارے عوام ؟

ملک : کیا مطلب سر !

آفیسر : وہ لوگ آج بھی اپنے میڈیا کے بل بوتے پر بریڈمین کے بُت کو براسو لگا کر چمکاتے رہتے ہیں ۔ ہمارا کچھ مزاج ہی ایسا ہے کہ ہم بہت جلد خار کھانے لگتے ہیں ۔ جس فیلڈ میں ہم کچھ کر نہیں سکتے وہاں بھی ہم نقص نکالنے سے باز نہیں آتے

.... جس بات کی اے بی سی نہیں جانتے اس کے ایکس وائی زیڈ پر تنقید کرنے لگتے ہیں۔

ملک : یعنی تنقید ہونی ہی نہیں چاہیئے۔

آفیسر : ایسی تنقید نہ ہو کر سب کچھ ٹوٹ پھوٹ ہی جائے۔ کھنڈر ہی کھنڈر ہوں، آبادیاں ختم ہو جائیں۔

شیخ : ویسے اس وقت رضوان شاہ اپنی peak پر ہے۔

آفیسر : اور اس کے بعد؟ کیا مطلب آپ کا؟

کٹ ———————

سین ۱۶
آؤٹ ڈور
دن

(رضوان شاہ بیٹ لیے فیلڈ سے باہر نکلتا ہے۔ کچھ لوگ ڈھول بجا رہے ہیں۔ دو نوجوان لڑکے اس کے سامنے قدموں میں پھول نچھاور کرتے ہیں وہ گیٹ تک آتا ہے۔ یہاں کچھ لڑکے لڑکیاں اس سے آٹو گراف لیتے ہیں۔ پیچھے ڈھول کی آواز جاری رہتی ہے۔)

کٹ ———————

سین ۱۷
ان ڈور
شام کا وقت

(رضوان قالین پر اوندھا لیٹا ہے۔ اس کے ارد گرد خط اور اخبار بکھرے پڑے ہیں۔
وہ ایک خط پڑھ رہا ہے۔ تہمینہ صوفے پر دونوں ٹانگیں رکھ کر بیٹھی ہوئی ہے۔)

رضوان : سنو سنو کیا ٹرٹر لگائی ہے تم نے۔ لکھتی ہے۔ رضوان جب تم بیٹ پکڑ کر فیلڈ میں آتے ہو تو پتہ نہیں کیوں میرا دل دھک دھک کرنے لگتا ہے۔

تہمینہ : کون ہے یہ ڈھولک کی بچی۔ دھک دھک کرنے والی۔

رضوان : میں دعائیں کرتی ہوں کہ میرا رضوان کم از کم ڈبل سنچری کرکے آئے۔

تہمینہ : میرا رضوان۔ یہ اپنا نہیں بنتا، تیرا کہاں سے بن جائے گا۔

رضوان : سُنو اور جیلس مت ہو۔

تہمینہ : اتنی ساری لڑکیوں سے جیلس نہیں ہوا جا سکتا۔

رضوان : (پڑھتے ہوئے) اس میچ میں تم نے سبز رومال کیوں گلے کے گرد نہ باندھا۔ پتہ ہے تم اس کے بغیر ادھورے لگ رہے تھے۔

تہمینہ : بند کرو ان خطوں کو۔ کل صبح سفر۔ اور آج ساری شام یہ خط . . . .

رضوان : تمہارا خیال ہے وہاں سیریز جیتنے کے بعد میں آؤں گا نہیں۔

تہمینہ : کیا پتہ تمہارا۔ وہاں دل لگ گیا تو وہیں رہ جاؤ۔

رضوان : میں mercenary ضرور ہوں لیکن بے وفا نہیں۔

(ماں اندر آتی ہے۔)

تہمینہ : رضوان ذرا جا کر اپنا سامان دیکھ لے۔ میں پلنگ پر لگا آئی ہوں۔

رضوان : ٹھیک ہے ماں پیک کر دیں۔ ٹھیک ہی ہوگا۔

ماں : اُٹھ کر ایک نظر دیکھ تو لے۔ اُٹھ شاباش!

رضوان : ایک میں پہلے اتنا تھکا ہُوا ہوتا ہوں اُوپر سے میری ماں تھکا دیتی ہے پر یڈ کرا کر۔

(چلا جاتا ہے۔)

ماں : پھر مانا بھوت؟

تہمینہ : ان تلوں میں تیل نہیں ہے آنٹی۔

ماں : تُو نے دھمکی دینی تھی کہ تیرے ماں باپ کہیں اور شادی کر رہے ہیں تیری۔ تو ایک دن نہیں ٹھہر سکتی۔

تہمینہ : وہ کہتا ہے ماں باپ ہمیشہ ٹھیک ہی سوچتے ہیں۔ جاؤ شادی کرالو جہاں وہ کہتے ہیں۔

ماں : بے شرم۔ کمینہ!

تہمینہ : اوپر سے شرط یہ لگا رہا تھا کہ شادی کے بعد بھی ملتی رہنا مجھے اور اماں کو۔ چھوڑ نہ دینا ہم دونوں کو۔ ہم بہت اچھے لوگ ہیں۔

ماں : ہے نا بیوقوف!

تہمینہ : پتہ نہیں کیوں اب مجھے لگتا ہے آنٹی کہ ... کہ

ماں : کہ — کیا؟

تہمینہ : کہ واقعی میری شادی کہیں اور ہو جائے گی۔ پھر میں کچھ — یہاں آتی رہوں گی ڈھٹائی کے ساتھ .... پھر آہستہ آہستہ میں بھی دنیا دار ہو جاؤں گی۔ اپنے شوہر کی خاطر گھر بار کی وجہ سے سب کچھ چھوٹ جائے گا .... پھر نہ آنٹی یاد رہیں گی نہ رضوان .... صرف یہ یاد رہے گا .... کہ آدمی کی ہر خواہش پُوری نہیں ہوتی .... اور جو خواہش پوری نہیں ہوتی وہی سب سے پیاری ہوتی ہے۔

ماں : کیسی باتیں منہ سے نکال رہی ہے!

تہمینہ : میری زندگی کا کوئی مطلب نہیں۔ کوئی مقصد نہیں۔ کوئی ڈائرکشن نہیں۔ پھر بھی میں منہ اُٹھا کر یہاں آجاتی ہوں اچھی طرح جانتے ہوئے....

رضوان : (پردے سے سر نکال کر) گارڈ کہاں رکھے ہیں ماں۔ ایک تو تجھے میرے سامان کا پتہ ہی نہیں چلتا.... مروا دے گی ایک دن کریز کے اندر۔

کٹ ________

سین ۱۸
ان ڈور
دن

(یکدم فیلڈ کا بوتھ نظر آتا ہے۔ اس میں افتخار احمد بیٹھا ہے پھر افتخار کا کلوز اَپ لیتے ہیں اور اس کی زبانی کمنٹری جاری کرتے ہیں۔)

افتخار : Rather surprising to watch Rizwan Shah in this match. The giant batsman looses all his confidence and plays an irresponsible game. He was beaten once in the first innings and left the field at zero, staying at the wicket for barely fifteen minutes.....

کٹ ________

سین ۱۹

ان ڈور

دن

(ایک اخبار کا کلوزاَپ آہستہ آہستہ اخبار تہمینہ نیچے کرتی ہے اس کے گالوں پر آنسو بہہ رہے ہیں۔)

تہمینہ : دوسری اننگز میں بھی ڈک . . . یا میرے اللہ یہ کس دشمن کی بددُعا ہے۔ یہ کیا ہو گیا ہے۔ کیوں ہو گیا ہے۔

(منہ ہاتھوں میں لے کر بیٹھ جاتی ہے۔)

کٹ ________

سین ۲۰

ان ڈور

دن

(فون کا چونگا ہاتھ میں لیے ماں فون سُن رہی ہے۔)

ماں : جی نہیں آپ نے ٹھیک جگہ فون کیا ہے۔ میں ہی رضوان کی ماں ہوں. . . . ٹھیک ہے آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی وجہ سے دونوں میچ ہم نے ہارے ہیں۔ لیکن رضوان بے قصور ہے ــــ دیکھیے ــــ

(جیسے آگے کوئی بولتا جا رہا ہے۔)

آپ سنتے تو ہیں نہیں میں جواب کیا دوں ؟ . . . . بہت سی وجوہات ہو جاتی ہیں۔
ہونی اور ان ہونی . . . . سُنیئے کبھی یہ ممکن ہے کہ کوئی پاکستانی . . . . خاص کر کرکٹر . . . .
میری بات سُنیئے ـــ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ وہ جان بُوجھ کر ہارے . . . . کوئی بھی پاکستانی
کھلاڑی۔ آپ رضوان کو گالیاں مت دیجئے۔ جو کچھ بھی آپ کو کہنا ہے مجھے کہیں
ـــ ٹھیک ہے جی . . . . آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں . . . . درست ہے . . . . اگر
میں آپ سے اتفاق کرتی ہوں تو بھی آپ نہیں مانتے . . . . جی سارا قصور اسی
کا ہے وہ بڑا لفنگا ہے رات رات بھر جاگنے والا . . . . بدمعاش ہے۔ لُچا ہے۔
آوارہ گرد . . . . جی

(روتے روتے فون بند کرتی ہے۔)

وہ توجہ سے نہیں کھیلا . . . . جم کر نہیں کھیلا۔

ـــــــــــ کٹ

سین ۲۱

ان ڈور

دن

(ایک لڑکی جیسے کالج سے اپنے کمرے میں آتی ہے یہ بڑی ماڈرن لڑکی ہے۔ وہ کمرے
میں آتی ہے۔ کتابیں رکھتی ہے۔ پھر اس کی نظر سامنے پوسٹر پر پڑتی ہے۔ یہ وہی پوسٹر
ہے جو بعد میں آخری سین میں لگایا جائے گا وہ غصے سے پوسٹر کے پاس جاتی ہے
اور اسے غصے سے اُتار کر ردی کی ٹوکری میں پھینکتی ہے۔ پھر فون کے پاس بیٹھ کر

ایک فون نمبر اچھی طرح کاٹتی ہے اس وقت فون رنگ کرتا ہے۔)

لڑکی : (فون اُٹھاتی ہے) ہیلو ناشی . . . . تباہ کر دیا اس رضوان کے بچے نے . . . . میں نے تو اپنی فون بک میں سے اس کا نمبر کاٹ دیا ہے ـــ چلو گی ائر پورٹ پر شیم شیم کے پوسٹر لے کر چلیں گے ہیں ؟ کیا کھے سواہ گھولی ہے کم بخت نے۔ دراصل ان کرکٹروں کو بڑا مان ہوتا ہے۔ ان کا خیال ہوتا ہے اور کچھ نہیں تو کاؤنٹی کرکٹ تو کھیل ہی لیں گے ـــ سچی ٹھیک کہا لالچی ہوتے ہیں یہ سارے . . . . مجھے تو کرکٹ سے ہی نفرت ہو گئی ہے ـــ لعنت۔ مجھے تو اس کی شکل بُری لگتی ہے ـــ ذرا attractive نہیں۔ شوکتی مارتا ہے اپنے سٹائل کی۔ اچھا ہی ہوا . . . .

(کیمرہ اسے فون کرتے چھوڑ کر ردی کی ٹوکری پر جاتا ہے اور وہاں پوسٹر پر مرکوز رہتا ہے۔)

کٹ ـــــــــــــــ

سین ۲۲
آوٹ ڈور
دن

(یونیورسٹی میں چار پانچ موٹر سائیکلیں کھڑی ہیں۔ گھاس پر چار لڑکے بیٹھے کرکٹ ڈسکس کر رہے ہیں۔)

لڑکا ۱ : یار اندھے کو بھی پتہ چل رہا تھا کہ بال سین کر رہا ہے۔

ر ۲ : غلطی کی بس اور کیا ہے

لڑکا ۲ : ہمارے کھلاڑیوں کو ضرور ٹک کرنا ہوتا ہے ہر گیند کو۔

ر ۲ : یہ ہے سُپر سٹار کی خصوصیت۔

ر ۳ : پیکر بوائیز۔ لعنت!

ر ۱ : اس رضوان شاہ کی تو مت ماری گئی ہے پہلا میچ decidedly اس نے ہرایا۔ یار تُو دیکھ رہا ہے کہ اوپنرز کچھ نہیں کر سکے تو ذرا محتاط کھیل۔ جم کے کھیل۔ لیکن اس کی کوئی پروا ہی نہیں۔

ر ۳ : محتاط؟ یہ کھیل ہی لیں تو بڑی بات ہے کرکٹ کھیلنا ہمارے کھلاڑیوں کے بس کا روگ نہیں....

ر ۲ : یار بتیس سال بڑی عمر ہوتی ہے۔ اب رضوان شاہ کو ریٹائر ہو جانا چاہیے۔

ر ۳ : ان پیکر بوائیز نے دوسرے اچھے کھلاڑیوں کا راستہ بند کر رکھا ہے۔ ینگ بلڈ کو چانس ہی نہیں ملتا۔ بیٹھے ہیں بڈھے بابا نوح کے زمانے کے۔

ر ۱ : میں تو رضوان شاہ کی عقل پر حیران ہوں۔ باہر نکل نکل کر بال کو اٹیمپٹ کر رہا ہے۔ گدھے نظر نہیں آتا کہ بالر تجھے ٹمپٹ کر رہا ہے...

ر ۲ : مروا دیا پاکستانی ٹیم نے۔ ذلیل کر دیا۔

ر ۳ : ظالم دھوکا دیا.....

ر ۱ : رضوان شاہ کا پاسپورٹ ضبط کر لینا چاہیے ــــ حکومت کو اور یہاں روڑی کوٹنے پر لگا دینا چاہیے گندے انجن کے ساتھ۔

کٹ ــــــــ

سین ۲۳
آوٹ ڈور
دن کا وقت

(بہت سے نوجوان لڑکے "شیم شیم ۔ رضوان کی گیم ٹیم ٹیم" کے نعرے لگا رہے ہیں اور ایک بند دروازے کے آگے ہلڑ مچا رہے ہیں۔)

نعرے : رضوان بے ایمان کرکٹر مردہ باد
جھوٹی اس کی شان کرکٹر مردہ باد
خالی ہے میدان — کرکٹر مردہ باد
کلّی آن کی آن میں اُڑ گئی کیسا ہے رضوان
——— بالکل مردہ باد

(سفید ساڑھی میں ملبوس رضوان کی والدہ دروازہ کھولتی ہے تو شیم شیم کے نعرے اور بلند ہو جاتے ہیں۔ لڑکے منہ میں انگلیاں ڈال کر سیٹیاں بجاتے ہیں اور دروازے پر ٹماٹر کی بارش کرتے ہیں۔ ایک آدھ اس کی والدہ کے بھی لگتا ہے۔)

نعرے : جیسا بیٹا ویسی امی جان کرکٹر مردہ باد
کیسی جھوٹی شان ——— کرکٹر مردہ باد

(رضوان کی والدہ دکھ اور کرب کی تصویر بنی بڑی آہستگی سے دروازہ بند کر لیتی ہے۔ اور بند دروازے پر ماتھا ٹیک کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ باہر سے بدستور آوازیں آ رہی ہیں۔)

——— کٹ

سین ۲۴
ان ڈور
دن

(وہی پہلے سین والا آفیسر اپنے دو افسر دوستوں کے ساتھ)

آفیسر : نہیں سر... نہیں ملک صاحب میں ایگری نہیں کرتا..... دیکھیے رضوان شاہ اچھا کھلاڑی ہے لیکن سٹیڈی نہیں ہے۔ بریڈمین کا نام اس لیے روشن ہے کہ اس کے ساری کیریئر میں ایک احتیاط کارفرما ہے' ایک responsibility ہے۔

شیخ : ہماری بدنصیبی ہے کہ ہمارے ہاں پوٹنشل تو ہے لیکن پالیٹکس بہت ہے اس گیم میں۔

آفیسر : (آنکھ مار کر) بس عزت بنی رہنے دیں۔ پوٹنشل کی بھی بہت کمی ہے اور یہ ہم آپ جانتے ہیں اچھی طرح سے۔

ملک : یہ تو آپ نہ کہیں ہاکی کی ٹیم دیکھ لیں۔ سکواش دیکھ لیں.... بے داغ ریکارڈ ہیں۔

آفیسر : ان کا ابھی پول نہیں کھلا.... یاد ہے جرمن سے ہار کر کیا گند گھولا تھا ہماری ہاکی ٹیم نے۔

شیخ : اب آپ اس واقعہ میں تو جرمنی والوں کا ساتھ نہ دیں ناں۔

آفیسر : سپورٹس مین شپ نہیں ہے ہم میں..... ہمارے کھلاڑی ڈسپلنڈ نہیں ہیں۔ انہیں معلوم نہیں کہ ہار کیسے لی جاتی ہے۔ فیلڈ پر غصے کا اظہار کرتے ہیں کم بخت.... pitches کا رونا روتے ہیں۔ امپائرز کا دکھڑا بیان کرتے ہیں۔

This is cheap---

ملک : ایسی شکایتیں تو سب ٹیمیں کرتی ہیں — انگریز.... آسٹریلین۔ سب —

آفیسر : ولایت کا آدمی جب شکایت کرے گا' سلیقے سے کرے گا..... گریس فلی

کرے گا .... یہ رضوان شاہ جیسے معمولی کھلاڑی کا کام ہے کہ پولیٹکس لڑا کر اب تک لٹکا ہوا ہے ٹیم میں ..... اتنی عمر میں تو ریفلیکسز ہی جواب دے جاتے ہیں آدمی کے گرم ملکوں میں۔

کٹ ——————

سین ۲۵
ان ڈور
شام کا وقت

(رضوان سر جھکائے چپ چاپ بیٹھا ہے۔ تہمینہ بہت جلال میں ہے۔)

تہمینہ : مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم لڑکیوں کے اتنے شوقین ہو۔

رضوان : تم سے کس نے کہا؟

تہمینہ : میں تو سارا وقت اس دھوکے میں رہی کہ تمہیں کرکٹ سے محبت ہے، اب پتہ چلا کہ تم ایک ڈرٹی chaser ہو ....

رضوان : لیکن کیسے۔ کیسے ——

تہمینہ : تمہارا خیال ہے یہاں کوئی خبریں نہیں پہنچتیں۔ سمندر حائل ہے۔ ہمیں سب کچھ پتہ چلتا رہا ہے۔

رضوان : کیا پتہ چلتا رہا ہے؟

تہمینہ : مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم اتنے ڈرٹی اور مین ہو —— تمہیں یہی خیال رہا کہ پاکستان ڈرائی ملک ہے، جو رنگ رلیاں منانی ہیں وہ یہیں منالیں۔ شیم آن یو!

رضوان : (غصے سے) Shame on you rather!

تہمینہ : اوہ جانے دو رضوان۔ میں تم سب لوگوں کو اچھی طرح سے جانتی ہوں۔

رضوان : تم مجھ پر تنقید کرو۔ شوق سے کرو۔ لیکن ہماری ساری ٹیم کو ایک میری وجہ سے رن ڈاؤن نہ کرو۔ ہر ایک نے بڑے اچھے کھیل کا مظاہرہ کیا — اپنی پوری قوت کے ساتھ۔

تہمینہ : اس کو تم اچھا کھیل کہو گے — پہلی اننگز میں تم اکیس پر آؤٹ ہو گئے۔ دوسری میں ۳۴ پر اُڑ گئے۔ اگلے میچ میں ڈک پر دونوں مرتبہ۔

رضوان : مجھے افسوس ہے تہمینہ ۔۔۔۔

تہمینہ : افسوس کی بات نہیں رضوان — تم لوگوں نے اس ٹور کو سیریئسلی لیا ہی نہیں۔ آوارہ گردی کرتے رہے ہر وقت۔ تمہیں یہی خیال تھا کہ پاکستان ایک ڈرائی ملک ہے جو رنگ رلیاں منانی ہیں، وہ یہیں منالیں۔

رضوان : تم تو جانتی ہو کہ مجھے ان چیزوں کا کوئی شوق نہیں جن کا تم ذکر کر رہی ہو۔ اور نہ ہی میں نے کبھی اس قسم ۔۔۔۔

تہمینہ : اور جو خبریں ہم تک پہنچی ہیں، وہ غلط ہیں سب کی سب؟

رضوان : تم مجھے دس سال سے جانتی ہو تہمینہ۔ میری زندگی کا ہر پہلو تم پر روشن ہے پھر مجھ سے زیادہ خبروں پر اعتماد کر رہی ہو۔

تہمینہ : لیکن تم لوگوں نے کیوں ڈالے ہتھیار۔ تمہیں معلوم نہیں تھا کہ ہمیں صرف کامیابی درکار تھی اور فتح کے بغیر جینے کو ہم جینا نہیں سمجھتے۔

رضوان : ہم نے فتح حاصل کرنے کے لیے سر توڑ کوشش کی۔ لیکن اللہ سائیں کو منظور نہیں تھا۔

تہمینہ : بالکل نہیں کی۔ خاک نہیں کی۔ ذرہ بھر کوشش نہیں کی۔ مجھے معلوم ہے تم وہاں کس طرح کے دن اور کیسی کیسی راتیں گزارتے رہے ہو۔

رضوان : پھر وہی بات۔ یہ تم سے کس نے کہا تہمینہ ؟

تہمینہ : مجھ سے اخباروں نے کہا۔ اُس ملک کے میڈیا نے بتایا جہاں تم میچ کھیلنے گئے تھے۔ اُن کے ایک ایک شخص نے پکار پکار کر کہا کہ دیکھو تمہارے لاڈلے اس قسم کے ہیں۔

رضوان : اس سے اچھے موقع تو ہمیں ان ملکوں میں میسر آسکتے تھے جہاں شکلیں بھی اچھی ہیں، شہر بھی روشن ہیں، پارک بھی خوبصورت ہیں۔ ہمارا ایمان وہاں متزلزل نہ ہوا۔ تم اس ملک کو لے رہی ہو جہاں خدا مجھے معاف کرے، کچھ بھی نہیں۔

تہمینہ : کچھ بھی نہیں تھا تو تم لوگ اس قدر بدنام کیوں ہوئے ؟

رضوان : تم ہم کو کہہ رہی ہو تہمینہ۔ ہزار برس پہلے محمد بن قاسم کو بھی اسی طرح بدنام کر دیا گیا تھا۔ ایسی دانشمندی سے پراپیگنڈے کا چکر چلایا گیا تھا اس شریف اور پاکباز نوجوان کے خلاف جو سارے بغداد کی آنکھ کا تارا تھا کہ وہ اپنی جان دے کر بھی اپنی عزت بحال نہ کر سکا۔ سارا بغداد اس کی لاش پر لعنت ملامت کرتا رہا اور اس کی روح پر نفریں بھیجتا رہا۔ پروپیگنڈا آج کا ہو یا آج سے ایک ہزار برس پُرانا، اس کی طاقت در محراب کبھی نہیں ٹوٹتی! تاریخ کے سارے واقعات کھنڈر بن جاتے ہیں لیکن پراپیگنڈے کی محرابیں ان کھنڈرات میں جُوں کی توں موجود رہتی ہیں۔

تہمینہ : مجھے جھوٹ بول کر متاثر نہ کرو رضوان۔ مجھے تم لوگوں کی ایک ایک ڈی ٹیل معلوم ہو چکی ہے۔

رضوان : غیر کی باتوں پر اعتماد کر کے ہمیں کبھی سزا نہ دینا تہمینہ۔ اپنوں کے ایک اشارے پر چاہے ہمیں سرِعام پھانسی دے دینا، ہم خوشی سے پھندا گلے میں ڈال لیں گے۔

تہمینہ : تمہارے خلاف جتنے بھی چارجز ہیں، سب اپنوں کے لگائے ہوئے ہیں۔

رضوان : یہ سارے اپنے غیروں سے متاثر ہو کر بول رہے ہیں۔ جو شخص غیروں کی باتوں

میں آکر اپنے گھر والوں کے خلاف تلوار اُٹھالیتا ہے تہمینہ وہ بھول پنے میں غیر
کی فوج کا سپاہی بن جاتا ہے۔

تہمینہ : تم اپنے ان خوبصورت جملوں سے میرا نظریہ تبدیل نہیں کر سکتے۔ ہم سب کا ایمان
ہے کہ تم لوگ نہایت واہیات، نکمے اور اناڑی کھلاڑی ہو اور تم میں کوئی بھی
صلاحیت نہیں ہے۔

رضوان : جس کو اپنی زبان سے ایک بار اچھا کہہ دو تہمینہ، پھر اس کو اسی زبان سے کبھی
بُرا نہ کہو۔ اس سے جماعت میں انتشار پیدا ہو جائے گا۔

تہمینہ : ہم لوگ تمہاری وجہ سے کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔

رضوان : اگر ایک ہی شکست سے تم نے اپنوں کا ساتھ چھوڑ دیا تو اگلے معرکے میں دشمن
آدھی لڑائی پہلے سے جیت کر میدان میں داخل ہوگا۔

تہمینہ : ٹھیک ہے۔ جیتے۔ شوق سے جیتے ___ ہماری ساری ہمدردیاں جیتنے والے کے
ساتھ ہیں، شکست خوردہ گروہ کے ساتھ نہیں۔ خواہ وہ اپنا ہی کیوں نہ ہو۔

رضوان : پھر تو بڑی مشکل ہو جائے گی تہمینہ۔

تہمینہ : مجھے ہمیشہ یہ فخر رہا کہ تم پاکستان سے بڑی محبت کرتے ہو۔۔۔ تم نے ہمیشہ مجھے
لٹکائے رکھا۔ میں نے کبھی مائینڈ نہیں کیا کیونکہ۔۔۔۔

(رونے لگتی ہے۔)

میں سمجھتی تھی کہ تم کرکٹ کے سچے عاشق ہو۔۔۔ لیکن جب پتہ چلا کہ تمہیں
کسی سے بھی محبت نہیں ___ نہ پاکستان سے، نہ کرکٹ سے، نہ ماں جی سے۔۔۔
میں کس شمار میں ہوں۔ میں تو کچھ بھی نہیں۔ لیکن تم mercenary ہو ___
تمہیں صرف دولت کمانے کی دُھن ہے۔ سچ سچ بتانا کہیں تمہیں وہاں کسی نے
برائب تو نہیں کر دیا تھا۔۔۔۔

رضوان : (چلّاکر) شٹ اپ . . .

تہمینہ : میں جارہی ہوں رضوان . . . . اور واقعی . . . . میرے ماں باپ میری شادی کہیں اور کرکے مجھ پر احسان کریں گے۔ پہلے میرا خیال تھا کہ . . . . اگر میری شادی کہیں ہو بھی گئی . . . . تو میں تمہیں اور آنٹی کو نہیں چھوڑ سکوں گی . . . . لیکن . . . . لیکن . . . . آج تو میں تمہاری بیوی بھی ہوتی تو تمہیں چھوڑ جاتی . . . . ہمیشہ ہمیشہ کے لیے . . . .

(اُٹھ کر جانے لگتی ہے۔)

خدا حافظ۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

(چلی جاتی ہے۔)

رضوان : خدا حافظ . . . . تہمینہ . . . . (ہلکا سا ہنستا ہے ساتھ ہی آنسو اس کی آنکھوں میں آجاتے ہیں۔) یہاں سب کچھ اتنا ناپائیدار ہوتا ہے ــــ اتنا . . . . ناپائیدار . . . . ایسا غیر مستقل ؟

(اس وقت ماں آتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں کچھ پھل ہیں۔)

ماں : کہاں گئی تہمینہ ؟

رضوان : گئی !

ماں : کہاں ؟

رضوان : جہاں میری عزّت شہرت وقار . . . . مقبولیت گئی ــــ فنا کی جانب . . . .

ماں : کیا مطلب ؟

رضوان : ایک وقت ہوتا ہے . . . . ماں . . . . سورج کے چڑھنے کا . . . . پھر سورج کے غروب ہونے کا . . . . بھری دوپہر میں آدمی کو خیال بھی نہیں آتا کہ کبھی شام بھی ہوگی ۔ گھپ اندھیرا بھی ہو جائے گا . . . . آدمی کو آدمی نہیں پہچان سکے گا۔

اجنبی ہو جائیں گے لوگ ـــ

ماں : تو نے اسے روکا نہیں . . . .

رضوان : چاہا تو بہت کہ وہ رک جاتے . . . لیکن شہرت اور مقبولیت کا رنگدار غبارہ جب ایک مرتبہ پھٹ کر نیچے گر جائے تو کوئی بچہ اس کی طرف نہیں لپکتا۔ تہمینہ بھی ایک انسان ہے اور اس کو یہی کرنا چاہیے تھا جو اس نے کیا۔ میں اُسے کیسے روکتا اور وہ کیوں رکتی بھلا . . . .

(ہولے ہولے زہر خند سے ہنستا ہے۔ ماں اُسے حیران ہو کر دیکھتی ہے۔)

ـــــــــ کٹ

سین ۲۶

ان ڈور

دن

(ٹی وی سٹوڈیو میں ایک انٹرویو ریکارڈ کیا جا رہا ہے۔ تین "سوالی" ہیں اور ایک جواب دینے والا یعنی رضوان۔ اس وقت رضوان گو مسکراتا ہوا ہی نظر آتا ہے لیکن وہ اندر سے مکمل طور پر ٹوٹ چکا ہے اور کافی بجھا ہوا اور سوچ میں ڈوبا ہوا اور مایوس سا نظر آتا ہے۔)

سوالی : خواتین و حضرات اس وقت ملک کے مایہ ناز کرکٹر جو پچھلے ٹیسٹ تک یقیناً مایہ ناز کرکٹر تھے ـــ اس وقت آپ کے سامنے موجود ہیں ان کے پاس کہنے کے لیے بہت سی باتیں ہیں اور اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے کافی مواد

موجود ہے —— اب یہ آپ پر ہے —— ناظرین کرام — کہ آپ رضوان صاحب کی صفائی کو کس انداز میں لیتے ہیں اور ان کے بارے میں کیا رائے قائم کرتے ہیں —— سوال کرنے کے لیے میرے ساتھ اس ملک کے ایک عظیم ریٹائرڈ کھلاڑی جناب شوکت صاحب اور کھیل کی دنیا کے نامور صحافی جناب معصوم صاحب موجود ہیں۔ ہم تینوں، خواتین و حضرات آپ کی نمائندگی کریں گے۔ اور معاف کیجیے گا رضوان صاحب —— آپ کٹہرے کے اندر سے جواب دیں گے۔

رضوان : جی —— ضرور

شوکت : رضوان جب آپ کو معلوم تھا کہ آپ کا ایک سخت ٹیم کے ساتھ مقابلہ ہے اور آپ کو ان کی فیلڈ میں کھیلنا پڑ رہا ہے تو پھر آپ نے اس قدر غیر ذمہ داری کا ثبوت کیوں دیا؟

رضوان : میں سمجھتا ہوں —— بلکہ پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے یا ہماری ساری ٹیم نے کسی جگہ بھی غیر ذمہ داری کا ثبوت نہیں دیا —— ہم پوری توجہ اور لگن کے ساتھ کھیلے اور ہم نے ہر چیلنج کا اور ہر خطرے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

شوکت : اگر آپ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا تو پھر آپ کو شکست کیوں ہوئی؟

رضوان : شوکت صاحب انسانی برادری میں پیدا ہونے کا شرف حاصل کرنے کے بعد ہر شخص ایک انسان کی حیثیت سے ہی زندہ رہ سکتا ہے ——————

And a human being can never be more than a human

being —————— ہم نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اور شکست کھا گئے۔

معصوم : آپ کی زندگی کی شاید یہ پہلی شکست تھی —

رضوان : ہر فاتح ایک نہ ایک دن کسی دوسرے فاتح سے شکست کھا سکتا ہے معصوم صاحب۔

سوالی : لیکن ایک خود دار اور حوصلہ مند کھلاڑی کبھی بھی شکست سے دو چار نہیں ہوتا۔

رضوان : ایسے دعوے وہی لوگ کر سکتے ہیں جو زندگی بھر کسی مقابلے میں شریک نہیں ہوتے۔

شوکت : آپ کو یاد ہے فائی ٹو میں اسی شہر میں، اسی فیلڈ کے اندر اسی پچ پر میں نے ففٹی فور رنز بنائی تھیں جہاں آپ ٹونٹی ٹو پر آوٹ ہو گئے۔

رضوان : جی سر

شوکت : حالانکہ اس وقت پچ بھی خراب تھی اور ایمپائر بھی اَن فیئر تھے۔

رضوان : جی ۔۔۔ مجھے معلوم ہے۔

معصوم : پھر آپ نے کس لیے شکست کھائی اور کیوں ملک کی بدنامی کا باعث بنے ۔۔۔ ہے کوئی عذر آپ کے پاس؟

رضوان : ہم شرمندہ ہیں معصوم صاحب اور ہمارے سر ندامت سے جھکے ہوئے ہیں اور ہمارے پاس کوئی ایکسیوز نہیں۔

سوالی : ہمیں معلوم ہے کہ آپ کا اپنے کپتان سے بھی جھگڑا ہو گیا تھا اور آپ نے اس کے احکام ۔۔۔!

رضوان : یہ بالکل بے بنیاد الزام ہے۔ میرا یا ہماری ٹیم کے کسی کھلاڑی کا کپتان سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا اور ہمارے درمیان ہر طرح کی کواپریشن موجود رہی ہے۔

شوکت : کیا یہ درست نہیں کہ آپ نے اپنا ایک اور گروپ قائم کر لیا تھا جو بار بار جان بوجھ کر کیچ گراتا تھا۔

رضوان : یہ کیسے ہو سکتا ہے شوکت صاحب! آپ تو سینئر کھلاڑی رہے ہیں کیا آپ نے کبھی جان بوجھ کر کیچ گرایا؟

شوکت : آپ ہم لوگوں کے ساتھ یا ہمارے زمانے کے ساتھ اپنے آپ کو ملانے کی کوشش نہ کریں ۔۔۔ ہم لوگ آنسٹی کے ساتھ کھیلتے تھے اور ہماری زندگی اور موت رنج و غم

عیش وعشرت جو کچھ بھی تھا گیم کے ساتھ وابستہ تھا۔

رضوان : آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔

شوکت : کیا آپ کو معلوم نہیں تھا کہ آپ کا فٹ ورک سلو ہو چکا ہے اور آپ کے رفلیکسز ختم ہو چکے ہیں اور آپ باؤلر کو فیس کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔

رضوان : جی

شوکت : تو پھر آپ نے کھیلنے کی جرأت کیوں کی اور کیوں نہیں بتایا بورڈ کو کہ آپ میں وہ پہلے والی صلاحیت موجود نہیں۔ اور آپ اپنی ٹیم کو شکست سے ہمکنار کر دیں گے۔

رضوان : میں سمجھتا ہوں میں جب بھی فٹ تھا اور اب بھی فٹ ہوں۔

معصوم : لیکن جب ساری دنیا اس وقت آپ کو اَن فٹ سمجھتی ہے اور آپ کی پرفارمنس پر نفرین کر رہی ہے پھر بھی آپ اپنے آپ کو فٹ سمجھتے ہیں۔ آپ نے لیٹرز ٹو دی ایڈیٹر دیکھے ہیں اخباروں میں؟

رضوان : کافی دیکھے ہیں سر۔

معصوم : پھر ا — آپ کے خیال میں پبلک اوپنین کوئی چیز ہی نہیں۔ اکثریت احمق ہے — جھک مارتی ہے — بیوقوف ہے۔

شوکت : آج کل کے سُپر سٹار جمہوریت پر یقین نہیں رکھتے معصوم صاحب۔ یہ لوگ اپنے سے زیادہ اور کسی کو نہیں سمجھتے۔

سوالی : واقعی آپ پبلک اوپنین کو کوئی اہمیت نہیں دیتے رضوان صاحب؟

رضوان : پبلک اوپنین اور ایکسپرٹ اوپنین میں ذرا سا فرق ہے سر۔

شوکت : دیکھا معصوم صاحب میں نے آپ سے پہلے کہا تھا۔ یہ لوگ یہ سُپر سٹار عوام کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ رائے عامہ کے لیے کوئی احترام نہیں رکھتے۔ حالانکہ ان کو بِلڈ کرنے والے عوام ہی ہوتے ہیں۔

رضوان : بلند کرنے والی ذات تو خدا کی ہے شوکت صاحب وہ جس کو چاہے بلند کر دے
جس کو چاہے مسمار کر دے ۔ باقی سب تو ۔۔

سوالی : ملاحظہ فرمایا آپ نے خواتین و حضرات کہ رضوان صاحب عوام کی سپریم پاور
کو سپریم نہیں سمجھتے ۔ ان کی شکست کی غالباً سب سے بڑی وجہ یہی انا اور تکبر
ہے جو ان کے اور ہماری ساری ٹیم کے ذہن میں پیدا ہو گیا ہے ۔

رضوان : نہیں سر ۔۔ خدا نہ کرے ۔ یہ بات نہیں ۔ میں تو صرف یہ عرض کر رہا تھا کہ عزت
اور ذلت خدا کے ہاتھ میں ہے ۔ وہ جس کو چاہے عزت عطا کر دے اور جس
عزت دار کو چاہے ذلیل کر دے ۔

معصوم : اور انسانی کوشش کوئی چیز نہیں، ہیومن ایفرٹ ؟

رضوان : نہیں سر ۔۔ اس کے مقابلے میں کوئی چیز نہیں ۔

شوکت : یعنی آپ کوشش، جدوجہد، ایفرٹ اور کشمکش میں believe ہی نہیں کرتے ۔

رضوان : میں کوشش، جدوجہد اور ایفرٹ کرنے میں تو believe کرتا ہوں لیکن
انجام میرے ہاتھ میں نہیں ۔۔ یہ میرا ایمان ہے ۔

شوکت : بس ٹھیک ہے ۔۔ پھر تو آپ کو شکست ہونی ہی چاہیے تھی ۔۔ اگر آپ کا
فلسفہ یہی ہے تو آپ کو زندگی کے ہر میدان میں شکست ہو گی اور اس سے
زیادہ عبرتناک ہو گی ۔

معصوم : آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت پبلک کا اعتماد آپ پر سے اُٹھ چکا ہے اور آپ
لوگ عوام کی نظروں میں اپنی وقعت مکمل طور پر کھو چکے ہیں ۔

رضوان : اخباروں سے تو کم از کم یہی اندازہ ہوا ہے ۔

سوالی : اخبار بھی تو عوام کے ترجمان ہوتے ہیں رضوان صاحب ۔

رضوان : جی ۔۔ شاید

شوکت : جس وقت ہم کرکٹ کھیلتے تھے سن بیالیس تینتالیس چوالیس میں۔ اس وقت عوام ہم کو سر پر بٹھاتے تھے ـــ اتنا کھیل کر ہاتھ نہیں تھکتا تھا جس قدر آٹو گراف دے کر تھکتا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا معصوم صاحب کہ جب . . . .

معصوم : جی مجھے اچھی طرح سے یاد ہے۔ ہمارے پاس تو سارے پرانے فائیلز موجود ہیں۔ اور پھر ہم نے یہ انتظام بھی کر . . . .

سوالی : اچھا رضوان یہ بتائیے کہ آپ یہاں تو اب کرکٹ کھیل نہیں سکیں گے ـــ کم از کم اپنے ملک میں تو اب مشکل ہے۔

رضوان : جی

شوکت : (جلدی سے) اگر آپ کا جواب اثبات میں ہے تو اس کی وجہ بتائیے کہ کیوں کھیل نہیں سکیں گے ـــ کس لیے عوام آپ سے متنفر ہو گئے ہیں ـــ اور وہ کون سی بات ہے جس نے ان کو . . . .

رضوان : بات یہ ہے شوکت صاحب کہ ہمارے ملک کے عوام بُت شکن ہیں۔ یہ ہر اس شخصیت کو ریزہ ریزہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں جو قد میں بڑی اور وجود میں چمکدار ہو۔ یہ دوسرے ملکوں کی طرح اپنی شخصیتوں سے پیار نہیں کر سکتے۔ ان سے مرعوب ضرور ہوتے ہیں مگر تھوڑی دیر کے لیے۔ اس کے بعد بُت شکنی کے سارے آلات ضرب نکال کر لے آتے ہیں اور اس کو ریزہ ریزہ کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اگر ان کے پاس بتوں کی کمی ہو جائے تو یہ بڑی محنت سے خود بت تیار کرتے ہیں ـــ بڑی محبت کے ساتھ اس کو تراشتے خراشتے ہیں اور جب وہ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے تو اس پر ناپسندیدگی کی لاٹھیاں برسا برسا کر اور ریجکشن کے گرز مار مار کر اس کو کرچی کرچی کر دیتے ہیں ـــــ میں بھی شاید ایک ایسا ہی بُت تھا جس کو انہوں نے بڑی محبت اور بڑے چاؤ کے

ساتھ تراشا۔ مجھے سُپر سٹار کا نام دیا۔ اور پھر میری ایک چھوٹی سی کوتاہی کو بہانہ بنا کر مجھے ختم کر دیا — ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

شوکت : تو گویا آپ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آپ ختم ہو چکے ہیں۔

رضوان : جی

شوکت : ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

رضوان : اپنے ملک میں

سوالی : باہر آپ کے لیے کیا چانس باقی رہ گیا ہے؟

رضوان : ابھی تو میں تین سال کاؤنٹی کرکٹ کھیلوں گا۔ اس کے بعد مجھے آفر ہے نیوزی لینڈ سے۔

شوکت : نیوزی لینڈ سے؟

رضوان : انہوں نے مجھے اپنے ملک کی شہریت پیش کی ہے۔

معصوم : اور آپ ایک غیر ملک کی شہریت اختیار کر لیں گے؟

رضوان : اپنے ملک کے ایک ریجکٹڈ انسان کے لیے اور کوئی چارہ بھی تو نہیں معصوم صاحب۔

شوکت : گویا آپ فرار اختیار کر رہے ہیں فیکٹس کو فیس کرنے کی جرأت نہیں ہے آپ میں۔

رضوان : اب آپ جو چاہے کہہ لیجئے لیکن اس پروگرام کی وساطت سے میں اپنے ہم وطنوں سے ایک درخواست کرنی چاہتا ہوں کہ جو شخص دھاگہ دھاگہ جوڑ کر اپنی عزت کی چادر بنا تا ہے اس کو اتنی جلدی اس کے سر سے نوچ کر تار تار نہ کر دیا کریں۔ شاید یہ چادر اس نے اپنے عجز کے اظہار کے لیے اپنا منہ چھپانے کو بنائی ہو۔ خدا کی ذات ستار العیوب ہے اور اس کے بندے کو برہنہ کرنے کا عمل بہت بڑی اجتماعی گستاخی ہے۔ یہ رسم ہمارے یہاں کی نہیں۔

سوالی : اس فلسفے کا چونکہ ہمارے اس ٹی وی پروگرام سے کوئی تعلق نہیں اس لیے

ہم پھر لوٹ کر آپ سے پوچھتے ہیں کہ جب آپ کو معلوم تھا کہ آپ کو ایک
چالاک اور شاطر ٹیم کا سامنا ہے اور آپ میں اتنی عقل اور دانش نہیں کہ
ان کے ہتھکنڈوں کو اچھی طرح سے سمجھ سکیں پھر آپ نے کیوں .... آئی مین
..... کس لیے ....

شوکت : ان کے ساتھ مل کر رت جگے منائے اور جھوم جھوم کر منگل گائے ۔

رضوان : (سر جھکا کر)۔ یہ تو خیر ایک بے بنیاد اور گمراہ کن الزام ہے لیکن اس حقیقت
کا ہم سب دل کی گہرائیوں سے اعتراف کرتے ہیں کہ ہم نے شکست کھائی
اور اس کے صرف ہم اور ہم ذمہ دار ہیں۔

(ہلکی سی خاموشی کے ساتھ منظر ڈزالو کرتا ہے ۔)

ڈزالو ________

سین ۲۷
ان ڈور
شام

(اُوپر کے سین اور آگے آنے والے سین کے درمیان کوئی آٹھ دس سال کی مدت
بیت چکی ہے ۔ یہاں پروڈیوسر کو اپنے فن کا کمال دکھانا ہے کہ وہ کس طرح
سے بدلے ہوئے زمانے کا تاثر دیتا ہے اور کس طرح سے اتنا لمبا ٹائم لیپس
خوبصورتی کے ساتھ دیتا ہے ۔

جب سین کھلتا ہے تو ایک چائنیز ریستوران میں دو نوجوان اور صحت مند

لڑکے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک جس نے اپنی ٹانگ باہر نکال رکھی ہے، ایک اُبھرتا ہوا کھلاڑی ہے اور اپنی گفتگو میں بڑا شاکی نظر آتا ہے۔)

عامر : یہ سب سیاست ہے۔ چالاکی ہے۔ ناانصافی ہے۔

طارق : یہی تو میں تم سے کہہ رہا ہوں۔

عامر : خدا کی قسم میں پچھلے آٹھ سال سے فرسٹ کلاس کرکٹ کھیل رہا ہوں۔ چار سال یونیورسٹی کے اور چار سال اس سے باہر لیکن (بیرا مینو شیٹ لے کر آتا ہے اور آہستگی سے دونوں کے آگے رکھتا ہے) کوئی پوچھنے والا نہیں ــ

طارق : سب کے اپنے اپنے انٹرسٹس ہیں عامر ــ اگر تمہاری کوئی پش ہوتی تو اس وقت کاؤنٹی کرکٹ کھیل رہے ہوتے۔

عامر : اگر مجھے ایک بھی چانس مل جاتا طارق ٹسٹ کرکٹ کھیلنے کا تو میں ان لوگوں کو بتا دیتا کہ کرکٹ کیسے کھیلی جاتی ہے اور اس کی سائنس کیا ہے۔

طارق : اس وقت تم شہرت کی آخری بلندیوں پر ہوتے عامر اور تمہارے نام کا سکّہ چل رہا ہوتا لیکن یہ سب لوگ بے ایمان ہیں۔

عامر : میں واضح کر دیتا کہ انٹرنیشنل ریپوٹیشن کہتے کس کو ہیں اور شہرت کیسے حاصل کی جا سکتی ہے اپنے لیے ــ اپنے ملک کے لیے ــ اپنی قوم کے لیے۔

بیرا رضوان : معاف کرنا سر۔ آدمی کبھی اپنی مرضی سے یا اپنی آرزو سے شہرت حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ تو ہمیشہ اُوپر سے ملتی ہے اور اس کا چیک وہیں سے کٹ کر آتا ہے۔ آدمی تو اسے مفت میں کیش کرا کے مزے کرتا ہے۔

طارق : لیکن اس کے لیے کوشش تو کی جا سکتی ہے بیرا صاحب۔

بیرا : وہ سر ــ عرض یہ ہے کہ ــ اور کاموں کے لیے تو شاید کوشش کی جا سکتی ہے لیکن شہرت، عزّت اور recognition کے لیے نہیں۔ یہ تو سب اُس نیلی چھتری کی

والے کے اختیار میں ہے کہ کہو اے خدا! بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے ــــ اور جس کو چاہے عزّت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے ــــ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے اور بیشک تو ہر چیز پہ قادر ہے۔

عامر : لیکن اس نے کام کرنے کا اور محنت کرنے کا اور جدوجہد کرنے کا بھی تو حکم دیا ہے بڑے میاں۔

رضوان : وہ صرف بندے کو یہ بتانے کے لیے کہ تو بشر ہے غلام ہے اور غلام کا کام محنت مزدوری کرتے رہنا ہے ــــ غلام کی شان کام کرتے رہنا ہے سر۔ عزّت اور انعام مالک کے کرم سے ملے گا، کارکردگی سے نہیں۔

طارق : واہ مسٹر ہیرا ــــ یُو آر ویری انٹرسٹنگ! لیکن کام کر کے اور محنت کر کے بھی اگر کسی کو اس کا اجر نہ ملے تو یہ تو بڑی بے انصافی ہو گی۔

رضوان : ہم تو شاہنشاہوں کے شاہنشاہ کی بات کر رہے ہیں سر اگر اس دنیا کا کوئی معمولی سا بادشاہ بھی ہو اور کوئی سقّہ اس کے دربار میں بیس برس تک پانی بھرتا رہے اور آخر ایک دن محلسرا کے دروازے پر جا کر کہے کہ بادشاہ سلامت کو اندر میری عرضی بھجوا دو کہ سر مجھے بیس سال ہو گئے ہیں محل کا پانی بھرتے لیکن ابھی تک آپ نے اپنی بیٹی کا رشتہ تو مجھے دیا نہیں تو اس کو جوتے پڑیں گے۔ بہت ممکن ہے دار پر بھی کھنچوا دیا جائے ــــ تو سر محنت کر کے اور خدمت کر کے اور مشقّت کر کے ملتا کچھ نہیں۔ ملتا جو کچھ ہے، اس کے کرم سے ملتا ہے۔ لیکن بشریت کی شان یہی ہے کہ محنت کرتا رہے۔ غلام کی بھی تو ایک شان ہوتی ہے ناں سر۔

عامر : تو گویا یہ آپ کے اللہ تعالیٰ ہیں جو جس کو چاہیں عزّت عطا کر دیں اور جسے چاہے ذلیل کر دیں۔

رضوان : سر! اللہ سائیں نے یوری گگارین کا نام ٹک کر دیا کہ ہم اس کو عزت عطا کریں گے یہ کرۂ ارض کا پہلا خلانورد ہو گا۔ سارا روس کیا سر ساری دُنیا کی نگاہیں اس پر جم گئیں۔ اور سر اس کو عزت عطا کر دی گئی۔ اور سر اس کو بلند مقام پر پہنچا دیا گیا۔ اور سر ڈیلی پراوڈا میں اس کی فل پیج تصویر چھپی پہلے صفحے پر۔ اور سر جب وہ اُترا ہے واپس زمین پر تو سکولوں کالجوں یونیورسٹیوں کے لاکھوں لڑکے لڑکیاں اس کے آٹو گراف لینے کو اور اس کی ایک جھلک دیکھنے کو کئی کئی میل کا پیدل سفر کر کے اس کے پاس پہنچے۔ اور ساری دنیا کے ٹرانسمیٹروں پر سارے کرۂ ارض کے ٹی وی بوسٹروں پر ایک وقت میں ایک ہی نام کا ورد ہو رہا تھا۔ یوری گگارین ——— یوری گگارین .... اور اس آفتاب کے سامنے دنیا بھر کے عزت دار چراغ سحری کی طرح ٹمٹا رہے تھے۔ وہ بڑی شانوں والا ہے سر ——— وہ چاہے تو سینکڑوں برس کے عزت داروں کو اور عوام کے محبوب ہیروؤں کو ان کی قبروں سے باہر نکلوا کر ویرانوں میں پھکوا دے ——— انہی کے ہاتھوں جو سینکڑوں برس سے اس پر پروانوں کی طرح نثار ہو رہے تھے۔ وہ جس کو چاہے بادشاہی بخش دے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے ——— آڈر سر۔

عامر : (مینو کھولے بغیر) وہی ——— ایزی مینو ——— چکن کارن سوپ۔ ایک فرائیڈ رائس ——— بیف اینڈ چلّی ....

طارق : اینڈ چکن ود آمنڈز

رضوان : اور ڈرنکس سر۔

طارق : سادہ پانی ——— سمپل اینڈ پلین واٹر۔

عامر : مگر بہت ٹھنڈا ——— یخ۔

رضوان : یس سر

(چلا جاتا ہے۔)

طارق : کافی دلچسپ ہے یہ بیرا۔

عامر : یہ بڑے سمارٹ ہوتے ہیں بیرا لوگ۔۔۔ باتیں سُن سُن کر بہت کچھ gather کر لیتے ہیں ۔۔۔ طرح طرح کے تو لوگ آتے ہیں ریستورانوں میں۔

طارق : But he seems to be quite original!

عامر : ہاں پڑھے لکھے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ وہ ملے نہیں تھے اس دن انٹرکون میں اس سمارٹ بیرے سے جو بی ایس سی کا سٹوڈنٹ تھا۔

طارق : لیکن اس بڑے میاں کی بات نے مجھے کافی متاثر کیا ہے۔

عامر : تم تو ہر راہ چلتے سے متاثر ہو جاتے ہو۔۔۔ تمہاری کیا بات ہے۔

(بیٹھا بیٹھا بال پھینکنے کی ترت کرنے لگتا ہے۔)

طارق : تم نے شاہد کا بالنگ سٹائل دیکھا۔

عامر : (لاپروائی سے) وہ صرف ایک اچھا وکٹ کیپر بن سکتا ہے طارق تھنکنگ ایلس ۔۔۔ اس کو سٹائل نہیں کہتے جس طرح سے وہ بال کراتا ہے ۔۔۔ وہ تو بس اپنی طاقت کے زور پر ۔۔۔۔۔

(اتنے میں رومانہ اپنے پیچھے پیچھے دو مستری جن کے ہاتھ میں تھیلے ہیں دُور سے بولتی آتی ہے۔)

رومانہ : چلو بابا ۔۔ چلو ۔۔۔ ابھی کرو ۔ ۔ ۔ ۔ پہلے بھی تم نے تین دن لگا دیا ۔ ۔ ۔ اب پھر ٹال مٹول جیسا کر رہا ہے (دونوں لڑکوں کے میز کے قریب پہنچ جاتی ہے) مستری لوگ پکڑائی نہیں دیتا۔ سب کویت کو بھاگ گیا۔ دوبئی چلا گیا ۔۔۔ آؤ ۔۔۔ آؤ ۔۔۔ دیکھو ۔۔۔ ایکسکیوز می جنٹلمین ادھر سارا وال پیپر چینج کرنے کو ہے۔ کمپلیٹ رینوویشن ۔۔۔

طارق : ویری گڈ۔

رومانہ : بڑی دیر کا سارا خراب ہوگیا۔تیرے کو کتنی سو مرتبہ بولا مستری ۔ پر تو دو سال نکال گیا سردی گرمی۔ گرمی سردی۔ کتنے سال بولو.... ایکسکیوز می سر۔ ڈے اینڈ نائٹ کام کرنے کا ہے ۔ اُدھر تو ہم نے سب کسٹمرز سے سوری بول دیا اگر آپ اجازت دے گا تو ابھی پُرانا کاغذ اُتارے گا نہیں تو نہیں اُتارے گا۔

عامر : Sure! Sure! By all means madam.

رومانہ : بالکل کوئی خرابی نہیں ہوئے گا۔ دیکھو مستری ہولے ہولے بالکل آرام کے ساتھ صاحب لوگ ڈسٹرب نہیں ہوئیں ۔

مستری : بالکل میم صاحب آپ فکر ای نہ کرو۔

رومانہ : اور ادھر دیکھو.... ادھر... (دیوار کو ہاتھ لگا کر) ایسا نہیں لگانا پلپلا سلپلا ایک دم ٹائٹ ۔ دیکھا اس کو ببل گم کو ۔ سمجھ گیا۔

مستری : بالکل سرجی۔ ایہہ تو کسے اناڑی کا لگایا ہویا اے۔

رومانہ : اناڑی کا ہووے چاہے سناڑی کا۔ تم کو ٹھیک سے کام کرنا ہے۔ یہ چائنیز لوگ بہت آرٹسٹک ہوتے ہیں ۔ خرابی ہوا تو بل نہیں ملے گا۔

مستری : آپ بالکل بے فکر رہیں میم صاحب۔ ہم دس سال سے یہ کام کر رہے ہیں۔

رومانہ : (جاتے ہوئے) بس ایسا ہوئے کہ کوئی شکایت نہ آئے ۔ بل نہیں ملے گا خرابی ہوا تو سمجھے۔

(اس کے جانے کے بعد دونوں مستری ٹہلوں کے ساتھ پُرانا وال پیپر اُتارنے میں مصروف ہو جاتے ہیں ۔ اتنے میں بیرا رضوان چکن کارن سوپ کا ڈونگا لے کر آجاتا ہے اور ان کے سامنے رکھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اتنے میں مستری آف کیمرہ آواز دیتا ہے۔)

مستری : آہ دیکھو جی میم صاحب — ایدھر آکر دیکھو۔

مستری ۲ : (ان کیمرہ) آہ کسے اناڑی نے پرانی تصویر اُتاری ای نہیں، اتے ای تھپ دیا وال پیپر — پلپلا سلپلا تاں خود ہونا تھا۔

(کیمرہ دکھاتا ہے کہ وال پیپر کا ایک حصہ اُترنے سے نیچے رضوان شاہ کرکٹر کا بڑا سا پوسٹر نکلتا ہے جو اپنے محبوب پوز میں بیٹھا ہوا ہے۔)

رومانہ : (آتے ہوئے) ارے بابا یہ تو رضوان کا پوسٹر ہے۔ ورلڈ فیم کے کرکٹر کا — اس کو کوئی اس وقت اتار سکتا تھا مستری — بابا وہ ٹائم ہی ایسا تھا۔ رضوان کا پوسٹر اتار کر کسی نے مرنا تھا۔ بلوہ ہو جاتا سارے شہر میں۔ رائیٹ ہو جاتا murder ہو جاتا پوسٹر اتارنے والا مستری — اس کا حوصلہ کیسے پڑتا بابا اُتارنے کا۔ اس نے اس کے اُوپر ہی لگا دیا وال پیپر — اُتارو اُتارو۔ شاباش۔ سب کچھ اُتارو پُرانا سرانا — بالکل ٹائیٹ کرکے لگاؤ۔

(مستری لوگ بڑی بیدردی کے ساتھ رضوان کا پوسٹر نوچ نوچ کر اُتارتے ہیں۔ کیمرہ کٹ ٹو کٹ رضوان کو اس کے پوسٹر کو اور عامر اور طارق کو دکھاتا ہے جو اپنے اپنے انداز میں اس پوسٹر کو دیکھ رہے ہیں۔ ریسٹوران میں گانا بجنے لگتا ہے۔)

سپر مین — دی لو یُو — دی نیڈیو سپر مین —



دَرد اور دَرماں

کردار :

آغا یزمانی : صاحبِ حیثیت امیر آدمی

بیگم یزمانی : عمر چالیس کے لگ بھگ۔ اصلاح معاشرہ کی دلدادہ

علی : بارہ تیرہ سال کا بیمار لڑکا

وزیر خاں : پٹھان ملازم

ڈاکٹر بشارت : قابل ڈاکٹر

حکیم صاحب : پرہیزگار۔ تجربہ کار

اور دوسرے



سین ا
ان ڈور
شام

(تالیوں کے شور سے سین شروع ہوتا ہے لیکن پبلک نظر نہیں آتی۔ ایک بہت خوبصورت ڈائس بنا ہے جس کے دونوں طرف روسٹرم لگے ہیں اور ساتھ ہی دو دو مائیکروفون بھی سٹینڈوں پر ایستادہ ہیں۔ درمیان میں تین معزز کرسیاں لگی ہیں۔ درمیانی کرسی پر بیگم حبیبہ یزمانی بیٹھی ہیں۔ ان کے دائیں بائیں کی کرسیوں پر مڈل کلاس کی موٹی توندل دو بیگمات ہیں۔ اس وقت بیگم یزمانی "رابطۂ والدین و بچگاں" کے سیمینار کا افتتاح کرنے کے لیے آئی ہیں۔ اس وقت روسٹرم کے سامنے ایک سیکرٹری شکل کی عورت کھڑی تقریر کر رہی ہے۔)

سیکرٹری : خواتین! جیسا کہ آپ کو بیگم عذرا یونس کے تعارفی استقبالیہ سے پتہ لگ چکا ہے کہ بیگم حبیبہ یزمانی اس وقت شہر کی معروف ترین شخصیت ہیں۔ انہوں نے آج ہمارے سیمینار کے لیے وقت نکال کر ہم پر خصوصی مہربانی کی ہے۔ میں بیگم صاحبہ سے استدعا کروں گی کہ وہ رابطۂ والدین بچگاں کے سیمینار کا افتتاح کریں اور بعد میں اپنے قیمتی خیالات کا اظہار کر کے ہم سب کی معلومات میں اضافہ کریں۔
بیگم حبیبہ یزمانی صاحبہ!

(بیگم یزمانی اپنے دونوں جانب کی بیگمات کے ساتھ اٹھتی ہیں دونوں روسٹرم کے درمیان ایک فیتہ بندھا ہوا ہے۔ ایک بیگم چاندی کی چھوٹی سی کشتی میں قینچی لے کر ساتھ آتی ہیں۔ دوسری بیگم اور سیکرٹری دائیں بائیں رہتی ہیں کیمرہ مین تصویریں اتارتے ہیں۔ ٹیلی ویژن کا کیمرہ مین مووی بناتا ہے۔ ڈائس تقریباً ان

ہی کیمرہ مینوں سے بھر جاتی ہے۔ بیگم یزمانی فیتہ کاٹتی ہے اس پر تالیاں سپرامپوز ہوتی ہیں۔ اِرد گرد کی تینوں عورتیں بھی تالیاں بجاتی ہیں۔ اس کے بعد بیگم صاحبہ رودسٹرم تک جاتی ہیں۔ بڑے اعتماد کے ساتھ مائیکروفون پر انگلی بجا کر دیکھتی ہیں کہ وہ الائیو ہے کہ نہیں ——— یہ تقریر کسی کھلے ہال میں گندے مائیکروفون کے سامنے ریکارڈ کیجیے۔)

بیگم : مَیں بڑی مسرت کے ساتھ اس سیمینار کا افتتاح کرتی ہوں کیونکہ میرا خیال ہے کہ اس سیمینار کی ہمارے ملک میں اشد ضرورت تھی۔ شہر کی عورتیں چونکہ ملازمت کی طرف مائل ہو رہی ہیں اس لیے انہیں اپنے بچّوں کی رفاقت کا ایسا موقع نہیں ملتا جو ہماری نانیوں دادیوں کو ملتا تھا۔ ماں کی گود بچّے کی تربیت کا پالنا ہے اور وہ اوّلین الفاظ اسی گود سے سیکھتا ہے۔ ماں ہی وہ نرس ہے جو ہر بیماری میں بچّے کی تندرستی کی ضامن ہے۔ آج کل یورپ کے ڈاکٹر اس بات پر ریسرچ کر رہے ہیں کہ ماں کی گود کی نرمی اور گرمی سے اور ماں کی رفاقت سے کئی ایسی بیماریوں کا علاج خود بخود ہو جاتا ہے جو ماں کی غیر موجودگی میں سنگین صورت اختیار کر جاتی ہیں۔ مَیں اب ڈاکٹر ہُما رفیقی سے استدعا کروں گی کہ وہ اس سیمینار کا پہلا پیپر پڑھیں جس میں اُنہوں نے رابطۂ والدین و بچگان کے تحت اس بات پر خیال آرائی کی ہے کہ ماں ہی بچّے کی بہترین نرس ہو سکتی ہے۔ ڈاکٹر ہُما رفیقی صاحبہ!

(تالیوں کے شور میں بیگم یزمانی اپنی سیٹ پر واپس جا کر بیٹھتی ہیں۔)

کٹ ———

سین ۲
ان ڈور
دن کا وقت

(خوبصورت سجی ہُوئی لمبی گیلری میں وزیر خاں فون کا چونگا اُٹھاتا ہے۔)

وزیر : جی بیگم صاحب —— ایک دم ویسا ہے بخار —— جی صاحب —— دیا تھا گلوکوز دو بار —— جی —— نہیں ڈاکٹر قادر نہیں آیا ابھی۔

—— کٹ ٹو کٹ

بیگم : (فون پر) دیکھو وزیر خاں تم نے علی کو چھوڑ کر کوارٹر میں نہیں جانا —— ہم کو تم پر اعتبار ہے۔ اور آیا کو اس کے کمرے میں نہیں بھیجنا وہ آیا سے کھجتا ہے —— نہیں نہیں۔ مَیں فنکشن کے ختم ہوتے ہی کلینک پر جاؤں گی —— ڈاکٹر قادر کے پاس۔ تم سُوپ پلا دینا علی کو۔ مَیں دوائیاں لے کر آؤں گی —— وعلیکم السلام۔

—— کٹ

سین ۳
اِن ڈور
رات

(امیرانہ گھر کا بیڈ روم یہ علی کا بیڈ ردم ہے۔ علی کرکٹ کا دیوانہ ہے۔ کمرے میں

عمران خان، للّی اور ماجد خاں کے ساتھ ساتھ ویسٹ انڈیز کے کھلاڑیوں کے بھی پوسٹر لگے ہوئے ہیں۔ اس وقت کمرے کے ٹی وی پر لاہور یا کراچی کا کرکٹ میچ جو پاکستان نے ہندوستان کے ساتھ کھیلا تھا دکھایا جا رہا ہے۔ کچھ دیر سکرین پر میچ رہتا ہے۔ اس کے بعد کیمرہ ٹریک بیک کر کے دکھاتا ہے کہ علی پلنگ پر ہے۔ اس نے کمر تک رضائی اوڑھ رکھی ہے۔ پُشت پر گاؤ تکیہ لگا ہے اور اُوپر ایک موٹی جیکٹ پہن رکھی ہے وہ شوق سے کرکٹ دیکھ رہا ہے۔ اس کے پاس ہی وزیر خاں قالین پر بیٹھا ٹیلی ویژن دیکھ رہا ہے۔ علی میچ دیکھنے کے دوران دو تین دفعہ تھکاوٹ اور بخار سے نڈھال نظر آتا ہے۔ میچ کے دوران علی کہتا ہے:)

علی : بند کرو یار۔

(علی کئی بار بے خیالی سے اپنا ہاتھ دیکھتا رہتا ہے۔)

وزیر : آپ تھک گیا نا علی صاحب —— مَیں بولا تھا بخار تیز ہے یار ا ٹیلی ویژن مت دیکھو۔

(ٹیلی ویژن بند کر کے علی کے پلنگ کے پاس آتا ہے۔)

علی : کبھی ایسا بھی وقت ہوا ہے جب بخار تیز نہ ہو۔ اِدھر آ جاؤ میرے پاس۔

وزیر : آ گیا علی صاحب ایک منٹ میں۔

(وزیر پاس آتا ہے اور کمر کی طرف سے گاؤ تکیہ نکالتا ہے اور پھر محبت سے علی کے ماتھے پر ہاتھ لگاتا ہے۔)

یہ دیوث پھر تیز ہو گیا۔

علی : (آنکھیں بند کر کے) کبھی تم کو بُخار ہوا ہے وزیر خاں۔ میری طرح ہر روز ——

وزیر : (علی کے پلنگ کے پاس تپائی پر بیٹھتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں غلیل بنانے کی دو سانکھی لکڑی ہے وہ چاقو سے اس لکڑی کو چھیل کر ربڑ باندھتا جاتا ہے اور

غلیل بناتا ہے ساتھ ساتھ وہ باتیں کرتا ہے) آجی ہُوا تھا ایک بار بڑا تیز بخار جب ہم ساتویں جماعت میں تھا ایسا تیز بخار اللہ معاف کرے چارپائی ہلتا تھا ہمارا بخار سے یکدم۔

علی : پھر تم کیسے ٹھیک ہوئے تھے۔

وزیر : ادھر ہمارے مادیاں میں کوئی ڈاکٹر ماکٹر تو ہے نہیں —— ہمارا دادی ڈاکٹر ہے وہاں۔

علی : تمہاری دادی!

وزیر : وہ سارا گاؤں کا علاج کرتی ہے گُل بنفشہ ہے اس کے پاس۔ نیاز بو کا پتی۔ زعفران۔ گلو اجوائن کا پتہ —— بڑا الا بلا رکھتی ہے اپنا پوٹلی میں —— اچھا اب تم زیادہ بات نہیں کرو علی صاحب، آغا صاحب ہم کو ناراض ہوگا۔

علی : پھر تمہاری دادی نے تمہارا علاج کیسے کیا؟

وزیر : ادھر ایک چشمہ ہے —— اس کا پانی صبح کے وقت ٹھنڈا ہوتا ہے اور رات کے وقت گرم۔ وہ ہم کو دونوں ٹم چشمے سے پانی لاکر پلاتا تھا۔ صبح ٹھنڈا، رات کو گرم۔

علی : یہ تو کوئی علاج نہیں ہے وزیر خاں۔ علاج کیا کیا تھا تمہاری دادی نے۔

وزیر : ہمارا علاج علی صاحب اللہ کرتا ہے۔ . . . ہم لوگ جو غریب آدمی ہوتا ہے تا اس کا ڈاکٹر اللہ ہوتا ہے۔ دوا دارُو تو ہم ایسے ہی کرتا ہے اللہ کو خوش کرنے کے لیے جیسا تم ماسٹر صاحب کا ہوم ورک کرتا ہے بے دلی سے —— بس اب چُپ۔

(کچھ لمحے کے لیے دونوں چُپ ہو جاتے ہیں۔)

علی : وزیر خاں!

وزیر : جی صاحب

علی : تم سکول میں پڑھتے تھے ؟

وزیر : جی صاحب پڑھتا تھا۔

علی : کتنی جماعتیں پڑھی ہیں تم نے ؟

وزیر : اودھر ساتویں تک پڑھا تھا۔ لگاتار۔

علی : کیسا سکول تھا تمہارا ؟ — ہمارے سکول جیسا —

وزیر : چھوڑو بیرا جی — ہمارا سکول ویسا نہیں ہوتا، جیسا آپ کا سکول ہے۔ دو کمرہ تھا — ساتویں اور آٹھویں جماعت کے لیے، باقی سب زمین پر بیٹھتا تھا۔ ٹیٹ پر — باہر — سردی گرمی — بارش میں چھٹی ہو جاتا تھا۔

علی : ٹیٹ کیا وزیر خاں ؟

وزیر : — وہ ٹاٹ کی پھیرنے کے لیے نہیں لیتا جمعدارنی۔

علی : اچھا ٹاٹ۔

وزیر : وہ تھا — اور ایک کرسی تھا — جو ماسٹر صاحب تھک جاتا تھا وہ مانگ کر لے جاتا تھا دوسرے سے۔

علی : صرف ایک کرسی تھی وزیر خاں سارے سکول میں۔

وزیر : ایک دوسرا بھی تھا ہیڈ ماسٹر صاحب کے لیے۔

علی : بلیک بورڈ تھا؟

وزیر : تھا علی صاحب تھا پر — اس پر جو کچھ لکھتا تھا ماسٹر نیک محمد وہ نظر نہیں آتا تھا۔

علی : (کہنی کے بل ہو کر) یہ تمہارا سکول ایسا کیوں تھا ؟

وزیر : بیرا جی کیسا — ؟

علی : ایسا — ایسا جیسا ہمارے دھوبی کا گھر — جیسا . . . انکل فیروز کا

اصطبل نہیں جس میں ponies ہوتے ہیں پولو کے۔

وزیر : انکل فیروز کا اصطبل تو جنت ہے ادھر تو سائیس لوگ مزے کرتا ہے۔ مالشی چھڑکاؤ لگاتا ہے فلٹ کرتا ہے انڈر بوائے —— ہمارا سکول تو ایسا تھا جیسے بڈھی مائی کے دانت نہیں ہوتا بیراجی —— ایدھر ہے اودھر نہیں ہے۔ کوئی شیشہ ہے کوئی نہیں ہے۔ کوئی دروازہ ہے کوئی نہیں ہے۔ کوئی ماسٹر ہے کوئی نہیں ہے ——

علی : لیکن تم ایسا کیوں رکھتا تھا اپنا سکول . . . .

وزیر : اب پتہ نہیں ہم اس کو ویسا رکھتا تھا کہ وہ سکول اپنے آپ ویسا رہتا تھا۔ اُدھر آج تک ہم فیصلہ نہیں کر سکا علی صاحب بیراجی کہ غریب آدمی خود ایسا رہتا ہے گدھا کی مافق کہ وہ پہلے گدھا ہوتا ہے تو پھر غریب ہو جاتا ہے —— تت تت تت اب تُم ہم کو باتوں میں نہیں لگائے گا سمجھا یکدم خاموش۔

Eyes close, sleep.

(علی آنکھیں بند کرتا ہے چند ثانیئے وزیر خاں غلیل بناتا ہے۔ پھر چوری چوری اپنا ہاتھ اس کی نبض پر رکھتا ہے۔)

علی : (یکدم آنکھیں کھول کر) وزیر خاں

وزیر : جی صاحب

علی : تم کو عمران خاں اچھا لگتا ہے کہ ظہیر عباس؟

وزیر : ہم کو وہ سب آدمی اچھا لگتا ہے جو پاکستان کا نام اُونچا کرتا ہے۔ ہاشم خاں پیارا ہے۔ اصلاح خاں پیارا ہے۔ جلوسم خاں پیارا ہے ادھر کیا نام شہناز خاں پیارا ہے۔ ماجد خاں، عمران خاں پیارا ہے۔ ظہیر عباس خاں پیارا ہے۔ وہ چھوٹا نوجوان میاں داد خاں پیارا ہے۔

علی : ذرا اندر سے میرا بیٹ لادو گے وزیر خاں۔

وزیر : ایک شرط پر!

علی : کیا؟

وزیر : تم اپنا بیڈ پر بیٹ رکھ کر سو جائے گا یکدم نہیں تو ہم تم کو این ڈبلیو کرے گا ہو را—

علی : تم مجھ کو سوتا چھوڑ کے کوارٹر میں چلے جاؤ گے؟

وزیر : کیوں ہمارا کواٹر میں خزانہ دبا ہے۔ ہم کو بیگم صاحب اجازت دے تو ہم رات کو بھی یہیں سوئے قالین پر۔

علی : تم میرے ساتھ باتیں کیوں نہیں کرنا چاہتے وزیر خاں۔

وزیر : یارا جی سمجھا کرو نا۔ تم بیمار اے ڈاکٹر منع کرتا ہے کہ ہم تم کو تھکائے گا نہیں ادھر تم ٹھیک ہُوا تو ہم تم کو مادیاں لے جائے گا۔ اپنے گاؤں میں شکار کھلائے گا۔ جنگلی مُرغی کا ٹراوٹ پکڑے گا بنسی لگا کر ... سیب توڑے گا درخت سے —(بہت محبت سے) علی صاحب (پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر) تم کو قسم ہے تم ٹھیک ہو جاؤ جلدی ورنہ ہم مر جائے گا .... خدا قسم۔

(اس اظہار جذبات پر وہ خود ہی شرمندہ ہو کر اندر جاتا ہے علی اس کے جانے کے بعد ٹانگیں مار کر رضائی اُتارتا ہے وزیر خاں کُرتے کے بازو سے آنسو پونچھتا اندر جاتا ہے۔ بیٹ لے کر واپس آتا ہے۔)

وزیر : یہ کیا کر رہا ہے — تم کو سردی لگ جائے گا علی صاحب۔

علی : مجھے بہت گرمی لگ رہی ہے وزیر خاں — پانی

وزیر : پیئو پیئو ابھی — لو (گلاس میں پانی ڈال کر گلوکوز ملا کر پلاتا ہے۔) اس کمبخت بخار کا کچھ پتہ نہیں — یلغار کرتا ہے وقت بے وقت — لو تھرما میٹر لگاؤ ذرا شاباش۔

علی : ابھی تو میں نے پانی پیا ہے — تمہیں تو ذرا ابھی سائنس نہیں آتی۔

وزیر : تمہارا بخار ایسا شیطان ہے یہ سائنس کو نہیں مانتا۔ اس کے لیے اللہ کا حکم آئے گا تو مانے گا — (تھرما میٹر لگاتا ہے۔)

———— کٹ

سین ۴

ان ڈور

دن کا وقت

(ایک لمبی میز کے گرد تقریباً گیارہ بارہ معزز اشخاص بیٹھے ہیں جن میں تین خواتین بھی ہیں۔ یہ ایک سوسائٹی کی ابتدائی میٹنگ ہے جس کے صدر پرانی وضع کے سوٹ میں ملبوس ایک معزز بزرگ ہیں جو کسی زمانے میں کسی بڑے عہدے پر سرفراز رہے ہیں — ان کے دائیں ہاتھ آغا یزبانی ہیں اور بائیں ہاتھ ایک خوبصورت اور معزز خاتون ہیں جو میٹنگ کے دوران تین مرتبہ اپنا پرس زمین سے اٹھاتی ہیں اور اس کے اندر جھانک کر بند کرتی ہیں اور واپس اپنی جگہ پر رکھتی ہیں۔

کیمرہ گھوم پھر کر حاضرین کا جائزہ لیتا ہے جو اس وقت میٹنگ کے کاغذات دیکھنے میں مشغول ہیں۔)

صدر : جی سر! ہو گئیں آپ کی formalities پوری

سیکرٹری : جی سر

صدر : تو پھر کریں شروع

سیکرٹری : یس سر

صدر : بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قل ھو اللہ احد (ساری سورۃ اخلاص پڑھتا ہے۔)

دو تین ارکان : جزاک اللہ۔ جزاک اللہ

صدر : ہاں جی

سیکرٹری : The preliminary and unofficial meeting of The Mutual Help Society was held on 23rd December, 1979 with your permission.

آغا : یہ preliminary اور unofficial اکٹھے نہیں آسکتے ایک ساتھ یا تو یہ preliminary میٹنگ ہے اور آفیشل ہے —— یا اَن آفیشل ہے اور introductory ہے۔ دونوں چیزیں ایک ساتھ نہیں لکھی جاسکتیں۔

رکن ۳ : preliminary کی جگہ preparatory لکھ لیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔

آغا : پھر بھی اس کے ساتھ اَن آفیشل نہیں آسکتا۔

رکن ۵ : اَن آفیشل کی بجائے کچھ اور ہونا چاہیئے۔

رکن ۶ : You mean non-authoritative

صدر : بھئی سیدھا سا لکھ لیجئے —— That a meeting was held.

آغا : لیکن کس کی سر۔ کون سی باڈی کی۔ کس آرگنائزیشن کی۔

صدر : اسی کی اپنی کیا نام ہے —— میوچل ہیلپ سوسائٹی کی ——

آغا : یہ تو ابھی being میں آئی نہیں سر— not created — ابھی تو یہ فارم ہی نہیں ہوئی اس میٹنگ کے وقت۔

صدر : تو پھر کیا کریں۔

پہلی خاتون: کیاہم اپنے minutes نیشنل لینگویج میں نہیں لکھ سکتے ــــــــــــ

Is it so difficult and complicated a language

that we can't make ourselves understand in it?

سیکرٹری : وہ مشکل ہے بیگم صاحب کہ ان منٹس کو اوپر جانا ہوتا ہے منسٹریز وغیرہ میں تو وہاں جو بڑے لوگ نیشنل لینگویج سے واقفیت نہیں رکھتے، اس لیے ان کے لیے بڑی مشکل ہوتی ہے۔

پہلی خاتون : Do you mean they don't understand their own language?

دوسری خاتون : نہیں مسز لطیف وہ سمجھتے تو ہیں لیکن ان کو محاورہ انگلش کا ہی ہوتا ہے۔

سیکرٹری : جی ہاں۔ وہ ایک روٹین بنی ہوئی ہے نا اس سے نکلنا کافی مشکل ہو جاتا ہے۔

پہلی خاتون : Shame on us!

آغا یزمانی : اور یہ ـــ سر ـــ مَیں نے اس دن بھی عرض کی تھی کہ میوچل ہیلپ سوسائٹی ایک سٹیریوٹائپڈ سی phrase ہے۔ اس کو بدلنا پڑے گا۔

خاتون نمبر۴ : ایک عام آدمی کے سمجھنے کے لیے یہی ٹھیک ہے آغا صاحب۔

آغا : اب میوچل ایڈجیکٹو ہے سر اور ہیلپ ناؤن ہے اور سوسائٹی پھر ناؤن ہے۔

عورت نمبر۳ : تو اس میں کیا خرابی ہے سر۔

آغا : خرابی تو نہیں خیر۔ لیکن یہ کچھ اچھا نہیں لگتا۔ آئی مین اس کا ساؤنڈ ایفکٹ ٹھیک نہیں ـــ میوچل ہیلپ سوسائٹی۔

صدر : تو میوچل کے لیے کوئی اور لفظ رکھ لیں ـــ مثلاً ـــ وہ کیا کہتے ہیں کوآپریٹو یا کوآپریشن ـــ لیکن وہ تو پھر بعد میں آئے گا phrase کے۔

آغا : نہیں سر ـــ لفظ تو بہت سے ہیں Collective ہے، Reciprocal

ہے۔ اِنٹرو ڈپنڈینٹ ہے لیکن وہ فٹ ان نہیں کرتے ہیلپ سوسائٹی کے ساتھ۔

رکن ۴ : ہیلپ کی جگہ ایڈ کرلیں آغا صاحب۔

رکن ۶ : Assistance رکھ کر دیکھ لیں۔

آغا : نہیں سر یہ سارے الفاظ بے معنی ہیں۔ ایکسکلوزمی

رکن ۷ : چلئے سر آگے چلیں یہ مائینر باتیں ہیں۔

آغا : مائینر بالکل نہیں ہیں سر۔ Basic باتیں ہیں ان کو چیلنج کیا جا سکتا ہے کورٹ آف لا میں۔

رکن ۷ : مَیں اس لیے عرض کر رہا ہوں آغا صاحب کہ مجھے اپنی بیٹی کی منگنی میں شریک ہونا ہے جا کر۔

آغا : آپ منگنی کی بات کر رہے ہیں سر میرا بیٹا بیمار ہے۔ ہنڈرڈ اینڈ فور ٹمپریچر۔ مَیں اس کو چھوڑ کر آیا ہوں۔ اس میٹنگ کی خاطر۔

صدر : Meeting is always important ladies and gentlemen--much more than life.

رکن ۴ : سوسائٹی کی جگہ تو سرکل زیادہ سوٹیبل ہے آغا صاحب۔

آغا : ہاں — ہے بھی — اور نہیں بھی — اصل میں —

خاتون ۱ : Why shouldn't we form a sub-committee to settle down the name?

سیکرٹری : یہ نام سب کمیٹی نے ہی تجویز کر کے دیا ہے بیگم صاحب۔

خاتون ۱ : Then we should form a few more sub-committees and select a name out of their exclusive suggestions--in an appropriate manner,

آغا : (صدر سے) یہ مناسب ہے سر۔ تین سب کمیٹیاں بنا دیجئے نام کے لیے۔ کم از کم تین۔

خاتون را : But the name should preferably be selected from our native language.

صدر : (سر ہلاتے ہوئے) Sure--Sure--Sure

(اپنے کاغذ سمیٹنے لگتے ہیں۔)

——— فیڈ آوٹ

سین ۵

ان ڈور

دن کا وقت

(علی اس وقت تقریباً بے ہوش پڑا ہے۔ اس کا بخار بہت تیز ہے۔ وزیر خاں ماتھے پر برف کی پٹیاں رکھ رہا ہے۔ دھوبی کپڑوں کی جو گان قالین پر دھرے پاس بیٹھا ہے۔ دھوبی بڑی خوبصورت ڈاڑھی والا متقی صورت آدمی ہے۔ وزیر خاں اور وہ بچّے کی وجہ سے تقریباً سرگوشیوں میں باتیں کر رہے ہیں۔)

دھوبی : تم کپڑے ملا لیتے پھر وزیر خاں۔

وزیر : ملالے گا ملالے گا دھوبی جی تم اب جاؤ۔ ہم ملالے گا جب بیگم صاحب آئے گا۔ ابھی ہم ویلا نہیں ہے۔

دھوبی : بخار ہلکا نہیں ہوا کا کا جی کا ؟

وزیر : تمہارا سامنے ہے۔ کہاں ہلکا ہوتا ہے دیوث۔ ایسا چڑھتا ہے ایسا چڑھتا ہے جسٹ جہاز کے مافق مُنہ اُوپر کر کے۔

دھوبی : تم اس کو ڈاکٹر راشد کو دکھادو ایک بار۔ اسی طرح میری جمیلہ کو بھی بُخار چڑھتا تھا وزیر خاں چار پڑیوں میں اللہ نے فضل کر دیا — اور دوائی بھی ایسی جس کا نہ کوئی نقصان نہ خرابی۔

وزیر : (پاس آتا ہے) دھوبی صاحب ہم ڈاکٹر کو دکھا تو نہیں سکتا لیکن دوا تو لا سکتا ہے — کون ہے ڈاکٹر راشد۔ بولو ؟

دھوبی : ہومیوپیتھی ڈاکٹر ہے۔ تم میرے ساتھ چلو۔ میں تم کو ڈاکٹر صاحب سے پڑیاں لے دیتا ہوں۔

وزیر : بیگم صاحب ناراض نہ ہو جائے کہیں ؟

دھوبی : وزیر خاں۔ میٹھی گولیاں ہوتی ہیں۔ کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

وزیر : یاراجی تو چلو اسی وقت !

دھوبی : چلو۔ آؤ میرے ساتھ، چوک میں جہاں ٹرانسفرمر لگا ہے عین اس کے سامنے ہے ڈاکٹر راشد کی دکان۔

(وزیر جانے کے لیے تیار ہوتا ہے پھر یکدم رُکتا ہے۔)

وزیر : تم ہم کو پتہ بتادو ہم بعد میں جائے گا۔ ابھی علی بہادر کو چھوڑ کر ہم کیسے جا سکتا ہے۔

دھوبی : آیا جی کو ان کے پاس بٹھادو۔

وزیر : توبہ کرو دھوبی صیب۔ آیا کے ساتھ دشمنی ہے دشمنی علی صاحب کا۔ آیا جی کا دانت بُرا لگتا ہے علی کو۔ آیا جی کا کپڑوں سے بُو آتا ہے۔ آیا جی کا ہاتھ

کمر درا ہے ۔ناں ہم شام کو چلا جائے گا۔ تم ہم کو پتہ بتا دو ڈاکٹر راشد کا۔

دھوبی : چوک ہے ناں ۔

وزیر : کونسا چوک ! ادھر سبھے چوک ہے۔ کبھے چوک ہے سامنے چوک ہے۔ پیچھے چوک ہے۔ سارا شہر میں چوک ہے۔

دھوبی : سامنے سیدھی سڑک پر۔جس کے ایک طرف ٹرانسفارمر لگا ہے ۔

وزیر : بالکل لگا ہے۔

دھوبی : اس کے سامنے بس شاپ ہے ۔

وزیر : ہے۔

دھوبی : بس شاپ کے ساتھ تین دکانیں ہیں ۔

وزیر : ٹھیک اے۔ ٹھیک اے ۔وہ جگہ ہمارا دیکھا ہوا ہے ۔

(اس وقت آنٹی صوفیہ ان کی دو جوان بیٹیاں اور ایک علی کا ہم عمر لڑکا بغیر اطلاع کے داخل ہوتے ہیں ۔یہ نہایت بے تکلف رشتہ دار ہیں جو اس گھر میں خود بخود ایٹ ہوم ہو جاتے ہیں۔)

دھوبی : کپڑے ملا لینا ۔

وزیر : انشاءاللہ تم فکر نہ کرو ۔ہم جانتا ہے ۔

(آنٹی صوفیہ جا کر علی کا ماتھا چومتی ہے بڑے دکھاوے کے انداز میں۔دونوں لڑکیاں چیونگ گم کھا رہی ہیں اور تقریباً ہم عمر ہیں ۔علی کا ہم عمر لڑکا وہ تمام کھلونے دیکھتا ہے جو علی نے دیواروں پر درازوں میں رکھے ہیں۔)

آنٹی : ہائے لیٹا ہوا علی کتنا سٹرینج لگ رہا ہے ۔اسے تو میں نے کبھی لیٹے ہوئے دیکھا ہی نہیں۔

وزیر : اس کو مت جگاؤ بیگم صاحب ۔ابھی آنکھ لگا ہے بیچارہ کا ۔

آنٹی : Relatives ہم ہیں کہ تم —— ان سرونٹس کا بڑا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ کہاں ہیں بیگم صاحبہ؟

وزیر : وہ ادھر گیا ہے ڈاکٹر بشارت کے پاس۔

ہما : ممی infectious disease تو نہیں علی کی؟ گوہر کو ہم ایسے ہی ساتھ لے آئے۔

آنٹی : May be he understands English!

وزیر : آپ اُدھر ڈرائینگ رُوم میں چل کر بیٹھو جی —— علی ابھی سویا ہے۔

آنٹی : تم کون ہوتے ہو۔ ہم جہاں ہمارا جی چاہے گا بیٹھیں گے یہ ہمارے relatives کا گھر ہے۔

(اس وقت گوہر الماری کھول کر بڑی ٹوائے ٹرین نکالتا ہے۔)

وزیر : تم یہ ٹرین مت چلانا صاحب۔ یہ ابھی علی نے استعمال نہیں کیا..... وہ خفا ہوگا۔

گوہر : ایسی ٹوائے ٹرین مَیں کہتا تھا ممی۔ پلیز مجھے بھی منگوا دیں ناں انکل غلام علی سے۔

فرینہ : بھئی انکل یہ ناں افورڈ کر سکتے ہیں گوہر۔ ہم افورڈ نہیں کر سکتے۔

(وزیر گوہر کے پاس آتا ہے اور اس کے ہاتھ سے قریباً ٹرین لینا چاہتا ہے۔)

فرینہ : ممی چلیں۔ اچھا ہی ہوا آنٹی گھر پر نہیں ہیں۔ چلیں اب میرا CHIPS کا پروگرام نکل جائے گا ٹی وی پر۔

وزیر : ہماجی ہم تم کو بتا رہا ہے یہ ٹرین مت کھولو۔ یہ علی صاحب کے لیے منگوایا ہے۔ ابھی علی نے اس کو چلا کر بھی نہیں دیکھا ایک بار —— ہم تم کو رکیٹ دیتا ہے۔ شٹل کاک دیتا ہے تم باہر چل کر لان پر کھیلو شاباش۔

آنٹی : تم رہنے دو وزیر خاں ۔ یہ بھی بچہ ہے ۔ تمہارے علی صاحب کی ٹرین پہ
کوئی کھا نہیں جائے گا ایسے تھوڑی دیر کے لیے کھیلے گا ۔ اسے تو ٹرینز کا کچھ
اتنا شوق بھی نہیں ۔

ہُما : How cheeky!

آنٹی : تم ذرا چائے بنا کر لاؤ وزیر خاں ۔ ذرا سٹرانگ سی ۔

وزیر : خانساماں نہیں ہے اور بیگم صاحب تاکید کر گیا ہے کہ ہم ادھر کمرے سے نہیں
ہلے کسی قیمت پر ۔

آنٹی : علی کے پاس میں بیٹھی ہوں تم جا کر پانی رکھو چائے ہُما بنائے گی ۔
(پلنگ میں علی کے ساتھ رضائی اوڑھ کر بڑے آرام سے بیٹھ جاتی ہے ۔)
جاؤ ہُما اور فریج میں سے cheese بھی نکال لینا ۔ حبیبہ باجی کے گھر بڑی
اچھی cheese ہوتی ہے ۔

(ہُما اور وزیر جاتے ہیں ۔ وزیر بادل نخواستہ جاتا ہے ۔)

فرینہ : ممی یہ علی واقعی اتنا بیمار ہے کہ آنٹی حبیبہ پریٹنڈ کرتی ہیں ؟

آنٹی : ساری سٹیٹس کی بات ہے فرینہ ۔ یہ لوگ افورڈ کر سکتے ہیں ایسی بیماریاں ۔

گوہر : گیا وہ وزیر خاں — شکر

آنٹی : تم کیوں اس سے ڈرتے ہو ۔ تمہاری پھوپھی کا گھر ہے ہم جو چاہیں گے کریں گے ۔

(گوہر جلدی جلدی تمام کھلونے نکالتا ہے اور قالین پر ڈھیر کرتا ہے اس وقت
ہُما ایک طشت میں سٹرابری لے کر آتی ہے ۔)

ہُما : ہائے ممی کتنی اچھی سٹرابریز مل گئیں ۔

فرینہ : سٹرابریز کہاں سے آئیں ۔

ہُما : آنٹی حبیبہ کے فریج سے اور کہاں سے ۔

آنٹی : تم سے کہا تھا چائے بنا کر لاؤ۔

نُہما : مَیں اسے لگا آتی ہُوں چائے بنانے پر ــــ پہلے سُنتا ہی نہیں تھا جب میں نے کہا میں آغاجی سے شکایت کروں گی تو کہنے لگا کرو جی شوق سے کرو۔ لیکن جب میں نے کہا علی کو جگادوں گی ابھی ــــ تو آرام سے چائے بنانے لگا۔

فرینہ : How silly!

(سب مل کر ندیدوں کی طرح پھل کھاتے ہیں گو ہر کبھی ایک کھلونا کبھی دوسرا کھلونا دیکھتا ہے آخر میں کیمرہ علی پر جاتا ہے۔)

ــــــــــ کٹ

سین ۶

ان ڈور

شام کا وقت

(ہومیوپیتھک ڈاکٹر کی دکان۔ ایک کمرہ جس کے ایک کونے میں ڈاکٹر صاحب میز کرسی لگائے ہیں۔ سامنے بنچ پر چند مریض ہیں۔ ایک طرف کیبن میں پردے کے پیچھے دو عورتیں نظر آرہی ہیں۔ دوسرے کونے میں ڈاکٹر صاحب کا کمپاونڈر پڑیاں بنا رہا ہے۔ جب سین کھُلتا ہے تو ڈاکٹر صاحب ایک مریض سے اس کا احوال پُوچھ رہے ہیں۔)

ڈاکٹر : اب تو ڈراؤنی خوابیں نہیں آتیں؟

آدمی : نہیں جی

ڈاکٹر : کمر درد ؟

آدمی : ابھی ہے ڈاکٹر صاحب

ڈاکٹر : کیا کروٹ درد میں کمی ہوئی ہے ؟

آدمی : دونوں کروٹ ایک سی تکلیف ہوتی ہے ڈاکٹر صاحب۔

(وقفہ جس کے دوران ڈاکٹر صاحب پرچی لکھ رہے ہیں۔)

سر اُونچا کر کے لیٹوں دیوار کے ساتھ تو آرام آتا ہے۔

(ڈاکٹر صاحب پہلی پرچی پھاڑ کر دوسری لکھتے ہیں۔)

ڈاکٹر : دو دن کی دوائی دے دوں ؟

آدمی : ٹھیک ہے جی

ڈاکٹر : (پرچی دیتا ہے اور پھر کہتا ہے۔) ہاں بھئی کون صاحب آگے۔

(وزیر خاں بنچ سے اُٹھ کر ڈاکٹر کے سامنے آتا ہے۔)

ڈاکٹر : کیا تکلیف ہے آپ کو ؟

وزیر : ام کو نہیں جی ڈاکٹر صاحب۔ ہمارے صاحب کے بیٹے کو بخار ہے۔ علی صاحب کو۔

ڈاکٹر : کیا نام ہے بچّے کا ؟

وزیر : علی فرمان یزدانی

ڈاکٹر : (لکھتا ہے) عمر ؟

وزیر : بارہ تیرہ سال

ڈاکٹر : کیا شکایت ہے ؟

وزیر : بخار بوت ہے صاحب۔ بالکل تیز

ڈاکٹر : کس وقت اُترتا ہے ؟

وزیر : کبھی اُترتا ہی نہیں ہے یارا جی۔ بہت تیز ہے۔

ڈاکٹر : صبح کے وقت کم ہوتا ہے ؟

وزیر : صبح ضرور کم ہوتا ہے پر اُترتا نہیں ہے ۔

ڈاکٹر : کب سے ہے ؟

وزیر : آٹھ دس روز ہو گیا جی ۔ بالکل کمزور ہو گیا علی صاحب ۔

ڈاکٹر : اور کوئی سمٹم ؟ کوئی خاص نشانی بیماری کی ؟

وزیر : (ڈاکٹر کی گردن پر ہاتھ دبا کر) ادھر درد ہے ۔ اور منہ بالکل کوڑا ہے زہر ہر وقت ۔

ڈاکٹر : اور آنکھیں ۔

وزیر : آنکھیں جیسے شارق کی نہیں ہوتی جی پیلی پیلی ۔

ڈاکٹر : گندی رہتی ہیں ۔

وزیر : گندی نہیں جی ڈاکٹر صاحب ۔ رونے والی ۔ بہادر نہیں ہوتا ۔ شیر دل ۔ روتا نہیں ہے ناں جی پر صدمے سے پانی بھرا ہوتا ہے آنکھ میں ۔ ویسی !

ڈاکٹر : ناک کھجاتا ہے ؟

وزیر : نہ جی بالکل نہیں ۔ بس ہاتھ دیکھتا ہے جی اپنا ——

ڈاکٹر : دو دن کی دوائی دے دوں ؟

وزیر : ٹھیک ہے جی ۔

ڈاکٹر : لو جی اُدھر لے جاؤ اور پُڑیا بنوا کر سمجھ لو ان سے ۔

وزیر : کتنے پیسے جی ؟

ڈاکٹر : ایک روپیہ

(وزیر خاں پرچی لے کر کمپاونڈر کی طرف جاتا ہے اور دوسرا مریض آ کر اُس جگہ بیٹھتا ہے ۔)

—————— فیڈ آؤٹ

سین ۷
ان ڈور
شام

(علی کے کمرے میں اس کے امّی اور ابّا موجود ہیں۔ نرس بچّے کے سرہانے ہے اور ڈاکٹر ہاتھ سے پیٹ دبا دبا کر دیکھ رہا ہے۔ علی کو بخار ہے اور سب لوگ کافی پریشان ہیں۔ وزیر خاں ایک کونے میں کھڑا دونوں ہاتھ ناف پر باندھ کر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ رہا ہے یعنی اگر اس کا کلوز اپ لیں تو اس کے ہونٹوں کی حرکت سے صاف پتہ چل جائے کہ وہ اسمائے حسنیٰ دہرا رہا ہے۔

ڈاکٹر کافی پریشان ہے۔ پیٹ دبانا چھوڑ کر پھر ایکسرے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور روشنی کی طرف کر کے دیکھتا ہے۔ آرام سے کرسی پر بیٹھ کر سر جھکا لیتا ہے۔ کیمرہ ایک ایک کر کے سب کے چہرے دکھاتا ہے۔ سب اپنی اپنی جگہ مغموم ہیں۔)

ڈاکٹر : (اسی طرح سے سر جھکائے) ٹمپریچر ؟

نرس : ہنڈرڈ فور سر

ڈاکٹر : ہُوں ــــ کانسیٹنٹ ؟

نرس : یس سر !

امّی : نہیں صبح کے وقت کچھ کم بھی ہو جاتا ہے۔

نرس : بہت تھوڑی دیر کے لیے بیگم صاحبہ۔

(ڈاکٹر پھر اپنی کرسی سے اٹھ کر علی کے پپوٹے اٹھا کر اس کی آنکھیں دیکھتا ہے اور متفکر ہوتا ہے اس کے چہرے پر تشویش کے آثار ہیں اور وہ خاموش ہے۔)

آغا : کوئی خطرے کی بات تو نہیں ڈاکٹر صاحب ؟

ڈاکٹر : (وثوق کے ساتھ اُونچی آواز میں) نہیں سر نہیں۔ بالکل نہیں۔ خطرے وطرے کی کوئی بات نہیں میں تو صرف اس کی ـــــ ڈائیٹ کے بارے میں وریڈ ہوں کہ ـــــ ہم ۔۔۔۔

امّی : ابھی تک تو لیکوئڈ ڈائیٹ ہی دے رہے ہیں ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر : بالکل ٹھیک کر رہے ہیں۔ بالکل ہنڈرڈ پرسینٹ کوریکٹ۔ (نرس سے) اولو آئیل دو وقت دیا جا رہا ہے ناں۔

نرس : یس سر۔ مارننگ ایوننگ۔

ڈاکٹر : ایک چمچہ اور بڑھا دیجئے۔ دوپہر کے وقت۔

علی : (نحیف اور کمی آواز میں) بڑا بدبودار ہوتا ہے ڈاکٹر صاخب۔

ڈاکٹر : (ہنس کر) کیا کہا۔

آغا : کہہ رہا ہے بڑا بدبودار ہوتا ہے۔

علی : ابکائی آتی ہے پیتے وقت۔

آغا : کہتا ہے ابکائی آتی ہے پیتے وقت۔

بیگم : ڈاکٹر صاحب اس کو مالٹ نہ دیں وٹامن سی کے ساتھ۔

ڈاکٹر : جی جی۔ وہ بھی دیں گے۔

بیگم : مجھے ٹڈ ہاتھ دیا تھا ڈاکٹر صاحب ڈاکٹر پے سکا نے جب میرے گال بلیڈر کا آپریشن ہُوا ہے۔

ڈاکٹر : جی جی وہ بھی دیتے ہیں اگر ضرورت پڑے تو اچھا سر میں پھر آؤں گا شام کے وقت۔

آغا : تھینک یُو ڈاکٹر صاحب۔ تھینک یُو ویری مچ۔

(ڈاکٹر اپنا بی پی سیٹھو سکوپ اور اخبار اُٹھا کر باہر نکلتا ہے۔ آغا صاحب

بھی اس کے ساتھ جاتے ہیں۔ نوٹ: ڈاکٹروں کا بڑا سا ڈبہ ڈاکٹر کو نہ اُٹھوایا جائے)

وزیر : (آگے بڑھ کر) علی صیب جی! کیسا حال ہے یارا؟

علی : ٹھیک ہے۔

وزیر : اللہ کا شکر ہے بیگم صاحب۔ انشا اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔

علی : پُڑیا کا وقت نہیں ہُوا وزیر خاں۔

وزیر : وہ نہیں جی علی صاحب۔ اس کا تو ٹھیک ہے ناں جی۔ اس وقت نہیں ہوتا ناں یارا جی سب خیر اے۔

بیگم : پُڑیا کیسی؟

وزیر : پُڑیا نہیں ہوتی بیگم صاحب سونف کی۔ جس پر چینی ہوتی ہے جی۔ اس کا تو کوئی حرج نہیں۔

بیگم : نہیں نہیں۔ کچھ نہیں دینا علی کو ڈاکٹر صاحب سے پُوچھے بغیر....

وزیر : وہ تو بالکل معصوم ہوتا ہے جی سونف۔ دل جگر کا تمام بیماری کا علاج ہے.... اللہ فضل ہے ناں جی سونف پر، ہلدی پر، لہسن پر — سب بیماری کا شفا ہے اس میں۔

بیگم : تم رہنے دو اپنی ڈاکٹری۔ اور اُوپر جا کر شیشے صاف کرو صاحب کی سٹڈی کے۔

علی : نہیں امّی اس کو نہ بھیجیں۔

بیگم : اس کو کام ہیں بہت سارے علی۔

علی : نہیں امّی۔ یہ نہیں جا سکتا میرے کمرے سے باہر۔

وزیر : وہ جی مَیں پھر صاف کر لوں گا بیگم صاحب.... جب علی صاحب سوئے گا ناں جی تو مَیں ایک منٹ میں جا کر سب شیشہ بیشہ صاف کر لوں گا جی اور ادھر سے وہ بھی لے آؤں گا....

(آغا یزمانی ڈاکٹر صاحب کو چھوڑ کر آنے کے بعد کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔)

آغا : (آف کیمرہ) چلئے چلئے۔ تشریف لے چلئے۔

(بیگم طفیل اور بیگم نواز داخل ہوتی ہیں۔)

دونوں : (ایک ساتھ) ہائے بیگم . . . .

مسز طفیل: (سرگوشی میں) سو تو نہیں رہا علی ۔

(آغا صاحب بھی داخل ہوتے ہیں۔)

بیگم یزمانی : جی نہیں ۔ جاگ رہا ہے۔ آئیے۔ ادھر آجائیے ۔

مسز نواز : کیسی طبیعت ہے اب اس کی ؟

بیگم : اچھی ہے۔ شکر ہے خدا کا۔

طفیل : بخار اُترا ؟

بیگم : جی نہیں۔ ابھی تک تو نہیں اُترا ۔

(آغا یزمانی کے پاس کھڑے اس کے ساتھ سرگوشی میں بات کر رہے ہیں، اور وہ ہاتھ کے اشاروں سے بتا رہا ہے کہ اتنا اونچا اتنا بڑا ہوگا اور کافی موٹا ہے۔

اس عرصے میں خواتین کی گفتگو جاری ہے۔ آغا صاحب وزیر خاں سے بات کر کے کمرے سے باہر نکل جاتے ہیں۔)

نواز : تو پھر بھئی اس کو ابروڈ کیوں نہیں لے جاتے آپ ۔ کیا اوبسٹیکل ہے ؟

بیگم : اوبسٹیکل تو کچھ نہیں ۔ بس سوچ رہے ہیں ۔

طفیل : کمال کرتی ہیں آپ بیگم یزمانی ابھی تک سوچ ہی رہے ہیں آپ یہ تو ایکیوٹ سوئسائیڈل ٹنڈینسی ہے ۔

بیگم : نہیں آغا صاحب کر رہے ہیں انتظام۔

نواز : بھئی میری تو ساس کو Pilonidal cyst کی تکلیف ہو گئی تو نواز نہیں

بیرون لے گئے فوراً ڈاکٹر شنفسکی کے کلینک میں۔

طفیل : کینسر کا خطرہ ہوگا مسز نواز۔

نواز : وہ تو ہر وقت ہی رہتا ہے مسز طفیل۔ ریڑھ کی ہڈی کے آخر میں تھا یہ cyst۔ ساری عمر بائیں طرف رہا۔ لیفٹ ہینڈ سائڈ اور سکسٹی کے بعد دائیں طرف آ گیا کھسک کر۔

طفیل : Is she sixty--your mother-in-law?

نواز : اور کیا ماشاء اللہ

طفیل : بالکل نہیں لگتی۔

نواز : وہ تو اس کی بیٹی مر گئی جوان۔

طفیل : ہائے کونسی۔

نواز : بڑی خوبصورت۔ چارمنگ۔ from her first husband......
اس کو Pericardium ہو گئی تھی inflamation کی۔

طفیل : ہا! میرے اباجی فوت ہوئے Pericarditis سے فلوئڈ انکریز ہو گیا تھا ان کا۔ گیارہ مرتبہ نکالا نیڈل ڈال کر ڈاکٹر بیگ نے ــــ رات رات جاگتے رہے ڈاکٹر ان کے سرہانے، پورا بورڈ، لیکن نہیں بچ سکے۔

نواز : تو انہیں ابروڈ لے جانا تھا۔

طفیل : ویک بہت تھے!

نواز : آپ بھی یہ غلطی نہ کریں مسز یزدانی۔ اتنے دن کا فیور، لگاتار، اور آپ بیٹھی ہیں آرام سے۔

طفیل : ایسی سیونگ ٹھیک نہیں۔ آئی ایم سوری، اب اور انتظار نہ کریں بیگم یزدانی، ایک دن بھی۔

نواز : پلیز!

:

——— فیڈ آؤٹ

سین ۸

ان ڈور

رات

(اس وقت بیگم حبیبہ یزمانی اپنے بستر میں ہے۔ اس نے ڈریسنگ گاؤن پہن رکھا ہے۔ سر پر کرلرز لگے ہیں اور وہ احتیاط سے سر پر سکارف باندھ رہی ہے۔ آغا یزمانی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے ہاتھوں کو ہینڈ لوشن لگا رہے ہیں بیگم یزمانی بہت پریشان نظر آتی ہے۔ آغا یزمانی بھی نائیٹ سوٹ اور ڈریسنگ گاؤن پہنے ہوئے ہیں ان کے چہرے سے بھی پریشانی ظاہر ہوتی ہے۔)

بیگم : آپ لمبے وقفے کے لیے مجھے torture کرنا چاہتے ہیں۔

آغا : اب ڈاکٹر بشارت کہہ رہے تھے کہ آپ اُنہیں کچھ تھوڑی سی مُہلت اور دیں! وہ مکمل طور پر علاج بدل کر دیکھنا چاہتے ہیں۔

بیگم : میرا بچہ گنی پگ نہیں ہے ان کے experiments کے لیے..... کبھی وہ کچھ کرتے ہیں، کبھی وہ کچھ کرتے ہیں۔

آغا : حبیبہ! ڈاکٹر بشارت بہت sympathetic رہے ہیں۔ اُنہیں علی سے بڑا پیار ہے۔

بیگم : (چیخ کر) میں worried ہُوں آغا —— اور آپ time loose کر

رہے ہیں۔ میری ایک ایک nerve ختم ہو چکی ہے۔ میں کچھ نہیں جانتی آپ
علی کو فوراً لندن لے کر چلیں۔ Hang it all! یہاں پاکستان میں تو ایک
بھی کام کا ڈاکٹر نہیں ہے۔

(اس وقت وزیر دروازے پر ہلکا سا کھانس کر دستک دیتا ہے۔)

بیگم : کم ان! وزیر

(وزیر اس وقت کمبل اوڑھے ہوئے ہے۔)

وزیر : بڑا گیٹ کو تالا لگا دیا ہے بیگم صاحب۔

بیگم : علی کا کیا حال ہے؟

وزیر : ابھی سو رہا ہے لیکن پسینہ بہت آتا ہے۔ گھنٹہ گھنٹہ بعد تولیہ بھیگتا ہے پسینے سے۔

بیگم : اچھا تم آیا سے بولو کہ وہ گیلری میں سو جائے۔

وزیر : ابھی ہم بیٹھے گا علی صاحب کے پاس دو چار گھنٹے۔ ابھی آیا کا ضرورت نہیں
ہے وہ بہت خراٹے مارتا ہے۔

بیگم : اچھا جب تم کواٹر میں جاؤ سونے کے لیے تو آیا کو جگا جانا۔

وزیر : ہم کواٹر میں کیا کرنے جائے گا؟ ادھر ہمارا کون سا خزانہ دفن ہے۔

آغا : علی کے کمرے میں مت سو جانا خان —— وہ کمرہ چھوٹا ہے اس میں ایک
آدمی کے لیے مشکل سے آکسیجن ہے۔

وزیر : تم فکر نہیں کرو آغا صیب ہم علی کے کمرہ میں نہیں سوئے گا ہم ادھر ڈریسنگ
روم میں قالین پر ...

آغا : تم آرام سے کواٹر میں سو جاؤ خان —— اللہ مالک ہے۔

وزیر : اللہ ضرور مالک ہے آغا صیب ہم سب کا مالک ہے —— لیکن وزیر خان
ادھر سوئے گا ڈریسنگ روم میں .... ہم مجبور ہے صاحب —— خدا قسم

آغاصیب اب ہم کیا بتائے علی جب سے بیمار پڑا ہے ہمارا دل کتنا رنجیدہ ہے۔

بیگم : اچھا وزیر خاں ہیٹر نہ بند کر دینا۔

وزیر : ناں ہم کیوں ہیٹر بند کرے گا ہم کوئی بیوقوف ہے۔

(چلا جاتا ہے۔)

بیگم : (رونے لگتی ہے۔ تکیئے کے نیچے سے رومال نکالتی ہے اس پر سینٹ سپرے کرتی ہے۔ پھر آنسو پونچھتی ہے) آپ ہمیشہ ایسے کرتے ہیں۔ ہمیشہ ایسے کرتے ہیں۔ آپ نے ڈیڈی کی دفعہ بھی ایسے کیا تھا۔۔۔

آغا : کیا کیا تھا میں نے ڈیڈی کی دفعہ۔۔۔۔؟

بیگم : اچھا بھلا انہیں شکاگو لے جا رہے تھے ـــ کڈنی ٹرانس پلانٹ کے لیے، آپ نے ایڈوائس دی۔۔۔۔ اگر ڈیڈی سٹیٹس چلے جاتے تو فوت ہوتے؟

آغا : (پاس آکر) کیسی بدشگونی کی باتیں منہ سے نکالتی ہو جیبہ۔

بیگم : آپ کو کیا پروا ہے؟ آپ سپنڈ نہیں کرنا چاہتے نہ کریں۔۔۔۔ میں خود سارے expenses کروں گی آپ خدا کے لیے مانیں تو سہی۔۔۔۔

آغا : Money کا مسئلہ نہیں ہے ـــ میں۔۔۔۔ سوچتا ہوں شاید علی سفر نہ کر سکے اتنا لمبا۔ شاید ڈاکٹر بشارت یہاں ہی کوئی معجزہ کر دکھائیں۔۔۔۔ شاید۔

بیگم : (روتے ہوئے) نہیں۔۔۔۔ نہیں نہیں۔۔۔۔ میرا علی لندن جائے گا۔۔۔۔ ڈاکٹر کلارک کے پاس۔ اس کا موسٹ ماڈرن علاج ہو گا ـــ میں کسی کو ٹرسٹ نہیں کرتی یہاں کسی بشارت وشارت پر اعتماد نہیں ہے مجھے۔ ویسے بھی بیگم طفیل بیگم نواز سب کہہ رہی تھیں کہ۔۔۔۔ مجھے علی کو لندن لے جانا چاہیئے۔۔۔۔

آغا : اچھا میں باپ ہوں تم مجھے تو ٹرسٹ کرتی ہوناں۔

بیگم : (مدھم مری ہوئی آواز میں) ہاں

آغا : تو یقین کرو ـــ ابھی لندن لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں ـــ جب ضرورت ہوگی میں خود علی کو لے جاؤں گا۔

(آغا دروازے تک جاتا ہے اور وزیر کو آوازیں دیتا ہے۔)

وزیر ـــ وزیر ـــ

کٹ ـــــــــ

سین ۹

اِن ڈور

دن

(ڈاکٹر بشارت کے کمرے میں ڈاکٹروں کا بورڈ بیٹھا ہے بعض دوسرے پروفیسر ڈاکٹر بھی ڈاکٹر بشارت نے اپنے کمرے میں بلوائے ہوئے ہیں اور وہ ڈسکشن کے آخری حصے میں ہیں۔)

ڈاکٹر فیض : اب جن لائینز پر آپ نے پیشینٹ کا ٹریٹ منٹ کیا ہے ڈاکٹر صاحب وہ بالکل پرفیکٹ اکارڈنگ ٹو دابک ہیں۔ تھوڑی دیر لگے گی اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔

ڈاکٹر بشارت : پھر بھی ڈاکٹر صاحب ـــ آئی مین ۔ ۔ ۔ ۔

(سر کھجاتا ہے۔)

ڈاکٹر بیگ : یہ تو طے ہوگیا ڈاکٹر صاحب کہ This is a case of Serum Hepatitis.

ڈاکٹر نذیر : اور یہ بھی پیشنٹ کی ہسٹری سے معلوم ہو گیا ہے کہ یہ کیس Hepatitis contaminated transfusion کا ہے۔

فیض : اور اب تک آپ ٹھیک ڈائرکشن میں اس کا علاج کرتے رہے ہیں پھر پریشانی کیسی۔

بشارت : لیکن وہ کسی دوا کو رسپونڈ کیوں نہیں کرتا۔ آئی ونڈر

نذیر : اب یہ تو.... ڈاکٹر صاحب.... دیکھیے ناں .... ڈیپنڈ کرتا ہے مریض پر۔

بیگ : ڈاکٹر صاحب Anyone who has had Hepatitis is a ——— potential carrier of it for life.

اب ایسے آدمیوں کا خون ٹرانس فیوز کرنا.... اور پھر اس کا کوئی چیک بھی نہیں ہو سکتا ڈاکٹر صاحب۔

فیض : آپ ایسے کریں سر ڈاکٹر سلیم کو بھی کنسلٹ کر لیں، ڈاکٹر سلیم شیخ کو اور ڈاکٹر اللہ رکھا کو بھی۔

بشارت : یس یس یس.... کہاں ہیں ڈاکٹر.... اپنے....

فیض : ڈاکٹر اللہ رکھا ساہیوال میں ہیں سر کمپلیٹ ریٹائرڈ لائف اور ڈاکٹر سلیم شیخ میانوالی میں ہیں۔ شہر تو چھوٹے ہیں ڈاکٹر صاحب لیکن بہت بڑے ہیں دونوں۔

بشارت : شیور شیور شیور یہ.... اس پر ہیں (ڈائیل کی انگلی گھماتے ہوئے) کیا نام.... ڈائرکٹ ڈائیل پر — یہ دونوں cities ؟

بیگ : آپ کال بک کر لیں سر — جلدی مل جاتی ہیں آج کل۔

نذیر : اگر آپ ان سے کہیں گے تو وہ ابھی آجائیں گے دونوں پیشنٹ کو ایگزامن کرنے کے لیے....

بشارت : نو نو نو نو.... آئی مسٹ رنگ دم.... (اپنے خیال میں سر ہلائے جاتا ہے)
آئی مسٹ رنگ دم.... مسٹ — مسٹ....

——— فیڈ آوٹ

سین ۱۰
آؤٹ ڈور
شام

(آغا یزمانی کی کوٹھی کے لان میں۔ بید کے صوفوں پر آغا صاحب اور ڈاکٹر بشارت بیٹھے ہیں۔ عقب میں ان کی کوٹھی کا خوبصورت پورچ نظر آرہا ہے۔)

آغا : (ہچکچاتے ہوئے) ڈاکٹر صاحب ——— I hope you won't misunderstand me.

ڈاکٹر : جی جی آغا صاحب —— یُو آر ویلکم —— فرمائیے فرمائیے۔

آغا : میں چاہتا ہوں کہ علی کو لندن لے جاؤں —— ٹریٹ منٹ کے لیے۔

ڈاکٹر : لیکن کیوں آغا صاحب۔

آغا : دیکھئے ناں ڈاکٹر صاحب.... بہت دیر ہو گئی ہے.... اور وہ کمزور ہوتا جارہا ہے..... اینڈ آئی ڈونٹ تھنک کہ وہ یہاں امپروو کر سکے گا۔

ڈاکٹر : ناں ناں آغا صاحب آپ کیسی کفر کی باتیں کرتے ہیں —— سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بڑا اکرم ہے اس کا —— آپ بے فکر رہیں۔

آغا : حبیبہ تو کئی راتوں سے سو نہیں سکی ڈاکٹر صاحب اور میں بھی پریشان ہوں۔

ڈاکٹر : ناں سر ناں —— آپ آرام سے سوئیں —— میں جو ہوں جاگنے کے لیے —— آپ بالکل بے فکر رہیں Ali is in safe hands ..... انشاءاللہ He will improve--

آغا : اصل میں بڑے دن ہو گئے ہیں ڈاکٹر صاحب اور پھر میں..... افورڈ کر

کرسکتا ہوں ۔ Money is of no consideration

ڈاکٹر : ٹھیک ہے ٹھیک ہے — آپ بے فکر رہیں اللہ فضل کرے گا.... مجھے کچھ اور کنسلٹ کرنے دیں — کچھ اور مشورہ کرنے دیں — سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ — آپ بے فکر رہیں ۔ معالج کو والدین سے زیادہ فکر ہوتی ہے ۔

آغا : فکر تو ہوتی ہے ڈاکٹر صاحب — لیکن .... آپ ہم کو جانتے ہی دیں — وہاں میرا چھوٹا بھائی ہے .... اپنا گھر ہے .... پھر ان کے ہسپتال بڑے ایڈوانسڈ ہیں ڈاکٹر صاحب — یہاں تو وہ آپریٹس بھی نہیں .... ہمارے ملک میں .... Sir I hope .....

ڈاکٹر : (یقین کے ساتھ بھرپور لہجہ میں) آپ کیسی باتیں کرتے ہیں آغا صاحب .... خدا پر بھروسہ کیجئے — there are no two Gods — میں ایک اور تجربہ کار معالج کو بھی پیشینٹ دکھاؤں گا — آپ خاطر جمع رکھیں — انہوں نے ایسے بہت سے کیس ٹھیک کئے ہیں — اس سے بھی پیچیدہ — میں ان کو زحمت دوں گا .... آپ پریشان نہ ہوں بالکل — This is nothing.

کٹ ———

سین ۱۱
ان ڈور
شام

(علی بہت بیمار ہے وہ نیم بیہوشی کے عالم میں پڑا ہے اس کے بازو پر گلوکوز

لگی ہے۔ کمرے میں پائینتی کی جانب ایک نرس کھڑی ہے۔ سرہانے کی طرف وزیر خاں فرش پر بیٹھا منہ ہی منہ میں کچھ آیات پڑھنے میں مشغول ہے — علی کی امّی اور ابّو بھی بہت پریشان ہیں۔ آغا یزدانی کمرے میں فکرمندی کے عالم میں ٹہل رہے ہیں۔ بیگم یزدانی سر جھکائے پلنگ پر بیٹھی ہے۔ دروازے کا پردہ کھول کر ڈاکٹر بشارت داخل ہوتا ہے۔)

ڈاکٹر : (جیسے پردے کے پیچھے کوئی موجود ہو) آئیے آئیے — (خود سب سے مخاطب ہو کر) سلام علیکم آغا صاحب — کیا حال ہے علی کا؟

بیگم : بس جی ویسے ہی ہے — ابھی تو . . . .

ڈاکٹر : آئیے آئیے — تشریف لائیے۔

(پردہ کھول کر حکیم صاحب ذرا سا کھانس کر اندر آتے ہیں۔ یہ دراز قد خاموش طبع سنجیدہ آدمی ہیں۔ بغیر کالر کی قمیض اور شلوار کے اُوپر چھوٹا کوٹ پہنا ہوا ہے۔ سر پر کلے کی پگڑی بندھی ہے ہاتھ میں چمڑے کا چھوٹا سا تھیلا ہے چہرے پر گول فریم کی عینک ہے۔ آواز میں شائستگی اور دھیما پن ہے۔)

حکیم : اسلام علیکم

وزیر : (جلدی سے اُٹھ کر) وعلیکم اسلام

آغا : وعلیکم اسلام

(علی کے پلنگ کے پاس کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)

ڈاکٹر : بیٹھیے حکیم صاحب — یہ ہمارے بڑے experienced حکیم صاحب ہیں۔ انھوں نے بڑی successfully سینکڑوں Hepatitis cases کا علاج کیا ہے — حکیم صاحب یہ ہمارا علی ہے جس کا کیس میں نے آپ سے ڈسکس کیا تھا۔

حکیم : جی جی —

ڈاکٹر : ایکس رے دیجئے سسٹر....

(نرس ایکس رے پکڑاتی ہے ڈاکٹر حکیم صاحب کو ایکس رے دکھاتا ہے۔)

حکیم : یرقان کی شدت میں ایسا ہو جاتا ہے (پہلے ایکس رے دیکھتا ہے پھر نبض چیک کرتا ہے) قے آتی ہے ؟

وزیر : جی حکیم صاحب پرسوں پھر قے ہوا تھا — پہلے سبز پھر زرد — پانی بھی قے کر دیا تھا سارا۔

حکیم : پسینہ وغیرہ —؟

وزیر : آتا ہے حکیم صاحب صبح فجر کے وقت بالٹی بھر پسینہ آتا ہے۔

حکیم : بخار کا چارٹ ہے۔

(ڈاکٹر نرس سے لے کر حکیم کو دکھاتا ہے۔)

حکیم : دیکھئے ڈاکٹر صاحب — آپ اور میں تو ایسے ہی وسیلہ ہیں اصل شفا تو اس کے ہاتھ میں ہے۔ انشاء اللہ فضل ہو جائے گا — حق تعالیٰ نے چاہا تو کرم ہو جائے گا — یہ لوگ صابرین میں سے ہیں بہت جلد صحت ہو جائے گی بچے کو۔

(جب حکیم ہو جائے گا کہتا ہے ساتھ ہی وزیر انشاء اللہ کہتا ہے۔)

حکیم : دیکھئے بیگم صاحب میں (بچے کی آنکھوں کی پتلیاں اُٹھا کر دیکھتا ہے) کچھ وثوق سے نہیں کہہ سکتا — لیکن میرے مولا نے چاہا تو دو دن میں بچہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا — کسی کو میرے ساتھ روانہ کریں — میں مطب سے دوا بھیج دیتا ہوں۔

وزیر : چلو جی حکیم صاحب

حکیم : ایک تو شربت ہو گا — چار چار گھنٹے بعد — ایک خوراک اور چار پڑیاں ہوں گی سفوف کی وہ بھی چار چار گھنٹے بعد — یعنی ہر دو گھنٹے بعد پہلے شربت پھر دو گھنٹے بعد پڑیا پھر — شربت دو گھنٹے بعد — لیکن شرط ہے ایک !

آغا : جی حکیم صاحب؟

حکیم : ایک تو وقفے میں کمی بیشی نہ ہو ــــ دوسرے ہر دوا بیگم صاحب خود بچے کو پلائیں اپنے دستِ شفقت سے ــ اور رات کو بھی آپ ہی بچے کے کمرے میں رہیں.....

وزیر : آپ بے فکر رہیں حکیم صاحب ہم خود گھڑی پر نظر رکھے گا، بیگم صیب کو ہم خود یاد دلائے گا سارا شربت پُڑیا.....

بیگم : میرے دوا پلانے سے کیا فرق پڑے گا حکیم صاحب.....

حکیم : ماں کے وجود میں شفا ہوتی ہے بیگم صاحبہ بچے کے لیے..... اچھا ڈاکٹر صاحب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیے ... (سب سے پہلے وزیر خاں ہاتھ اُٹھاتا ہے اور سب سے آخر میں بیگم صاحب دعا کے لیے تیار ہوتی ہیں) یا اللہ ہم جانتے ہیں کہ بیماری بھی بمنزلہ رزق کے ہے اور بلا واسطہ تیری ہی طرف سے آتی ہے اور یہ نعمت بھی ہمیں اس وقت عطا ہوتی ہے جب کسی علم کا دروازہ ہم پر کھولنا مقصود ہوتا ہے لیکن ہم کمزور انسان ہیں اور بہ تقاضائے بشری اس نعمت کے متحمل نہیں ہو سکتے اس لیے آپ اس نعمت کو نعمتِ صحت میں تبدیل فرما دیجیے آمین۔ (سب آمین کہتے ہیں حکیم اُٹھتے ہوئے) آپ گھبرائیں نہیں انشاء اللہ صحت ہو جائے گی آؤ بھائی ــ میرے ساتھ (کچھ قدم چل کر) انار کا، سیب کا رس پلائیں دلیہ کھانے کو دیں ڈبل روٹی رس جو اس کا جی چاہے ــــ السلام علیکم۔

(چلا جاتا ہے اس کے ساتھ ہی وزیر خاں بھی جاتا ہے نرس بچے کے پاس جا کر بیٹھتی ہے اور اپنی کلائی کی گھڑی پر نظریں رکھ کر علی کی نبض دیکھتی ہے۔)

بیگم : یہ آپ نے کیا کیا ڈاکٹر صاحب ــــ آپ کا کیا خیال ہے ہم اب حکیموں کا علاج کرائیں گے۔

(یہ تینوں پلنگ سے کچھ فاصلے پر صوفوں پر بیٹھتے ہیں ۔)

ڈاکٹر : حکیم صاحب کا بڑا تجربہ ہے — انہوں نے بڑے پیچیدہ cases ٹھیک کیے ہیں اور میں نے ان کی ہسٹری تیار کی ہے ایک پیپر لکھنے کے لیے ۔

آغا : یہ آپ کہہ رہے ہیں ڈاکٹر بشارت آپ — اِ اے سائنٹیفک مین !!

ڈاکٹر : میں ہی تو کہہ سکتا ہوں آغا صاحب کیونکہ میں سائنٹیفک آدمی ہوں اور سائنٹیفک آدمی میں نہ ضعیف الاعتقادی ہوتی ہے نہ انا — میں سائنٹیفک آدمی نہ ہوتا تو methodology پر جھگڑتا .... ایک ہی طریق علاج پر اصرار کرتا ۔

بیگم : اینٹی بائیوٹکس اس پر اثر نہیں کر رہے اور شربت اثر کرے گا ۔

ڈاکٹر : دیکھیے بیگم صاحب میں معالج ہوں — مجھے مریض سے محبت ہے یہ میری انا کا مسئلہ نہیں کہ مریض کو کس سسٹم سے آرام آجاتا ہے کیسے شفا ہو جاتی ہے ۔ بلکہ مجھے صرف اس بات سے دلچسپی ہے کہ مریض کو آرام آنا چاہیئے .... چاہے حکمت سے چاہے ہومیوپیتھی سے چاہے ہربل ٹریٹ منٹ سے ۔

آغا : یہ سب سسٹم پرانے ہیں ڈاکٹر صاحب اور بالکل فضول ہیں ۔ ماڈرن میڈیکل سسٹم اسی وجہ سے تو کامیاب ہے کہ اس نے .... ان سب چیزوں کو ....

ڈاکٹر : اگر کسی دوسرے سسٹم کی خرابی ہی آپ کے سسٹم کی خوبی کی بنیاد ہے آغا صاحب تو پھر یہ خوبی بہت ہی کمزور بنیاد پر قائم ہے ۔ اگر ایک دن دوسرے سسٹم کی خرابی دور ہو گئی اور وہ خوبی میں تبدیل ہو گئی تو پھر آپ کا سسٹم کہاں جائے گا اس کی پائیداری کس طرح سے قائم رہے گی — Don't be bigoted, please آغا صاحب — پلیز ۔

بیگم : خیر ڈاکٹر صاحب یہ پرانی باتیں ہیں اُن سائنٹیفک عہد کی ۔

ڈاکٹر : میں آپ سے کسی لمبی بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ پریشان ہیں لیکن بیگم صاحبہ یقین جانیے کہ ہم ڈاکٹر لوگ متعصب نہیں ہوتے fanatic اور bigoted اور تنگ نظر نہیں ہوتے — ہمیں بنی نوع انسان کی صحت اور تندرستی کی اتنی فکر ہوتی ہے کہ ہمیں جہاں سے بھی مریض کو بچانے کا کوئی نسخہ مل جاتا ہے ہم فوراً وہاں پہنچ جاتے ہیں...... اگر ہم ضعیف الاعتقاد ہوتے تو اتنی بڑی تعداد میں اکوپنکچر سیکھنے چین نہ جاتے اگر ہماری انا کا یا تکبر کا مسئلہ ہوتا تو افریقی جبشیوں کے پرانے نسخے سنکونا سے کبھی کونین تیار نہ کرتے.... لیمن جوس سے scurvy کا علاج نہ ہوتا۔ یاد رکھیے ڈاکٹر کبھی متکبر نہیں ہوتا۔ ضدی نہیں ہوتا کسی سسٹم کا پجاری نہیں ہوتا شفا کا طلب گار ہوتا ہے۔ آپ علی کو میرے کیئنک میں remove کر دیجئے میں خود اس کی دیکھ بھال کروں گا — نرس آپ ان کی مدد کریں۔

نرس : یس ڈاکٹر —

بیگم : اور وہاں آپ اس کا علاج اس حکیم سے کروائیں گے اس پگڑی والے سے ؟

ڈاکٹر : وہ میری headache ہے بیگم صاحب — میں کسی اَن سائنٹیفک آدمی کو اس معاملے میں انٹرفیئر کرنے کی اجازت نہیں دوں گا — سلام علیکم At the earliest, remove Ali to my clinic آغا صاحب —

(چلا جاتا ہے۔)

بیگم : اب ؟ — اب جب بیگم طفیل مسز دارا — آنٹی زرینہ کو پتہ چلے گا کہ بچے کا علاج حکیم صاحب کر رہے ہیں تو کتنی بدنامی ہوگی — کیا سوچیں گے ہمارے فرینڈز اور رشتہ دار کہ ٹوئنٹیتھ سنچری میں کیا ہو رہا ہے۔

آغا : Be hanged رشتہ دار اور فرینڈز ! مَیں خود برداشت نہیں کرسکتا کہ
ایک دیسی حکیم کے حوالے کردوں اپنا علی — یہ ڈاکٹر بشارت بھی Senile
ہو رہا ہے — مجھے کہہ رہا تھا کہ میں ایک experienced آدمی لاؤں گا
— میں سمجھا کوئی امریکن یا ڈچ ڈاکٹر ہوگا — پکڑ کے کیا اٹھا لایا —
(فون اُٹھا کر رنگ کرتا ہے۔)
ہیم لائیٹ ..... جی میں آغا یزمانی بول رہا ہوں — جی مجھے تین ٹکٹیں لندن
کی چاہیں .... میں اپنے بیمار بچے کو لندن لے جانا چاہتا ہوں۔ ملک صاحب
کہاں ہیں بلاؤ انہیں .... (وقفہ۔ بیوی سے) کچھ لوگوں نے مجھ سے کہا
تھا کہ ڈاکٹر بشارت کا دماغ Senile ہو رہا ہے (فون پر) ملک صاحب
سلام علیکم یزمانی .... مجھے تین ٹکٹیں فوراً چاہیں لندن کی — علی بہت بیمار
ہے۔ چلیئے پرسوں کی سہی .... تھینک یو .... پی فارم ؟— میں اپنے
پی اے کو بھیج دوں گا صبح تمام formalities کے لیے۔
(وہ فون کرتا رہتا ہے وزیر آتا ہے۔)

وزیر : بیگم صاحبہ شربت ابھی پلا دو جی — اللہ فضل کرے گا۔

بیگم : ادھر لاؤ میرے پاس یہ دوائیاں —
(وزیر دوائیاں اسے پکڑا تا ہے بیگم علی کے پلنگ کے پاس پڑی ہوئی بالٹی
میں پہلے پڑیاں پھینکتی ہے پھر شربت کی بوتل غٹ غٹ کرکے اس میں ڈالتی
ہے۔ کیمرہ گرتے ہوئے شربت پر آتا ہے۔)

——— ✻ ———

ایسی بُلندی اور ایسی پَستی

کردار:

طیبہ : اعتبار کرنے والی محبت سے بھری روح

منزہ : معصوم، طیبہ کی چھوٹی بہن

عامر : طیبہ کا بھائی۔ حالات کا زخم خوردہ

شیخ شیر محمد : ایسا چالاک اور خود غرض شخص جو ایک واقع سے بدلنے کی اہلیت رکھتا ہے۔

خالدہ : شیر محمد کی بیوی

طارق : محبت کرنے والا نوجوان لیکن ....

بیوہ : ایک غم زدہ عورت

نعیم : بیوہ کا بیٹا

اور دوسرے



سین ۱
ان ڈور
شام کا وقت

(ایک خوبصورت اور آراستہ کوٹھی کا ڈائننگ روم۔ جس وقت ٹیلپ ختم ہوتے ہیں، کیمرہ ڈائننگ ٹیبل پر آتا ہے۔ ٹیبل پر ایک بڑا سا کیک پڑا ہے جس پر گلاب کی کلیاں اور چھوٹا سا گھر پیسٹری میں آراستہ کیا گیا ہے۔ اب کیمرہ اُٹھتا ہے۔ طارق آگے آتا ہے۔ وہ چور نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتا ہے۔ پھر کیک اُٹھاتا ہے اور چلتا ہے۔ وہ ڈائننگ رُوم، ڈرائنگ رُوم اور پھر گیلری میں آتا ہے۔ گیلری میں اُوپر جانے والی سیڑھیاں ہیں۔ وہ کیک کو سینے کی آڑ میں لئے ہوئے جلدی جلدی اُوپر جاتا ہے۔ یہاں سے یہ بات اسٹیبلش کی جاتی ہے کہ طارق، شیر محمد اور خالدہ نچلی منزل پر رہتے ہیں۔ اور اوپر کی منزل پر طیبہ، مشترہ اور عامر رہتے ہیں۔ طارق جو اپنی ماں خالدہ سے چوری یہ کیک اُوپر لے جاتا ہے، سارا وقت سیٹی بجاتا جاتا ہے، جیسے اپنی خفت چُھپا رہا ہو۔)

کٹ ــــــــــــــــ

سین ۲
ان ڈور
شام کا وقت

(نچلے گھر کے مقابلے میں یہ حصہ بالکل مفلوک الحال لوگوں کی رہائش گاہ ہے یہاں دو

کمرے ہیں۔ باقی کھلی چھت ہے۔ ایک طرف ٹیلی ویژن کا انٹینا لگا ہے۔ کپڑے سکھانے والی رسّی بندھی ہے۔ ایک طرف چھوٹا سا کمرہ ہے جس کو باورچی خانے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اس وقت عامر، طیّبہ اور منزّہ ایک چھوٹی سی میز کے ارد گرد بیٹھے چائے پی رہے ہیں۔ یہ میز اتنی بڑی ہونی چاہیے کہ اس کی ایک سائیڈ پر صرف ایک کرسی آسکے۔)

منزّہ : چُپ کریں عامر بھائی۔ کوئی اُوپر آرہا ہے۔

عامر : رمضان آرہا ہوگا۔ انٹینا ٹھیک کرنے۔

طیّبہ : چچی جان کے قدموں کی چاپ ہے۔

منزّہ : لے وہ کہاں آتی ہیں اُوپر۔

(اس وقت کوٹھے والے دروازے سے طارق آتا ہے۔)

طارق : ہیلو کزنز ——

سب : سلام علیکم۔

منزّہ : دیکھیے طارق بھائی۔ آپا طیّبہ کو اتنی بھی پہچان نہیں۔ کہہ رہی تھیں چچی جان کے پیروں کی آواز ہے۔ دیکھ لیجیے۔

طارق : ہاں جی یہ کیوں پہچانیں گی —— سارا دن ایئر کنڈیشنڈ آفس میں کام کرتی ہیں ڈچ صاحبوں کے ساتھ۔ پیپر گلاسوں میں پانی پیتی ہیں۔ ڈسپوزیبل پلیٹوں میں برگر کھاتی ہیں۔ ان کو کیا پرواہ ہے دھرتی پر چلنے والوں کی۔

طیّبہ : لیکن ہوں تو معمولی سٹینو ٹائپسٹ طارق۔ ان باتوں سے کیا فرق پڑتا ہے۔

طارق : ذرا چُھری لاؤ۔ (طیّبہ سے) بڑا فرق پڑتا ہے۔ پُوچھو عامر سے —— لاؤ چُھری۔

منزّہ : کیوں میرا گلا کاٹنا ہے۔

طارق : اس کیک کے حصّے بخرے کرنے ہیں۔ کیوں یار عامر تُم بہت خاموش ہو آج۔

عامر : آج کچھ آنکھ میں پڑ گیا طارق بھائی ۔۔ ویلڈنگ کرتے وقت ۔

طارق : عینک نہیں لگائی ہوئی تھی وہ ۔۔ سپیس مین جیسی؟

عامر : عینک تھی طارق بھائی ڈھیلچو ۔۔ بس ذرا سا ذرہ پڑا ہے ۔۔ نانی یاد آ گئی ۔

طارق : نکل گیا ذرہ ؟

عامر : جی نکل گیا۔ اُستاد جی گلاب کے پانی سے دھوتے رہے تھے کتنی دیر ۔

طارق : اب بتاؤ طیبہ ۔۔ کس کی ہارڈ لائف ہے ۔ تمہاری کہ عامر کی ۔ بیچارہ ایک سو چودہ ڈگری ہیٹ میں ویلڈنگ کرتا ہے ۔ اور ایسی جگہ بیٹھ کر جہاں سر پر سایہ بھی کوئی نہیں ۔

طیبہ : میں تو اتنا کہتی ہوں کہ اب مجھے نوکری مل گئی ہے تو تم داخلہ لے لو کالج میں عامر ۔۔ لیکن یہ مانتا ہی نہیں ۔

عامر : نہ بابا میری بڑی قدر ہے ورکشاپ میں طارق بھائی ۔ میں اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں ۔

طارق : بھائی میرے تم ہرگز یہ کام نہ چھوڑنا ۔۔ کیا پتہ مجھے نوکری نہ ملے ۔ تو میں بھی تمہارے ساتھ کام کرنے لگوں ۔ (آواز بدل کر) اوئے چھوٹے پانا ۔ اوئے چھوٹے سنتی چھوٹے مُنہ والی ۔ اوئے سُنا نہیں کتے ۔

طیبہ : فیکٹری والوں کو کیا پروا ہے نوکریوں کی طارق !

طارق : (آواز دے کر) وزیر آباد گئی ہے منزّہ چھُری بنوانے ؟

منزّہ : (آتے ہوئے) اکلوتی چھُری تھی طارق بھائی ۔ وہ بھی چولہے کے پیچھے جا گری ۔

(طارق چھُری پکڑتا ہے ۔)

طارق : (کیک کاٹتے ہوئے) ہر کام کرتے ہوئے اتنی دیر لگتی ہے تجھے ۔ پری میڈیکل ہو چکا اس رفتار سے ۔

طیبہ : طارق !

طارق : بس بس

طیّبہ : یہ تم ہر وقت چیزیں کیوں لے آتے ہو اُوپر!

طارق : نیچے صرف میں ہوں کھانے والا۔ امّی شوگر کی مریض، ابّا جی کے دانتوں میں میٹھا لگتا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے، میں اتنا بڑا کیک کھا سکتا ہوں اکیلا۔

طیّبہ : فریج میں رکھ دینا تھا۔ مہمان وغیرہ آجاتے ہیں۔

طارق : اور تھوڑا تھوڑا کھانا تھا۔ بچا بچا کے، ہے نا بڑی بی — عامر یہ تمہاری چھوٹی بہن ہے؟

عامر : ہاں طارق بھائی۔

طارق : اسّی برس کی عمر ہے اس کی یہاں (سر کو ہاتھ لگا کر)۔ کھاؤ — فلیور ہے۔

(عامر اور منیّرہ کو پیش کرتا ہے۔)

طارق : مس پلیز۔

طیّبہ : شکریّہ

طارق : نہ نہ۔ یہ پیس نہیں۔ یہ لو — پُوری گلاب کی کلی۔

منیّرہ : آج تو میری بہت بڑی خواہش پُوری ہوئی۔ جب میں کالج سے آ رہی تھی تو میں نے سوچا کہ کیا ہو اگر کہیں سے کیک آجائے آئسنیگ والا۔

(نیچے سے طارق کی ماں خالدہ کی آواز آتی ہے۔)

خالدہ : (آف کیمرہ) طارق! طارق بیٹے۔ درزی آیا ہے۔

(طارق جلدی سے اُٹھ کر جاتا ہے۔)

کٹ ————

سین ۳
ان ڈور
دن کا وقت

(ٹن پرنٹنگ فیکٹری کا آرٹ ڈیپارٹمنٹ ۔ یہ سین اعلیٰ درجے کا ماحول قائم کرنے کے لیے بنایا گیا ہے ۔ چار آرٹسٹ، جن میں ایک لڑکی بھی ہے، اپنے اپنے اڈوں پر بیٹھے کام کر رہے ہیں ۔ رنگ پوسٹر کلر کی تصویریں دیواروں پر اور کھڑکیوں پر اور میزوں پر لگی ہیں ۔ گویا رنگ کا اور نقش کا ایک گلزار کھلا ہے ۔ ٹی وی کے آرٹ سیکشن میں جو کچھ بھی خوبصورت ہے، اور باہر سے بھی جو مانگا جا سکتا ہے یہاں لگایا جائے لیکن زیادہ چیزیں گرافک آرٹس کی ہوں ۔ فائن آرٹ کے نمونے بھی دکھائے جا سکتے ہیں ۔ کم از کم لیٹرنگ کے نمونے بطور خاص ڈسپلے کیے جائیں ۔ کچھ دیر آرٹسٹوں کو کام کرتے دکھائیں اور ماحول قائم کریں تو پروڈیوسر اپنی مرضی سے اپنی تسلی کے مطابق شیخ شیر محمد صاحب کو اندر داخل ہوتے دکھا دیں ۔)

شیر محمد : بھئی ماموں کانجن بسکٹ فیکٹری سے پھر فون آیا ہے منصور صاحب ۔

منصور آرٹسٹ : وہ شیخ صاحب جس قسم کا ڈیزائن وہ مانگتے ہیں اپنے ڈبے کے لیے، وہ ہم سے نہیں بن سکتا ۔

شیر : کیوں نہیں بن سکتا بھئی — آپ تو ایک سے ایک اعلیٰ ڈیزائن بنا چکے ہیں ۔

نائلہ آرٹسٹ : بہت مشکل ہے سر ۔ اس میں سینٹر آف ایریگیشن تو شیر بن جاتا ہے، بسکٹ کیسے دکھائیں ۔

شیر : آپ کو اس سے کیا ! وہ سادہ لوگ ہیں جس طرح کا ڈیزائن چاہتے ہیں بنا دیں ۔

نائلہ : انہوں نے فرمائش کی ہے کہ ایک شیر بنائیں گہرے پیلے نارنجی رنگ کا ۔ اور اس کی دھاریاں ڈارک براؤن ہوں اور اس شیر پر ایک آدمی کھڑا ہو ۔

دوسرا آرٹسٹ : (سر اُٹھائے بغیر) گہرے بادامی رنگ کا!

منصور : (ہنس کر) نہیں خیر یہ تو نہیں۔ وہ آدمی ضرور مانگتے ہیں جو شیر کی کمر پر کھڑا ہوا بسکٹ کھا رہا ہو اور اس کے سر پر مسخروں والی لمبی ٹوپی ہو۔

شبیر محمد : تو ٹھیک ہے بنا دیجئے۔

نائلہ : اس میں بسکٹ اتنا سا رہ جائے گا سر چونی جتنا!

دوسرا آرٹسٹ : (سر اُٹھائے بغیر) شیر والا اِملی چوستا ہوا دکھائی دے گا۔

شبیر : اوہ بھئی ہم کو کیا۔ جو گاہک چاہتا ہے، وہی بنا دو۔

منصور : لیکن شیخ صاحب ہم پراسپیکٹو کو کیا کریں۔ ہمارے فن کے بھی تو تقاضے ہیں۔

شبیر : فن کے تقاضے بزنس میں نہیں چلتے منصور صاحب! آپ بنا دیں بسم اللہ کر کے۔

منصور : اچھا سر ایک کوشش اور کر دیکھتے ہیں۔

نائلہ : یہ ان کو کیا مصیبت پڑ گئی بسکٹ فیکٹری لگانے کی۔

شبیر : لائسنس مل گیا، لگا رہے ہیں۔ ورنہ ان کو کیا معلوم کہ بسکٹ کدھر سے کھایا جاتا ہے اور کب کھایا جاتا ہے۔

نائلہ : ویسے۔ معاف کیجئے گا۔ یہ بزنس ہے بڑی لعنتی چیز۔ انسان کو کچھ اور ہی بنا دیتی ہے۔

شبیر : (جاتے ہوئے) اچھا تو میں پھر کہہ دوں ان سے کہ بن رہا ہے ان کا ڈیزائن۔

منصور : جی جی۔ کہہ دیجئے — کر رہے ہیں کوشش — ہو جائے گی ان کی آرزو بھی پوری۔

(شیخ شبیر محمد کے جانے کے بعد منصور گہری سوچ میں ڈوب جاتا ہے، جس میں نہ تو نفرت ہے نہ حیرت نہ طنز نہ زہرخند بس سوچ ہی سوچ ہے اس سارے سین کے پس منظر میں پرنٹنگ پریس کے چلنے کی بہت ہی دھیمی آواز آتی ہے۔)

کٹ ———————

سین ۴
ان ڈور
رات کا وقت

(اس وقت کمرے میں لمبے لمبے سائے پڑ رہے ہیں۔ چھوٹی میز درمیان میں ہے۔ اس کے چاروں طرف عامر، طیبہ، منزہ اور طارق بہت سنجیدہ صورتیں بنائے بیٹھے ہیں۔ میز کے اوپر میز جتنا بڑا شیشہ ہے۔ شیشے کے چاروں طرف انگریزی حروف اے۔ بی سی ڈی لکھے ہیں —— درمیان میں شیشے کا ایک گلاس پڑا ہے۔ گلاس کے اوپر عامر، طیبہ اور طارق نے اپنی اپنی انگشت شہادت رکھی ہے۔ ان سب کے اوپر ایک گول سے لیمپ شیڈ میں بلب جل رہا ہے۔ جس کی وجہ سے ان چاروں کے چہرے پر بھی سائے ہیں۔ طیبہ اور منزہ کی پلکوں کے سائے ٹاپ لائیٹ کی وجہ سے بہت لمبے ہیں۔ منزہ بہت ڈری ہوئی ہے۔ اس لیے اس نے گلاس پر اُنگلی نہیں رکھی۔ طارق جادوگروں کی سی آواز میں آہستہ آہستہ کہتا ہے :)

طارق : Any good soul passing by kindly enter the glass and indicate by going to "Yes"!

(یہ جملہ وہ دو بار بولتا ہے۔)

منزہ : طارق بھائی اُردو میں بھی کہہ دیں۔ شاید روح کو انگریزی نہ آتی ہو۔
(ڈر کر آہستہ)

طارق : (آہستہ آہستہ) اگر کوئی اچھی روح اِدھر سے گزر رہی ہے تو مہربانی فرما کر گلاس میں آجائے اور گلاس کو لفظ یس تک لے جائے، تاکہ ہم کو پتہ چلے کہ وہ آگئی ہے۔

(اب گلاس آہستہ آہستہ لفظ یس تک جاتا ہے۔ یہ چاروں آپس میں نظریں ملاتے ہیں۔)

طیبہ : آگئی — اچھی رُوح — پلیز ہمارے ابا جی کی رُوح کو بُلا دو۔

عامر : شیخ فیض محمد

منزّہ : ابا جی کی رُوح کو نہ بُلائیں باجی۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔

(گلاس آہستہ آہستہ درمیان میں چکّر لگاتا ہے۔)

طارق : کیا — کیا شیخ فیض محمد کی رُوح گلاس میں ہے؟ تایا ابا کیا — کیا آپ آگئے ہیں گلاس میں؟

(گلاس جلدی سے یس پر جاتا ہے۔)

منزّہ : ابا جی آگئے باجی۔

طیبہ : آپ خوش ہیں ابا جی؟

(گلاس جلدی سے نو پر آتا ہے۔)

عامر : نو — ابا جی آپ خوش نہیں ہیں۔ (گلاس جلدی سے پھر نو پر جاتا ہے۔)

طیبہ : کیوں ابا جی کیوں خوش نہیں ہیں آپ؟

طارق : (گلاس جلدی جلدی حروف پر جاتا ہے طارق حروف بولتا ہے۔) پراپرٹی جائیداد کی وجہ سے یعنی — فیکٹری اور زمینوں کی وجہ سے تایا ابا؟

(گلاس پھر یس پر آتا ہے۔)

طارق : کیا چاہتے ہیں آپ تایا ابا؟

(گلاس جلدی جلدی حروف پر جاتا ہے۔ طارق غور غور سے پڑھتا جاتا ہے۔)

منزّہ : پلیز ابا جی کو جانے دیں طارق بھائی۔

طیبہ : کوئی بات؟ کوئی پیغام ابا جی؟

(پھر گلاس تیزی سے گھومتا ہے اور طارق پڑھتا ہے۔)

طارق : Return the property to my children.

عامر : کیا کیا طارق بھائی ۔ کیا کہا آپا جی نے ۔

طارق : ان کی رُوح گھومتی پھرتی ہے ۔ یہاں اس گھر میں ۔جب تک جائیداد تم کزنز کے نام نہیں ہو جاتی ، وہ یہیں رہیں گے ۔

طیّبہ : (گلاس اُٹھا کر) خدا حافظ آپا جی ۔

طارق : یہ کیا کیا طیبہ ۔ میں نے افغانستان کے متعلق کچھ سوالات پوچھنے تھے ۔

طیّبہ : بتّی جلاؤ منزّہ پلیز ۔

(منزّہ بتّی جلاتی ہے ۔ تمام سائے ختم ہو جاتے ہیں اور منظر عام ہو جاتا ہے ۔)

طارق : (اُٹھتے ہوتے) ویسے تایا ابا کی رُوح کیسے جا سکتی ہے یہاں سے ۔صاف ظاہر ہے ۔

منزّہ : عامر بھائی مجھے پریکٹیکل کی کاپی لادیں پلیز ۔

عامر : میں لادوں گا لیکن پسند نہ آئی تو واپس کرنے نہیں جاؤں گا ۔

منزّہ : میں آپ کے ساتھ چلوں —

عامر : چلو —

منزّہ : باجی پندرہ روپے دے دیں ۔

طارق : مجھ سے لو — مجھے آج پاکٹ منی ملی ہے ۔

طیّبہ : (نوٹ دے کر) یہ لو منزّہ اور جلدی آجانا ۔کہیں امیر زادوں کی طرح کونز نہ کھانے لگ جانا — بازار میں ۔

(عامر اور منزّہ ابھی آئے ابھی آئے کہتے ہوتے جاتے ہیں طارق طیبہ کے پاس آکر بیٹھتا ہے ۔)

طارق : تمہیں ڈر نہیں لگتا مجھ سے ؟

طیّبہ : تم سے ؟ کیوں ؟

طارق : میں تمہارے چچا شیر محمد صاحب کا بیٹا جو ہوں —

طیّبہ : پھر ؟

طارق : وہ تایا فیض محمد کی فیکٹری، کوٹھی، زمینوں کو ہتھیا چکے ہیں۔ اور میں ان کا بیٹا ہوں —
مجھ میں ان کا لہو ہے۔

طیبہ : تم میں تو ابا جی کا بھی لہو ہے۔

طارق : تمہیں genetics پر کوئی اعتماد نہیں ؟

طیبہ : کیا مطلب ؟

طارق : میں تو سمجھتا ہوں شیخ سعدی کی طرح کہ شود عاقبت بچہ زاغ زاغ — میں بھی آگے چل کر
اباجی شیر محمد بن جاؤں گا۔ پتہ نہیں کیوں مجھے لگتا ہے کہ ان کے اندر کی ساری بدی میرے اندر
بھی موجود ہے۔ بس چھوٹا سا آؤٹ لٹ مانگتی ہے۔ میری شکل بھی ویسی ہو جائے گی۔ ایک دن۔

طیبہ : تم کو بہت شوق ہے طارق ؟

طارق : کس چیز کا ؟

طیبہ : جب تم اس قدر اچھے ہو پیارے ہو، پھر تمہیں خراب بننے کا بڑا ارمان ہے۔

(طارق جیب سے دس کا نوٹ نکالتا ہے۔)

طارق : اس پر لکھ دو ابھی !

طیبہ : کیا ؟

طارق : یہی کہ طارق بہت اچھا اور نیک نوجوان ہے۔

طیبہ : لاؤ لکھ دوں۔ (نوٹ دیتا ہے۔ وہ لکھتی ہے۔)

طارق : ایسا خوبصورت لکھنا کہ میں اپنی بیوی کو سلامی میں دے سکوں۔

طیبہ : (لکھتے ہوئے) وہ دس روپے سلامی نہیں لے گی خیر۔

طارق : اس کا باپ بھی لے گا۔

طیبہ : اس کا باپ شاید مروت میں لے لے، وہ نہیں لے گی — لو۔

طارق : (پڑھتا ہے) طارق کا کچھ پتہ نہیں۔ اس سے بچ کر رہنا۔ طیبہ بقلم خود۔

سچ سچ بتاؤ اس کا کیا مطلب ہے۔

طیبہ : (آنکھیں بند کر کے) بادلوں کا کیا پتہ ہوتا ہے طارق۔ ضروری تو نہیں کہ سارے کے سارے بارش سے بھرے ہوں۔ تمہارا ابھی کیا پتہ — کیا خبر۔ کہاں جا کر برسو۔ یا پھر سیدھے اُڑ جاؤ۔ اُونچے پہاڑوں کی طرف۔ بن برسے۔ ہم آنکھیں لگائے رہیں۔ اور تم میں ایک بُوند بھی نہ ہو ہمارے لیے۔

طارق : (گلاس اُٹھاتا ہے اور پوچھتا ہے) یہاں اُنگلی رکھی تھی نہ تم نے؟

طیبہ : ہاں —

(طارق گلاس پر وہیں اپنے ہونٹ رکھتا ہے۔)

طارق : کیا بات ہے؟ کچھ لوگوں کے چھونے سے ہی چیزیں متبرک ہو جاتی ہیں۔ فوراً — ایسے ہی شروع شروع میں بُت بنے ہوں گے۔ کچھ اچھے لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے گھڑ دیئے ہوں گے، لوگوں نے پُوجا شروع کر دی ہو گی۔

کٹ ——————

سین ۵

آؤٹ ڈور

دن کا وقت

(ایک بہت مصروف بازار میں ایک ورکشاپ کے سامنے فٹ پاتھ پر عامر بیٹھا ویلڈنگ کر رہا ہے۔ اس کے پاس ہی ایک اور مستری کام کر رہا ہے۔ اُستاد جی کے پاس ریڈیو پڑا ہے جس پر اُونچے اُونچے گیت لگا ہے۔ گیت کچھ دیر جاری رہتا ہے۔)

کٹ ——————

سین ۶
ان ڈور
شام

(خالدہ ڈرائینگ روم میں بیٹھی ہے۔ اس کے قریب ہی ایک ٹرے میں بہت ساری لیچیاں پڑی ہیں۔ اس وقت اس کے ہاتھ میں ایک چھلی ہوئی لیچی ہے جسے وہ مزے سے کھا رہی ہے اور ساتھ ہی عورتوں والا لمبا فضول فون کر رہی ہے۔)

خالدہ : لیچی کھا رہی ہوں شفقت باجی ـــ نہیں ہمارا درخت تو پچھلے سال جل گیا جیسے کسی کی بددُعا لگی ہو۔ یہ تو کرنل حبیب کے باغ کی ہیں چین سے قلمیں منگوائی تھیں انہوں نے۔ بھجواؤں گی۔ بھجواؤں گی کیوں نہیں۔ اچھا۔ اچھا۔ اچھا کیا جو مجھے فون کیا۔ نہیں میرا تو کوئی خیال نہیں۔ طیّبی کی طرف۔ ٹھیک ہے بھائی فیض محمد کی بیٹی ہے۔ (آواز گرا کر) ان بچوں نے کچھ کر کے ہی نہیں دکھایا۔ عامر تو ویلڈر لگا ہوا ہے ـــ معمولی۔ طیبہ نے نوکری کر لی ہے ایک انگریزی فرم میں ٹائپسٹ کی۔ دیکھیں اب یہ منزہ کیا چاند چڑھاتی ہے۔ نہیں جی نہیں۔ آپ ضرور لڑکی ڈھونڈیں طارق کے لیے۔ خیر سے بی اے کر لیا ہے۔ اس سے زیادہ پڑھانا نہیں ہم نے ہاں جی۔ بس۔ خوبصورت ہو۔ صوم وصلوٰۃ کی پابند ہو۔ لوگ اچھے ہوں۔ جی جی ضرور جائیے۔ جی جی جائیے۔ پلیز مہمانوں کو اٹینڈ کریں۔ خدا حافظ ـــ (فون بند کرتی ہے) ہائے ہاتھ ہی تھک گیا۔ ان لوگوں کو کوئی کام ہی نہیں فون کے علاوہ ـــ

(ہاتھ دھونے کے لیے اندر جاتی ہے۔ اس وقت طارق اندر سے سیٹی بجاتا آتا ہے اسے لیچیاں نظر آتی ہیں۔ ایک کھاتا ہے۔ پھر ٹرے اُٹھاتا ہے۔ کیمرہ اس کے

ساتھ ساتھ چلتا ہے ہم اس کے ساتھ ساتھ سیڑھیوں تک آتے ہیں۔ وہ سیٹی بجاتا ہے، جیسے خفت چھپا رہا ہو۔)

کٹ ـــــــــــ

سین ۷
ان ڈور
وہی وقت

(طیبہ کا کمرہ۔)

طیبہ : یہ تم کیا کرتے ہو طارق!

طارق : کیا کرتا ہوں میں مس؟ (طارق زمین پر بیٹھتا ہے۔)

طیبہ : پتہ تو ہو گا چچی اماں کو — وہ دل میں کیا سوچتی ہوں گی۔

طارق : اماں کے پاس دل میں سوچنے کا وقت نہیں ہے طیبہ۔ وہ جو کچھ سوچتی ہیں، اپنی زبان سے سوچتی ہیں۔

طیبہ : اوپر بیٹھو طارق.... پلیز۔

طارق : ہم چاکر لوگ یہیں اچھے لگتے ہیں قدموں میں۔

طیبہ : تو یہ اُٹھو بھی کسی اور کی فیلنگز کا بھی خیال کر لیا کرو۔ اُٹھو۔ (طارق اس کو بھی اپنے پاس بٹھا لیتا ہے۔)

طارق : آج میں مال روڈ سے تمہارے لیے ایک بہت اچھی چیز لانے لگا تھا۔ پھر سودا نہیں ہوا۔

طیّبہ : کیا؟

طارق : میں نے بڑا کہا۔ چلو ساری نہ سہی ایک دو گز سہی۔ طیّبہ بالوں میں لگائے گی لیکن مانا ہی نہیں۔ بڑی منتیں کی میں نے۔

طیّبہ : لیکن چیز کیا تھی طارق؟

طارق : چیز — ایک چھوٹی سی دھنک تھی۔ واپڈا سے اسمبلی ہال تک قوس قزح ایسے خوبصورت ربنوں سے بنی تھی۔ سودا نہیں ہوا ورنہ میں ایک آدھ گز ضرور لاتا۔

طیّبہ : تم تو پورے شاعر ہو طارق۔

طارق : شاعروں، ادیبوں سے بچ کر رہنا طیّبہ۔ جتنے یہ بڑے لکھار ہوتے ہیں اتنے بڑے آدمی نہیں ہوتے عموماً۔

(اس وقت منزّہ اور عامر آتے ہیں۔ عامر نے تیل کا ٹین اُٹھا رکھا ہے اور منزّہ بہت سارے لفافے اُٹھائے ہوئے ہے۔)

منزّہ : اوئی اللہ لیچیاں (کھانے بیٹھتی ہے۔)

عامر : طیّبہ بڑی مشکل سے ملا مٹی کا تیل۔

(اپنی قمیض سے ہاتھ پونچھتا ہے اور ٹرے کے پاس بیٹھ کر کھانے لگتا ہے۔)

طیّبہ : ہاتھ تو دھو لو عامر بھائی — مٹی کا تیل لگا ہو گا۔

عامر : جتنی دیر میں ہاتھ دھوؤں گا، یہ ٹرے ختم کر دے گی۔

منزّہ : اے ہے۔ اتنی چٹوری نہیں ہیں۔ طارق بھائی چچی جان سے پوچھ کر لائے تھے ناں؟

طارق : بالکل بالکل۔ چوری کا مال نہیں ہے۔ کھاؤ کھاؤ بے فکر کھاؤ — لو نا طیّبہ۔

(طیّبہ بھی ایک لیچی اُٹھاتی ہے۔)

کٹ ——————

سین ۸
ان ڈور
شام

(ڈرائینگ روم میں خالدہ اسی طرح فون پکڑے بیٹھی ہے۔ سامنے طارق مجرموں کی طرح کھڑا ہے۔ ماں فون رکھتی ہے۔)

ماں : میں ہر سوغات ان کو بھیجتی ہوں حصے کے ساتھ۔ مجھے معلوم ہے وہ یتیم ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی دیکھ بھال کریں لیکن میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔

طارق : جی اب میں جاؤں۔

خالدہ : نہیں — بیٹھو یہاں —

(طارق مجرموں کی طرح بیٹھتا ہے۔)

خالدہ : میں نے وہ لیچیاں باجی شفقت کے بھجوانی تھیں۔ میں ان سے وعدہ کر چکی تھی۔

طارق : سچ مجھے پتہ نہیں تھا امی جی۔ میں نے سوچا پڑی پڑی خراب ہو جائیں گی۔

خالدہ : میں خود ایک پلیٹ اُوپر بھجوانے کا ارادہ رکھتی تھی۔

طارق : سوری امی جی۔ آئندہ سے پُوچھ لیا کروں گا۔

خالدہ : یہ کوئی پہلی بار نہیں ہے۔ تمہیں سمجھنا چاہیئے۔ سوغات بانٹنے میں بھی عقل چاہیئے۔ ستّو آئیں تو کوارٹروں میں بھیجو۔ انہیں علم ہوتا ہے ستّوؤں کا۔ وہ پسند کرتے ہیں ستّو۔ اخروٹ آئیں تو عاشق صاحب کے بھجواؤ وہ قدردان ہیں۔ سیب لیچی باجی شفقت کے بھجواؤ۔ انکم ٹیکس والوں کا گھر ہے، وہ پہچانتے ہیں ایسی چیزوں کو۔ عامر بے چارہ ہر وقت حلیم نان کھانے والا — اسے کیا پتہ لیچی کیا ہے۔

طارق : اماں جی — یہ جو ہم عیش کرتے ہیں۔ کیسے کرتے ہیں۔ کن کے سر پر کرتے ہیں۔

(اس وقت شیر محمد صاحب جیسے نماز کی تیاری میں جانماز بازو پر رکھ کر آتے ہیں۔)

شیر : یہ کیا بحث ہو رہی ہے۔

خالدہ : وہی پرانی بحث کہ ہم نے یتیموں کا سارا مال ہڑپ کر لیا ہے۔

شیر : بیٹھو ــــ آج میں تمہاری یہ غلط فہمی نکال ہی دوں۔ بیٹھو۔

ماں : آپ کی مغرب کا وقت جا رہا ہے۔

شیر : ٹھیک ہے۔ میں پہنچ جاؤں گا۔ بیٹے طارق محمد آج تم ساری سیچوایشن سمجھ لو۔ اور پھر آئندہ نہ اپنی ماں کو اور نہ مجھے طعنہ دینا۔ کسی قسم کا۔

طارق : میں سمجھتا ہوں ابا جی۔

شیر : ہرگز نہیں سمجھتے تم ــــ سن ۷۰ء میں جب بھائی فیض محمد کا انتقال ہوا تو یہ بچے گھٹنے گھٹنے آتے تھے میرے۔ بڑی ذمہ داری تھی۔ میں ان کا کفیل نہیں ہونا چاہتا تھا۔ تمہاری ماں کو یتیم خانہ کھولنے کا شوق نہیں تھا۔ لیکن میں نے اسے مجبور کیا کہ وہ بچوں کی ذمہ داری اُٹھائے۔ بیٹا ایک جھڑکا لگا دو ــــ سب ظالم ظالم مشہور کر دیں گے۔ اور وہ جو برسوں ہم ان کی نگرانی کرتے رہے ہیں، اس کا کوئی ثواب نہیں۔ بچے بھی نالائق تھے فیض بھائی کے۔ ورنہ کہیں پہنچ جاتے۔ یہ عامر تو دسویں مشکل سے کر سکا ــــ تھرڈ ڈویژن میں۔

طارق : گستاخی معاف ابا جی۔ ہے تو انہی کی فیکٹری۔ جس پر ہم نے قبضہ کر رکھا ہے۔

شیر : فیکٹری؟ کونسی فیکٹری؟ ایک ڈھارا تھا فیض محمد کے پاس جس میں پھٹے تختے بنتے تھے۔ سائیکل پر لاد کر مال لے جاتا تھا دکانوں پر ــــ فیکٹری پر میں نے جان کھپائی۔ میں نے اسے آرگنائز کیا۔ پانچ روپے کی گڈوِل نہیں تھی۔ آج پچیس لاکھ مل جائیں اگر تم بیچو فیض محمد شیر محمد اینڈ سنز پرنٹنگ پریس۔ بھائی صاحب شیر محمد نے کام کیا ہے کام۔ کوئی آرام کی روٹی نہیں کھائی۔

طارق : ابا جی ہم ان کی کوٹھی میں رہتے ہیں اور وہ بیچارے دو کمروں میں اُوپر تڑپے رہتے ہیں۔ اگر وہ اسے کرائے پر بھی چڑھا دیں تو بھی ان کو آسانی ہو جاتے۔

شبیر : کوٹھی — کوٹھی۔ بھائی صاحب نے جو کوٹھیاں الاٹ کرائی تھیں آج سے تیس سال پہلے ان کی عمر ختم ہو چکی ہے۔ اب صرف ملبہ ہے ان کوٹھیوں میں۔ ہر سال پراپرٹی ٹیکس ادا کرتا رہا ہوں ایسے بڑے جہاز کا۔ ریئیرز پتہ ہے کیا ہیں؟ کیسے کھڑی ہے یہ کوٹھی اپنی بنیادوں پر۔ ان تینوں کے پاس ہوتی تو بیچ کر کھا جاتے۔ اس عامر کی آنکھیں نہیں دیکھیں کبھی تم نے۔ اگر اس کے پاس دولت آجائے تو اس سے بڑا کوئی عیاش نہ ہو شہر میں۔ اس کو بچایا ہے میں نے آوارگی سے۔ اس کی بہنوں کو میں نے بے شرمی سے، بے حیائی سے روکا ہے۔ کچھ اتنا ہی تو فرض نہیں تھا کہ روٹی کھلا دی اور کپڑے سلا دیئے۔ جس کی پرورش کرو، اس کے اخلاق کا، کردار کا، اس کی سیرت کا بھی دھیان کرنا پڑتا ہے۔ دولت کا لہو لگا کر آوارہ کر دیتا اپنے معصوم بھتیجے بھتیجیوں کو!

خالدہ : آپ کی نماز کا وقت کم ہے شیخ صاحب۔

شبیر : (جاتے ہوئے) طارق بیٹے! ٹھیک ہے سب یتیم کی سائیڈ لیتے ہیں۔ مرنے والا عیش کرتا ہے۔ مارا وہ جاتا ہے جسے پالنا پڑتا ہے کسی کی اولاد کو۔ دولت اپنی ساری لگ جاتی ہے۔ یتیم پھر آنکھیں دکھاتے ہیں۔ شہر والے اُلٹا گنہگار سمجھتے ہیں۔

(جاتا ہے۔ اس وقت ایک ملازمہ آتی ہے۔ اس کے پاس پلیٹ میں لوکاٹ ہیں۔)

نوکرانی : بیگم صاحبہ!

خالدہ : کیا ہے؟

نوکرانی : فریج صاف کر دیا ہے جی۔

خالدہ : اور یہ کیا ہے پلیٹ میں؟

نوکرانی : لوکاٹ ہیں جی۔ پولے پولے ہوگئے ہیں سارے۔ رنگ بھی بدل گیا ہے۔

خالدہ : اُوپرد ے آ ـــ بتا دینا فریج کی وجہ سے ذرا نرم پڑ گئے ہیں، ویسے خراب نہیں ہیں۔

(طارق غصے سے دوسری طرف جاتا ہے۔)

کٹ ـــــــــــ

سین ۹

آؤٹ ڈور

دن

(ایک کھلی سڑک پر ڈرائیور کی سیٹ پر طیبہ بیٹھی ہے۔ طیبہ نے وہیل پکڑ رکھا ہے۔ طارق اسے کار چلانا سکھا رہا ہے۔ طارق کے ہاتھ طیبہ کے ہاتھوں پر ہیں۔ طیبہ بہت نروس ہے۔ جب کار زگ زیگ چلتی ہے تو طارق اسے ٹھیک کرتا ہے۔)

کٹ ـــــــــــ

سین ۱۰

ان ڈور

دن

(شیر محمد صاحب کا دفتر۔ اس وقت دفتر میں ایک بیوہ اور اس کا ایک جوان

بیٹا بیٹھے ہیں۔ شیر محمد صاحب ان کی فریاد سُن رہے ہیں۔)

بیوہ : شیخ صاحب بڑی نوکری تلاش کی ہے۔ بڑے چکر لگائے ہیں دفتروں کے ٹیلی ویژن سٹیشن بھی گئے۔ دو چار ایڈورٹائیزنگ ایجنسیوں کے پاس بھی گئے۔ سب مانگتے ہیں ڈگریاں اور یہ صرف آرٹسٹ ہے دسویں پاس۔ آپ اس کا کام دیکھ لیں۔ کوئی نقص ہو کوئی خرابی ہو تو یہ ذمہ دار ہے۔ دکھا بیٹا اپنے پوسٹر۔

(آرٹسٹ اپنے پوسٹر دکھاتا ہے۔)

شیر : اتنا اچھا ہاتھ ہے تمہارا۔ تم نے نیشنل کالج آف آرٹس میں داخلہ کیوں نہ لیا؟

بیوہ : داخلہ بھی مل جاتا شیخ صاحب۔ پر پلے کچھ ہوتا تو داخلہ لیتے نا۔ اس کا باپ مرے تین سال ہوئے ہیں۔ ایک کوٹھی کرائے پر تھی۔ اب کرائے دار ہی اس کا مالک بن گیا ہے۔ اُلٹا مقدمہ کر دیا ہے ہم پر جھوٹی رسیدوں کا۔

شیر : کرائے دار کیسے مالک بن سکتا ہے بی بی؟

بیوہ : آپ کرائے دار کو کہہ رہے ہیں شیخ صاحب اس کے سگے چچا نے سات دُکانیں تھیں جی ہماری شاہ عالمی میں ساری سنبھال کر بیٹھ گئے۔ آپ کو معلوم ہو گا ملک ریاست بیگ ــــ وہ میرے ہزبینڈ تھے دو کاریں تھیں، وہ اس کی پھوپھیاں لے گئیں۔ کوئی ایک نقصان ہوا ہے۔ شیخ صاحب کوئی ایک نقصان ہوا ہے اور سب اپنوں کے ہاتھوں۔ میں نے سب پر اعتبار کیا۔ میں نے ہمیشہ اپنے نعیم سے کہا چل خیر تیرا چاچا ہے کچھ نہیں ہوتا۔ پر جی گھر کے ڈنر سیٹ، کراکری، پردے، قالین سب پھانک کر دیا مجھے اس کے چچا نے (رونے لگتی ہے)۔

نعیم : (شرافت کے ساتھ) امی جی آپ روئیں تو نہ پلیز۔

بیوہ : کسی ہمدرد کو دیکھ کر دل ہلکا کرنے کو جی چاہتا ہے۔ تو رونے کو کہتا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے اُونچے اُونچے بینوں ہائے یتیم کا کچھ خیال نہ کیا بیوہ پر کچھ ترس نہ آیا۔

شبیر : آپ ایسا کریں نعیم صاحب کو کل میرے پاس صبح بھیج دیں۔

بیوہ : بھیج دوں گی ۔ کتنے بجے جی ؟

شبیر : یہی جی نو بجے کے قریب ۔

بیوہ : یہ مجھے بات نہیں کرنے دیتا کسی سے ۔ لیکن شیخ صاحب کسی کا حق مار کر کوئی سکھی نہیں رہ سکتا ۔ یتیم اور بیوہ کی حفاظت تو خود اللہ کرتا ہے ۔ ایک ہی ایک بیٹا تھا اس کے چاچے کا ۔ ایسا پھڑک کر مرا ہے کہ توبہ میری ۔ اس روز میں شاہ عالمی گئی تھی اس کے چاچے سے انصاف مانگنے ۔ مجھے دکان سے نکال دیا دھکے دے کر ۔ گھنٹے کے اندر اندر موٹر سائیکل ٹکرا گئی اس کے بیٹے کی ٹرک سے ۔

نعیم : طارق بھائی بڑے اچھے تھے امی ۔ چلیں اٹھیں ۔

بیوہ : نہ میں کب کہہ رہی ہوں بُرے تھے ۔ بس اللہ کا انصاف ! اچھا جی صبح نو بجے بھجوا دُوں گی اس کو ۔ خدا آپ کا بھلا کرے !

شبیر : جی پُورے نو ۔

(بیوہ اور نعیم سلام کر کے جاتے ہیں ۔ موٹر سائیکل کی آواز سپر امپوز کیجئے ۔ یکدم شبیر محمد بھاگ کر کھڑکی کھولتا ہے اور باہر دیکھتا ہے ۔ اس کا چہرہ پسینے سے بھیگتا ہے ۔)

کٹ ———

سین ۱۱

ان ڈور

شام کا وقت

(کوٹھا ۔۔۔ اس وقت طیبہ نے کوٹھے پر چاک کے ساتھ فرش پر ٹپاٹاپو بنا رکھا ہے ۔

اگر اس کھیل کی انفرمیشن مکمل نہ ہو تو لڑکیوں سے پوچھ لیں لیکن خدا کے لیے اس کو سکپ کرنے کی کوشش نہ کریں۔ سب سے پہلے کیمرہ کالے کوئلے سے بنا ہوا ٹیا ٹاپو دکھاتا ہے پھر چوتھے خانے میں کیرم بورڈ کی کوئین آکر گرتی ہے۔ اب طیبہ کی ٹانگیں اور پاؤں نظر آتے ہیں۔ وہ چوتھے گھر میں سے کوئین اٹھاتی ہے اس وقت اس کے بال زمین کو چھوتے ہیں اور وہ مشکل سے کوئین اٹھا کر واپس لوٹتی ہے۔ اب دکھاتے ہیں کہ زمین پر چوکڑی مار کر طارق بیٹھا ہے۔ اب طیبہ کوئین کو چوم کر پھر اگلے خانے میں ڈالتی ہے گوٹی خانے میں نہیں گرتی۔ آگے نکل جاتی ہے۔)

طارق : آؤٹ آؤٹ —

طیبہ : ایک بار اور طارق — ایک ٹرائی — میں کچھ اور سوچ رہی تھی پلیز۔

(طارق جا کر کوئین اٹھاتا ہے۔)

طارق : نہیں جناب۔ اب باری مانگ مانگ کر تم خانے پر خانہ طے کرتی جاؤ تو بندہ تو تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا... کھیل اور محبت میں فیئر ہونا چاہیے بالکل۔ چلو معافی مل سکتی ہے محبت میں لیکن کھیل میں تو ہرگز ہرگز فاؤل نہیں چلے گا —

(وہ گوٹی لے کر ٹیا ٹاپو کے سامنے آتا ہے۔ گوٹی چومتا ہے۔ پھر پوچھتا ہے۔)

طارق : طیبہ کہاں تھا میں؟

طیبہ : ساتویں گھر میں۔

طارق : جھوٹ — جھوٹ بے ایمانی — میں سمندر میں تھا۔

طیبہ : وہ تو تم ہر وقت رہتے ہو گہرے پانیوں میں۔

طارق : میں سب میرین ہوں؟

طیبہ : نہیں —

طارق : میں مونگے کا پہاڑ ہوں پھر۔ coral reef —

طیبہ : تم منہ بند سیپی ہو، جس میں موتی رہتا ہے ــــ میری آنکھ جلتا۔

طارق : لگاؤ لگاؤ مجھے باتوں میں اور ہرا دو مجھے . . . .

(کوتین چُوم کر پھینکتا ہے جو سارے ٹپاٹاپو کے آگے گرتی ہے۔ اب وہ ایک ٹانگ پر ٹپاٹاپو کے آگے جاتا ہے اور سیٹی بجاتا ہے۔ سارا کراس کر جاتا ہے۔ سمندر میں پہنچ کر وہ ٹپاٹاپو کی طرف پشت کر کے سر کے اُوپر سے کوتین کسی خانے میں پھینکتا ہے۔)

طارق : لو جناب والا ــــ یہ میرا گھر ہے۔

(اس میں جا کر بیٹھتا ہے۔)

طیبہ : یہ تو پہلے سے میرا گھر ہے۔

(ساتھ جا کر بیٹھتی ہے۔)

طارق : (دونوں اس خانے میں موجود ہیں) یہ بے ایمانی ہے۔ یہ گھر میرا ہے۔

طیبہ : بے ایمانی ناں بے ایمانی ــــ یہ گھر پچھلی باری میں مَیں نے بک کیا تھا۔

طارق : اس بار یہ گھر میرا ہے۔

طیبہ : خدا قسم تمہارے دل میں کھوٹ ہے۔

طارق : عجیب لڑکی ہو ــــ پہلے دل پر قبضہ کرتی ہو ــــ پھر گھر بھی سنبھال لیتی ہو ــــ مزے سے ــــ کچھ تمہارے اصول ہیں کہ نہیں۔

طیبہ : بڑے . . . . پوری بھر کے ایک سے ایک وڈا سکہ بند اصول . . . .

طارق : اُٹھ جاؤ نہیں تو زبردستی نکال دوں گا۔

طیبہ : (حیران ہو کر) اپنے گھر سے مجھے نکال دو گے!

طارق : بالکل . . . . تمہارے گھر سے تمہیں نکال کر ــــ پھر اپنے گھر میں لے آؤں گا منظور؟

طیبہ : منظور!

طارق : ہاتھ ملاؤ۔

طیبہ : ناں جی — ہاتھ پرے کرو اپنا . . . .

طارق : کیوں ؟

طیبہ : بس نہیں ۔

طارق : لیکن وجہ ؟

طیبہ : (اپنے کھڑے زانو پر چہرہ رکھ کر) پھر طارق ہاتھ چھڑانے کو جی نہیں چاہتا . . . . الٹی مصیبت پڑ جاتی ہے ۔

طارق : (ہاتھ بڑھا کر) لیکن ہاتھ چھڑانے کی ضرورت ہی کیا ہے طیبہ ۔

(وہ دونوں محبت سے ہاتھ پکڑتے ہیں ۔ اس وقت خالدہ کی آواز آتی ہے ۔)

خالدہ : طارق . . . . طارق انٹینا ٹھیک کرو ۔ تصویر بالکل نہیں آرہی ۔ کیا کر رہے ہو اُوپر ؟

(طارق بھاگ کر انٹینا ٹھیک کرتا ہے ۔ پھر کوٹھے کی دیوار سے آواز دیتا ہے ۔)

طارق : (زور سے) اب بتائیں ٹھیک ہو گئی تصویر ۔

خالدہ : (دُور سے) دُھندلی ہے ۔

طارق : (طارق انٹینا ٹھیک کر کے چلاتا ہے) اب امّی . . . . اب بتائیں ۔

کٹ ———

سین ۱۲

ان ڈور

صبح

(اس وقت میز پر خالدہ اور شیر محمد صاحب بیٹھے ناشتہ کر رہے ہیں ۔ شیر محمد بہت

نروس ہے۔ وہ کچھ کھانا چاہتا ہے لیکن نہیں کھا سکتا۔ اس پر موٹر سائیکل کی آواز سپر امپوز کیجئے۔ شیر محمد جلدی سے اُٹھتا ہے اور کھڑکی سے نیچے دیکھتا ہے۔ کٹ کر کے دکھاتے ہیں کہ طارق موٹر سائیکل کے پیچھے طیبہ کو بٹھا کر باہر جاتا ہے۔)

شیر : یہ طارق کہاں گیا ہے موٹر سائیکل پر؟

خالدہ : اس ٹھگنی کو پہنچانے گیا ہو گا دفتر۔

شیر : ٹھگنی کون؟

خالدہ : طیبہ اور کون . . . . بڑا سمجھایا۔ بڑا کہا بھائی میرے گرمیوں کا موسم ہے، لُو لگ جائے گی لیکن وہ مانے بھی ــــ کہتا ہے اماں طیبہ کو دو دو بسیں بدلنی پڑتی ہیں۔ میرا کیا جاتا ہے ــــ

شیر : تو کار پر کیوں نہیں چلا جاتا؟

خالدہ : کار پر؟ کار پر تو میں کبھی بھی جانے نہ دوں . . . . روز کا ایک گیلن پٹرول لگے گا چھوڑنے پر۔

شیر : (گھبرا کر) تم . . . . گیلن کی فکر نہ کرو . . . . یہ طارق . . . . کا موٹر سائیکل بیچ دو . . . . کسی کو دے دو ــــ آگ لگا دو . . . . لیکن طارق نہ چلائے اُسے۔

خالدہ : شیخ صاحب وہم کی کوئی حد ہوتی ہے۔

شیر : اس نے بھی طارق ہی نام بتایا تھا اپنے بھتیجے کا . . . .

خالدہ : آپ پھر اس بیوہ کی باتوں پر غور کر رہے ہیں۔

شیر : ہاں خالدہ . . . . میں سوچنا نہیں چاہتا . . . . پورے دس سال میں نے کبھی اِس ایشو پر نہیں سوچا۔ کبھی مجھے خیال بھی نہیں آیا کہ میں کچھ غلط کر رہا ہوں ــــ کئی لوگوں نے مجھے طعنے دیئے۔ رزاق صاحب نے کئی بار سمجھایا کہ میں یتیموں کا مال ہڑپ کر کے بڑا خطرہ مول لے رہا ہوں لیکن میں ہمیشہ سمجھتا رہا کہ ــــ کہ میں جو کچھ

کر رہا ہوں وہ نیک نیتی ہے کارِ ثواب ہے میں اپنے خیال میں بھلا کر رہا تھا ان بچوں کا۔

خالدہ : بھلا ہی تو کیا ہے آپ نے !

شبیر : (میز سے اُٹھتے ہوئے) تم تو عورت تھیں خالدہ تمہیں تو منع کرنا چاہیئے تھا مجھے... عورت کے دل میں تو بچے کی بڑی ماتا ہوتی ہے۔

خالدہ : ناشتہ تو کرلیں شیخ صاحب !

شبیر : اگر.... وہ کوئی اور نام بتاتی.... اگر وہ طارق کا نام نہ لیتی اپنے ہونٹوں سے۔

خالدہ : شیخ صاحب وہم نہ کریں.... خدا کے لیے۔

شبیر : کچھ لوگوں کو علم نہیں ہوتا کہ تبدیلی ان کے تعاقب میں لگی ہے.... وہ آرام سے وقت گزارتے رہتے ہیں.... اور سمجھتے ہیں ہمیشہ ایسے ہی ہوگا۔ ایسے ہی رہے گا اور ان کے اندر.... کہیں دُور سب کچھ بدل چکا ہوتا ہے کبھی کا.... تم اسے موٹر سائیکل پر مت جانے دیا کرو....

خالدہ : شیخ صاحب لاحول پڑھیں، سورۂ فلق پڑھیں — بُرے وسوسوں سے نجات مل جاتی ہے۔

شبیر : وہ مجھے پڑھنے بھی دے کچھ۔

خالدہ : کون؟ کس کی بات کر رہے ہیں آپ؟

شبیر : وہ یہیں ہے — فیض محمد مرا نہیں وہ.... اس کی روح پھرتی ہے اس گھر میں — میرے بھائی کی — بددعائیں دیتا ہے وہ سارا وقت مجھے.... میں.... میں جانتا ہوں.... وہ بڑا لیچڑ آدمی تھا.... بدلہ لیے بغیر وہ نہیں ٹلے گا کبھی۔

(غصے میں چلا جاتا ہے۔ ماں آرام سے ناشتے میں مشغول ہو جاتی ہے۔)

———— کٹ

سین ۱۳
آؤٹ ڈور
دن

(داتا کا دربار — شیر محمد اپنی جوتیاں اُتار کر جوتی والے کو پکڑاتا ہے۔ اندر جاتا ہے۔ مزار سے کچھ فاصلے پر عقیدت کے ساتھ بیٹھ جاتا ہے۔ اس پر بیوہ کی آواز فیڈ ان ہوتی ہے کہ میری بددعا لگی ان کو . . . پھر شیر محمد لاحول پڑھ کر یہ خیال ذہن سے نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اب موٹر سائیکل کی آواز آہستہ آہستہ فیڈ ان ہوتی ہے۔ آواز اُونچی ہوتی جاتی ہے پھر جیسے سکریچ کے ساتھ آواز بند ہوتی ہے۔ شیر محمد دیوانہ وار اُٹھتا ہے۔ باہر کی طرف بھاگتا ہے۔)

کٹ ــــــــــــ

سین ۱۴
آؤٹ ڈور
دن

(شیر محمد کار میں کُھلی سڑک پر جا رہے ہیں۔ یکدم بریک لگا کر رکتے ہیں۔ سڑک کے ایک طرف ایک موٹر سائیکل پڑا ہے۔ اس کے گرد اینٹیں ایسی پڑی ہیں جیسے پولیس نشان بنا گئی ہو۔ پاس بہت سا ٹوٹا ہوا شیشہ پڑا ہے اور بہت سا لہو جما ہوا نظر آتا ہے۔ شیر محمد موٹر سائیکل کا نمبر پڑھتا ہے۔ پھر جلدی سے کار میں بیٹھ کر تیزی سے کار چلاتا ہے۔)

سین ۱۵
ان ڈور
شام کا وقت

(شیر محمد گھر میں جلدی سے داخل ہوتا ہے اور "طارق طارق" آوازیں دیتا ہے۔ خالدہ باہر آتی ہے۔)

خالدہ : کیا ہوا ؟ آوازیں کیوں دے رہے ہیں۔
شیر : طارق کے موٹر سائیکل کا نمبر کیا ہے ؟
خالدہ : ۵۷۸۹
شیر : شکر الحمد للہ
خالدہ : بات کیا ہے ؟
شیر : طارق ہے کہاں ؟
خالدہ : اندر لیٹا ہوا ہے۔
شیر : لیٹا ہوا ہے — طارق تو کبھی لیٹا نہیں۔
خالدہ : اس دوموہی کو چھوڑنے گیا تھا دفتر سے — لُو لگ گئی — نڈھال پڑا ہے۔
شیر : لُو لگ گئی کیسے — کیوں لگ گئی لُو۔
خالدہ : چار بجے کم گرمی ہوتی ہے بھلا !

(شیر محمد جلدی سے طارق کے کمرے میں جاتا ہے۔ پیچھے پیچھے خالدہ بھی جاتی ہے۔)

______ کٹ

سین ۱۶
ان ڈور
وہی وقت

(طارق بے سدھ پڑا ہے جیسے بہت بیمار ہو۔)

شبیر : (پاس بیٹھ کر) طارق ! ــــ طارق بیٹے۔

خالدہ : مت جگائیں ۔ ابھی آنکھ لگی ہے۔

شبیر : طارق .... طارق میری جان ــــ یہ بولتا کیوں نہیں۔

خالدہ : گرمی لگ گئی ہے۔ میں نے آم رس پلایا ہے۔ ابھی سو کر اُٹھے گا تو ٹھیک ہو گا۔

شبیر : آم رس ؟ صرف آم رس .... جو آنکھیں نہیں کھول رہا، بات نہیں سُن رہا باپ کی ــــ وہ معمولی گھریلو ٹوٹکے سے ٹھیک ہو جائے گا بھلا۔

(پیار سے طارق کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ پھر باہر چلا جاتا ہے اور ڈرائینگ روم میں فون کرتا ہے۔)

شبیر : جی ڈاکٹر ظہیر ــــ جی میں بول رہا ہوں شبیر محمد اسلام علیکم ــــ شکر ہے جی خدا کا۔ آپ فوراً آجائیں ڈاکٹر صاحب اسی وقت ــــ کا کے طارق کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے .... وہ ہوش میں نہیں ہے ــــ جی .... فوراً۔

(یہاں سے جلدی سے اٹھتا ہے۔ اب خالدہ ساتھ والے کمرے سے آتی ہے لیکن اس وقت شبیر محمد پستول کی گولی کی طرح تیزی سے اُوپر والی سیڑھیاں چڑھتا ہے۔)

کٹ ــــــــ

سین ۱۷
ان ڈور
کچھ دیر بعد

(اس وقت طیبہ پیڑھی پر بیٹھی وضو کر رہی ہے۔ شیر محمد جلدی سے آتا ہے۔)

شیر : طیبہ بیٹی .... وہ عامر منزّہ کہاں ہیں؟

(طیبہ خوف اور احترام کے ساتھ جلدی سے اُٹھتی ہے۔)

شیر : وہ نہیں بچے گا — بد دعا بھی ایسی ہے —

طیبہ : کون چچا ابا کون۔

شیر : وہ طارق .... (آنسو اس کے گالوں پر آتے ہیں) وہ بے ہوش پڑا ہے — کچھ نہیں سنتا۔ میری ساری عمر کی کمائی وہی ہے — تم سب کو ملنا ہو تو بھائی سے مل لو آخری بار۔

(طیبہ کے سر سے دوپٹہ گرتا ہے۔ وہ ویسے ہی ننگے سر نیچے کی طرف بھاگتی جاتی ہے۔ شیر محمد جیسے سکتے میں کھڑا ہے۔)

کٹ ——————

سین ۱۸
ان ڈور
رات

(طارق گہرے بخار میں۔ ماتھے پر ماں برف کی پٹیاں دھر رہی ہے طیبہ گم سم پاس

کھڑی ہے۔ منزہ پاؤں پر پاؤڈر کی مالش کر رہی ہے۔ عامر ہاتھ دبا رہا ہے۔ پاس کرسی پر ڈاکٹر بیٹھا ہے اور شیر محمد پاس کھڑا ہے۔ اس کے چہرے پر گہرا انتشار ہے۔)

شیر : (آہستہ) آپ کی ڈاکٹری فیل ہو گئی ہے۔ کیونکہ یہ میڈیکل کیس نہیں ہے۔

ڈاکٹر : معمولی ملیریا ہے — شیخ صاحب معمولی ملیریا، دبا ہوا ملیریا۔

شیر : ملیریا میں یوں بے سدھ ہوتے ہیں ڈاکٹر صاحب؟ اور پھر ملیریا تو ختم ہو چکا اس ملک میں۔

ڈاکٹر : اتنا ہائی فیور ہے شیخ صاحب۔

شیر : آپ کو کیا اعتراض ہے اگر میں اسے ہسپتال لے جاؤں۔

ڈاکٹر : کمال ہے شیخ صاحب میں جو کہہ رہا ہوں کہ کوئی ضرورت نہیں ہسپتال لے جانے کی۔

شیر : سارے ٹسٹ ہوں گے، شبے والی بات نہیں رہے گی۔

ڈاکٹر : پہلے بھی شبے والی بات نہیں ہے کوئی — کل صبح تک بخار اُتر جائے گا۔

سب : انشاء اللہ!

ڈاکٹر : شیخ صاحب — آپ اپنے دل سے اچھی دُعا نکالیں صحت کی ..... بڑا فرق پڑتا ہے اس سے۔ مریض کو جلدی شفا ہو جاتی ہے۔

خالدہ : یہ تو پتہ نہیں کیا کیا منہ سے نکال چکے ہیں کل کا — کبھی کہتے ہیں کینسر ہے دماغ کا۔ کبھی کہتے ہیں گردے جواب دے گئے ہیں اس کے .... کبھی کہتے ہیں لیوکیمیا کی آخری سٹیج ہے۔

طیبہ : (خوفزدہ ہو کر بہت آہستہ) ناں میرے اللہ ناں۔

ڈاکٹر : معمولی ملیریا بخار — اور کچھ نہیں شیخ صاحب۔

شیر : اگر یہ ٹھیک ہو گیا تو میں اس کی شادی کر دوں گا، جہاں یہ چاہتا ہے۔

خالدہ : کیا کہہ رہے ہیں آپ!

شیر : میں وہ سب کچھ کر دوں گا جس کی تمہیں آرزو رہی ہے طارق . . . صرف ایک بار
تم آنکھیں تو کھولو . . . . آنکھیں تو کھولو طارق ۔ خدا کے لیے . . . .
(پاس بیٹھ کر)

طیبہ : (شیر محمد کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر) چچا ابا !

شیر : جب آدمی پھنس جاتا ہے تو تمام شرائط کیا آرام سے مان جاتا ہے . . . . میں نے
سب باتیں مانیں ۔ طارق آنکھیں کھولو . . . . (اُٹھتا ہے) لیکن یہ کیسے آنکھیں
کھولے گا . . . . جس کے تعاقب میں فیض محمد لگا ہو . . . . وہ کیا بچے گا !

کٹ ـــــــــــ

سین ۱۹
ان ڈور
رات

(عامر، منزّہ، طیبہ، طارق اور شیر محمد ڈرائینگ روم میں ـــــ ایک طرف غصے کا
چہرہ بنائے خالدہ بیٹھی ہے۔)

عامر : ایسی کوئی بات نہیں چچا ابا ـــــ آپ ہمارے بزرگ ہیں۔

خالدہ : آپ سے تو یہ بچے سیانے ہیں ـــــ جو اپنے نفع نقصان کو سمجھتے ہیں۔

شیر : تم بیچ میں مت بولو خالدہ . . . . کوئی گھڑی ایسی ہوتی ہے انسان پر جب وہ
اپنی روح کو یا تو بچا سکتا ہے یا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شیطان کے ہاتھ بیع کر دیتا ہے۔

طیبہ : آپ بیٹھ جائیں چچا ابا۔

شبیر : میں نے ہمیشہ طارق سے محبت کی ۔ ۔ ۔ شاید میں اس سے کم محبت کرتا تو میں ان گناہوں کا مرتکب نہ ہوتا جو میں نے کیے ۔ ۔ ۔ میں اس کی محبت میں اندھا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ اسی لیے میں نے یتیموں کے حقوق کو پامال کیا ۔

منزہ : آپ نے جو کچھ کیا، ہمارے بھلے کے لیے کیا چچا جان ۔

شبیر : کیا بھلا کیا میں نے ؟ خود کوٹھی میں رہا اور تم کو ہانک دیا اُوپر کے دو کمروں میں ۔ کمرے بھی ایسے جو تنور کی طرح تپتے ہیں گرمیوں میں ۔ ۔ ۔ ۔

عامر : چچا ابا ہم نے ہمیشہ آپ کو ٹرسٹ کیا ہے ۔ آپ ہمارے لیے بہتر سوچتے ہیں ۔

خالدہ : سنیئے ۔ ۔ ۔ ۔ سنیئے عامر ٹھیک کہہ رہا ہے ۔

شبیر : اگر تم لوگ کبھی میرے مُنہ آتے ۔۔۔ مجھے لعن طعن کرتے ۔ ۔ ۔ کہیں شکوہ شکایت کرتے ۔ ۔ ۔ تو میں اس ظلم پر حق بجانب سمجھتا اپنے آپ کو ۔۔۔

طارق : ابا جی بس ۔۔۔ اب ختم بھی کریں ۔

شبیر : نہیں بیٹا ختم نہیں ۔ ختم اسی صورت میں ہوگا جب میں یہ کوٹھی، فیکٹری، مربعے ان کے نام کروا دوں گا ۔ ان کی چیزاں ان کو واپس کر دوں گا ۔

تینوں : نہیں نہیں یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں چچا جان ۔

خالدہ : یہ ہمارے ساتھ رہے ہیں شیخ صاحب ۔ ان پر بھی خرچ ہوتا رہا ہے ۔

منزہ : اور کیا ۔۔۔

طیبہ : ہمیں کچھ نہیں چاہیئے چچا ابا ۔ ہم بڑے خوش ہیں ۔

شبیر : تمہیں چاہیئے یا نہیں چاہیئے طیبہ ۔۔۔ میں حق کے مطابق تمہیں تمہاری جائیداد لوٹا دوں گا ۔ ۔ ۔ ۔ جو ہو چکا اس کی تم مجھے معافی دینا ۔ ۔ ۔ ۔ اور دُعا کرنا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میری ۔ ۔ ۔ ۔ حرکات کا اثر نہ پڑے طارق پر !

طارق : اور آپ کہاں جائیں گے ابا جی ؟

شبیر : ہم — ہم ڈھائی ٹوٹرہ۔ ہم اپنے موچی دروازے والے گھر میں چلے جائیں گے۔ واپس آرام سے !

طارق : یعنی آپ — میں اور امی !

شبیر : شاید تمہیں یہ اپنے ساتھ برداشت کرلیں۔ صرف تم کو۔ اکیلے کو.... کیوں طیبہ ؟

طیبہ : کیسی باتیں کرتے ہیں چچا ابا آپ ۔

منزہ : ہم کبھی آپ کو جانے دیں گے !

شبیر : منزہ بیٹی ! جہاں کہیں انسان نے خون بہایا ہو، وہ جگہ ہمیشہ چھوڑنی پڑتی ہے .... یہاں تو جگہ جگہ فیض محمد کا خون ہے، تمہارے باپ کا.... یہاں میں کیسے رہ سکتا ہوں۔

(کیمرہ طارق پر آتا ہے، جیسے وہ پریشان ہو گیا ہے۔)

طارق : آپ سنجیدہ ہیں اپنے فیصلے پر ؟

شبیر : انشاء اللہ !

———— کٹ

سین ۲۰
ان ڈور
رات

(طارق سو رہا ہے۔ اس پر وہ ٹکڑا سپر امپوز کیجیے جس میں طیبہ کہتی ہے، یہ میرا گھر ہے۔ طارق اُٹھتا ہے۔ پھر کھڑکی کے پاس جاتا ہے اور متذبذب طریقے سے

باہر دیکھتا ہے۔ طلیبہ کی آواز آہستہ آہستہ آتی رہتی ہے، یہ میرا گھر ہے۔)

کٹ ________

سین ۲۱

ان ڈور

دن

(پرنٹنگ پریس میں وہی دفتر کا کمرہ۔ طارق مالک کی کرسی پر بیٹھا ہے اور اس کے والد شبیر محمد صاحب اس کے سامنے کرسی پر بیٹھے ہیں۔ ڈانگری پہنے ایک پریس مین ٹرائی کلر تصویر کا ایک پروف دکھانے کے لیے اندر داخل ہوتا ہے۔)

طارق : ذرا ٹھہرو بھئی یاسین۔ ہم ابھی کچھ ضروری باتیں کر رہے ہیں۔

یاسین : تیسرا رنگ چلانا ہے سر جی۔

طارق : ٹھیک ہے تو پھر چوہدری صاحب کو دکھا کر پاس کرا لیجیے۔

یاسین : اچھا جی۔

(چلا جاتا ہے)

طارق : لیکن میں ؟ میں کیا کروں گا ابا جی۔

شبیر : تم گریجویٹ ہو — سمجھدار ہو — ذہین ہو — کوئی نوکری تلاش کر لینا۔

طارق : کیا مل جائے گا ایک بی۔ اے پاس نان ٹیکنیکل مین کو!

شبیر : جو بھی مل جائے طارق — ہمیں اس سے سروکار نہیں — میں یہ فیکٹری اس کے اصل مالکوں کو لوٹا دینا چاہتا ہوں — وہ جانیں اور ان کا کام۔

طارق : اور میں اب ان کے ملازم کی حیثیت سے یہاں کام کروں۔

شبیر : کوئی ضروری نہیں۔ تم کوئی اور کام تلاش کر سکتے ہو۔

طارق : آپ کو کیا ہو گیا ہے ابا جی — خوامخواہ ایک وہم میں گرفتار ہو گئے ہیں۔

شبیر : نہیں یہ وہم نہیں طارق بیٹا۔ یہ بڑی زبردست حقیقت ہے۔ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ — مگر ایسے طریقے سے جو کہ بہتر ہو یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں — اور ان بچوں کو تو بالغ ہوئے کئی سال بیت گئے۔

طارق : گویا آپ اپنے سگے بیٹے پر ان کو فوقیت دے رہے ہیں۔

شبیر : ہرگز نہیں بالکل نہیں۔ میں تو صرف ان کا مال ان تک واپس پہنچانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ یتیموں کو ان کا مال دے دو۔ اور اچھے کو بُرے سے نہ بدلو اور ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ۔ یہ بڑا گناہ ہے۔

طارق : آپ کا کیا خیال ہے۔ وہ اتنا بڑا کارخانہ اور اتنا بڑا کاروبار سنبھال لیں گے۔

شبیر : کیوں نہیں —

طارق : عامر اس ٹن پرنٹنگ فیکٹری کو چلا سکے گا — ایک معمولی ویلڈر — میٹریکیولیٹ۔

شبیر : میرا خیال ہے ضرور چلا لے گا — اور اس کے چلانے میں ایسی مشکل کیا ہے۔ ہم نے بھی تو چلا لی ہے اب تک۔

طارق : یہ تو ان لوگوں کے ساتھ نادان دوستی ہو گی ابا جی — آپ ان کو ان کا شیئر دے دیں۔

شبیر : شیئر کیسا یہ سارا کاروبار اور یہ فیکٹری انہی کی تو ہے۔

طارق : اور ہمارا کچھ نہیں اس میں۔

شبیر : اخلاقی اور دینی طور پر تو کچھ نہیں۔ قانونی طور پر البتہ سبھی کچھ ہمارا ہے۔

طارق : تو پھر!

شبیر : اور اب پرسوں سے قانونی طور پر بھی ہمارا کچھ نہیں رہا۔

طارق : آپ نے کاغذات بدل دیئے — سارے —

شبیر : الحمدللہ —

طارق : امّی کو معلوم ہے؟

شبیر : میرا خیال — نہیں —

طارق : ویسے چلئے — اباجی — ہے تو ٹھیک — آپ نے بڑی اخلاقی جرأت کا ثبوت دیا۔ لیکن اس طرح سے کوئی کرتا نہیں — کچھ انھونی سی بات کر دی آپ نے —

کٹ

سین ۲۲ (کٹ ٹو کٹ)

آؤٹ ڈور

دن

(۱ — طارق مئی کی چلچلاتی دھوپ میں سول سیکرٹریٹ کے سامنے کھڑا" کرو ما پر دیکھتا ہے کہ دو بجے چھٹی ہوئی ہے اور کلرک لوگ باہر نکل رہے ہیں اور ان میں ایک طارق بھی ہے۔ طارق کلرک سائیکل پر سوار ہے اور اس کے ہینڈل کے ساتھ پیتل کا دو ڈبوں والا ٹفن دان لٹک رہا ہے اور اس کے سائیکل کے کیرئیر کے پیچھے بہت سی فائلیں بندھی ہیں۔

۲ — طارق کے چہرے پر سپر امپوز ہوتا ہے کہ وہ ایک لڑکے کی ٹیوشن پڑھا رہا ہے اور لڑکا اس کی بات نہیں سُن رہا۔ بلکہ قالین پر قلابازیاں لگا رہا ہے۔ طارق کتاب لے کر اس کے پاس جاتا ہے لڑکا آگے آگے — سارے کمرے میں۔

۳— طارق کے تصور میں آتا ہے کہ وہ شام کے وقت سینما ہال میں پارٹ ٹائم گیٹ کیپری کر رہا ہے اور آدھے ٹکٹ پھاڑ پھاڑ کر تماشائیوں کو اندر بھیج رہا ہے۔)

کٹ————

سین ۲۲۳
ان ڈور
دن

(منزّہ اور عامر کے ساتھ طارق ان کے بالائی کمرے میں بیٹھا ہے۔ اس وقت عامر نے اور منزّہ نے قدرے اچھے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ طارق کے ہاتھ میں رول کیا ہوا ایک عدالتی کاغذ ہے۔ ناظرین کو پتہ نہیں چلتا کہ کیا ہے اور کیوں پکڑا ہوا ہے۔)

عامر : تو آپ کا کیا خیال ہے طارق بھائی — میں ابھی ویلڈنگ کا کام نہ چھوڑوں۔

طارق : نہیں نہیں۔ اب تمہیں ویلڈنگ کرنے کی کیا ضرورت ہے خدانخواستہ — اب تو۔ تم لوگ — پورے مالک ہو... لیکن شاید تمہارے لیے نیا ہو یہ کام۔

منزّہ : نیا بھی اور مشکل بھی طارق بھائی۔

عامر : لیکن آپ کے ہوتے ہوئے ہمیں کس بات کی فکر ہو سکتی ہے۔

طارق : وہ تو ٹھیک ہے مگر.... اب میں تم لوگوں پر زیادہ.... بوجھ بھی نہیں ڈال سکتا۔

منزّہ : یہ آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں!

طارق : اصل میں۔ اگر مجھے پتہ چل جائے کہ میں کہاں کھڑا ہوں۔ اور میری پوزیشن کیا ہے اور اب مجھے کیا کرنا ہے — تو پھر شاید۔۔۔

عامر : آپ سبھی کچھ ہیں طارق بھائی ۔

منزہ : اور پھر شادی کے بعد تو اور بھی بہت کچھ ہو جائیں گے ۔

طارق : اگر تم لوگ یہی سمجھتے ہو — اور مجھ کو واقعی اپنا بڑا بھائی اور — ایک طرح سے اپنا محسن سمجھتے ہو .... تو پھر ٹھیک ہے .... مجھے خوشی ہے .... اور مجھے فخر ہے ایک طرح سے .... اور مَیں .... مَیں یہ سمجھوں گا ....

(اس کے انہی بے معنی اور اُلجھے ہوئے فقروں پر سین کٹ ہو جاتا ہے ۔)

کٹ ——————

سین ۲۴

آؤٹ ڈور

دن

(طیبہ اور طارق کی ملاقات کا منظر ۔ پروڈیوسر کی ہمت اور مرضی پر منحصر ہے ، جہاں چاہے ان کو ملا دے ۔ طیبہ بہت اچھے اور خوشدلی کے موڈ میں ہے ۔)

طیبہ : کہاں ہے جناب — لوگوں کو آنکھیں بدلتے تو دیکھا تھا لیکن شکل بدلتے نہیں دیکھا تمہاری طرح سے ۔

طارق : کیوں میری شکل کو کیا ہوا ہے ۔

طیبہ : جب آپ نے اندلس کے کنارے پر اپنی کشتیاں جلا دی تھیں ، اس وقت تو بہت بشاش تھے لیکن اب جب ساری مشکلات دُور ہو چکی ہیں تو آپ کا مُنہ سُوج گیا ہے ۔

طارق : ابھی تو میرے خدوخال میں تبدیلی نظر آنے لگی ہے، آگے پتہ نہیں کیا کچھ اور سننا پڑے گا۔

طیبہ : اے! کیا ہوگیا ہے تم کو — کس بات کا دکھ ہے اس قدر — گوشت کی کیابی کا!

طارق : اب ایسی پوزیشن ہے کہ تم مجھ سے مذاق کرسکو — اور میں مذاق برداشت نہ کرسکوں۔

طیبہ : میں تو جب پوزیشن میں نہیں بھی تھی، اس وقت بھی مذاق کیا کرتی تھی — اور جب کسی پوزیشن میں نہیں رہوں گی، اس وقت بھی مذاق کیا کروں گی۔ میری تو عادت ہی ایسی ہے۔

طارق : میں چند دنوں کے لیے کہیں اور جانا چاہتا ہوں۔

طیبہ : چند دنوں کے بعد دونوں ہی چلیں گے — اکٹھے ایک ساتھ۔

طارق : (سوچتے ہوئے) مگر . . . .

——— کٹ

سین ۲۵

آؤٹ ڈور

رات

(رنگ برنگی آتش بازیاں، مہتابیاں اور انار چھوٹنے کا سین اور اس پر شہنائی کی آواز۔)

——— کٹ

سین ۲۶
ان ڈور
رات

(عروسی لباس میں طیبہ دلہن بنی بیٹھی ہے اور طارق اس کے قریب کھڑا ہے۔)

طیبہ : بیٹھو ناں طارق۔

طارق : نہیں میں اسی طرح ٹھیک ہوں۔

طیبہ : کمال کرتے ہو — بیٹھو —

طارق : بات یہ ہے طیبہ کہ اس وقت میں اس پوزیشن میں تو نہیں کہ تمہارا پچیس ہزار کا حق مہر ابھی ادا کر سکوں لیکن اگر . . . خدا نے چاہا —

طیبہ : چچا جان سے کہا کس نے تھا اتنا زیادہ حق مہر باندھنے کو !

طارق : اب وہ ہر کام میں میری بجائے تم لوگوں کی خوشی زیادہ ملحوظ رکھتے ہیں۔

طیبہ : بڑے سویٹ ہو گئے ہیں چچا جان — انوسنٹ بے بی سے ! — اگر تم بیٹھو گے نہیں تو پھر میں بھی کھڑی ہو جاؤں گی۔

(کھڑی ہو جاتی ہے۔)

طارق : نہیں نہیں — اس وقت صرف میں ہی کھڑے ہونے کی پوزیشن میں ہوں۔

طیبہ : یہ تم نے پوزیشن پوزیشن کا ورد شروع کر دیا ہے — چلو سارا حق مہر معاف ختم شد۔

طارق : شکریہ — مہربانی۔

طیبہ : اب تو بیٹھ جائیے سر!

طارق : (بیٹھتے ہوئے) تھینک یو۔

طیبہ : ابھی بھی سارے جالے نہیں اُترے ذہن سے۔

طارق : (نفی میں سر ہلاتا ہے۔)

طیبہ : اب کیا بات ہے؟

طارق : کاروبار چلانے کے لئے منزہ اور عامر نے مجھے اپنا نمائندہ تسلیم کر لیا ہے۔

طیبہ : بالکل ٹھیک کیا انہوں نے۔

طارق : لیکن تم اپنے حصہ کی بدستور مالک ہو۔

طیبہ : اب میں اور تم کوئی دو ہیں طارق!

طارق : وہ تو ٹھیک ہے طیبہ... لیکن —— اس طرح سے آدمی اطمینان سے دلجمعی کے ساتھ کام نہیں کر سکتا۔

طیبہ : میں بھی تمہارے ساتھ کام کیا کروں گی۔ دفتر میں۔

طارق : ضرور —— ضرور —— بڑے شوق سے —— لیکن انتظامی امور کے لیے —— اور ڈسپلن کے لیے ایک ہی بوس کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔

طیبہ : تو وہ تو ہو تم —— بگ بوس۔

طارق : لیکن فیکٹری میں جب ورکروں کو معلوم ہوا کہ میں تو بس نام کا بوس ہوں تو پھر ڈسپلن نہیں رہے گا —— کوئی میری بات مانے گا نہیں۔

طیبہ : ان کی مجال ہے۔

طارق : تم نہیں سمجھتی ہو ناں طیبہ —— زمانہ بہت ہی نازک ہے۔ چھوٹی چھوٹی بات پر قانونی موشگافیاں نکالتے ہیں لوگ —— (اُٹھ کر میز کے دراز کی طرف جاتے ہوئے اور اسے کھولتے ہوئے) اب کوئی کس طرح سے سمجھا دے سب لوگوں کو کہ ہم ایک ہیں اور ایک ہی تصور اور ایک ہی نظریئے کے تحت کام کر رہے ہیں۔ یہ دیکھو منزہ اور عامر نے میرے حق میں اس کاغذ پر دستخط کر دیئے ہیں۔ مجھے مختارِ کل بنا دیا ہے اس کاروبار کا ——

طیبہ : تو لاؤ میرے بھی دستخط لے لو اسی کاغذ پر۔

طارق : اب یہ کچھ اچھا نہیں لگتا میاں بیوی کے درمیان دستخط بازی۔

طیبہ : تم لاؤ ادھر — چھوڑو اپنی نفاست اور اچھائی کو — جو بات قانونی طور پر طے کرنی ہو اس میں دستخط تو کرنے ہی ہوں گے —

طارق : (پن جو وہ اب تک کھول چکا ہے، آگے بڑھا کر اور کاغذ اُسے دے کر) پہلے تم اسے پڑھ لو اچھی طرح سے۔

طیبہ : مجھے یہ بتاؤ کہ دستخط کرنے کس جگہ پر ہیں۔

طارق : یہ جہاں عامر کے دستخط ہیں نمبر ایک پر — اس کے آگے نمبر ۲ پر اپنے دستخط کر دو — آگے منزہ نے دستخط کئے ہوئے ہیں —

(طیبہ دستخط کرتی ہے اور پھر کاغذ طارق کے حوالے کر دیتی ہے۔ طارق اس میز کی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے جس کی دراز سے اس نے کاغذ نکالے تھے — طیبہ واپس اپنے چیپر کھٹ پر بیٹھ جاتی ہے — طارق دراز میں کاغذ اچھی طرح سے محفوظ کر کے رکھ رہا ہے۔ اس کا چہرہ نیچے دراز کی طرف جھکا ہوا ہے۔ جب وہ دراز بند کر کے اور اس میں چابی گھما کر چہرہ اُوپر اُٹھاتا ہے تو ناظرین کے سامنے اس کا چہرہ آہستگی سے کچھ بدلتا ہوا دکھائی دیتا ہے جیسے کیمرہ کا اپرچر بند کھُل ہو رہا ہے۔ اس کا چہرہ شیر محمد صاحب کے چہرے میں بدل جاتا ہے۔ اور پھر شیر محمد کے چہرے سے تبدیل ہو کر ایک شیطان (fiend) کے چہرے میں تبدیل ہو جاتا ہے (چہرہ مکروہ نہ ہو صرف دو دانت ذرا سے نیچے آگئے ہوں اور بھویں اُوپر کو چڑھ گئی ہوں اور ہونٹوں پر گہری سرخ لپ سٹک ہو) جب ناظرین اس بدلتے ہوئے چہرے کو اچھی طرح دیکھ لیں تو طیبہ آواز دے کر اُسے بُلائے —)

طیبہ : طارق آئیں ناں ادھر — کیا کر رہے ہیں وہاں بیٹھے۔

(جونہی طارق مڑ کر طیبہ کی طرف دیکھتا ہے اور مسکراتا ہے تو طیبہ زور سے ایک چیخ مار کر بے ہوش ہو جاتی ہے۔ طارق اپنی سیٹ سے اُٹھنے کی بجائے پھر دراز کھولتا ہے اس میں سے وہی جوڈیشل پیپر نکالتا ہے اس کو سامنے پھیلاتا ہے اور تینوں دستخطوں پر سر جُھکا کر باری باری بوسہ دیتا ہے۔)

ڈزالو ——————

سین ۲۷
ان ڈور
صبح

(پچھلے سین سے ڈزالو کر کے آہستہ آہستہ پُورا دن چڑھا ہے۔ حجلہ عروسی کے ڈبل بیڈ پر طارق بازو پھیلائے خود غرضی سے سو رہا ہے کہ پلنگ پر کسی اور کے لیٹنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ طیبہ پلنگ کے ایک طرف کُرسی پر ڈری سی سہمی سی بیٹھی ہے۔ پھر وہ طارق کو غور سے سر سے پاؤں تک دیکھتی ہے۔ اس کا ہاتھ آہستگی سے اپنے بائیں ہاتھ سے اُٹھاتی ہے۔ پھر اپنے ہاتھ کی گٹھ کھولتی ہے اور ہتھیلی کی طرف سے طارق کا ہاتھ ناپتی ہے۔ پھر نیچے سے اس کا جُوتا اُٹھا کر دیکھتی ہے پھر اپنا سر کھجاتی ہے۔ جیسے کچھ سمجھ نہیں آرہا ہو۔ اب وہ غور سے پھر طارق کا چہرہ دیکھتی ہے۔ جو کبھی ان فوکس ہوتا ہے کبھی آؤٹ آف فوکس ہوتا ہے۔ اب وہ جُھک کر طارق کا ماتھا سونگھتی ہے پھر حیران ہوتی ہے۔ اس وقت دروازے پر دستک ہوتی ہے۔ طیبہ اُٹھتی ہے اور دروازہ کھولتی ہے۔ منزہ اس کے گال پر بوسہ دیتی ہے۔ طیبہ محبت سے اُسے گلے لگا لیتی ہے۔)

منزّہ : خوش !

طیّبہ : (بجھے انداز میں) بہت !

منزّہ : سوری باجی — میں آپ کو کبھی تکلیف نہ دیتی لیکن چچی جان ابھی اُوپر آئی تھیں۔

طیّبہ : ہمم !

منزّہ : وہ کہہ رہی تھیں کہ اُنھوں نے نیچے ڈائننگ رُوم کے ساتھ والے کمرے صاف کروا دیئے ہیں۔ کہ میں اور عامر بھائی نیچے آجائیں — سامان لے آئیں ہم اپنا ؟

طیّبہ : ابھی نہیں — ابھی نہیں منزّہ۔

منزّہ : کیوں باجی — نیچے ائرکنڈیشنر لگے ہوئے ہیں۔ اُوپر بڑی گرمی ہے۔

طیّبہ : گرمی تو ہے منزّہ۔ گرمی تو ابھی پتہ نہیں کب تک اور رہے گی۔

منزّہ : چچی جان بھی کہہ رہی تھیں اُوپر بڑی گرمی ہے۔

طیّبہ : وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن ابھی تم دونوں اُوپر ہی رہو۔

منزّہ : کیوں باجی۔ کیا طارق بھائی نے کچھ کہا ہے۔

طیّبہ : آہستہ بولو — دیکھتی نہیں ہو وہ سو رہے ہیں۔

منزّہ : ہم نیچے کیوں نہ آئیں باجی ؟

طیّبہ : بس ابھی نہیں منزّہ۔ (وقفہ) اور شاید کبھی بھی نہیں۔ مجھے یُوں لگتا ہے جیسے یہ وہ طارق نہیں ہے جسے ہم جانتے تھے۔ جو ہمارا طارق تھا۔ وہی ہاتھ پاؤں ہیں۔ وہی جسم ہے۔ وہی چہرہ ہے لیکن خوشبو بدل گئی ہے — جیسے رُوح میں تبدیلی آگئی ہو۔ اس وقت یہ سویا ہوا آدمی — چچا شبیر محمد کا بیٹا ہے۔ اور وہ طارق، وہ جو ہم سے ملنے اُوپر آیا کرتا تھا وہ ابوفیض محمد کا بھتیجا تھا۔ یہ وہ نہیں ہے جو یہاں لیٹا ہوا ہے۔ یہ اور ہے۔

منزّہ : کیا کہہ رہی ہیں آپ باجی !

طیبہ : میرے پاس ٹھوس ثبوت تو کوئی نہیں منزّہ — لیکن میرا دل کہتا ہے اور میرا دل کبھی
جھوٹ نہیں بولتا (اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں) کہ اب تم دونوں اُوپر ہی رہوگے۔
(وقفہ) عامر ویلڈر ہی رہے گا۔ تم کوئی کام ڈھونڈلوگی۔ اُوپر گرمی پڑے گی اور میں یہاں
ایئرکنڈیشنڈ کمرے میں بیٹھ کر ایلچیاں کھاؤں گی۔ یہی میری سزا ہے۔ نہ تو کوئی پورا پاک
ہوتا ہے اور نہ ہی پُورا پلید — ہر وقت تبدیلی انسان کے تعاقب میں لگی رہتی ہے۔
تم اپنے کمرے کے فرش پر صبح شام دو تین بالٹیاں پانی ڈال لیا کرو۔ گرمی کم ہو جائے گی۔

(آنسو اس کی آنکھوں سے جھرنے کی طرح بہنے لگتے ہیں۔ منزّہ خاموش بے حس و حرکت
کھڑی پہلے اپنی باجی کا مُنہ تکتی ہے۔ پھر سر جُھکا کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ باجی کسی
دیوار یا چوکھٹ کا سہارا لے کر بغیر آواز کی سسکیاں بھرنے لگتی ہے۔)



جبّل شاہ اور سمندر خان

کردار :

جیل شاہ	:	سندھ کے اندرونی علاقے کا ایک عمر رسیدہ بزرگ
سمندر خان	:	سرحد کے وزیری علاقے کا ایک بوڑھا سن رسیدہ بزرگ
امّی	:	تعلیم یافتہ، خوش شکل، کلچرڈ خاتون - عمر ۴۵ سال
سلمان	:	اس کا تعلیم یافتہ، مہذب بیٹا - عمر ۲۴ سال
زاہدہ	:	اس کی بیٹی - عمر سترہ سال
ماموں رفیق	:	امی کا بھائی، تعلیم یافتہ لیکن اپنی بہن کے مقابلے میں کم کلچرڈ
مہنگا جمعدار	:	خاکروب
سٹیشن ماسٹر	:	جوڑ گوٹھ کا سٹیشن ماسٹر
غفور	:	سٹیشن کا چپڑاسی - گینگ مین
کرم داد	:	ریلوے کلرک



سین ا
آؤٹ ڈور
دن

(بہاولپور اور سندھ کی سرحد پر یُوں سمجھئے ریتی کے قریب ایک چھوٹا سا ریلوے سٹیشن ہے، جس کا نام "جوڑ گوٹھ" ہے۔ سٹیشن تو چھوٹا ہے لیکن ہے جنکشن یہاں سے بڑی گاڑیاں میل ایکسپریس اور سُبک خرام اور سبک گام وغیرہ بھی گزرتی ہیں اور ایک چھوٹی سی برانچ لائن اور بھی ملحق ہے جو ساٹھ میل اندر تک جاتی ہے اور یہاں شٹل ٹرین چلتی ہے یعنی ایک شٹل شام کو جاتی ہے اور رات گئے واپس آتی ہے۔

یہ سٹیشن جنکشن ہونے کی وجہ سے اہم ضرور ہے لیکن اپنی بےکسی اور بے سروسامانی کی وجہ سے ناظر کو متاثر نہیں کرتا۔ لیکن اس کی وسعت اور خاموشی کا ہمارے ملک کی ایکالوجی سے گہرا تعلق ہے۔ اس کے سامنے اور پیچھے کھُلے میدان اور کھیت میں پگڈنڈیاں اور ان کے آس پاس جنڈ، کریر، بیری واں اور ٹاہلی کے درخت اُپنے پن کے تاثرات دیتے ہیں۔ یہ وہ سٹیشن ہے جس میں اگر ہم نے نہیں تو ہمارے باپ دادا نے اپنی زندگی کے بڑے سفر کئے ہیں۔ کبھی یہ ہمارے "لگتوں" کی دنیا تھی جو ہم نے عرصہ ہُوا چھوڑ دی ہے۔ یہ ہمارے کلچر کی ایسی مثال ہے جس کو ہم نے ترک کر دیا اور اب اس کی تلاش میں ہم نیشنل سنٹروں میں مباحثے کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ سٹیشن پر دو تین کمرے ہیں۔ گھڑونچیوں کے موکھے دار کیبن ہیں۔ ایک کونے میں لوہے کے جنگلے کے پاس قبلہ کا تیر لگا ہے۔ اس وقت سگنل ڈاؤن ہے۔ پلیٹ فارم ایک ہی ہے لیکن اس کے

نیچے تین چار لائنوں کے ٹریک ہیں یعنی مین گاڑی بھی اسی پلیٹ فارم پر آتی ہے اور برانچ لائن کی گاڑی بھی یہیں سے چلتی ہے۔

جس وقت سین کھلتا ہے تو نوجوان جمعدار مہنگا ایک ہاتھ میں بالٹی اور دوسرے ہاتھ میں جھاڑو لے کر ریل کی پٹڑی پر گاتا ہوا چلا آتا ہے۔

مَینوں دھرتی قلعی کروادے مَیں نچاں ساری رات
سونے دی نہ چاندی دی، مَیں پتّل بھری پرات
مَینوں دھرتی قلعی کرادے مَیں نچاں ساری رات

اس کے گانے کے دوران سٹیشن ماسٹر اپنے کمرے سے مُولی کھاتا ہوا باہر نکلتا ہے۔ مُولی درمیان سے چیرا میں کٹی ہوئی ہے۔ پتے ساتھ ہیں اور مُولی پر خوب سا نمک مرچ تھپا ہوا ہے۔ سٹیشن ماسٹر پلیٹ فارم کے کنارے پر جا کر مہنگے جمعدار کو دیکھتا ہے جو خوب ترت کرتا ہوا بڑی لہک میں گانا گا رہا ہے اور پٹڑی پر یوں جا رہا ہے جیسے تار پر سرکس کی لیڈی چلا کرتی ہے۔

اس وقت سٹیشن سنسان ہے اور اس پر ایک بھی سواری موجود نہیں ہے سٹیشن ماسٹر اسی طرح مُولی کھاتے کھاتے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک جاتا ہے۔ گھڑونجی کا معائنہ کرتا ہے سٹیشن کا احاطہ کرنے والی ریلنگ کے ٹوٹے ہوئے حصوں کا معائنہ کرتا ہے سٹیشن کے نام والے بڑے پھٹے جس پر مخصوص کتابت میں "جوڑ گوٹھ" لکھا ہے کے قریب پہنچتا ہے۔ اس کو ہلا جُلا کر دیکھتا ہے۔ اس کے بعد اسی طرح آرام سے چلتا ہوا اور اِدھر اُدھر کا جائزہ لیتا ہوا اپنے کمرے میں داخل ہوتا ہے۔)

کٹ

سین ۲
ان ڈور
تھوڑی دیر بعد

(کمرے کے اندر ایک کونے میں سگنلر کرم داد مورس کوڈ پر سگنل دے رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جواب لے کر کاغذ پر لکھ رہا ہے۔ سٹیشن ماسٹر اس کے سر پہ جاکر آنے والی عبارت کو دیکھتا ہے۔)

سٹیشن ماسٹر: اس سے پوچھو بنڈل پہنچ گیا۔

کرم داد : کونسا بنڈل؟

ماسٹر : ٹونٹی سیون اپ سے بھیجا تھا۔ اس کو معلوم ہے۔

(کرم داد پھر مشین کرتا ہے اور سٹیشن ماسٹر آرام سے اپنی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے وہ ابھی تک مُولی کھا رہا ہے۔ پھر مُولی کو اپنے گندے رجسٹر پر رکھ کر جیب سے بٹوہ نکالتا ہے اور اس میں سے تقریباً بائیس روپے کے نوٹ نکال کر گنتا ہے اور سوچتا ہے کہ باقی کے دو روپے میں نے کہاں خرچ کر دیئے۔ بٹوہ واپس جیب میں ڈال کر پھر مُولی کھانے لگتا ہے۔)

کرم داد : (اسی طرح سر جُھکائے) کہہ رہا ہے پہنچ گیا۔

(سٹیشن ماسٹر سُنی اَن سنی کرکے اسی طرح مولی کھاتا رہتا ہے۔ پھر دروازے سے باہر جھانک کر کہتا ہے۔)

سٹیشن ماسٹر: اِدھر آ اوئے۔ اِدھر اندر۔ میرے پاس۔

جمعدار : (اندر داخل ہو کر) جی جناب

ماسٹر : اوئے توں سارا دن دھرتی ہی قلعی کرتا رہتا ہے یا کُچھ کام بھی کرتا ہے۔

جمعدار : واہ صاحب جی وا۔ اچھی قدر کری ہے تُم نے ہم لوگوں کی۔ کام کر کر کے ہم نے ساری دھرتی قلعی کر دی جمعداروں نے اور آپ پُوچھ رہے ہیں کہ کام بھی کرتا ہے یا نہیں۔ واہ جی صاحب جی۔

ماسٹر : وہ کوڑا اُٹھایا پچھلے برآمدے کا۔

جمعدار : چل کے دیکھ لو بھاؤجی۔ شیشہ ہو گیا بالکل۔

ماسٹر : اچھا دیکھتا ہوں ابھی جاکر۔

جمعدار : پر صاحب جی

ماسٹر : ہاں

جمعدار : بابو کرم داد صاحب تو مَنتے ہی نہیں ہماری بات۔

(کرم داد مُڑ کر دیکھتا ہے۔)

ماسٹر : کونسی بات ؟

جمعدار : یہ کہتے ہیں جی کہ یہ گانا فلم کا ہے ای نہیں۔ میںنوں دھرتی قلعی کرادے — مَیں نے خود دیکھیا ہے منڈوے میں۔

ماسٹر : تم نے کیا دیکھا منڈوے میں۔

جمعدار : یہ جی ہمارے لوگوں کا گانا ہے۔ جب ہیرون پینگھ پر بیٹھ کر جمعدار کو بُلاتی ہے اور کہتی ہے — کہ میںنوں دھرتی قلعی کرادے مَیں نچّاں ساری رات — تو دھرتی صاف کرنے والے تو ہم لوگ ای ہیں نا صاحب۔

ماسٹر : (مُسکرا کر) ہاں بھئی یہ تو ٹھیک ہے۔ دھرتی کی صفائی تو تم لوگوں کے دم قدم سے ہی ہے۔

جمعدار : (فخر سے) دیکھیا جناب

کرم داد : اوئے گدھے وہ قلعی کرادے کہتی ہے صاف کرادے نہیں کہتی۔ تُم قلعی

کرتے ہو؟

جمعدار : ہائے میں مر جاں ۔ صاحب جی صفائی کرنا اور قلعی کرنا کا مطلب اک جیسا ہی ہُوا کہ نہیں جی ۔

ماسٹر : مہنگا ٹھیک کہتا ہے قریشی صاحب۔

جمعدار : مہربانی سر جی ۔ تھینک یُو

ماسٹر : اب اسی خوشی میں کام کرنا نہ چھوڑ دینا کہ ہیں نے تمہاری بات مان لی ہے۔

جمعدار : تو ہاں تو ہاں جی ۔ تو ہاں — جمعدار کس طرح صفائی چھوڑ سکتا ہے صاحب جی ۔ اس کا کسب جو ہُوا ۔ بڑے لوکاں کا اور نجتاور لوکاں کا کم گند ڈالنا ہے جمعداروں کا صفائی کرنا ہے ۔ نہ وہ اپنا کام چھڈ سکتے ہیں گند ڈالنے کا نہ جمعدار اپنا کم چھڈ سکتے ہیں صفائی کرنے کا ۔

(گا کر نکلنے لگتا ہے "میتوں دھرتی قلعی کرا دے — تو سٹیشن ماسٹر روک کر کہتے ہیں ۔)

ماسٹر : ٹھہر — او شاہین کے بچے اوئے ٹیبن ڈاؤن ۔ بات سُن میری ۔

جمعدار : جی جناب عالی

ماسٹر : بڑے لوگ گند ڈالتے ہیں کمینے ۔

جمعدار : پہلے نہیں ڈالتے تھے سر جی ۔ اب ڈالنے لگے ہیں ۔ پہلے اتنے ڈبے لفافے ای نہیں ہوتے تھے جی چیزوں کے ۔ اب تو ہر ایک کا دکھو وکھ پیکن ہوتا ہے۔ لکھاں روپئے کا تاں گتہ کاغذ لگ جاتا ہے جی پیکن پر۔ اچھا بتاؤ اپنے زمانے میں ہلدی مرچاں وی کدے پیکن ہوئیاں تھیں۔

ماسٹر : یہ سب کچھ صفائی کی وجہ سے ہے مہنگے ۔

جمعدار : پہلے صاحب جی اندر کی صفائی زیادہ تھی ۔ اب باہر کی زیادہ ہوگئی ہے ۔

ہماری جان کو مصیبت خواہ مخواہ کی ۔۔۔ اِدھر آمینگے اُدھر جامینگے ۔ ٹاکی مار مینگے بُرش پھیر مینگے ۔ مینگے مینگے ۔ بدتمیز ۔ ڈیم فُول ۔ جی بیگم صاحب جی آیاں جی ۔ جی باجی جی

(ریل کار کے ہوٹ کی آواز سٹیشن ماسٹر جلدی سے اُٹھتا ہے اور جھنڈی اُٹھا کر باہر جاتا ہے ۔)

کٹ ــــــــــــــ

سین ۳
آؤٹ ڈور
کچھ دیر بعد

(سٹیشن صاف ستھرا اور سنسان ہے ۔ وہ جا کر شوٹنگ پوائنٹ پر کھڑا ہو جاتا ہے ۔ ریل کار آتی ہے اور اس میں سے امی ، زاہدہ ، سلمان اور ماموں رفیق اُترتے ہیں ۔ اُن کے پاس سفر کا ماڈرن قسم کا اسباب ہے ۔ وہ ایک بنچ پر جا کر اپنا سامان رکھتے ہیں اور پھر بیزاری سے اردگرد کے ماحول کو اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں ماموں رفیق اپنا چوخانہ خوبصورت کمبل وہیں بنچ کے قریب زمین پر پھیلاتا ہے اور اس پر تھرموس ، لنچ باسکٹ اور دوسری چیزیں رکھتا ہے اتنے میں ریل کار چلی جاتی ہے اور سٹیشن پھر اسی طرح سنسان ہو جاتا ہے ۔)

کٹ ــــــــــــــ

سین ۴
آؤٹ ڈور
وہی وقت

(سٹیشن کے دو تین اندراج ڈالے جاتے ہیں مثلاً ٹکٹ والی کھڑکی پر دو تین لوگ)

کٹ ________

سین ۵
آؤٹ ڈور
وہی وقت

(سائیڈ ٹریک پر کھڑی ہوئی مال کی ایک بوگی)

کٹ ________

سین ۶
آؤٹ ڈور
وہی وقت

(ٹوٹی ہوئی ریلنگ میں سے بیلو کے بل ہو کر گزرتا ہُوا ایک دیہاتی)

کٹ ________

سین ۷
آؤٹ ڈور
وہی وقت

(کیمرہ واپس اس جگہ پر آتا ہے جہاں کمبل بچھا ہے۔ پکنک سپاٹ پر ماموں رفیق،
امّی اور زاہدہ بیٹھے ہیں۔ سلمان اپنی جینز کی تنگی کی وجہ سے بیٹھ نہیں سکتا اور
سپاٹ کے سامنے گھوم رہا ہے۔ اس وقت امّی تھرموس میں سے چائے نکال کر
ایک پیالی ماموں کو، ایک زاہدہ کو اور ایک سلمان کو دیتی ہے لیکن وہ ہاتھ
کے اشارے سے تھینکس کہہ کر نہیں لیتا اور اس کی پیالی امّی پینے لگتی ہے۔
سلمان میں بیزاری بدرجہ اتم ہے۔
سلمان کی پنجرے کے شیر والی گردش ذرا لمبی ہوتی ہے اور پلیٹ فارم
پر چلتا چلتا اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں لیمپ پوسٹ کے نیچے بوریا بچھا
کر گینگ مین غفور اپنے سامنے دو ٹیل لیمپ بڑی چمنی والے اور چار لالٹینیں
رکھ کر ان کو صاف کر رہا ہے اور ان کی بتّیاں کاٹ رہا ہے۔ سلمان احمقوں
کی طرح کھڑا اس کو دیکھ رہا ہے کیونکہ اس نے لیمپ اور لالٹین زندگی میں
پہلی مرتبہ دیکھی ہیں۔ اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان کیمرہ غفور کو کام کرتے
دکھا رہا ہے۔ کیمرہ اوپر اُٹھتا ہے تو سلمان کی جینز پر ہپ پاکٹ کے قریب لفظ
LOVE لکھا ہے۔ اور ہپ پاکٹ میں چرمی ڈائری اور اس کے ساتھ قیمتی
پارکر یا شیفرز کا بال پوائنٹ پین ہے۔
کیمرہ پیچھے جاتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ منگا ادھر آ رہا ہے۔ اس وقت
اس کے ہاتھ میں نہ بالٹی ہے نہ جھاڑو بلکہ بئے کا ایک گھونسلا ہے۔)

مہنگا : (دُور سے آتے ہوئے) لے بھئی غفور ے دونوں چلے گئے بیا اور بئی۔ (سلمان سے بے تعلقی کے ساتھ) سلام صاحب جی

سلمان : (سلام کا جواب دینے کے انداز میں ہلکا سا سر ہلاتا ہے اور پھر واپس سپاٹ کی طرف چل پڑتا ہے۔)

غفور : کون ہیں یہ لوگ ؟

مہنگا : مسافر ہیں، اور کوئی ڈکیت ہیں۔ حیدر آباد سے آئے ہیں۔

غفور : تمہیں کس نے بتایا؟

مہنگا : (بیٹھتے ہوئے) آرسی اک سَو تیراں سے جو اُترے تو حیدر آباد سے آئے ہیں ہور ڈھیٹے کھوہ میں ے آنا تھا۔

غفور : کون ہیں ؟

مہنگا : لے ہے۔ میں نے ایہناں کا شناختی کارڈ چیک کریا اے۔ اُنے کون ہیں میرے کو کیا معلوم — پر ہیں او کھے۔

غفور : کیا ؟

مہنگا : او کھے لوک ایں بچارے۔ بڑی مشکل زمین پر بیٹھے ہیں۔ تے شام کو جب گئے نا چھتی ڈاؤن پر تاں ٹوکرا گند کا کھلار جائیں گے سارے پلیٹ فارم پر۔ ڈبے ای ڈبے، کاغذ ای کاغذ۔

غفور : چھتیس ڈاؤن سے جائیں گے ؟

مہنگا : او بھالا لٹین سدھے جانا ہوتا تو اُرے کیوں اُترنے۔ چھتی ڈاؤن تے ای جائیں گے نا۔

غفور : ہاں — وہ تو ہے۔ وہی تو میں کہہ رہا تھا۔

مہنگا : پر یار بیا بئی اُڑ گئے۔ بھا غفور (دھیمے سُروں میں) رہ جاؤ پنجرہ خالی وے

توتا اُڈ جانا۔ توتا دے من موتا ہوتا۔ اُڈ جانا۔ (چہرہ گھما کر) شاباش شاباش پھینکو ۔ سٹو، سٹو۔

غفور : کیا ہے؟

مہنگا : رومال سُٹ رہے ہیں نک پُونچھ پُونچھ کے۔

غفور : رومال پھینک رہے ہیں!

مہنگا : ایہہ وہ رومال نہیں ہوتے بھا غفورے جو تجھ کو تیرے ویاہ پر دیا تھا تیرے چاچے سوہرے نے یہ کاغذ کے رومال ہوتے ہیں، ڈبے میں بند۔

غفور : کاغذ کے!

مہنگا : ایہناں کو دھوبی کے پاس نہیں بھیجیا جاتا۔ بھٹی چڑھان کو۔ ایہناں کو پھینکیا جاتا ہے اِک اِک واری نک پُونچھ کے۔ میری سالی کے پاس پُورا ڈبہ اے بھریا ہوا ایسے رومالوں کا۔

غفور : تُو ہر وقت اپنی سالی کی تعریف نہ کیا کر خواہ مخواہ۔

مہنگا : اوہ ہے ای تعریف قابل بھاجی۔ ڈیفنس سوسیٹی کی سوئیرا اے۔ شامپو مارتی ہے والاں کو۔

غفور : (ہنس کر طنزیہ) بس — ابھی سے

مہنگا : ابھی سے کیا؟

غفور : اسی عمر میں شانتو لگانے لگی بالوں کو۔

مہنگا : شامپو بھاجی۔ خضاب نہیں۔ ریشم وال۔ ریشماں دے لچھے۔ سمندر طرفے گوڑا پھینک کے آتی ہے تو زُلفاں گز گز اگے ودھ کے ہتھ ملاتی ہیں۔ گڈ مورنی — ہاؤ آر یُو — آف دی بکیس گڈ بین کی لالٹین۔ روندا لالٹیناں ساف کرن توں۔

غفور : تو پھر تُو نے اس سے کیوں نہ کر لی شادی۔

مهنگا : روتمائی اوسے کی کرائی تھی۔ ویاہ دتی دوسری دھڈی موٹے نک والی۔

غفور : تو توُ انکاری ہو جاتا۔ جھگڑا ڈالنا۔

مہنگا : اب ایہہ تاں مردمی نہیں نا بھا غفور ے جھگڑا ڈالنا۔ ہوگیا بس ہوگیا تُسیں وس دے بھلے۔ اسیں چلدے بھلے۔ (گا کر) ایتھے بیٹھ کسے نہیں رہنا تو تا اُڈ جانا۔ تو تا دے من موتا۔ ہو تا اُڈ جانا۔ بیٹھ کسے نہیں رہنا تو تا اُڈ جانا۔

(اپنے بچے کا گھونسلا ہاتھ میں جھلاتا ہُوا گاتا گاتا سٹیشن ماسٹر آفس کی طرف چلا جاتا ہے جب مہنگا سپاٹ کے قریب سے گزرتا ہے تو کیمرہ وہیں رُک جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ماموں رفیق اور امّی لُڈو کھیل رہے ہیں۔ زاہدہ باربرا کارٹینڈ کا ناول پڑھ رہی ہے اور سلمان ایک کنارے پر یُوں لیٹا ہے کہ اُس کے کھڑے گھٹنے پر اس کی ٹانگ ہے۔)

ماموں : (ڈائس کھڑکا کر پھینکتے ہوئے) چھ۔ چھ۔ چھ۔ (پھینک کر) اور ایک اور چھ۔

امّی : تین

ماموں : چھ اور تین نَو۔ نَو۔ نَو (گوٹی چلاتے ہوئے) ایک دو۔ تین چار پانچ چھ سات آٹھ نو۔

امّی : آگئی میرے آگے (کھڑکاتے ہوئے) اب مجھے چاہئیں دو۔ دو۔ دو۔ دو۔

سلمان : (لیٹے لیٹے) امّی آپ کہیں گی کیا وہاں جا کر؟

امّی : کہنا کیا ہے بیٹے۔ بس ملنا ہے ان سے جا کر۔ باجی کی خیریت معلوم کرنی ہے۔

سلمان : اور بشیر صاحب کو بتانا نہیں ہے کہ he should behave

ماموں : بشیر صاحب کیا بیٹے، بشیر بھائی کہو۔

سلمان : مَیں نے آج تک اس کو بشیر بھائی نہیں کہا تو اب کیوں کہوں گا۔ He is no relation.

امّی : (تنگ کر) کیا کرتا ہے! وہ تیرا بہنوئی ہے۔ شاہدہ باجی کا شوہر ہے۔ اور کیا ریلیشن ہوتا ہے۔

زاہدہ : ہمیں نہیں لگتا نا وہ بہنوئی امّی۔

امّی : نہیں بھی لگتا تو بھی اُسے بھائی ہی سمجھنا ہے۔ اور بھائی ہی کہنا ہے۔ سمجھے۔

سلمان : (تڑپ کر سیدھے ہوتے ہوئے) مجھے یہ بتائیں آپ نے یہ شادی کیوں کی تھی۔ کیا چیز کامن تھی ہمارے اور ان کے درمیان۔ What were your motives?

امّی : motives کیا ہوتے ہیں سلمان ۔۔۔ اُنھوں نے درخواست کی تھی ہمارے گھر آ کر۔

ماموں : سوال ڈالا تھا اور ہم نے شادی کر دی۔

سلمان : صرف اسی وجہ سے کہ بشیر صاحب بڑے زمیندار ہیں اور ان کی بڑی جائیداد ہے۔ اور کھانے پینے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں لڑکی خوش رہے گی۔

امّی : ہاں تو خوش ہے ماشاء اللہ۔ راج کرتی ہے اپنے گھر میں۔

زاہدہ : اور یہ جو خط لکھا ہے۔ شاہدہ باجی نے دو صفحے کا۔

ماموں : شادی میں ایسی باتیں ہوتی ہی رہتی ہیں بیٹا۔ غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

سلمان : غلط فہمی وغیرہ کچھ نہیں ماموں۔ یہ بیسی کلی بے جوڑ رشتہ ہے۔ شاہدہ باجی کا اور بشیر صاحب کا۔

امّی : کیوں بے جوڑ کس طرح سے ہے۔

سلمان : زوالوجی کی ایم ایس سی۔ فرسٹ کلاس فرسٹ اور بشیر صاحب خالی بی اے۔ کیا کمیونیکیشن ہوتی ہوگی دونوں میں۔

ماموں : او بھئی میاں بیوی نے بیٹھ کر کون سے تھیسس لکھنے ہوتے ہیں۔

زاہدہ : پھر بھی ماموں جان کوئی تو ٹرانسمِشن ہونا چاہیئے، میاں بیوی کے

درمیان۔ کوئی پتھر کے بُت تو نہیں، انسان ہیں دونوں۔ کچھ تو ان کے درمیان رابطہ ہونا چاہیئے۔

سلمان : وہ دونوں ایک فریکیونسی پر ہی نہیں، رابطہ کہاں سے ہو جائے گا۔

امّی : یہ جو تم لوگ زیادہ پڑھ جاتے ہو نا خواہ مخواہ تو اپنی زندگیاں ویران کر لیتے ہو بیٹھے بٹھائے ۔۔ بغیر کسی وجہ کے۔

سلمان : امّی اسے بغیر وجہ کے سمجھ رہی ہیں زاہدہ ۔ اور جو انہوں نے دردناک خط لکھا ہے باجی نے اور اس میں اپنے دُکھوں کی ڈیٹیل دی ہے۔ اور ایک ایک بات ۔۔۔۔

امّی : وہ بھی تو تمہارے جیسی ہے۔ کوئی بات ساس سُسر نے کہہ دی ہو گی معمولی سی اور گھبرا گئی۔ اُٹھا کے خط لکھ دیا۔

زاہدہ : خیر امّی ایسے تو نہیں لکھتا کوئی خط۔ کچھ ہو گا ہی نا۔ سمتھنگ سیریئس۔

ماموں : نہیں بیٹے نہیں کچھ سیریئس نہیں۔ تم لوگ فکر نہ کرو۔ اب جا کر دیکھ ہی لیں گے۔

سلمان : آئی ڈونٹ وانٹ ٹو فیس دیٹ راسکل

امّی : اُوں ہُوں

سلمان : نہ سالے کی شکل نہ عقل۔ موٹا دُھوتو۔ تھرڈ ورلڈ تک کے تو معنے نہیں جانتا۔ مجھ سے پُوچھنے لگا۔ ایک تو یہ ورلڈ سلمان بھائی اور ایک اگلا جہان نیکسٹ ورلڈ۔ یہ تھرڈ ورلڈ کونسی ہے؟

زاہدہ : اوہ مائی گاڈ! واقعی سلمان۔

سلمان : مَیں کیا جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ خدا کی قسم اس نے پُوچھا مجھ سے۔ اب مجھے وہاں لے جایا جا رہا ہے۔

زاہدہ : خیر یہ تو مجبوری ہے۔ باجی کی خاطر ہمیں جانا ہی چاہیئے۔ لیکن امّی ابّا نے

زیادتی بہت کی باجی کے ساتھ۔

ماموں : کوئی زیادتی نہیں بیٹا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

سلمان : ایک تو مجھے اس "سب ٹھیک ہو جائے گا" سے hate ہے۔ کوئی پلاننگ نہیں، کوئی سسٹم نہیں، کوئی میتھڈ نہیں، کلکولیشن نہیں۔ اور کہہ دیتے ہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کیسے ٹھیک ہو جائے گا۔

زاہدہ : (تمسخر کے ساتھ) اللہ ٹھیک کر دے گا۔

سلمان : ہاں! دیسی آدمیوں کے سب کام اللہ ٹھیک کر دیتا ہے۔ خود کچھ نہیں کر سکتے۔

امی : بیٹے! بیٹے!! بیٹے!!!

سلمان : بس امی اب آپ ناجائز فائدہ نہ اُٹھائیں فلمی ماں کی طرح سے۔ سوری!

ماموں : ویسے تم لوگوں کا کنسرن قابلِ احترام ہے بچو لیکن اس قدر گھبرا جانا بھی ٹھیک نہیں۔ وہاں جا رہے ہیں۔ ان سے مل رہے ہیں۔ صورتِ حال دیکھیں گے تو کوئی فیصلہ کریں گے۔ ہمیں بھی احساس ہے۔

سلمان : خاک احساس ہے آپ لوگوں کو۔ آئی ایم سوری۔ نہ کوئی ہمارا ان کا میل ان سے، نہ لیول ایک، نہ ہمارا کلچر ان جیسا، نہ upbringing نہ habits ایک جیسی، پھر کس طرح سے سب ٹھیک ہو جائے گا۔

ماموں : یہ سب معمولی باتیں ہیں بیٹا۔

سلمان : یہ آپ کیا فرما رہے ہیں ماموں جان آر یو آنسٹ اباؤٹ اِٹ؟

زاہدہ : دیکھیے ماموں جان وہ کروڈ اور رسٹک قسم کے لوگ ہیں۔ زمینوں جائیدادوں والے ضرور ہیں لیکن ان میں وہ ایجوکیشن نہیں، enlightenment نہیں، لرننگ نہیں۔ پھر باجی کس لیول پر، پلین پہ ان کے ساتھ کمیونیکیٹ کر سکتی ہیں۔

امّی : ایک تو مجھے اس کمیونکیشن نے بھون کے رکھ دیا۔ جہاں جاؤ جہاں سُنو۔ یہی رونا کہ کمیونی کیشن نہیں ہو رہی۔ کمیونی کیشن رُک گئی ہے۔ تم میں کیا کمیونی کیشن ہے دونوں میں؟

سلمان : ہم میں بڑی کمیونی کیشن ہے۔

زاہدہ : ڈیپ اینڈ پروفاؤنڈ انڈرسٹینڈنگ —— امّی۔

امّی : کبھی گھنٹہ بھر تک تو محبت سے رہ کے نہیں دکھایا۔ تکا بوٹی ہوتی رہتی ہے سارا دن۔

سلمان : یہی تو انڈرسٹینڈنگ ہے۔ یہ جوڈو کراٹے۔ killing ہارا کیری وائیلنس یہ سب محبت کے اور رابطے کے اظہار ہیں۔

زاہدہ : دِس از پرفیکٹ کمیونی کیشن!

سلمان : لیکن شاہدہ باجی اور بشیر صاحب میں کبھی نہیں ہو سکتی۔ ساری عُمر چاہے نائیلون کے رسّے سے جکڑ دیں ان دونوں کو ایمپوسیبل۔

ماموں : ایسی باتیں نہیں کیا کرتے جوان۔ یہ بدشگونی ہوتی ہے۔

زاہدہ : چھوڑیں ماموں۔ جو بدشگونی ہونی تھی، وہ تو ہو چکی پڑھا ہے آپ نے باجی کا خط۔

ماموں : وہ ابھی ناتجربہ کار ہے اور ——

سلمان : ایک مجھے اس "ناتجربہ کار" لفظ سے بہت hate ہے۔ یہ اولڈ جنریشن نے ہم کو intimidate کرنے کے لیے بنا رکھا ہے۔ جیسے شیر کو ڈرانے کے لیے سانٹا نہیں ہوتا رِنگ ماسٹر کے پاس۔ ہونہہ ناتجربہ کار!

زاہدہ : (اچانک) ہا۔ لیجئے۔ لیجئے۔ (امّی کو دکھاتے ہیں کہ ٹشو پیپر سے آنکھیں پونچھ رہی ہیں) بھئی یہ کیا امّی پلیز۔ ایسے تو نہ کریں۔

سلمان : امّی کے پاس جب کوئی ریزن نہ ہو تو ایسے ہی کیا کرتی ہیں۔

ماموں : (سنجیدگی کے ساتھ) بس سلمان جی بس۔ تم کچھ ضرورت سے زیادہ ہی کھل گئے ہو۔
کوئی لحاظ ہی نہیں رہا تم لوگوں کو۔

سلمان : سوری سر — معافی

(یہ کہہ کر سلمان پھر اسی طرح سے لیٹ جاتا ہے جیسے وہ سین کے شروع میں لیٹا ہوا تھا۔ زاہدہ اپنی کتاب پڑھنے لگتی ہے اور ماموں ڈائس کھڑکا کر کہتا ہے آگے چلیں۔ امی سر کو نفی میں ہلاتی ہے اور اپنی آنکھیں اور ناک پونچھنے لگتی ہے۔ آنکھیں ناک پونچھ کر جہاں وہ ٹشو پیپر کا بھیگا ہوا گولہ پھینکتی ہے وہاں بڑے گھیر کی شلوار اور دیسی جوتی والے قدم آتے ہیں۔ کیمرہ ان قدموں کو لیتا ہے اور ٹشو پیپر وہیں چھوڑ کر ان قدموں کے ساتھ ساتھ چلا جاتا ہے۔ یہ قدم ایک سندھی بزرگ کے ہیں جن کی عمر ستر بہتر سال کی ہے مگر داڑھی بہت گھنی ہے اور مہندی سے سُرخ ہے یہ سندھی بزرگ جن کا نام جبل شاہ ہے ہاتھ میں گٹھڑی اُٹھائے سر پر اجرک باندھے اور کندھے پر دوسری اجرک ڈالے سیدھے ایک بنچ پر جا بیٹھتے ہیں جو سپاٹ والے بنچ سے دور ہے۔ گٹھڑی اپنے پہلو میں رکھ کر جبل شاہ پگڑی کے اندر سے ایک چھوٹا شیشہ نکالتے ہیں اور اپنی داڑھی کو سیٹ کر کے شیشہ واپس پگڑی میں رکھ لیتے ہیں۔ سٹیشن ماسٹر صاحب جھنڈی اُٹھائے اپنے کمرے سے نکل کر سارا راستہ طے کر کے سیدھے جبل شاہ کے پاس پہنچتے ہیں اور ہاتھ آگے بڑھا کر کہتے ہیں۔)

ماسٹر : ٹکٹ

جبل شاہ : ہا سائیں ہا

(اپنی واسکٹ کی جیب میں سے ٹکٹ نکال کر سٹیشن ماسٹر کو دیتا ہے۔ جو اس کو دیکھ کر اور اپنے کٹر سے کاٹ کر واپس جبل شاہ کو دے دیتا ہے۔ ساتھ ہی کہتا ہے۔)

ماسٹر : مہربانی

جبل : (دونوں ہاتھ پگڑی تک لے جا کر) مہربانی آپ کی سائیں۔ بڑی مہربانی۔

(سٹیشن ماسٹر واپس جاتا ہے تو راستے میں یعنی پلیٹ فارم کے بیچ اس کو سلمان ملتا ہے۔)

سلمان : ایکسکیوز می سر یہ ٹنڈو پدھری کوئی اور ٹرین نہیں جاتی؟

ماسٹر : دو ٹرینیں جاتی ہیں، ایک صبح ایک شام اب چھتیس ڈاون ہی جائے گی۔

سلمان : تو کیا وہ یہیں سے تیار ہوتی ہے؟

ماسٹر : جی نہیں۔ ایک سٹیشن پیچھے تیار ہو کے آتی ہے۔ آپ کو سائیں نیاز علی کے گھر جانا ہوگا۔ گورو گوٹھ۔

سلمان : جی سر

ماسٹر : بہت شریف آدمی ہیں خاندانی وضعدار لوگ!

سلمان : یس آئی نو! (بدتمیزی سے چل دیتا ہے۔)

(اس کو چند ثانیے رُک کر اور چلتے دیکھ کر سٹیشن ماسٹر پھر اپنے کمرے کا رُخ کرتا ہے۔ سلمان پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ڈالے پلیٹ فارم کی طرف بڑھ رہا ہے۔ عین پلیٹ فارم کے کنارے مٹی کا ایک آبخورہ پڑا ہے سلمان اس کو زور سے ٹھوکر مارتا ہے جو پھٹپھٹاتا ہوا اور اُڑتا ہوا دُور ریلوے لائین میں جا کر گرتا ہے۔

"یہ کمال" کرنے کے بعد سلمان اسی طرح بیزاری اور بیقراری اور بے دلی سے اپنے سپاٹ کی طرف جا رہا ہے۔ جبل شاہ اس نوجوان کو غور سے دیکھ رہا ہے اور ساتھ ہی ہتھیلی پر تِل اور شکر مسل کر کھا رہا ہے۔ اتنے میں انجن کی ہوٹ سنائی دیتی ہے۔ جبل شاہ پلٹ کر دیکھتا ہے اور پھر اُدھر ہی دیکھے جاتا ہے۔

ایک رفتار تیز گام قسم کی گاڑی دندناتی ہوئی ریلوے سٹیشن پر سے گزر جاتی ہے ۔ سٹیشن ماسٹر پلیٹ فارم کے درمیان کھڑا سبز جھنڈی دکھا رہا ہے۔ گاڑی گزر جانے کے بعد جبل شاہ کندھے کی اَجرک سے اپنا چہرہ پونچھتا ہے۔

جبل شاہ کے عقب سے مہنگا جمعدار سر پر کھاٹ اُٹھائے لانگ شاٹ میں ایک مشہور فلمی گانا گاتا ہُوا آ رہا ہے ۔ وہ سارا پلیٹ فارم کراس کرنے کے بعد سپاٹ پر پہنچتا ہے اور چارپائی نیچے اُتار کر کہتا ہے ۔)

مہنگا : سلام سر جی

ماموں : سلام بھئی سلام

مہنگا : منجی بھیجی ہے جی سٹیشن ماسٹر صاحب نے ۔

امّی : شکریہ بھئی ہمیں نہیں ضرورت ۔

مہنگا : منجی کی ضرورت نہیں جی ۔

امّی : ہم یہیں ٹھیک ہیں ۔

ماموں : سٹیشن ماسٹر صاحب سے کہنا بڑی مہربانی آپ کی ۔

مہنگا : بیٹھیے بغیر مہربانی سر جی

سلمان : او بھئی ہم یہاں ٹھیک ہیں ۔خواہ مخواہ امپوز کرتی ہے ہم پر منجی ۔

مہنگا : اِک بار پھر کس دیتا ہوں جی آپ کے سامنے ۔

ماموں : کسنے کی بات نہیں ہے بھائی ۔ ہمیں ضرورت نہیں ہے ۔ ضرورت ہوتی تو ہم خود منگوا لیتے ۔

مہنگا : آپ سائیں نیاز علی کے رشتہ دار ہیں سر جی تو ہمارے بھی صاب ہیں ۔

سلمان : Everybody knows that silly Goth!

امّی : کیا ہو گیا ہے تمہیں سلمان ۔

مهنگا : سٹیشن ماسٹر صاحب سے بڑی دوستی ہے جی ان کی، بڑے سائیں کی۔

امی : میری بیٹی بیاہی ہوئی ہے وہاں۔ ان کے بڑے لڑکے سے۔

مهنگا : بشیر صاحب جی

امی : ہاں

مهنگا : وہ تو بیگم صاحب جی پرسوں لے کر گئے ہیں دو بڑے بڑے صوفے کراچی سے بریک میں ٹک کرا کے آتے جاتے پانچ روپئے دے کر جاتے ہیں ہمیشہ۔

زاہدہ : بڑے رشوت خور جمعدار ہو تم۔

مهنگا : نہیں جی وہ تو اپنے شوق سے دے کر جاتے ہیں۔ بڑے بختاور لوگ ہیں اپنے ادھر تو سارے علاقے میں کلا جگی ہوئی ہے جی اوہناں کی۔

ماموں : اچھا تم یہ چارپائی لے جاؤ اور سٹیشن ماسٹر صاحب سے جا کر ہمارا شکریہ ادا کرو — سمجھے۔

مهنگا : یہ تو سمجھ گیا جی بالکل صاف۔ پر منجی واپس لے جانے کی بات نہیں سمجھا۔

زاہدہ : بھئی ہم یہاں زیادہ کمفرٹیبل ہیں ہمیں زیادہ مزا آ رہا ہے اس طرح بیٹھ کر۔

سلمان : Don't try to be familiar with him, Zahida. —— چلو بھئی اٹھا اس کو اور لے جاؤ وِد تھینکس — اُٹھاؤ اُٹھاؤ۔ دیکھ کیا رہے ہو۔

مهنگا : (کھاٹ اُٹھاتے ہوئے) اچھا جی

(چارپائی اُٹھا کر پھر سر پہ رکھتا ہے اور چل دیتا ہے اور چلا جا رہا ہے۔ جب وہ جبل شاہ کے بنچ کے قریب سے گزرتا ہے تو کیمرہ وہیں رُک جاتا ہے اور جبل شاہ کو گٹھڑی میں سے ایک خوشبو کی شیشی نکال کر اپنی انگلی پر لگا کر کنپٹیوں کے

نیچے اور داڑھی میں لگاتے دکھاتے ہیں۔

اتنے میں ایک اُسی عمر کا پٹھان ہاتھ میں کینوس کا کپڑوں بھرا تھیلا اُٹھائے اور ذرا سا لنگ مارتے آتا ہُوا دکھاتے ہیں۔ اس کی داڑھی بالکل سفید ہے اور کپڑے بوسیدہ اور میلے ہیں۔ اس نے بید سُوکھے چمڑے کی پیٹی اور خول میں ایک پستول بھی کندھے پر لٹکا رکھا ہے۔ اس بزرگ پٹھان کا نام سمندر خان ہے۔

سمندر خان آتے ہی اپنا تھیلا بنچ کے دوسرے کونے پر رکھتا ہے اور ہاتھ آگے بڑھا کر جبل شاہ سے مصافحہ کرتا ہے اور کہتا ہے:)

سمندر خان : السلام علیکم۔ جوڑ تازہ۔ خوشحال۔ تکڑہ۔ روغ۔

جبل شاہ : مهربانيي، الله سائين جو فضل، رب جيي مهربانيي۔

سمندر : خہ تکڑہ۔ خہ روغ۔ پستنہ خیر۔ واڑدر اگر جوڑ نور خیر۔

جبل : شکر آ___ سائين جو کرم، ڏٺيي جيي ياجهه، الحمد لله!

(سمندر خان واپس اپنی سیٹ پر بیٹھ جاتا ہے اور کندھے کی چادر سے مُنہ پونچھتا ہے اور چہرہ جبل شاہ کی طرف کر کے پوری باچھیں کھلا کر مُسکراتا ہے وہ بھی دونوں ہاتھ اُٹھا کر مُسکراتا ہے۔)

سمندر : ستاسه نامه ده؟ [تمہارا نام کیا ہے؟]

(جبل ذرا حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر مُسکراتا ہے۔)

سمندر : (سمجھانے کے انداز میں) نامه: نامه! ستا نامه (نام! نام۔ تمہارا نام؟)

جبل : (سمجھ کر) نالو؟ منهنجو نالو جبل شاهه آهيي. جبل شاهه ڪِٽڪو۔ (میرا نام سائیں! جبل شاہ ہے۔ جبل شاہ ٹکّو۔)

سمندر : (اُٹھ کر ہاتھ ملاتے ہوئے) زما نوم سمندر خان دے۔ سمندر خان دا ہاتھیان [میرا نام سمندر خان ہے۔ سمندر خان دا ہاتھیان]

جبّل : هاها، ہاتھیان ۔ اُتي منھنجو ڀائيٽو بئنڪ ۾ نوڪر
آهي صوابي ۾ ۔ [ہا۔ہا۔ ہاتھیان ــــ ادھر میرا بھتیجا بنک میں
نوکر ہے صوابی میں]
سمندر : صوابي ! خاخا۔ ھغه خو مونگ ته نزدے دی ۔

ہاتھیانو نه مردان او بیاله مردانه صوابي۔ خه ذائ دے۔ به ہاتھیانو نه مردان بیا
مردانا چارسده او بیا پیخور۔ او ته دلته اوسے گے ۔ دلته ــ ... دے
[صوابی ! اچھا اچھا۔ وہ تو ہمارے نزدیک ہے۔ ہاتھیان سے مردان،
وہاں سے صوابی۔ بڑا زبردست شہر ہے۔ ہاتھیان سے مردان، مردان سے
چارسدہ، چارسدہ سے پشاور ــــ اور تم اِدھر ہی رہتا ہے۔ ادھر
..... یہاں۔]
جبّل : نه سائیں ! آءٌ ته پشوري ۾ رهندو آهیان۔
[ناں سائیں۔ مَیں تو پشاور رہتا ہُوں۔]
سمندر : خا..... خا.. پیخور د پیخور د
(ہاتھ کے اشارے سے)
وڑوکے گاڑے وڑوکے
[چھوٹی گاڑی۔ چھوٹی]
جبّل : شاباش، او ائین، بلڪل. میرپورخاص مان نڪري جمڙائو،
جھلوري، جيمس آباد تندوجان محمد جهڏو، نئون ڪوٽ،
حسن رند، کُنري، محمد رحيم ڪالڙو، صالح پنيرو ــ پوءِ
پشور و۔
[شاباش۔ بالکل۔ بالکل۔ میرپورخاص سے چل کر جمراؤ۔ جھلوری جیمس آباد۔

ٹنڈو جان۔ جھڈو۔ نوکوٹ۔ حسن رند۔ کنڑی۔ محمد رحیم کلرو۔ صالح بھمبرو
—— پھر پیتھورو!]

سمندر : ماکنڑی لدے دے۔ دمرچکو منڈی دہ۔ لویہ
[کنڑی میرا دیکھا ہُوا ہے۔ بڑی منڈی ہے سُرخ مرچ کی —]
(اشارے سے زبان نکال کر سُرخ مرچ سمجھاتا ہے۔ دونوں ہنستے ہیں ——
جبل شاہ اپنی پوٹلی ڈھیلی کرکے اس کے آگے پیش کرتا ہے۔ سمندر خان آگے بڑھ کر ڈیرہ مہربانی کہتا ہُوا اس میں سے مٹھی بھر شکر تل لیتا ہے اور کھانے لگتا ہے ساتھ ہی جبل شاہ بھی کھانے لگتا ہے۔)

سمندر : (مُونچھ کے اشارے اور پستوں کے حوالے سے بتا کر) زما ثلور زامن دی او دوہ لونڑہ۔ [میرے چار بیٹے ہیں اور دو لڑکیاں ہیں۔]
(جبل شاہ بے سمجھی میں سر ہلاتا ہے۔ سمندر خان مکرر سمجھاتا ہے اور جب ابلاغ ہو جاتا ہے تو جبل شاہ بتاتا ہے۔)

جبل : منهنجا سائين! الله جي فضل سان چار پُٽ ۽ ٽي ڌيئرُ آهن.
[میرے سائیں! اللہ کے فضل سے چار لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔]

سمندر : الحمدللہ الحمدللہ۔ او سلور واڑہ پہ کار لگیدلی دی
[الحمدللہ۔ الحمدللہ۔ اور چاروں کام پر لگے ہوئے ہیں ؟]

(ہل اور بیل چلا کر پُوچھتا ہے۔)

جبل : جي سائين! الله جو شڪر آهي. چار ئي ڪم ڪندا آهن.
ٿورڙي زمين به آهي. گذارو ٿيو وڃي ٿو. مالڪ جي مهرباني آهي.

[جی سائیں ۔ اللہ کا شکر ہے ۔ چاروں کام کرتے ہیں ۔ تھوڑی سی زمین ہے ۔
گزارہ چل رہا ہے ۔ بڑا کرم ہے اس کی ذات کا ۔]

سمندر : زما دوه زامن په فوج کے دی
[میرے دو لڑکے فوج میں ہیں ۔]

(گولی رائفل بندوق کی پوزیشن بنا کر بتاتا ہے اور ایک کے کندھے پر صوبیدار کا پھول بناتا ہے ۔)

یو صوبیدار صاحب دے ۔ بل لیس نائک دے ۔ او دریم پیخور کے رکشہ چلوی

[ایک صوبیدار صاحب ہے ۔ دوسرا لیس نائیک ہے تیسرا پشاور میں رکشا چلاتا ہے ۔]

جبّل : شکر آاللہ جو سمندر خان سائیں ۔ اکھیئی رزق جا بند ابست کری مرکیا آھن ۔ کوئی بادشاھ آھی تہ کوئی فقیر آھی ۔ کوئی آفیسر آھی تہ کوئی زیردست ۔ روزي ھر کنھن کی پیئی ملی ۔

[شکر ہے اللہ کا سمندر خاں سائیں ۔ اس نے رزق کے بہانے بنا رکھے ہیں ۔ کوئی بادشاہ ہے ۔ کوئی فقیر ہے ۔ کوئی افسر ہے کوئی ماتحت ہے ۔ رزق سب کو مل رہا ہے ۔]

سمندر اولونڑہ ؟ لونڑہ ؟ وادہ دی ۔
[اور بیٹیاں ؟ بیٹیاں ؟ شادی ہو گئی ان کی ۔]

(شہنائی بجا کر پوچھتا ہے ۔)

جبل : ٻن جيئي ٿيي ويئي آهي - هڪڙي احيا ننڍي آهي.

[دو کی ہوئی ہے - ایک ابھی چھوٹی ہے -]

سمندر : خدائے پاک به دهغے هم کور آباد کړی اوستا زړه به یخ شی که خیردی کړه دے شته.

[اس کا بھی اللہ گھر آباد کرے گا . تمہاری آنکھ کو ٹھنڈا رکھے گا — بڑھیا ہے ؟]

(جبل سمجھتا نہیں -)

سمندر : (ناک پر انگلی رکھ کر تحقہ بنا کر) کڈه ؟ — کور والا - ٹبر - خزه

[بڑھیا ہے ؟ گھر والی - زال -]

جبل : نه سائين نه - فوت ٿي وئي - ڏهن مٿي ٻه سال ٿي ويا - منهنجي هيءَ ڌيءَ چئن سالن جي هئي ان وقت.

[ناں سائیں ناں فوت ہوگئی - دس اُوپر دو سال ہوگئے - یہ میری بیٹی چار سال کی تھی اس وقت -]

سمندر : زما خولا جوندئ ده - بالکل تکړه ده - زبردسته - خوتخواره - ټول کلے ترے ډیر یگی -

[میری تو زندہ ہے ابھی تک - بالکل تگڑی بہت زبردست - خونخوار - سارا گاؤں اس سے ڈرتا ہے -]

جبل : (ہنس کر) تون به اُن کان بچين ٿو ؟

[تم بھی اس سے ڈرتے ہو -]

سمندر : ها ها - بالکل بالکل - هر سړے له خزے ویریگی که ډپٹی کمشنر وی که جرنیل - خو مني هسوک هم نه - هر سوک وائی چه زما حکم چلي

پہ خزہ۔خودا ٹول دروغ دائی۔

[ہاں۔ بالکل۔ بالکل۔ ہر مرد عورت سے ڈرتا ہے چاہے ڈپٹی کمشنر ہو چاہے
کرنیل۔لیکن مانتا کوئی نہیں ہے۔ہر ایک یہی کہتا ہے میرا حکم چلتا ہے بیوی
پر۔حالانکہ جھوٹ ہے۔]

(جبل شاہ کچھ سمجھتا ہے کچھ نہیں سمجھتا لیکن ساتھ مل کر ہنستا ضرور ہے۔)

سمند۔ : دلتہ چرتہ گرزے۔چرتہ پتھورو او چرتہ واجوڑ گوٹھ۔
سہ ضروری کار دے سہ

[ادھر کدھر گھوم رہے ہو۔کہاں پتھورو۔کہاں یہ جوڑ گوٹھ۔کیا کوئی ضروری
کام سے آئے ہو۔]

جبّل ھتي اسان جي ھڪ دوست وٽ پنج پوريون ڇاڻ آھي ٽي
پوريون يوريا ۽ ٻه پوريون امونيا سلفيٽ. پير صادق، پڊ عيدن
جي پڳ. ته غلام رباني وٽ پير صادق پيو وڃان.

[ادھر ہمارے ایک دوست کے پاس پانچ بوری کھاد ہے۔تین بوری یوریا دو
بوری امونیا سلفیٹ۔پیر صادق۔پڈ عیدن کے پاس۔تو غلام ربانی کے پاس
پیر صادق جا رہا ہوں۔]

سمندر : (سُنی ان سنی کر کے تھیلے میں سے کیلے نکال کر آگے بڑھاتا ہے) واخلہ۔
بسم اللہ کا۔ [لو۔بسم اللہ کرو۔]

جبّل : نہ سائیں، طلب نہ آھي ھن وقت ملکل
[ناں سائیں طلب نہیں اس وقت بالکل۔]

سمندر : زڑہ ادمہ زڑہ سہ خبرہ دہ۔ رورہ جبل شاہ۔وخلہ۔ داسہ داسے

دردمد غمے دے چہ ہضم بہ نہ شی

[طلب ناں طلب کی کیا بات ہے بھائی جبل شاہ لو۔ یہ کونسی بھاری چیز ہے کہ ہضم نہیں ہوگی۔]

جبل : مہربانی (لے لیتا ہے) شکریہ۔

سمندر : بلہ۔ دابلہ۔ پہ یوسہ کیگی۔ مڑہ۔

[اور ..... اور ..... اور۔ ایک سے کیا بنے گا۔]

جبل : خدا شاہد آھیی ۔۔ ھن وقت طلب نہ آھیی۔

[اللہ گواہ ہے اس وقت دل نہیں چاہتا۔]

سمندر : اوہوس کے۔ مڑہ۔ واخلہ۔ دے کے سہ دی۔

[اوہو ..... کیا کرتے ہو۔ کیا ہے اس میں۔]

(جبل طوعاً وکرہاً ایک کیلا اور لے لیتا ہے۔)

سمندر : دلتہ راغلے یم۔ دلتہ زما وڑکے زوئے کار کوی۔ زرعی فارم یے بیلدار دے پینزہ سوہ سہ دپاسہ تنخواہ رخلی۔ کوارٹر مفت۔ خشاک مفت۔ خوراک سکاک پرسے دپاسہ خہ پہ آرام دے خو ھغہ بلہ ورزا پر یو تولہ ونے دالاس ئے سات شہ۔ اڈوکے ئے مات شہ۔ تارلے راغے یعنی۔ زمونگ کوردسہ درسے میلہ لرے دے لہ ہاتقیان۔ تار پہ وخت رسیگے۔

[ادھر آیا ہوں۔ ادھر میرا چھوٹا بیٹا کام کرتا ہے، زرعی فارم میں بیلدار ہے۔ سوا پانچ سو روپے تنخواہ پاتا ہے۔ کوارٹر مفت لکڑی بالن مفت۔ کھانا وانا مفت۔ بڑا آرام ہے۔ لیکن پرسوں گر گیا درخت سے۔ یہ بازو ٹوٹ گیا۔ ہڈی۔ ٹیلی گرام

آیا ہاتھیاں ۔ ہاتھیاں سے ہمارا گھر تین میل دُور ہے ٹیلی گرام دیر سے پہنچا۔]

جبّل : هڏيي ٽٽني پيئي ؟

[ہڈی ٹوٹ گئی ؟]

سمندر : ماتشه

[ٹوٹ گیا۔]

جبّل : بلکل باھن ديئي ؟

[بالکل گیا بازو ؟]

سمندر : نه نه اڈو کے سے مات شه۔ ٹمک۔ دوه ٹوٹے

[ناں ناں۔ ہڈی ٹوٹ گیا۔ تڑاخ۔ دو ٹوٹے۔]

جبّل : ڈیٹی رحم کندو۔

[اللہ فضل کرے۔]

سمندر : خیر دے۔ خیر دے۔ خدائے به خیر کڑی۔ کمتیں دی ٹیک
ٹاک به شی۔ دُوا کوه۔

[خیر اے۔ خیر اے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ کا فضل ہو جائے گا۔ ہر چیز
ٹھیک ہے۔ سب خیر ہے۔]

(تھیلے سے نکال کر) داخله۔ هن۔ دا بسکوٹ واخله

[لو یہ بسکٹ کھاؤ۔]

جبّل : بس بس شکریو، مهرباني.

[بس بس شکریہ۔ مہربانی۔]

سمندر : تشه مهرباني به سه کے۔ واخله۔ واخله۔ خوره خوره۔

[خالی مہربانی کا کیا ہے۔ لو۔ لو۔ کھاؤ۔]

جبّل : مون ڪڏهن کاڌو ناهيي سائين، مهرباني.

[میں نے کبھی کھایا نہیں سائیں۔ مہربانی۔]

سمندر : واخلہ۔ خورہ۔ گنی خپہ بہ شم ورنہ۔ بیا بہ دوسرہ خبرے ونکوم۔

[کھاؤ۔ کھاؤ۔ نہیں تو ہم ناراض ہو جائے گا۔ کلام نہیں کرے گا۔]

(جبّل لے لیتا ہے اور بے دلی سے کھانے لگتا ہے۔)

سمندر : (بسکٹ کھاتے ہوئے) مونگ مومند عالم ڈیر غصہ ناک یو۔

[ہم مہمند لوگ بڑے غصیلے ہوتے ہیں۔]

جبّل : (خوشی سے) مہمند؟

سمندر : او کنہ مومند! (چھاتی پر ہاتھ مار کر) مومند!!

جبل : (اُٹھ کر دونوں ہاتھوں سے سلام کرتے ہوئے)

لال بادشاهه قلندر شهباز به مهمند جيي رهٽ وار وهو. مهمندمان نور جيي روشيني کٽيي اسان جيي ديس ۾ آيو. سنڌ کي سون ڪري ڇڏيائين. واريءَ کي هيرو بڻائي ڇڏيائين. واهه واهه مهمند ديس.

[لال بادشاہ شہباز قلندر بھی مہمند کے رہنے والے تھے مہمند سے چل کر نور کی روشنی لے کر ہمارے دیس میں آئے۔ سندھ کو سونا بنا دیا۔ ریت کو ہیرا بنا دیا۔ واہ وا مہمند دیس۔]

سمندر : حضرت لال شهباز قلندر۔ پاک باچا۔ پاک فقیر وخدائے نیاز بین لہ هراتہ راغلے وہ۔ لہ مرونده۔

[حضرت لال شہباز قلندر۔ پاک بادشاہ۔ پاک فقیر۔ صادق ولی اللہ۔ ہرات

سے آئے۔ مروند سے۔ مروند بستی سے۔]

جبل : ہاہا۔ مہمند۔ مہمند۔

سمندر: دَهغه وَکلی نامه مروند ده۔ او مومند هم ورته وائی زمونگ قام
هم دَ دغه ذائے دے۔ حضرت شهباز قلندر دَ خدائے نیازبین۔ زمونگ
دَعلاقے وه۔

[اس بستی کو مروند بھی کہتے ہیں اور مہمند بھی کہتے ہیں۔ ہمارا قبیلہ بھی اسی علاقے
کا رہنے والا ہے۔ حضرت شہباز قلندر۔ پیروں کے پیر۔ اولیاؤں کے اولیاء۔
ہمارے علاقے کے رہنے والے تھے۔]

جبل: انهن فقير بادشاهت جو شان ـــــــ به نرالي آهي۔ جتي جتي به انهن
جو قدم پهچي ٿو ته سڀ علائقي کي هڪڙي ئي ڌاڳي ۾
پوئي ٿا ڇڏين۔ حضرت سائين ميان مير سيوهڻ شريف ۾ ڄائو،
اتي ئي سلوڪ جون منزلون طئه ڪيائين۔ پوءِ اتان هي لاهور
پهتو۔ جهانگير ۽ شاهجهان جي نه ماني جو ولي ڪامل۔
دارا شڪوه جو مُرشد، هادي، رهبر۔

[ان فقیر بادشاہوں کی شان بھی نرالی ہے۔ جہاں جہاں ان کا قدم جاتا ہے سارے
علاقے ایک دھاگے میں پروتے جاتے ہیں۔ ایک ڈوری میں بندھ جاتے ہیں۔
حضرت سائیں میاں میر صاحب سیون شریف میں پیدا ہوئے۔ سیون شریف
میں سلوک کی منزلیں طے کیں۔ پھر وہاں سے چل کر لاہور شریف آگئے۔ جہانگیر اور
شاہجہان کے دور کے ولی کامل۔ دارا شکوہ کے مُرشد۔ ہادی۔ راہبر۔]

سمندر: دَلاهور شاه محمدؐ غوث قادری دَ پیخور ده۔ دَاٹک دَ حضرت جی صاحب
مرید ده نه دَاٹک حضرت جی صاحب روضے له اوس هم خلق له لرے

راسے خایو نو زیارت لہ راذی۔ او شاہ محمد غوث صاحب دَ وہ شاگرد
او مرید دہ چہ لاہور کے لئے مقبرہ دہ۔ دا خلق دَ ھر چا خپل دی۔

دھر ذائے دی۔ دَ ضلع او تحصیل خبرہ پکے نہ دی۔ نہ سوک دَ کراچئ دی،
نہ دَ پیخور او نہ دَ لاھور۔ ٹول دَ اکی یو ذائے دی۔

[لاہور کے حضرت شاہ محمد غوث قادری پشاور کے رہنے والے تھے۔ حضرت یحیٰی
صاحب حضرت جیو حضرت جی کے مرید تھے۔ حضرت جی کا مزار شریف موضع
اٹک میں دریائے اٹک کے کنارے ہے۔ بڑی بڑی دُور سے لوگ زیارت کرنے
آتے ہیں اور حضرت شاہ محمد غوث ان کے شاگرد اور مرید لاہور میں ہیں۔ ان
سب کے رشتے سب لوگ سے۔ ہر ایک سے بندھے۔ ادھر ضلع تحصیل کا کوئی
سوال نہیں ہوتا۔ کوئی کراچی پشور لہور نہیں۔ سب ایک ہے ایک۔]

جتل سائیں۔ اللہ جا سچا عاشق یہ بانھا آھن۔ حق انھن جو دین آھی، سچ
انھن جو وطن۔ حقیقت انھن جی خوراک آھی۔ محبت انھن جی منشا
آھی۔ ادا! اھیی انسان آھن ٹِھتل یہ ٹِنھل۔

[سائیں اللہ کے پکے سچے لوگ ہیں۔ حق ان کا دین ہے۔ سچ ان کا وطن ہے۔
حقیقت ان کی خوراک ہے۔ محبت ان کا تنفس ہے۔ یہ سائیں انسان ہیں
اُونچے انسان]

(سمندر پیچھے مُڑ کر دیکھتا ہے۔ پھر جیب میں ہاتھ ڈالتا ہے تھیلے میں دیکھتا ہے۔
اچانک اُٹھ کھڑا ہوتا ہے آگے بڑھ کر جتل شاہ کا ہاتھ تھام لیتا ہے اور کھینچ کر
کہتا ہے:)

سمندر : پاسا پاسا ! دیو منٹ د پارہ !
[اُٹھو اُٹھو ! بس ایک منٹ کے لیے]
(سپاٹ کی طرف اشارہ کرکے) دھغہ زائے پورے۔ دغہ۔ دھغہ زائے پورے !
[وہاں تک۔ وہ۔ اس جگہ تک !]
(جبل شاہ اٹھتا ہے اور گٹھڑی اُٹھانے لگتا ہے۔ تو سمندر خان اس کو منع کرتا ہے
اور اشارے سے کہتا ہے کوئی بات نہیں یہ میرا تھیلا بھی اسی جگہ رکھا ہے۔ ابھی
لوٹ کر آجاتے ہیں۔
دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگتے ہیں اور سپاٹ تک پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں سب
لوگ سینڈوچ کھا رہے ہیں اور چائے پی رہے ہیں۔)

سمندر خان : السلام علیکم
ماموں : وعلیکم السلام
سمندر : (ہاتھ کے اشارے سے پوچھتا ہے) کاغذ پنسل ہو گا آپ کے پاس ؟
ماموں : (زاہدہ سے) کاغذ پنسل ہے زاہدہ ؟
زاہدہ : (پیالی رکھ کر پرس کھولتے ہوئے) جی ماموں
(نوٹ بک اور بال پوائنٹ نکال کر ماموں کو دیتی ہے ماموں دونوں چیزیں
سمندر خان کی طرف بڑھاتا ہے۔)
سمندر : (انکار کرتے ہوئے) نہیں نہیں۔ لکھو لکھو۔ بڑی مہربانی جی لکھو۔ سمندر
خان مہمند۔ ہاتھیان۔ صوابی۔ صوبہ سرحد۔
(ماموں لکھنے لگتا ہے۔)
(جب ماموں لکھ چکتا ہے تو وہ ہاتھ کے اشارے سے ورق پھاڑنے کو کہتا ہے۔
ماموں ورق پھاڑ کر دیتا ہے۔ سمندر خاں وہ چٹ جبل شاہ کے حوالے کرتا ہے۔

پھر جبل شاہ کو اشارے سے کہتا ہے اب تو بھی اپنا پتہ لکھوا جبل شاہ سمجھ جاتا ہے اور کہتا ہے۔)

جبل : جبل شاہ لکو۔ چڑ سمار دگوٹھ۔ پتھورو جنکشن۔ ضلع تھرپارکر۔

(ماموں یہ پتہ بھی لکھ کر پرچی پھاڑ کر دیتا ہے تو سمندر خان اس کو اپنے پاس احتیاط سے واسکٹ کے اندر رکھ لیتا ہے۔ پھر آگے بڑھ کر ڈیر مہربانی کہتا ہوا ماموں سے مصافحہ کرتا ہے اس کے بعد جبل شاہ مصافحہ کرتا ہے اور دونوں فیلڈ سے آؤٹ ہو جاتے ہیں۔)

سلمان : (تڑپ کر) امّی۔ آئی ایم سوری میں آپ لوگوں کے ساتھ نہیں جا سکتا۔

ماموں : (ہلکے غصّہ کے ساتھ) ٹاک سینس سلمان۔

سلمان : آئی ایم سوری ماموں۔ میں آپ کے لیے یوز فل ثابت نہیں ہوں گا۔ بشیر صاحب اور ان کے وڈیرے فادر کا وے آف لائف اور ہے اور میرا اور۔ ہم دونوں ایک پلین پر اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

امّی : کیوں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ تم کوئی آسمانی مخلوق ہو۔

سلمان : نہ میں ان کی بات سمجھوں گا نہ وہ میری بات سمجھ سکیں گے۔ اور پھر باجی کی حالت دیکھ کر مجھے اور غصّہ آئے گا۔

زاہدہ : اور غصّے کی حالت میں تو یہ سخت اَن ریزن ایبل ہو جاتا ہے سلمان۔ ہم کو تو آپ ڈراپ ہی کر دیں۔

امّی : بکو مت

زاہدہ : اگر باجی مجھ سے لپٹ کر رونے لگیں امّی اور میں نے کچھ کر دیا تو کیسی مصیبت آئے گی ہم سب پر۔

امّی : رونے کیوں لگی خدانخواستہ۔

سلمان : روئے گی کیوں نہیں۔ ایم ایس سی زوآلوجی سکالرشپ ہولڈر۔ فرسٹ کلاس
فرسٹ۔ اور بیاہ دی بشیر احمد صاحب چھوٹے وڈیرے سے۔ جسٹ بی۔ اے
ود اسلامک سٹڈیز اینڈ ہسٹری۔ گاؤں کی آبادی ساٹھ گھر۔ انٹرٹینمنٹ نِل۔
ری کری ایشن زیرو۔ سپورٹ میڈ سرونٹس کی پٹائی اور پاس ٹائم کیسٹ سننا
صبح سے شام تک۔

زاہدہ : مسز ترمذی کس فخر سے نام لیتی تھیں باجی کا کہ اگر آگے پڑھتی رہے تو انٹرنیشنل
فیم کی زوآلوجسٹ بن سکتی ہے۔

ماموں : لڑکیاں اپنے گھر میں آباد ہوں تو انٹرنیشنل فیم سے اُوپر ہوتی ہیں۔

سلمان : باجی اپنے گھر میں آباد ہے !

امّی : تُو چُپ رہے گا کہ نہیں کمینے۔ کالی زبان والے۔

سلمان : اس طرح گالیاں دے کر تو آپ میرا منہ بند نہیں کر سکتیں۔

زاہدہ : امّی یہ آپ لوگوں میں کیا مصیبت ہے ہر بات پر ملمع کرنے کی۔ facts کو
چھُپانے کی۔

امّی : تم بھی یہ بکواس بند کرو اپنی۔

ماموں : اوں ہونہہ۔ جوان بچّے ہیں۔ کیا کرتی ہو۔

امّی : میں تنگ آچکی ہُوں ان بچّوں سے۔ ہر بات میں کیڑے نکالتے ہیں۔ ہر چیز
پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ کچھ پسند ہی نہیں ان کو۔ نہ آدمی نہ تعلقات۔

ماموں : چلو چلو۔ کوئی بات نہیں۔ بچّے ہیں۔ خود ہی سمجھ جائیں گے جب وقت آئے گا۔

(سلمان ادھ کھایا سینڈوچ اور ادھ پی ہوئی پیالی رکھ کر غصّہ سے اُٹھ کر
چلا جاتا ہے اور پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگتا ہے۔ ماموں ہاتھ کے اشارے سے اپنی
بہن کو منع کرتا ہے کہ اس طرح سے نہیں کیا کرتے۔ چپکے رہا کرتے ہیں۔

کٹ کر کے دکھاتے ہیں کہ جبّل شاہ اور سمندر خاں دونوں زور زور سے
ہنس رہے ہیں اور ہنستے ہنستے جبّل شاہ کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ وہ
ان کو ایک انگلی سے باری باری پونچھتا ہے۔)

سمندر زماوا زوئے چہ دلتہ ایگریکلچر کے بیلدار دے۔ ما د ملو نو پہ جوا شہ توبے
لئے وتخلے۔ ما درتہ دے چپ شہ۔ کنی نو دا گوئی بہ دے لہ سرہ د باسم۔
[اپنے اس بیٹے کو جو یہاں اگریکلچر میں بیلدار ہے مَیں نے مارا تو اُونچے رونے لگا۔
ابّا توبہ۔ ابّا توبہ کرنے لگا۔ مَیں نے کہا خبردار جو شور مچایا۔ گولی مار دوں گا۔]

جبّل : نہ نہ۔ جوان پُت کی کو نہ مار یو آھی سمندر خان
[ناں ناں جوان بیٹے کو نہیں مارا کرتے سمندر خان۔]

سمندر وئیلے۔ گرڈئ اخلم۔ دا دہ پئ تنخواہ کے۔ مالہ سرئ ومیو۔ میتر تہ لے خنزہ داغلہ۔
دا نہ ئے خلاصولو۔ ما وئیل دفعہ شہ۔ خبردار کہ زمونگ ترمنزہ داغلے۔ ھغہ ئم
لرے کیناستہ۔ توبے سئے وکلے۔
[کہتا تھا گھڑی خریدوں گا۔ گٹ گھڑی۔ پہلی تنخواہ گٹ گھڑی کے لیے ہے۔
مَیں نے گردن سے پکڑ لیا اس کی بیوی چھڑانے لگی تو مَیں نے ایک دھکا دیا۔
کہ دفع مُردار۔ دُور۔ خبردار جو باپ بیٹے کے درمیان آئی ــــ دُور بیٹھی معافی
بابا، معافی بابا کہے جائے۔]

جبّل : نہ نہ ــــ سمندر خان! ایمن نہ کریٹ کیپی۔
[ناں ناں سمندر خاں۔ ایسے نہیں کرنا چاہیے۔]

سمندر مانہ ئے گڑئ داخستہ۔ ما درتہ وئیل وے تہ افسر ئے کہ حاکم چہ گڑئ بہ اخلے۔
خو ھغہ حرامزئے د دلہ واختہ۔ د ھغہ خو سے۔ زمانگود
[پھر نہیں خریدنے دی مَیں نے گھڑی۔ میں نے کہا تو کون افسر اے اوئے۔

حاکم ہے جو گھڑی خریدے گا۔ لیکن اس مالزادی نے خرید کر دیدی۔ بدبخت نے۔ اس کی زال نے۔]

جبل : کنھن؟
کس نے؟

سمندر خزے سئے کنہ۔ تپل دردنہ سئے فرس کڑہ پہ پٹہ۔ تر یو کال خوزہ خبر نہ شوم۔ خو چہ یو ورتردَ خواخے نکور جنگ شو نو ماتہ خزے دوئیل۔ چہ زینب رحمان گل لہ گڑئ اخستے دہ۔ تحفہ سئے ورکڑے دہ۔ سوغات۔ دَلیلیٰ مجنوں سوغات۔ داحال دے دَنن سبادَ اولاد۔ پہ پٹہ پٹہ دوستیٔ کوی یو بل سرہ۔ مینہ کوی غلامی کوی۔

[اس کی بیوی نے۔ اپنے کانٹے بیچ کر اس کو خرید دی چوری چوری۔ ایک سال تک مجھ کو خبر نہ ہوئی اور جب ایک دن ساس اور بہو میں لڑائی ہوئی تو میری بیوی نے مجھے بتا دیا کہ زینب نے رحمان گل کو گھڑی خرید کر دی ہے۔ تحفہ۔ سوغات۔ لیلیٰ مجنوں کا تحفہ۔ یہ تو حال ہے آج کل کی اولاد کا۔ چوری چوری دوستی کرتے ہیں ایک دوسرے سے۔ محبت کرتے ہیں۔ غلامی کرتے ہیں۔]

جبل کا ڳالهہ کانهي، کا ڳالهہ ناهي۔ جيئن سندس دل خوش ٿئي، ائين ڪجي۔

[چلو کوئی بات نہیں کوئی بات نہیں۔ جس طرح ان کا دل خوش ہو اسی طرح ٹھیک ہے۔]

سمندر : (تھیلا کھولتے ہوئے اپنے آپ سے) دفعہ سئے کڑہ۔ لعنت سئے درک شہ۔ اولاد دی داسے ناشکرہ بے وفا۔ بے حیا۔ دَمور پلار نہ دی دَ اولاد دی۔

[دفع کرو۔ لعنت بھیجو۔ یہ اولاد ہوتی ہی ناشکری ہے۔ بے وفا۔ بے دید۔ ماں باپ کی نہیں ہوتی اپنی اولاد کی ہوتی ہے۔]

(ایک تہہ شدہ پتیری تنوری روٹی نکال کر سلوٹ سے آدھی توڑتا ہے۔ ساتھ اس کے کاغذ میں سے ایک ٹھنڈا پرانا سیخی کباب نکال کر اُوپر رکھتا ہے اور جبل شاہ کو دیتا ہے۔)

سمندر : خوره۔ خوره۔ داخله۔

[کھاؤ۔ کھاؤ۔]

جبل : بسم الله سائين ـــــ اوهان کائو ـــــ مون کي بُک ڪانهي۔

[بسم اللہ سائیں۔ آپ کھاؤ۔ مجھے کوئی بھوک نہیں۔]

سمندر : (آگے بڑھ کر) خوره کنه۔ فکر مه کوه۔ خوره۔ زمونگ د دواړو دونړو ډیره ده

[اوئے کھاؤ کھاؤ۔ فکر نہیں کرو۔ کھاؤ۔ کافی ہے ہم دونوں بھائیوں کے لیے۔]

جبل : (پیٹ پر ہاتھ پھیر کر) مون کي بلڪل بُک ڪانهي۔

[مجھے بالکل بھوک نہیں۔]

سمندر : (سختی سے) داخله داخله۔ که ادګے نه سئے هم بیرسئے خورے۔

[لو لو بھوک نہیں ہے تو پھر بھی کھاؤ۔]

جبل : ونڌ جو سُنهن! صفا بُک ناهي۔

[اللہ سائیں کی قسم بالکل بھوک نہیں ہے۔]

سمندر : ماته انکار کوے۔ شرم وکړه جبل شاه!

[اوئے مجھے انکار کرتا ہے۔ شرم کر جبل شاہ۔]

جبل : بس بس سائين بسم الله ڪريو۔ الله وڌائي ڏئي۔ بک هجي ها ته گهري وٺان ها۔

[بس بس سائیں بسم اللہ کرو۔ اللہ زیادہ دے۔ بھوک ہوتی تو میں خود مانگ لیتا۔]

سمندر : داخلہ۔ تیلسہ ونیلسہ۔ سڑے سۓ کہ سہ ۓ۔ داخلہ۔

[اوۓ پکڑو پکڑو۔ آدمی ہو کیا ہو۔ پکڑو۔]

جبل : نہیں نہیں سائیں۔ مہربانی۔ مہربانی۔

سمندر : زما لہ غصے نہ خبر سۓ کہ نہ۔ داخلہ۔ دنیسہ

[میرے غصے کی خبر ہے کہ نہیں —— پکڑو۔]

جبل : شخص یہ —— سائیں، مہربانی

(سمندر خاں غصے سے جبل شاہ کی طرف دیکھتا ہے اور منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہے۔
اس کی آنکھیں سُرخ ہو جاتی ہیں اور وہ گویا قتل کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔
چیخ کر کہتا ہے :)

سمندر : الکہ یہ الکہ۔ دے خوار اشہ

[اے الاکا۔ الاکا۔ ادھر آ]

(جمعدار مہنگا بھاگتا ہوا آتا ہے۔ سمندر خاں ساری روٹی اس کو دے کر کہتا ہے :)

: خلاص۔ خلاص

(پھر اپنی جگہ سے اُٹھنے لگتا ہے تو جبل شاہ اُٹھ کر اس کو دونوں کندھوں سے
پکڑتا ہے اور بٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر وہ تو آگ بھبوکا ہے۔ اپنے کندھے
چھڑا کر اور جبل شاہ کو زور کا دھکا دیکر اُٹھ کھڑا ہوتا ہے اور لنگ مارتا ہوا چل
دیتا ہے۔ جبل شاہ سمندر خاں کہتا اس کے پیچھے منانے کو چلتا ہے تو سمندر خاں
جھاگ اُڑاتا کہتا ہے :)

سمندر : ورک شہ۔ پہ ستر گو مے مہ لگہ۔ لرے شہ۔ پہ ٹوپک بہ دے پہ داسرا ولم مرازہ ماپسے۔

[دور ہو جا۔ دفع ہو جا میری نظروں سے۔ نہیں تو گولی مار دوں گا۔ خبردار جو میرے
پیچھے آیا۔]

(جبل شاہ شرمندہ سا اور سہما ہُوا سا رُک جاتا ہے اور گردن جُھکا کر واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ جاتا ہے۔ سمندر خان ذرا دُور جا کر لیمپ پوسٹ کے نیچے پڑی ہوئی لکڑی کی صندوقچی پر بیٹھ جاتا ہے۔ غصّے سے اُس کا چہرہ سُرخ ہے اور وہ اپنے ہونٹ کاٹ رہا ہے۔ جبل شاہ اس کی طرف دیکھ رہا ہے لیکن قریب جانے کا حوصلہ نہیں پڑتا۔ چند سیکنڈ تک ہی مڈ کلوز اپ اور کلوز اپ میں سمندر خاں کو بڑبڑاتے اور مراقی آدمی کی طرح خود سے باتیں کرتے دکھاتے ہیں۔

جبل شاہ حوصلہ کر کے اپنے بنچ سے اُٹھتا ہے اور آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا سمندر خان کی جانب بڑھتا ہے۔ سمندر خان غصّے میں جھاگ اڑاتا اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے :)

سمندر : خبردار۔ گورے رانشے۔ ماتہ رانزدے نہ شے۔ بس بس چہ سہ کیدہ ہغہ وشو۔ ستا اوزما یاری ختمہ۔ پام کوہ ماتہ رانزدے نہ شے۔

{خبردار .... خبردار .... جو میرے قریب آیا۔ میرے پاس آیا۔ بس بس بس۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ میری تمہاری دوستی ختم۔ خبردار۔ میرے قریب آنے کی کوشش نہ کرنا۔}

(جبل شاہ آدھے راستے ہی سے واپس اپنی بنچ کو پلٹ جاتا ہے اور وہاں جا کر سر جُھکا کر بیٹھ جاتا ہے۔ سمندر خان کا ایک اور کٹ جس میں وہ شدت سے اور قدرے اُونچی آواز میں خود کلامی کر رہا ہے۔

سپاٹ پر اس وقت ماموں، سلمان اور امّی بیٹھے ہیں۔ امّی نٹنگ کر رہی ہیں۔ ماموں اخبار دیکھ رہے ہیں اور سلمان بور ہو رہا ہے۔ اتنے میں زاہدہ دُور سے ایک چھوٹا سا جنگلی پھول چٹکی میں لے کر آ رہی ہے۔ وہ قریب پہنچ کر کہتی ہے :)

زاہدہ : دیکھو سلمان کس قدر خوبصورت پھول ہے لیکن خوشبو نام کو نہیں۔

سلمان : یہاں کے لوگوں میں خوشبو نہیں پھولوں میں خوشبو کدھر سے آئے گی۔

ماموں : نہیں جوان نہیں، تم تو بالکل پیسی مسٹ ہو گئے ہو۔

سلمان : بڑوں کے رویّے نے ایسا بنا دیا ہے۔

زاہدہ : (بیٹھ کر) اوں ہوں۔ بڑوں کو کچھ نہیں کہتا بھائی۔ ناراض ہو جائیں گے۔

امّی : ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے ناراض ہونے کی خواہ مخواہ۔

سلمان : ماموں — آپ ان سے کہیں گے کیا جا کر — باجی کے ساس سسر سے۔

امّی : کہنا کیا ہے۔ ملنے آئے ہیں۔

زاہدہ : بغیر کسی وجہ کے!

ماموں : تو ملنا ملانا کسی وجہ سے ہوتا ہے بیٹا!

زاہدہ : آخر کسی بہانے سے آپ سبجیکٹ تو بریک کریں گے۔

امّی : جو بھی بہانہ مناسب ہو گا کر لیں گے۔ تم کیوں فکر میں گھلی جا رہی ہو۔

سلمان : یہ اس لیے گھلی جا رہی ہے امّی کہ یہ بھی ایک ہیومن بینگ ہے۔ ایک مکمل انسان ہے۔ ایک اینٹائٹی ہے۔

امّی : تو وہ لوگ بھی ہیومن بینگ ہیں۔

سلمان : مائی فٹ

زاہدہ : وہ صرف Homo sapiens ہیں، ہیومن بینگز نہیں ہیں۔

ماموں : ایسے نہیں کہا کرتے بیٹا۔

سلمان : جب ڈفرنٹ کلچرل بیک گراؤنڈ کے لوگوں کے درمیان کمیونی کیشن نہ ہو ماموں جان تو وہ ایک دوسرے کے لیے ہیومن بینگز نہیں ہوتے۔ باجی کے سسرال والوں کا وہ ایجوکیشنل لیول نہیں ہے جو ہمارا ہے۔

ان میں وہ پالش اور ریفائن منٹ نہیں ہے جو ہم میں ہے۔ پھر ان
کے اور ہمارے درمیان کس طرح سے ..... ایک کنکشن ہو سکتا ہے۔
کیسے ایک پیسیج بن سکتا ہے۔

امّی : نہ ہو کنکشن۔ نہ ہو پیسیج۔ ہمیں تو ان کا برتاؤ دیکھنا ہے۔ شرافت دیکھنی ہے —— اور شرافت میں وہ ہم لوگوں سے لاکھ درجہ اچھے ہیں۔

سلمان : (تڑپ کر ران پر ہاتھ مارتے ہوئے) مائی۔ مائی مائی ——————

What a concept! What a way of life!-- prehistoric, primitive and antiquated. .

امّی : تم اپنی بکواس بند کرو گے یا نہیں۔

زاہدہ : نو امّی۔ پلیز۔ یہ کوئی طریقہ نہیں جواب دینے کا!

امّی : مجھے تو یہی طریقہ آتا ہے۔ منظور ہے تو سُن لو۔ نہیں تو دفع ہو جاؤ۔

سلمان : مجھے منظور ہے۔

زاہدہ : کیا؟

سلمان : دفع ہونا۔ گڈ بائی کرنا۔

ماموں : کیسی باتیں کرتے ہو یار۔

سلمان : We can always part like good friends, mamoon

ماموں : بس یار بس۔ ایسی باتیں نہیں کیا کرتے۔ بس!

(ماحول میں بہت ہی تلخ قسم کی خاموشی پھیل جاتی ہے۔ سب لوگ ایک دوسرے کی طرف نظریں کیے بغیر خاموش بیٹھے ہیں اور بڑی دیر تک اسی طرح بیٹھے رہتے ہیں۔ اتنے میں سامنے پلیٹ فارم پر ایک گاڑی آ کر رُکتی ہے۔ زاہدہ چور نگاہوں

سے سلمان کی طرف دیکھتی ہے وہ پُرسکون انداز میں بالکل کمپوزڈ خاموش بیٹھا ہے اور ناظرین اس سے بالکل مطمئن ہیں۔ جب گاڑی چلنے کے لیے روانہ ہوتی ہے تو بھاگ کر اس کی طرف لپکتا ہے اور سامنے کے کمپارٹمنٹ میں داخل ہو جاتا ہے۔)

ماموں : (آواز دے کر) سلمان۔ سلمان۔ سلمان۔ کہاں جا رہے ہو؟

زاہدہ : شاید واپس جا رہے ہیں۔

امی : دفع کیجیے۔ جانے دیجیے۔

زاہدہ : پلیز! مائنڈ یور لینگویج ممی۔

(ماموں جو بے اختیاری میں اُٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے آہستہ آہستہ پھر دری پہ بیٹھ جاتے ہیں اور پہلے سے زیادہ دُکھی ہو جاتے ہیں۔ پہلے چہرہ آسمان کی طرف اُٹھاتے ہیں پھر بالکل ہی سر جُھکا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ زاہدہ چیونگ گم سے اس کا ریپر اُتار کر مُنہ میں ڈالتی ہے اور چبانے لگتی ہے۔ امی کی سلائیاں تیزی سے چلنے لگتی ہیں۔ کچھ دیر کیمرہ ان کو تسلی کے ساتھ دکھاتا ہے۔

اتنے میں دُور گاؤں سے مغرب کی دھیمی سی اذان سنائی دینے لگتی ہے۔ ہم بنچ پر بیٹھے ہوئے جبل شاہ پر جاتے ہیں وہ کان کو ہاتھ لگا کر اذان کی آواز سنتا ہے اور اپنی گٹھڑی اُٹھا کر نلکے کی طرف جاتا ہے، جلدی جلدی وضو کرتا ہے اور پھر جس جگہ ہم نے قبلہ لکھا ہوا دکھایا تھا وہاں پہنچ کر اپنے کندھے کی اجرک لمبے رُخ بچھاتا ہے۔ اپنی کھلی ہوئی آستینوں کے بٹن بند کرتا ہے۔ سر پہ بندھی ہوئی اجرک درست کرتا ہے تو اچانک اس کی نظر سمندر خان پر پڑتی ہے جو اسی نلکے پر وضو کر رہا ہے۔ وہ پگڑی درست کر کے گلے کا بٹن بند کرتا ہے اور سمندر خان کی طرف دیکھنے لگتا ہے۔ سمندر خاں آہستہ آہستہ لنگ مارتا

اس کی طرف آرہا ہے۔ جبل شاہ نیچے جھک کر اپنی بچھی ہوئی اجرک کو چوڑے رُخ بچھاتا ہے۔ سمندر خان پاس پہنچ کر اشارہ کرتا ہے کہ تم نماز پڑھاؤ۔ دونوں چند لمحے ایک دوسرے کو اصرار کرتے ہیں۔ پھر جبل شاہ نماز پڑھاتا ہے۔ دونوں شکرگزاری اور محبت سے نماز پڑھتے ہیں۔)



خسارے کی رات اور طفل خود معاملہ

کردار :

آغا فیروز	:	ایک نرم دل ماڈرن امیر باپ
شمیم	:	بیٹی سے خوفزدہ ماں ۔ آغا کی بیوی
عاجلہ	:	نافرمان خودسر لڑکی
شاہدہ	:	عاجلہ کی ہم رنگ سہیلی
ماورا،	:	نافرمان لڑکی
ٹنکی	:	ایک اور اسی وضع قطع کی دوست
رحمو	:	گھر کی پرانی ملازمہ
عدنان	:	عاجلہ کا طلاق یافتہ شوہر
سکندر	:	ماڈرن لڑکا
نورین	:	عاجلہ کی دوست
مولوی صاحب	:	پکّی عمر کے پاک صورت آدمی

سین ۱
آؤٹ ڈور
رات کا وقت

(آغا فیروز جی او آر کی سڑکوں پر کار چلاتے ہوئے ایک کوٹھی کے اندر لے جاتے ہیں۔ کار پورچ میں کھڑی کر کے گھنٹی بجاتے ہیں۔ ڈریسنگ گاؤن پہنے ایک درمیانی عمر کی عورت باہر آتی ہے۔)

آغا : جی وہ عاجلہ تو نہیں آئی یہاں نورین کے پاس ؟
عورت : آئی تھی آغا جی لیکن دس بجے چلی گئی تھی سکندر کے ساتھ ۔
آغا : آئی ایم ویری سوری۔ میں نے اتنی رات گئے آپ کو تکلیف دی ویری سوری۔
عورت : کوئی بات نہیں — شب بخیر ۔
آغا : شب بخیر ۔
(آغا کار میں گیٹ سے باہر نکلتا ہے ۔)

کٹ ——

سین ۲
آؤٹ ڈور
رات کا وقت

(چھاؤنی میں کار پر آغا جا رہا ہے کچھ دیر یہ علاقہ دکھاتے ہیں تاکہ شناخت

ہو جائے۔ پھر ایک کوٹھی میں کار داخل ہوتی ہے۔ آغا کار سے اُتر کر بیل بجاتا ہے۔ کوئی باہر نہیں آتا۔ پھر دروازہ بجاتا ہے۔ پھر واپس آ کر ہارن بجاتا ہے۔ کوئی باہر نہیں آتا۔ اتنے میں سائیڈ لین سے چوکیدار آتا ہے۔)

آغا : یار گل محمد وہ عاجلہ بی بی تو نہیں آئیں؟

گل : ادھر تو کوئی ہے نہیں آغا جی۔ تمام کا تمام مری گیا ہے بال بچہ سب صرف صاحب ہے۔

آغا : اچھا اچھا۔

گل : جگاؤں سر صاحب کو

آغا : نہیں نہیں۔ شکریہ۔

(جلدی سے کار میں بیٹھتا ہے اور جاتا ہے۔ چوکیدار اس کے جانے کے بعد گیٹ بند کرتا ہے۔)

کٹ ______

سین ۳
آؤٹ ڈور
رات کا وقت

(گلبرک کا علاقہ۔ باپ ایک ریسٹوران کے سامنے کار کھڑی کرتا ہے۔ اندر جاتا ہے۔ ہر طرف نظر دوڑاتا ہے۔ لوگ بیٹھے کھا پی رہے ہیں تیز موسیقی لگی ہے۔ وہاں عاجلہ نہیں ہے۔ مایوس ہو کر واپس آتا ہے۔

کار میں بیٹھتا ہے ۔)

_______ کٹ

سین ۴
اِن ڈور
رات کا وقت

(ماں نیچے قالین پر بیٹھی ہے۔ ہاتھ میں فون ہے ۔ آہستہ آہستہ فون کو چونگے پر رکھتی ہے اور ایک لمبی سرد آہ بھرتی ہے ۔ اس وقت آغا فیروز داخل ہوتا ہے۔ نفی میں سر ہلاتا ہے ۔)

شمیم : شکر الحمد للہ

آغا : یعنی !

شمیم : وہ سب ٹنکی کے گھر نائیٹ سپنڈ کر رہی ہیں ابھی فون آیا تھا شاہدہ کا۔

آغا : وہ سب کون ؟

شمیم : اس کا سارا گروپ ٹنکی ، شاہدہ ، نورین ، بینا اور . . . .

آغا : اور ـــــ اور کون کون ۔

شمیم : شکر کیجئے آغا جی ۔ پتہ چل گیا کہ وہ ہے کہاں۔ کم از کم اب ہم آرام سے سو تو سکیں گے ـــــ شکر ہے خدا کا۔

آغا : سونے کا اب وقت ہی کون سا ہے ۔ میری شیو کا پانی رکھدو ۔

شمیم : آرام کرلیں تھوڑی دیر ۔

آغا : اب کیا آرام کروں گا شمیم ۔ دو نفل پڑھوں گا ۔

شمیم : میں نے تو خود سو نفلوں کی منت مانی ہے آغا جی ۔

آغا : عاجلہ کے لیے دو نفل بہت ہیں شمیم ۔ کافی ہیں۔ روز روز پڑھتے پڑھیں تو دو نفل کافی ہوتے ہیں ۔

شمیم : آغا جی لیٹ جائیں ۔

آغا : پتہ نہیں غلطی کہاں ہوئی ؟ کس سے ہوئی ؟ لیکن ہوئی ضرور ۔ یہ طے ہے ۔
(جاتا ہے ۔ شمیم جائے نماز بچھاتی ہے ۔)

کٹ

سین ۵
اِن ڈور
دن

(ٹنکی ، شاہدہ اور ماورا پورچ میں داخل ہوتی ہیں ۔ ٹنکی نے لمبا کرتا شلوار پہن رکھی ہے ۔ دوپٹہ نہیں ہے ۔ شاہدہ نے جینز اور کرتا پہنا ہوا ہے ۔
ماورا نائیٹی جیسے لباس میں ملبوس ہے ۔)

شاہدہ : تم مان لو عاجلہ ہے بڑی ڈیرنگ ۔

ٹنکی : ڈیرنگ نہیں ہے رِسک لیتی ہے ہمیشہ ۔

ماورا : نہیں نہیں تم دونوں اسے نہیں جانتی ہو ۔ عاجلہ آہستہ آہستہ آدمی کو کنڈیشن کر دیتی ہے ۔ تھوڑا تھوڑا مس بیہیو کرتی ہے پہلے پھر ڈوز بڑھاتی جاتی ہے ۔

ٹنکی : عدنان تو اس کی عادتوں کا کنڈیشنڈ نہ ہو سکا۔ چھ مہینے بعد ہی علیحدگی ہو گئی۔
ماورار : عدنان بالکل سپوئیلٹ آدمی ہے۔
شاہدہ : ہائے بڑا سویٹی ہے عدنان۔ طلاق کی وجہ وہ نہیں ہے۔
ماورار : تمہارا مطلب ہے عاجلہ بُری ہے اسی کی وجہ سے ہوئی طلاق۔
ٹنکی : نہیں بابا ان دونوں کی وجہ سے نہیں۔ تم لوگ اندر چلو۔ یہ وقت نہیں ہے اس ڈسکشن کا۔
(اندر گھر میں داخل ہوتی ہے۔)

کٹ ______

سین ۶
اِن ڈور
دن

(اس وقت شمیم پلنگ پر لیٹی ہے۔ رحمو اس کی کمر دبا رہی ہے۔)
شمیم : بس رحمو تو دُعا کیا کر۔
رحمو : دن رات دُعا بی بی جی۔ ہر نماز کے بعد دُعا بیگم صاحب۔
شمیم : ہم کوئی بیٹھے رہیں گے سدا۔
رحمو : نہ جی بیٹھ تو کسی نے نہیں رہنا یہاں۔
شمیم : پھر بعد میں لڑکی ذات کو کون سنبھالے گا۔ آغا جی کو تو بوڑھا کر دیا عاجلہ نے۔

(اب لڑکیاں اندر آتی ہیں۔ سب شمیم کی زبردستی لاڈلیاں بنی ہوئی ہیں۔)

ٹنکی : ہم آجائیں آنٹی۔

شمیم : آؤ آؤ آؤ۔

شاہدہ : رحمو پلیز ٹھنڈا پلائیں خوب ساری برف ڈال کر۔

رحمو : ابھی شاہدہ بی بی ابھی جی بسم اللہ۔ عاجلہ بی بی نہیں آئی تمہارے ساتھ۔

(چلی جاتی ہے۔)

ٹنکی : بس آنٹی ہم آپ کو انفارم کرنے آئی ہیں۔

شاہدہ : انفارم نہیں اجازت لینے آئی ہیں۔

ماورار : بات یہ ہے آنٹی۔ ہم سب کا پروگرام بن گیا ہے۔ اچانک چھانگے مانگے کا۔

شمیم : اس گرمی میں۔

ٹنکی : بس جی ہم بیٹھے بیٹھے کل سے بور ہو رہے تھے۔ اچانک پروگرام بن گیا۔ کل صبح آجائیں گے۔

شمیم : کل صبح۔

شاہدہ : میرے ڈیڈی نے ریسٹ ہاؤس بُک کرا دیا ہے۔

شمیم : لیکن آج شام تو اس کی برتھ ڈے پارٹی ہے ــــ ٹنکی ساری فیمیل آ رہی ہے۔

ماورار : تو ہم رات نہیں رہیں گے آنٹی۔ چار بجے پہنچ جائیں گے۔

شاہدہ : دس تو اب بج رہے ہیں۔

شمیم : لیکن ماورار۔ آغا جی بہت ناراض ہوں گے۔

ٹنکی : آپ آغا جی کو منا لیں گی ہمیں پتہ ہے۔ چلو بھئی اجازت مل گئی۔ اٹھو دیر ہو رہی ہے۔ پھر واپس بھی آنا ہے پارٹی کے لیے۔

سب : تھینک یُو آنٹی تھینک یُو۔ (رحمو آتی ہے۔ شاہدہ جلدی جلدی گلاس

اُٹھا کر پیتی ہے۔ کیمرہ شمیم پر آتا ہے۔)

شمیم : لیکن عاجلہ کیوں نہیں آئی تمہارے ساتھ۔

(لڑکیاں اپنی دُھن میں ہنس رہی ہیں۔ ٹرالی پر سے کوکا اُٹھا کر پی رہی ہیں۔ کیمرہ ان پر مرکوز رہتا ہے۔)

کٹ ــــــــــ

سین ۷
اِن ڈور
شام

(ڈرائینگ روم میں ہر جگہ پیالیاں، کوک، پلیٹیں پڑی ہیں۔ کمرے کی بے ترتیبی سے ظاہر ہے کہ پارٹی ہو چکی ہے۔ آخر میں کیمرہ کیک پر آتا ہے۔ یہ کیک کسی نے نہیں کاٹا۔ اور ویسے ہی موم بتیوں سمیت پڑا ہے۔ اس کے بعد دکھاتے ہیں کہ شمیم صوفے میں دھنسی بیٹھی ہے۔ اور آغا کھڑکی کے پاس کھڑا ہے۔)

شمیم : دراصل اسے بڑا غم ہے طلاق کا۔

آغا : غم ہے۔ یہ غم کے آثار ہیں۔ غم میں اتنی vitality نہیں ہوتی شمیم کہ آدمی اس طرح مارا مارا پھرے۔

شمیم : نئی پود ایسے ہی غم غلط کرتی ہے آغا جی۔ کبھی چائینز کھانا کھا کر کبھی ڈرائیو پر جا کر کبھی جلوس نکال کر۔

آغا : تم مت بولو شمیم۔ تمہارے ٹوٹکے سب فیل ہو چکے ہیں۔ تمہاری سائیکوجی کم از کم عاجلہ پر نہیں چلتی۔ تمہاری مدر ہُڈ ایک colossal فیلئر ہے۔

شمیم : چلئے میں ہی گنہگار سہی لیکن اتنا میں ضرور کہوں گی۔ کہ محبت سے آرام سے سمجھ جائے گی پیار سے۔ وہ غمزدہ ہے چھ مہینے بھی شادی نہ ہوئی۔

آغا : شادی؟ تمہارا کیا خیال ہے وہ شادی سے پہلے مختلف تھی؟

شمیم : تب تو بچپنا تھا آغا جی۔

آغا : اسے کسی شادی کسی منگنی کی پروا نہیں۔ وہ کسی شخص سے محبت نہیں کرتی وہ صرف اپنی ذات کے لیے زندہ ہے۔ ذات کے لیے بھی نہیں صرف اپنے نفس کو خوش رکھنے کے لیے زندہ ہے۔ وہ جب تک خوش رہ سکے گی، زندہ رہے گی۔

شمیم : جی فرمایئے تو میں کیا کروں؟ میرے لیے کیا حکم ہے۔

آغا : تمہیں اس کی سہیلیوں کو بتانا چاہیئے تھا کہ اس کی برتھ ڈے پارٹی ہے۔ وہ کیسے جاسکتی ہے۔ تمہیں اجازت نہیں دینی چاہیئے تھی۔

شمیم : میں نے اجازت کب دی۔ وہ تو خود بخود اجازت لے گئی ہیں۔ کیسے سمجھاؤں آپ کو۔

آغا : یا تم ذمہ دار ہو یا میں شمیم۔ لیکن بھول ہوئی ضرور ہے۔

شمیم : اچھا آغا جی جیسے آپ کی مرضی۔ اب جو ہو گیا سو ہو گیا۔

(آغا کمرے سے جاتا ہے پھر واپس آتا ہے اب جیسے وہ مکمل طور پر دکھ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس کے ہاتھ میں جیولری کا ڈبہ ہے۔)

آغا : ازل سے مرد ڈرتا رہا ہے۔ وہ خود بادلوں سے بارشوں سے طوفانوں سے

اس قدر خوفزدہ نہ تھا لیکن جب اس کے بچے بجلی سے ڈرتے تھے تو وہ انہیں اُٹھا کر غار میں لے جاتا تھا۔ میں جانتا ہوں۔ گھر ۔۔۔ گھر کو بند رکھنے والے دروازے، گھروں کے سامنے بڑے پھاٹک سب اس لیے بنے ہیں کہ بچے محفوظ رہیں۔ عافیت میں رہیں۔ تمہیں کیا پتہ بیٹی کتنی قیمتی چیز ہوتی ہے لیکن جو خود ہی محفوظ نہ رہنا چاہے اس کے لیے کیا کریں۔ کیا کریں اس کے لیے۔ (رُک کر) (وقفہ) یہ پرل سٹرنگ آج اس کے برتھ ڈے کے لیے لایا تھا۔ شاید اُسے پسند آئے۔

کٹ: ________

سین ۸
آؤٹ ڈور
شام

(لاہور شہر سے باہر جی ٹی روڈ پر۔ پہلے لمبا وقفہ۔ کار میں کیمرہ سڑک کی ویرانی کو اسٹیبلش کرتا ہے پھر ایک جگہ سڑک کنارے کیکر کے درخت کے سائے میں دو لڑکیاں کیمرہ کی طرف پشت کیے بیٹھی ہیں۔ ان کے ساتھ ایک نوجوان جینز پہنے کھڑا ہے۔ جس کار میں کیمرہ ہے وہ اس کار کو اپنے انگوٹھے کے اشارے سے روکنے کی کوشش کرتا ہے لیکن کار آگے نکل جاتی ہے۔ پھر کٹ کر کے دکھاتے ہیں کہ وہی لڑکا پھر کار روکنے کی کوشش کرتا ہے لیکن کار انہیں لفٹ دیئے بغیر آگے چلی جاتی ہے۔ لڑکیاں کیمرہ

کو فیس نہیں کرتیں صرف ان کی کمریں نظر آتی ہیں۔)

کٹ ———————

سین ۹
اِن ڈور
شام

(چائے کا سامان ویسے ہی پڑا ہے۔ماں اس طرح بیٹھی ہے اس کے ہاتھ میں پرل سٹرنگ ہے۔ اب رحمو بھاگی ہوئی اندر آتی ہے۔)

رحمو : عاجلہ بی بی آگئیں بیگم صاحب۔

شمیم : کہاں ہے؟

رحمو : برآمدے میں کھڑی باتیں کر رہی ہے۔ شکر اللہ سائیں۔ شکر پاک نبی پیارا۔ عاجلہ بی بی آگئی۔

(جلدی سے باہر جاتی ہے۔ اب خانساماں آتا ہے۔)

خانساماں : عاجلہ بی بی آگئیں بیگم صاحب۔

بیگم : اکیلی ہے؟

خانساماں : نہیں جی سکندر صاحب ہیں اور دو لڑکیاں ساتھ ہیں۔ خدا حافظ کہہ رہے ہیں ایک دوسرے کو۔ ان کو بلاؤں بیگم صاحب؟

بیگم : نہیں آپی آجائے گی۔

(خانساماں برتن اٹھا کر جاتا ہے۔ اس وقت عاجلہ جیسے پاؤں کی ٹھوکر

سے دروازہ کھول کر آتی ہے چہرہ غصے میں ہے۔)

بیگم : کہاں سے آئی ہو عاجلہ؟

عاجلہ : پوچھیں پوچھیں کہاں سے آرہی ہوں۔کبھی یہ نہ پوچھنا کہ کتنی مشکل سے گھر پہنچی ہوں نورین کی ماں کبھی نہیں پوچھتی۔ ہمیشہ نفل پڑتی ہے صدقہ دیتی ہے۔ لیکن آپ —— آپ ہمیشہ انکوائری کریں گی۔

بیگم : ماں باپ کو فکر ہوتا ہے عاجلہ۔ ہم بھی نفلیں پڑھتے ہیں۔ صدقے دیتے ہیں۔

عاجلہ : او رہنے دیں ممّی جھوٹ مت بولیں۔آپ کو مجھ سے کوئی پیار نہیں۔آپ نے صرف اپنا اگریشن نکالنے کے لیے مجھے رکھ چھوڑا ہے۔

بیگم : عاجلہ، یہ ولایت نہیں ہے۔ ہمارے دستور اور طرح ہیں۔

عاجلہ : او جی نہیں ہے ولایت تو آپ جیسے بڈھے ہمیں فورس کریں گے کہ ہم اسے یورپ بنادیں فار یور انفربیشن ممّی ہم لوگ اوباش نہیں ہیں۔ ہماری جنریشن ذہنی بدی میں مُبتلا نہیں ہے۔آپ لوگوں کی طرح۔

بیگم : اوباش نہیں ہو لیکن نافرمان ضرور ہو —— اور نافرمان پکا ابلیس ہوتا ہے عاجلہ۔

عاجلہ : ہینگ اِٹ آل —— پہلے آپ مجھے ناراض کرلیتی ہیں اور پھر مناتی پھرتی ہیں۔ مجھے آپ کے لیکچر نہیں چاہئیں۔

بیگم : کچھ حدود ہیں عاجلہ اللہ رسول کی بنائی ہوئی انہیں پار کرجانے سے اپنا نقصان ہوتا ہے بیٹی۔

عاجلہ : (صوفے پر اوندھی گر کر زور زور سے روتی ہے) میں ہی بُری ہوں۔اللہ کرے عاجلہ مرجائے۔ مرجائے ختم ہوجائے۔ممّی ڈیڈی خوش رہیں۔ صرف عاجلہ مرجائے ——

(اب بھیں بھیں کر کے عاجلہ روتی ہے جو غصہ بیگم کو چڑھا تھا اُتر جاتا ہے۔
پاس آ کر قالین پر بیٹھتی ہے۔)

بیگم : عاجلہ۔ عاجلہ بیٹی۔

عاجلہ : پرے ہو جائیں۔ آئی ڈونٹ وانٹ ٹو ٹاک ٹو یُو۔ میری کوئی ماں نہیں ہے۔ ہٹ جائیں مجھے ہاتھ نہ لگائیں پلیز۔

(ماں اٹھتی ہے۔ پرل سٹرنگ اُٹھا کر لاتی ہے۔)

بیگم : یہ — یہ دیکھ عاجلہ۔ تیرے ابّو لائے تھے تیرے لیے۔ پرل سٹرنگ۔ دیکھ تو سہی۔

(عاجلہ پہلے ایک آنکھ سے دیکھتی ہے پھر ماں کے ہاتھ سے سٹرنگ لیتی ہے۔ پھر منہ بسورتی فون تک جاتی ہے۔ فون نمبر ملاتی ہے۔ اب باپ اور عاجلہ دونوں سکرین پر آتے ہیں۔)

عاجلہ : تھینک یو ڈیڈی — سٹرنگ مل گئی — بڑی خوبصورت ہے۔

آغا : یہ تمہاری آواز کو کیا ہوا عاجلہ۔

عاجلہ : یہ آپ کی پیاری بیگم صاحب جو جھڑکتی رہتی ہیں ہر وقت۔

آغا : نہیں نہیں ہماری عاجلہ تو بڑی اچھی ہے بڑی سویٹ ہے۔

عاجلہ : چھوڑیں ڈیڈی۔

آغا : اوہو۔ یہ کیسی باتیں کر رہی ہو تم — ہیپی برتھ ڈے عاجلہ ہیپی برتھ ڈے ٹو یُو۔

عاجلہ : اللہ کرے یہ میری لاسٹ برتھ ڈے ہو۔

آغا : کیسی باتیں کر رہی ہو بیٹا۔

عاجلہ : یہ ممی مجھے ہمیشہ گلٹ میں مبتلا کرتی ہیں۔ ہمیشہ مجھے لگتا ہے جیسے میں

ہی غلط ہوں۔ بدراہ ہوں۔ڈرٹی ہوں۔

آغا : ذرا امی کو فون دو۔

(بیگم فون پکڑتی ہے عاجلہ گلے میں پرل سٹرنگ ڈال کر کھانے کی میز پر جاتی ہے۔اور اپنے لیے کھانے کی چیزیں پلیٹ میں ڈالنے لگتی ہے۔)

کٹ ________

سین ۱۰

ان ڈور

دن

(سکندر، نورین، عدنان، عاجلہ، ٹنکی ایک خوبصورت آراستہ و پیراستہ ڈرائینگ روم میں بیٹھے کوک پی رہے ہیں۔اور اس کے ساتھ پوپ کورنز کھا رہے ہیں۔جب سین کھلتا ہے تو یہ بحث جاری ہے۔ ذرا سا شور۔ جس کو عاجلہ ختم کراتی ہے۔)

عاجلہ : سنو بھئی سنو۔پلیز

عدنان : میری ایکس وائف کی بات غور سے سنو یار۔کیا؟

عاجلہ : دیکھو ایک بات کے لیے تو ہمیں اپنے والدین کا شکر گزار ہونا پڑے گا۔

سب : نو — نو — ناٹ ایٹ آل۔

عاجلہ : اوہو۔میری بات تو سنو — میں تم سب کے ساتھ ہوں میرا بھی یہی خیال ہے جو تمہارا ہے لیکن ایک بات ان کی قابل تعریف ہے ہمارے

پیرنٹس کی۔

ٹنکی : وہ کونسی عاجلہ۔

عاجلہ : وہ یہ ٹنکی کہ انہوں نے ہم کو کم ازکم ایسے سکولوں میں تو پڑھایا جو موسٹ ماڈرن ترقی یافتہ ہائی لی کلچرڈ اینڈ سولائزڈ انسٹیٹیوشنز تھے۔

سکندر : True

عاجلہ : اگر وہ ہم کو کسی تپڑ سکول میں داخل کرا دیتے یا کسی مدرستہ البچادر وغیرہ کی سٹوڈنٹ بنا دیتے تو کیا بگاڑ لیتے ہم ان کا۔

نورین : اس وقت بے چاری ہزاروں لاکھوں نوجوان اور صحت مند لڑکیاں ایسے ہی پُرانے اور انٹیکیوئیٹڈ سکولوں میں پڑھ رہی ہیں۔

عدنان : اور ان کے والدین خوش ہیں کہ ہم تعلیمِ نسواں کرا رہے ہیں۔

سکندر : ان کے والدین کو خود پتہ نہیں بیچاروں کو کہ تعلیم اور اس کا کونسپٹ کیا ہے اور ترقی کے کیا معنیٰ ہیں۔

نورین : وہ جو میرا فادر ہے نا سویٹ مڈل ایجڈ مین وہ سمجھتا ہے کہ ترقی یافتہ سوسائٹی وہ ہوتی ہے جس میں خوفِ خدا سب سے زیادہ ہو۔

ٹنکی : وَٹ!

نورین : حالانکہ وہ خود بیروت یونیورسٹی کا پڑھا ہوا ہے مائی فادر۔لیکن جاہل لوگوں میں اُٹھنے بیٹھنے سے بالکل ڈل ہو گیا ہے۔کہتا ہے سوشل جسٹس ترقی یافتہ معاشرے کی واحد نشانی ہے۔

سکندر : تم تو اس کی صحبت میں اُٹھنے بیٹھنے نہیں لگی ہو۔

نورین : کبھی کبھی آفٹر آل ہی از مائی فادر۔

ٹنکی : یہ بیچاری مجبور ہے سکندر۔ ڈونٹ پریس ہر ہارڈ۔

عاجلہ : ایک بات یاد رکھو بچو کہ ہم لوگوں کے والدین صرف اُس بچّے سے محبت کریں گے جو ذرا ذرا رُوڈ ہو، بدتمیز ہو، فرمائشیں کرسکتا ہو، روٹھ سکتا ہو۔ جو دوسرے ہوتے ہیں ناجوگی بچّے، سائیں لوگ، بھولے سے، تابعدار، جی اباجی کہنے والے وہ retarded چلڈرن ہوتے ہیں۔

نورین : ان میں ڈرائیو ہی نہیں ہوتی! backless, spineless bachass

عدنان : میں تو کافی گستاخ بچہ تھا نورین لیکن پھر بھی میری اور عاجلہ کی طلاق ہوگئی۔

عاجلہ : تم گدھے بچے تھے مائی ایکس ہزبنڈ۔ rudeness صرف والدین کے لیے ہونی چاہیئے ـــــ اپنی شریک حیات کے ساتھ گستاخی کروگے تو یہی سزا پاؤ گے۔ ہم ڈپٹی نذیر احمد کے کریکٹر نہیں ہیں، اصغری اور اکبری بیگم۔ ہم ہیومن بینگز ہیں۔ جیتے جاگتے انسانی کردار اپنی ساری خوبیوں اور خرابیوں کے ساتھ ـــــــــــــــــــــ

We don't want to have anything.We want to be....

to be understood..... to be.....

سب : (مل کر گانے لگتے ہیں۔) ـــــــــــــــــــــ

We want to be..... We want to exist as we are.....

We want to be.....

ـــــــــ کٹ

سین ۱۱
ان ڈور
شام

(نوجوانوں کا بیڈروم۔ یہ دھوئیں سے اٹا ہوا کمرہ ہے جس میں عاجلہ، عدنان، سکندر، ٹنکی، شاہدہ اور ایک دو اور لڑکے اور لڑکیوں کے ہیولے نظر آتے ہیں۔ پس منظر میں عجیب سا کمپیوٹر ٹائپ میوزک لگا ہوا ہے۔ جو میوزک کم اور مشینوں، ٹائپ رائٹروں، ہوائی جہازوں اور ریل گاڑیوں کے ساؤنڈ ایفیکٹس کا مکسچر سا ہے۔ یہ میوزک بھدا اور رولا ڈالنے والا نہ ہو۔

۱۔ عدنان نیل کٹر سے اپنے ناخن کاٹے جا رہا ہے۔ ہاتھوں کے پاؤں کے۔

۲۔ ایک لڑکی دو مخاطبین کو اپنی تازہ نظم سنا رہی ہے۔ نظم کے الفاظ اور مضمون واضح نہیں لیکن داد دینے اور داد لینے سے پتہ چل رہا ہے کہ نظم سنائی جا رہی ہے۔

۳۔ عاجلہ بڑی محبت کے ساتھ ایک ٹشو پیپر سے اپنا پستول صاف کر رہی ہے۔

۴۔ ایک لڑکا ایک لڑکی ساتھ ساتھ بیٹھے کنول آسن بنائے یوگا میں مصروف ہیں انہوں نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔

۵۔ سکندر رو رہا ہے۔ اس کے موٹے موٹے آنسو اس کے گالوں پر ڈھلک رہے ہیں اور کوئی اس کی طرف توجہ نہیں دیتا وہ دیوار کے ساتھ کمر لگائے ٹانگیں آگے پھیلائے خاموشی کے ساتھ روئے جا رہا ہے۔ اس سین کو بھرپور انداز میں پورے ماحول کے ساتھ دکھائیں۔ سارے کا سارا اور پھر کلوز اپس کے ساتھ پھر مختلف زاویوں سے۔)

کٹ ـــــــــــ ۔

سین ۱۲
آؤٹ ڈور
شام

(لبرٹی مارکیٹ میں کونز کی دکان کے سامنے کچھ موٹر سائیکلیں اور دو کاریں ہیں۔ ان کاروں کی بونٹ پر عاجلہ۔ ٹینکی۔ شاہدہ۔ ماورا۔ اور نورین چڑھ کر بیٹھی کونز چاٹ رہی ہیں۔ لڑکے تین ہیں۔ عدنان، سکندر اور جاوید۔ سکندر موٹر سائیکل پر ہے۔ جاوید لڑکیوں کے پاس ہے۔ اور عدنان کون کے بجائے بوتل پی رہا ہے۔ اب کچھ فاصلے سے سٹریٹ سنگروں کی ٹولی آتی ہے۔ اس میں ایک لڑکے کے گلے میں ڈھولکی لٹک رہی ہے۔ ایک نے ہارمونیم گلے سے لٹکا رکھا ہے۔ اور ایک لڑکا دف بجاتا آتا ہے۔ یہ کافی فاصلے سے گاتے ہوئے آتے ہیں:

کیسی توبہ ہے یہ۔ ایسی توبہ نہ کریا۔ ساویں دے کے لویں سوائے
ڈھڈیاں اُتے باری لائے۔ مسلمانی او کتھوں پائے جس دا ہووے ایہہ کردا
کیسی توبہ .....

ظالم ظلموں ناہیں ڈردے، اپنی کیتیوں آپے مردے۔ ناہیں خوف خدا
دا کردے ایتھے اوتھے ہون خوار۔ کیسی توبہ ہے ایہہ توبہ .....

یہ گانے والے صحیح گانے والے ہونے چاہئیں جو شہر میں ہوں۔ پہلے وہ فاصلے پر سے گاتے آتے ہیں پھر آخری بند ان لڑکے لڑکیوں کے پاس کھڑے ہو کر گاتے ہیں۔ لڑکے انہیں پیسے دیتے ہیں۔)

کٹ ——————

سین ۱۳
آؤٹ ڈور
شام

(یہ لڑکے لڑکیاں کار اور موٹر سائیکلوں پر کسی ہوٹل کے بیرونی حصے میں داخل ہوتے ہیں پچھلی موسیقی جاری رہتی ہے۔ پھر یہ ہنستے کھیلتے ہوٹل میں داخل ہوتے ہیں ہوٹل میں خوب بھیڑ کا وقت ہے۔)

کٹ ———

سین ۱۴
ان ڈور
رات

(بیڈ روم۔ آغا صاحب لیٹے ہوئے ہیں شمیم ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی زیور اُتار رہی ہے۔)

بیگم : آپ خود پوچھ لیں۔ میری تو ہمت نہیں پڑتی۔
آغا : یہ کام ماؤں کا ہے شمیم۔ میں اچھا لگتا ہوں شادی کی بات کرتا۔
بیگم : وہ آپ کو dirty jokes سنا سکتی ہے۔ آپ اسے اچھے بھلے ڈاکٹر کا رشتہ پیش نہیں کر سکتے۔
آغا : لیکن تمہارے کہنے میں کیا ہرج ہے۔

بیگم : میرے کہنے پر اس نے عدنان سے شادی کی کیا حشر کیا اس نے شادی کا۔
میرے کہنے پر اس نے منگنی کی منصور سے۔ کیا آرام سے توڑ دی اس نے
منگنی۔ اب آپ کی باری ہے۔

آغا : تم ماں ہو شمیم۔

بیگم : جی ضرور ہوں اگر وہ مانے —— تو!

آغا : تو کیا کرے گی وہ۔

بیگم : جو قسمت میں ہو گا کرتی رہے گی۔ سر میں کھے سواہ ڈالتی رہے گی اپنے۔

آغا : اتنا لمبا مستقبل بغیر شوہر کے کیسے کٹے گا۔

بیگم : (دُکھ سے) آغا جی! میرا کیا ہے۔ میں تو رونے کے لیے پیدا ہوئی تھی۔
اور لکھا ہو گا تو اور روؤں گی۔

آغا : تو چلو۔ کہیں نوکری کر لے۔ تعلیم یافتہ ہے وقت اچھا کٹے گا۔

بیگم : وہ کہتی ہے مجھے نوکری کا شوق نہیں ہے۔

آغا : تم اسے سمجھاؤ تو سہی۔

بیگم : آغا جی مجھے ڈر آتا ہے عاجلہ سے —— غلطی اُس کی ہوتی ہے لیکن رُوٹھ
ہمیشہ وہی جاتی ہے۔ پھر مجھے ہی سوری مانگنی پڑتی ہے۔ کوئی نہ کوئی ہرجانہ
بھرنا پڑتا ہے۔ آئندہ کے لیے کچھ اس کی شرطیں ماننی پڑتی ہیں ——
ہر بار ہر مرتبہ مجھے اپنے علاقے سے کچھ جگہ چھوڑنی پڑتی ہے۔ آپ سمجھتے کیوں نہیں۔

آغا : تم نرم رہو۔۔۔۔ اسے ڈسپلن کرو آہستہ آہستہ۔

بیگم : اگر میں اس کے لیے زندہ ہوتی تو میں اسے ڈسپلن کر سکتی۔۔۔۔ میں تو اس
کے لیے کبھی کی مر چکی۔ میں تو اس کی دشمن ہوں۔ اس لیے وہ میری ڈسپلن
کو دشمنی سمجھتی ہے۔

آغا : تو بائیکاٹ کر دو۔ یا وہ اس ڈاکٹر لڑکے سے شادی کرے یا بائیکاٹ۔ ہم اب اور کچھ نہیں سنیں گے۔

بیگم : کیسے بائیکاٹ کر دوں آغا جی۔ بیٹی ہے ـــــ جب روتی ہے تو..... تو مجھ سے کہاں برداشت ہوتا ہے؟ اسی بات کا تو فائدہ اٹھاتی ہے۔ جانتی ہے.... میں اس کے بغیر کچھ نہیں.... اچھی طرح سے میری کمزوری سمجھتی ہے۔

آغا : میں نے تو کبھی یہ بزدلی نہیں دکھائی۔ آخر میں بھی تو باپ ہوں۔

بیگم : اب میں کیا کہوں.... اس کے سامنے آپ بھی بھیگی بلی بنے رہتے ہیں۔ یہ تو آپ کا وہم ہے کہ آپ اپنی متوار ہے ہیں۔ ہوتا وہی ہے جو وہ چاہتی ہے۔

آغا : کبھی نہیں۔ ہرگز نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ تم ماں بیٹی کے رشتے میں مَیں نے کبھی دخل نہیں دیا۔ لیکن میں کمزور باپ ہرگز نہیں ہوں۔ ہرگز نہیں۔ میں نہیں ڈرتا کسی سے۔

کٹ

سین ۱۵
ان ڈور
شام

(آغا جی اپنے آفس میں خط لکھنے میں مشغول ہیں۔ کچھ لوگ جو نہایت

معتبر قسم کے ہیں ان کے سامنے بیٹھے ہیں۔)

مرد/۱ : بس جی آپ ذرا زوردار سفارش کر دیں۔ ویسے تو لڑکا میرٹ پر نوکری کا حقدار ہے ہی لیکن ذرا اچھا مضبوط سفارشی خط ہو تو آسانی ہو جاتی ہے۔

مرد/۲ : میں نے بھائی صاحب سے کہا تھا کہ آغا جی کسی کی سفارش نہیں کرتے لیکن میرے مراسم ہی ایسے ہیں کہ وہ مجھے انکار نہیں کر سکتے۔

آغا : ہاں جی اصولاً تو میں کسی کی سفارش نہیں کرتا لیکن پھر بھی کرنی ہی پڑتی ہے وقت بے وقت۔

مرد/۲ : یہ ضرور لکھ دیں کہ viva میں کچھ کسر رہ گئی تھی وہ جو چھوٹی مونچھوں والے صاحب تھے۔ کیا نام بتا رہا تھا اپنا اظہر۔

مرد/۱ : ہاشمی صاحب۔

مرد/۲ : بس کہیں ہاشمی صاحب نے کچھ گڑبڑ نہ کی ہو۔

(اس وقت دروازہ پٹاخ سے کھول کر عاجلہ اندر آتی ہے۔)

عاجلہ : ڈیڈی۔

آغا : آؤ آؤ عاجلہ — اِدھر کیسے؟

عاجلہ : ایک پرائیویٹ بات ہے ڈیڈی۔

آغا : کیا کوئی ایمرجنسی ہے۔

عاجلہ : بس جی آپ اسے لائف اینڈ ڈیتھ کا مسئلہ سمجھ سکتے ہیں۔

آغا : (کام پر نگاہیں جما کر) بس یہ چار سطریں رہ گئی ہیں۔ ابھی انہیں فارغ کرتا ہوں۔

عاجلہ : ابھی ڈیڈی اسی وقت۔ سطریں آپ بعد میں لکھ لیں پلیز۔

آغا : ملک صاحب آپ ذرا ویٹنگ رُوم میں چل کر بیٹھیں میں ابھی آپ کو

خط بھجواتا ہوں۔

مرد ۱ / مرد ۲ / مرد ۳ : ضرور ضرور .... آپ کی صاحبزادی ہیں۔

آغا : جی میری بیٹی ہے۔ اکلوتی۔

مرد ۲ : جی ہم انتظار کرتے ہیں آپ فکر نہ کریں۔

(چلے جاتے ہیں۔ ان کے جاتے ہی :)

عاجلہ : ڈیڈی پانچسو روپے نکالیں۔

آغا : پانچسو روپے ؟

عاجلہ : دیں گے کہ جاؤں ؟

آغا : تم اپنی ممّی سے لے لیتیں۔

عاجلہ : اس خاتون کو تو پتہ نہیں کیا ہوا ہے ہر معاملہ میں مجھے ڈِس ٹرسٹ کرتی ہیں۔ اُنہیں خیال ہے کہ پتہ نہیں میں کیا کروں گی پانچسو روپے کا۔

آغا : پھر بھی پتہ تو چلے کہ اتنی اشد ضرورت کیا ہے ؟

عاجلہ : میں نے کتنی بار آپ سے کہا ہے آپ دینا چاہیں تو دیدیں نہ دینا چاہیں تو نہ دیں۔ لیکن وجہ نہ پوچھیں۔ کیا آپ مجھے ایک معمولی پانچسو روپے کے لیے ٹرسٹ نہیں کرتے۔

آغا : کرتے ہیں کرتے ہیں کرتے ہیں میری جان ....

(دراز میں سے پانچسو نکال کر دیتا ہے۔)

ہم تو اپنی بیٹی کو پانچ ہزار کے ساتھ ٹرسٹ کرتے ہیں۔ پانچسو کی کیا بات ہے۔

(پیسے پکڑ کر عاجلہ ایسے ہی دھیان سی آغا کے گلے میں بازو ڈال کر اس کا

سر چومتی ہے۔)

عاجلہ : یُو آر سوئٹ ڈیڈی

آغا : یُو آر ویلکم عاجلہ۔

(عاجلہ تیزی سے چلی جاتی ہے۔ چند ثانیے فکر مند چہرہ لیے آغا کچھ سوچتا ہے۔ پھر فون کا نمبر ملاتا ہے۔)

آغا : شمیم۔ میں آغا۔ یہ عاجلہ ابھی آئی تھی اسے پانچسو رُوپے درکار تھے۔ اچھا۔ لیکن کیوں چاہیئے تھے اسے پیسے؟ اچھا ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔

کٹ ______

سین ۱۶
ان ڈور
رات

(ایک چھوٹا سا کمرہ۔ اس وقت چرس پی جا رہی ہے۔ ٹنکی، شاہدہ، نورین، ماورا، سکندر، عدنان، ندیم اور عاجلہ موجود ہیں۔ سارے میں دھواں بھرا ہے۔ عاجلہ اس وقت جینز کے اُوپر ململ کا کُرتا اور بازو پر لمبا کینوس کا بیگ لٹکائے ہوئے ہے۔ سب بیٹھے ہیں صرف وہی جانے کے لیے تیار کھڑی ہے۔)

عاجلہ : ٹنکی کی بچّی تجھے میرے جیسے ماں باپ ملیں ناں تو پتہ چلے۔

نورین : خیر یہ تو مت کہو عاجلہ۔ انکل آنٹی تو بہت سویٹ ہیں۔

عاجلہ : سویٹ تو بڑے ہیں لیکن ایک جوان کو میرے اخلاق کا فکر رہتا ہے جو وہ ہر وقت مجھے ریفارم کرنے کی سوچتے رہتے ہیں۔ یہ بڑا تکلیف دہ کام ہے۔ آخر آل آئی ایم اے ہیومن بینگ ——میں ایک individual ہوں۔ وہ مجھے اپنے پیٹرن میں کیوں ڈھالنا چاہتے ہیں۔ پُرانے دقیہ نوسی پیٹرن میں۔

عدنان : کیوں کہ وہ پیٹرن سیف ہے۔ اس پیٹرن میں آدمی کو چوٹ تو لگ سکتی ہے لیکن وہ کرچی کرچی نہیں ہو سکتا۔

عاجلہ : تم چپ رہو میرے ایکس ہزبینڈ—— نو بوڈی وانٹس یور ایڈوائس ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے حق ہے کہ میں اپنی نیکی بدی کے پیمانے خود بناؤں۔ اپنی ایتھکس خود تیار کروں۔

عدنان : مجبوری ہے عاجلہ۔ پیمانہ وہی ہوتا ہے جو ساری سوسائٹی کا ہو—— تمہارا میٹر، ملی میٹر، گرام، کلوگرام، میرے میٹر، ملی میٹر، گرام، کلوگرام سے مختلف نہیں ہو گا۔ جبھی give & take ہو سکے گی۔

عاجلہ : اوہ شٹ اپ۔

ٹنکی، ماورا : چھوڑ دو چھوڑ دو ۔ نہیں تو پھر شارکیں لڑنے لگیں گی۔

عاجلہ : نہیں نہیں وی آر گڈ فرینڈ۔ لڑتی تو میں عدنان سے اس وقت تھی جب یہ میرا ہزبینڈ تھا۔ ویسے میں اب سیریسلی جا رہی ہوں۔ بائی !

شاہدہ : لیکن کیوں عاجلہ Why so soon?

عاجلہ : ماں باپ کو ہیومر کرنے۔ انہیں خوش کرنے۔

سارے : شیم شیم ۔ ۔ ۔ ۔ شیم۔ عاجلہ اپنے پیرنٹس سے ہار گئی۔

عاجلہ : گدھو! کبھی کبھی ان اولڈ فوگیز کو ہیومر کرنے سے بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ زیادہ luxries حاصل ہو جاتی ہیں۔ ان کی ایک بات ماننے کے بعد آدمی اپنی کم از کم دس باتیں منوا سکتا ہے شیر ہو کر۔

نورین : مثلاً؟

عاجلہ : پچھلے سال امی کو بڑا شوق تھا کہ میں منگنی کراؤں۔ میں نے ان کو ہیومر کیا منگنی کرالی۔ امی ڈیڈی تو بالکل فلور ہی ہو گئے ——— میں نے ان کا ایڈوانٹیج لیا ——— یورپ ٹور کیا اور ——— واپسی پر منگنی توڑ دی۔

سب : ویل ڈن!

عاجلہ : اب میں کچھ عرصہ ایک مولوی سے پڑھوں گی۔ اُنہوں نے میری ٹیوشن رکھوا دی ہے والدین حضرات نے! امی ڈیڈی خوش ہو جائیں گے۔ سمجھیں گے اب لڑکی نیک ہو رہی ہے اور میں . . . . اُنہیں ذرا سا ہیومر کرنے کے بعد کوئی بڑا سا کام نکالوں گی اپنا۔

سکندر : تم اپنے ماں باپ کو exploit کرنے سے بھی نہیں گھبراتیں عاجلہ؟

عاجلہ : (جاتے ہوئے) ماں باپ ہوتے ہی اسی لیے ہیں کہ اُنہیں exploit کیا جائے۔ شفقتِ پدری اور شفقتِ مدری exploit ہونے کے لیے تڑپتے رہتے ہیں۔

(چلی جاتی ہے۔ سب مل کر گاتے ہیں۔)

سب : سنو سنو . . . سنو سنو گئی عاجلہ ——— گئی رکو رکو عاجلہ جو گئی سو گئی ———

——— کٹ

سین ١٧
ان ڈور
شام

(اس وقت کوٹھی کے بڑے سے ڈرائینگ روم کے ایک کونے میں صوفوں پر مولوی صاحب اور عاجلہ آمنے سامنے بیٹھے ہیں۔ بڑے صوفے کے کونے میں مولوی صاحب ہیں اور چھوٹے صوفے کے اندر عاجلہ دھنسی ہوئی ہے۔ ان دونوں کے درمیان مہاگنی کی لمبی تپائی ہے جس کے ایک کونے پر کارنیشن کے پھولوں کا پتلا اور لمبا سا گلدان ہے۔
جس وقت سین کھلتا ہے اس وقت عاجلہ نیچے جھکی ہوئی ہے اور اپنے سینڈل کے سٹریپ کھول رہی ہے۔ مولوی صاحب نظریں جھکائے بیٹھے ہیں اور سارے سین میں اسی طرح رہتے ہیں۔ اپنے دونوں سینڈل کھول کر عاجلہ دونوں پیر اُوپر صوفے پر کر لیتی ہے اور بلی کی طرح بیٹھ جاتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں شوخی اور شرارت ہے۔)

مولوی : اچھا بی بی سیپارہ نکالیں۔

عاجلہ : ایک منٹ مولوی صاحب۔ صرف ایک منٹ۔

(سر صوفے کی پُشت کے ساتھ لگا کر اُوپر چھت کی طرف دیکھنے لگتی ہے۔ پورے دس سیکنڈ تک اسی طرح بیٹھی رہتی ہے۔ مولوی صاحب کھنکار کر پوچھتے ہیں۔)

مولوی : اچھا تو کریں شروع ؟

عاجلہ : کرتے ہیں شروع مولوی صاحب۔ ذرا سا آرام تو کر لینے دیا کریں۔

مولوی : کافی آرام کر لیا آپ نے بی بی۔

عاجلہ : مولوی صاحب آپ لوگ اس قدر تنگ نظر کیوں ہوتے ہیں۔ ذرا سے leisure اور pleasure کے خلاف کیوں ہیں اسقدر۔

مولوی : ہر کام کا ایک ضابطہ ہوتا ہے بی بی ایک وقت ہوتا ہے۔

عاجلہ : میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ مجھے بی بی نہ کہا کریں۔ عاجلہ کہا کریں صرف۔

مولوی : میں احتراماً اپنی بیٹی کو بھی بی بی ہی کہتا ہوں حالانکہ وہ عمر میں آپ سے ایک دو سال چھوٹی ہی ہوں گی۔

عاجلہ : اس کو آپ بڑے شوق سے بی بی کہہ لیا کریں۔لیکن مجھے یہ لفظ بہت ولگر لگتا ہے۔عاجلہ بی بی ! I hate such expressions

مولوی : اچھا تو شروع کریں۔

عاجلہ : مولوی صاحب میں نے دراصل ڈیڈی کے کہنے پر پارہ پڑھنا شروع کیا ہے۔مجھے اس میں کوئی خاص ....

مولوی : یہ تو اور بھی برکت کی بات ہے کہ آپ نے اپنے کسی بڑے بزرگ کے کہنے پر ....

عاجلہ : مجھے یہ چند لفظ بالکل زہر لگتے ہیں مولوی صاحب۔ بزرگ ، برکت ، شرافت ، پردہ ، نسوانیت ، حیا۔ یہ سب میل شوونزم کی پیداوار ہیں۔

مولوی : تو چلئے پھر آج کا سبق شروع کریں۔

عاجلہ : پہلے مجھے ایک بات بتائیں مولوی صاحب۔

مولوی : جی

عاجلہ : یہ جو آپ کے اسلام میں روزہ ہے۔جو صبح پو پھٹنے سے پہلے شروع ہوتا ہے اور شام کو سورج غروب ہونے پر افطار ہوتا ہے تو اگر کسی کو

نارتھ پول پر جا کر رہنا پڑے جہاں چھ مہینے کا دن ہوتا ہے اور چھ مہینے کی رات تو پھر وہ آپ کا روزہ کس طرح سے رکھے؟

مولوی : اگر تو یہ سوال آپ صرف تمسخر کے طور پر کر رہی ہیں بی بی اور آپ کا مقصد سوائے حجت کے اور بحث کے اور اعتراض کے اور کچھ نہیں تو میں اس سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ لیکن اگر یہ واقعی ایسا مسئلہ ہے جس سے آپ کی ذات وابستہ ہے اور یہ آپ کے عمل کی راہ میں حائل ہے تو جواب دینا فرض ہو جاتا ہے۔

عاجلہ : یہ میری پرسنل مشکل ہے ناں مولوی صاحب، اسی لیے تو پوچھ رہی ہوں۔

مولوی : اگر تو آپ کے والد صاحب کی تبدیلی اسی مقام کی ہو گئی ہے جہاں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہے اور آپ ان کے ہمراہ جا رہی ہیں اور آپ وہاں باقاعدگی سے روزے رکھنا چاہتی ہیں کیونکہ آپ یہاں باقاعدگی سے صوم و صلوٰۃ کی پابند رہی ہیں تو پھر اور بات ہے۔

عاجلہ : ڈیڈی کی تبدیلی تو نہیں ہوئی لیکن ہم لوگ وہاں جا کر سیٹل ہونا چاہتے ہیں نارتھ پول پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

مولوی : اور آپ کو فکر ہے کہ آپ وہاں روزے کس طرح سے رکھا کریں گی۔

عاجلہ : جی سر۔

مولوی : تو سُن لیجیے بی بی کہ کتاب اللہ میں حکم ہے کہ "جو شخص ماہ رمضان کو پاوے وہ اس میں روزے رکھے۔" پس جہاں رمضان کے مہینے کی نوبت ہی نہیں آتی اور جہاں رمضان کا مہینہ انتیس کا یا تیس کا ہو ہی نہیں سکتا وہاں روزہ بھی نہیں ہے۔

عاجلہ : معاف کرنا مولوی صاحب ایکسیکیموزمی یہ آپ لوگوں نے کیا انوکھا دستور

نکلا ہوا ہے قمری مہینوں کا چاند دیکھ کر۔ ساری دُنیا سے الگ کبھی انتیس کبھی تیس !

مولوی : یہ ہمارا نکالا ہوا دستور نہیں بی بی۔ ہمیں حکم کرنے والے کا حکم ہے۔

عاجلہ : آپ کیوں نہیں جورجین کیلنڈر اپنا لیتے سیدھا سادا۔ نہ کوئی جھگڑا نہ فساد۔ آپ کے یہاں تو طے ہی نہیں ہو پاتا کہ مہینہ ختم ہُوا یا نہیں۔

مولوی : میرے خیال میں باتیں بہت ہو چکیں بی بی۔ آپ اب سپارہ نکالیں بسم اللہ کر کے۔

عاجلہ : آپ اسقدر تنگ نظر کیوں ہوتے ہیں مولوی صاحب کہ جس بات کا جواب نہ بن پڑے وہاں لڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ آپ لوگ ہماری طرح سے لبرل کیوں نہیں ہوتے۔ کھُلے دل کے۔

مولوی : اب میں صرف دلیل کے طور پر آپ کی خدمت میں یہ بات کروں گا، گو اس کی چنداں ضرورت نہیں —— فرض کیجئے اگر کرۂ ارض پر سے تمام کیلنڈر اور ڈائریاں اور تقویمیں اچانک ناپید ہو جائیں اور کوئی ذریعہ نہ رہے یہ معلوم کرنے کا کہ آج مہینے کا کونسا دن ہے تو آپ کس طرح سے اندازہ لگائیں گی کہ آج تیرہ تاریخ ہے یا سترہ ہے یا ستائیس ہے۔ کیونکہ سورج تو اپنی پوری آب و تاب سے ایک سا نکلا کرے گا اور غروب ہوتا رہے گا لیکن قمری حساب سے آپ فوراً تعین کر لیں گی کہ آج چودھویں ہے۔ کل پندرھویں ہو گی۔ یا آج پہلی ہے کل دوسری ہو گی۔ پھر تیسری ہو گی۔ وعلیٰ ہذ القیاس

عاجلہ : چلئے یہ تو مان لیا لیکن یہ آپ لوگوں کی رویتِ ہلال کیا ہو کس ہے۔ انتظار کر رہے ہیں پتہ نہیں چلتا۔ جس آدمی نے چاند دیکھا ہو اس کی شہادت طلب کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ڈائیلاگ کر رہے ہیں۔ اس سے پُوچھ گچھ

کررہے ہیں۔ تار کے یا ٹیلکس کے میسج کو کیوں نہیں مان لیتے کر......

I saw the new moon. Tomorrow will be "Chotti Eid".

A very happy Eid to all of you.

مولوی : کیا کوئی سیشن جج محض ایک گواہ کے تار کے آجانے سے ملزم کو پھانسی کی سزا دے گا بی بی کر

Yes, I am an eyewitness of this ......

——————— murder. Please hang the accused.

یہ تو ضابطے کی بات ہے عاجلہ بی بی —— جب انسان کے بنائے ہوئے، گورے کے قانون میں اسقدر احتیاط سے کام لیا جاتا ہے تو آپ ہمیں ضابطے سے نکل جانے کو کیوں کہہ رہی ہیں۔

عاجلہ : ویسے معاف کرنا سر۔ آپ مولوی لوگ بڑے تنگ نظر اور جھگڑالو ہوتے ہیں۔ آپ کی ساری زندگی بحث مباحثوں میں گزرتی ہے۔ آپ ہماری طرح سے آزاد خیال اور لبرل نہیں ہوتے۔ دقیانوس ہوتے ہیں۔ ایکسکیوزمی!

مولوی : آپ کے اس بیان پر اب میں کیا تبصرہ کرسکتا ہوں —— میرا خیال ہے پہلے تھوڑا سا پڑھ لیں۔

عاجلہ : پڑھنے سے پہلے ہمارے ڈاؤٹس دور ہونے چاہئیں مولوی صاحب۔ موڈرن مین آپ لوگوں سے سخت ناراض ہے کہ آپ دین کو مشکل صورت میں پیش کرتے ہیں۔ آزادی نہیں دیتے ہم لوگوں کو۔

مولوی : ہمیں افسوس ہے کہ موڈرن مین ہم سے ناراض ہے لیکن اس نے آکر کبھی ہم سے پوچھا ہی نہیں ہم سے بات ہی نہیں کی۔ اور جو ہم اس کے رحمت کدے پر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ ہم سے ملنا پسند نہیں کرتا۔

عاجلہ : اصل میں آپ لوگ اسقدر لڑاکا اور bigoted اور illogical اور

تنگ نظر ہوتے ہیں کہ آپ سے بات کرنے کو جی ہی نہیں چاہتا۔ آپ لوگوں
میں لچک نہیں ہوتی مولوی صاحب۔ آپ لکیر کے فقیر ہوتے ہیں۔ کوئی نئی
بات سیکھنا پسند نہیں کرتے آپ۔ بس تنگ نظر ہوتے ہیں آپ۔

مولوی : جہاں تک تو حکم کا تعلق ہے بی بی اس میں تو ہم ایک سپاہی کی طرح آرڈر
سے بندھے ہوئے ہیں۔ کوئی جرح نہیں کوئی تکرار نہیں۔ اگر مغرب کے تین
فرض ہیں تو تین ہی رہیں گے۔ اگر سود حرام ہے تو حرام ہی رہے گا۔ اگر مرد
عورت کے لیے نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم ہے تو ایسے ہی رہے گا۔ زمانہ لاکھ
کروٹیں بدلے۔ حلال حرام سے اور حرام حلال سے نہیں بدلے گا لیکن جہاں
جہاں اجازت ہے وہاں بدلتے ہوئے حالات کے مطابق تبدیلی ہو سکتی
ہے اور ہوتی ہے۔ مگر شرع شریف کے مطابق، اپنی رائے سے یا اپنی خواہش
سے ہم لبرل نہیں ہو سکتے۔

عاجلہ : دیکھئے مولوی صاحب آج کل ہم لڑکے لڑکیاں مل کر meditate کرتے
ہیں۔ مراقبہ کرتے ہیں۔ یوگا کرتے ہیں اور اس ترکیب سے کافروں اور
جوگیوں کو بھی خدا کا قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ ٹھیک ہے ناں!

مولوی : ٹھیک ہے۔

عاجلہ : تو پھر اس قرب کے لیے مسلمان ہونا کیا ضروری ہے؟

مولوی : دیکھئے بی بی ایک بادشاہ ہے اور وہ اپنے تخت پر بیٹھا ہے اس کے قریب
اس کا وزیر باتدبیر بیٹھا ہے۔ اور قریب ہی ایک ملزم کٹہرے میں کھڑا ہے اب
قرب تو دونوں کو حاصل ہے بادشاہ کا لیکن ایک پر عنایت ہو رہی ہے دوسرے
پر عذاب ہو رہا ہے!

عاجلہ : چلئے ایسے ہی سہی۔ لیکن قرب کی وجہ سے لطف تو ویسا ہی آ رہا ہے۔

مولوی : یہ تو وہی بات ہوئی عاجلہ بی بی کہ ایک شخص کے پاس سونے کی اینٹ ہے اور اس کو خوشی ہو رہی ہے۔ لُطف آ رہا ہے اور دُوسرے کے پاس پیتل کا ڈلا ہے۔ وہ بھی خوش ہو رہا ہے کہ میرے پاس سونے کا ڈلا ہے۔ لیکن ایک کی خوشی واقعی ہے اور دوسرے کی غیر واقعی۔ جب دونوں کا ٹیسٹ ہوگا اور پتہ چلے گا کہ یہ سونا نہیں پیتل ہے تو اس کی ساری خوشی خاک میں مل جائے گی۔

عاجلہ : دیکھا۔ آپ نے پھر تعصب کی بات کری مولوی صاحب . . . . اصل میں آپ لوگ . . . . بس ہوتے ہی . . . . . تنگ نظر ہیں . . . . .

مولوی : اچھا۔ آج کا سبق دیکھ لیجئے . . . . اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

کٹ ———

سین ۱۸
اِن ڈور
دن

(عاجلہ اپنے پلنگ پر بیٹھی ہے پیچھے رحمو کھڑی اس کے سر میں مہندی لگا رہی ہے۔ عاجلہ کے ہاتھ میں آئینہ ہے جس سے وہ اپنا چہرہ دیکھتی ہے۔)

عاجلہ : ذرا دھیان سے مہندی لگانا رحمو میرے ماتھے پر نہ لگ جائے۔

رحمو : لیں بی بی کیا مجھے معلوم نہیں مہندی کیسے لگاتے ہیں۔

عاجلہ : اچھا مسز انسائیکلوپیڈیا کیا کیا معلوم ہے تجھے ؟

رحمو : ایک تو مجھے یہ پتہ ہے عاجلہ بی بی کر گوشت ملنا مشکل ہو گیا ہے دوسرے مجھے یہ پتہ ہے کر ستمبر کے مہینے میں میری بیٹی آئے گی کراچی سے اور تیسرے مجھے یہ پتہ ہے کر ـــ

عاجلہ : بولو بولو ـــ تیسرا کیا پتہ ہے تم کو ـ

رحمو : تیسرا مجھے یہ پتہ ہے کر بیگم صاحبہ بہت روتی رہتی ہیں آپ کی وجہ سے ۔

عاجلہ : امی کی تو عادت ہے رونے کی ـــ یہ وجہ نہیں ہو گی تو کوئی اور وجہ بنا لیں گی رونے کے لیے ..... وہ تو روتی رہیں گی ہمیشہ ۔

رحمو : ناں عاجلہ بی بی ایسے نہیں کہتے .... ماؤں کے دل سے جو دعا نکلتی ہے پوری ہوتی ہے۔ میری ماں انتی تھی بچاری .... دن کہہ دیتی تو میں دن کہہ دیتی ـــ رات کہہ دیتی تو میں بھی رات ہی سمجھ لیتی .... جھولیاں اٹھا اٹھا کر میرے لیے دعائیں مانگا کرتی تھی .... مجھے تو جو کچھ ملا اسی کی دعاؤں کے طفیل ملا ۔

عاجلہ : اس کی وجہ یہ ہے رحمو کہ تم پڑھی لکھی نہ تھیں ..... ہم پڑھے لکھے لوگوں میں یہ blind faith .... (وقفہ) یہ تعصب نہیں چلتا۔

(خانساماں آتا ہے ۔)

خانساماں : عاجلہ بی بی وہ سکندر صاحب آئے ہیں ۔

عاجلہ : اکیلے ہیں ؟

خانساماں : نہیں جی تین لڑکے اور بھی ساتھ ہیں جیپ میں۔

عاجلہ : انہیں بٹھاؤ ـــ فوراً

خانساماں : بٹھا دیا ہے جی ڈرائینگ روم میں ۔

عاجلہ : اور کچھ ٹھنڈا پلاؤ انہیں ــــ بتا دینا عاجلہ بی بی نہا رہی ہیں۔ ابھی آتی ہیں۔
ایک منٹ میں۔

خانساماں : جی بہت اچھا۔

ـــــــــ کٹ

سین ۱۸-اے
آؤٹ ڈور
دن

(جنگل میں لانگ شاٹ میں عاجلہ گھوڑا سرپٹ دوڑاتی آتی ہے جب کیمرہ گھوڑے کے قریب آتا ہے تو نظر آتا ہے کہ عاجلہ کے ہاتھ میں ایک ہنٹر ہے جس کے آگے چمڑے کی رسی بندھی ہے وہ جس درخت کے پاس سے گزرتی ہے شسٹراپ سے درخت کے تنے پر ہنٹر مارتی ہے وہ یوں درختوں کو مارتی چلی جاتی ہے۔)

ـــــــــ کٹ

سین 19
اِن ڈور
رات

(اس وقت عاجلہ کا گروپ ابنارمل طریقے سے جمع ہے۔ یہ لوگ سموک بھی کر رہے ہیں اور لوگوں کو رات کے وقت obnoxious calls بھی کر رہے ہیں۔ اس وقت فون عاجلہ کے ہاتھ میں ہے اور رات کا ڈیڑھ بجا ہے۔)

عاجلہ : کیا وقت بتایا آپ نے ـــ ہاں جی آپ کی گھڑی میں ـــ پونے دو...
پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے ـــ کیا آپ گنجے ہیں ؟

(سارا گروپ ہنستا ہے۔)

بس اس میں مائنڈ کرنے کی کیا بات ہے ـــ اچھا آپ گنجے نہیں ہیں ـــ
تو پھر کتنے دنوں کے بعد نہاتے ہیں آپ ـــ میں کیوں فون بند کروں آپ
کو بُرا لگ رہا ہے تو آپ بند کر دیں ـــ آپ کی جو ممی ہیں ـــ وہ براؤن
رنگ کی لپ سٹک کیوں لگاتی ہیں۔ حالانکہ ان کا اپنا رنگ کافی کلر ہے
ـــ میں الو کی پٹھی ہوں تو آپ بھی کتے کی دم ہیں۔

سکندر : بند کرو یہ فون۔

عاجلہ : آپ سمجھتے ہیں ـــ آپ کو مجھ سے زیادہ گالیاں آتی ہیں، سر مجھے پنجابی، اُردو
انگریزی، فرانسیسی سب گالیاں آتی ہیں۔ ایک دفعہ میں شروع ہو گئی تو
آپ سیخ کباب ہو جائیں گے۔

(اب نورین فون اس کے ہاتھ سے چھین کر چوغے پر رکھتی ہے۔)

نورین : کیا ملتا ہے تمہیں آدھی رات کو فون کر کے لوگوں کو ـــ بیچارے بستروں میں
سے اٹھ بھاگتے ہیں کہ کہیں کوئی بُری خبر نہ ہو۔

عاجلہ : اچھا تمہیں کیا ملتا ہے چیونگ گم سے تھوڑی دیر بعد نہ وہ میٹھی رہتی ہے نہ
مزے دار۔

نورین : کیا پتہ تمہارے فادر کی عمر کا ہو بیچارہ۔

عاجلہ : فادر فگر کو تو مزا آتا ہے تنگ کر کے ـــ میرا بس چلے تو میں ان تمام
fossilized بڈھوں کو شوٹ کر دوں قذافی سٹیڈیم کے سامنے قطار
میں کھڑا کر کے۔

ٹنکی : یہ بڑا فینسی نٹینگ ـــ فون نمبر ہے عاجلہ اب یہاں کریں فون۔

عدنان : گدھے کی نانیوں کوئی ایسا کام کرو جس میں سب شریک ہوں یہ obnoxious calls تو صرف ایک آدمی انجوائے کر سکتا ہے۔

شاہدہ : شیراز کھیلیں ـــ کیوں سکندر۔

سب : بور بور بور۔۔۔۔

ٹنکی : کچھ ایکسائٹمنٹ ہو شاہدہ ـــ کوئی ایڈونچرس قسم کا کام ـــ میں کسی tame گیم میں حصہ نہیں لوں گی ـــ فضول یا چلو کونز کھاتے چلیں ـــ without payment

شاہدہ : کسی کے گھر ڈاکہ نہ ڈالیں۔ اٹالین سٹائیل۔

ٹنکی : ہاؤ ایکسائٹمنٹ ـــ بی آئی ایم اے پارٹی۔کم ون کم آل۔

عدنان : نہیں یار کچھ اوپن رابری ہونی چاہیئے کھلی سڑک پر۔ جیسے بنک کے اندر بتیاں جل رہی ہوں اور ہم اپنی جیپ لے کر پہنچیں۔میں سکندر اور عاجلہ اندر داخل ہوں اور نورین اور شاہدہ ہولڈ اپ کرالیں چوکیدار کو۔ہم ـــ اندر گیس برنرز کے ساتھ سیف پگھلا کر کوئی دس بارہ لاکھ کی رابری کریں۔۔۔۔جیسے Noon-day Robbery میں دکھایا گیا تھا۔

عاجلہ : اور جب ہم باہر نکلیں تو پولیس ہمیں chase کرے ہاؤ ایکسائیٹنگ چلو بھئی دیر نہ کرو ـــ موڑوں پر ہماری گاڑی سکریچ کرتی، ڈانس کرتی نکلے اور اندر سپیکر پر ٹیپ لگا ہو Catch me if you can... ۔۔۔۔ ہائے مزہ آجائے گا۔

نورین : پتہ ہے پولیس فلی آرمڈ ہوتی ہے۔ فائر بھی کر دیتی ہے آجکل بغیر الرٹ کئے۔

عاجلہ : یہ بالکل پھوسٹر ہے ـــ جیل فش چلو سکندر ـــ عدنان

سکندر : یہ جو بنک رابری ہے ناں عاجلہ یہ صبح کے وقت اچھی لگتی ہے بنک بھرا ہوا۔۔۔۔ ہو ـــ اندر باہر۔ لوگ ہوں۔ ہم سب کے ہینڈز اپ کرالیں

سارے بازار میں پینک پھیل جائے تربوز والے کے تربوز الٹ کر گریں . . . . اور پھیل جائیں ساری سڑک پر، ریڑھیوں والے بھاگیں اپنی ریڑھیاں چھوڑ کر دوکانیں بند ہو جائیں ایک terror کی فضا پیدا ہو جائے سارے علاقے میں ایک سے ایک شاٹ بنے ویسٹرن مووئز کا۔ شربت اُلٹ رہے ہیں سڑک پر بھک بھک بوتلیں پھٹ رہی ہیں . . . . برقعے والیاں بھاگی پھر رہی ہیں چیخیں مارتی ایڈورڈ مرغیوں کی طرح رات کو بنک رابری کا کوئی فائدہ نہیں معرکہ جو بھی ہو ڈیرنگ ہو ـــ اخباروں میں کم سے کم تین کالم کی سرخی تو لگے ۔ فرنٹ پیج پر۔

نورین : چھوڑ یار سکندر . . . . اتنے بڑے معرکے کے لیے تمام ساتھیوں کو اسلحے کی ضرورت ہوگی ـــ modern weapons کی۔

عاجلہ : (اپنے پرس سے پستول نکال کر) اسلحہ حاضر ہے ـــ یہ پستول بھی میری جان کو روتی رہتی ہے پوچھتی رہتی ہے کہ بتا عاجلہ کب مجھے چلائے گی کس کو نشانہ بنائے گی۔

نوجوان ۱ : اچھا دوستو ایک سکیم ہے ۔ اتنی اچھی کہ نورین بھی اسے پسند کرے گی۔

نورین : مثلاً ؟

نوجوان : ہم سب رابن ہڈ کا گینگ بنیں۔

شاہدہ : اتنے گھوڑے کہاں سے لائیں اس وقت ۔

عاجلہ : آئی ول مینج دی گھوڑاز۔

نوجوان : نہیں گھوڑوں کی ضرورت نہیں ہے ماڈرن رابن ہڈ، اس وقت ہم جی ٹی روڈ پر چلتے ہیں کسی مالدار سیٹھ کی کار روک کر پیسہ لوٹیں گے۔

نورین : اور پھر؟

نوجوان : پھر کیا ؟ ہم رابن ہڈ ہیں ۔ روپیہ لوٹیں گے اور غریبوں میں بانٹ دیں گے۔

ہم کوئی اپنے پاس ہتھوڑی رکھیں گے۔

(عاجلہ پستول واپس اپنے پرس میں رکھتی ہے۔)

عاجلہ : نو تھینک یو ـــ میں کسی غریبوں وغیرہ کی خاطر اپنی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔

نوجوان : غریبوں کا نام لے کر کام کرنے میں بڑا تھرل ہے عاجلہ ـ کوئی سا بھی کام شروع کر دو غریبوں کے نام سے مزا آجاتا ہے۔ تم کبھی ٹرائی کر کے تو دیکھو۔

نورین : میں بتاؤں ـــ ایک سکیم

عدنان : بولو

نورین : چلو سب suicide کریں۔ ہاراکیری ـــ بڑا مزہ آئے گا۔

سکندر : جب سب مر گئے تو مزہ کہاں سے آئے گا بیوقوف!

نورین : collective suicide میں یہی تو خوبی ہے کہ مرتے مرتے بھی مزا آجاتا ہے۔

عاجلہ : سنو! یہ کریں۔ سب موٹر سائیکلوں پر مری چلیں اسی وقت۔ کیا خیال ہے؟

سب : ونڈر فل ـــ ونڈر فل ـــ

عاجلہ : کوئی موٹر سائیکل ساٹھ ستر سے کم نہ چلائے ـــ اسی طرح نورین کی خواہش بھی پوری ہو سکتی ہے۔

ٹینکی : اور ہر ایک چیز کو اوور ٹیک کرنا ہے۔ ہر بس کو۔ ہر ٹرک کو ـــ

سکندر : رات کے ڈھائی بجے تو صرف ٹرکس ہی ملیں گے۔

ٹینکی : بلکہ جب ایک ٹرک دوسرے ٹرک کو اوور ٹیک کر رہا ہو اس وقت اوور ٹیک کرنا ہے ہم نے۔

نورین : ہائے کتنا مزہ آئے گا ـــ سائیلنسرز سب کے کھلے ہوں پلیز ـــ

عاجلہ : اور ہلمٹ کسی نے نہیں پہننی ـــ بڑا واہیات لگتا ہے آدمی .....

ہلمٹ میں ـــ جس طرح ساری قوم نے بیک آواز ہلمٹ کے خلاف
احتجاج کیا تھا اور گورنمنٹ کو ہرا دیا تھا اسی طرح چلنا ہے خودکشی کے
انداز میں۔ سب ضابطوں کو سب قاعدوں کو توڑتے ہوئے۔

نورین : میں ذرا امی کو فون کر دوں۔

عاجلہ : (بازو پکڑ کر بٹھاتی ہے) کوئی نہیں مر جاتے تمہارے امی ابو .....
اپنی عزت کرانا سیکھو نورین ـــ بیوقوف قدر کراؤ اپنی، خواہ مخواہ
چیپ حرکتیں ـــ انفارم کرنے چلی ہے امی ڈیڈی کو ـــ ممی ڈیڈی
تو ہوتے ہی اس لیے ہیں کہ وہ انتظار کریں۔ ہر وقت خوفزدہ رہیں
اور خوشامدی مسخرے سے دکھائی دیا کریں ـــ چلو اٹھو ـــ وَن
ٹو تھری ـ

(سب ایک ساتھ کال ملا کر اُٹھتے ہیں۔)

ـــــــــ کٹ

سین ۲۰
اِن ڈور
رات

آغا : اب تم مجھے نہیں روک سکتیں شمیم۔ برداشت کی ایک حد ہوتی ہے .....

ماں : لیکن پولیس کو انفارم کرنے سے فائدہ ۔

آغا : جس وقت پولیس اسے حراست میں لے کر آئی تو اسے پتہ چل جائے گا کہ
ماں باپ کیسے شیلٹر ہوتے ہیں اور ان کے کیا کیا فوائد ہیں۔

ماں : آپ کی مرضی ہے آغا جی لیکن میں سمجھتی ہوں کہیں اس کا ری ایکشن الٹا نہ ہو جائے . . . . وہ ذرا اُلٹی کھوپڑی کی ہے۔

آغا : تم اس کے ری ایکشنز کی بات کر رہی ہو ــ میں اسے ٹھیک کر کے رہوں گا چاہے مجھے اس کا منکا ہی کیوں نہ توڑنا پڑے ــ بدفطرت کا ــ اس نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے۔ چند روز حوالات رہی تو سب نخرے بھول جائے گی۔ ان سب کے نام لکھ کر بھیجوں گا۔ یہ جو اس کے ساتھی ہیں ــ اس کے دوست اور سہیلیاں ہیں۔

کٹ ــــــــــ

سین ۲۱
اِن ڈور
رات

(رات کا وقت ہے۔ عاجلہ اپنے دو دوستوں کے ساتھ اپنے ڈیڈی کے بنگلے میں داخل ہوتی ہے۔ ایک کو بڑے درخت کے نیچے install کرتی ہے۔ دوسرے کو ذرا فاصلے پر ایک اور جگہ پر۔ یہ دونوں ہی پستولوں سے مسلح ہیں اور انہوں نے اپنے چہرے ٹوپیوں سے چھپا رکھے ہیں۔ ان کو اپنی اپنی جگہ پر متعین کر کے، عاجلہ بڑی صفائی اور گربہ پائی کے ساتھ چلتی ہوئی پچھلے برآمدے میں آتی ہے۔ اس وقت ساری فضا میں جھینگر اور مینڈک بول رہے ہیں۔
عاجلہ ایک دروازے کو اپنی طرف احتیاط سے کھینچتی ہے۔ اس کی چٹخنی گرتی ہے۔ کٹ کر کے دکھاتے ہیں کہ لمبے صوفے پر بیٹھے ہوئے آغا صاحب چونک کر پوچھتے ہیں "کون"؟ ان کے سامنے ان کی بیوی بیٹھی ہوئی ہے وہ

خوفزدہ ہوکر اپنی جگہ سے اُٹھتی ہے تو آغا صاحب ہاتھ کے اشارے سے
بیٹھنے کے لیے کہتے ہیں وہ پھر اپنی جگہ پر بیٹھ جاتی ہے ـــ تھوڑی دیر تک
ساری فضا میں بھیانک خاموشی رہتی ہے۔ اس کے بعد عاجلہ کی آواز
گونجتی ہے۔)

عاجلہ : As you are, please.(آف کیمرہ)

(آغا صاحب سر اُٹھا کر دیکھتے ہیں تو سامنے کے دروازے میں عاجلہ پستول
تانے کھڑی ہے۔ تینوں کو اس پُراسرار تناؤ میں کٹ ٹو کٹ دکھاتے ہیں۔)

امی : (اُٹھتے ہوئے) عاجلہ!

عاجلہ : پلیز امی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیے ورنہ میں گولی چلا دوں گی۔

آغا : (بیوی سے) آرام سے بیٹھی رہو۔

عاجلہ : مجھے فوری طور پر پچاس ہزار روپے کی ضرورت ہے آغا صاحب۔ اور یہ
میں آپ کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر حاصل کرنا چاہتی ہوں ـــ آپ
کے سیف کی چابیاں!

آغا : میرا خیال ہے اس وقت ہمارے سیف میں اتنی رقم نہیں ہے

عاجلہ : مجھے صرف سیف کی چابیاں چاہئیں۔

امی : یہ تو کیا کر رہی ہے عاجلہ۔

عاجلہ : میرے پاس وقت کم ہے امی اور کام بہت زیادہ ہے ـــ پلیز ہلنے کی کوشش
نہ کریں ڈیڈی۔ آپ کے ملازم آپ کی مدد کو نہیں پہنچ سکیں گے۔

آغا : مجھے ان کی مدد کی بالکل ضرورت نہیں ـــ میں اپنی حفاظت خود کر سکتا ہوں۔

عاجلہ : آپ لوگ اپنی حفاظت کرنے میں اسقدر مصروف ہیں سر کہ آپ کو اپنی
اولاد کی حفاظت کے لیے ایک منٹ بھی نہیں ملتا۔

امی : ماں باپ اپنی اولاد کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے عاجلہ۔ ہم نے کیا نہیں کیا

تمہارے لیے ؟......

عاجلہ : آپ نے تھانے میں پرچہ کیا ہے میرے خلاف لیکن ... چھوڑیئے ان باتوں کو، میرے پاس وقت بہت کم ہے۔

آغا : وہ تو ہمارے پاس کم ہے بی بی جو اس وقت لوڈ ڈپسٹل کے سامنے بیٹھے ہیں۔ تمہارے سامنے تو ٹھاٹھیں مارتا ہوا سنہرا مستقبل ہے۔

عاجلہ : ہونہہ ۔۔ سنہرا مستقبل ۔۔ مائی فٹ

امی : یہ تمہیں ہو کیا گیا ہے عاجلہ۔

عاجلہ : مجھے کچھ نہیں ہوا پلیز ۔۔ آپ لوگ میرا وقت ضائع نہ کریں۔

آغا : اس کو وہی کچھ ہوا ہے جو نافرمان اور سرکش گروہوں کو ہو جایا کرتا تھا۔

عاجلہ : ہمیں نافرمان اور سرکش کہہ کر گالی نہ دیں پلیز۔ ہم کسی فرمان میں believe نہیں کرتے۔ کسی ڈسپلن کو نہیں مانتے ۔۔ We hate control and subjection, we detest regimentation and regulation, ———————— we are free

ہم آپ لوگوں کی طرح سے کسی آئین اور قانون میں رہ کر زندگی بسر کرنا نہیں چاہتے۔ ہم ہیومن بینگز ہیں۔ آزاد ہیں۔ خود مختار ہیں۔ ہم ایک دنیا بسانا چاہتے ہیں آزاد اور فارغ البال دنیا۔ پابندیوں اور مجبوریوں سے دور۔ اصولوں اور ضابطوں سے پرے۔ بڑوں کی supremacy سے آزاد ہو کر ————————

We want to be....to be....we don't want to have anything....we want to be....just be.

آغا : پھر آزادوں اور خود مختاروں کو اتنی بڑی رقم کی کیا ضرورت آپڑی۔

عاجلہ : ہمارا اس پر حق ہے۔ بڑوں کی دولت پر ان کے resources پر۔ ان

کے مال پر — ہم اپنا حق مانگتے ہیں۔

آغا : اپنا حق مانگنے کے لیے تمہیں اپنے فرائض کی بجا آوری کا پرمٹ بھی دکھانا پڑے گا — ہے تمہارے پاس۔ اپنا حصّہ مانگنے کے لیے تمہیں اپنی کارکردگی کا شیئر سرٹیفکیٹ بھی پیش کرنا پڑے گا۔ ہے تمہارے پاس — بڑوں کی شفقت حاصل کرنے کے لیے فرمانبرداری کی زبان میں گفتگو کرنا ہوگی۔ ہے تمہارے پاس یہ بولی — کر سکتے ہو کمیونی کیٹ ؟ اپنے اطوار سے اپنے چلن سے اپنی لنگویج سے اپنی باڈی لنگویج سے — کسی بھی طرح !

عاجلہ : میں آپ کا سرمن سننے نہیں آئی ڈیڈی — ایسے سرمن ہم نے بہت سنے ہیں۔ بور کرنے والے نصیحت کرنا یا نصیحت سننا ایک زوال پذیر معاشرے کی علامت ہے ایک decadent society کی — ہم لوگ کوئیک رزلٹس کے عادی ہیں۔

امی : تُو اپنے باپ سے بات کر رہی ہے عاجلہ۔

عاجلہ : ہم دو انسان ہیں امی — دو میچیورڈ ہیومن بینگز — اس میں باپ بیٹی کا کوئی سوال نہیں۔

آغا : سوال نہ سہی مس عاجلہ لیکن یہ حقیقت تو ہے کہ ہم تم باپ بیٹی کے رشتے میں ہم زنجیر ہیں۔ یہ ایک مجبوری ہے بی بی کہ چھوٹوں کو بڑوں کا کہنا ماننا پڑے گا۔ شافٹ کی مجبوری ہے کہ اس کو cumbustion کے دباؤ تلے گھومنا پڑے گا۔ چھپے ہوئے زمین دوز پانی کی مجبوری ہے کہ اس کو تیز رفتار ٹربائین کے چکر والا حکم — تلے آگے زمین سے باہر نکلنا پڑے گا۔ سر اُٹھانے والے زہریلے پھوڑے کی مجبوری ہے کہ اس کو نشتر سے کٹنا پڑے گا۔ سیب کی بیچارگی ہے کہ اس کو گریوٹی کے آرڈر پر سر کے بل گرنا پڑے گا — اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔ بلکہ کسی کا بھی کوئی قصور نہیں —

عاجلہ : مجھے ایسے لمبے لمبے ایسٹرن سرمنز سے نفرت ہے آغاجی ———

We hate it. We hate your Saadi, your Rumi, your

——— Ghazali etc. etc. etc.

primitive ages یہ ترقی کا زمانہ ہے۔ ہم ترقی کرنا چاہتے ہیں۔ ہم واپس

We want hail or get milled. میں نہیں جاسکتے ۔

امی : (دردناک) تو کیوں ایسی باتیں کر رہی ہے عاجلہ!

(اوڑھنی میں منہ چھپا کر رونے لگتی ہے۔)

عاجلہ : اس لیے امی کہ میرے پاس وقت بہت کم ہے اور میری منزل بہت دور ہے۔

امی : (روتے ہوئے) خدا کے لیے ایسی منحوس باتیں منہ سے نہ نکال۔

آغا : کوئی بات بجائے خود منحوس نہیں ہوتی شمیم۔ کرنے والے کی نیت اس کو منحوس بنا دیتی ہے۔

عاجلہ : ہمیں منحوس بتانے والے آغا صاحب — سر — ! کیا دیا آپ نے ہمیں — ہماری زندگی کو — کیا گفٹس عطا فرمائے آپ نے .... بڑوں نے — جو....

آغا : ہم نے آپ کو حکم دیا اور حکم عدولی سے بچنے کے راز سمجھائے۔ ہم نے آپ کے لیے فرمان جاری کئے اور آپ نے فرمانبرداری کے پھل کھائے۔ ہم نے آپ کو کرنے کی راہیں دیں اور نہ کرنے کے قفل بند کرنے سکھائے لیکن آپ لوگوں نے اپنے لیے مصیبتوں کے پنڈورا باکس کھول لیے۔ صرف ایک نافرمانی سے اپنی زندگیاں عذاب میں ڈال لیں —

عاجلہ : ہمیں آج تک ایک بھی ایسا لیڈر نہ مل سکا جو ہماری راہنمائی کرتا۔ ہمیں یہ بتاتا کہ ہم کو کس طرح سے — اور کیسے — ہم .... ایک ....

آغا : دنیا کی اور کوئی قوم یہ بات کہے بی بی تو مانا جا سکتا ہے لیکن کوئی مسلمان یہ شکایت نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں کو تو وہ خیر البشر، مخبرِ صادق — اور بشیر و

نذیر لیڈر عطا فرمایا جا چکا ہے جس کے بعد اور کسی کی ضرورت ہی باقی نہیں
رہ جاتی ـــ ایسا عذر دوسری قومیں پیش کر سکتی ہیں لیکن تم نہیں۔ تمہارا
چارٹر اور تمہارا ضابطہ حیات تو تم کو آج سے بہت پہلے دیا جا چکا۔ اب
تم کس کے انتظار میں بیٹھ کر وقت ضائع کر رہے ہو۔ ہمارے چارٹر میں
ہر شخص اپنی ذات کا خود ذمہ دار ہے۔ اچھے معاشرے کا فقدان اور
اعلیٰ لیڈر کی قلت کا بہانہ ہمارے ضابطے میں نہیں چلتا۔ ہمارے پاس
ہمارا راہنما اصول تحریری صورت میں موجود ہے۔ میں نے تو تمہاری یہ
بات سن لی لیکن کسی اور سے نہ کہنا کہ ہم سمگلنگ اس وجہ سے کرتے
ہیں کہ کوئی اچھا قائد ہمارے درمیان نہ آیا۔ ہم ٹریفک رولز کی پابندی اس لیے
نہیں کر سکتے کہ یہاں اعلیٰ قیادت موجود نہیں۔ یاد رکھو عاجلہ ـــ (اٹھ کر
کھڑا ہوتا ہے) جب تک تم ایسے عذر تلاش کرتی رہو گی ـــ (اس کی طرف
آہستگی سے بڑھتے ہوئے) اور ایسے بہانے بناتی رہو گی ـــ تمہاری شخصیت
کمزور اور تمہارا وجود کھوکھلا ہوتا رہے گا۔

عاجلہ : پلیز ڈیڈی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں ورنہ میں آپ کو شوٹ کر دوں گی۔

آغا : (رک جاتا ہے) جب کسی گھر کو ٹوٹنا ہوتا ہے تو اس کے بچے نافرمان ہو جاتے
ہیں۔ جب کوئی معاشرہ بکھرنے لگتا ہے تو اس کے ارکان اپنے ہی اصولوں اور
قاعدوں سے منحرف ہو جاتے ہیں اور جب کسی قوم کی تباہی قریب ہوتی ہے تو
اس کے افراد اپنے بنائے ہوئے قانون اور ضابطے خود ہی توڑنے لگتے ہیں ـــ

(پھر آگے بڑھتا ہے۔ عاجلہ ذرا سی خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹتی ہے۔ ماں کا خوفزدہ
کٹ۔)

جاؤ جا کر اپنے گینگ سے کہہ دو کہ میرا باپ فرم ہو گیا ہے اور اولاد کے فتنے
اور آزمائش سے کامیاب ہو کر نکل گیا ہے۔ دیر سے سمجھا ہے مگر سمجھ گیا ہے

(کڑک کر) جاؤ اور دور ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔
(عاجلہ گولی چلاتی ہے۔ باپ ایک دم ڈائیو کرتا ہے جیسے اس کو گولی لگی ہو۔ عاجلہ خوفزدہ ہو کر پیچھے بھاگتی ہے اور اپنے آپ کو ایک کمرے میں بند کر لیتی ہے۔ باپ سیدھا کھڑا ہوتا ہے تو اس کے بائیں بازو پر خون ہے جس کو اس نے اپنے ہاتھ سے پکڑ رکھا ہے۔ ماں سراسیمہ ہو کر اس کی فرسٹ ایڈ کے لیے آگے بڑھتی ہے۔ ایک تپائی سے ٹکرا کر لڑکھڑاتی ہے کمرے کے اندر سے گولی چلنے کی آواز آتی ہے۔ باپ تڑپ کر آگے بڑھتا ہے اور چلّا کر کہتا ہے:)

آغا : نو عاجلہ — نو — پلیز۔ ۔ ۔ ۔ تم یہ نہیں کر سکتیں عاجلہ۔
(دروازہ بجاتا ہے۔ دھڑ دھڑاتا ہے۔)
عاجلہ ۔ ۔ ۔ ۔ عاجلہ ۔ ۔ ۔ ۔

امی : (دروازہ کوٹتے اور روتے ہوئے) عاجلہ — دروازہ کھولو — خدا کے لیے ۔ ۔ ۔ ۔ رسولؐ کے لیے دروازہ کھولو ۔ ۔ ۔ ۔

آغا : (اپنا ماتھا دروازے کے ساتھ آہستہ آہستہ مارتا ہے۔ رونے لگتا ہے لیکن آواز نہیں آتی۔ اس کا سارا بدن سسکیوں سے اور دُکھ سے کانپ رہا ہے۔ وہ ایک ہارا ہوا باپ ہے جس کا وجود دکھ سے کمزور پڑتا جا رہا ہے) اور یہ راستہ بھی نہیں ہے عاجلہ — اولاد کے فتنے اور اس کی آزمائش سے بچ نکلنے کا یہ راستہ بھی تو نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ یہ راستہ بھی تو نہیں ۔ ۔ ۔ ۔
(اس کا سسکیاں لیتا ہوا بدن اور کانپنے لگتا ہے۔)

———— ※ ————

مسئلہ اور مسائل

کردار:

عمران : متوسط طبقے کا ذہین نوجوان

نادرہ : امیر گھرانے کی لڑکی

عصمت : نادرہ کی ہم خیال ہم جماعت

سیما : خیالی غموں کی پروردہ

وحید : آزادی کا پرچارک

پرویز : نوجوان دوست

شاہد : ایک اور ہم خیال

رمضان : ملازم

ماں : عمران کی اندھی اور بہری ماں

اور دوسرے



سین ا
ان ڈور
شام

(جب ٹیلپ کی تحریر معدوم ہوتی ہے تو ہم سیما کو ایک خوبصورت ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے دکھاتے ہیں۔ وہ ابھی اپنے میک اپ سے فارغ ہوئی ہے اور چہرے کو غور سے آئینہ میں دیکھتی ہے۔ پھر بڑی نفاست سے جالی کے دستانے اپنے ہاتھوں پر چڑھاتی ہے اور پرس سے ڈائمنڈ کی انگوٹھی نکال کر دستانے کے اُوپر پہنتی ہے پھر دراز میں سے ایک ہار نکال کر گلے میں ڈالتی ہے اور ایک دوسرا بیش قیمت ہار دراز میں سے نکال کر اپنے پرس میں رکھتی ہے۔ پھر اپنا جائزہ لیتی ہے اس کے بعد ایک چھوٹا سا پستول دراز میں سے نکال کر اپنے پرس میں ڈالتی ہے اور چابی گھماتی ہوئی باہر پورچ کی طرف چلتی ہے۔ کار میں بیٹھتی ہے۔

کار گیٹ سے باہر نکلتی ہے اور لاہور کی خوبصورت اور پُر رونق سڑکوں پر سے گزرتی ہے۔

ایک جگہ اس کی کار کو "غور سے دکھانے" کے بعد کیمرہ کی توجہ ایک سائیکل سوار نوجوان عمران پر مرکوز ہوتی ہے۔ وہ سائیکل کی خرابی کی وجہ سے اناڑی پن سے سائیکل چلا رہا ہے۔ سپاہی سیٹی بجا کر اسے روکتا ہے اور پٹڑی کے پاس لے آتا ہے، جیسے اب اس کا چالان کرے گا۔

سیما کی کار جیل روڈ پر جا رہی ہے۔ شیر پاؤ برج کے نیچے ایک طرف، دو نوجوان کار میں بیٹھے ہیں۔ ایک، ایک وہیل پر ہے دوسرا پچھلی سیٹ پر ہے دونوں نے نقاب پہن رکھے ہیں۔

جونہی سیما کی گاڑی ان کے قریب سے گزرتی ہے، وہ اس کا تعاقب کرتے ہیں۔

پھر دونوں گاڑیاں تعاقب کے انداز میں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتی ہیں۔

(اگر پروڈیوسر لائق ہے اور فن کار ہے تو اس تعاقب کو لمبا بھی کر سکتا ہے۔ خود بھی مزے لوٹ سکتا ہے اور ناظرین کو بھی دعوتِ نظارہ دے سکتا ہے۔)

سیما کی گاڑی ایک بڑی سی پرانی وضع کی خوبصورت کوٹھی میں داخل ہوتی ہے، جہاں پہلے سے چند گاڑیاں کھڑی ہیں۔

دونوں نقاب پوش کوٹھی سے باہر اپنی گاڑی روک لیتے ہیں اور تیزی کے ساتھ کار میں سے نکلتے ہیں اور بجلی کی تیزی سے گیٹ کے اندر داخل ہو کر باڑ کے پیچھے سیما کا تعاقب کرتے ہیں جو اب پورچ کے اندر بڑے دروازے میں داخل ہو کر ہال میں پہنچ چکی ہے۔

ہال کے اندر خوبصورت صوفے ہیں۔ ایرانی قالین ہیں۔ سیاہ آبنوس کے میز ہیں۔ الماریوں میں کتابیں ہیں۔ ایک کونے میں میز پر پروفیشنل قسم کا بڑا ٹیپ ریکارڈر پڑا ہے جس پر 3½ کی سپیڈ سے سپول گھوم رہا ہے اور کمرے میں ہلکی ہلکی ولائتی موسیقی بج رہی ہے۔

ایک میز پر پھلوں کا انبار ہے۔ ساتھ ہی کافی سیٹ سے مزین ایک ٹرالی کھڑی ہے۔

صوفوں پر عصمت اور مسعود بیٹھے ہیں۔ ان کے قدموں میں نادرہ 24 x 24 انچ کی چار انچ اونچی گدیاں جس پر پھولدار ویلویٹ چڑھی ہے اپنے زانوؤں تلے لیے ایک کنارہ "التحیات" والے انداز میں بیٹھی ہے۔

شاہد چوکڑی مار کر اس کے ایک طرف بیٹھا ہے۔

جب سیما اندر داخل ہوتی ہے تو سب یکزبان ہو کر "ہائے" پکارتے

ہیں۔ بیما اسی طرح اٹھلاتی، مُسکراتی، پرس جھلاتی ان کی طرف بڑھتی ہے اور صوفے پر بیٹھنے سے پہلے اپنا دستانے والا ہاتھ مصافحے کی غرض سے پرویز کی طرف بڑھاتی ہے۔ اچانک دروازے کی جانب سے خوفناک آواز آتی ہے۔)

دونوں ڈاکو : ہولڈ آن (دونوں نے پستول تانے ہوئے ہیں)

(سب مڑ کر پیچھے دیکھتے ہیں اور ششدر رہ جاتے ہیں۔)

ایک ڈاکو : (آگے بڑھتے ہوئے) As you are

(عصمت کراٹے کی ایک چنگھاڑ مار کر اپنی جگہ سے اُچھلتی ہے اور آگے بڑھ کر ڈاکو کے پیٹ میں لک مارتی ہے۔ وہ گرتا ہے۔ ساتھ دوسرے کے ایک کراٹے کا ہاتھ مارتی ہے وہ بھی گرتا ہے۔ ایک کے پیٹ پر پیر رکھ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ دوسرے کی طرف زمین سے اُٹھایا ہوا پستول تان کر جھکتی ہے۔)

وحید : (زمین پر گرا ہوا ڈاکو جس کے پیٹ پر پیر نہیں ہے) یہ فاؤل ہے آئی ایم سوری۔

عصمت : فاؤل ! ابھی تو میں اس ظلم کے بدلے لُوں گی گن گن کر، جو تم نے صدیوں سے ہم عورتوں پر روا رکھا ہے۔

(کراٹے کی چنگھاڑ مارتی ہے۔)

پرویز : جوتا اُتار کر پاؤں رکھو عصمت۔

عصمت : یہ اسی جُوتے کی کونٹی نیوئیشن ہے جو تم مردوں نے ازل سے عورت کے وجود پر چپکا کر رکھا ہے۔ یہ وہی ذلت ہے جسے تم لوگوں نے نسوانی فطرت کا نام دے کر ہمیں رَن ڈاؤن کیا ہے۔ نہیں اُٹھاؤں گی۔

نادرہ : ان کو چھوڑ دو عصمت۔ معاف کر دو۔ انسانیت کے نام پر ——— humanitarianism کے حوالے سے۔

(عصمت غصہ سے پاؤں اُٹھا کر زمین پر مارتی ہے۔ دونوں ڈاکو اُٹھتے ہیں اور ایک

ساتھ نقاب اُتار کر محفل کی طرف گاتے ہوئے بڑھتے ہیں "ہیپی برتھ ڈے ٹو یُو..."
سب مل کر گانے لگتے ہیں اور تالیاں بجانے لگتے ہیں۔)

نادرہ : (گانے کے دوران چیخ کر) پلیز۔ پلیز۔ ایوری باڈی۔
(میز کی طرف اشارہ کرکے)
پہلے کھانا۔ پھر گانا

مسعود : بعد میں بجانا

(سب نوجوان ہنستے، بولتے مل کھاتے لدی پھندی میز پر چلے جاتے ہیں اور آپس میں دھیمی باتیں اور سرگوشیاں کرتے ہیں۔ جب سب لوگ کھا رہے ہوتے ہیں تو شاہد یا کوئی اور لڑکا (جو سُر میں ہو) کسی لڑکی کے ہاتھ میں آدھ چھلے کیلے کی طرف اشارہ کرکے یا اس کی کلائی پکڑ کر گانے لگتا ہے۔)

لڑکا : اکیلے نہ کھانا . . .
(کیلے کی طرف مزید اشارہ کرکے)
کہ اس کے بنا ہم، بھلا کیا جئیں گے ۔ اکیلے نہ کھانا ہمیں چھوڑ کر تم۔ اکیلے نہ کھانا
کہ اس کے بنا ہم، بھلا کیا جئیں گے۔

(دوسرے سب ہلکی ہلکی "آہ واہ" کے ساتھ اس گانے میں آنس دیئے جاتے ہیں۔
اتنے میں وردی والا ملازم دُبلا پتلا بوڑھا لمبا، دروازے پر آتا ہے اور اپنی عینک
اُتار کر صاف کرتا ہے اور سب کو دیکھتا ہے۔)

نادرہ : جی رمضان بابا!

بابا : آپ کا فون ہے جی۔

نادرہ : پلیز ایکسکیوز می

(کہہ کر فیلڈ سے باہر نکلتی ہے۔ کیمرہ اس کا ساتھ دیتا ہے۔ گیلری میں جا کر فون

سننے لگتی ہے۔)

نادرہ : جی جی۔ تھینک یُو ویری مچ انکل۔ ہاں جی۔ ہاں جی۔ نہیں انکل ایسا تو کچھ خاص نہیں ہے۔ کچھ کلاس فیلوز ہیں کچھ دوست ہیں۔ جی نہیں رشتہ دار کوئی نہیں۔ جی جی۔ ان کو ممی کل بُلا رہی ہیں انکل۔ سارے رشتہ داروں کو جی جی۔ نو نو۔ نو پلیز انکل۔ بالکل نہیں۔ میں پھر ناراض ہو جاؤں گی۔ تھینک یُو فار یوئر تھاٹ فُل نیس انکل ـــ تھینک یو۔ ویری مچ اِن ڈیڈ۔

(اس کے بعد تھوڑی دیر تک سر ہلاتی ہے جیسے ہاں جی ہاں جی کہہ رہی ہو۔ اس کے بعد فون کریڈل پر رکھ کر اسی راستے واپس لوٹتی ہے۔ آکر دیکھتی ہے کہ سین بدلا ہوا ہے اور سب لوگ پھل کا میز چھوڑ کر سامنے لگے ہوئے بورڈ پر ڈارٹ کے نشانے لگا رہے ہیں۔ اس وقت ڈارٹ شاہد کے ہاتھ میں ہے اور وہ نشانے کی سیدھ لے رہا ہے۔)

مسعود : کامریڈ ہاتھ سیدھا بالکل اِن لائین۔ اگر دل سیدھا نہ ہو تو کم از کم ہاتھ تو سیدھا رہنا چاہیئے۔

سیما : یہ کیا۔ کہ دل سیدھا نہ ہو تو ہاتھ تو سیدھا ہونا چاہیئے ـــــ بِسلی کونٹراڈکشن۔

شاہد : (رک کر اور پلٹ کر) ـــــــــــــــ "Contradiction" says Hagel "is the very moving principle of the world."

(پھر نشانہ باندھتا ہے اور سب اس کو غور سے دیکھتے ہیں۔ اچانک ایک ڈارٹ کھٹ سے آکر بورڈ کے عین وسط میں لگتا ہے۔ سب زور سے تالی بجاتے ہیں۔ حیران ہو کر دیکھتے ہیں۔ عمران کھڑا مُسکرا رہا ہے جس نے یہ ڈارٹ نشانہ پر مارا تھا۔)

سریلا لڑکا: (گاکر) تو یہ عمران ہے پیارے

سب مل کر: ہماری جان ہے پیارے

ہماری جان، ہماری شان، ہماری آن ہے پیارے

تو یہ عمران ہے پیارے

ہماری جان ہے پیارے

بڑا چوکھا، بڑا تگڑا، بڑا بلوان ہے پیارے...

(عمران شرمندہ سا کھڑا اپنا تحفہ بار بار نادرہ کی طرف بڑھاتا ہے مگر وہ سب کورس گانے میں محو ہیں۔

رمضان بابا پھر نمودار ہوتا ہے۔ عینک صاف کرتا ہے اور دیکھتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا نادرہ بی بی کے پاس پہنچ کر کہتا ہے۔)

رمضان: آپ کا فون ہے جی۔

(رمضان کی آواز اس ہلڑ میں بالکل سنائی نہیں دیتی۔ نادرہ اس کورس میں اسی طرح گاتی گاتی عمران کے ہاتھ سے اس کا تحفہ لے کر رمضان بابا کے ساتھ فون پر چلی جاتی ہے۔ اندر کے گانے کی آواز بے حد مدھم ہو جاتی ہے۔)

نادرہ: (فون پر) نادرہ سپیکنگ — (اچانک چونک کر) ووئی مدام.... ووئی.... کماں تالے وو.... مرسی بئیں.... مرسی بوکو مدام.... ووی — ووی.... ووی مدام.... ووئی.... (ہنس کر) پاہ زنکور — پاہ زنکور مدام.... مرثی بکو مدام.... مرثی.... مرثی.... ادرغ واغ مدام.... ارغ وراغ....

(ٹیلی فون بند کر کے واپس کمرے میں آتی ہے تو سب لوگ کھیل بند کر کے بحث میں الجھے ہوئے ہیں۔)

پرویز: (دکھ اور غصے کے ساتھ) او نہیں بھائی نہیں — سوہنیوں! جب تک ہم

ٹیکنیکل ترقی نہیں کریں گے، کچھ بھی نہیں ہوگا۔

مسعود : اور جن قوموں نے ٹیکنیکل ترقی کرلی ہے انھوں نے کیا عطا کردیا ہے انسانیت کو!

شاہد : انسانیت کے بارے میں سوچنا تمہارا کام نہیں مسعود۔ یہ تم سے اونچے درجے کی چیز ہے۔

عصمت : تم ابھی تک petty prejudice میں گھرے ہوئے ہو۔

وحید : This is a mad, mad, mad world!

مسعود : اور تم ایک بہت ہی چھوٹے درجے کے madcap ہو—اس لیے تم نہیں سمجھ سکو گے اس کی باریکیوں کو۔

نادرہ : تم اپنی نیکی وغیرہ کا پرچار کرتے رہا کرو مسعود!

عصمت : محدود قسم کی! لوکل نیکی — جیسے محلے کے بڑے بزرگ لڑکی کی شادی پر ہاتھ بٹانے آجاتے ہیں سلی فولز۔

پرویز : نہیں بھئی سلی فولز سے تو قدرے بہتر ہے۔ کیوں مسعود! صرف سلی فول ابھی تک نہیں بنے۔

(سب قہقہہ مار کر ہنستے ہیں۔ بابا رمضان اندر آکر عصمت بی بی سے کہتا ہے۔)

رمضان : آپ کا فون ہے بی بی جی!

عصمت : میرا!

نادرہ : میرا ہوگا — آؤ رمضان بابا (جاتے ہوئے) آجاؤ میرے پیچھے پیچھے — پھر تمہیں دکھائی نہیں دے گا کچھ۔

(رمضان بابا شرمندہ سا اس کو فالو کرتا ہے۔ نادرہ فون پر پہنچ کر بات کرتی ہے۔)

نادرہ : جی! نادرہ سپیکنگ (ایک دم) ہائے نہیں پھپھو! — شکریہ جی بہت بہت — جی پھپھی میں آنا سی خود — حاضر ہونا سی جی تہاڈی خدمت وچ — ہاں جی ہاں جی نہیں جی وقت تے سی — ہاں جی شکریہ بہت بہت —

ہاں جی ـــ نہیں جی ـــ کش خاص اہتمام تے نہیں کیتا ـــ میرے کلاس فیلوز
ای نیں صرف ـــ ہاں جی امی تہانوں بلان گے ـــ سب بزرگاں نوں .....
بڑی مہربانی پھپھو ـــ ہاں جی ـــ میں خود حاضر ہوواں گی جی کسی دن ـــ جی
بہت اچھا ـــ شکریہ، خدا حافظ۔

(جب وہ واپس لوٹتی ہے تو اس ہال میں کچھ بھی نہیں جہاں تھوڑی دیر پہلے اس قدر ہنگامہ تھا۔ کچھ پلیٹیں اور ایش ٹرے قالین پر پڑے ہیں ـــ کچھ اخبار صوفوں پر ہیں۔ کچھ خالی ڈبیاں سگرٹ کی ادھر اُدھر پڑی ہیں۔ نادرہ آہستہ آہستہ چلتی چلتی باہر پورچ میں آتی ہے۔)

ـــــــــــــ کٹ

سین ۲
آؤٹ ڈور
رات کا وقت

(اس وقت عمران اور عصمت پورچ میں بیٹھے ہیں۔ سامنے کار کھڑی ہے سیڑھیوں پر گملے سجے ہیں۔ وہ دونوں سیڑھیوں پر کشن رکھ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ سین کھلنے پر عصمت رو رہی ہے۔ عمران کو سمجھ نہیں آرہی کہ وہ عصمت کو کیسے سمجھائے اور کیونکر تسلی دے۔ وہ اپنا رومال پیش کرتا ہے لیکن عصمت نو تھینک یو کہہ کر سیڑھیاں اُترتی ہے، کار کا دروازہ کھولتی ہے اور ٹیشو پیپر کا ڈبہ نکال کر اپنے ساتھ لاتی ہے اور پھر آزادی سے ٹیشو پر ٹیشو نکال کر غصے اور جذبے کے ساتھ آنسو

پُوچھتی ہے۔)

عصمت : مرد کو اپنے لیے ڈیموکریسی چاہیے ...... سوشلزم چاہیے۔ اسے ہیومن رائیٹ چاہئیں۔ لیکن وہ ـــــــ وہ عورت کو slave بنا کر رکھنا چاہتا ہے۔ عورت کیا کرے عمران۔ کیا کرے! بچے پالے، سب کی خدمت کرے، جُوتیاں کھائے اور مر جائے۔ that's all!

عمران : تمہیں ان باتوں کی طرف توجہ نہیں دینی چاہیے عصمت!

عصمت : میں سوچنے والا دماغ رکھتی ہوں۔ محسوس کرنے والا دل ہے میرا ـــــ مجھے سارا وقت تمہاری طرح صرف یہی فکر تو نہیں کہ اس سمسٹر میں میرا اے آتا ہے کہ بی۔ اصلی مسئلہ تو عورت کا ہے۔

عمران : واقعی گریڈوں سے کیا فرق پڑتا ہے۔

عصمت : دُنیا کی آدھی آبادی عورت ہے۔ اور کیا ملتا ہے اسے اس دُنیا سے ــــ دولت کس کے پاس ہے؟ مرد کے پاس .... سٹیٹس کس کے پاس ہے؟ مرد کے پاس پوزیشن، رسپیکٹ، انڈی ویجوئیلیٹی، انٹیگرٹی ... سب مرد کے پاس ہے۔ عورت کے پاس کیا؟ طلاق .... سوکن .... بے دخلی؟

عمران : (محبت کے ساتھ) میرا خیال تھا کہ مرد ایک اور قسم کی کُٹھالی میں پگھل رہا ہے لیکن اب میں نے اپنا نظریہ بدل لیا ہے۔ تم ٹھیک کہتی ہو عصمت۔

عصمت : مرد نے ڈبل ویلیوز کا جال پھیلا رکھا ہے۔ اس نے جتنی میں جتنی آزادی اپنے آپ کو دے رکھی ہے، وہ عورت کو آدھی آزادی بھی دینا نہیں چاہتا .... عورت کو جب بھی ایکوئیلیٹی حاصل کرنا پڑی ہے، مرد بن کر حاصل کرنا پڑی ہے ہمیں مردوں کے ساتھ کمپیٹ کر کے ہی کچھ ملتا ہے۔ وہ بھی اگر مرد ہمیں اپنی مونوپلی میں گھسنے دیں۔

عمران : تمہارے لیے کافی لاؤں عصمت ؟

عصمت : مجھے کچھ نہیں چاہیے عمران ! میں اس قدر دُکھی ہوں، اس قدر frustrated ہوں، اس قدر low spirits میں میری .... میں .... میں بتا نہیں سکتی۔

عمران : میں سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں ـــ کیا تمہارے ڈیڈی سخت ہیں؟

عصمت : نہیں ! وہ تو کبھی پوچھتے بھی نہیں کہ میں کہاں جاتی ہوں، کیا کرتی ہوں۔ چابی میرے ہی پاس ہوتی ہے کار کی۔

عمران : بھائیوں کے خلاف ردِ عمل ؟

عصمت : نہیں تو ! میرے دونوں بڑے بھائی بڑے ویل پلیسڈ ہیں اور مجھے بڑا سپوائل کرتے ہیں۔ یہ جینز میرے لیے کُلّی بھائی لائے تھے۔

عمران : میں نے سنا تھا کہ .... تمہارا نکاح ہوا ہے۔ کچھ .... وہاں گڑبڑ ہے ؟

عصمت : بالکل نہیں عمران ـــ میرا میاں تو بڑا سویٹ ہے۔ پہلے مجھے فورس کرتا رہا کہ میں اس کے ساتھ سویڈن چلوں۔ میں نے کہا اب آخری سمسٹر کر لینے دو تو وہ فوراً مان گیا۔ وہ کبھی اپنی رائے کو مجھ پر امپوز نہیں کرتا۔

عمران : پھر .... پھر یہ سارا دُکھ یہ آنسو ؟

عصمت : تم نہیں نا سمجھ رہے ہیں اتنی shallow نہیں ہوں کہ صرف اپنی خاطر روؤں ـــ میں آدھی ہیومینٹی کے لیے رو رہی ہوں عمران ـــ میں ان عورتوں کے لیے محسوس کرتی ہوں جو میل شاونزم کے ہاتھوں مر رہی ہیں۔ ڈونٹ یُو انڈرسٹینڈ ! .... میرا خیال ہے اس سمسٹر کو ختم کرنے کے بعد میں امریکہ چلی جاؤں گی۔ ڈیڈی نے پرومس کیا ہے۔

عمران : سویڈن نہیں جاؤ گی ـــ اپنے میاں کے پاس ؟

عصمت : اس کے پاس بھی جاؤں گی لیکن پہلے امریکہ جا کر وہاں کی وومنز لبریشن کا

جائزہ لوں گی۔ ایسی عورتوں سے ملوں گی جو اس تحریک میں جاندار حصّہ لے رہی ہیں
ہم مشرق کی عورتیں بہت docile ہیں۔ ہمیں مرد کے خلاف aggressive
ہونا پڑے گا—— I can't eat-I can't rest —— تمہیں کیا پتہ
عمران میں ہیومینٹی کے لیول پر سوچتی ہوں۔ میرا دُکھ بہت وسیع ہے۔ میرے
دُکھ میں Selfishness نہیں ہے۔ مَیں——

(آواز بھرا جاتی ہے اور چپ ہو جاتی ہے۔)

عمران : چلو ہم دونوں مل کر—— ہم تم دونوں —— گاؤں کی مظلوم عورت کی مدد کریں ——
محلے کی مجبور اور غریب بی بی کو سہارا دیں۔ مزدوری کرنے والی اوڈنیوں کے لیے
کچھ وقت نکالیں۔

عصمت : ڈونٹ بی سلی —— ان کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں زیادہ سے زیادہ چار سلائی کے
سکول کھول دیں گے —— چھ وظیفے مقرر کر دیں گے .... ہمیں انٹرنیشنل لیول
پر فورم کی ضرورت ہے ہمیں اس بات کی آرزو ہے کہ یونیسکو ہماری طرف
متوجہ ہو۔ امریکہ کی لبریشن موومنٹ کے ساتھ لنک ہوں۔ ہم
لوگ .....

عمران : (شرمندہ ہو کر) واقعی اتنے بڑے مسئلے کو تو ہم دونوں سُلجھا نہیں سکتے۔

عصمت : ہم صرف رو سکتے ہیں۔ صرف دُکھی رہ سکتے ہیں ——————

I can kill myself.

(اس وقت نادرہ اندر سے آتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے ہے۔)

نادرہ : Anyone for cold drinks?

عصمت : نو تھینک یو

(عمران اُٹھ کر ٹرے پکڑتا ہے۔)

نادرہ : یہ باقی سب کہاں گئے فارٹی thieves ؟

عصمت : سب مُون لائیٹ دیکھنے گئے ہیں تمہاری لان میں۔

نادرہ : آؤ ہم بھی چلیں عمران۔

عمران : مجھے ذرا زکام کی آمد آمد ہے۔ میں یہیں ٹھیک ہوں۔ تھینک یُو۔

نادرہ : ڈرنکس لے چلیں عصمت ؟

عصمت : پڑے رہنے دو۔ جس کو ضرورت ہوگی، خود آ کر لے جائے گا۔

نادرہ : Enjoying yourself Imran?

عمران : Perfectly!

(عمران کو کیمرہ سیڑھیوں پر چھوڑتا ہے۔ عصمت اور نادرہ برآمدے کے ساتھ ساتھ چلتی جاتی ہیں اور باتیں کرتی ہیں۔)

نادرہ : سویڈن سے خط آیا ماجد کا ؟

عصمت : اتنے خط لکھتا ہے اتنے خط لکھتا ہے کہ خطوں کا سارا چارم ہی ختم ہوگیا۔

نادرہ : کب جا رہی ہو سویڈن ؟

عصمت : ذرا جی نہیں کرتا۔

نادرہ : کیوں؟

عصمت : ماجد کے ساتھ رہنے میں ذرا struggle نہیں۔ وہ ہر خواہش پوری کر دیتا ہے، ہر بات مان لیتا ہے۔ میں جب بھی اس کے ساتھ ہوتی ہوں مجھے self-pity کا چانس ہی نہیں ملتا۔ میں aggressive نہیں ہو سکتی۔ اپنے آپ کو assert نہیں کر سکتی۔

نادرہ : یہ تو بڑی بات ہے۔

عصمت : آخر — میں feminine بھی تو محسوس کرنا چاہتی ہوں — میرا جی چاہتا

ہے — کہ میں بھی struggle کروں — میں بھی کچھ active حصّہ
لوں — اس کا بی ہیوئیر ہی کچھ ایسا اُلو کے پٹھوں جیسا ہے — کہ مجھے
differ کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا —

(فاصلے سے آواز آتی ہے۔)

"نادرہ"

(پھر چار پانچ آوازیں:)

"نادرہ ..... نادرہ"

—————— کٹ

سین ۳۴
ان ڈور
رات کا وقت

(پورچ — کچھ دیر بعد۔ اس وقت شاہد کار کی بونٹ پر بیٹھا پائپ پی رہا ہے۔
اس سے کچھ دُور سیڑھیوں پر عمران بیٹھا ہے۔ شاہد کے پاس پائپ کے علاوہ
کوکا کولا کا گلاس ہے۔)

شاہد : social democracy, ———— anarchistic communism
Lenenist Marxacism ——— تمام ایک classless سوسائٹی
کے لیے جدوجہد ہے اس بھٹی میں کوئی ایک آدمی جلا ہے ————
Saint Simone, Fourier, Owen سے شروع ہو جاؤ۔ فرانس اور

انگلستان میں ۱۸۲۵ء سے watch کرو۔۔۔ کیا کیا نہیں کیا گریٹ لوگوں نے۔ مارکس، لینن، سٹالن تو بہت بعد کے لوگ ہیں۔ بہت پہلے بہت بہت پہلے موومنٹس جاری رہی ہیں۔

عمران : میرا خیال ہے اسلام بھی بہت حد تک یہی چاہتا ہے کہ سوسائٹی کی بنیاد کمپی ٹیشن پر نہ ہو بلکہ کوآپریشن پر ہو۔

شاہد : او بھائی عمران صاحب اسی مذہب کے گڑھے میں گرتے ہیں سب۔ مارکس نے پہلے ہی سب کو aware کر دیا تھا کہ بے شک یوٹوپیئن سوشلزم انسانوں کو زیادہ attract کرے گا کیونکہ وہ moral principles پر بنیاد رکھتا ہے لیکن سائنٹیفک سوشلزم ہی واحد علاج ہے class struggle کا ـــــــــ پرولتاری کی بقا صرف سائنٹیفک سوشلزم ہے۔

عمران : شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔

شاہد : مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ میں زندگی میں ویل ایڈجسٹڈ ہوں۔ میرے باپ کی تین فیکٹریاں ہیں۔ لیکن ـــ

(سینے پر ہاتھ مار کر)

لیکن ـــ میرا دل دکھی ہے ـــ میں چاہتا ہوں کہ تمام وہ natural resources جو ہمارا ملک پیدا کرتا ہے، وہ ملک کی آبادی پر تقسیم ہوں! لباس میں، سٹیٹس میں، مواقع کی فراہمی میں یونیفارمٹی ہو ـــــــ

For each according to his abilities, to each according to his needs.

عمران : (خوفزدہ ہو کر) ایکن ـــ لیکن شاہد ہم لوگ تو غریب ہیں اور جاہل بھی... ہم تو اسقدر جاہل ہیں کہ ہمیں یہ بھی علم نہیں کہ ہم پر ظلم ہو رہا ہے۔ ہم.... ہم

تو تمام تکلیفوں کو منجانب اللہ سمجھتے ہیں۔

شاہد : بدل جائے گا سب کچھ بدل جائے گا۔ انسان کی ہسٹری طاقت کے حصول کی داستان ہے اب dictatorship of the proletariat کا وقت آگیا ہے — انڈسٹریل revolution اور rise of technology نے تھرڈ ورلڈ کی آنکھیں کھول دیں ہیں ہمیں نظام تبدیل کرنے کے سوا اب اور کوئی چارہ نہیں۔

عمران : لیکن یہ سب کچھ کیسے ہو سکتا ہے ؟

شاہد : Bloodshed — گاٹے اڑا کے قتل کر کے — ظلم کا صفایا ہوگا — اکنامک evolution یہی ہے —

عمران : کیا کوئی اور نیا راستہ نہیں — کوئی امن کا — صلح و آشتی کا ؟

شاہد : تم بالکل میرے اباجی کی طرح ہو — ڈرپوک — بزدل ! جان بچانے والے — پچھلے دنوں ان پر جنون سوار تھا کہ وہ اپنی فیکٹری مزدوروں کے نام کرا دیں گے۔ کہتے کیا ہیں — دی سٹوپڈ اولڈ مین کہتے ہیں یار ایک تو میں اپنا سارا مال کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھوں گا اور ایک — ایک فیکٹری وقف کر دوں گا۔

عمران : (سوچتے ہوئے) کرنٹ اکاؤنٹ میں کیوں ؟

شاہد : بیچارے ڈیڈی کو فکر لگا ہوا ہے کہ سود حرام ہے۔ اب وہ آخری عمر میں پہنچ کر سود نہیں لینا چاہتے۔ اس طرح پاکٹس بدلنے سے کچھ حاصل نہیں ہوا، نہ ہوگا — (سر کو اشارہ کر کے) فیکٹریاں مزدوروں کے نام لکھوانے سے کبھی کچھ ہوا ہے۔

عمران : پھر ؟ — پھر اور کونسا راستہ ہے شاہد —

شاہد : میں ساری ساری رات سوچتا رہتا ہوں، روتا رہتا ہوں۔ اپنے لئے، اپنے ہم وطنوں کے لیے چھوٹی چھوٹی نیکی سے تو قوم کا اور بیڑا غرق ہو جاتا ہے ہم begger

بنا رہے ہیں ہر لیول پر ..... یہ تو class struggle ہوگی — اور صفایا ہوگا ایک بار۔

عمران : لیکن کیسے — کیسے شاہد ؟

شاہد : ایک موومنٹ ہوتی ہے عمران — ایک تھیوری ہوتی ہے — تحریک اوپر چلتی ہے مدوجزر کی طرح اور تھیوری اندر چلتی ہے انڈر کرنٹ جیسی — میں تھیوری کا سپاہی ہوں — میں لوگوں کی آنکھوں سے پٹی کھولنا چاہتا ہوں۔ انہیں سمجھانا چاہتا ہوں، پمفلٹ چھپوانا چاہتا ہوں، سوشلسٹ لٹریچر مفت بانٹنا چاہتا ہوں لیکن میرا کنجوس دقیانوسی باپ مجھے پیسے نہیں دیتا۔ فیکٹری مزدوروں کے نام کرنا چاہتا ہے لیکن بیٹے کو ایک just cause کے لیے کچھ نہیں دیتا۔ تمہیں کیا پتہ میں کتنا ناخوش ہوں یہاں — میرے سینے میں کیسی آگ لگی ہے — سگریٹ ہے تمہارے پاس — ؟

عمران : اندر بہت پڑے تھے، ابھی لایا —

(اندر جانے لگتا ہے۔)

شاہد : یہ سب کیا ہے ؟ کیوں ہے ؟ غریب اس قدر پس ماندہ بے حال کیوں ہے ؟ میں گھر گھر جاؤں گا .... پمفلٹ بانٹوں گا — کتابیں لکھوں گا۔ تم دیکھو گے عمران اس سمسٹر کے بعد کس طرح انڈر کرنٹ بن کر کام کروں گا۔

(عمران اندر جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم اندر جاتے ہیں۔ اندر سے مغربی موسیقی کی آواز آرہی ہے۔)

کٹ ——————

سین ۴
ان ڈور
رات کا وقت

(اس وقت سیما ڈرائینگ روم میں اکیلی بیٹھی ہے۔ٹیپ پر مغربی موسیقی لگی ہے
اور وہ زار زار رو رہی ہے۔پھر وہ قریب پڑا ہوا کُشن اٹھاتی ہے۔اسے ادھیڑتی
ہے۔وہ نہیں کھلتا۔اسے دانتوں سے کھولتی ہے اور اس کی رُوئی نکال کر ہاتھوں
سے پھوئی پھوئی کرکے پھینکنے لگتی ہے ـــــــ اپنی شکل اور جیسچرز سے وہ
اس وقت مکمل طور پر ایک maniac لگ رہی ہے۔عمران اندر آتا ہے۔اسے دیکھتا
ہے۔حیران ہوتا ہے۔توقف کرتا ہے۔پھر آگے بڑھتا ہے اور سیما کے پاس محبت سے
بیٹھ کر اس کے ہاتھوں سے کُشن چھینتا ہے۔)

عمران : یہ کیا ہو رہا ہے ؟
سیما : چلے جاؤ یہاں سے ـــ چلے جاؤ ورنہ آئی وِل بائیٹ یُو ـــ جاؤ عمران۔
(عمران موسیقی بند کر دیتا ہے۔)
عمران : لیکن ہوا کیا ہے۔کسی نے کچھ کہا ہے ؟
سیما : تم سے کس نے کہا تھا کہ میوزک بند کردو ـــ آجاتے ہیں وہاں سے میوزک بند
کرنے ـــ اور کیا خوبصورت ہے اس دنیا میں سوائے میوزک کے ـــــ ؟
پینڈو لوگ ـــ
عمران : (پاس بیٹھ کر) تم مجھے جو مرضی ہے کہو ـــ لیکن ـــ یہ تم اپنے نیلز کیوں
بائیٹ کر رہی ہو ؟
سیما : دیکھو عمران تم ہمارے ان گروپ کے آدمی نہیں ہو۔ہم تمہیں tolerate

کر سکتے ہیں۔ لیکن ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ تم ایک ایوننگ میں ہم سے clubby ہونے کی کوشش کرو ـــ

عمران : آئی ایم سوری سیما ـــ میں اگر آپ لوگوں کو تکلیف دے رہا ہوں تو میں چلا جاتا ہوں ـــ دراصل میں یہ اُمید لے کر آیا تھا کہ آپ سب آسودہ لوگ ہیں آپ بہت خوش ہوں گے۔ آپ کے پاس بانٹنے کے لیے بہت سی خوشیاں ہوں گی۔

سیما : ہم ـــ ہم ؟ ہم سب اور خوشیاں ـــ ایڈیئٹ آدمی ہمارے گروپ کو basic طور پر جوڑنے والی صرف ایک چیز ہے غم، ڈیپ غم .... pathos۔ ہم سب ایک دوسرے کے اس لیے قریب آئے ہیں کہ ہم سب ہیومینٹی کی ـــ بنیادی suffering میں یقین رکھتے ہیں ـــ ہم سب بہت دکھی ہیں۔ بہت دکھی ہیں۔ لیکن تم آؤٹ سائیڈر ہو۔ تمہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ تم peeping tom بن کر ہمیں روتا ہوا دیکھو ـــ یہ سچویشن ہمارے لیے بہت ہی embarrassing ہے ـــ کہ ہم سٹرینجرز کے سامنے روئیں۔

عمران : آئی ایم سوری پھر میں چلا جاتا ہوں۔

سیما : یس پلیز گو

(عمران جانے لگتا ہے۔)

سیما : ادھر آؤ ـــ (عمران واپس آتا ہے) بیٹھو (عمران اس کے پاس بیٹھنے لگتا ہے) وہاں بیٹھو (عمران اس کے سامنے بیٹھتا ہے) تم سمجھ رہے ہو کہ مجھے اپنے گروپ کے کسی لڑکے سے محبت ہے اور وہ کسی اور لڑکی کو لفٹ کرا رہا ہے اور میں اس لیے رو رہی ہوں ؟

عمران : میں نے تو یہ نہیں سوچا ـــ

سیما : یہی سوچا ہوگا — تم لوئر مڈل کلاس اُردو میڈیم کے لوگوں کو بس یہی سوجھتا ہے میں اس لیے نہیں رو رہی عمران میاں کہ میں lovesick ہوں — I hate those people who weep because of love

عمران : اب میں جاؤں —

سیما : بیٹھے رہو — بڑے خراب manners ہیں تمہارے۔ تمہیں پتہ نہیں میں بات کر رہی ہوں —

عمران : آئی ایم سوری ۔

سیما : میں لونلی ہوں عمران — تمام دنیا کی آسائشوں کے باوجود میں لونلی ہوں۔ معلوم ہے کہ کوئی دولت، کوئی ایڈوینچر، کوئی چینج میری اس لونلی نیس کو ختم نہیں کر سکتا۔ . . یہ لونلی نیس وہ ویکیوم ہے جس میں جا کر سب کچھ ختم ہو جاتا ہے سب کچھ . . . . سب کچھ —

(رونے لگتی ہے۔)

عمران : (اپنی سیٹ سے اُٹھ کر اس کے پاس صوفے پر جا کر بیٹھتا ہے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے۔) سیما —

سیما : I hate sympathy — اُٹھ جاؤ — اُٹھ جاؤ تم سے کس نے کہا کہ میں اس لیے رو رہی ہوں کہ تم مجھ سے sympathize کرو —

(عمران واپس اسی سیٹ پر جا بیٹھتا ہے جہاں سے اُٹھا تھا۔)

آئی ایم سوری عمران میں nasty ہو رہی ہوں تم سے۔

عمران : نہیں نہیں کوئی بات نہیں — میں سمجھتا ہوں۔

سیما : (بھڑک کر) پھر مت یہ کہنا — کوئی نہیں سمجھتا — کوئی نہیں سمجھ سکتا! کوئی کسی دوسرے ہیومن بینگ کو نہیں سمجھ سکتا۔ کون سمجھ سکتا ہے کہ

میں — میں ویسٹرن میوزک کو کس طرح feel کرتی ہوں — کون سمجھ سکتا
ہے کہ نیچر سے میں کیسی محبت کرتی ہوں moonshine, stars, songs
اور یہ تمام چیزیں کس طرح مجھ پر اثر کرتی ہیں اور مجھے کس قدر، آن ہیپی کرتی ہیں
—— عمران —— لیکن ہیومن بینگ تنہا ہے — یہی اس کی سب سے
بڑی ٹریجڈی ہے الاسکا سے ساؤتھ پول تک — ٹوکیو سے نیویارک تک .... ایک
کلچر سے دوسرے کلچر تک — ایک مذہب سے دوسرے مذہب تک — ایک
قسم کی جغرافیائی کنڈیشن سے لے کر دوسری ایکالوجیکل کنڈیشن تک ——
سرحدیں ہی سرحدیں، بیریئرز ہی بیریئرز۔ تم، میں، شاہد، مسعود، عصمت
ہم سب ایک race، ایک species کے لوگ نہیں ہیں۔ ہم سب الگ
الگ species ہیں، الگ الگ continents ہیں اور ایک دوسرے
تک کوئی بوئینگ، کوئی میزائیل نہیں جاتا ——

(سیما بیجان کر کے رونے لگتی ہے۔ عمران پھر اپنی سیٹ سے اُٹھ کر اس کے پاس
جا کر بیٹھتا ہے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے۔)

عمران : سیما — ! میں سمجھتا ہوں۔ یہ ادراک کہ ہم سب تنہا ہیں ہمیں سوشل اینیمل
بناتا ہے، قریب لاتا ہے ایک دوسرے کے۔

سیما : اُٹھ جاؤ — I don't want your understanding! — جاؤ
اور کسی اور چیپ لڑکی کو امپریس کرو — میرے پاس اتنا حوصلہ نہیں ہے
کہ میں ایک لوئر مڈل کلاس اُردو میڈیم لڑکے کی تھرڈ ریٹ فلاسفی کو سنوں
بیٹھ کر — تھینک یو —

عمران : میں جاؤں —
سیما : یس پلیز گو —

(عمران جاتا ہے۔)

سیما : (جاتے ہوئے عمران سے) آئی ایم سوری عمران میں بہت beastly behave کررہی ہوں، I know لیکن میں کیا کروں خدا جانتا ہے آئی ایم سو لونلی ...... لونلی۔

(اُٹھ کر ٹیپ لگاتی ہے اور کشن گود میں رکھ کر اس کی روئی پھوئی کرنے لگتی ہے عمران چند لمحے دروازے میں کھڑا رہتا ہے پھر جاتا ہے۔)

کٹ ————

سین ۵
اِن ڈور
رات

(اس وقت نادرہ اور وحید بیڈ روم میں موجود ہیں نادرہ پلنگ پر نیم دراز ہے۔ وحید — جو شخصی آزادی کا مظہر ہے سٹول پر بیٹھا ہے اس نے پینٹ پہن رکھی ہے لیکن اُوپر قمیض کے بجائے صرف بنیان ہے۔ سگریٹ پی رہا ہے۔)

وحید : انسان کی سب سے بڑی کوالٹی اس کی free will ہے نادرہ — اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ چاہے تو اپنے آپ کو destroy کر لے، چاہے تو وہ اپنے آپ کو بِلڈ کر لے۔ کسی اور کو اسے ڈکٹیٹ کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا نہ ماں باپ، نہ قانون — نہ سوسائٹی۔

نادرہ : بیوقوفوں کی طرح مت سوچو — free will کی بھی limits ہوتی ہیں۔

وحید : یہی میں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ free will سے، فریڈم سے کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہمیشہ limits سے پہنچتا ہے ــــ

نادرہ : بچہ آگ سے کھیلتا ہے تو کھیلے ؟

وحید : ہاں کھیلے ۔

نادرہ : یعنی جلتا ہے تو جل جائے لیکن اسے اپنا lesson خود سیکھنا ہوگا ــــ اگر نقصان ایسا ہو جائے جس کی تلافی نہ ہو سکے تو پھر؟

وحید : ہو گا ضرور ہو گا لیکن رفتہ رفتہ انسان خود اپنی آزادی کو استعمال کرنا سیکھ جائے گا۔

نادرہ : عجیب بیوقوف آدمی ہو ــــ ہر لیوں کی انٹیلی جنس ہے، ہر لیوں کی عقل کو ایک برابر آزادی کیسے مل سکتی ہے ایک عقل مند آدمی کے پاس بندوق شاید ٹھیک رہے لیکن ایک ایڈیٹ کو تم کیسے بندوق دے کر اُمید رکھ سکتے ہو کہ وہ اسے نہیں چلائے گا؟

وحید : Discrimination دیکھا اور وہ بھی انٹیلی جنٹ کلاس کے لیے ــــ لیکن تم یہ نہیں چاہتیں کہ ایک تم سے کم انٹیلی جنٹ لڑکی کو آزادی ملے ــــ تم سمجھتی ہو وہ اسے deserve ہی نہیں کرتی۔ (سینے پر ہاتھ مار کر) وحید کا ایمان ہے ہم سب آزاد پیدا ہوئے ہیں ہم سب ..... اور human race کبھی خوش نہیں رہ سکتی جب تک یہ شخصی آزادی بحال نہ ہو میں اپنی زندگی، اپنی جان bet کر سکتا ہوں، اور کوئی علاج نہیں ہماری unhappiness کا۔

(دروازے پر دستک)

نادرہ : کم ان ــــ کم ان ....

(عمران اندر آتا ہے۔ وحید کو دیکھ کر ٹھٹھکتا ہے۔)

آجاؤ عمران کم آن اِن !

وحید : میں ابھی سب کو لاتا ہوں ڈسکشن ہونا چاہیے ایک (اُٹھ کر جاتا ہے) زوردار enlightening قسم کا۔

عمران : میں چلتا ہوں نادرہ —

نادرہ : کیوں ؟ ابھی تو پارٹی full swing میں ہے۔

عمران : (گھڑی دیکھ کر) ایک بج گیا ہے — ماں انتظار کرتی ہوگی —

نادرہ : کیسے جاؤ گے ؟

عمران : سائیکل پر —

نادرہ : اس سردی میں — کم آن میں چھوڑ کر آتی ہوں تمہیں۔

عمران : بہت دُور ہے نادرہ — اور پھر تمہارے گھر میں پارٹی ہو رہی ہے اور پھر میری سائیکل یہیں رہ جائے گی۔

نادرہ : ہماری پارٹیز چلتی رہتی ہیں۔ کوئی فارملیٹی نہیں ہے۔ ہم سب میں — آؤ سائیکل کل آ کر لے لینا۔

کٹ ————

سین ۶

آوٹ ڈور

رات کا وقت

(کار میں نادرہ اور عمران۔ دو ایک شاٹ — جس میں کار پُرانے سے محلے میں

داخل ہوتی ہے اور ایک خستہ مکان کے سامنے جا کر کھڑی ہوتی ہے۔ عمران اور نادرہ کار سے اُترتے ہیں۔ نادرہ سے عمران اندر آنے کے لیے کہتا ہے دونوں گلی میں اندر جاتے ہیں)

کٹ

سین ۷
ان ڈور
رات

(ایسے متوسط گھرانے کی بیٹھک جس میں بید کی کرسیاں اور کڑھے ہوئے میز پوش لگے ہیں۔ گلدان میں کاغذ کے رنگین پھول اور کرسیوں پر شیشے کی کڑھائی کی گدیاں ہیں۔ عمران اور نادرہ اندر آتے ہیں عمران خفت کے ساتھ کہتا ہے۔)

عمران : پلیز بیٹھو نادرہ ۔ میں ابھی لایا پانی ۔

نادرہ : اونسٹ عمران میں گھر جا کر پی لوں گی — کچھ اتنی زیادہ پیاس بھی نہیں ہے۔

عمران : اب ہم اس قدر بھی have-nots نہیں نادرہ کہ تمہیں ایک گلاس پانی بھی نہ پلا سکیں ....

(اندر جانے والے دروازے کی چٹخنی کھول کر اندر جاتا ہے نادرہ اس کھلے دروازے میں آکر کھڑی ہوتی ہے اور گھر کے اندر دیکھتی ہے۔

یہ ایک کھلا آنگن ہے جس کے ایک کنارے باورچی خانہ ہے۔ اس وقت آنگن میں بوڑھا باپ ایک چارپائی پر لیٹا ہے۔ تین بچے ایک چارپائی پر سوئے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس ایک نوجوان لڑکی چارپائی پر سو رہی ہے۔ عمران ان میں

جگہ بناتا باورچی خانے کی طرف جاتا ہے کیمرہ عمران کو سامنے رکھ کر دکھاتا ہے کہ اندر کمرے میں عمران کی چھوٹی بہن سلائی کی مشین پر جھکی کام کر رہی ہے — عمران چلتا ہوا باورچی خانے میں پہنچتا ہے اور گلاس اٹھا کر گھڑونچی سے پانی ڈالتا ہے۔ باورچی خانے میں پیڑھی پر اس کی اندھی ماں بیٹھی ہے اور مجسم انتظار نظر آتی ہے جب وہ پانی نکالنے کی آواز سنتی ہے تو —

ماں : آ گیا عمران —

عمران : ہاں ماں —

ماں : روٹی پکا دوں؟

عمران : میں کھا آیا ہوں ماں — تُو سو جا — مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔

ماں : اچھا —

(عمران پانی کا گلاس لے کر واپس جاتا ہے۔ اس مرتبہ پھر سلائی کی مشین کا کٹ دکھاتے ہیں۔ ساتھ ہی برآمدے میں ایک درمیانی عمر کی عورت کو جائے نماز پر بیٹھا ہوا تسبیح پڑھتے دکھاتے ہیں۔)

باپ : میری دوائی لے آیا عمران؟

عمران : نہیں ابا — یاد نہیں رہی۔

باپ : چل کوئی بات نہیں — تو لیٹ جا بڑی رات ہو گئی ہے۔

(بہت زور سے کھانستا ہے۔ لمحہ بھر کے لیے عمران ٹھٹھکتا ہے پھر آگے چلا جاتا ہے اور بیٹھک میں آ کر نادرہ کو گلاس دیتا ہے جو ابھی تک دروازے میں کھڑی سارا منظر اور لوگ دیکھ رہی ہے۔ وہ گلاس پکڑتی ہے اور عمران اپنے پیچھے دروازے کو کنڈی لگاتا ہے۔)

نادرہ : تمہاری امی — Is your mother blind?

عمران : بلائینڈ اینڈ ڈیف!

نادرہ : What a pity!

عمران : لیکن اندھی اور بہری ہونے کے باوجود.... وہ جانتی ہے کہ اس کے بچے کہاں ہیں نہ اسے معلوم ہے کہ آدھی رات کو اس کی بڑی بیٹی اُٹھ کر وظیفے پڑھتی ہے... اس کی چھوٹی بیٹی موٹے شیشوں کی عینک لگا کر مشین پر سلائی کرتی ہے — اس کا شوہر کھانستا رہتا ہے، کھانسے چلا جاتا ہے اور.... عمران.... گلی کے لڑکوں کو پڑھاتا ہے — سات سو پچاس روپے کی ٹیوشن کرتا ہے۔ ماں کو تو شاید یہ بھی پتہ ہے.... کہ میرے دو بھائی لاپتہ نہیں ہیں — بلکہ... کہیں مارے گئے ہیں، ختم ہو چکے ہیں۔ ماں جانتی ہے، وہ سنتی نہیں، دیکھتی نہیں لیکن جانتی ہے۔

نادرہ : تمہارے دو بھائی؟ — مارے گئے ہیں عمران کیسے کیسے....؟ تم نے کبھی ہمیں بتایا ہی نہیں۔

عمران : پتہ نہیں مارے گئے ہیں نادرہ کہ.... لاپتہ ہیں.... دونوں ایک دن سکول گئے تھے، وہاں سے واپس نہیں آئے کبھی — بیٹھ جاؤ، کھڑی کیوں ہو!

نادرہ : وہ — وہ جو نماز پڑھ رہی تھیں — وہ — شی از یوئر سسٹر؟

عمران : مجھے افسوس ہے میں تمہارا ان سب سے تعارف نہیں کرا سکتا۔ یہ سب..... شاید تمہیں دیکھ کر گھبرا جائیں گے خاص کر میری بہنیں — عورتیں اپنے سے چمکدار عورت کو دیکھ کر گھبرا جاتی ہیں۔

نادرہ : میں ان سے ضرور ملتی لیکن تم جانتے ہو کہ — دی پارٹی از گوئنگ آن —

عمران : میری بڑی بہن کو طلاق ہو گئی ہے — اچانک چار بچوں کے بعد.... وہ اب بھی راتوں کو اُٹھ کر وظیفے پڑھتی ہے — شاید وہ اپنے گھر واپس جانا چاہتی ہے — شاید یہ دعائیں اس کے شوہر کی سلامتی کے لیے ہیں — میری بہن بہت کم

بولتی ہے ـــ اس لیے کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا سوچتی ہے ـــ شاید ہم سب نہیں جانتے کہ . . . کہ ہم سب کیا سوچ رہے ہیں' اس کے باوجود ہم ایک دوسرے کے غموں میں بڑے شدید طور پر involved ہیں۔ ہم سب بغیر کمیونی کیشن کے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔

نادرہ : اور یہ سب لوگ . . . . یہ سب تمہاری ذمہ داری ہے یہ سب بوجھ اُٹھانے کے باوجود تم ہر سمسٹر میں اے گریڈ لیتے ہو؟ Hats off to you!

عمران : آج تک . . . . میں بھی اندر ہی اندر اپنے آپ کو hats off کرتا رہا ہوں۔ میں سمجھتا رہا ہوں کہ ٹیوشن پڑھا کر' امتحانوں میں فسٹ آکر میں اِن دکھی لوگوں کی بڑی خدمت کر رہا ہوں ـــ

نادرہ : واقعی عمران ـــ تم گریٹ ہو۔

عمران : پھر کبھی یہ مت کہنا نادرہ ـــ آج پہلی بار میری آنکھوں نے اصلی غم کی سطح کو دیکھا ہے۔ میرا غم Subjective تھا۔ میں کنوئیں کے مینڈک کی طرح اپنے ہی ماحول سے متاثر رہا' اپنے ہی گھر والوں کو سہارا دیتا رہا . . . . میں نے کبھی ہیومینیٹی کے لیول پہ سوچا ہی نہیں۔ کبھی یہ خیال ہی مجھے نہیں آیا کہ یہ بیماری' غریبی' لاچاری . . . . . اصلی غم نہیں ہیں۔ یہ تمام مشرقی غم . . . . راشد الخیری ٹائپ غم بالکل فروعی glamourless ہیں ـــ ان میں سے گندی نالیوں جیسی بُو آتی ہے ـــ یہ غم تو ساری پرسنیلٹی کو تباہ کر دیتے ہیں۔ مجھے ان غموں سے نفرت ہو گئی ہے۔ یہ سارے غم چیپ پروپیگنڈا اسٹف ہیں ـــ سنڈے ایڈیشنوں کا موضوع . . . . ان میں کوئی چمک' کوئی رعنائی' کوئی بیوٹی نہیں ـــ ہم اندرونِ شہر کے رہنے والوں کے غم بڑے سپاٹ ہیں۔

نادرہ : میں اب چلتی ہوں عمران ـــ سب سوچ رہے ہوں گے نادرہ کہاں غائب ہو گئی۔

عمران : ٹھہرو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں نادرہ !

نادرہ : میرے ساتھ واپس ـــ یُو آر ویلکم ـــ لیکن . . . .

عمران : میں ان مشرقی غموں کو چھوڑ کر تمہارے گروپ میں شامل ہونا چاہتا ہوں میں ان غموں کا حصہ دار بنوں گا جو صرف اپنی ذات سے، اپنے ماحول سے، اپنی معیشت اور اپنے ملک سے وابستہ نہیں ہوں گے ۔ میں ان بے رنگ گلی محلوں کے غموں کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا جو ہمیشہ صبر کی چادر اوڑھ کر سلگتے رہتے ہیں ـــ مجھے پتہ چل گیا ہے کہ انسانیت کے لیے تڑپنے والے دل کتنے ارفع ہیں ـــ تم جیسے لوگوں کے غموں سے تحریکیں جنم لیتی ہیں، جدوجہد پیدا ہوتی ہے ۔ عالمی سطح پر . . . . اجتماع ہوتے ہیں، انٹرنیشنل فورم پر گونج پیدا ہوتی ہے ۔

نادرہ : لیکن پارٹی تو صبح ختم ہو جائے گی پھر ـــ ؟

عمران : پارٹی ختم ہو جائے گی لیکن تحریکیں تو ختم نہیں ہوں گی، جدوجہد تو جاری رہے گی . . . . میں انسانیت کے غم کی سیڑھیاں چڑھتا چلا جاؤں گا . . . . تمہارے گھر سے مجھے پہلا پلیٹ فارم ملے گا، وہاں سے آگے اور آگے . . . . وطن چھوڑ کر انگلستان وہاں سے امریکہ . . . . حتیٰ کہ زندگی کے آخری ایام میں مجھے امن کا نوبل پرائز ملے گا . . . . آؤ چلیں تم سب نے مجھے بنی نوع کے غموں کو سمجھنا سکھا دیا ہے ۔

نادرہ : لیکن یہ لوگ ـــ یہ جو تم پر ڈیپنڈ کر رہے ہیں عمران . . . .

عمران : ان کا ہاتھ پکڑنے والا کہیں سے آ جائے گا ـــ پیدا ہو جائے گا . . . . کوئی چھوٹا آدمی . . . . جو اپنا وقت دوائیں لانے . . . . ٹیوشنیں پڑھانے، آنسو پونچھنے میں صرف کر سکتا ہو . . . . میرے پاس اتنا وقت کہاں کہ میں ساری انسانیت چھوڑ کر ان لوگوں کی شخصی آسودگی کے لیے اپنا وقت ضائع کر دوں ـــ آؤ چلیں ۔

نادرہ : یُو آر ویلکم ـــ لیکن کیا تم اپنی ممی سے نہیں ملو گے ـــ آخری بار ـــ

عمران : نہیں — !

نادرہ : کیوں ؟

عمران : کیونکہ عورت ہمیشہ اپنے فائدے کے لیے مکڑی کا جال پھیلا دیتی ہے — عورت چاہے ماں ہی کیوں نہ ہو .... کبھی کھلے راستوں پر جانے نہیں دیتی ہمیشہ پگڈنڈیوں پر لے نکلتی ہے — اپنے آرام کے لیے۔

(باہر چلا جاتا ہے نادرہ واپس جاتی چٹخنی کھول کر آنگن میں دیکھتی ہے کیمرہ آہستہ آہستہ آنگن کا سارا ماحول رجسٹر کراتا ماں پر آتا ہے۔ ماں چولہے کے پاس بیٹھی ہے۔)

ماں : تو آگیا عمران ؟ (وقفہ) کیا بات ہے بیٹے — چپ کیوں کھڑا ہے — اللہ سب ٹھیک کر دے گا .... تو کیوں اتنا گھبرایا رہتا ہے ؟ جا جا کر لیٹ جا۔



بند گلی اور کھلا راستہ

کردار :

باسط : ایک بے قرار اور بے چین روح جو سکون کی تلاش میں ہے۔

صغریٰ : باسط کی بیوی

چاچا عنایت : عمر پچاس کے لگ بھگ

اکرم : باسط کا ماڈرن بیٹا

عائشہ : باسط کی ماڈرن بیٹی

اور دوسرے



سین ۱
آؤٹ ڈور
صبح کا وقت

(بہت کھُلے میدان میں کیمرہ بہت فاصلے سے دکھاتا ہے کہ ایک گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا ہے اور باسط اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہے پھر یہ گھوڑا ایک باغ میں گھُس جاتا ہے اب بھی باسط پیچھے ہے بالآخر باسط گھوڑے کی لگام پکڑ کر اس کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ گھوڑا اور باسط دونوں پسینے میں بھیگے ہوئے ہیں۔)

کٹ ــــــــــــ

سین ۲
آؤٹ ڈور
دن

(باسط نہر کے کنارے بیٹھا ہے پہلے وہ نہر میں تھوکتا ہے پھر آسمان کی طرف دیکھتا ہے۔ پھر ایک پتھر اُٹھا کر اُوپر آسمان کی طرف پھینکتا ہے پھر اس پتھر کو نیچے آتا دیکھتا ہے پتھر شور کے ساتھ پانی میں گرتا ہے وہ ہلکا سا مُسکراتا ہے۔ بہت آہستہ سے کہتا ہے:)

باسط : ڈوب جا.... ڈوب جا.... اُوپر نہیں جا سکتا تو نیچے ہی ڈوب جا... لعنتی ڈوب جا۔

(ایک اور پتھر اُٹھا کر اُوپر پھینکتا ہے پھر اسے نیچے کی طرف اُترتا دیکھتا ہے۔)

کٹ ــــــــــــ

سین ۳
آوٹ ڈور
شام

(ایک ایسا کنواں تلاش کیجیے جس میں ٹنڈیں لگی ہوں اور پانی باہر چوبچہ میں ان ٹنڈوں کی مدد سے نکلتا ہو۔ کیمرہ کنویں میں ٹنڈیں جاتے دکھاتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ ٹنڈیں باہر کی طرف اُٹھتی ہیں۔ جب پانی چوبچہ میں گرتا ہے تو دکھاتے ہیں کہ باسط غور سے ٹنڈیں دیکھ رہا ہے۔)

کٹ ________

سین ۴
ان ڈور
شام

(باسط بڑے سے لکڑی کے ٹنڈ کو کلہاڑے سے کاٹنے میں مگن ہے وہ تھک چکا ہے۔ پسینے میں بھیگا ہُوا ہے۔ لیکن جیسے وہ اپنے اندر کا تمام ایگزیشن اس لکڑی پر نکالنا چاہتا ہے۔ دوسرے کنارے صغریٰ بکری کو چارہ ڈالتی ہے۔ پھر باسط کے پاس آتی ہے۔)

صغریٰ : اب آرام کرلے۔ کب کا کلہاڑا چلا رہا ہے۔
باسط : (ابرو اُٹھاکر) آرام !

صغریٰ : اور کیا....

باسط : جو لوگ آرام کرتے رہیں ان کی اولادیں دھکے کھاتی ہیں۔

صغریٰ : لسّی لاؤں ؟

باسط : رہنے دے بچّوں کے لیے.... اتنی لسّی ہے کہاں جو چھ فُٹی لاش کو سیراب کرلے گی۔ رہنے دے۔

صغریٰ : کیسی باتیں مُنہ سے نکالتا ہے — دیکھتا نہیں دونوں وقت مل رہے ہیں۔

باسط : صغریٰ جن کو شوق نہیں ہوتا نا زندگی کا، وہ بہت دیر تک زندہ رہتے ہیں۔

صغریٰ : اچھا اب رکھ دے کلھاڑا۔ بہت جان مارلی۔ رکھ دے۔

(باسط کلھاڑا رکھتا ہے اور باہر کی طرف چلتا ہے۔)

صغریٰ : کہاں جارہا ہے ؟

باسط : باہر —

صغریٰ : باہر کہاں ! چاچا عنایت کے پاس ؟

باسط : نہیں !

صغریٰ : ماسی گوماں کے گھر ؟

باسط : بھلی لوگ مجھے پتہ تھوڑی ہے میں کہاں جاؤں گا اب.... بس چلا جاؤں گا۔ جہاں قدم لے جائیں گے.... پھر آجاؤں گا — پھر چلا جاؤں گا۔

صغریٰ : کہیں بیٹھ بھی جایا کر دو گھڑی کسی کے پاس۔

باسط : کس کے پاس بیٹھوں ؟ پھتّو کمہار کے پاس۔ دینے ترکھان کے پاس۔ چوہدری الہ ڈُوایا کے پاس سونے کے دانت دیکھتا رہوں اس کے پاس بیٹھ کر۔

صغریٰ : (دُکھ سے) تو یہاں بیٹھ جا — بچّوں کے پاس میں تیری کمر دبا دیتی ہوں۔

باسط : آندھی سے پہلے دروازے کھڑکیاں بند کر لیتے ہیں صغریٰ۔ تو اُلٹا آندھی کو کمرے

میں بُلا رہی ہے۔ بچّوں کے پاس۔ ہے نا پاگل۔

(باسط جاتا ہے۔ جاتے جاتے دروازے میں زور سے ٹکّہ مارتا ہے۔)

باسط : تو کھیس لپیٹ کے سو جانا۔ بیٹھی نہ رہنا دو روٹیوں کے لیے۔ کیا پتہ مجھے پولیس پکڑ کے لے جائے۔ یا نہر بُلا لے اپنی طرف . . . .

(چلا جاتا ہے۔ صغریٰ پریشان کھڑی ہے اس کی آنکھوں میں آنسو آتے ہیں۔)

کٹ ——————

سین ۵
ان ڈور
گہری شام

(چاچا عنایت کی چھوٹی سی پکّی حویلی ہے۔ اس میں سوائے چاچا کے اور کوئی نہیں رہتا۔ اس وقت چاچا چلم بھر رہا ہے اور پیڑھی پر پاس صغریٰ بیٹھی ہے۔)

صغریٰ : مَیں کبھی اس کے راستے میں کھڑی ہوئی ہوں چاچا عنایت ؟

عنایت : بی بی یہ کب کسی کو پتہ چلتا ہے کہ وہ کسی کی راہ میں کھڑا ہے۔ ہر بندہ یہی سمجھتا ہے کہ وہ اڈول کھڑا ہے کسی کو روکتا نہیں۔

صغریٰ : چاچا تُو خود انصاف کر۔ باسط نے کہا کہ مَیں پہلے پڑھائی مکمل کر لوں مَیں نے اسے روکا ؟ چلو سال یہ مجھ سے الگ رہا لاہور میں —— مَیں کچھ بولی ؟

عنایت : پھر اب بھی نہ بول گڑیئے —— بولنے میں پڑا ہی کیا ہے ؟

صغریٰ : آخر پتہ بھی تو چلے چاچا کہ وہ چاہتا کیا ہے ؟

عنایت : چاہنے کا کیا ہے صغریٰ پُتر۔ یہ جو مَن ہے نا سینے کے اندر۔ یہ بھادوں کی بھیگی دھرتی ہے۔ رات کو سوؤ تو کچھ نہیں صاف شفاف دھرتی صبح اُٹھو تو خواہشوں سدھروں کی کھمبیں اُگی کھڑی ہوتی ہیں۔ چھتریاں لگا کر۔ خواہشوں کا بیج کوئی کہیں سے لانا پڑتا ہے جھلیئے۔ یہ تو ہوا میں اُڑتا پھرتا ہے۔ سچے کھیتے۔ ادھر دھرتی میں پڑا اُگ کھڑا ہوا۔ خود بخود۔

صغریٰ : تو مَیں کیا کروں چاچا عنایت۔

عنایت : تجھے کیا کرنا ہے کملی۔ آندھی کے بھاگنے والے کو کیا ملتا ہے بھلی لوک !

صغریٰ : چاچا ! باسط بہت ہی پریشان ہے۔

عنایت : ہر دنیا دار ضرورت مند پریشان رہتا ہے صغراں۔ دُنیا جو ہوئی۔

صغریٰ : (اُٹھتے ہوئے) کبھی کام کی کوئی بات نہ بتائی آج تک۔ میں اپنا چاچا سمجھ کر آجاتی ہوں۔ اُوپر سے مجھے بُجھارتیں سنانے لگتا ہے۔ کبھی کام کا مشورہ نہ دیا۔ کبھی کوئی راہ نہ بتائی۔ میرے کون سے ماں باپ تھے، جن کے پاس مَیں چلی جاتی ۔ ۔ ۔ ۔ پر تُو خوش رہ۔ چلم پی۔ سُوٹا لگا۔ (جاتے ہوئے) اور مگن رہ۔ تجھے کیا کسی کے دُکھ سے چاچا۔

عنایت : (چلم میں کوئلے ڈالتے ہوئے) جلی جا۔ دُھکی جا۔ دھوآں بن کر کھائے جا اپنا کلیجہ۔ دُنیا کی آگ کو کیا کہتی ہے، تو بھی کسی سے کچھ کم نہیں (پھونک مار کر) جلی جا ــــ دُھکی جا ــــ

ــــــــــــ کٹ

سین ٦
آوٹ ڈور
رات

(ایک بڑے سے پیپل کے درخت تلے باسط دو آدمیوں کے ساتھ پانسہ کھیل رہا ہے۔
یکدم وہ اُٹھتا ہے۔)

باسط : بس بھئی یار ختم۔ تم غلامے کو لگا لو میری جگہ۔ مَیں چلا۔

دیہاتی : اوئے تو جیت رہا ہے۔ پھر بھی نہیں کھیلتا۔

باسط : جیت ہار کی بات نہیں کمالے۔ میں اور کھیل ہی نہیں سکتا۔ مَیں یہاں بیٹھ ہی نہیں سکتا۔ السلام علیکم۔

(اُٹھ کر چلا جاتا ہے۔ کیمرہ دیر تک اور دُور تک اس کا تعاقب کرتا ہے۔)

کٹ ________

سین ۷
ان ڈور
دوپہر

(اس وقت صغریٰ اور اس کی ہم عمر عورت چارپائی پر بیٹھی ہے۔)

زینب : خیر لُٹی جا چُپ چپاتے۔ تجھے شوق ہے لُٹنے کا تو ہم کیوں روکیں۔

صغریٰ : سارے عیب ہوں گے باسط میں لیکن اس میں یہ عیب نہیں ہے تیرے گھر والے جیسا۔

زینب : لے مَیں تو سمجھتی ہوں عورت آخری سانس میں بھی اپنے گھر والے کی قسم نہیں کھا سکتی ۔

صغریٰ : نہ نہ زینب یہ چکر نہیں ہے ۔

زینب : پھر اور کیا ہے ؟

صغریٰ : اب مجھے کیا پتہ !

زینب : بچے دیئے ہیں رب نے ؟

صغریٰ : لے تجھے پتہ نہیں بھلا ۔

زینب : بچے ہیں ۔ گھر ہے ۔ سواتی ہے ۔ اب ایک ہی چکر رہ جاتا ہے مرد کا ۔ تُو دہ رکھ تجھے آپی پتہ لگ جائے گا ۔ کوئی ایک پھاپھا کٹنی تو ہے نہیں پنڈ میں لپیٹ لیا ہو گا اپنی تھڈ کے ساتھ دتعلقوں میں ۔

صغریٰ : خواہ مخواہ !

زینب : مرد جب ایک جگہ بیٹھ نہ سکے صغریٰ کوئی چیز اسے اچھی نہ لگے ۔ گھر اس کو کھانے کو آئے ، باہر اس کا دل نہ لگے ۔ کپڑے لتے سے وہ بے پرواہ ہو ۔ تو اور ہوتا کیا ہے ۔ دوسری عورت کا چکر ہوتا ہے سارا ۔

صغریٰ : ہائے نہیں !

زینب : لے میرا نام بھی زینب نہیں جو یہ بات نہ نکلی ۔

کٹ ـــــــــــ

سین ۸
آؤٹ ڈور
صبح کا وقت

(نہر کے کنارے باسط ایک درخت پر چڑھتا ہے پھر ٹہنے سے چھلانگ لگاتا ہے پھر چڑھتا

ہے پھر چھلانگ لگاتا ہے۔ پھر قمیض اُتار کر نہر میں پھینکتا ہے اس کے بعد نہر میں چھلانگ لگا کر اس قمیض کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے۔)

——— کٹ

سین ۹
ان ڈور
رات

(رات کا وقت۔ کیمرہ دونوں بچوں کو دکھاتا ہے جو ماں کے دائیں بائیں گھوک سو رہے ہیں لیکن درمیان میں صغریٰ کی آنکھیں کھلی ہیں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔ وہ احتیاط سے اُٹھتی ہے کہ کہیں بچے جاگ نہ جائیں۔ اُٹھ کر وہ باسط کے پلنگ پر آتی ہے۔ باسط مکمل طور پر جاگا ہوا ہے۔ اس کے ہاتھ میں کانا ہے وہ مُنہ سے کانے کی چھوٹی سی باریک کھچی اُتارتا ہے اور سین کے آخر تک وہ اس طرح کانے کو منہ اور ہاتھوں کی مدد سے چھیلتا رہتا ہے۔ صغریٰ اس کے پلنگ پاس آکر فرش پر بیٹھتی ہے۔ اب باسط چارپائی پر اور صغریٰ فرش پر ہے۔ لیکن ان کے چہرے بہت قریب ہیں۔)

صغریٰ : مجھے پتہ لگ گیا ہے سب۔

باسط : (آہستہ) کیا پتہ لگ گیا ہے تجھے۔

صغریٰ : مجھے پتہ لگ گیا ہے جو تُو یُوں پریشان رہتا ہے۔

باسط : (مشکل سے مُسکرا کر) اچھا؟

صغریٰ : تُو دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔

باسط : (صغریٰ کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیر کر) شادی کرنی ہوتی تو وہاں کرتا شہر میں۔ اپنی کالج کی لڑکی سے۔ یہاں ٹیری بیبو سے شادی کروں گا۔ کہ برا چھوں پائی ضو یاں سے۔

صغریٰ : سچ بتا دے۔ اللہ گواہ ہے میں تیری راہ میں کھڑی نہیں رہوں گی۔

باسط : اپنے آپ کو ہلکان نہ کیا کر بھلی لوک! کبھی عورت میں بھی اتنا کس بل ہوا کہ وہ کسی مرد کے آگے کھڑی رہ سکے۔ بھول جا — میری زندگی میں تیرے سوائے اور کوئی عورت نہیں ہے۔

صغریٰ : پھر یہ سب کیا ہے۔ یہ تو اتنا کھچا ہوا کیوں رہتا ہے۔ تڑنگ پھڑنگ۔

باسط : یہاں کیا ہے میرے لیے! آدھے مربعے کی واہی!! کیا دے سکتی ہے اتنی زمین؟ مستقبل کیا ہے میرا؟ — میرے بچوں کا۔ میری بیوی کا۔ یہاں ہم ایک پکا مکان تک تو بنا نہیں سکے۔ میں تو اپنی صغریٰ کو ایک کپڑے کی جوڑی بھی بنا کر نہیں دے سکتا۔

صغریٰ : مجھے کپڑے نہیں چاہئیں۔ میرے کپڑے یہ پڑے ہیں۔ (اس کے ہاتھ پر پیار سے سر رکھتی ہے۔)

باسط : میں اس غریبی سے، اس ٹک ٹک سے تنگ آگیا ہوں۔ اس ہینڈ ٹو ماؤتھ سے۔ تو جانتی ہے کہ یہ — یہ سب کیوں ہوا؟

صغریٰ : (نفی میں سر ہلاتی ہے۔)

باسط : کیونکہ میرا باپ ایسا تھا۔ اسے اپنے بچوں میں سے کسی سے محبت نہیں تھی۔ اسے سوائے اپنے کسی سے پیار نہیں تھا۔ وہ چاہتا تو میرے لیے میری دونوں بہنوں کے لیے چھ چھ مربعے چھوڑ کر مر سکتا تھا۔ لیکن اس کو صرف اپنے عیش سے غرض تھی۔

صغریٰ : چل مرے ہوؤں کو کچھ نہیں کہتے۔

باسط : کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہتے کیوں نہیں۔ اس دشمن کی نشاندہی ضرور کرتے ہیں جو چھپ کر تم پر وار کرتا ہے۔ اگر اسے مجرے سننے کا شوق نہ ہوتا، اگر اسے بخشش

دینے اور قرضے دینے کا چسکا نہ ہوتا اگر وہ نارمل باپ ہوتا تو آج میری زندگی مختلف ہوتی۔ میرے بچّوں کا مستقبل کچھ اور ہوتا۔

صغریٰ : آہستہ بولو، باسط

باسط : اسے ان ڈنگروں سے زیادہ پیار تھا جن کے لیے اس نے پکّے کوٹھے بنوائے مرنے سے پہلے۔ اسے اس مُرغی خانے کا زیادہ خیال تھا جس میں اس نے پنکھے لگوائے اپنی لیگ ہارن مناز کا مرغیوں کے لیے۔ باسط کا کیا تھا؟ ــــ باسط کون تھا؟ کیا میں اس دشمن کو پہچانتا نہیں جس نے میری زندگی میں زہر گھولا ــ کیا میں اس شخص کا اعلان نہ کروں جس نے ہمیں ٹھوٹھے میں، پیالے میں کر دیا؟

صغریٰ : چل جو ہُوا سو ہُوا

باسط : کیسے چل جو ہُوا سو ہوا۔ ماں بھی ایسے ہی تھی چل جو ہُوا سو ہُوا کہتی ہوئی مر گئی۔ مَیں خود اپنی خوشی کا ضامن ہوں۔ مَیں خود اپنے حالات بدل سکتا ہوں۔ میں جدوجہد کر کے، کوشش کر کے اسے دلدل سے نکلوں گا جس میں مجھے ابا پھنسا گیا ہے۔ چل جو ہوا سو ہُوا ــــ انسان اپنے ماحول کو بہتر بنا کر سُکھ کا سانس لے سکتا ہے۔ خوب سے خوب تر کی تلاش کر سکتا ہے۔ ہونہو چل جو ہُوا سو ہُوا۔

صغریٰ : تُو کہیں بیمار تو نہیں۔ (اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھتی ہے)

باسط : ذرا دل کا حال بتا دو تو پوچھنے لگتی ہے کہیں بیمار تو نہیں۔ تجھ سے کوئی کیا بات کرے۔

صغریٰ : سچ بتا کوئی بُڈھی کا چکّر تو نہیں ہے باسط۔

باسط : اوئے نہیں پاگلے۔ بُڈھی تو بڑی چھوٹی چیز ہے۔ جس گھُمن گھیر میں مَیں پھنسا ہوں اس میں تو عورت کا ویسے ہی دم نکل جائے۔

صغریٰ : کھا میری قسم!

باسط : (اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر) تیری قسم صغریٰ یقین کرنا تیری وجہ سے تو مجھے اپنے کالج کی کوئی لڑکی اچھی نہیں لگی۔ صرف تو ہے اکیلی جس پر میرا دھیان جم جاتا ہے۔ ورنہ دنیا میں اور کسی چیز پر میرا دل زیادہ دن نہیں ٹکتا!

کٹ ـــــــــــ

سین ۱۰
آؤٹ ڈور
دوپہر

(زمین جس میں کھیت لہلہا رہے ہیں ان کے کنارے باسط کھڑا ہے اس کے پاس ایک چوہدری قسم کا آدمی ہے وہ چوہدری سے گن کر پچاس ہزار روپے پکڑتا ہے۔ پھر ہاتھ ملاتا ہے۔ گھوڑے پر چڑھتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ باسط روپے جیب میں ڈالتا ہے پھر مسکراتا ہوا کھیت کے اندر جاتا ہے۔ جاتے جاتے اُگی ہوئی فصل کو کھینچتا جاتا ہے۔)

کٹ ـــــــــــ

سین ۱۱
ان ڈور
شام

(چاچا عنایت تخت پوش پر بیٹھا چلم پی رہا ہے۔ پاس ہی صغریٰ بیٹھی ہے۔)

چاچا : پچاس ہزار کوئی ٹل نہیں کڑیئیے باسط نے بہت کم پیسے لیے ہیں اپنی زمین کے۔

صغریٰ : ان کو جلدی تھی چاچا۔

چاچا : جلدی — کاہلی — شتابی — ابھی ہو جائے — ابھی مل جائے — ایک منٹ میں ہو جائے۔ فوراً کھل سم سم — اوئے فصل میں شتابی کی کھاد ڈالو گے صغریٰ تو آس مراد کی ایسی فصل کاٹو گے جو کاٹتے ساتھ ہی مرجھا جائے گی۔ پھٹے پرانے ٹائر میں جتنی مرضی پھوک بھر لو۔ جلدی جلدی، تیزی تیزی۔ ٹرالی نہیں چلے گی۔ جلدی جلدی۔ فوری فوری — خواہش پر خواہش پوری کر لو یہ ٹرالی بھی نہیں چلے گی۔ عجلت کا حکم نہیں ہے بیٹی میری۔

صغریٰ : تو ایک بار آ کر باسط کو سمجھا دے نا چاچا۔

چاچا : جی میلا نہ کر صغریٰ کچھ لوگوں کو سمجھنے سے پہلے پڑا پینڈا کرنا پڑتا ہے۔ بڑا سفر طے کرنا پڑتا ہے۔ سمجھ جائے گا۔ سمجھ جائے گا۔

صغریٰ : بھلا پچاس ہزار سے لاہور میں کیا بزنس کرے گا۔ کیا کریں گے ہم لوگ۔

چاچا : تو اسے شہر جانے دے صغریٰ — جو دل میں دھار چکا ہو اُسے مشورہ نہیں دیا کرتے۔ جانے دے۔

صغریٰ : پھر بھی۔

چاچا : آرام سے شہر چلی جا میرا بچڑا۔ اس کو نہ موڑ۔ ابھی وہ لگام جوگا نہیں ہوا۔ دہانے کا کڑا منہ زخمی کر دے گا۔ جانے دے۔ چھوڑ دے کھلا۔

کٹ ————

سین ۱۲
ان ڈور
صبح کا وقت

(چھوٹے سے گیراج میں تولیوں کی کھٹیاں لگی ہیں تین آدمی کام کر رہے ہیں۔ باسط کے پاس بہت سی چھپی ہوئی پرچیاں ہیں۔ جن پر لکھا ہے باسط کوالٹی ٹاولز۔ وہ یہ پرچیاں ان تولیوں پر لئی سے لگا رہا ہے۔)

کٹ ________

سین ۱۳
آؤٹ ڈور
صبح کا وقت

(اچھرہ بازار میں باسط موٹر سائیکل پر جا رہا ہے۔ اس کے کیریئر پر تولیے کا بڑا سا گٹھڑ بند ہے۔)

کٹ ________

سین ۱۴
آؤٹ ڈور
دوپہر

(باسط کے تولیے کونٹر پر دھرے ہیں دکاندار بڑی سوچ بچار سے ان کو دیکھ پرکھ رہا ہے۔

باسط خوف اور اُمید سے اس کا چہرہ دیکھتا ہے۔)

دکاندار : میں یہ نہیں کہتا کہ مال خراب ہے۔ اچھا ہے۔ ستھرا ہے۔

باسط : پھر جی۔ پھر کیا مشکل ہے۔

دکاندار : بات یہ ہے باسط صاحب گاہک ایک مارکے پر لگا ہوا ہوتا ہے۔ اسے لاکھ مناؤ ہزار سمجھاؤ وہ نئی چیز کو ٹرائی نہیں کرتا۔ جس نام پر لگا ہے وہی خریدے گا۔ جو لٹھا آج سے سات سال پہلے پسند آگیا تھا اسی کو ڈھونڈتا پھرے گا مارکیٹ میں گاہک بڑی اڑب چیز ہے بھائی صاحب۔

باسط : لیکن آپ انہیں رکھ تو لیں۔

دکاندار : رکھ سکتا ہوں لیکن پے منٹ ہوگی سیل ریٹرن بیسز پر۔ میں آپ کو اُدھار کچھ نہیں دے سکتا۔

باسط : کچھ تو آپ ایڈوانس کر دیجئے۔ یہ تو اُدھار نہیں ہے۔

دکاندار : دیکھئے بھائی صاحب کیا پتہ شام تک سارے تولیے بک جائیں کیا پتہ تین مہینے تک ایک بھی نہ بکے۔

باسط : چلئے پھر رسید بنا دیجئے ان کی۔

دکاندار : بالکل ––– ابھی لیں۔

(اس وقت کیمرہ ایک ستون پر جاتا ہے جس پر لکھا ہے اُدھار مانگ کر شرمندہ نہ کریں۔)

کٹ –––––––––

سین ۱۵
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(شاہ عالم مارکیٹ۔ یہاں بھی باسط اسی طرح تولیے کیریر پر لگائے موٹر سائیکل

پر آتا ہے۔ اب وہ ایک پنواڑی کی دُکان پر موٹر سائیکل روکتا ہے۔ پان لگواتا ہے۔ پان منہ میں ڈالتا ہے۔ اور چباتا ہُوا جاتا ہے — پان کھانا اس کے نروس نس کی دلیل ہے۔)

کٹ ————

سین ۱۶
آؤٹ ڈور
دن

(شاہ عالم کی مارکیٹ — ایک برآمدے کے اندر باسط موٹر سائیکل کھڑی کرتا ہے۔ کیریئر سے تولیئے اُتار کر پان چباتا ہُوا اندر دُکان میں داخل ہوتا ہے۔ کاؤنٹر پر تولیئے رکھتا ہے ماتھے سے پسینہ پونچھتا ہے جیب سے رُومال نکال کر پان کا داغ اپنی قمیض سے صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دُکاندار تولیے دیکھتا ہے۔ پچھلی دکان جیسی باتیں بغیر ڈائیلاگ کے اشاروں میں دونوں میں ہوتی ہیں آخر میں دکاندار پرچی پر رسید بنانے لگتا ہے باسط تیزی سے نروس ہو کر پان چبا رہا ہے۔ کیمرہ اس کی پُشت دکھاتا ہے۔ دیوار پر چھوٹے سے گتّے پر دُکاندار نے لکھ کر ٹانگا ہُوا ہے۔ لَیسَ الِانسَانَ اِلّامَا سَعیٰ ؀)

کٹ ————

سین ۱۷
ان ڈور
شام

(چھوٹا سا سمن آباد کا ڈرائینگ روم — یہاں صوفوں پر تولیے کے ڈھیر پڑے ہیں
اس وقت باسط نے پاجامہ قمیض پہن رکھا ہے اور وہ ان کی گنتی کر رہا ہے۔ دروازے
پر دستک ہوتی ہے۔)

باسط : (لاتعلقی سے) آیئے آیئے۔ (تولیے اُٹھا کر جگہ بناتا ہے۔)

(ایک مڈل کلاس کا آدمی اندر داخل ہوتا ہے۔ یہ شخص اپنے آپ کو بہت شریف اور
رکھ رکھاؤ والا سمجھتا ہے لیکن اس کی خالص ذہنیت مڈل کلاس کے آدمی کی ہے۔)

نووارد : السلام علیکم شیخ صاحب

باسط : (تولیے صوفے سے اُٹھاتا ہے۔) آیئے آیئے بیٹھئے۔

(نووارد نے پاجامے کے اُوپر بازوؤں والی بنیان پہن رکھی ہے۔ اس کے ہاتھ میں
اخبار ہے۔)

نووارد : نہیں نہیں جی۔ میں آپ کا قیمتی وقت ضائع نہیں کروں گا۔ یہ آپ کا اخبار لوٹانا تھا۔

باسط : بچے لے آتے۔ آپ نے خواہ مخواہ تکلیف کی۔

نووارد : نہیں نہیں یہ تو میرا فرض ہے۔ میں پڑھنے کے لیے لے جا سکتا ہوں تو کیا پڑھ کر واپس
نہیں لا سکتا۔

باسط : شکریہ!

نووارد : بچوں کا داخلہ ہو گیا؟

باسط : جی ہو گیا۔

نووارد : الحمد للہ۔ مَیں اس لیے بھی حاضر ہُوا تھا کہ اگر کوئی دقّت ہو تو مسز آغا میری وائف
کے ساتھ پڑھتی رہی ہیں وہ داخل کروا سکتی تھیں۔

باسط : یہ مشکل تو حل ہو گئی جی۔

نووارد : ہم آپ کے ہمسائے ہیں آپ کا بڑا حق ہے ہم پر۔ جس چیز کی ضرورت ہو، آپ بلاتکلف
کہیں اِس محلّے میں بالکل ایک خاندان کا سا ماحول ہے۔

باسط : جی — واقعی

نووارد : گوشت سبزی کی تکلیف ہو تو اپنی وائف سے کہیں کر پونا اور پیسے شام کو بھجوا دیں
ہمارے گھر۔ صبح آغا جی جاتے ہیں بازار۔ سودے کی جان نکال کر لاتے ہیں۔

باسط : جی بہت بہت شکریہ

نووارد : گوالا پہنچ گیا تھا؟

باسط : پتہ نہیں — شاید ابھی تو نہیں آیا۔

نووارد : پہنچ جائے گا۔ آپ فکر نہ کریں۔ مَیں نے اسے سمجھا دیا ہے۔ میں نے کہا تھا فضل میاں،
شیخ صاحب ہمارے محلّے میں نئے آئے ہیں، کوئی تکلیف نہ ہو دودھ کی۔ اور ریٹ
معقول لگانا۔ اپنا بندہ ہے پُرانا۔

باسط : آپ کی بڑی مہربانی ہے۔

(یکدم نووارد کی آنکھ ایک مونڈھے پر پڑتی ہے۔)

نووارد : یہ قصور سے بنوایا ہے مونڈھا؟

باسط : نہیں جی ہمارے گاؤں میں ایک کاریگر تھا اُس نے بنا کر دیئے ہیں۔

نووارد : واہ وا .... یہ تو لیدر لگایا ہُوا ہے ریکسین تو نہیں ہے۔

باسط : جی نہیں لیدر ہے — لیدر بھی وہ خود کماتا ہے۔

نووارد : سبحان اللہ۔ بڑا بڑا کاریگر پڑا ہے ہمارے گاؤں میں۔ میری وائف کو بڑا شوق

ہے ایسے مونڈھوں کا۔ کئی بار قصور جانے کی فرمائش کر چکی ہے۔

باسط : آپ بھی لے جائیں۔

نووارد : نہیں نہیں نہیں نہیں — یہ نہیں ہو سکتا.... پھر کبھی آپ گاؤں جائیں گے۔
تو آپ کو تکلیف دیں گے — پیسے ایڈوانس دیں گے۔

باسط : آپ لے جائیں ہمیں کوئی ایسا شوق بھی نہیں ہے۔

نووارد : لیں — کمال کر رہے ہیں۔ اب اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ آپ کی کوئی چیز ہم پسند بھی نہ کریں۔

باسط : دیکھیں — واقعی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ ویسے بھی اس کمرے میں فرنیچر بہت زیادہ ہو گیا ہے۔

نووارد : دیکھئے۔ میں یہ لے جا رہا ہوں اپنی وائف کو دکھانے کے لیے — شام کو بچے واپس کر جائیں گے۔

(مونڈھا اُٹھاتا ہے۔)

باسط : واقعی مجھے ضرورت نہیں.... ہے — آپ رکھیئے شوق کے ساتھ !

نووارد : ہو یا نہ ہو — یہ واپس آئے گا انشاء اللہ۔

(جاتا ہے۔ باسط ایک پان جیب سے نکال کر کاغذ اتارتا ہے اور مُنہ میں پان رکھتا ہے۔)

————کٹ

سین ۱۸
ان ڈور
شام

(دونوں بچے چھوٹی سی میز پر بیٹھے آرام سے ہوم ورک کر رہے ہیں۔ صغریٰ مشین

پر کپڑے سی رہی ہے۔)

صغریٰ : اِدھر آ عائشہ

عائشہ : امّی مَیں ہوم ورک کر رہی ہُوں۔

صغریٰ : پھر صبح تک یونیفارم تیار نہیں ہوگا .... لمبائی دیکھنے دے کُرتے کی۔

(عائشہ بددلی سے آتی ہے۔ صغریٰ کپڑا اس کے ساتھ لگا کر لمبائی دیکھتی ہے اتنی دیر میں :)

اکرم : امّی ہم رنگین ٹی وی کیوں نہیں لیتے ؟

صغریٰ : چُپ چاپ بیٹھ کر کام کر — رنگین ٹی وی! یہاں سادے ٹی وی کے پیسے نہیں ہیں۔

اکرم : امّی اگر ہم عائشہ کو بیچ دیں تو رنگین ٹی وی خرید سکتے ہیں۔

صغریٰ : اُلّو کے پٹھے یہ بھی کوئی کہتا ہے بہنوں کے لیے !

عائشہ : تجھے بیچ کر تو بتیوں والا چولہا بھی نہیں خرید سکتے۔

اکرم : (معصومیت سے) کیوں امّی — نہیں خرید سکتے ؟

عائشہ : اس لیے کہ تُو دس رُوپے سے زیادہ میں بِک نہیں سکتا۔

صغریٰ : چُپ چاپ بیٹھ کر ہوم ورک کرو۔ سر کھالیا ہے دونوں نے۔

(چند ثانیے خاموشی رہتی ہے اور صرف مشین چلنے کی آواز آتی ہے۔)

اکرم : امّی جو ہماری مس ہے نا مس طاہرہ۔ جو عینک لگاتی ہے موٹے فریم کی !

صغریٰ : کیا ہے اس کو ؟

اکرم : اس سے بڑی بُو آتی ہے پسینے کی .... کاپی چیک کرتی ہیں ناں جس وقت۔

صغریٰ : آرام سے کام کر — ہر بات میں بکواس۔ ہر بات میں نکتہ .... اب مس سے بُو آنے لگی !

عائشہ : مس طاہرہ نہاتی نہیں ہے امّی .... اور نائیلون کے کپڑے پہنتی ہے۔

صغریٰ : تم سے کام نہیں ہوتا تھوڑی دیر آرام کے ساتھ ۔

(اس وقت ایک مدبّر عورت جس نے برقعہ پہن رکھا ہے چہرے پر عینک لگا رکھی ہے۔ ہاتھ میں پلاسٹک کی ٹوکری ہے داخل ہوتی ہے ۔)

عورت : میں نے کہا آج تو مَیں باجی جی کو مل کر گھر جاؤں گی چاہے کچھ ہو جائے ۔

صغریٰ : آیئے بیٹھیے۔

عورت : آپ کو شاید یاد نہیں مَیں کون ہوں ۔

صغریٰ : آپ ؟ .... جی یاد ہے۔

عورت : میں آپ کو عید میلاد النبی والے دن لیڈیز کلب میں نہیں ملی تھی؟ ۔

صغریٰ : ہاں ہاں یاد آگیا آپ بیگم توقیر ہیں ۔

عورت : مَیں نے تو اماں جی سے بھی آپ کی تعریف کی ۔ بڑی آپا کو بھی آپ کا بتایا..... میں نے پکّا ارادہ کر لیا ہے کہ آپ کو اپنی باجی بناؤں گی ۔ ہائے آپ کیوں کپڑے سی رہی ہیں۔

صغریٰ : یہ عائشہ کی یونیفارم کی قمیص ہے ۔

عورت : لائیں لائیں مجھے دیں.... میں شام سے پہلے پہلے سلا کر بھجوا دوں گی — لائیں۔

صغریٰ : نہیں جی بس تھوڑا کام رہ گیا ہے ۔

عورت : آپ فکر نہ کریں ۔ میری جمیلہ سلائی کے سکول میں جاتی ہے ۔ وہ تو اور بھی خوش ہوگی ۔ آیئے میرے ساتھ کوٹھی دیکھ لے ہماری — پورے دس مرلے زمین ہے ۔ اُوپر والے پورشن میں کرائے دار ہیں نیچے ہم رہتے ہیں ۔

صغریٰ : آپ چائے پئیں ۔ قمیص پھر سل جائے گی ۔

عورت : میں ابھی آتی ہوں واپس — آکا کا جی میرے ساتھ ۔ بس اگلی لین میں کوٹھی ہے ہماری ۔ اُوپر بڑا بڑا لکھا ہے 'راحت منزل' ۔

(کاکا اور عورت جاتے ہیں۔)

عائشہ : امّی یہ کون ہے؟

صغریٰ : یہاں تو ہر وقت ایک نئی عورت ملتی ہے مجھے کیا پتہ؟ محلے کی کوئی عورت ہے۔

عائشہ : یوں لگتا ہے جیسے آپ کو بڑی دیر سے جانتی ہے۔

صغریٰ : یہ لوگ ہوتے ہی بے تکلف ہیں۔ سمجھتے ہیں یہ ملنساری ہے۔ تُو عائشہ ذرا پیچھے جا اکرم کے کہیں رستہ ہی نہ بھول جائے جا شاباش۔

(عائشہ بھاگ کر جاتی ہے۔ صغریٰ جیسے سوچ میں پڑ جاتی ہے۔)

______کٹ

سین ۱۹

ان ڈور

رات

(سمن آباد کے گھر کا آنگن۔ چارپائیاں بچھی ہیں۔ دونوں بچے چارپائی پر بیٹھے تاش کھیل رہے ہیں۔ باسط نے پاجامہ اور بنیان پہن رکھی ہے۔ وہ بیری کے نیچے گھڑونچوں کے پاس چھوٹی میز پر ٹائپ رائیٹر رکھے جیٹھی ٹائپ کر رہا ہے۔)

باسط : ماں کہاں ہے تمہاری؟

عائشہ : بے بی شو پر گئی ہیں بیگم توقیر کے ساتھ!

باسط : بے بی شو پر؟ لیکن وہ تو دوپہر کی گئی ہوئی ہے۔

اکرم : بے بی شو کے بعد وہ یا تو بازار جائیں گی چاٹ کھانے!

عائشہ : تجھے کیسے پتہ ہے ؟

اکرم : مجھے پتہ ہوتا ہے نا !

(اس وقت صغریٰ آتی ہے ۔)

صغریٰ : توبہ توبہ تھکا مارتی ہیں مجھے تو — تم ابھی سوئے نہیں ۔

عائشہ : سو رہے ہیں ۔

صغریٰ : (چادر اتارتی ہے) اب بس کر دیں باسط .... بڑی گرمی ہے لیٹ جائیں۔ پہلے گئے ہم بے بی شو پر۔ وہاں ملا فسٹ پرائز بیگم عارف کی بیٹی کو۔ وہاں سے مجھے لے گئیں بانو بازار .... بانو بازار میں پروگرام بنانے لگیں فلم کا۔ مَیں تو بھاگی پلا چھڑا کے — بیٹے ابُو کی طرف پنکھا کرنا تھا، اپنے اُوپر پنکھا کر رکھا ہے۔ وہ کام کر رہے ہیں۔

باسط : نہیں نہیں پنکھا ان کے اُوپر ہی رہنے دو — میرے کاغذ اُڑتے ہیں ۔

(اس وقت دروازے پر دستک)

باسط : آجائیے

صغریٰ : آپ باہر جا کر مل لیتے ۔

(اس وقت ایک نوجوان لڑکا سا مرد اندر آتا ہے اس نے شلوار کے اُوپر بش شرٹ پہن رکھی ہے۔)

نوجوان : سلام علیکم باسط صاحب — اتو نے بھیجا ہے جی مجھے ۔

باسط : (اُٹھ کر) جی فرمائیے ۔

نوجوان : کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں، اتو جی پنکھا مانگ رہے ہیں ۔

باسط : ضرور لے جائیے ۔

(نوجوان پنکھا اُٹھا کر لے جاتا ہے۔ سارا خاندان اُسے جاتا دیکھتا ہے۔)

ـــــ کٹ

سین ۲۰
آؤٹ ڈور
شام

(لارنس باغ میں باسط موٹر سائیکل پر آتا ہے۔ سائیکل سے اُترتے ہی پان کھاتا ہے پھر ایک بنچ پر بیٹھتا ہے۔ بنچ پر بھی بیقراری رہتی ہے۔ چلنے لگتا ہے۔ پھر لان میں لیٹ جاتا ہے۔ یہاں بھی آرام نہیں۔ اُٹھ بیٹھتا ہے۔ بھاگنے لگتا ہے۔)

کٹ ________

سین ۲۱
اِن ڈور
شام

(چھوٹے سے ہومیوپیتھک کلینک پر ڈاکٹر کے سامنے باسط بیٹھا ہے۔ اس کا چہرہ اُترا ہُوا ہے اور وہ کافی نروس لگ رہا ہے۔)

ڈاکٹر : اچھا شام کو زیادہ طبیعت گھبراتی ہے کہ صبح کے وقت ؟

باسط : رات کے پچھلے پہر ڈاکٹر صاحب بڑی بے چینی ہوتی ہے۔

ڈاکٹر : آپ کو لگتا ہے کہ کوئی بوجھ — یعنی گولا سا آپ کے دل کی طرف چڑھ رہا ہے۔ دبا رہا ہے دل کو۔

باسط : جی بالکل — کبھی کبھی تو مجھے یُوں محسوس ہوتا ہے کہ اب مجھے سانس نہیں آئے گا۔ مَیں مر جاؤں گا۔

ڈاکٹر : پیاس لگتی ہے ؟

باسط : نہیں جی — پیاس تو کوئی خاص نہیں۔

ڈاکٹر : یہ جو آپ کی آنکھیں جھپکتی ہیں۔ کیا یہ بھی ابھی شروع ہُوا ہے پچھلے دو سال سے؟

باسط : نہیں ڈاکٹر صاحب — یہ . . . . تو بڑے عرصے سے ہے۔ گاؤں میں بھی مجھے لگتا تھا جیسے میری آنکھوں کے گرد جالے آگئے ہوں۔ میں پلکیں جھپک کر ان کو صاف کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن جالے وہیں رہتے ہیں بدستور۔

ڈاکٹر : کس کروٹ پر سونا پسند کرتے ہیں آپ ؟ بائیں کہ دائیں۔

باسط : دائیں۔

ڈاکٹر : ٹانگیں پیٹ سے جوڑ کر سوتے ہیں کہ پاؤں پر پاؤں رکھ کر؟

باسط : تکیہ سر کے نیچے سے نکال کر اس پر بازو رکھتا ہوں اور ایک ٹانگ پیٹ کے ساتھ لگا کر سوتا ہوں، گھٹنا ٹھوڑی کے پاس کرکے۔

ڈاکٹر : (دوائیاں دیتے ہوئے) اچھا یہ ایک پُڑیا ہے۔ اس پر کراس کا نشان ہے۔ یہ کل صبح کُلّی کرکے نہار مُنہ اور پھر یہ خاکی کاغذ کی پُڑیا ہے۔ یہ کراس والی پُڑیا کے چار گھنٹے بعد ہر دو دو گھنٹے بعد . . . . تیسرے دن — یعنی تین دن دوائی کھانے کے بعد مجھے رپورٹ کرنا ہے۔ انشاء اللہ بے چینی بھی کم ہو گی اور اُلٹے سیدھے خواب بھی نہیں آئیں گے۔

باسط : جی اب میں پان کھا سکتا ہوں۔

ڈاکٹر : اب تو کھا سکتے ہو — لیکن دوائی سے آدھ گھنٹہ پہلے اور آدھ گھنٹہ بعد پان سگریٹ الائچی کچھ نہیں کھا سکتے۔

(باسط جیب میں سے پان نکال کر کھاتا ہے۔)

باسط : تمباکو بھی کھاتے ہو پان میں ؟

ڈاکٹر : جی ڈاکٹر صاحب

ڈاکٹر : قوام بھی ؟

باسط : جی

ڈاکٹر : ٹھیک ہے ہم یہ بھی چھڑا دیں گے ــــ کیا نام بتایا تھا آپ نے ؟

باسط : شیخ عبدالباسط

(ڈاکٹر لکھتا ہے۔ باسط جیب میں سے قوام کی چھوٹی سی شیشی نکال کر قوام چیچی انگلی سے نکال کر کھاتا ہے۔)

ــــــــــ کٹ

سین ۲۲
ان ڈور
شام

(سمن آباد کے ڈرائینگ روم میں متوسط درجہ کے لوگوں کی پارٹی۔ عائشہ اور اکرم کھانے پینے کی اشیاء پاس کر رہے ہیں۔ مونڈھے والا، کرتہ لے جانے والی، دو اُستانی نما عورتیں اور ایک معمر مرد موجود ہیں۔ باسط نہیں ہے۔ صغریٰ سین کھلنے سے پہلے کھڑکی کے پاس کھڑی ہے اور باہر دیکھ رہی ہے۔ وہ جیسے اس پارٹی میں موجود نہیں۔)

بیگم توقیر : ساری چیزیں باجی جی نے خود بنائی ہیں۔ کباب دھی بھلے . . . . شامی کباب۔

اُستانی : واقعی ؟

معمر مرد : یہ آپ دیکھیں گے آپ کے سامنے ہوگا۔ اگر حکومت نے اس معاملے پر توجہ نہ دی، اس کو اہم نہ سمجھا ــــ خصوصی خیال نہ کیا تو بُرا اثر پڑے گا قوم پر۔

مونڈھے والا : (بڑے تپاک سے کھانے میں مصروف ہے) یہی میری وائف بھی کہتی ہیں۔

صغریٰ : آپ انہیں ساتھ کیوں نہیں لاتے بھائی جی؟

مونڈھے والا : تیار کھڑی تھیں پرس پکڑ کر پھر ان کی بہن آگئی کراچی سے اچانک۔

معمر : (اب وہ دوسری استانی سے کہتے ہیں) یہ مسئلہ گویا ریڑھ کی ہڈی ہے۔ ریڑھ کی ہڈی سیدھی ہے تو آدمی کھڑا ہے ورنہ لیٹ جائے گا ــــ اُٹھ نہیں سکے گا۔

استانی ۲؍ : لیکن میں تو ابھی تک سمجھ نہیں سکی چاچا جی کہ مسئلہ کیا ہے۔

معمر : تم کو کھانے کی پڑی ہے۔ ایک تم کو کیا سارے پاکستان کو کھانے کی پڑی ہے۔ کھالو کڑاہی گوشت۔ کھالو مٹن تکّے۔ کھالو رس ملائیاں۔ اپنی قبر کھود رہے ہو تُم لوگ اپنے دانتوں سے۔

بیگم : چاچا جی آپ کم ڈرایا کریں.... ہمیں.... کبھی چین سے بیٹھنے ہی نہیں دیتے۔

معمر : ڈرتا کون ہے اب.... جب سے ریٹائرڈ ہوئے ہیں، کوئی نہیں ڈرتا ہم سے۔ محکمہ فوڈ میں تھے تو سب ڈرتے تھے....

استانی ۲؍ : لیکن وہ مسئلہ کیا ہے جس سے آپ خوفزدہ کر رہے ہیں؟

(مونڈھے والا اشارے سے منع کرتا ہے لیکن معمر صاحب دبائے چلے جاتے ہیں۔)

معمر : ایک مسئلہ نہیں ہے لنک کینال بنی ہوئی ہے مسئلوں کی لیکن بر دست سب سے اہم سب سے ضروری مسئلہ سرفہرست .... یہ ہے۔

استانی ۱؍ : صغریٰ باجی باسط صاحب نہیں آئے....

صغریٰ : کہہ رہے تھے کہ تین بجے پہنچ جاؤں گا ــــ موٹر سائیکل میں کوئی نقص نہ پڑ گیا ہو کہیں!

بیگم : آجائیں گے آجائیں گے۔ میری باجی کے ہوتے ہوئے کوئی کمی نہیں۔

مونڈھے والا : یہ مٹھائی آپ بیڈن روڈ سے لائی ہیں؟

صغریٰ : جی نہیں۔ پُرانی انارکلی سے۔

مونڈھے والا: واہ کیا امرتی بنائی ہے۔ سُبحان اللہ۔ میٹھا ہو تو ایسا ہو—— نہ زیادہ نہ کم۔

استانی ۲/۲ : پھر بھی مسئلہ کیا ہے؟

مونڈھے والا: جانے دیں آپا جی—— آپ کوئی گورنمنٹ ہیں کہ مسئلہ حل کر لیں گی۔

معمر : پوچھنے دو —— آخر جمہوری پروسس ہے۔ تمہارا مطلب ہے اگر حل نہ کر سکیں تو معلوم بھی نہ کریں۔ ٹوہ بھی نہ لگائیں مسئلے کی۔

استانی ۲/۲ : بالکل ٹھیک ہے۔ پتہ تو ہونا چاہیے چاچا جی ....

معمر : اس وقت پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ اور سب سے خطرناک اور پیچیدہ مسئلہ ہے لوگوں کو گوشت نہیں مل رہا اور ساری قوم ناراض ہے، بیدل ہے، دکھی ہے۔

بیگم : واقعی گوشت کی تکلیف تو بڑی ہے۔

استانی : جن کے پاس فریج ہیں، ڈیپ فریزر ہیں، وہ تو دس دس بیس بیس کلو لے جاتے ہیں۔

معمر : اس کا حل ہے میرے پاس۔ حل ہے اس کا۔ پاؤ پاؤ بوٹی پلاسٹک کی تھیلیوں میں بند کر کے حکومت خود سپلائی کرے شہر کے مختلف حصوں میں—— سپلائی کے لیے ویٹیں خریدی جا سکتی ہیں۔

صغریٰ : سارے شہر کو سپلائی کرے!

معمر : کچھ مشکل نہیں۔ مختلف رُوٹ پر صبح کے وقت ہر وین میں گوشت کی سپلائی ہو.... ایک پاؤ سے زیادہ کسی کو دیا نہ جائے —— گولی سے اُڑا دیا جائے گا جو زیادہ خریدے۔ ایک بندوق ہو ہر وین کے اندر۔

(اس وقت موٹر سائیکل کی آواز آتی ہے۔)

صغریٰ : میرا خیال ہے باسط آ گئے۔

(جلدی سے باہر جاتی ہے۔ باہر مکان کی سیڑھی پہ پاؤں رکھے موٹر سائیکل پر وہی نوجوان ہے جو رات کو پنکھا لے گیا تھا۔)

پنکھے والا : سلام علیکم جی مجھے زیادہ دیر تو نہیں ہوگئی۔

صغریٰ : نہیں نہیں آئیں ابھی تو باسط بھی نہیں پہنچے۔

پنکھے والا: بڑی ریس دی —— بڑا دوڑایا —— لیکن کہاں بادامی باغ ، کہاں سمن آباد....
راستہ ختم ہونے میں ہی نہ آئے۔

صغریٰ : آیئے آیئے

پنکھے والا: میں یہ باسط صاحب کے لیے کچھ پان لایا تھا۔

صغریٰ : شکریہ !

(پنکھے والا موٹر سائیکل کو سٹینڈ پر کھڑا کر کے صغریٰ کے ساتھ اندر جاتا ہے۔)

—————— کٹ

سین ۲۳
ان ڈور
رات کا وقت

(دونوں بچے سو رہے ہیں۔ آنگن میں چارپائیاں بچھی ہیں ۔صغریٰ بھی سو رہی ہے۔
پیڈسٹل فین کھڑا ہے لیکن چل نہیں رہا۔ باسط پاجامہ اور بازوؤں والا بنیان پہنے
ٹہل رہا ہے۔ یکدم صغریٰ کی آنکھ کھلتی ہے وہ دوپٹے سے گردن پونچھتی ہے۔)

صغریٰ : ہائے یہ بجلی پھر چلی گئی۔

(دیکھتی ہے باسط ٹہل رہا ہے۔ پاس جاتی ہے۔)

آپ لیٹ جائیں میں پنکھا جھلتی ہوں۔

باسط : بڑی کوشش کرتا ہوں نیند ہی نہیں آتی۔

صغریٰ : آپ کسی بڑے ڈاکٹر کو دکھائیں باسط ...... یہ ہومیوپیتھی ایوپی ای اے۔

باسط : نہیں نہیں یہ بات نہیں ہے صغریٰ۔

(جا کر سیڑھیوں پر بیٹھتا ہے صغریٰ بھی اس کے پاس جا کر سیڑھیوں پر بیٹھتی ہے۔ لیکن اس سے پہلے چارپائی کی پائنتی سے پنکھا اُٹھا لیتی ہے)

باسط : میرا علاج کسی کے پاس نہیں ہے — میں .... کسی کو سمجھا نہیں سکتا کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ کیا بیت رہی ہے۔

صغریٰ : کسی عورت کا چکر ہے کیا؟

باسط : اوہو — تم کو تو ہمیشہ ایک ہی فکر رہتی ہے۔ عورت بڑی چھوٹی چیز ہے۔ وہ باسط کو اسقدر پریشان نہیں کرسکتی ....

صغریٰ : پھر اور کیا ہے — روزگار بھی اچھا چل رہا ہے اب خدا کے فضل سے!

باسط : اچھا ہے۔ لیکن اتنا اچھا نہیں ہے جسقدر میں چاہتا ہوں۔ یہ شہری لوگ بڑے کمینے ہوتے ہیں۔ ذرا اعتبار نہیں کرتے — پہلے مجھے آپا جی نے برباد کروایا۔ اب یہ مجھے مڈل کلاسیے — یہ Sale-return basis والے تباہ کردیں گے — یہ کسی کی مدد نہیں کرتے۔ کنوئیں کے مینڈک کی طرح ٹرّاتے رہتے ہیں۔ انہوں نے کبھی سمندر دیکھا ہی نہیں ....

صغریٰ : بہت ہے باسط — اللہ کا دیا بہت ہے۔ اب تو ہم کافی امیر ہوگئے ہیں۔

باسط : تمہارے لیے بہت ہے ناں —

صغریٰ : شکر کریں خدا کا۔

باسط : وہ تو میں کرتا ہوں — کرتا ہوں لیکن!

صغریٰ : لیکن کیا؟

باسط : ہمارے پاس کیا سواری ہے ؟ چار آدمی اس پر چڑھے ہوئے کیا لگتے ہیں۔ میرے
بچوں کے کپڑے کبھی دیکھے ہیں ؟ .... لوگ عیش کر رہے ہیں۔ دو دو انچ کیچڑ
نئے تولیوں پر اُچھال کر کار پاس سے لے جاتے ہیں۔

صغریٰ : تم اللہ پر بھروسہ رکھو باسط !

باسط : رکھا ہُوا ہے اعتماد بھی — پر اس کی گھڑی اور ہماری گھڑی میں بہت فرق ہے۔
وہ صدیوں کو ایک سیکنڈ سمجھتا ہے اور ہم ستّر سال کی اوسط عُمر میں سب کچھ کر مرنا
چاہتے ہیں .... مکھی کے مسئلے صرف مکھی سمجھ سکتی ہے .... انسان کی محرومیاں
.... انسان کی مائُوسیاں .... اس کی .... رہنے دو تم نہیں سمجھ سکتیں۔

صغریٰ : ایک بات میری مانو گے باسط !

باسط : ہاں — تم بھی آزما لو کوئی نسخہ۔

صغریٰ : تھوڑا کام کرو .... تھوڑا۔

باسط : اور باقی فرصت کے وقت میں کیا کروں ؟

صغریٰ : تفریح .... سینما .... کھیل .... ملنا ملانا۔

باسط : تمہارا خیال ہے مجھے سکون مل جائے گا اس تھوڑے کام سے ؟

صغریٰ : ضرور ملے گا — آخر تم بھی تو گوشت پوست کے بنے ہو۔ تم کو بھی تو آرام کی ضرورت ہے۔
(یکدم پیڈسٹل چلنے لگتا ہے۔)
آؤ ناں بجلی آگئی ۔ چلو آؤ۔

(ہاتھ پکڑ کر باسط کو پلنگ پر لٹاتی ہے باسط تکیئے تلے سے پان نکال کر مُنہ میں ڈالتا
ہے صغریٰ پیڈسٹل کا رُخ اس کی طرف کرتی ہے۔)

سین ۲۴
ان ڈور
شام

(بچّوں کے ساتھ باسط بیٹھا لوڈو کھیل رہا ہے۔)

_______ کٹ

سین ۲۵
آوٹ ڈور
شام

(تین اور مردوں کے ساتھ جن میں مونڈھے والا ایک پنکھے والا اور ایک اور مرد ہے، باسط مل کر بیڈمنٹن کھیل رہا ہے۔ یہ سین ڈونگی گراؤنڈ سمن آباد میں شوٹ کریں اور پین کر کے ساری آبادی دکھائیں۔ کھیل کے ساتھیوں نے لکیروں والے پاجامے اور بازوؤں والی بنیان پہن رکھی ہے۔)

_______ کٹ

سین ۲۶
آؤٹ ڈور
شام

(باسط، صغریٰ اور دونوں بچے موٹر سائیکل پر چڑیا گھر کے سامنے رکتے ہیں۔ اُترتے ہیں اور باسط موٹر سائیکل لاک کر کے ٹکٹ خریدتا ہے۔ چڑیا گھر کے مختلف مقامات دکھاتا ہے۔)

کٹ ________

سین ۲۷
ان ڈور
رات

(باسط بیٹھا ٹائپ رائٹر پر خط ٹائپ کر رہا ہے صغریٰ آتی ہے۔)

صغریٰ : کوئی طفیل صاحب آئے ہیں نیلی کار میں۔
باسط : بٹھایا اُنہیں ....
صغریٰ : ڈرائینگ روم میں بٹھا دیا ہے۔
باسط : چلو یہ تو اچھا ہی ہو گیا مجھے اس کے پاس جانا نہیں پڑا۔ ایسے ہی گھٹیا سا لگتا ہے کسی کے پاس اپنے مطلب کے لیے جانا۔
(قمیض پہنتا ہے۔)

صغریٰ : یہ طفیل کون ہے ؟

باسط : ری رولنگ مل لگانا چاہتا ہے میرے ساتھ مل کر۔ . .

صغریٰ : کیا . . . کیا کیا بنانا چاہتا ہے۔

باسط : ساری دُنیا میں اس وقت صرف دو کاروبار ہیں صغریٰ —— لوہے کا کاروبار اور دوائیوں کا کاروبار۔ اول نمبر پہ لوہے کا کام ہے۔ دوسرے نمبر پہ دوائیوں کا چاہے چھوٹا کباڑیا ہو لوہے کا چاہے سٹیل مل اونر۔ دونوں ہمیشہ امیر ہوتے ہیں۔ لوہے کے کاروبار میں کوئی دھوکا نہیں۔

صغریٰ : لیکن ہم اور امیر ہو کر کیا کریں گے باسط . . . یعنی . . . . اس سے زیادہ ؟

باسط : امیر نہیں، مَیں صرف خوش ہونا چاہتا ہوں۔ مطمئن ہونا چاہتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ سرِ دست میری خوشی کے راستے میں یہ غریبی کھڑی ہے . . . . یہ مڈل کلاسی زندگی۔

صغریٰ : اب ہم غریب تو نہیں ہیں باسط . . . . اچھے بھلے کھاتے پیتے . . . . عزّت دار ہیں۔

باسط : جو کچھ بھی ہیں لیکن امیر نہیں ہیں . . . . میں ہر اس چیز کو راستے سے ہٹا دوں گا جو میرے اطمینان . . . . میری خوشی کے راستے میں کھڑی ہوئی۔ اگر مجھے اور امیر ہونا پڑا تو ہو کر رہوں گا۔

صغریٰ : کہیں کسی مصیبت میں نہ پڑ جانا باسط . . . اتنا ہی کافی ہے۔ بلکہ بہت زیادہ !

باسط : تم جلدی سے چائے بھجواؤ شاباش اور ساتھ ضرور کچھ ہو۔

(جیب سے دس کا نوٹ نکال کر دیتا ہے۔)

کوئی کیک وغیرہ منگوا لو اکرم کو بھیج کر اچھا امپریشن پڑ جاتا ہے۔

صغریٰ : اچھا جی . . . .

باسط : (جاتے ہوئے) میں اپنی . . . . اپنے بچوں کی . . . . تمہاری زندگی کو سکون

سے بھر دینا چاہتا ہوں صغریٰ .... دُعا کرنا .... وہ پکا ہو جائے ری رولنگ بل لگانے پر .... پھر ہم سکون سے بسر کریں گے زندگی عیش کے ساتھ۔

کٹ

سین ۲۸
ان ڈور
صبح دس بجے

(بہت عالیشان ڈرائینگ رُوم۔ عائشہ اور اکرم جوان ہو چکے ہیں۔ ساتھ ہی وہ بہت ماڈرن اور ویل گرومڈ ہیں۔ اس وقت وہ دونوں بے فکری سے بیٹھے ہیں۔ عائشہ قالین پر اوندھی لیٹی سیب کھا رہی ہے اور ساتھ ساتھ ایک انگریزی رسالہ دیکھ رہی ہے۔ اکرم لمبے صوفے پر بیٹھا ہے اور وہ اس وقت اپنی گٹار ٹھیک کر رہا ہے۔ اب صغریٰ اندر آتی ہے۔ سب سے پہلے ٹیپ ریکارڈر ہلکا کرتی ہے۔ اب وہ ایک بہت فیشن ایبل عورت بن چکی ہے۔)

صغریٰ : اکرم ــــ عائشہ ــــ تمہارے ڈیڈی آنے والے ہیں۔
(گھڑی دیکھ کر)
ایئر پورٹ پر کون جائے گا اُنہیں لینے؟

عائشہ : یہ جائے گا ممی .... یہ لڑکا ہے۔ اس کو بڑی پرویلیجز ملتی ہیں ہر وقت ....

اکرم : تم ہر جگہ چلی جاتی ہو اکیلی، ایئر پورٹ پر نہیں جا سکتیں۔ لیبریٹڈ ہو۔ جاؤ اب تمہارا right ہے گھومنا پھرنا ....

عائشہ : شاباش بھئی جلدی کرو . . . . دیکھو ناں امی کھڑی ہیں۔

اکرم : آپ نبی بخش کو کیوں نہیں بھیج دیتیں۔

صغریٰ : بابا چھٹی پر ہے۔ نبی بخش ایئرکنڈیشنر لے کر گیا ہے دکھانے ورکشاپ پر۔

عائشہ : تو آپ خود چلی جائیں۔

صغریٰ : میں ضرور چلی جاتی —— شوق سے چلی جاتی۔ لیکن ابھی کافی پارٹی شروع ہو جائے گی۔ آصفہ اور نینی تو آ بھی گئی ہیں۔ نسرین اور بنی کا انتظار ہے۔

عائشہ : ممی میں ضرور چلی جاتی لیکن ڈیڈی بڑے بدتمیز ہیں وہ اتنے جبڑی ہوتے ہیں کہ کسی اور کی سیلف ریسپکٹ کا خیال ہی نہیں کرتے۔

صغریٰ : اپنے بڑوں کو بدتمیز نہیں کہتے ——

عائشہ : بڑوں کو بھی تو چاہیئے کہ سب کے سامنے ہماری بے عزتی نہ کیا کریں آخر بچے بھی تو ہیومن بینگز ہوتے ہیں۔ کوئی ڈنکی ٹو آئز تو نہیں ہوتے۔

صغریٰ : تم دونوں میں سے کوئی جائے گا کہ میں فیکٹری فون کر کے پی اے سے کہوں۔

اکرم : یہ بہترین سولیوشن ہے ممی . . . . فیکٹری کی کار جائے گی تو ہو سکتا ہے وہ ایئرپورٹ سے پہلے فیکٹری چلے جائیں اپنا سارا اگیریشن وہیں نکال آئیں۔

صغریٰ : عجیب بچے ہو تم —— اپنے باپ کے متعلق تمہارے ایسے خیالات ہیں۔

عائشہ : ہمارے نہیں آپ کے خیالات بھی یہی ہیں۔ صرف آپ ان کا اظہار اونسٹلی نہیں کرتیں۔

صغریٰ : مجھے خدا ایسی اونسٹی سے محفوظ رکھے!

اکرم : امی! ڈیڈی شروع سے ایسے تھے کہ اب ایسے ہوئے ہیں؟ —— آن آف . . . . آن آف۔

صغریٰ : جس قدر انہوں نے اپنی اولاد کے لیے کیا —— میرے لیے کیا، کوئی باپ کوئی

شوہر نہیں کرسکتا۔

عائشہ : کاش وہ کچھ نہ کرتے لیکن محبت کرنے والے ہوتے اپنے بچوں کو انڈرسٹینڈ کرنے والے باپ ہوتے . . . .

صغریٰ : تب بھی بیچارے پھنس جاتے . . . . پھر تم دونوں کہتے چاہے وہ گالیاں دینے والے ہوتے لیکن ہماری ضرورتیں تو پوری کرتے ــــ تو تم نہیں جانا چاہتے اکرم؟

اکرم : اگر آپ حکم دیں گی تو چلا جاؤں گا لیکن اونسٹلی میں ان کو فیس نہیں کرنا چاہتا۔

صغریٰ : اور عائشہ تو؟

عائشہ : میرا تو صاف انکار ہے ممی . . . . . میرا تو سارا دن سپوئیل کردیں گے اپنی نصیحتوں سے۔

صغریٰ : (جاتے ہوئے) بہت اچھا تھینک یو ــــ فون کردو گے کہ وہ بھی میں کروں۔

اکرم : ممی . . . . . وہ پی اے آپ کی بات جلدی مان جائے گا۔ آپ ہی فون کردیں۔

صغریٰ : بالکل ــــ تمہاری بات بھلا وہ غریب کاہے کو مانتا ہے۔

(صغریٰ جاتی ہے۔ یہ دونوں دوبارہ موسیقی لگا کر سنتے ہیں۔)

کٹ ــــــــ

سین ۲۹

ان ڈور

صبح کا وقت

(بہت خوبصورت دفتر۔ اندر والے غسلخانے سے باسط نکلتا ہے۔ آگر سیٹ پہ

بیٹھتا ہے۔ پھر اندر غسلخانے میں چلا جاتا ہے۔ دوبارہ باہر آتا ہے۔ نمبر ملاتا ہے۔ کان کے ساتھ چونگا لگاتا ہے لیکن پھر خود ہی چونگا دھر دیتا ہے اس وقت ایک خوش شکل سیکرٹری داخل ہوتی ہے۔)

باسط : (بڑی محبت کے ساتھ) گڈ مارننگ مس حبیب (مٹھار کو ڈلار سے لمبا کر کے)

مس : (ڈر کر) گڈ مارننگ سر

باسط : لوکنگ ویری سمارٹ .... بہت اچھا رنگ پہنا ہے۔

مس : تھینک یو سر

باسط : سِٹ ڈاؤن مس .... (بہت ڈر کر کرسی کے آگے ہو کر بیٹھتی ہے) آپ کی امی کا کیا حال ہے؟

مس : ٹھیک ہیں جی

باسط : اوپریشن ہو گیا ان کا؟

مس : جی — دایاں گُردہ نکال دیا ہے سر۔

باسط : ویری سوری ویری سوری .... ویری پرٹی کلر یو آر ویرنگ ....

مس : تھینک یو سر

باسط : جو خط ڈینیل فاؤنڈری سے آیا تھا وہ کہاں ہے؟

مس : میں نے آپ کو دیا تھا سر مارک کرنے کے لیے۔

باسط : مجھے؟ (اب وہ دراز کھولتا ہے اور اوپر والا موڈ بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ وہ بیحد جنٹری طریقے سے خط تلاش کرتا ہے) مجھے دیا تھا۔ آر یو شیور؟

مس : جی سر جب آپ ہانگ کانگ جا رہے تھے اس روز سر۔

باسط : جاؤ اپنے ڈیسک پر تلاش کرو مجھے اچھی طرح یاد ہے تم نے مجھے کوئی خط نہیں دیا۔ گو ... لک فار ... اِٹ ....

(مس حبیب جو سر کے موڈ سے اچھی طرح واقف ہے، بھاگ کر جاتی ہے اب باسط ادھر اُدھر تلاش کرتا ہے اِس کے چہرے پر گہری پریشانی آجاتی ہے اور یوں لگتا ہے جیسے یہ پریشانی اندر دب تو جاتی ہے لیکن ختم نہیں ہوتی اور رہ رہ کر عود کر آتی ہے۔ اب مس حبیب واپس آتی ہے۔)

مس : سر یہ اس کی کاپی مل گئی .... اوریجنل نہیں ملا۔

باسط : (کاغذ پکڑ کر) مجھے پہلے ہی پتہ تھا... کہ خط آپ کے پاس ہوگا۔ یہ کاپی نہیں ہے مس اوریجنل ہے، اوریجنل ہے۔

مس : جی سر!

باسط : تم بے حد ان الیفیشنٹ .... اور سِلی لڑکی ہو .... آئی ایم سوری۔

مس : جی سر!

باسط : کس لیے کھڑی ہو؟ کیا دیکھ رہی ہو؟

مس : کچھ نہیں سر

باسط : تم لوگوں کے دماغ میں یہ بات ہوتی ہے کہ ہر باس تم سے فلرٹ کرے گا اور تم کام کرنے سے بچ جاؤ گی۔ آئی وانٹ ورک ڈو یُو انڈرسٹینڈ۔ جسٹ ورک!

مس : یس سر

باسط : بز آف ....

مس : جی سر....

(مس حبیب بھاگ جاتی ہے۔ اب وہ بیٹھ کر خط دیکھتا ہے۔ پھر فون اُٹھا کر کہتا ہے:)

باسط : مس حبیب — یہ تو آپ مجھے کاپی دے گئی ہیں۔ آئی وانٹ دی اوریجنل لیٹر۔ ہاں بابا — مجھے بلیم کر دو... لُک فار اٹ سویٹ گرل۔ آپ

کی ٹرے میں ہوگا۔

(تھک کر چہرہ ہاتھوں میں لیتا ہے۔)

کٹ ________

سین ۳۰

ان ڈور

شام

(صغریٰ ڈرائینگ رُوم سے پھولوں کا گلدستہ اُٹھائے گزر رہی ہے۔ سامنے سے دروازہ کھول کر اکرم آتا ہے۔)

اکرم : ممی ذرا چابیاں دیں کار کی۔

ممی : کہاں جانا ہے؟

اکرم : ذرا فن فیئر پہ جانا ہے۔

ممی : ابھی تمہارے ڈیڈی گھر پہ ہیں۔ آرام سے بیٹھ کر پڑھو۔

اکرم : میں پڑھ چکا ہوں ممی۔

ممی : جب تک وہ گھر پہ ہیں، اور پڑھو۔

اکرم : کبھی میرے نمبر کم آئے ہیں۔

ممی : اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔۔۔۔ جب ڈیڈی گھر پہ ہوں ہمیشہ پڑھتے رہو۔

اکرم : تو آپ انہیں باہر بھیج دیں ناں پلیز۔

ممی : شی!

(اس وقت ڈیڈی اندر سے باہر نکلتا ہے۔)

ڈیڈی : یہ واش بیسن میں ٹوتھ پیسٹ کس نے گرائی ہے صغریٰ؟

صغریٰ : (جلدی سے اندر جاتی ہے) میں دیکھتی ہوں جی۔

کٹ ________

سین ۳۱
اِن ڈور
شام

(باسط تین اور کھلاڑیوں کے ساتھ برج کھیل رہا ہے وہ اُکتایا ہُوا ہے اس کے پیچھے ایک اور ممبر کھڑا ہے وہ ایک دو چال کھیل کر اپنا ہاتھ اسے دے دیتا ہے اور برج ٹیبل سے اُٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوتا ہے اس وقت اس کے مُنہ میں سگار ہے۔ وہ جلدی جلدی پف کرتا ہے۔)

کٹ ________

سین ۳۲
ان ڈور
گہری شام

(ڈاکٹر کے پاس باسط بیٹھا ہے۔ اس کا چہرہ اُترا ہوا ہے۔)

باسط : اگر یہ ہارٹ نہیں ہے تو کیا ہے ؟

ڈاکٹر : آپ کا ای سی جی بالکل کلیئر ہے شیخ صاحب آپ کسی قسم کے وہم میں مبتلا نہ ہوں یہ فقط ٹینشن ہے .... اوور ورک ہے .... پریشر ہے .... اور آپ اسے خود بلڈ کر رہے ہیں۔

باسط : میں بلڈ کر رہا ہوں — میں ..... میں تو اس عذاب سے نکلنا چاہتا ہوں ڈاکٹر صاحب، میں بلڈ کر رہا ہوں ؟ .... میں کسی آدمی کی کمپنی میں زیادہ دیر بیٹھ نہیں سکتا ..... مجھے لگتا ہے میں اپنے جوب، اپنے فرینڈز، اپنے حالات کے ڈیڈ اینڈ پر آ گیا ہوں ..... مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے میں اپنی فیلنگز کے ڈیڈ اینڈ پر بھی آ گیا ہوں ..... مجھے سارا وقت یوں لگتا ہے جیسے میں قید ہوں ..... کوئی خوشی دیر پا نہیں، کہیں سکون نہیں ..... پہلے میں ذرا ایموشنل سٹرس کو کم کرنے کے لیے ہانگ کانگ، سنگاپور چلا جاتا تھا مساج وغیرہ کرانے، فلرٹ کرنے ..... اب Senses کی آسودگی بھی دیر پا ثابت نہیں ہوتی ..... پتہ نہیں میں کیا کرنا چاہتا ہوں ؟ کہاں جانا چاہتا ہوں۔ ہر وقت میں ہری میں تیزی میں مبتلا ہوتا ہوں .... ہری فرام پلیس ٹو پلیس — ہری فرام پیپل ٹو پیپل۔

ڈاکٹر : میں آپ کو ایڈوائس دوں باسط .... صاحب۔

باسط : ضرور!

کٹ ———

سین ۳۳
آؤٹ ڈور
شام

(ایک بڑی سی کوٹھی کا پورچ ..... باسط اور صغریٰ باہر آتے ہیں۔ باسط جلدی سے پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھتا ہے چند ثانیے بیٹھتا ہے پھر نکلتا ہے۔)

باسط : کمال ہے مجھے تو بھول ہی گیا بابا چھٹی پر ہے۔

(بھاگ کر سامنے ڈرائیور والی سیٹ پر بیٹھتا ہے۔ وہاں بیٹھ کر چابیاں تلاش کرتا ہے پھر صغریٰ سے کہتا ہے چابیاں تو شاید میں اندر ہی بھول آیا ہوں صغریٰ جلدی سے اندر جاتی ہے اب کیمرہ دکھاتا ہے کہ چابیاں کار میں لگی ہیں۔ وہ صغریٰ کا انتظار کئے بغیر بڑی تیزی کے ساتھ کار نکالتا ہے صغریٰ اب پورچ میں آتی ہے۔)

کٹ ـــــــــــ

سین ۳۴
آؤٹ ڈور
صبح

(کوٹھی کے لان میں مالی گھاس کاٹنے والی مشین چلا رہا ہے صغریٰ ادھر آتی ہے۔)

صغریٰ : نبی بخش ابھی ٹھہر جاؤ۔ ابھی صاحب سوئے ہوئے ہیں تھوڑی دیر میں جب وہ اٹھیں گے تو مشین چلا لینا۔

(اس وقت کرکٹ کا بیٹ اور بال لے کر عائشہ اور اکرم باہر لان میں آتے ہیں۔)

صغریٰ : پلیز بیٹے تھوڑی دیر کے لیے — ابھی تمہارے ڈیڈی کی آنکھ لگی ہے۔

عائشہ : تو آپ ان کو اندر کیوں نہیں لے جاتیں — اچھا بھلا ایئر کنڈیشنڈ کمرہ چھوڑ کر باہر آگئے ہیں۔

صغریٰ : کوئی ہرج نہیں .... دو چار دن کی بات ہے۔ وہ آپ ہی اندر چلے جائیں گے پلیز بیٹے ابھی نہیں۔

اکرم : بڑی تنگ کر دی ہے زندگی آپ لوگوں نے ....

(اب کیمرہ پین کرتا ہوا دکھاتا ہے کہ ایک درخت کے ساتھ جھیک باندھ کر باسط اس میں لیٹا ہوا ہے۔ کیمرہ اس جھیک کے پاس جاتا ہے۔ باسط نے آنکھوں پر وہ اندھیاریاں پہن رکھی ہیں جو پی آئی اے والے اپنے مسافروں کو دیتے ہیں۔ کیمرہ اور قریب جاتا ہے باسط اندھیاریاں ماتھے پر رکھ کر گھڑی دیکھتا ہے اور پھر اندھیاریاں پہن کر سونے کی کوشش کرتا ہے۔)

کٹ ————

سین ۳۵

ان ڈور

رات

(اس وقت صغریٰ پلنگ پر اکیلی ڈری ہوئی بیٹھی ہے غسلخانے سے دروازہ کھول کر باسط باہر نکلتا ہے اس نے نائیٹ سوٹ پہن رکھا ہے۔)

باسط : پہلے اباجی تھے۔۔۔۔ اباجی۔۔۔۔ وہ ساری عمر کا سالو دا ہی بنے رہے۔۔۔۔ کبھی حویلی بیچ دی۔۔۔۔ کبھی شہر والی زمین گروی رکھ دی۔۔۔۔ کوئی پرواہ نہیں تھی ان کو میری۔۔۔۔ جب باپ ہی دشمن ہو۔۔۔۔ تو خوشی کہاں میسر آئے پھر۔۔۔۔ شہر آئے تو بیوپاری ٹکر گئے۔۔۔۔ شہر والوں نے زندہ درگور کر دیا۔ اعصاب چاٹ لیے۔ میں سکیپ گوٹنگ نہیں کر رہا صغریٰ۔

صغریٰ : نہیں جی میں کب کہتی ہوں۔

باسط : میں بڑا بے چین ہوں اور کوئی میری بات نہیں سمجھتا۔۔۔ کوئی میری مشکل نہیں سمجھتا۔

صغریٰ : کیا۔۔۔۔ آپ مجھ سے تنگ ہو گئے ہیں باسط ؟

باسط : تم سے؟

صغریٰ : اگر آپ کی زندگی میں کوئی اور داخل ہو چکی ہے۔۔۔۔

باسط : میری زندگی میں — میں اپنی زندگی میں خود داخل نہیں ہو سکا۔۔۔۔ تم کسی اور کو کیا گھسیٹ رہی ہو اندر۔۔۔۔

صغریٰ : پھر یہ سب کیا ہے یہ پریشانی — یہ بے چینی۔۔۔۔ یہ ناآسودگی۔۔۔۔

باسط : یہ سب ہے۔۔۔۔ دشمنی، جیلسی، حسد۔۔۔۔ ہر وقت ہر لمحے۔۔۔۔ ہر موڑ پر کسی نہ کسی نے میری زندگی میں زہر گھول دیا۔۔۔۔ اب میرے اپنے بچے میرے دشمن ہیں۔ وہ مجھے نہیں سمجھتے۔۔۔۔ میں شمال جانا چاہتا ہوں، وہ جنوب کی طرف کھینچتے ہیں۔۔۔۔ میں کسی کو کیا بتاؤں کہ میری زندگی کو اب کس نے تباہ کر رکھا ہے۔

صغریٰ : وہ بیچارے تو خود سمجھ نہیں سکتے کہ آپ کو کیسے خوش کریں !

باسط : وہ مجھے خوش کرنا چاہتے ہیں۔۔۔۔ مجھے۔۔۔۔ ارے صغریٰ مجھے تو ساری عمر کسی نے خوش کرنے کی کوشش نہیں کی، وہ کیا کریں گے۔ کوئی مجھے سمجھا ہی نہیں۔

صغریٰ : میں انہیں سمجھا دوں گی۔

باسط : سمجھاؤ سمجھاؤ.... لیکن وقت سے پہلے سمجھا لینا کہیں دیر نہ ہو جائے... شام کم رہ گیا ہے۔

(جلدی سے سگار منہ میں ڈال کر پف کرتا ہے۔)

کٹ ________

سین ۳۶
ان ڈور
شام

(پہلے کیمرہ اکرم پر آتا ہے وہ بددلی سے سوٹ کیس پیک کر رہا ہے پھر عائشہ پر آتا ہے وہ بھی اَن مانے جی سے کچھ سامان بیگ میں رکھ رہی ہے اندر سے صغریٰ آتی ہے۔)

صغریٰ : میرے لیے صرف دو وائیل کے سوٹ رکھ لینا عائشہ بس۔

عائشہ : ممی خدا کے لیے آپ دونوں نہیں جا سکتے اپنے پیارے پنڈ ؟

صغریٰ : کیا تم اپنے باپ کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتیں کہ دو چار دن ان کے ساتھ گاؤں چلی جاؤ....

اکرم : ہم نے تو صرف فلموں میں گاؤں دیکھے ہیں ممی وہاں بھی ہمیں اچھے نہیں لگے کبھی۔ پتہ نہیں آپ ہمیں کیوں فورس کر رہی ہیں....

صغریٰ : اس لیے کہ ابو وہاں چند دن اپنی فیملی کے ساتھ اکیلے رہنا چاہتے ہیں۔ ہم سب کے ساتھ!

عائشہ : لیکن ہم ان کے ساتھ unprotected محسوس کرتے ہیں۔ اَن سیف!

صغریٰ : چلنا ہے اور بک بک نہیں کرنی۔ دونوں سن لو۔ وہاں انہیں آرام ملے گا۔

بیس سال بعد اپنے پرانے ماحول میں جاکر وہ ضرور ریلیف محسوس کریں گے۔
ڈاکٹر نے مشورہ دیا ہے۔

عائشہ : خدا کے لیے آپ دونوں چلے جائیں سیکنڈ ہنی مون کے لیے ہمیں معاف رکھیں۔

صغریٰ : بس عائشہ! تم دونوں چلو گے اور وہاں behave کرو گے۔ سنا؟

__________ کٹ

سین ۳۷
آؤٹ ڈور
شام

(گاؤں کے مختلف مقامات پر چاروں موجود ہیں۔ بچے مکمل طور پر بور ہو چکے ہیں۔
صرف صغریٰ خوش نظر آتی ہے۔)

__________ کٹ

سین ۳۸
آؤٹ ڈور
شام

(چاچا شاہ عنایت ایک کیارے میں رنبے کے ساتھ پنیری لگا رہا ہے۔ اس کے

بائیں ہاتھ میں پنیری ہے اور دائیں میں رنبہ سے زمین میں ٹک دیتا ہے اور پھر رنبہ رکھ کر بائیں ہاتھ کی پنیری سے ایک پودا چٹکی میں پکڑتا ہے اور زمین میں دبا کر، آگے رنبہ چلاتا ہے۔ سامنے ایک اونچے سے بنّے پر باسط ٹانگیں پھیلائے بیٹھا ہے۔ اس نے نیلے رنگ کی جینز پہن رکھی ہے، اور ایک رنگدار خوبصورت بنیان جس کے سینے پر تصویر ہے یا کوئی سلوگن لکھا ہے، پہنی ہوئی ہے۔ جب سین کھلتا ہے تو چند سیکنڈ تک شاہ عنایت کی بزنس نظر آتی ہے۔ پھر وہ رنبہ روک کر کہتا ہے:)

عنایت : دنیا کی مصیبتیں اور جھگڑے جھیڑے بکھیرنے کے لیے نہیں ہوتے میاں باسط علی۔ ان مصیبتوں کو سنبھال کر اور سینت کر رکھنا پڑتا ہے۔ اور دنیا کی مصیبتیں جمع کرنے کی سب سے اچھی جگہ اپنی جیب ہے۔

باسط : جیب چاچا!

عنایت : یہ کھیسہ نہیں ہوتا جوان گُرتے میں۔ اس میں ہر مصیبت کو، ہر دکھ کو چپ کر کے اپنے کھیسے میں ڈالتے جاؤ... پر ایسے کھیسے میں باسط علی جس میں موری ہو۔

باسط : موری چاچا!

عنایت : سوراخ نہیں ہوتا کبھی کبھی کھیسے میں۔ جس میں سے چوانی اٹھیانی گر جایا کرتی ہے، اس میں ڈالا کرو۔

باسط : لیکن میں تو تھک گیا ہوں چاچا۔ مجھے تو یہاں سے جا کر بھی اطمینان نصیب نہ ہوا۔

عنایت : ہو جائے گا ہو جائے گا۔ اطمینان اللہ سائیں کے فضل سے نصیب ہوتا ہے کاکا، ڈنڈ سپاٹے لگانے اور الٹے لٹکنے سے نہیں ملتا۔

باسط : لیکن یہ سب کچھ ہے کیا چاچا؟ یہاں، وہاں — امیری غریبی — شہر گاؤں۔ سکون قلب کہیں بھی موجود نہیں۔ میں نے اپنی مرضی کے مطابق حالات میں تبدیلی کی اور حالات بدل بھی گئے اور میری مالی حالت بہت اعلیٰ ہو گئی لیکن

اطمینان پھر بھی نہ ملا۔

عنایت : ہر نئی تبدیلی، بندگلی ہوتی ہے بیٹا۔۔۔ سماں بدل بھی جائے تو بھی آگے راستہ بند ہوتا ہے۔ یہ اپنا بھینسا نہیں ہوتا باسط پیلی برباد کرنے والا کھور و ڈالنے والا۔۔۔ اس کو کسی کھیت میں آرام نہیں ملتا۔۔۔ کبھی ہرا بھرا کھیت ویران کرتا ہے۔ کبھی کلر شور میں جا کر لیٹنیاں لیتا ہے۔ کبھی نہر میں اُتر کر کنارے کو ٹکریں مارتا ہے۔ یہی حال انسان کا ہے نہ امیری میں خوش ہوتا ہے نہ غریبی میں۔

باسط : تو پھر اور کس طرح سے خوش ہو سکتا ہے یہ بدنصیب! چاچا۔

عنایت : بس ایک ہی کھلا رستہ ہے کاکا ٹھنڈی چھاں والا اور موج بہاراں والا۔ اور وہ ہے اللہ کا ذکر۔۔۔ اللہ سائیں کے ذکر کے سوا باسط اطمینان مل ہی نہیں سکتا۔ اللہ کہتا ہے تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ اور اس کا ذکر کرنے والے لوگ ایسے ہیں میاں باسط علی جو ہر وقت اللہ سائیں کو یاد کرتے ہیں۔۔ کھڑے ہوں۔ بیٹھے ہوں۔۔ لیٹے ہوں رب سچے کا ذکر نہیں چھوڑتے اور آسماناں زمیناں کے پیدا ہونے پر غور کرتے رہتے ہیں۔۔۔ غور اپنے ولایت والے بھی کرتے ہیں۔۔ بڑے پکے اور محنتی لوک ہیں۔ کیسی کیسی ون سونی چیزیں بنا دیں غور کر کے پر ساتھ ذکر نہیں کرتے اللہ سائیں کا تو خود بھی دُکھی ہو گئے ہیں اور جو جوان کے ساتھ لگے ہیں وہ بھی دُکھی ہو گئے ہیں۔۔۔ کچھ کھایا ہے تو نے؟

باسط : نہیں چاچا مجھے بھوک نہیں لگتی زیادہ۔

عنایت : (دونوں ہاتھ رانوں سے پونچھ کر پگڑی کے لڑ سے بندھی ہوئی روٹی کھولتا ہے) لے پھر یہ کھا مٹھی روٹی کا ٹکڑا۔

باسط : مہربانی چاچا۔۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔

عنایت : اوئے اس طرح انکاری نہیں ہوا کرتے اپنے بابوں چاچوں کے ساتھ۔ سلام کر کے

لے لیا کرتے ہیں خوش ہو کر کھا لیا کرتے ہیں۔ بابے چاچے ہوتے کس لیے ہیں مور کھا۔ لے پکڑ۔

باسط : مہربانی چاچا۔

(لے کر آہستگی سے کھانے لگتا ہے۔)

چاچا : دل چھوٹا نہ کیا کر یار — تُو تو شیر ببر ہے۔ یہ امیری غریبی دونوں ہی دھوکے ہیں۔ امیر سمجھتے ہیں ہم مارے گئے ہم کو ہی سارے دکھ ہیں۔ غریب کہتے ہیں سب سے بڑا دکھ غریبی کا ہے دونوں ایک دوسرے کو سُکھی سمجھتے ہیں حالانکہ سُکھی وہی ہے جو اس کا نام لیتا ہے — انجے!

نانک دُکھیا سب سنسار

اک سُکھیا جس نام ادھار

جس نے اس کا نام دھار لیا اس کو ستے خیراں کلا جگ گئی اس کی — اندر بھی روشنائی باہر بھی روشنائی۔ اپنے شاہ صاحب نہیں — حیدر شاہ۔

باسط : حیدر شاہ کون چاچا؟

چاچا : اوہ وہ یار باسط ..... ایجنسی والے — جن سے غلام محمد نے ٹریکٹر خریدا ہے۔ وہ مجھے بتا رہے تھے کہ جہاں سے ہمارے ٹریکٹر بن کر آتے ہیں ناں ولایت سے۔ کوئی مشینوں والا ملک ہے۔ مجھے نام یاد نہیں رہا — اس میں اچھے بھلے سیانے بیانے لوگ — سَو کھے کھاندے پیندے عیش بہاراں کرتے، خودکشی کر کے مر جاتے ہیں۔

باسط : اس ملک کا نام سویڈن ہے چاچا۔

چاچا : ان کو چِٹھی لکھ دے میری طرف سے از طرف شاہ عنایت موضع شالا کوٹ غربی ضلع شیخوپورہ کہ زمین آسمان میں غور کرتے وقت — مشین پرزہ بناتے سمے اللہ

سائیں کا ذکر ضرور کیا کریں۔ خیر ہی خیر ہو جائے گی مشینیں تو آتی ہی ہیں پھر دل بھی ولایت سے آیا کریں گے ۔۔ ولایت جو ہوا باسط علی ۔۔ کیوں بھئی۔

باسط : ہاں جی۔

چاچا : تُو نے جو اتنا لمبا بکھیڑا کیا منڈیا تو اپنے سریر کو سُکھ دینے کے لیے۔ اپنے بدن کو آرام پہنچانے کے لیے پر بھائی سریر کا سُکھ اطمینان نہیں دے سکتا۔ اطمینان روح کو سُکھ دینے سے ملتا ہے۔ روح کو سُکھ ملتا ہے اللہ سچے کے ذکر سے۔ ٹھنڈے کمرے، گرم چاہ، تویں موٹر سے نہیں ملتا۔ تُو تو خود سیانا ہے۔ پڑھا لکھا ہے۔ کان میں تیل ڈالنے سے نظر تیز نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے تو آنکھ میں ہی دوا ڈالنی پڑے گی ٹھیک ہے نہیں۔ اطمینان کے لیے روح کو اللہ سائیں کے نام کی یاد دلانی پڑے گی۔ باقی سارے رستے بند گلیاں ہیں۔ کسی میں داخل ہو جاؤ آگے ٹکر ہی ٹکر ہے۔

(باسط کسی بھی بات کا جواب دیئے بغیر اپنی جگہ سے اُٹھتا ہے اور بستی کی طرف چل دیتا ہے۔ چاچا بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ پھر پنیری بونے لگتا ہے۔)

کٹ

سین ۳۹
ان ڈور
شام

(باسط اپنے گاؤں کے گھر میں داخل ہوتا ہے۔ صغریٰ چارپائی پر بیٹھی ہے وہ ابھی رو کر ہٹی ہے اور آنسوؤں کی آب اس کے چہرے سے ظاہر ہے۔)

باسط : کیا بات ہے صغریٰ ؟

صغریٰ : کچھ نہیں

باسط : بچّے کہاں ہیں ؟

صغریٰ : (خاموش ہے)

باسط : اکرم اور عائشہ کہاں ہیں ؟

صغریٰ : وہ چلے گئے — دونوں ۔

باسط : چلے گئے !

صغریٰ : کہہ رہے تھے ہم یہاں نہیں رہ سکتے — اس پورا ایٹ ماسفیئر میں — ہمارا دل نہیں لگتا اس پنڈ شریف میں ۔

باسط : بالکل ٹھیک کیا انہوں نے ۔

صغریٰ : موٹر نکالی ، سامان رکھا اور مجھے سلام کئے بغیر واپس چلے گئے ۔

(رونے لگتی ہے ۔)

باسط : پھر کیا ہوا صغریٰ — کمال کرتی ہو — ان کا دل نہیں لگا وہ چلے گئے ۔ ہمارا دل ابھی کچھ دن لگے گا ہم رہیں گے آرام کے ساتھ ۔

صغریٰ : لیکن .... وہ .... اکرم اور عائشہ ....

باسط : جس دن ان کی یاد ستائے گی اسی دن ہم بھی چلے چلیں گے — شہر — واپس ۔

صغریٰ : تو ان کو ابھی پیغام بھجوا دیجئے کہ چھوٹی گاڑی ہمیں بھجوا دیں ۔

باسط : گاڑی واڑی ہم نے کیا کرنی ہے صغریٰ — جس دن جانا ہوا ، اڈے پر پہنچ کر لاری پکڑ لیں گے — as simple as that!

صغریٰ : باسط !

باسط : جی !

صغریٰ : آپ اچانک اتنے کائینڈ کیوں ہوگئے ہیں — ایک دم سے۔

باسط : بس ۔۔۔۔ ایسے ہی ۔۔۔۔ خوشی کی وجہ سے۔

صغریٰ : (قریب آکر کندھے پر ہاتھ دھر کر) مجھے سچ سچ بتائیں — اپنے ایمان کے ساتھ —
(وقفہ)

کوئی عورت تو نہیں آگئی میری جگہ سنبھالنے۔

(باسط اس طرح سے منہ بناتا ہے جس سے نہ اقرار کا اظہار ہوتا ہے نہ انکار کا۔)



سائنس اور سکائی ٹرسٹ

کردار :

زیبا : خودسر، غصہ ور عورت

نعیم : زیبا کا شوہر۔ حالات سے گھبرایا ہوا

ممی : زیبا کی والدہ

سائیں : دیہاتی وضع قطع کا پیر۔ ہنس مکھ۔ دوسروں کے دکھ درد میں شریک

ڈاکٹر : ایک قابل فزیشن

سکائی ٹرسٹ : ماہر نفسیات

اور کچھ خادم



سین ا
ان ڈور
شام کا وقت

(ڈاکٹر کا خوبصورت کلینک ۔ڈاکٹر صاحب میز کرسی لگائے بیٹھے ہیں اور ایک ایکسرے کا معائنہ کر رہے ہیں۔ ان کی نرس اندر داخل ہوتی ہے اور کہتی ہے :)

نرس : ڈاکٹر صاحب مسز وحید آئی ہیں۔

ڈاکٹر : (سر ہلا کر) ہُوں

(نرس جاتی ہے اور مسز وحید اپنی نوجوان خوش شکل مُسکراتی ہوئی بیٹی سلمیٰ کو لے کر اندر داخل ہوتی ہیں۔)

بیگم وحید : السلام علیکم ڈاکٹر۔

ڈاکٹر : (نظریں اُٹھا کر) وعلیکم السلام ۔تشریف رکھیے۔

(دونوں بیٹھ جاتی ہیں۔ ایک سیکنڈ کے لیے ڈاکٹر صاحب ایک پرچی پر کچھ لکھتے ہیں اور پھر میز پر رکھی گھنٹی بجا کر نرس کو بُلاتے ہیں۔ وہ آتی ہے تو ڈاکٹر اس کو وہ پرچی دیتے ہیں۔نرس واپس چلی جاتی ہے۔)

ڈاکٹر : جی

بیگم : ان گولیوں سے تو کوئی فرق نہیں پڑا ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر : کیوں بھئی ؟

سلمیٰ : جی ڈاکٹر صاحب

ڈاکٹر : پھر اور کیا دوائی دیں تُم کو ؟

سلمیٰ : کچھ نہیں ڈاکٹر صاحب۔ مجھے ضرورت ہی نہیں۔

بیگم : کیوں ضرورت نہیں سلمیٰ بچّے۔ ضرورت ہے تم نارمل نہیں ہو۔

ڈاکٹر : نہیں خیر یہ بات تو نہیں۔ اصل میں آپ خوامخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔

بیگم : میں اسے نیورو فزیشن کو نہ دکھاؤں ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر : نیورو فزیشن تو نہیں بیگم صاحب آپ کسی سکائی ٹرسٹ سے مل لیجیے۔

بیگم : ڈاکٹر فیروز سے۔

ڈاکٹر : ڈاکٹر فیروز سے یا پروفیسر سلیم سے ... یا ڈاکٹر بدر سے۔ وہ ابھی امریکہ سے آئے ہیں سائیکو انیلیسس کا کورس کر کے۔

بیگم : ڈاکٹر بدر آ گئے ہیں واپس — آ گئے۔

ڈاکٹر : جی

بیگم : (اُٹھتے ہوئے) بس پھر وہی ٹھیک ہے — تھینک یو ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر : (کھڑے ہو کر) یو آر ویلکم بیگم صاحب۔

بیگم : (جاتے ہوئے) السلام علیکم ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر : وعلیکم السلام

(دونوں ماں بیٹیاں کلینک سے نکلتی ہیں۔ ڈاکٹر تھوڑی دیر اسی طرح کھڑا رہتا ہے۔ نرس پھر داخل ہوتی ہے۔)

نرس : مسٹر اینڈ مسز نعیم۔ ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر : بھیجیے

(کھڑا رہتا ہے۔ مسٹر اور مسز نعیم داخل ہوتے ہیں۔)

نعیم : السلام علیکم ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر : (ہاتھ ملا کر) وعلیکم السلام۔ کیف حالک۔

(زیبا بیٹھ چکی ہے۔)

نعیم : شکریہ ڈاکٹر صاحب۔ مہربانی

ڈاکٹر : ہاؤ آر یو مسز نعیم؟

زیبا : مز ریبل ڈاکٹر مز ریبل

ڈاکٹر : اوہ۔ آئی ایم سوری

نعیم : وہ ٹرنکلائزرز ہیں تو اچھے ڈاکٹر صاحب لیکن کوئی مستقل ایفکٹ نہیں۔

زیبا : اچھے! مائی فٹ!

ڈاکٹر : اب آپ کیا محسوس کرتی ہیں؟

زیبا : کچھ بھی نہیں ڈاکٹر صاحب محسوس کیا کرنا ہے۔

ڈاکٹر : میرا مطلب ہے پہلے سے کچھ فرق محسوس کیا آپ نے؟ How do you feel?

زیبا : I feel that I am a stupid, selfish, hypocritical, egotistical, narrow-minded nitwit.

(بھیں بھیں رو کر)

کچھ اور پوچھنا چاہتے ہیں آپ۔

ڈاکٹر : پلیز.... پلیز.... مسز نعیم حوصلہ کیجیے۔ دیکھیے۔ دیکھیے۔ میری بات سنیئے۔

(لیکن زیبا سسکیاں بھر کر رونے لگتی ہے اور میز پر اپنا سر رکھ دیتی ہے۔ نعیم بہت ہی پریشان الوؤں کی طرح دیکھ رہا ہے۔)

_______ کٹ

سین ۲
ان ڈور
شام کا وقت

(ڈاکٹر بدر نواز ایم ڈی کی تختی سکرین پر اُبھرتی ہے۔ کٹ کر کے دکھاتے ہیں کہ اندر بیگم وحید اور سلمیٰ بیٹھی ہیں۔)

ڈاکٹر : (اپنے کارڈ بکس میں کارڈ دیکھتے ہوئے) آپ نے مجھے فون کیا تھا۔

بیگم : جی ڈاکٹر صاحب۔ بیگم وحید۔

ڈاکٹر : (کارڈ نکال کر) جی۔ فرمائیے۔

بیگم : ڈاکٹر صاحب یہ میری بچی ہے۔ سلمیٰ۔

(سلمیٰ بڑے سبھاؤ سے مُسکراتی ہے۔)

اس کی کچھ مشکلات ہیں ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر : ہیومن بینگز کی مشکلات تو ہوتی ہیں بیگم صاحب کیوں بھئی!

سلمیٰ : (مُسکرا کر) جی —

بیگم : ڈاکٹر صاحب یہ سیکنڈ ایئر میں پڑھتی ہے۔ جون بنجمن کالج میں۔

ڈاکٹر : خوب!

بیگم : اگر ڈاکٹر صاحب ... آپ مناسب سمجھیں تو میں علیحدگی میں بات کر سکتی ہوں آپ سے؟

ڈاکٹر : (اُٹھ کر) ضرور ضرور۔

بیگم : کیوں بیٹے۔

سلمیٰ : جی امی — ضرور۔

(ڈاکٹر اور بیگم وحید ساتھ والے کمرے میں چلے جاتے ہیں جہاں سکائی ٹرسٹ کا کاؤچ بچھا ہے۔ دونوں آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔)

بیگم : ڈاکٹر صاحب میری یہ بچی کچھ ابنارمل ہے۔

ڈاکٹر : ہُوں

بیگم : اس کے ابّو تو کام کاج میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کو تو زیادہ معلوم نہیں لیکن میں بہت پریشان ہوں۔

ڈاکٹر : جی جی

بیگم : یہ ڈاکٹر صاحب . . . . جو سلمٰی ہے ناں . . . . تو یہ میرے دوسرے چاروں بچوں سے مختلف ہے۔ مجھے اس کی کچھ سمجھ نہیں آتی . . . . بلکہ کبھی کبھی تو مجھے اس سے ڈر لگنے لگتا ہے۔

ڈاکٹر : جی

بیگم : یہ ڈاکٹر صاحب ـــــ بور نہیں ہوتی بالکل۔

ڈاکٹر : (حیرانی سے) جی!

بیگم : کیسی بھی سچوئشن ہو، کسی طرح کے حالات ہوں، کتنا بھی ڈل ماحول کیوں نہ ہو ڈاکٹر صاحب یہ بور نہیں ہوتی۔ آرام سے بیٹھی رہتی ہے۔

ڈاکٹر : پڑھائی میں کیسی ہے؟

بیگم : پڑھائی میں یا اوّل یا سیکنڈ۔ نٹ بال کی شوٹر ہے۔ کالج کلر ملا ہے اس کو۔ ہرڈل ریس میں پہلے تھرڈ تھی، اس مرتبہ اوّل آئی ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب یہ اپنے دوسرے بھائی بہنوں سے بہت مختلف ہے۔ میرا خیال ہے اس میں کوئی خرابی ہے۔

ڈاکٹر : آپ نے کس طرح سے اندازہ لگایا؟

بیگم : بتا رہی ہوں کہ یہ بور نہیں ہوتی ڈاکٹر صاحب! اپنے دوسرے بہن بھائیوں کی طرح

یا اپنی سہیلیوں کی طرح مجھے تو اس کی فکر پڑی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر : فکر کیوں بیگم صاحب؟

بیگم : ڈاکٹر صاحب بور تو اَن پڑھ لوگ نہیں ہوتے، جاہل گنوار۔ پڑھے لکھے لوگوں کو تو بور ہونا ہی چاہیئے ناں۔

ڈاکٹر : وہ کیوں بیگم صاحب؟

بیگم : ان کے پاس علم ہوتا ہے، عقل ہوتی ہے۔ وہ بُرے بھلے کی تمیز کر سکتے ہیں۔ ان کو پتہ ہوتا ہے یہ ہمارا انٹرسٹ ہے یہ نہیں ہے۔ جہاں انٹرسٹ نہ ہو وہاں بور ہو جاتے ہیں۔

ڈاکٹر : کب سے ہے یہ تکلیف بچّی کو؟

بیگم : شروع سے ڈاکٹر صاحب بچپن سے۔ اور میرے سارے بچّے ماشاءاللہ اعلیٰ سے اعلیٰ کھلونوں سے کھیلتے رہے، اچھے سے اچھے کپڑے پہنتے رہے لیکن اس کو کبھی خواہش پیدا نہیں ہوئی ایسی چیزوں کی چھوٹی تھی تو سارا دن پنگھوڑے میں پڑی چابیوں کے گچھے سے کھیلتی رہتی تھی۔ بڑی ہوئی تو ایک ہی گڑیا کے ساتھ کھیلتی رہی چھ سات سال تک۔ اب بھی ــــ اب بھی یہی حال ہے۔ شام کے وقت ٹی وی چل رہا ہے گھر پر، سب بچّے دیکھ رہے ہیں شوق سے اور یہ کوارٹروں میں بیٹھی ہے مالی کی بیٹیوں کے ساتھ۔

ڈاکٹر : گویا ٹی وی دیکھنے کا شوق نہیں بیٹی کو!

بیگم : نہیں جی! ٹی وی بھی دیکھتی ہے شوق کے ساتھ۔ لیکن جن پروگراموں کو بچّے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، میں بھی چلی جاتی ہوں یہ ان کو بھی دیکھتی رہتی ہے بیٹھی۔ بور ہی نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر : تو ٹھیک ہے۔ پھر کیا حرج ہے بیگم صاحب۔

بیگم : اچھا نہیں لگتا ڈاکٹر صاحب ۔ یہ فٹ نہیں کرتی ہماری سوسائٹی میں ۔ چڑنا ۔ گستاخ ہونا ۔ بے قرار رہنا ۔ دوسروں کو بے چین کرنا یہ تو ہمارے لوگوں میں ضروری ہیں ۔ آخر ہم نے خدانخواستہ ساری زندگی جاہلوں میں تو نہیں گزار دی ناں ڈاکٹر صاحب ۔

ڈاکٹر : اپنی سہیلیوں کے ساتھ اس کا رویہ کیسا ہے ؟

بیگم : بالکل ٹھیک ۔ نارمل

ڈاکٹر : اور بہن بھائیوں کے ساتھ ؟

بیگم : بے حد محبت والا ۔ بہت ہی لوینگ ۔۔ رویہ تو اس کا ہر ایک کے ساتھ ٹھیک ہے لیکن یہ ڈل سے ڈل سچوئشن میں بھی خوش رہتی ہے ۔ اس کو پتہ نہیں چلتا کہ بوریت کس کو کہتے ہیں ۔

ڈاکٹر : جی

بیگم : میرے دوسرے بچے ہیں ۔ ماشاءاللہ ۔۔۔ ابھی فلم دیکھ کر آئے ہیں ۔ کپڑے بدلتے ہیں ۔ کچھ دیر بیٹھتے ہیں ۔ بس بور ہو جاتے ہیں پھر کافی بار پر آئس کریم کھانے چلے جاتے ہیں ۔ ڈسکو پر میوزک سننے چلے جاتے ہیں ۔ واپس آتے ہیں تو وی سی آر دیکھنے لگ جاتے ہیں ۔

ڈاکٹر : اور یہ ان کے ساتھ نہیں جاتی !

بیگم : چلی بھی جاتی ہے ۔ آئس کریم بھی کھا آتی ہے ۔ میوزک بھی سنتی ہے لیکن نہ جا سکے تو بور نہیں ہوتی ۔ کبھی شکایت نہیں کرتی ۔

ڈاکٹر : (مسکرا کر) لیکن بیگم صاحب آپ کو پریشانی کس بات کی ہے ؟

بیگم : پریشانی اس بات کی ڈاکٹر صاحب کہ یہ مطمئن رہتی ہے ہر وقت ۔ مسکراتی رہتی ہے اطمینان کے ساتھ اور مجھے اس سے بڑا ڈر لگتا ہے ۔ یہ نارمیلٹی نہیں ہے ۔ اس کو گلہ گزار ہونا چاہیئے کچھ نہ کچھ ۔

ڈاکٹر : آپ سے کس نے کہا ؟

بیگم : مجھے خود معلوم ہے ڈاکٹر صاحب مطمئن رہنا تو مُردہ لوگوں کا کام ہے مبے حس اور کم دماغ لوگوں کا۔ چاق وچابند، الرٹ اور ایفی شنٹ لوگ تو بوریت سے دُور بھاگتے ہیں۔ بلکہ انہیں فکر لگا رہتا ہے ہر وقت کہ ہم بور نہ ہوجائیں اس لیے کچھ نہ کچھ کرتے رہیں۔

ڈاکٹر : یہ کچھ کرتی نہیں۔ سلمیٰ بی بی ؟

بیگم : بہت کام کرتی ہے ڈاکٹر صاحب۔ میرے سارے بچوں سے زیادہ لیکن اس کا آئی کیو شاید بہت ہی لو ہے۔

ڈاکٹر : آپ نے کیسے اندازہ لگایا ؟

بیگم : میں نے اپنی ذات سے اندازہ لگایا ہے ڈاکٹر صاحب آپ تو سکائی ٹرسٹ ہیں آپ سے کیا پردہ۔ میری تعلیم کچھ ایسی زیادہ نہیں ہے بس میٹرک تک سمجھ لیجیے۔ اور میری بیک گراؤنڈ بھی ایسی نہیں جیسی اب ہے ہماری خدا کے فضل سے۔ تو جب ہم اندرون شہر رہتے تھے ناں ڈاکٹر صاحب ٹاہلی محلے میں، تو میں بھی کبھی بور نہیں ہوتی تھی بلکہ مجھے اس لفظ کا بھی پتہ نہیں تھا۔ وہاں کے لوگ کم تعلیم یافتہ ہوتے ہیں ناں ڈاکٹر صاحب تو ان کو بھی پتہ نہیں زیادہ تر کہ بوریت کیا ہوتی ہے۔ چاہ کُلچہ کھا کر ہی خوش رہتے ہیں سارا دن۔

ڈاکٹر : آپ نے یہ آئی کیو کا لفظ کہاں سے سیکھا ؟

بیگم : یہ تو ہم ساری بولتی ہیں کلب میں۔ اس کے معنی عقل کے ہیں ناں ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر : جی جی

بیگم : آپ اس کو سٹنگ دیں سلمیٰ کو۔ لیکن کسی کو معلوم نہ ہو ڈاکٹر صاحب کہ سلمیٰ سٹنگز لے رہی ہے۔

ڈاکٹر : جی نہیں آپ خاطر جمع رکھیں۔ لیکن پہلے سلمیٰ سے چل کر پُوچھ لیں۔

بیگم : ضرور ..... ضرور ..... وہ تو اپنی خوشی سے یہاں آئی ہے آپ کے کلینک میں۔

(آدھے فقرے بعد کٹ کر کے سلمیٰ کو دکھاتے ہیں جو میز پر دونوں بازو رکھے بڑے اطمینان اور سنجیدگی اور دلپذیر مسکراہٹ کے ساتھ بیٹھی ہے۔ دونوں آ کر اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہیں۔)

ڈاکٹر : بھئی سلمیٰ آپ کسی چیز سے کبھی بور نہیں ہوتیں!

سلمیٰ : (ہنس کر) پتہ نہیں جی ڈاکٹر صاحب میں نے کبھی سوچا نہیں۔

ڈاکٹر : اس وقت جو آپ بیٹھی رہیں یہاں اتنی دیر تو کیا کرتی رہیں؟

سلمیٰ : کچھ نہیں جی

ڈاکٹر : کوئی ورد وغیرہ کرتی رہیں؟

سلمیٰ : نہیں جی

ڈاکٹر : کوئی وظیفہ پڑھتی رہیں؟

سلمیٰ : نہیں ڈاکٹر صاحب

ڈاکٹر : اتنی دیر یہاں بیٹھ کر آپ بور نہیں ہوتیں؟

سلمیٰ : نہیں جی

بیگم : اب دیکھئے ناں ڈاکٹر صاحب کل کو اس کی شادی ہو گی خدا کے فضل سے تو یہ اپنی ساس نندوں میں بھی اسی طرح رہے گی مطمئن سی تو کسقدر عجیب سی لگے گی۔

سلمیٰ : عجیب کیوں امی؟

بیگم : بیٹے تمہیں نہیں ناں معلوم ـــــ تمہارے سسرال والے تمہیں کسی چھوٹے گھر کی لڑکی سمجھنے لگیں گے خاوند بھی، انہیں لڑکیوں سے محبت کرتے ہیں جو ذرا ذرا بے چین رہیں، جلدی جلدی بور ہو جایا کریں ایک سچوئشن میں، تھوڑی تھوڑی ڈیمانڈنگ ہوں۔

سلمٰی : میں کافی ڈیمانڈنگ ہوں امّی۔

بیگم : نہیں لال۔ تم مطمئن ہو پُرسکون ہو۔ راضی برضا رہتی ہو۔ یہ زندگی کی علامتیں نہیں ہیں۔ تم کو وقت کے ساتھ چلنا چاہیئے۔ دیکھو تو مسز نیازی کے بچے آتے ہیں کس قدر بے چین ہوتے ہیں۔ کس قدر زندگی ہوتی ہے ان میں۔ کبھی بیٹھی ہیں ان کی لڑکیاں تمہاری طرح سے — ڈاکٹر صاحب!

ڈاکٹر : جی۔

بیگم : ذرا پوچھیں اس سے کبھی کبھی آدھی رات کو اُٹھ کر بیٹھ جاتی ہے تو کیا کرتی رہتی ہے صبح تک۔

سلمٰی : کچھ نہیں امی۔ ایسے ہی۔

ڈاکٹر : پھر بھی کچھ تو آپ محسوس کرتی ہوں گی سلمٰی؟

سلمٰی : مجھے رات بہت اچھی لگتی ہے ڈاکٹر صاحب۔ جب وہ آہستہ آہستہ صبح میں تبدیل ہوتی ہے تو بہت ہی. . . .

بیگم : اس کو رات اچھی لگتی ہے ڈاکٹر صاحب دن اچھا لگتا ہے۔ آندھی اچھی لگتی ہے۔ بارش اچھی لگتی ہے۔ گرمیوں میں بھی خوش رہتی ہے جُون جولائی میں۔ سردیوں کو بھی پسند کرتی ہے — مجھے حسرت ہی رہی آج تک کہ کبھی یہ بھی کہے اُف توبہ امّی آج کس قدر گرمی ہے۔

سلمٰی : گرمی کی خوبصورتی یہی ہے امّی کہ اس میں گرمی ہو۔ وہ بنی ہی اسی لیے ہے۔

بیگم : اس کو سٹنگز دیں ڈاکٹر صاحب — پلیز۔

ڈاکٹر : ضرور ضرور۔ کیوں بھئی سلمٰی؟

سلمٰی : جیسے آپ مناسب سمجھیں ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر : بدھ کا دن ٹھیک رہا کرے گا!

سلمیٰ : جی ٹھیک ہے۔

بیگم : کتنے بجے ڈاکٹر صاحب؟

ڈاکٹر : چھ سے سات بجے شام ۔۔ ٹھیک ہے۔

بیگم : ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب۔ میں بھجوا دیا کروں گی۔ بہت بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب۔ مہربانی آپ کی۔ چلو بیٹا۔

(اُٹھ کر دونوں دروازے تک جاتی ہیں تو بیگم پلٹ کر)

ہفتے میں دوبارہ آجایا کرے ڈاکٹر صاحب؟

ڈاکٹر : جی نہیں ایک مرتبہ ہی ٹھیک ہے۔

بیگم : اچھا ڈاکٹر صاحب۔ خدا حافظ۔

ڈاکٹر : خدا حافظ۔

(ماں بیٹی کے چلے جانے کے بعد ڈاکٹر انٹرکام پر "گھنٹی" بجاتے ہیں اور "نیکسٹ" کہتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد زیبا اور نعیم اندر داخل ہوتے ہیں۔)

نعیم : السلام علیکم ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر : وعلیکم السلام۔ تشریف رکھیے۔

(دونوں بیٹھتے ہیں۔ ڈاکٹر کارڈ شیلف سے کارڈ نکالتا ہے اور پوچھتا ہے۔)

مسز زیبا نعیم۔

نعیم : یس سر

ڈاکٹر : (لکھتے ہوئے) ایج؟

نعیم : ٹوئنٹی سکس

ڈاکٹر : تعلیم؟

نعیم : ایم اے پولیٹیکل سائنس

ڈاکٹر : آپ ان کو بھی بولنے دیں۔
زیبا : یہ مجھے مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔
ڈاکٹر : (ہنس کر) آئی سی — میریڈ ؟
نعیم : یس ۔
ڈاکٹر : بچے ؟
نعیم : ابھی کوئی نہیں ڈاکٹر صاحب
ڈاکٹر : پروفیشن ؟
نعیم : ہاؤس وائف
زیبا : ہاؤس وائف مائی فٹ !!

______کٹ

سین ۳
ان ڈور
صبح کا وقت

(ڈائننگ ٹیبل پر نعیم ممی اور زیبا بیٹھے ہیں۔ زیبا کی شکل انتہائی بوریت ظاہر کرتی ہے۔ ممی اور نعیم ناشتہ کر رہے ہیں لیکن زیبا کچھ نہیں کھا رہی۔)

ممی : تھوڑا سا ٹوسٹ جیم لگا کر دوں ۔
زیبا : آپ کو پتہ ہے مجھے جیم اچھا نہیں لگتا۔
نعیم : پھر یہ کارن فلیک لے لو ۔

زیبا : مجھے کارن فلیک سے hate ہے۔

ممی : (وقفہ سے) ایک پیالی دُودھ پی لو زیبا۔

زیبا : مجھے ایسیڈٹی ہوتی ہے ممی اِن چیزوں سے۔

ممی : لیکن دُودھ تو تیزابیت کا علاج ہے زیبا۔

زیبا : دُودھ اُس ایسیڈٹی کا علاج ہے جو آپ کو ہوتی ہے۔ آپ خوامخواہ اپنے علاج مجھ پر نہ ٹھونسا کریں۔ کل رات کیا ـــــ وہ کیا تھا جو مجھے کھلا دیا تھا زبردستی۔

نعیم : کیا تھا ممی ؟

ممی : کچھ نہیں ایک جوارش تھی.... مَیں نے جدّے سے منگوائی تھی ـــــ جوارش جوبی!

زیبا : ممی یہ جوارش صفارش سب hoax ہیں۔ میری بیماری اتنی آسان نہیں۔

ممی : تو چلو وہ مکسچر پی لو جو ڈاکٹر سلیم نے بھجوایا ہے۔

زیبا : میں تنگ آگئی ہوں اِن تمام ڈاکٹروں سے۔ ان advices سے۔ ان لوگوں کے پاس بھی۔ there is nothing new!

کٹ ـــــــــــــ

سین ۴

ان ڈور

رات کا پچھلا پہر

(کیمرہ گھڑی پر آتا ہے۔ رات کے دو بجے ہیں۔ زیبا ڈبل بیڈ پر لیٹی ہے۔ اس کا سارا چہرہ پسینے سے بھرا ہُوا ہے۔ پلنگ کی پائنتی نعیم کھڑا ہے۔ اس نے نائیٹ سوٹ

پہن رکھا ہے۔ وہ تھکا ہوا بھی ہے لیکن لیٹ نہیں سکتا۔)

نعیم : تم سونے کی کوشش تو کرو زیبا۔ میرا مطلب ہے آنکھیں بند کر کے . . . . ایک بار۔

زیبا : تھینک یُو فار یور suggestion ۔لیکن میں آنکھیں بند نہیں کر سکتی۔

نعیم : میرا خیال ہے اگر ہم بتی بند کر دیں تو شاید تمہیں نیند آجائے۔

زیبا : جب سلیپنگ پلز کے باوجود مجھے نیند نہیں آرہی تو تمہارا خیال ہے کہ بتی بجھا کر میں سو جاؤں گی۔ یو آر اے فول نعیم . . . . . اے نٹ وٹ۔

نعیم : میں جانتا ہوں تمہیں تکلیف ہے۔ لیکن میں تمہارے ساتھ یہ تکلیف شیئر کرنا چاہتا ہوں۔ لاؤ میں یہ پسینہ پُونچھ دُوں۔

زیبا : I say let me be —— let me be —— مجھے نیند نہیں آرہی . . . . میری نبض تیز چل رہی ہے . . . . مجھے flushes پڑ رہے ہیں۔ میں بیمار ہوں ——تمہیں کیا ہوتا ہے ؟ آجاتے ہیں وہاں سے ممی اور تم . . . .

نعیم : میں تمہارا ہزبنڈ ہوں۔ اور . . . میری بڑی آرزو ہے کہ تم ٹھیک ہو جاؤ۔

زیبا : مجھے تمہاری ہمدردی نہیں چاہیئے —— نو تھینک یو . . . . بس یہ میرا پرابلم ہے —— میرا ذاتی پرابلم . . . . میں اس لائف سے dissatisfied ہوں۔

نعیم : لیکن کیوں آخر کیوں ؟ خدا نے تمہیں وہ سب کچھ دے رکھا ہے جس کی ہر عورت آرزو کر سکتی ہے —— اور اُسے نہیں ملتا۔

زیبا : But this is not enough! —————— کسی چھوٹی کھوپڑی والی چھوٹی امیجی نیشن والی لڑکی کے لیے یہ سب کچھ کافی ہو سکتا ہے لیکن ——

I want something more-something different ——

something more exciting.

نعیم : لیکن تمہیں کیا چیز اور چاہیئے زیبا ؟ —— more کا کچھ پتہ بھی چلے۔

زیبا : مجھے کیا پتہ ؟— میں کیسے جان سکتی ہوں — ؟ کم از کم .... جو کچھ میرے ارد گرد ہے ..... یہ environment یہ لوگ — یہ سوشل سرکل .... لیکن میں تمہارے ساتھ یہ سب کچھ ڈسکس نہیں کرنا چاہتی پلیز! مائنڈ نہ کرنا نعیم صبح و شام تمہارا وہی چہرہ .... وہی باتیں وہی ہمدردی .... وہی mannerism وہی .... میں تمہیں کیسے بتاؤں نعیم آئی ایم باؤنڈ ٹو ڈائی —

کٹ ————

سین ۵
ان ڈور
شام

(کیمرہ ممی پر سے ہو کر زیبا پر جاتا ہے۔ اس وقت زیبا شدید کرب سے رو رہی ہے۔ وہ صوفے پر دونوں ٹانگیں رکھے گود میں شیشوں کے کام کا کُشن رکھے ہوئے روتے جا رہی ہے۔ ممی پاس کھڑی ہے اور پریشان ہے۔)

ممی : لیکن آخر کچھ تو وجہ ہوگی اِس رونے کی زیبا؟

زیبا : آپ مجھے رونے دیں .... یعنی اِس گھر میں کوئی رو بھی نہیں سکتا اپنی مرضی سے۔

ممی : لیکن تین چار گھنٹے ہو گئے ہیں زیبا .... بغیر وجہ کے تو کوئی اتنی دیر نہیں رو سکتا نا۔

زیبا : میں رو سکتی ہوں — میں رو رہی ہوں آپ مجھے سب کے ساتھ کیوں ملا دیتی ہیں ممی .... میں ایک انڈی ویجوئل ہوں۔

ممی : چلو اُٹھو منہ ہاتھ دھولو ۔

زیبا : آپ مجھے چھوٹی سی مُنی کاکی نہ بنا دیا کریں میرا جیب تک جی چاہے گا روؤں گی جب دل کرے گا چپ کروں گی ۔

(ڈرتے ڈرتے ممی پاس بیٹھتی ہے اور زیبا کے کندھے پر ہاتھ رکھتی ہے ۔)

زیبا : ڈونٹ ٹچ می پلیز — کتنی بار آپ سے کہا ہے ممی ۔

ممی : آئی ایم سوری

زیبا : You should be!

ممی : دیکھو زیبا جان ایسے روتے رہنے سے نحوست پھیلتی ہے — اور پھر بلا وجہ — اور ایسے ہی ....

زیبا : مجھے لیکچر مت دیں .... اور چلی جائیں پلیز .... آپ مجھے خوش دیکھنا چاہتی ہیں تو فوراً چلی جائیں ۔

(ممی اُٹھ کر جاتی ہے اُدھر سے نعیم آرہا ہے وہ اسے اشارے سے اپنے ساتھ واپس لے جاتی ہے زیبا اُونچی آواز میں بھیں بھیں کر کے روتی ہے ۔)

——— کٹ

سین ۶
ان ڈور
شام کا وقت

(سکائی ٹرسٹ ڈاکٹر بدر کا کلینک ۔ اس وقت زیبا مریض کی لمبی کرسی پر نیم دراز

ہے۔ اس کے چہرے پر روشنی ہے۔ باقی تمام کمرہ قریباً اندھیرے میں ہے۔ زیبا کی آنکھیں نیم بند ہیں پُشت کی جانب ڈاکٹر بدر کرسی میں بیٹھے اپنی ڈائری میں نوٹ بنارہے ہیں۔)

زیبا : نہیں میں گم نہیں ہوتی .... بس رستہ نہیں ملتا .... ہرطرف اُونچی دیوار ہے۔ ساری جگہ ایسی ہے جیسے نمک کی کان ہو .... ہر جگہ سرنگیں ہیں موڑ ہیں ..... میں جس راستے پر جاتی ہوں آگے مجھے دو زبانوں والے آدمی ملتے ہیں .... جیسے کتے ہانپتے ہیں تو ان کی زبانیں باہر لٹک جاتی ہیں۔ ایسے ہی لوگ کھڑے ہیں دو دو زبانوں والے اور ہر سرنگ .... دوسری سرنگ سے ملی ہے — لیکن باہر کا کوئی راستہ نہیں۔ کوئی source نہیں کُھلی ہوا میں .... جانے کا ..... خواب میں .... یہ سچوئشن مجھ میں بڑی anxiety پیدا کرتی ہے۔ مجھے پسینہ آجاتا ہے — میں بھاگنے لگتی ہوں ایک سُرنگ سے دوسری میں، دوسری سے تیسری میں اور پھر میں بھاگتی رہتی ہوں۔ بھاگتی رہتی ہوں۔

ڈاکٹر : کیا آپ کو بند جگہوں سے ڈر لگتا ہے ؟

زیبا : پہلے لگا کرتا تھا — کچھ سال پہلے۔

ڈاکٹر : یعنی یہ جو آپ کی free floating anxiety ہے اس کا آپ کوئی reason — پن پوائنٹ کرسکتی ہیں۔

(زیبا نفی میں سر ہلاتی ہے۔)

ڈاکٹر : غصہ آتا ہے آپ کو ؟

زیبا : بے حد .... غصہ تو اتنا آتا ہے ڈاکٹر — اتنا آتا ہے۔ اتنا آتا ہے اور اتنی دفعہ آتا ہے کہ میں کوئی اور کام کرنے کے لیے فری ہی نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر : دیکھیے مسز نعیم — آپ کو اپنا غصہ نکالنے کی شدید ضرورت ہے۔ وینٹی لیشن

بڑی ضروری ہے کمرے کے لیے بھی اور دماغ کے لیے بھی۔۔۔۔ کمرے میں کھڑکیاں روشندان نہ ہوں تو کمرے میں بدبُو پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح غصہ اور اگریشن کو اندر نہیں رہنا چاہیے۔ اگریشن ایک چیتا ہے مسز نعیم اور دماغ کے اندر بہت نازک شیشے کا سامان کٹ گلاس کا شینڈلیئر، کرسٹل اور کانچ کے فانوس ہوتے ہیں۔ یہ جو غصہ ہوتا ہے، یہ تمام نازک چیزیں توڑ دیتا ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے جیسے ممکن ہو سکے اس غصے کو نکالیں۔ وینٹی لیشن کریں۔ اسے باہر نکالیں زرد آنکھوں والے چیتے کو ــــ اپنے غصے کو۔۔۔۔ اندر مت رکھیں۔

ــــــــــ کٹ

سین ۷

ان ڈور

صبح کا وقت

(ناشتے کی ٹیبل۔ ممی، نعیم اور زیبا ناشتہ کر رہے ہیں۔ زیبا چائے پیالی میں ڈالتی ہے۔ رُکتی ہے۔ چائے کی پیالی غور سے دیکھتی ہے پھر اس کا کُنڈا دیکھتی ہے۔ ممی پاس سے دَبی زبان میں پوچھتی ہے، "کیا ہے زیبا؟ کیا ہے؟" زیبا جواب نہیں دیتی۔ پیالی کو گھُما کر دیکھتی ہے۔ پھر زور سے پیالی دُور دے مارتی ہے۔ کیمرہ پیالی کو فولو کرتا ہے اور گری ہوئی ٹوٹی پیالی کا کلوز اپ دکھاتا ہے پھر کیمرہ آہستہ آہستہ ڈائننگ ٹیبل پر آتا ہے۔ یہاں ممی اور نعیم دونوں ایک دوسرے کو کنکھیوں سے دیکھتے ہیں وہ دونوں ڈرے ہوئے ہیں۔ اس وقت زیبا ڈبل روٹی کی چھُری

سے غصے کے ساتھ کیک کاٹ رہی ہے۔ وہ آڑا ترچھا ہر طرف سے کیک کاٹتی چلی جاتی ہے۔)

کٹ ـــــــــ

سین ۸

ان ڈور

سہ پہر

(نعیم پلنگ پر چُپ چاپ بیٹھا ہے۔ ممی قالین پر ٹہل رہی ہے ساتھ ساتھ بولے جاتی ہے۔)

ممی : یہ تمہاری شرافت ہے کہ تم سب کچھ برداشت کرتے ہو۔

نعیم : شرافت نہیں ممی ـــ مجھے زیبا سے محبت ہے ـــ میں جانتا ہوں وہ بہت بُری طرح سے سفر کر رہی ہے ـــ میں تو ہر وقت ڈرتا ہوں کہ کہیں اس کا بریکنگ پوائنٹ نہ آجائے۔

ممی : یقین کرنا نعیم ہم نے آج تک مجھے یاد نہیں کہ ہم نے کبھی زیبا کی کسی آرزو کو رد کیا ہو۔ جو اس کے مُنہ سے نکلا ہم نے پورا کیا۔ تم تو زیبا کے ڈیڈی کو اچھی طرح نہیں جانتے لیکن بچوں کے معاملے میں ڈاکٹر صاحب تو بہت ہی نرم دل بیحد حساس ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں بچوں کو کبھی انکار کرنا ہی نہیں چاہیئے۔ کسی بھی بات کے لیے .... اُنہوں نے بچوں کی کوئی بات کبھی نہیں ٹالی۔

نعیم : میں جانتا ہوں ممی ـــ

ممی : اب میں چھ مہینے سے آئی بیٹھی ہوں ۔اس کی طبیعت سنبھلے تو کوہاٹ واپس جاؤں۔
کیا کہتے تھے ڈاکٹر بدر ؟

نعیم : بس جی یہی کہتے تھے کہ شدید anxiety ہے ______ free floating
anxiety بتا رہے تھے کہ اگر یہ حالت دیر تک رہی تو حافظے پر اثر انداز ہو
سکتی ہے conversion hysteria میں بدل سکتی ہے۔

ممی : پھر کچھ بتاتے تو ہیں نہیں ــــ بے چاری کو کچھ آرام ہی آجاتا۔ کتنی دیر سے تو جا
رہی ہے ان کے کلینک پر....

نعیم : کبھی کبھی کئی کئی سال لگ جاتے ہیں ممی ....

ممی : ہائے ایسے نہ کہو نعیم بیٹا ــــ زیبا کے ابّو کے تو خط پر خط آرہے ہیں کوہاٹ سے۔

نعیم : میرا تو اپنا جی چاہتا ہے ممی آرام آجائے ــــ چاہے کہیں سے آجائے۔ایک بار
اس کا دل لگ جائے کسی طرح۔

ممی : آمین !

______کٹ

سین ۹
ان ڈور
رات

(اس وقت ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر نعیم اور زیبا اسے دیکھ رہے ہیں۔زیبا قالین
پر اوندھی لیٹی ہے۔نعیم پاس چوکڑی مار کر بیٹھا ہے۔ٹی وی پر کوئی فوک ڈانس ہو

رہا ہے۔ پہلے زیبا جمائی لیتی ہے دیکھنے کی کوشش کرتی ہے پھر قالین پر پڑی ہوئی اپنی عینک اُٹھاتی ہے لگا کر دیکھتی ہے پھر عینک اُتار کر پھینکتی ہے نعیم عینک اُٹھا کر لاتا ہے اور اسے دیکھتا ہے کہیں ٹوٹ تو نہیں گئی پھر زیبا کی طرف دیکھتا ہے وہ اوندھی لیٹی ہے اور دونوں بازوؤں کا چکر بنا کر سر اس نے ان میں دے رکھا ہے۔ نعیم اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے۔ نعیم نے نائٹ سوٹ پہن رکھا ہے اور تھکا ہوا ہے۔)

نعیم : زیبا۔ زیبا

زیبا : کیا ہے نعیم۔ پلیز

نعیم : یہ ٹیلی وژن بند کر دوں

زیبا : اگر تم دیکھ رہے ہو تو لگا رہنے دو۔

نعیم : (اُٹھ کر ٹی وی بند کرتا ہے) تمہیں اچھا نہیں لگتا تو کیا فائدہ ؟

زیبا : ان ٹیلی وژن والوں کو پروگرام ہی بنانے نہیں آتے ــــ وہی چیزیں وہی ٹاپک۔ وہی ایکٹرز وہی تھیم۔ سلّی فولز .....

نعیم : بے چارے کافی کوشش کرتے ہیں ہمیں خوش کرنے کی !

زیبا : brainless duds ان کو کیا پتہ انٹرٹیں منٹ کیا ہوتی ہے ؟

(نعیم اُٹھ کر جاتا ہے اور تپائی پر سے تاش اُٹھا کر لاتا ہے۔ پاس آ کر بیٹھتا ہے۔)

نعیم : (تاش پھینٹتے ہوئے) چلو برج ہو جائے۔

زیبا : تم کھیلو ڈمی کے ساتھ ....

نعیم : چلو رمی سہی زیبا .... جو جیت جائے وہ کون کھلائے۔

زیبا : مجھے تاش سے کوئی دلچسپی نہیں۔ بڑی سلّی گیم ہے۔

نعیم : اچھا چلو سو جاتے ہیں۔ میں بھی تھکا ہوا ہوں۔

زیبا : تم سو جاؤ ناں نعیم پلیز .... مجھے نیند نہیں آتی۔

نعیم : (لمبی جمائی لے کر) پلیز زیبا — ساڑھے دس بج گئے ہیں۔ چلو سو جائیں۔ صبح مجھے دفتر میں ایک ڈیلی گیشن ملنے آرہا ہے کراچی سے۔

زیبا : تمہیں تو پتہ ہے نعیم مجھے نیند نہیں آتی — میں کیا کروں۔
(اُٹھ کر بیٹھتی ہے۔)
میں چاہتی ہوں سو جاؤں لیکن کیا کروں — جی کرتا ہے اُونچے اُونچے روؤں۔ jackals کی طرح۔

نعیم : ناں ناں ناں پلیز۔ اب شروع نہ کر دینا۔ چلو فلم دیکھنے چلتے ہیں۔

زیبا : دیر ہو گئی ہے — ہے نا — ہے نا؟
(ذرا سی الرٹ ہو جاتی ہے۔)

نعیم : (گھڑی دیکھ کر) نہیں ساڑھے دس ہوئے ہیں۔ ابھی تو فلم مشکل سے شروع ہوئی ہوگی۔

زیبا : تمہیں پھر سے چینج کرنا پڑے گا۔

نعیم : دو منٹ میں — صرف دو منٹ میں...
(غسلخانے میں جاتا ہے۔ زیبا اُٹھ کر بیٹھتی ہے اور پیروں میں سینڈل پہنتی ہے۔)

کٹ ———

سین ۱۰
آؤٹ ڈور
رات

(فلم ہاؤس کے سامنے کار رکتی ہے۔ زیبا اور نعیم باہر نکلتے ہیں۔ سینما کی موزونیت

کے اعتبار سے دونوں کے شاٹ لئے جاتے ہیں۔ سیڑھیاں چڑھتے ہیں۔)

کٹ

سین ۱۱
ان ڈور
گہری رات

(زیبا پلنگ پر بیٹھی رو رہی ہے۔ غسلخانے میں سے نعیم نائٹ سوٹ کا کوٹ پہنتا ہوا بٹن لگاتا باہر نکلتا ہے۔)

نعیم : یار اتنی بور فلم نہیں تھی۔ اب میں سوچتا ہوں ایسے ہی اُٹھ آئے کیا پتہ آگے چل کر خزانہ مل ہی گیا ہو مُستقی کو ؟

زیبا : مجھے نہیں اچھی لگتیں یہ westerns

نعیم : نہیں اس کی کہانی اچھی تھی ــــ جپسی گرل بھی پیاری تھی گول مٹول سی !

(زیبا رونے لگتی ہے۔)

زیبا۔۔۔ زیبا کیا بات ہے ؟ کیا بات ہے زیبا یار ؟

زیبا : کچھ نہیں۔۔۔ کچھ نہیں نعیم ــــ مجھے ذرا اسلیپنگ پلز کی شیشی پکڑانا۔

نعیم : نہیں بھئی۔ ابھی دو گھنٹے ہوئے تم نے دو گولیاں لی تھیں۔

زیبا : میں نہیں ناں سو سکتی پھر کیا کروں ؟

نعیم : (پاس بیٹھتا ہے) کوشش کرو زیبا آنکھیں بند کر کے لیٹنے کی ــــ آرزو کرو سونے کی خالی دماغ ہو کر۔

زیبا : نہ میں آنکھیں بند کر سکتی ہوں نہ سونے کی آرزو کر سکتی ہوں اور خالی دماغ تو میں کبھی ہو ہی نہیں سکتی ایک لمحے کے لیے بھی۔۔۔۔

نعیم : اچھا میں بتی بند کر دیتا ہوں۔

زیبا : (چلا کر) پلیز ڈونٹ

نعیم : پھر کیا کریں زیبا؟

زیبا : مجھے نہیں پتہ۔

نعیم : کہیں باہر چلیں — انکل فریدوں کے چلتے ہیں۔ آدھی رات کو بیل بجا کر انہیں جگائیں گے۔ بڑا مزہ آئے گا۔

زیبا : تمہیں مزہ آتا ہے ایسی باتوں میں۔ مجھے ایسے جوکس بہت بور کرتے ہیں۔

نعیم : (شرمندہ ہو کر) تو چلو۔ پیدل چلتے ہیں نہر تک۔

زیبا : کیوں؟ کار کے ہوتے ہوئے پیدل کیوں جائیں۔

نعیم : اچھا کون کھانے چلو گی؟

زیبا : سنیک بار تو بند ہو گئی ہو گی اس وقت ہے نا۔

(لیکن پھر الرٹ ہو کر سلیپر پہننے لگتی ہے۔)

نعیم : نہیں کھلی رہتی ہیں دو دو بجے تک۔

زیبا : تمہیں کپڑے بدلنے پڑیں گے — ہے ناں نعیم۔

نعیم : نو پرابلم۔ نو پرابلم۔۔۔۔ ابھی لو۔۔۔ کپڑے بدلنے میں کونسی دیر لگتی ہے۔

(غسلخانے میں اندر جاتا ہے۔ کیمرہ گھڑی پر آتا ہے۔ قریباً ایک بجے کا عمل ہے۔)

کٹ ________

سین ۱۲
ان ڈور
شام

(ڈاکٹر بدر کا کلینک۔ اس وقت نعیم اور ڈاکٹر مشورہ کر رہے ہیں نعیم پریشان لگتا ہے۔)

نعیم : میں نے تو جس قدر ممکن تھا ڈاکٹر صاحب ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کی ہے۔

ڈاکٹر : آئی نو ___ آئی نو

نعیم : میرے والدین میرے ساتھ رہتے تھے۔ پچھلے سال سے میں ان سے علیحدہ ہو گیا ہوں میں انہیں وزٹ کرنے بھی نہیں گیا ڈاکٹر صاحب ___ بہن کو میں نے ہوسٹل میں داخل کرا دیا ہے ___ میں چاہتا ہوں کہ ایسی مشکل سٹیج میں اسے کسی کے ساتھ ایڈجسٹ نہ کرنا پڑے۔

ڈاکٹر : That's the right spirit ___ دیکھیں نعیم صاحب آپ کی وائف غصے اور ایگریشن سے سفر کر رہی ہیں ___ اس کے شدید ہونے کی صورت میں بہت کچھ ہو سکتا ہے۔

نعیم : لیکن کیوں ڈاکٹر صاحب؟ ___ کس لیے؟

ڈاکٹر : غالباً اس غم و غصہ کی اصلی وجہ بھی زیبا کے بچپن سے تعلق رکھتی ہے نعیم صاحب۔ کبھی کبھی Sexual repression ہوتا ہے۔ پیرنٹس ذرا زیادہ دبدبہ رکھتے ہیں بچوں پر ___ بچے گلٹ کا شکار ہو جاتے ہیں ___ ان کو ایسے معاملات میں تعلیم دینے کے بجائے دبا کے رکھتے ہیں والدین۔

نعیم : ڈاکٹر صاحب اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو ___ تو غالباً وہی پرانا طریقہ اچھا تھا جب ماں باپ ایسی تعلیم نہیں دیتے تھے، فاصلہ قائم رکھتے تھے اور بچے ذہنی طور پر زیادہ

صحت مند ہوتے تھے۔

ڈاکٹر : یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں نعیم صاحب آئی ایم شاکڈ۔۔۔۔

نعیم : کیوں ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر : مغرب میں bees and birds کی تعلیم ہے بچوں کے لیے۔۔۔۔ان کو سب کچھ بتایا جاتا ہے سکولوں میں۔

نعیم : اور وہاں بچے الجھنوں کا، کجرویوں کا شکار نہیں ہیں؟ — کیا باتیں کرتے ہیں آپ ڈاکٹر صاحب میں جاتا آتا رہتا ہوں یورپ امریکہ — میں نے تو یہی دیکھا ہے کہ جس قدر زیادہ آزادی مل رہی ہے، اسی قدر زیادہ آزادی بڑھ رہی ہے ان کے معاشرے میں انسان زیادہ فرسٹریٹ ہو رہا ہے — زیادہ بیمار ہو رہا ہے۔ زیادہ الجھنوں کا شکار ہو رہا ہے۔

ڈاکٹر : ہمارے جتنی فرسٹریشن اور الجھن وہاں نہیں ہے نعیم صاحب۔

نعیم : جانے دیں ڈاکٹر صاحب — میں وہاں کے اخبار اور رسالے دیکھتا رہتا ہوں — ایک چیخ و پکار پڑی ہوئی ہے ان کی سوسائٹی میں — ہمارے پروفیسر اور نقاد ہم کو یہی بتاتے ہیں کہ ہماری غزل میں امرد پرستی اسی وجہ سے ہے کہ ہمارے یہاں پردہ تھا اور مرد عورت دور دور رہتے تھے، ایک گھٹن کی فضا تھی۔ اس لیے ایسی شاعری وجود میں آئی لیکن لندن اور سویڈن میں تو یہ فاصلے نہیں تھے، وہاں تو کوئی پابندی نہیں تھی، کوئی بندش نہیں تھی — وہاں کیوں — حیوانوں سے بدتر ہو گئے انسان — ہمارے یہاں تو صرف شاعری تھی، وہاں تو ہر بند ہی ٹوٹ گیا۔ اس سے تو بہتر تھا کہ ریپریشن ہی رہتا ڈاکٹر صاحب —

ڈاکٹر : ٹھیک ہے ٹھیک ہے، ٹھیک ہے وہ بھی ہے — لیکن ہم تو statistics کو ماننے والے ہیں۔ اور ہم نے یہی سیکھا ہے کہ مغربی معاشرہ ہم سے زیادہ آزاد بھی

ہے اور خوش بھی۔۔۔۔ اور پرسکون بھی اور ترقی یافتہ بھی۔

نعیم : ڈاکٹر صاحب آپ شاید میرا مذاق اڑائیں گے ـــ لیکن کسی مذہب نے۔۔۔۔ کسی ضابطے نے اجازت نہیں دی۔۔۔۔۔۔ ایسے ریپریشن سے نکلنے کی۔ خواہش تو آگ ہے اور۔۔۔۔ اس آگ پر ڈھکنا رکھ کر دم پخت کرنے کا ہی حکم ہے۔ اس آگ سے سارے چمن کو اجاڑنے کا حکم نہیں ہے۔

ڈاکٹر : آپ کے آئیڈیاز جو بھی ہوں، پلیز آپ اپنی وائف کا شدید غصہ نکالنے کی کوشش کریں۔ ان کا ایگریشن دُور کرائیں۔

نعیم : آپ فکر نہ کریں آپ کے مشورے کے مطابق میں نے اسے پُتلے بنوا دیئے ہیں کاٹن کے۔

ڈاکٹر : گڈ گڈ گڈ ـــ

کٹ ـــــــــــ

سین ۱۳

ان ڈور

صبح کا وقت

(کھلا برآمدہ۔ تین قد آدم کینوس کے پتلے جن کے اندر روئی بھری ہے چھت سے رسیوں کے ساتھ لٹک رہے ہیں۔ ان کے چہروں پر تین تصویریں لگی ہیں۔ ایک پتلا جو زیبا کا شوہر ہے اس کے چہرے پر نعیم کی تصویر ہے دوسرے پر زیبا کے باپ کی تصویر ہے تیسرے چہرے پر زیبا کے ایک پروفیسر کی تصویر چپکی ہوئی ہے زیبا کے ہاتھ میں بید کی چھڑی ہے جو تین چار فٹ لمبی ہے وہ شڑاکے کے ساتھ پروفیسر کو مارتی ہے ساتھ ساتھ بولتی جاتی ہے)

زیبا : تم ہر سمیسٹر میں مجھ سے بے انصافی کرتے تھے پروفیسر ــــ تم نے ہر بار روبینہ کو مجھ سے زیادہ نمبر دیئے . . . . حالانکہ میں ایک better family کی لڑکی تھی۔ روبینہ سے زیادہ گڈ لوکنگ تھی (مارتی ہے) This is for being unjust!

(پھر مارتی ہے)

This is for ignoring me!

(پھر مارتی ہے)

And this is because you are a man-professor and I am a man-hater.

(اس کے بعد وہ باپ کے پُتلے کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔)

زیبا : ڈاکٹر ابّا ــــ اوئے ڈاکٹر ابا ــــ تو بالکل تھرڈ کلاس ابا تھا۔ ڈرتا تھا اپنی اولاد سے ــــ ہماری محبت خریدا کرتا تھا۔ لیکن ــــ ہم نے کبھی ایک دن بھی تجھ سے پیار نہیں کیا ــــ (زور سے مار کر) serves you right تو نے ہماری ہر خوشی اس لیے پوری کی کہ ہم آرزو less ہو جائیں۔ (مارتی ہے) serves you right ۔ ساری خواہشیں پوری ہو جائیں تو آدمی مر جاتا ہے۔ فوت ہو جاتا ہے ابا۔ تُو نے ڈاکٹر ابا تُو نے . . . . جان بوجھ کر ہم کو ڈیڈ کیا۔ ہماری ساری خواہشیں پوری کر کے ہم کو مارا۔ I hate you-hate you-hate you.

(زور زور سے مارتی ہے۔ پھر اب وہ شوہر کے پتلے کے پاس آتی ہے ــــ پہلے محبت سے پتلے کو چُومتی ہے پھر پیچھے ہٹتی ہے۔)

زیبا : اچھا نعیم صاحب! سیدھے ہو جائیں! مجھے ایسے لوگ اچھے نہیں لگتے جو backless ہوں۔

ــــــــــــ کٹ

سین ۱۴
ان ڈور
دن کا وقت

(زیبا آلتی پالتی مارے یوگا کی ورزشیں کر رہی ہے۔ ایک نتھنا بند کرتی ہے، دوسرے سے سانس لیتی ہے۔ پھر بیٹھ کر کنول کا آسن بناتی ہے۔ یوگا کی کتاب سامنے رکھ کر جو آسن اور ورزشیں ایک ایکٹریس کے لیے آسان ہوں اور دیکھنے میں واضح ہوں، ترتیب دی جائیں۔ پھر یکدم وہ اوندھی لیٹ کر رونے لگتی ہے۔)

کٹ

سین ۱۵
ان ڈور
شام

(اس وقت جیسے ڈاکٹر بدر اور نعیم اُٹھ کر باہر جانے والے ہیں۔)

نعیم : نہیں ڈاکٹر صاحب کوئی بات آپ کی ہدایات کے خلاف نہیں ہوئی لیکن زیبا تو اب سارا وقت روتی رہتی ہے — اسے جیسے اپنے پر اعتماد ہی نہیں رہا.... پتہ نہیں اسے کیوں لگتا ہے جیسے وہ معاشی اور معاشرتی طور پر تباہ ہونے والی ہے۔

ڈاکٹر : کبھی کبھی ایسے مریض میں موت کی آرزو death wish پیدا ہو جاتی ہے — آپ نے دیکھا ہوگا کچھ لوگ بار بار حادثات کا شکار ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں

کے اندر آرزو ہوتی ہے حادثات میں اُلجھنے کی۔ اپنا آپ ختم کر دینے کی خواہش۔لیکن
آپ فکر نہ کریں نعیم صاحب — میں کوشش کر رہا ہوں، آپ ان کی سٹنگز
جاری رکھیں۔

نعیم : وہ تو ہے سر لیکن — اب تو وہ پُتلوں کو بھی نہیں مارتی۔

ڈاکٹر : دراصل پُتلے بے جان تھے مسٹر نعیم .... اس کی دلی خواہش ہے کہ کسی جاندار
پر اس کا غصہ نکلے — کسی لونگ تھنگ پر — وہ گھوڑسواری کرلے گی ....؟
یا .... اچھا اچھا جسٹ اے منٹ .... کیا زیبا شکار میں دلچسپی لیتی ہے؟

نعیم : مجھے معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب لیکن میں ٹرائی کروں گا۔

ڈاکٹر : اُسے ادھر مائیل کیجئے — ڈک شوٹنگ ..... فاختہ شوٹنگ .....
کوئی کبوتر .... ہریل۔تیتر! کسی بھی جانور کو شوٹ کرے اپنا ایگریشن نکالنے
کے لیے —

کٹ ————

سین ۱۶
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(کیمرہ یکدم آسمان کے پرندوں پر آتا ہے۔ پرندوں پر سے پین کرتا دُور ایک کار
پر مرکوز ہوتا ہے کار کیمرے کی جانب بڑھ رہی ہے پھر وہ کیمرے کے سامنے سے ہو کر آگے
نکلتی ہے۔کیمرہ کار کی پشت سے اسے فولو کرتا ہے۔ کار میں نعیم اور زیبا جا رہے ہیں۔

پچھلی سیٹ پر بندوق پڑی ہے کار میں کچھ فاصلے تک جاتے ہیں۔ زیبا بالکل بور شکل بنائے بیٹھی ہے۔ کار کچھ دیر بعد رُکتی ہے۔ نعیم اُترتا ہے بونٹ کھول کر دیکھتا ہے باہر سے اشارہ کر کے زیبا سے کہتا ہے کہ کار سٹارٹ کرو لیکن وہ پروا نہیں کرتی۔ نعیم اندر آ کر کار سٹارٹ کرتا ہے کار سٹارٹ نہیں ہوتی باہر جا کر پھر بونٹ کے اندر جُھک کر تاریں دیکھتا ہے۔ پھر آ کر کار سٹارٹ کرتا ہے ٹھیک سٹارٹ ہوتی ہے نعیم باہر نکل کر اپنے کالے سیاہ ہاتھ موٹر کے چیتھڑے سے رگڑ رگڑ کر صاف کرتا ہے۔ زیبا بے تعلق اندر بیٹھی رہتی ہے۔ اب ہم کار کے مختلف مقامات پر سٹارٹ لیتے ہیں — ایک جگہ نعیم کار روکتا ہے بجلی کی تار پر چند پرندے بیٹھے ہیں۔ وہ آرام سے زیبا کو بندوق دیتا ہے زیبا بندوق داغتی ہے۔ اسی وقت کسی اچھے نشانچی سے پرندہ شوٹ کرا کے کیمرہ میں تصویر لیجئے — زیبا اور نعیم پیدل مختلف علاقوں میں جا رہے ہیں دو ایک جگہ زیبا شوٹ بھی کرتی ہے۔)

کٹ ————

سین ۱۷
آوٹ ڈور
شام

(سائیں صاحب کے ڈیرے کا بیرونی حصہ نعیم اور زیبا چلتے چلتے یہاں آ پہنچے ہیں۔ زیبا تھکی ہوئی ہے اور پیاسی ہے نعیم نے بندوق اُٹھا رکھی ہے۔)

نعیم : یہاں کسی گھر میں جا کر پانی مانگ لاتا ہوں۔

زیبا : اُئی مارا پانی ہوگا گھڑوں کا ——

نعیم : اچھا تم یہاں ٹھہرو میں تھرموس لاتا ہوں ڈگی میں سے۔

زیبا : میں یہاں اکیلی رہوں!

نعیم : تمہارا اپنا ملک ہے، اپنے لوگ ہیں زیبا۔

زیبا : ناں بابا مجھے ڈر لگتا ہے۔

نعیم : تو یہ بندوق رکھو اپنے پاس۔

زیبا : ویسا ڈر نہیں لگتا بندوق والا —— مجھے یہ ویسٹرز وغیرہ اچھے نہیں لگتے۔

نعیم : اچھا ذرا دیکھنے تو دو —— شاید کوئی ہینڈ پمپ مل جائے کہیں۔

(اندر کی طرف جھانکتا جھانکتا جاتا ہے پیچھے پیچھے زیبا بھی جاتی ہے۔ سائیں صاحب کا احاطہ چپ چاپ ہے دونوں اندر پہنچتے ہیں۔ ہینڈ پمپ کے قریب پہنچتے ہیں۔)

کٹ ————

سین ۱۸

آؤٹ ڈور

تھوڑی دیر بعد

(ایک کھلے احاطے میں سائیں صاحب کا ڈیرہ ہے۔ کچھ درخت ہیں۔ کچھ کشادرزی کا سامان ہے۔ ایک گڈریڑی ہے۔ پیر سائیں صاحب ایک کوتاہ قامت تخت پوش پر بیٹھے کچھ لکھ رہے ہیں۔ ان کے پاس زمین پر دو تین خادم بیٹھے ہیں۔ ان میں سے دو ململ کے کپڑے سے کوئی سفوف کپڑ چھان کر رہے ہیں۔ تیسرا بہت ساری مسواکیں

سامنے رکھ کر انہیں چاقو سے سنوار رہا ہے جب زیبا اور نعیم ہینڈ پمپ پر آتے ہیں اور نعیم پمپ گیڑ کر یہ دیکھتا ہے کہ پانی آرہا ہے یا نہیں تو ایک درویش پکارتا ہے۔)

درویش : رکنا جی رکنا بابو صاحب ــــ ٹھہرنا ذرا۔

(چار خادم مختلف سمتوں سے ان کی طرف بھاگتے ہیں ایک کے ہاتھ میں سلور کا گلاس ہے، دوسرے کے ہاتھ میں چینی کا گجراتی پیالہ تیسرے کے ہاتھ میں شیشے کا گلاس، چوتھے کے ہاتھ میں سلور کا جگ۔ وہ سارے آکر ہینڈ پمپ کے گرد گھیرا ڈال لیتے ہیں اور اپنا اپنا برتن آگے بڑھا دیتے ہیں۔)

نعیم : شکریہ بھئی ــــ مہربانی ــــ ہم پی لیں گے ایسے ہی۔

خادم : پیالہ لو جی ــــ پیالے میں پیئو۔

نعیم : نہیں یار۔ شکریہ ــــ

خادم ۲ : اس میں پی لیں جی شیشے کے گلاس میں۔

(نعیم سوالیہ نگاہوں سے زیبا کی طرف دیکھتا ہے۔ وہ منظوری دینے کے انداز میں سر ہلاتی ہے۔ نعیم گلاس لے لیتا ہے۔)

خادم ۳ : غلام محمد بھر کے دیو سائیں کو ــــ نلکا گیڑو ــــ سائیں تشریف لے چلو حضور کے پاس۔

(متعلقہ خادم اس سے گلاس لیتے ہیں اور نلکا گیڑ کر پانی بھرتے ہیں جگ میں۔)

خادم ۴ : آؤ سائیں میرے ساتھ حضور کے پاس۔

نعیم : نہیں بھئی ہم جلدی میں ہیں، پھر کبھی سہی ــــ شکریہ۔

خادم ۳ : آپ ایک منٹ بیٹھ کر آرام فرمالیں سائیں تو آپ کی تشریف آوری کا شکریہ ادا ہو جائے گا ــــ آجائیں۔ بی بی جی ــــ آجائیں ــــ غلام محمد پانی لے آتا ہے وہیں ــــ آجائیں ــــ بسم اللہ۔

(نعیم ذرا متامل ہے لیکن زیبا تھکاوٹ کی وجہ سے مائل نظر آتی ہے۔ دونوں تخت پوش

کی طرف چلتے ہیں۔)

خادم ۳ : (آگے بڑھتے ہوئے قدرے اُونچی آواز میں) سائیں مہمان تشریف لاتے ہیں ڈیرہ پاک پر —

پیر صاحب : (اُٹھتے ہوئے) بسم اللہ بسم اللہ — رحمتوں برکتوں والے — اللہ کے پیارے — صدق ایمان والے۔

(نعیم آگے بڑھ کر پیر صاحب سے ہاتھ ملاتا ہے۔ زیبا کچھ حیران کچھ لاتعلق کھڑی ہے۔)

پیر : بیٹھو بیٹا بیٹھو — تشریف رکھو — (آواز دے کر) خادم علی موڑھے لاؤ بھئی خدائی مہمان آئے ہیں — شاباش شاباش جلدی کرو۔

(خادم علی یہ حکم سنتے ہی اپنے ہاتھ کا پیالہ وہیں زمین پر رکھ کر حُجرے کی طرف بھاگتا ہے اور ڈھو والے دو موڑھے اُٹھا کر لاتا ہے۔ تخت پوش کے پاس رکھتا ہے۔ نعیم اور زیبا اس پر بیٹھ جاتے ہیں۔ دو خادم جو نلکے پر تھے جگ میں سے پانی گلاس میں ڈال کر نعیم کو دیتے ہیں۔ نعیم بھرے ہوتے گلاس میں اپنا ہاتھ ڈال کر اُسے اچھی طرح دھوتا ہے اور پانی پرے پھینک کر جگ والے کے سامنے پھر خالی گلاس پیش کرتا ہے۔ وہ پانی سے بھرتا ہے۔ نعیم گلاس زیبا کو دیتا ہے۔ زیبا پیتی ہے۔)

نعیم : (اُٹھ کر) شکریہ بھئی — شکریہ۔

پیر : بیٹھیے بیٹھیے بیٹا — تشریف رکھیے — آپ آئے ہیں۔ ہماری بیٹی آئی ہے۔ خدا نے دو مہمان بھیجے ہیں، ہم پر کرم فرمانے کے لیے — ہماری عزّت افزائی کی ہے مولا کریم نے — لنگر کرکے تو جائیے۔

نعیم : کیا؟

خادم ۳ : کھانا کھا کر جائیے سائیں — ڈیرے کا — درویشی کھانا۔

نعیم : نہیں بھئی شکریہ — ہم اس وقت کھانا نہیں کھاتے۔

پیر : خادم علی چائے کا بندوبست کرو بھائی۔ (آواز دے کر) بابا جلال — بابا جلال۔ سب چھوڑ دو بھائی یہ کام تو پھر بھی ہوتے رہیں گے — خدائی مہمان تشریف لائے ہیں۔ ان کے شگن مناؤ ان کی مہماں گاؤ۔

(جو خادم کپڑ چھان کر رہے تھے، جو مسواک کاٹ رہا تھا سب کچھ وہیں چھوڑ کر کوتے میں لنگر کی طرف بھاگتے ہیں۔)

زیبا : چائے تو ہمارے پاس ہے موٹر میں۔

پیر : الحمد للہ بیٹی، شکر اللہ — اللہ اور بھی برکت دے۔ لیکن ہم کو بھی تو شکریہ ادا کرنے دیں اس رحیم کریم کا جس نے آج ہم پر خصوصی کرم کیا۔

نعیم : کرم!

پیر : اپنے دو مہمان بھیج کر — بے خواہش، بے غرض و غائت، پاک لوک۔

(خادم ۲ ایک پلیٹ میں کچھ جلیبیاں، سوکھی برفی، باسی مرونڈا وغیرہ رکھ کر تیزی سے لاتا ہے اور زیبا کے سامنے رکھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔)

زیبا : مولوی صاحب آپ یہاں اکیلے رہتے ہیں؟

(احاطے کی طرف نگاہیں گھماتی ہے۔)

پیر : نہیں بیٹیا اکیلے کیوں۔ سب لوگ ہوتے ہیں ہمارے ساتھ — جو ہوتے ہیں وہ بھی اور جو موجود نہیں ہوتے وہ بھی۔ رونق لگی رہتی ہے ہر وقت :

خادم ۲ : بی بی یہ دوپٹہ لے لیں سر پر۔

زیبا : کیوں؟

خادم : پیر صاحب کے سامنے ننگے سر بیٹھنا بے ادبی ہے۔

پیر : اوں ہوں عبد الجبار — ہماری بیٹی تو سپاہی ہے اللہ کی۔ اور سپاہیوں کی بیٹی اسی طرح کی رہتی ہے۔ خبردار بھئی سپاہی بیٹے کو کچھ نہیں کہتا۔ کھاؤ۔ بیٹیا۔ کھاؤ۔

نعیم : بس جی۔ تھینک یو۔

(اور حیران کن بات یہ کہ زیبا نپی تلی سی انگلیاں پلیٹ کی طرف بڑھا کر باسی برفی کا ایک ٹکڑا اٹھا کر کھانے لگتی ہے۔)

زیبا : مولوی صاحب یہ آپ کا گھر ہے ؟

پیر : وہ جس جگہ بٹھا دے بیٹا، گھر ہی ہوتا ہے۔

خادم ۱ : یہ ڈیرہ شریف ہے پیر صاحب کا۔

زیبا : آپ کے بیوی بچے نہیں ہیں مولوی صاحب ؟

پیر : ہیں بیٹا — تین لڑکے ہیں دو لڑکیاں — اور ایک بیٹی خدا نے آج ہمیں اور دے دی — کوئی حد ہے اس کی رحمت کی —

نعیم : He has adopted you, darling.

زیبا : کیا کرتے ہیں آپ کے بچے ؟

پیر : لڑکے کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ لڑکیاں اپنے اپنے گھر میں ہیں تینوں خدا کے فضل سے۔ شاد آباد خوش و خرم — چائے لاؤ بھئی عبد الجبار۔

خادم ۱ : حق سائیں۔

(چلا جاتا ہے۔)

نعیم : (ذرا توقف کے بعد) معاف کرنا، سائیں صاحب آپ کب سے ہیں اس پروفیشن میں ؟

پیر : یہاں بیٹھے ہوئے تو مجھے بیالیس سال ہو گئے بیٹا۔ اُس سے پہلے نو سال بس ادھر اُدھر گھومتا رہا بے مقصد، بے منزل — پھر میرے ہادی، مرشد نے مجھے یہاں بیٹھنے کا حکم فرما دیا۔ بڑا بنجر اور بے آباد علاقہ تھا۔

زیبا : یہاں کیوں بٹھا دیا انھوں نے ؟

پیر : اب اپنے ہادی مرشد سے کوئی کیوں اور کیسے تو نہیں پوچھ سکتا ناں بیٹا — بس

ان کا امر ہو گیا۔ حکم ہو گیا۔

نعیم : These people, you know Zeba, they obey their elders blindly--these creed bounded followers

زیبا : کوئی کام وام نہیں کیا آپ نے؟

پیر : کام کیا کرنا تھا ہم نے بیٹا۔ ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ یہاں بیٹھنے کا امر ہو گیا ہم یہاں بیٹھ گئے۔ کوچ کا حکم مل جائے گا تو آگے چل دیں گے۔

(اتنے میں ایک خادم چائے کی سینی لے کر آجاتا ہے۔ ساتھ پانچ چھ پیالے ہیں۔ چینک میں مکس چائے ہے۔ اس کے ساتھ مسواکیں چھیلنے والا خادم بھی آجاتا ہے جو اپنی جگہ پر بیٹھ کر مسواکیں بنانے لگتا ہے۔ لانے والا خادم پیالوں میں چائے ڈال کر پہلے نعیم کو پھر زیبا کو اور اس کے بعد پیر صاحب کو دیتا ہے۔ نعیم گھبرایا ہوا زیبا کی طرف دیکھتا ہے۔ وہ اپنی آستین سے ٹشو پیپر نکال کر پیالے کا کنارہ صاف کرتی ہے۔ پھر سب چائے پینے لگتے ہیں۔ اتنے میں ایک بابا اور اس کے ساتھ اس کی بہو جو پھولدار قسم کے بھڑکیلے کپڑے پہنے ہے، وارد ہوتے ہیں۔ بابا سائیں صاحب سے بہت دور رک کر دونوں ہاتھوں سے اپنی پگڑی چھو کر کہتا ہے۔)

بابا : سلام سائیں جی۔

سائیں : آؤ! آؤ!! رحمتوں برکتوں والے۔ نور والے نور والے۔۔ آؤ بابا کریم بخش آؤ جی بسم اللہ۔

(بابا کریم بخش سائیں صاحب کے بڑھے ہوئے ہاتھ سے مصافحہ کرتا ہے اور پھر اس کو چوم کر آنکھوں سے لگاتا ہے۔ جیب سے سوا روپیہ نکال کر پیر جی کو دیتا ہے جو اپنی جیب میں ڈال لیتے ہیں۔ اس کی بہو بھی قریب آکر سر پہ پیار لیتی ہے۔ دونوں

زمین پر بیٹھ جاتے ہیں۔ سائیں صاحب مسواکوں والے سے کہتے ہیں: "چا پلاؤ خدائی مہمانوں کو بھئی۔" وہ پیالوں میں چائے ڈال کر بابا کریم بخش کو اور اس کی بہو کو دیتا ہے۔ اس دوران گفتگو جاری رہتی ہے۔)

پیر : بال بچّے — جیا جنت سب راضی باضی بابا کریم بخش؟

بابا : اللہ کا فضل سائیں جی — پیراں کی دُعا برکت — رحم اللہ۔

پیر : کام کار، ڈنگر پسو کریم بخش فصل پیلی کی ساڈی؟

بابا : ہر طرف رحمتاں برکتاں سائیں جی — خیراں ہی خیراں۔

پیر : اور ہماری دھی برکت بی بی کا کیا حال ہے؟

لڑکی : (خشک انداز میں) ٹھیک ہے جی۔

پیر : چھوٹے کا کیا حال ہے محمد صادق صاحب کا۔

لڑکی : وہ بھی ٹھیک ہے جی۔

بابا : اور تو سب ٹھیک ہے سائیں جی۔ پر برکت بی بی ناراض ہے ہم سب سے۔

سائیں : ناں بھئی . . . .

لڑکی : ناراض کیا ہے تو ناراض ہوں میں، کوئی ایسے تو نہیں نراض۔

سائیں : ناں بھئی کریم بخش دھی دھیاتی کو ناراض نہیں کیا کرتے۔ ان کے تو بڑے درجات ہوتے ہیں —

لڑکی : (رو کر) میں جب سے آئی ہوں سائیں جی بیاہ کر ان کے گھر میں، کسی نے میری سار نہیں لی۔ کسی نے پوچھا نہیں کہ مرتی ہے یا جیتی ہے۔ چھوٹے بڑے سارے حکم چلاتے ہیں۔ پوچھ لو چاہے چاچے سے، سامنے بیٹھا ہے۔

سائیں : کیوں بھئی کریم بخش۔ ہماری بیٹی رنج کیوں ہو گئی تمہارے گھر میں؟

بابا : زبان کی تیکھی ہے میری گھر والی سائیں جی۔ چوٹ مارنے سے باز نہیں آتی اور

غصے میں برکت بی بی اپنی ساس سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔

لڑکی : میں کوئی بھوکے ننگوں کی بیٹی ہوں۔ کوئی یتیم ہوں۔ اوتری نکھتری — غصہ تھا تو بیاہ کے کیوں لائے تھے۔ کوئی ہم پیر پکڑنے گئے تھے تیرے!

سائیں : ناں بیٹا ناں —

لڑکی : رکھو اپنی زمینداری اپنے پاس۔ سنبھالو اپنے بیٹے پوتے کو — میرے شینہہ جوان بھائی سلامت رہیں، میں تم پر تھوکتی بھی نہیں۔ (غصے سے روتی ہے۔)

سائیں : ناں بھئی کریم بخش ہماری بیٹی کو رُلانا نہیں۔ یہ تو پاک بی بی ہے۔ نیکوں کی اولاد!

بابا : ہم تو کچھ نہیں کہتے سرکار ۔ ۔ ۔ ۔ بس یہ ہی ۔ ۔ ۔ ۔

لڑکی : تم کچھ نہیں کہتے — تیری لگتی کچھ نہیں کہتی — تیری دھی مشٹنڈی کچھ نہیں کہتی؟ ان لوگوں نے میرا لہو پی لیا ہے سائیں جی۔ اب میں وہاں ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتی۔ میں نے طلاق لینی ہے اور لے کر دکھانی ہے۔

بابا : سُن لیا سائیں جی!

سائیں : کوئی نہیں کوئی نہیں کریم بخش — غصہ جو ہوا اس میں بھول چوک ہو ہی جاتی ہے۔

لڑکی : بھول چُوک کوئی نہیں سائیں جی۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے اور بے بے میری کہہ گئی ہے کہ ایک بار پھر ان سے غصہ گلہ ہوا تو تُو گھر آ جانا سیدھی۔ ہم خود ہی طلاق لے لیں گے ہمیں کوئی ضرورت نہیں ان کے گھر میں بسنے کی — بڑے شاہ دریام۔

سائیں : (مسکرا کر) ان کے ساتھ تو جنگ کرنی چاہیئے برکت بی بی۔

لڑکی : میں دکھا دوں گی ان کو سائیں جی، چار بھائیوں کی بہن!

سائیں : اور پھر وہ جنگ جیتنی بھی چاہیئے برکت بی بی۔

لڑکی : (سینے پر ہاتھ مار کر) انشاء اللہ!

سائیں : تو پھر گُر تجھے تیرے پیر بتا دیتے ہیں جنگ جیتنے کا!

لڑکی : ہاں جی

سائیں : جو جنگ محبت کے ہتھیار سے لڑی جائے ناں برکت بی بی اس میں کبھی شکست ہوتی ہی نہیں۔

لڑکی : محبت! ان باندروں کے ساتھ۔ کتّوں کے ساتھ۔ میں مر تو جاؤں گی سائیں جی پر ان کافروں سے محبت نہیں کروں گی۔ یہ شرمندگی نہیں سہنی میں نے۔

سائیں : جس چہرے پر شرمندگی نہ ہو برکت بیٹا وہ تو ایسا ہوتا ہے جیسے چھال اُتری درخت کا تنا۔ پتہ ہی نہیں چلتا کون سا درخت ہے۔ ناں ناں ممّی ناں۔ ہارنا نہیں ہم نے اس جنگ میں۔

بابا : غصہ ہی بڑا زہری ہے برکتے کا!

لڑکی : بس! اسی جگہ چپ کر جا بابا بڈھیا! اپنی عزت اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ زیادہ بولا تو داڑھی اکھاڑ کر ہاتھ میں پکڑا دوں گی۔

سائیں : (نعیم سے مخاطب ہو کر) لو صاحب میرے! یہ غصہ بھی ناگن ہوتا ہے شیش ناگن۔ جب تک قائم رہتا ہے اس سے انڈے بچے پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں۔ سارا وجود سنپولیوں سے بھر جاتا ہے غصہ ور کا۔

لڑکی : آپ مجھے ان سے لکھت لے دیں سائیں جی۔ آپ کی بڑی مہربانی!

بابا : میں بھی اس کو اسی وعدے پر لایا ہوں اپنی نونہہ کو کہ پہلے پیر سائیں کو سلام کر لے پھر میں تجھے تیرے باپ کے گھر چھوڑ آؤں گا خود۔

سائیں : نہیں نہیں باپ کے گھر جا کر اس نے کیا کرنا ہے میاں کریم بخش۔ یہ اپنے گھر جائے گی، اپنے بیٹے پاس اپنے گھر والے پاس۔

لڑکی : دفع دُور۔ کالے منہ والے!

سائیں : غصہ بڑے کام کی چیز ہے برکت بی بی! اس کی راسیں کھینچ کر رکھو گے قابو کر کے تو سواری
کا کام دے گا ناچے گا تمہارے آگے گھنگھرو باندھ کر اور اگر اس کی لگامیں کھلی چھوڑ
دو گے تو یہ گھوڑا تم پر سوار ہو جائے گا۔ کچل دے گا سم مار مار کے۔

لڑکی : ہم کاسو بیگو کے منارے جٹ ہیں پیر جی کوئی ان کی طرح چھپے نہیں جو ہم کو غصہ نہ
آئے۔ میرے پیکے کرسی والے ہیں حق حقوق والے اللہ کے فضل سے۔

پیر : جس قدر کسی آدمی میں تکبر ہو گا برکت بی بی! اسی قدر اس کو ہر چیز پر اپنا حق حقوق
نظر آئے گا اور جتنا کوئی شخص اپنے حق حقوق کے دعوے کرتا ہے، اتنا ہی اس کا حق
کم ہوتا ہے۔ تم تو غصے پر بھی اپنا خاندانی حق جتا رہی ہو بھولی بیٹی۔ یہ بھی کوئی حق
شفہ کی چیز ہے۔ غصہ نہیں کرنا میری بیٹی — غصہ نہیں دکھانا میری رانی دھی نے۔

لڑکی : پہلے ان کو تو سمجھائیں پیر جی — ان اکڑ خوروں کو —

پیر : ان کی تو میں بعد میں خبر لوں گا — اکیلے بٹھا کر سب کو۔ پہلے تو وعدہ کرو کہ اس بھٹی
میں کبھی ایندھن نہیں ڈالو گی —

لڑکی : کس بھٹی میں سائیں جی؟

پیر : غصے کی بھٹی میں برکت بی بی — یہ غصہ، یہ لوبھ موہ اہنکار یہ سب دہکتی ہوئی بھٹیاں
ہیں میرے بیٹے ان میں جتنا بالن پھونکو گے، جتنا ایندھن ڈالو گے، یہ اور بھڑکیں گی۔
جتنی غذا پھینکو گی غصے کے پیٹ میں، یہ اتنا ہی مضبوط اور طاقتور ہو گا۔ اس آگ
کو غذا نہیں دینی بیٹیا بلکہ اس کے اُوپر صبر کی پرات رکھ کر اسے ضبط کے ڈھکنے
سے بند کرنا ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے — سمجھ گئی!

بابا : اس کو کوئی تعویز دو سائیں جی۔

پیر : تعویذ بھی دیں گے — دعا بھی کریں گے — پھر اس سے ملنے بھی آیا کریں گے اس
کے گھر اس کی کھیر کھانے — یہ ہمارے جانی جان بابے نور محمد کی بیٹی ہے تو ہماری

بھی آنکھوں کا نور ہے ـــ سن بی بی ۔

لڑکی : ہاں جی

پیر : ہر وقت کسی نہ کسی کام میں لگی رہا کر ۔

لڑکی : اچھا جی ـــ

پیر : کام بھی بتا دیتے ہیں ۔

لڑکی : ہاں جی ـــ

پیر : ہر وقت اپنی غلطیاں پکڑتی رہا کرو۔ایک ایک کرکے اپنے وجود کے کرتے سے جوئیں نکالتی رہا کرو غلطیوں کی ۔ اپنی غلطیوں پر نظر رکھنے والا آدمی دنیا میں سب سے زیادہ مصروف رہتا ہے پر کستے۔اس کو دوسروں کی غلطیاں پکڑنے کے لیے وقت ہی نہیں ملتا۔تم بھی مصروف رہا کرو بیٹیا ـــ

لڑکی : اچھا جی ۔

پیر : اور منہ مروڑ کر نہیں رکھنا ـــ مسکراتے رہنا ہے ہر وقت ۔ چاہے ساس کچھ کہے چاہے نند زیادتی کرے ۔ چاہے بابا کریم بخش کڑوا کید ہو تیرے ساتھ تم نے مسکرا کر بات کرنی ہے۔مسکراہٹ ہی چہرے کا دروازہ ہے بیٹیا جس سے جھانک کر پتہ چل جاتا ہے کہ دل گھر کے اندر موجود ہے یا نہیں اور جس گھر کے اندر گھر والا نہ ہو وہ کھنڈر ویرانہ ہی ہوا ناں ۔

(اتنے میں ڈھول بجاتا ایک گروہ ناچنے والا گھوڑا لے کر اندر آتے ہیں۔ یہ گھوڑا بڑی خوبصورتی کے ساتھ ناچتا پیر جی کے تخت پوش کی طرف بڑھتا ہے ۔قریب پہنچ کر وہ گروہ رک جاتا ہے اور گھوڑے کا مالک کہتا ہے ۔)

مالک : پیر بابے کو سلام کرانے لائے ہیں ممولے کا ـــ سلام کر ممولیا ۔

(گھوڑا پھر ناچتا ہے ۔)

پیر : واہ واہ بسم اللہ — بسم اللہ — اللہ سوار سواری کو عزتاں رحمتاں عطا کرے۔ آسانیاں عطا فرمائے۔

مالک : دعا کرو سائیں جی — جھولی بھر دو بابیو۔ جھولی۔

(سوار روپیہ خدمت میں پیش کرتا ہے جو سائیں صاحب لے کر جیب میں ڈال لیتے ہیں)

ڈیڑھ مہینے کی بیماری بعد اُٹھا ہے شیر مولا۔ مر کے بچا سائیں جی میرا گھوڑا۔ میں تو آپ مر گیا تھا اس کے ساتھ۔

پیر : اللہ فضل کرے گا۔ رحمتاں! برکتاں!! سب کرم ہے سب خیر ہے۔ اس کا ہر کام کرم ہے، اس کا ہر فعل عدل ہے۔

(اتنے میں زیبا اُٹھ کر کھڑی ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ نعیم بھی —)

نعیم : اچھا سر اب ہمیں اجازت دیجئے — آپ کا بہت بہت شکریہ!

پیر : ہماری تو آرزو تھی کہ لنگر کر کے جاتے آپ۔

نعیم : میں نے بتایا ناں سر کہ ہم اس وقت کھانا نہیں کھاتے۔

پیر : جیسے آپ کی مرضی۔ جو آپ کا دل چاہے — (زیبا کی طرف مخاطب ہو کر) لیکن اب آتے جاتے رہنا ہے بیٹیا۔ چھوڑ نہیں دینا ملنا ملانا — ہم کو پینڈو سمجھ کر۔

(زیبا ہلکا سا نفی میں سر ہلاتی ہے۔)

پیر : ہم شہروں سے اتنے دور تو نہ تھے بیٹیا پھر بھی آپ نے ہم سے ملنا ملانا چھوڑ دیا۔

نعیم : اصل میں ہماری اور آپ کی سوچ میں بڑا فرق ہے بزرگو۔ ہم لوگ اس قدر ضعیف الاعتقاد نہیں ہوتے آپ لوگوں کی طرح۔ ہم سب ان پرانی اور بیہودہ رسموں کو توڑ کر اور ایسے فضول عقیدوں سے منہ موڑ کر سائنٹیفک طریق پر اپنی زندگی ڈھال رہے ہیں، ایک بامعنی دُنیا بنا رہے ہیں۔ اس لیے وقت نہیں ملتا۔

پیر : ہم نے تو آپ کی کبھی کوئی رسم نہیں توڑی بیٹیا جی آپ کے علاقے میں آ کر۔

آپ ہمارے یہاں کے کیکر اور ببول اکھاڑ کر یہاں شاہ بلوط کیوں لگانا چاہتے ہیں
جو اس علاقے کا درخت ہی نہیں۔

نعیم : وہ اس لیے بزرگو کہ ہم آپ کو مہذب بنانا چاہتے ہیں۔ معاف کرنا۔ آپ کو اس دقیانوسی رٹ سے نکالنا چاہتے ہیں۔ ہم آپ کو اپنے جیسا پرسکون اور خوشحال اور کامیاب بنانا چاہتے ہیں۔ آپ کو ان بیہودہ رسم و رواج سے چھڑوا کر اپنے جیسا بنانا چاہتے ہیں خوشحال فارغ البال کامیاب اور contented ۔ چھوڑیئے ان باتوں کو بزرگو یہ سب فضول دھندے ہیں ہماری طرف آیئے۔ ہمارے طور طریقے اختیار کیجیے۔ سوسائٹی کو خوشحال بنایئے جیسے ہم نے اپنی سوسائٹی کو بنایا ہے، اس ضعیف الاعتقادی سے اور جہالت سے نکل کر۔

پیر : اچھا اچھا۔ اللہ خیر کرے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور خوشیاں دے۔

(اُٹھ کر کھڑا ہوتا ہے۔ ملانے کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہے۔ نعیم ہاتھ ملاتے ہوئے کہتا ہے۔)

نعیم : میری بات کا بُرا تو نہیں مانا آپ نے!

پیر : توبہ توبہ بابا جی توبہ! — آپ نبی کی اولاد ہیں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد۔ ہمارے لیے تو آپ پیروں کا درجہ رکھتے ہیں ہم آپ کی بات کا کیسے بُرا مان سکتے ہیں توبہ توبہ — پر ہم سے ملتے ملاتے رہنا ہے — شاید ہمارا کچھ فائدہ ہو جائے۔

نعیم : بہت اچھا — شکریہ۔

(ڈھول پر چوٹ لگتی ہے۔ گھوڑا پھر ناچتا ہے اور اس دھما دھول میں نعیم اور زیبا وہاں سے نکل آتے ہیں۔)

کٹ ____________

آپ ہمارے یہاں کے کیکر اور ببول اکھاڑ کر یہاں شاہ بلوط کیوں لگانا چاہتے ہیں
جو اس علاقے کا درخت ہی نہیں۔

نعیم : وہ اس لیے بزرگو کہ ہم آپ کو مہذب بنانا چاہتے ہیں۔ معاف کرنا۔ آپ کو اس دقیانوسی
رٹ سے نکالنا چاہتے ہیں۔ ہم آپ کو اپنے جیسا پرسکون اور خوشحال اور کامیاب
بنانا چاہتے ہیں۔ آپ کو ان بیہودہ رسم ورواج سے چھڑوا کر اپنے جیسا بنانا چاہتے
ہیں خوشحال فارغ البال کامیاب اور contented ۔ چھوڑیئے ان باتوں کو
بزرگو یہ سب فضول دھندے ہیں ہماری طرف آیئے۔ ہمارے طور طریقے اختیار کیجئے۔
سوسائٹی کو خوشحال بنایئے جیسے ہم نے اپنی سوسائٹی کو بنایا ہے، اس ضعیف
الاعتقادی سے اور جہالت سے نکل کر۔

پیر : اچھا اچھا۔ اللہ خیر کرے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور خوشیاں دے۔
(اُٹھ کر کھڑا ہوتا ہے۔ ملانے کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہے۔ نعیم ہاتھ ملاتے ہوئے کہتا ہے۔)

نعیم : میری بات کا بُرا تو نہیں مانا آپ نے!

پیر : توبہ توبہ بابا جی توبہ! — آپ نبی کی اولاد ہیں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد۔
ہمارے لیے تو آپ پیروں کا درجہ رکھتے ہیں ہم آپ کی بات کا کیسے بُرا مان سکتے ہیں
توبہ توبہ — پر ہم سے ملتے ملاتے رہنا ہے — شاید ہمارا کچھ فائدہ ہو جائے۔

نعیم : بہت اچھا — شکریہ۔

(ڈھول پر چوٹ لگتی ہے گھوڑا پھر ناچتا ہے اور اس دھما دھول میں نعیم اور زیبا
وہاں سے نکل آتے ہیں۔)

کٹ ____________

سین ۱۹
آؤٹ ڈور
شام

(نعیم کی کار واپس شہر کی طرف جا رہی ہے۔ دونوں بڑی خاموشی کے ساتھ کار میں بیٹھے ہیں۔ اب زیبا نے اپنا دوپٹہ کمر سے کھول کر کندھے پر رکھ لیا ہے اچانک کار میں پھر خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ ایک جھٹکے سے رُکتی ہے اور نعیم باہر نکل کر بونٹ کھولتا ہے اس کے اندر تاروں کو اور پلگ کو پھر ہلا جلا کر دیکھتا ہے۔ کچھ دیر اس کے اندر جھکا کام کرتا رہتا ہے اور جب سر باہر نکالتا ہے تو اس کے دونوں ہاتھ موبل آئیل سے کالے سیاہ ہو چکے ہیں۔ وہ اسی جگہ زمین پر بیٹھ جاتا ہے اور اپنے ہاتھوں کو زمین پر رگڑنے لگتا ہے۔ ان رگڑتے ہاتھوں پر نہر کے پانی کی دھار گرتی ہے۔ نعیم حیران ہو کر سر اُوپر اُٹھا کر دیکھتا ہے تو زیبا موبل آئیل کا ڈبہ دونوں ہاتھوں میں پکڑے نعیم کے گندے اور لتھڑے ہوئے ہاتھوں پر پانی گرا رہی ہے۔ وہ حیرانی سے محبت سے اور خوشی سے زیبا کی طرف دیکھتا ہے اور پھر اپنے ہاتھ جھٹکتا ہُوا اُٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ زیبا اپنے دوپٹے کا پلو اس کی طرف بڑھا دیتی ہے وہ ایک سیکنڈ کے توقف کے بعد شکریے کے جذبات سے بھرپور کو نہ تھامتا ہے اور اس سے اپنے ہاتھ پونچھنے لگتا ہے۔ زیبا کے چہرے پر محبت اور شگفتگی کی مُسکراہٹ پھیلی ہوئی ہے اور وہ محبت اور مؤدّت کے ساتھ اپنے خاوند کو دیکھ رہی ہے۔)

———※———

احساس اور کمتری

کردار :

ڈاکٹر حارث : بفلو سٹی سے لوٹا ہوا ہارٹ کا سرجن ۔ نوجوان

سلیمہ : تیئس چوبیس برس کی خوبرو لڑکی

طاہرہ : چاؤ چونچلے والی نوعمر لڑکی

ریاض : نوجوان ۔ مغرب کا رسیا

رضا : بارہ برس کا لڑکا ۔ پاکستان کا عاشق

امی : مغربی دُنیا کی شیدائی

نانا ابا : مغربی دنیا کے علم سے خائف

تائی جی : جیا بگا میں رہنے والی دیہاتی عورت

رضیہ : سنولائی کملائی غمزدہ عورت

غلام رسول : گھر کا پُرانا ملازم پاؤں دبا کر چلتا ہے



سین ۱
اِن ڈور
صبح کا وقت

(ایک پہلے سے آراستہ کیا ہوا کمرہ لیکن اُسے مزید خوبصورت بنایا جارہا ہے۔ کیمرہ کھلتا ہے تو ایک بڑے دو ٹن ایئرکنڈیشنر کو تین چار مزدور کیمرے کے سامنے سے اُٹھا کر گزرتے ہیں اور دیوار میں جا کر فٹ کرتے ہیں۔ امّی اور سلیمہ پلنگ پر بیٹھی ہیں۔ امّی اس وقت بادام کھانے میں مشغول ہے۔ سلیمہ کچھ پریشان لگتی ہے ایک الیکٹریشن ایئرکنڈیشنر فٹ کراتا ہے۔ پھر وہ تار میں تھری فیس پلگ فِٹ کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے اور سیٹ پر سے نہیں جاتا۔)

سلیمہ : ذرا سا نیچے لگ گیا ہے امّی جی ایئرکنڈیشنر، آپ مانیں یا نہ مانیں۔

امّی : نہیں ٹھیک ہے۔

سلیمہ : میں نے فارن رسالے دیکھے ہیں امّی آج کل ایئرکنڈیشنر اُوپر لگوانے کا رواج ہے۔

امّی : ریاض بتا رہا تھا کہ یہی مناسب اُونچائی ہے اِن دنوں۔ کیوں مستری جی۔

مستری : ٹھیک ہے جی۔ امریکی کوٹھیوں میں اسی لیول پر لگاتے ہیں۔

امّی : دیکھا

(اس وقت دو آدمی بڑی احتیاط سے ایک شیشے کا جگمگاتا شانڈلیئر لاتے ہیں۔ اب مستری اپنا کام چھوڑ کر ادھر متوجہ ہوتا ہے اور اسے فِٹ کیا جاتا ہے۔)

امّی : مستری جی بڑی احتیاط سے کام کرنا میرا ہونے والا داماد آرہا ہے امریکہ سے۔

سلیمہ : آپ اسے کیوں بتا رہی ہیں خواہ مخواہ۔

امّی : اچھا ہے ـــــ رعب پڑ جائے گا۔ احتیاط سے کام کرے گا۔

مستری : آپ فکر نہ کریں بیگم صاحب۔ ساری جنٹری کا کام ہماری دُکان سے ہی ہوتا ہے۔

(اس وقت طاہرہ اندر آتی ہے۔)

طاہرہ : توبہ توبہ توبہ۔ اتنی گرمی ہے۔ باہر اتنی گرمی ہے۔ میرا تو بھیجا پگھل گیا۔

(مستری وغیرہ شانڈلیئر فٹ کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ پلنگ پر طاہرہ وال پیپر کا رول کھولتی ہے۔)

سلیمہ : وال پیپر مل گیا؟

طاہرہ : مل تو گیا۔ لیکن دماغ خالی ہو گیا میرا — ایسا چور ایسا چور سیلز مین میرے سر پاکستانی وال پیپر جڑتے لگا تھا۔ میں نے بھی پہچان لیا پہلی نظر میں — میں نے کہا جناب عالی مجھے امپورٹڈ وال پیپر چاہیئے۔ وہ بھی پیل لیمن میں۔ مانے ہی نہ۔ ضد کئے جائے یہی امپورٹڈ سٹف ہے۔

امّی : تم نے بیگم عارفین کا ریفرنس نہیں دیا۔

طاہرہ : دیا امّی انہی کی وجہ سے تو یہ کاغذ ملا۔ ورنہ سیلز مین صاحب تو کھڑے تھے بیل کی طرح۔

سلیمہ : کوئی اور ڈیزائن نہیں تھا طاہرہ؟ کیا پتہ نفلوسٹی میں کون سا فیشن چل رہا ہے۔

طاہرہ : آپ سے تو میں نے عرض کی تھی کہ ساتھ چلیں۔ (پلنگ پر چت لیٹ جاتی ہے) ہائے کوئی مجھے پانی پلائے پلیز۔

امّی : کام کیا کرو۔ ولایت امریکہ روس کی عورتوں کی طرف دیکھو۔ مشینوں کی طرح گھومتی پھرتی ہیں۔ اسی لیے تو وہ ملک ترقی کر گئے ہیں۔ اور ہماری عورتیں پڑی ہیں تودے کے تودے۔

طاہرہ : چلیں آئیں میرے ساتھ۔ اور چلیں اس گرمی میں باہر۔ سارا راستہ وہیل پر سورج پڑتا رہا ہے۔ میرے تو بازو بھی ٹین ہو گئے ہیں۔

مستری : بیگم صاحب — ائیر کنڈیشنر کے ساتھ پلگ لگانا ہے وولٹیج کنٹرول کے لیے کہ سٹیبلائزر رکھنا ہے ساتھ۔

طاہرہ : سٹیبلائزر تو بیہودہ لگتا ہے۔ صندوقڑی سی۔ بزازوں کی آئرن سیف۔

امّی : مستری جی کونسی چیز بہتر ہے؟

مستری : دونوں چیزیں ٹھیک ہیں جی۔ گاہک کی مرضی پر ہے بیگم صاحب۔ جو آپ لادیں گے لگادیں گے۔

امّی : میرا ہونے والا داماد چھ سال بعد پاکستان آرہا ہے چھ سال میں بڑا فرق پڑجاتا ہے مستری جی۔ ہم نہیں چاہتے کہ اسے پاکستان میں آکر کوئی کمی محسوس ہو۔ امریکن لوگ عموماً کیا لگواتے ہیں؟

مستری : پلگ بھی لگواتے ہیں سٹیبلائزر بھی لگواتے ہیں۔ صاحب لوگ کی مرضی پر ہوتا ہے جی۔

سلیمہ : آپ اس سے کیوں پوچھ رہی ہیں امّی۔

امّی : دیکھو آپ ایسے کرو مستری جی.... کہ جو امریکن لگواتے ہیں وہی لگادو آرام سے۔

طاہرہ : (بازو لمبے کرکے آنکھیں بند کرتے ہوئے پلنگ پر لیٹتی ہے) ہائے کوئی پانی پلادے مجھے۔

امّی : (آواز دے کر) غلام رسول.... بھئی کوئی پانی لانا طاہرہ بی بی کے لیے۔ فریزر میں سے خود ہی بوتل لے آؤ — طاہرہ — ایسا بھی کیا۔

طاہرہ : کون فریزر تک جاتے امّی؟ کون اسے کھولے بوتل نکالے۔ گلاس میں ڈالے۔ پھر پیئے۔ پھر واپس آئے۔ پھر لیٹے۔ اس سے تو پیاسے ہی بھلے۔

امّی : حارث نے لکھا کیا ہے سلیمہ۔ کب پہنچے گا یہاں۔

سلیمہ : پہلے تو وہ سیدھا جنے بگّے جائے گا تائی جی کے پاس۔ تین دن بعد یہاں آئے گا۔

امّی : ہے نا بے وقوف — بھلے آدمی تو پہلے یہاں ٹھہر کر سفر کی تھکان اُتار۔ پھر جا اپنی تائی سے ملنے۔

سلیمہ : حارث صاحب اپنی تائی کے بڑے احسان مند ہیں امّی۔ ان کا خیال ہے کہ اگر

تائی جی نہ ہوتیں، وہ کبھی ایف۔آر۔سی۔ایس کر ہی نہ سکتے۔

امّی : خواہ مخواہ۔ اس کے مرحوم باپ کی زمینیں بیچ بیچ کر پڑھایا ہے "تائی نے۔ اپنے پلّے سے کیا لگایا ہے اس نے ؟

(اس وقت رضا آتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں بیّے کا گھونسلا ہے۔)

رضا : باجی یہ بیّے کا گھونسلا ٹانگ دیں گھڑی کے ساتھ۔

سلیمہ : کیوں ؟

رضا : بڑا خوبصورت ہے حارث بھائی خوش ہوں گے۔ مَیں کیکر کے درخت سے اُتار کر لایا ہوں خود۔

طاہرہ : خواہ مخواہ۔

رضا : وہاں بیا ہوتا ہے بفلوسٹی میں باجی۔

امّی : ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔ ایسی کوئی بڑی سوغات نہیں ہے بیّے کا گھونسلا۔

رضا : بڑا خوبصورت ہے امّی۔ آپ دیکھیں تو سہی۔

امّی : دیکھے ہوئے ہیں میرے۔ ہمارے بچپن میں بہی کچھ ہوتا تھا۔ کھیلنے کو ۔۔۔

طاہرہ : چلو شاباش رضا میرے لیے پانی کا گلاس لاؤ شاباش۔ (رضا بغیر جواب دیئے چلا جاتا ہے)

طاہرہ : اور دیکھنا کام چوری نہ کرنا۔ پانی گلاس میں ڈال کر بوتل کو بھر بھر دینا۔ کیپ بھی لگانا اچھی طرح سے۔

رضا : اچھا جی۔

طاہرہ : باجی آپ نے وال پیپر پر کمنٹ نہیں کیا۔

سلیمہ : وہی بتائے گا جسے لگے والا ۔۔۔ میں تو سمجھتی ہوں یہاں اگر پیسے بھی ہوں تو بھی آدمی اپنی چوائیس کی چیزیں نہیں خرید سکتا۔ وہ ورائٹی ہی نہیں ہوتی دکانوں پر جیسی ورائٹی فارن رسالوں میں ہوتی ہے۔

طاہرہ : یہ جیا بگا کیوں جا رہے ہیں حارث بھائی۔

سلیمہ : اپنی تائی جی سے ملنے۔ ادب آداب کرنے۔ کورنش تسلیمات وغیرہ۔

کٹ ________

سین ۲
آؤٹ ڈور

دوپہر

(جیا بگا کا سٹیشن۔ ٹرین سٹیشن پر آتی ہے۔ حارث ٹرین سے اُترتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک بیگ ہے۔ وہ بیگ لے کر سٹیشن سے باہر نکلتا ہے۔)

کٹ ________

سین ۳
آؤٹ ڈور
کچھ دیر بعد

(سٹیشن کے باہر حارث یکے پر سوار ہوتا ہے۔)

کٹ ________

سین ۴
آؤٹ ڈور
آدھ گھنٹے بعد

(یکّے پر سوار حارث گاؤں میں مختلف گلیوں پر جاتا ہے۔)

کٹ ________

سین ۵
ان ڈور
رات

(حارث پلنگ پر نیم دراز ہے۔ پلنگ پر اس کے پاس تائی جی بیٹھی ہیں۔ حارث کہنی کے بل چاہئے بھی پیتا جاتا ہے اور تائی سے باتیں بھی کرتا ہے۔)

تائی : قسم لگے تجھے سچ سچ بتانا حارث۔

حارث : سچ سچ تائی۔ بالکل سچ سچ۔

تائی : حرام تو نہیں کھایا وہاں۔

حارث : ہاسپٹل کیفے ٹیریا میں تو میں صرف سبزی کھاتا ہوں وِد کافی۔ لیکن سنڈے کے سنڈے بفلو سے ساٹھ میل دُور جا کر ایک مُرغی خریدتا ہوں چکن رینچ سے۔ اس کو خود ذبح کرتا ہوں اور پھر دھنیا، گرم مصالحہ، الائچی خورد کا بگھار دے کر خوب بُھونتا ہوں — کڑاکے دار۔

تائی : دو تین لونگ بھی ڈال لیا کر اس میں۔
حارث : وہاں دار چینی ڈالنے کا زیادہ رواج ہے تائی اماں۔
تائی : لیکن۔ تو وہاں اپریشن کرتا ہے کہ گوشت بناتا ہے مرغیوں کا۔
حارث : دونوں کام تائی۔ جس دن کوئی دل والا آگیا اس کا دل کھول لیا۔ جس دن سنڈے آگیا اس دن مُرغی کھول لی۔ دونوں ہی بڑے آسان کام ہیں۔
تائی : اچھا حارث ایک بات اور پُوچھ لوں۔
حارث : آپ سو باتیں پُوچھیں تائی جان۔
تائی : تُو غصہ نہ لگا لینا دل میں میری بات کا۔
حارث : نہ تائی جی۔ پوچھیں سَو بسم اللہ پُوچھیں۔
تائی : سارا وقت مجھے فکر رہا — سارا وقت میں نے سوچا ہائے مَیں نے حارث کو کیوں بھیج دیا امریکہ۔ ان کا رہن سہن کچھ اور طرح کا ہوتا ہے نا — کہیں — ؟
حارث : جی — کہیں کیا ؟
تائی : وہ تو پینے پلانے نہیں لگ پڑا ۔ سُنا ہے وہاں تو عورتیں بھی پیتی ہیں۔
حارث : (تائی کے کندھے پر بازو رکھ کر) تو آرام سے سویا کر تائی لمبی تان کر۔ وہاں ڈاکٹر حارث کو اتنا وقت نہیں ملتا۔ حرام کھانے کا — پینے پلانے کا — میموں کے ساتھ پھرنے کا۔ ہمیں پاکستان کی عزت بڑی پیاری ہے۔ تائی جی۔ ہم وہاں بڑے بیبے بن کر رہتے ہیں خواہ اس کے لیے ہمیں زور لگا کر ہی کیوں نہ رہنا پڑے۔
تائی : چل جا جھوٹا —
حارث : آپ چل کر دیکھ لیں۔ پاکستان میں رہ کر اس سے محبت نہیں ہوتی ہے تائی۔ بڑا لوہا منوایا ہے ہم ڈاکٹروں نے وہاں پر۔ ہر بیمار گورا یہی درخواست کرتا ہے میں پاکستانی ڈاکٹروں سے علاج کراؤں گا۔

(اس وقت رضیہ آتی ہے۔ وہ بجھی بجھی سی ہے۔)

تائی : ہائے تجھے کیا وخت پڑا ہُوا ہے رضیہ۔ بیٹھ کر باتیں سُن بھائی سے امریکہ کی۔

رضیہ : اچھا ہاں جی

تائی : کیا کرتی آئی ہے؟

رضیہ : حارث بھائی کے کپڑے دھو رہی تھی۔

حارث : اوہو ہو ہو۔ خواہ مخواہ تکلیف کی تُو نے۔ میں لاہور جا کر دُھلوا لیتا ــــ تو پرابلم۔

رضیہ : یہ آپ کی جیب سے کچھ نوٹ نکلے ہیں بھائی جان۔ (نوٹ پکڑاتی ہے)

تائی : دِکھا مجھے۔ اچھا یہ امریکی نوٹ ہے۔ کتنے کا ہے حارث؟

حارث : پانچ ڈالر کا!

تائی : میں رکھ لُوں اسے۔ پنڈ کی عورتوں کو دکھاؤں گی۔

حارث : دکھائیں۔ دکھائیں ضرور دکھائیں۔ کوئی خاص چیز نہیں ہے ڈالر۔ بڑا کمزور نوٹ ہے۔ کچھ بھی نہیں ملتا پانچ ڈالر کا۔

تائی : میں ابھی آئی۔ ذرا میں عاشق کی ماں کو یہ نوٹ دکھا آؤں۔

(جلدی سے جاتی ہے)

حارث : رضیہ!

رضیہ : جی بھائی جان!

حارث : تمہارے میاں کو ہُوا کیا تھا۔ تائی جی کے خط سے کچھ کھُلا نہیں مجھ پر۔

رضیہ : بس جی ــــ جب میری شادی ہوئی تب وہ کھانستے رہتے تھے۔ بڑے ہسپتال میں داخل کرایا لاہور۔ کچھ پتہ ہی نہیں چلا۔

حارث : پھر کیا بتایا وہاں ڈاکٹروں نے۔

رضیہ : کہتے تھے دل کا کوئی خانہ بند ہو جاتا ہے۔ اچانک ہی فوت ہو گئے۔

حارث : مجھے بہت افسوس ہے رضیہ ـــ

رضیہ : ہاں جی سبھی کو افسوس ہے۔ (اُٹھتی ہے)

(تائی ہنستی ہوئی اندر آتی ہے۔)

تائی : عاشق کی ماں مانتی ہی نہیں کہ یہ ولایت کا نوٹ ہے کہتی ہے یہ جعلی نوٹ ہے۔ غلط مورت چھپ گئی ہے۔ کیا ہُوا رضیہ ؟ ـــ بیٹھ کہاں چلی ـــ رضیہ ؟

(رضیہ رونے والی ہے وہ بغیر جواب دیئے چلی جاتی ہے۔)

حارث : اسے نہ روکیں تائی جی۔ بس

تائی : اس کی تو مجھے سمجھ ہی نہیں آئی۔ پوست کے ڈوڈے کی طرح اس کا دل ہمیشہ سے بند ہے۔ کھُل کر بات ہی نہیں کرتی۔

حارث : آپ نے اس کی شادی کیوں کر دی۔ اتنی چھوٹی عمر میں۔

تائی : لے چھوٹی عمر کی کب تھی ؟ پورے سولہ سال کی تھی۔ ڈیڑھ سال شادی رہی تب بھی میں نے کبھی اسے ہنستے نہیں دیکھا۔ اب دو سال کی گھر بیٹھی ہے۔ اُجڑ کے۔ اب بھی میں نے اسے کبھی خوش نہیں دیکھا۔ کچھ روحیں ایسے ہی دُکھ بھوگنے کو آجاتی ہیں دنیا میں۔ جیسے چمگادڑ نہیں اُلٹی لٹکی رہتی۔ ایسے ہی یہ رضیہ ہے۔ کوئی جگ وکھری بات تو نہیں ہوئی ـــ شادی بھی ہے بیوگی بھی ہے، دنیا جو ہوئی حارث۔

حارث : جیسے یہاں کی گرمی ہے نا تائی۔ یہاں کی سرسوں ـــ یہاں کی مُون سُون۔ ایسی بھی بھی، مری مری لڑکی بھی یہیں ملتی ہے اسی دھرتی پر، دھوپ سے کملا جانے والی۔ دھوپ جلی لڑکیاں وہاں نہیں تھیں تائی جی۔

تائی : اس نے کوئی نہیں ٹھیک ہونا۔ حارث ـ اچھا تو یہ بتا وہاں قرآن شریف پڑھا کرتا تھا ؟

حارث : ہاں جی کبھی کبھی ۔ ترجمہ دیکھ لیتا تھا۔

تائی : چل اچھا۔ لیکن ناظرے سے بھی پڑھا کر برکت ہوتی ہے۔

(اٹیچی سے سپرے سینٹ نکالتا ہے۔)

حارث : یہ مَیں آپ کے لیے لایا تھا تائی ۔

تائی : کیا ہے یہ ؟

حارث : خوشبو ہے۔ عطر۔ (تائی پر سپرے کرتا ہے۔ وہ ہنستی ہے)

تائی : ہائے مجھے تو ہنسی آتی ہے حارث ۔ یہ بوتل دیکھ کر۔ سچی کیا بنا دیتے ہیں یہ انگریز بھی۔۔ (حارث سپرے کرتا ہے) عطر کی بھی دھار مارتے ہیں۔ لگاتے نہیں۔ انگلی سے یا پوٹے سے ۔

کٹ ________

سین ٦

ان ڈور

دوپہر

(تائی تخت پوش پر براجمان ہے ۔ اس کی پُشت پر رضیہ چپ چاپ سر نیہوڑائے بیٹھی ہے ۔ تائی کے سامنے اِدھر اُدھر عورتوں کا غول ہے ۔ ان میں دو تین عورتیں بولنے والی ہیں۔ باقی سب دم بخود ہیں ۔ ایک بہت بُوڑھی عورت تائی کے ساتھ تخت پر براجمان ہے۔)

تائی : سارے گورے میرے حارث سے علاج کراتے ہیں۔ ایسا کوئی ڈاکٹر نہیں ہے دل

کا اپریشن کرنے والا ۔ بافلوسٹی میں۔

بوڑھی : بافلوسٹی ؟

تائی : شہر کا نام ہے بافلوسٹی ۔جس شہر میں کام کرتا ہے اس شہر کا نام ـــ کیا مطلب بتایا تھا اس کا حارث نے ؟

رضیہ : (بغیر سر اُٹھائے) بھینس پورہ

(سب عورتیں ہنستی ہیں ۔)

عورت : بھینس پورہ ۔ یہ اچھا نام ہے ۔

تائی : اچھا نام ہے، اور ہمارے گنواروں کی طرح جیا بگا، کاسو بیگو، بھونڈ پورہ رکھ لیں اپنے شہروں کے نام ۔جا رضیہ عطر لا کر دکھا ماسی کو ۔ ایسا عطر لایا ہے حارث ۔ خوشبو اُڑی پھرتی ہے سارے گاؤں میں ۔

(رضیہ اچھا جی کہہ کر جاتی ہے ۔)

عورت نمبر۲ : میم نہیں لایا کوئی ماسی ؟

تائی : کیوں میم کیوں لاتا ۔ چیزیں لایا ہے وہاں کی پلّے سے خرید کر ۔ ایمان نہیں لایا ان پہ ۔

عورت نمبر۲ : ہم نے دیکھنی تھی بُوا ۔ ہمیں میم دیکھنے کا بڑا شوق ہے ۔

تائی : لا بھی سکتا تھا میم ۔ وہاں کوئی تھوڑ ہے ۔

(اب رضیہ آکر رُکتی ہے اور سُنتی ہے ۔)

تائی : بڑی عزت کرتی ہیں میمیں پاکستانی ڈاکٹروں کی ۔ ایک میم کیا دس میمیں لا سکتا تھا ۔ لا مجھے دے (چلانے کی کوشش کرتی ہے لیکن اس سے نہیں چلتا ۔ اس دوران بولتی جاتی ہے) بڑی قدر کرتے ہیں ولایتی لوگ ۔ پاکستانی ڈاکٹر کی ۔ بڑی مشہور چیز ہے وہاں پاکستانی ڈاکٹر ـــ مجھے خود بتایا ہے حارث نے ۔ یہ کیسے چلتا ہے رضیہ ۔

(رضیہ سپرے کر کے دکھاتی ہے ۔)

نانی : آگے ہو لشیراں ۔ دوپٹہ میرے سامنے لا۔ جتنے بُوا دیکھ تو سہی کیسی مُشک ہے۔
ہائے ہائے کیا عطر بنایا ہے گوروں نے۔ بہشت کا دروازہ کھول دیا۔
(سب کے سپرے کرتی ہے فاصلے پر رضیہ کنکھیوں سے ماں کو دیکھتی ہے۔)

کٹ ــــــــــــ

سین ۷
ان ڈور
رات

(بیڈروم ۔ حارث کا سوٹ کیس پلنگ پر کھلا پڑا ہے۔ نانا آبا، ریاض، طاہرہ،
سلیمہ، امّی تمام کمرے میں موجود ہیں۔ سب اس کے سوٹ کیس میں دلچسپی لے
رہے ہیں۔)

سلیمہ : یہ Oil of Ulay

(حارث قالین پر لیٹا ہے اور رضا اس کی کمر پر چڑھا اسے لتاڑ رہا ہے۔ اسے ذرا
بھی دلچسپی نہیں کہ کونسا تحفہ لینا ہے۔ وہ دونوں بازوؤں پر سر دے لیتا ہے۔)

حارث : امّی کو دیدو۔ ان کو شوق ہے اپنی سکن بہتر بنانے کا۔

طاہرہ : میں سمجھی میرے لیے ہے۔

امّی : تھینک یُو حارث ــــ تھینک یُو ویری مچ۔

حارث : ایک کتاب ہے نانا آبا کے لیے۔ اُنہوں نے مجھے خاص لکھا تھا اس کے لیے۔

نانا : شاباش میاں تُم نے یاد رکھی ہماری فرمائش۔ بیٹے ذرا احتیاط سے نکالنا!

حارث : اور ریاض کے لیے جینز ہیں ڈرین پائپ۔ اٹھتیس ہی سائز ہے نا تمہارا؟

ریاض : بالکل سر یہی سائز اور یہی تمنا!

سلیمہ : یہ لو بھئی ریاض تمہاری جینز۔

حارث : سلیمہ ذرا میری گرین قمیض کی تہہ کھول کر دیکھنا رضا کے لیے کچھ شکرز بھی ہیں اس میں۔

رضا : تھینک یُو حارث بھائی۔ لیکن اب تو اچھے سے اچھے پاکستان میں بھی مل جاتے ہیں۔

طاہرہ : دل میں خوش ہو رہا ہے اور اُوپر سے کیا بے نیازی دکھا رہا ہے ـــ شاباش رضا!

رضا : سچ باجی بڑے اچھے مل جاتے ہیں۔

(اس وقت خاندان کا پُرانا ملازم غلام رسول اندر آتا ہے وہ ایک پاؤں دبا کر چلتا ہے۔ بڑا الی روکتا ہے۔)

غلام : سلام علیکم حارث صاحب۔

حارث : وعلیکم السلام وعلیکم السلام۔ کیا حال ہے غلام رسول۔

غلام : ٹھیک ہوں سر۔ شکریہ۔

(حارث سر اُٹھا کر دیکھتا ہے۔ غلام رسول دو قدم پاؤں دبا کر آگے بڑھتا ہے۔)

غلام : مَیں دبا دُوں صاحب۔

(اب طاہرہ اور سلیمہ سُوٹ کیس میں سے کیمرے، ٹیپ ریکارڈ، سینٹ، قمیضیں وغیرہ نکالتی ہیں اور بانٹتی ہیں۔ لیکن حارث غلام رسول میں مشغول ہو جاتا ہے۔)

حارث : سلیمہ نے تو مجھے لکھا تھا کہ ٹانگ ٹھیک ہو گئی ہے آپریشن کے بعد۔

غلام : ہو گئی تھی سرجی۔ لیکن پھر ان برساتوں میں درد اُتر آیا۔

حارث : آپریشن کس نے کیا تھا؟

غلام : ڈاکٹر رفیق نے!

(بیٹھ کر تختے کا معائنہ کرتا ہے۔ پھر چلنے کو کہتا ہے پھر بٹھاتا ہے۔)

سلیمہ : (اس دوران) یہ سینٹ کس کس کے لیے ہیں؟

حارث : تم اور طاہرہ بانٹ لو۔ پلستر وقت پر اُتارا تھا؟

غلام : جی سر۔

ریاض : یہ کیمرہ حارث بھائی؟

حارث : مَیں نے صرف تین بار سپول ڈال کر تصویریں کھینچی ہیں۔ تم لے لو۔

(رضا حارث میں دلچسپی لیتا ہے اور تحفوں کی طرف نہیں دیکھتا۔)

حارث : کل آپ میرے ساتھ ڈاکٹر رفیق کے پاس چلیں گے۔۔۔ میں اُنہیں کنسلٹ کرنا چاہتا ہوں۔

غلام : اللہ عمر دراز کرے حارث میاں۔ خدا خوش رکھے۔

نانا : حارث بیٹے وہ وہاں مائیکرو فلمز ملتی ہیں کتابوں کی ۔۔۔ میں نے تمہیں تکلیف دینی مناسب نہیں سمجھی۔ ورنہ میری آرزو تھی کچھ مائیکرو فش، مائیکرو فلمز منگوانے کی۔

حارث : آپ ایک بار اشارہ بھی کر دیتے تو میں لے آتا۔ نو پرابلم ۔۔۔ اچھا غلام رسول کل صبح آٹھ بجے۔

(رضا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر)

یار تیرے لیے میں نے ایک جہاز خریدا تھا۔ موٹر لگی ہوئی تھی اس میں اور فرانگ پھر فلائٹ تھی اس کی ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے خرید لیا لیکن پھر واپس رکھنا پڑا پیکنگ کا بڑا پرابلم تھا ۔۔۔

(رضا لاتعلق بات سُن ہی نہیں رہا۔)

پھر میں نے ایک نسبتاً چھوٹا جہاز خریدا ۔۔۔ باجی سے کہو سُوٹ کیس میں سے

نکال دے۔۔۔۔

رضا : حارث بھائی!

حارث : تم ناراض ہو مجھ سے۔ میں وہ دوسرا ابھی بھجوا دوں گا ـــ بڑا۔ بائی ایئر۔

رضا : مجھے ہوائی جہاز نہیں چاہئیں حارث بھائی۔۔۔۔ مجھے۔۔۔۔ کچھ نہیں چاہیے وہاں سے ـــ مجھے تو صرف حارث بھائی چاہئیں۔

طاہرہ : ٹھگ لو۔۔۔۔ ٹھگ لو ـــ یہی موقع ہے ٹھگ لو حارث بھائی کو! مجھے کچھ نہیں چاہیے وہاں سے۔ واہ چالاکو بلے۔ دیسی فلموں کے ہیرو۔

(نقل اُتار کر)

ماں مینوں تیرے سوا ایس جہان وچوں کُش ہور نہیں چاہی دا۔

رضا : (حارث سے لپٹ جاتا ہے) میں حارث بھائی کو نہیں ٹھگ سکتا کبھی۔۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔۔

(حارث رضا کے سر پر بوسہ دیتا ہے۔)

کٹ ـــــــــــ

سین ۸

ان ڈور

گہری شام

(حارث میز پر ایک ریڈیو کھولے بیٹھا ہے۔ اس کے ہاتھ میں پیچ کس ہے اور وہ ریڈیو درست کرنے میں مشغول ہے ـــ حارث آواز دے کر پوچھتا ہے:)

حارث : اس کا والیوم کنٹرول خراب ہے سلیمہ کہ سلکٹر؟

(سلیمہ دروازے کے پردے کے پاس آکر ذرا سا سر نکال کر جواب دیتی ہے۔)

سلیمہ : مجھے پتہ نہیں کونسی نوب خراب ہے۔ لیکن لاہور لگاؤ تو آزاد کشمیر آتا ہے .... اور اسلام آباد لگاؤ تو کابل بولنے لگ پڑتا ہے۔

(سلیمہ یہ کہہ کر چلی جاتی ہے۔ دوسرے دروازے سے طاہرہ آتی ہے۔)

طاہرہ : خدا قسم شرم آتی ہے حارث بھائی۔ آپ مجھے مجبور نہ کریں پلیز۔

(ہاتھ میں چھوٹی سی نوٹ بک ہے۔)

حارث : اس میں شرم کی کیا بات ہے۔ شاعرہ ہونے میں کیا بُرائی ہے۔

طاہرہ : میں نے آج تک اپنی پوئمز کسی کو نہیں دکھائیں۔

حارث : کیوں؟

طاہرہ : یہاں کے لوگوں کا مذاق بڑا ولگر ہے۔ وہ سمجھتے تو ہیں نہیں اور مذاق اُڑانے لگتے ہیں۔

حارث : اچھا چلو مجھے تو سناؤ۔

طاہرہ : ہائے مجھے شرم آتی ہے۔

حارث : پھر وہی بات؟ چلو چلو!

(طاہرہ نظم پڑھتی ہے۔)

حارث : (تالی بجا کر) واہ! کمال ہے۔

(یکدم سر سے ٹوپی اتار کر سینے سے لگا کر جھکتا ہے۔)

ہمارے گھرانے کو چار چاند لگا دیئے طاہرہ بی بی نے۔

طاہرہ : پسند آئی آپ کو؟

حارث : بہت! —— بہت زیادہ! لیکن تم نے یہ نظمیں کہیں چھپوائیں؟

طاہرہ : نہیں حارث بھائی یہاں کوئی کام کا انگریزی رسالہ ہی نہیں اور پھر پبلک بھی تو receptive نہیں ہے۔

حارث : تو تُم اُردو میں کیوں نہیں لکھتیں طاہرہ ....

طاہرہ : اُردو میں ؟ میں ؟

(ہنسنے لگتی ہے)

اُردو میں ؟

حارث : ہاں ــــ اُردو کی مارکیٹ بھی ہے۔ تمہیں پڑھنے والے بھی مل جائیں گے۔ رسالے میں بھی چھاپ سکو گی اور ــــ پھر اپنی زبان ہے۔ اظہار بھی اچھی طرح سے کر سکو گی۔

طاہرہ : مَیں اُردو کے خلاف نہیں ہُوں حارث بھائی ــ یہ آنی چاہیے ــــ لیکن ــــ اُردو میں کچھ ایکسپریس نہیں ہوتا ــ یہ زبان نظم کے لیے موزوں نہیں ہے۔

حارث : جانے دو طاہرہ ــ اُردو میں تو شاعری کا وہ خزانہ ہے وہ خزانہ ہے کہ کسی اور زبان میں کم ہی ہو گا۔

طاہرہ : غزل ہے۔ مرثیہ ہے۔ قصیدہ ہے .... اور یہ اولڈ فیشن فارمز ہیں حارث بھائی۔

حارث : غزل تو سدا سہاگن ہے بھائی۔

طاہرہ : اب نہیں حارث بھائی۔ اب بالکل نہیں ــــ ہماری غزل پڑھ لیں۔ ہماری فلمیں دیکھ لیں ــــ ہمارے ٹی وی پروگرام دیکھ لیں۔ ریڈیو سُن لیں۔ ہر چیز سب سٹینڈرڈ ہے۔ ویسٹ والی بات نہیں ہمارے آرٹس میں۔

حارث : وہاں بھی کُچھ نہیں ہے طاہرہ ــــ وہاں بھی ماس میڈیا نے سب کُچھ تباہ کر دیا ہے۔ جرائم اور قتل و غارت کی فلم بنتی ہیں زیادہ تر.... ایسا ہی وہاں کا ادب ہے۔

طاہرہ : اُن کی فلمیں دیکھ کر مزہ آجاتا ہے حارث بھائی۔ چاہے کرائمز کی ہی کیوں نہ

ہوں.... ایسی خوبصورت ٹیکنیک ہے ان کی۔ چھ چھ سات سات منٹ کے سائیلنٹ
سین۔ صرف ساؤنڈ افیکٹس .... چھوٹے چھوٹے ڈائیلاگ مونو سلے بلز.... چھوٹی
چھوٹی expressive بات.... مجھے تو اپنی فلمیں زہر لگتی ہیں۔ لمبے لمبے ڈائیلاگ۔

over-emotional, over-stressed, melo-dramatic

ڈائیلاگ بور کر دیتے ہیں۔

حارث : اصل میں ہم لوگ زیادہ بولتے ہیں۔ زیادہ ملتے ملاتے ہیں۔ دوستیوں رشتہ داریوں
میں اُلجھے رہتے ہیں.... اس لیے ہمارے ڈائیلاگ بھی لمبے ہوتے ہیں۔ ہمارے
یہاں فیملی ابھی تک ٹوٹی نہیں ناں —— خاندان ابھی تک بکھرے نہیں ——
ہم فرداً فرداً زندگی بسر نہیں کرتے ناں ... ایک دوسرے میں گھستے رہتے ہیں۔
بس کے مسافر... تانگے کی سواریاں... ٹرین کے پسنجر بغیر تعارف بغیر جانے بُوجھے
باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ یہاں "ہے یا" "ہائے مام" پر بات ختم نہیں ہو جاتی بلکہ
باتیں ہوتی رہتی ہیں دُکھ سُکھ بھرو لے جاتے ہیں۔ بچپن سے لے کر زندگی کے آخری
دن تک .... اسی وجہ سے ......

طاہرہ : وہ پیٹرن خوبصورت ہے حارث بھائی۔ مجھے زیادہ اچھا لگتا ہے —— کم از کم ایک
دوسرے کی آزادی کا احساس تو رہتا ہے۔ کوئی کسی پر اپنے آپ کو امپوز تو
نہیں کرتا، بکواس کر کے!

حارث : اچھا اور بُرا کچھ نہیں طاہرہ —— معاشرے معاشرے میں فرق ہوتا ہے۔ اچھا یا
بُرا نہیں ہوتا —— پہاڑ، سمندر، ریگستان۔ اچھا بُرا کوئی نہیں۔ الگ الگ چیزیں
ہیں —— انسان کہیں گورا ہے کہیں کالا ہے۔ کہیں لمبا، کہیں مدھرا ہے اور ہر
ایک کے رہن سہن کا اپنا طریق ہے۔ اس میں بہتر یا کمتر نہیں۔

طاہرہ : آئی ایم سوری۔ مجھے آپ سے گہرا اختلاف ہے۔ میں مہذب کلچر زیادہ پسند کرتی

ہوں حبشیوں اور افریقیوں کے مقابلے میں۔

حارث : تمہیں اجازت ہے.... پسند کرو — پسند کرنے میں کوئی ہرج نہیں لیکن اگر یہ پسند صرف اور صرف اپنے کلچر سے نفرت کی وجہ سے ہے تو بڑے الارم کی بات ہے — بہت بڑے خطرے کی گھنٹی ہے۔

طاہرہ : ان کی زندگی اور ہماری زندگی! اوہ — ہم فولز لگتے ہیں ان کے سامنے۔

حارث : نہیں نہیں نہیں طاہرہ جان ہرگز نہیں۔ مَیں چھ سال سے وہاں رہ رہا ہوں.... کئی باتوں میں وہ فولز لگتے ہیں ہمارے سامنے.... یہ بات نہیں ہے — دیکھو! جس طرح مغربی لوگوں کا رنگ سفید ہے اسی طرح ان کی پرسنلٹی بھی واضح ہے، باہر ہے، اوپری ہے — extrovert کی ہے۔ من حیث القوم وہ باہر ہی باہر رہتے ہیں۔ باہر کی باتیں سوچتے ہیں۔ باہر کی دُنیا سجاتے ہیں اور کالا ہے براؤن ہے یا پیلا ہے وہ introvert ہے — اور رنگدار قومیں مجموعی طور پر اپنے اندر رہتی ہیں۔ انسان کی بیرونی ضرورتوں کے بجائے اس کی اندر کی ضرورتوں کو زیادہ اہم سمجھتی ہیں۔

طاہرہ : ویسٹرن لوگوں کے مقابلے میں ہم انفیریئر ہیں حارث بھائی آپ مانیں نہ مانیں۔

حارث : انفیریئر نہیں طاہرہ — صرف مختلف..... اُنہوں نے اپنی extrovert طبیعتوں سے ایک مادی معاشرہ بنایا ہے جو باہر کی دنیا پیدا کرتا ہے ہم نے اپنی introvert طبیعتوں سے ایک اندرونی دنیا آباد کی ہے۔ اور ہر جاندار کو زندگی کے لیے بیرونی دنیا ضروری ہے۔ لیکن انسان کے لیے اندرونی دُنیا بھی درکار ہے — زندہ رہنے کو۔

طاہرہ : لیکن آزادی! آزادی کسقدر ہے وہاں۔ ذہن کی، جسم کی، روح کی۔

حارث : آزادی تو شاید جسم ہی حاصل کر سکتا ہے طاہرہ.... رُوح اور ذہن تو ہمیشہ قید رہتے ہیں — آخری وقت تک جسم سے جو بندھے رہتے ہیں بدنصیب! لیکن تم

تو مجھے بہت خوفزدہ نظر آتی ہو طاہرہ۔ خوف کے مارے تمہارا چہرہ ہی زرد نہیں تمہاری روح بھی پیلی پڑچکی ہے۔ تم تو دوسرے کلچر سے متاثر ہو کر تھر تھر کانپ رہی ہو۔

طاہرہ : نیور —— ناٹ ایٹ آل!

سلیمہ : (داخل ہوکر) ہوگیا ریڈیو ٹھیک؟

حارث : ابھی ہو جاتا ہے۔

سلیمہ : (حارث کے کندھے پر مکا مارتی ہے) تو ابھی تک کیا کر رہے تھے۔

حارث : باتیں —— دراصل ہم لوگوں کو باتیں کرنے کا بڑا چسکا ہے۔ لمبے لمبے ڈائیلاگ بولنے کا۔ دوسرے کو انسان سمجھ کر اس سے ہنگارہ بھروانے کا۔

سلیمہ : جلدی ٹھیک کرو۔

حارث : حاضر سائیں حاضر۔۔۔ ابھی لیں۔

(پردے کے پاس رضا آتا ہے اور چوری چوری حارث کو اشارے کرتا ہے پھر ہلکی سی سیٹی بجاتا ہے۔ حارث سر اٹھا کر دیکھتا ہے اور اسے آنکھ مارتا ہے۔)

کٹ ——————

سین ۹
آؤٹ ڈور
دن کا وقت

(رضا سائیکل چلا رہا ہے۔ حارث پیچھے کیریئر پر بیٹھا ہے۔ دونوں سڑک پر روانہ ہیں اور دونوں مل کر سیٹی بجا رہے ہیں۔ دو تین مختلف سڑکوں پر سے ہو کر

گنے کے رس والی ایک ریڑھی تک پہنچتے ہیں۔ رضا سائیکل روکتا ہے۔ دونوں اترتے ہیں۔ رس والا نئے گنے مشین میں ڈالتا ہے۔ رس نکالتا ہے۔ رضا پیسے دیتا ہے۔ حارث پیسے دینا چاہتا ہے لیکن رضا دینے نہیں دیتا۔ جھگڑا کرتا ہے۔ اس وقت رس والے کی ریڑھی پر چھوٹا سا ریڈیو پڑا ہے جس پر یہ غزل بج رہی ہے :)

؎ چُپکے چُپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے
ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے

(دونوں رس پیتے ہیں۔ رضا بہت خوش ہے۔)

کٹ ————

سین ۱۰
آؤٹ ڈور
شام

(یہ سین بڑی احتیاط اور محبت سے بنانے کی ضرورت ہے۔ اس میں کوئی لفظ نہیں ہیں۔ تمام کی تمام بے معنی اصوات استعمال کی گئی ہیں اور اس سے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ محبت کرنے والے عموماً اپنی زبان خود بناتے ہیں۔ جسقدر ان کا تجربہ ذاتی ہوگا اس تناسب سے یہ زبان بھی ان کی ذاتی ایجاد ہوگی۔

حارث اور سلیمہ دونوں کا بہت خوبصورت کلوز اَپ۔ دونوں کسی باغ میں جھاڑیوں کے اندر موجود ہیں۔ حارث لیٹا ہُوا ہے اور اُس نے اپنے بازو سر تلے ڈال رکھے ہیں۔ سلیمہ اس کے پاس اوندھی لیٹی ہے۔ اردگرد خزاں دیدہ پتے بکھرے

ہیں۔ سلیمہ حارث کی ناک آہستہ سے پکڑ کر کہتی ہے:)

سلیمہ : آتنی ماتنی ماتنا ۔ ۔ ۔ ۔ موشی موشی

حارث : (جھوٹ موٹ رونے کی آواز نکال کر) اوں ۔ ۔ ۔ ۔ اوں

سلیمہ : ناں ناں ناں کتا منا جونی جی ناں ناں ناں۔ موتی تومت لو ۔ ۔ ۔ ۔ پُپ پُپ ۔ ۔ ۔ ۔ پُپ!

(حارث چھوٹے بچے کی طرح زبان نکالتا ہے۔)

سلیمہ : شتت ۔ ۔ ۔ ۔ سی سی ۔ ۔ ۔ ۔ سی

(چھینک مارتی ہے۔ سلیمہ کا لاکٹ اس کے گریبان کے سامنے لٹک رہا ہے۔ حارث شیر کی آواز نکالتا ہے پھر غصے سے اس لاکٹ کو کھانے کی کوشش کرتا ہے۔)

سلیمہ : میاؤں ۔ ۔ ۔ ۔ میاؤں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

حارث : کوکنی ۔ ۔ ۔ ۔ منی منی تیچ تیچ تیچ

سلیمہ : (مُنہ کے آگے ہاتھ رکھ کر) چھک چھک چھک چھک ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چھک چھک چھک

(حارث بھی مُنہ کے آگے ہاتھ رکھتا ہے اور دونوں مل کر ٹرین کی آواز نکالتے ہیں۔ پس منظر میں کہیں دُور آواز آتی ہے۔)

؎ چُپکے چُپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے

(اس سین میں ان دونوں میں ایسی معصومیت ہے جیسی بچوں میں ہوتی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہیں اور یوں قریب ہیں جیسے معصوم بچے عموماً ہوتے ہیں۔)

کٹ ــــــــــ

سین ۱۱
ان ڈور
شام

(برآمدہ ۔اس وقت رضا اپنی سائیکل ٹھیک کر رہا ہے اس کے پاس بہت سی نئی سپوکیں اور ایک نیا ٹائر پڑا ہے ۔ رضا پرانا ٹائر اُتارتا ہے پھر نیا ٹائر چڑھا رہا ہے۔ حارث اس کی مدد کرتا ہے۔)

رضا : آپ میرے ساتھ چلیں کبھی حارث بھائی۔ فسٹ کلاس ٹائر بنتے ہیں۔ یہ سپوکیں بھی پاکستانی میڈ ہیں۔

حارث : واہ بھئی کمال ہے۔

رضا : پوری سائیکلیں بنتی ہیں پاکستان میں۔

حارث : تمہیں پسند ہے پاکستانی سائیکل ؟

رضا : بہت حارث بھائی —— دوسری سے اچھی ہوتی ہے۔

حارث : اگر تم میرے ساتھ چلو رضا تو میں تمہیں وہاں جاپر لے دوں گا فسٹ کلاس جن کی نہ کبھی چین اُترے گی نہ سپوکیں ٹوٹیں گی۔

رضا : چھوڑیں حارث بھائی —— وہاں سائیکل چلانے کے لیے جگہ ہی نہیں ہوگی۔ وہاں سائیکل رکھنے سے فائدہ۔

حارث : کیوں ؟ جگہ کیوں نہیں ہوگی۔

رضا : فلمیں دیکھ کر تو ایسے ہی لگتا ہے کہ ہر وقت کاریں ہی ہوتی ہیں سڑک پر۔

حارث : رضا یار تُو تو بڑا متعصب ہے۔

رضا : ہاں جی

حارث : کیوں پر — وجہ کیا ہے؟ پکّا پاکستانی کہلانا تو گالی سی ہے آج کل — آدمی narrow-minded سا لگتا ہے — اچھا سن۔

رضا : ہاں جی

حارث : اگر تجھے گرین کارڈ لے دُوں اور شہری بنوا دُوں امریکہ کا پھر!

رضا : کیوں حارث بھائی — میں یہاں کا شہری ہوں۔ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے گرین کارڈ کی۔

حارث : چل اچھا جرمن بن جا۔ بہت مشہور اور بہادر اور امیر قوم ہے۔

رضا : لیکن کیوں حارث بھائی ....

حارث : وہ ٹھنڈے ملک ہیں یار گرمی نہیں ہوتی اس قدر۔

رضا : تو وہاں آم بھی تو نہیں ہوتے۔ ٹِت کریلے بھی تو نہیں پکتے دھاگے والے!

حارث : چل یار تُو میرے ساتھ چل۔ میں تجھے پڑھا لکھا کر بڑا آدمی بنا دُوں گا۔

رضا : میں تو کہتا ہوں کہ آپ واپس آجائیں حارث بھائی اور کلینک کھول لیں چھوٹا سا اور چھوٹے آدمی بن جائیں — پھر آپ کو پتہ چلے گا چھوٹے ہونے میں کتنا مزہ ہے .... سبھی پیار کرتے ہیں چھوٹوں کو۔

حارث : تُو تو بڑا اُلٹا آدمی ہے یار ....

رضا : دیکھیں میں چھوٹا آدمی ہوں چار آنے کی قُلفی لے کر کھا سکتا ہوں — بڑا آدمی یہ نہیں کر سکتا .... مَیں — بس میں سوار ہو سکتا ہوں بڑا آدمی یہ نہیں کر سکتا .... میں نہر میں نیکر پہن کر سُوئم کر سکتا ہوں۔ بڑے آدمی کو اس کام کے لیے ممبر بننا پڑتا ہے کسی کلب کا۔

حارث : (ہنس کر) کہیں اپنے گھر والوں کو لے کر ڈُوب نہ جانا رضا .... اُنھوں نے بڑی مشکل سے اپنے اندر خوف پیدا کیا ہے ولایت کی برتری کا۔ اگر یہ نکل گیا تو وہ جیتے جی

مرجائیں گے بھائی!

رضا : چلیں حارث بھائی.... سائیکل تیار....

حارث : کہاں؟

رضا : ذرا نہر پر.....

حارث : چلیں جی فوراً — میں نے تو اندر کاسٹیوم بھی پہن لیا ہے چلو —

(رضا سائیکل چلا رہا ہے اور حارث پیچھے کیریر پر ہے۔ دونوں برآمدے میں اسی طرح سائیکل پر روانہ ہوتے ہیں۔)

کٹ ———

سین ۱۲

ان ڈور

صبح

(ریاض اور حارث چائے کی میز پر۔ دونوں ناشتہ کر رہے ہیں۔ طاہرہ ان دونوں کو ناشتہ کرا رہی ہے وہ کبھی ٹوسٹ لاتی ہے کبھی چینی دان لاتی ہے لیکن گفتگو میں شریک نہیں ہوتی۔)

ریاض : چھوڑیں حارث بھائی ہم لوگ improve نہیں کر سکتے۔ جو ہماری انڈسٹری میں اس وقت ہو رہا ہے سب ناقص ہے الف سے ے تک ہمارا سامان تو عرب ممالک تک نہیں اُٹھاتے.... ہمارا سامان تو خود ہم پاکستانی پسند نہیں کرتے۔

حارث : ایکسپورٹ کی کمی کی وجہ شاید پولیٹکل ہو اور اندرون ملک شاید ہم لوگ اپنے آپ

پر اعتماد نہ کرتے ہوں۔

ریاض : بنایا کیا ہے پاکستان نے آج تک ؟ ایک ڈھنگ کی بال بیرنگ تو بنی نہیں اس سے۔ روتے ہیں پروگریس کو — know-how سرے سے ہے نہیں اور مقابلہ کرنے چلے ہیں ڈویلپڈ کنٹریز کا — کچھ نہیں ہے کچھ نہیں اس ملک میں حارث بھائی آپ کہیں واپس آنے کا ارادہ نہ کر لینا کبھی۔

حارث : کیوں ؟

ریاض : پاکستان میں کیا ہے، بتاؤں چور بازاری، سمگلنگ ڈکیتی.... غنڈہ گردی..... سیاسی بدنظمی — نوکرشاہی — مہنگائی — دھول — گرمی — بدشکلی۔

حارث : (ہنس کر) یہ تو ہر ایک جگہ کا حال ہے یار .... وہاں ایک مرتبہ ہمارے نیویارک میں بجلی کٹ گئی چار گھنٹے کے لیے پھر معلوم ہوا کہ مہذب ملک کے معنی کیا ہیں، دنیا کا کون سا جرم اور کون سا گناہ ہے جو ان چار گھنٹوں کے اندر اندر نہیں ہو گیا۔

ریاض : حارث بھائی وہ کرائم اس لیے نہیں کرتے کہ یہ ان کی نیچر ہے وہ جرم اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں ایڈونچر کا شوق ہے — وہ کچھ ایکسائٹمنٹ چاہتے ہیں اپنے کاموں میں۔

حارث : یہ تو پھر اور بھی بُری بات ہے۔

ریاض : ناشتہ کریں حارث بھائی۔ آسٹریلین ہنی کھائیں امپورٹڈ بٹر لگا کر ٹوسٹ پر.... میکسیکو کی کافی پئیں کیوبا کی چینی ڈال کر.... اور بھول جائیں — ہم لوگ کچھ بھی نہیں ہیں۔

حارث : بھئی تم تو اس قدر خوفزدہ ہو گئے ہو لوگو کہ تم نے اپنے سارے ملک کو ایک آسیب زدہ مکان بنا لیا ہے۔ تم تو مر جاؤ گے اگر کسی نے تلوار نکالے بغیر آ کر زور سے کہہ دیا کہ میری تہذیب تمہاری تہذیب سے اچھی ہے جھک جاؤ — تم تو سجدے میں گر دو گے۔ فوراً

کٹ ——————

سین ۱۴
ان ڈور
عصر کا وقت

(نانا ابا اپنے تخت پوش پر جا نماز پر بیٹھے ہیں۔ ان کے سر پر جالی دار گول ٹوپی ہے اور ان کے اردگرد انگریزی کی کتابیں بکھری ہوئی ہیں۔ حارث ان کے تخت پوش کے سامنے کرسی لگا کر بیٹھا ہے۔ نانا ابا کی گود میں ایک کتاب ہے۔ سین کھلتے ہی حارث کی آواز آتی ہے :)

حارث : مَیں تو چھ سال بعد وطن واپس آیا ہوں نانا ابا لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ پاکستان کے لوگ اور زیادہ بے یقینی اور زیادہ خوف کا شکار ہو گئے ہیں .... اپنے دین سے، اپنے کلچر سے اور اپنے رہن سہن سے بہت زیادہ شرمندہ ہونے لگے ہیں۔

نانا : (کتاب سے نظریں اُٹھا کر) اصل میں جو قوم ترقی نہیں کرتی اس کا یہی حشر ہوتا ہے حارث میاں۔

حارث : لیکن خوف سے اور شرمندگی سے تو اس کا وجود اور زیادہ کھوکھلا ہو جائے گا۔ ترقی کی منزل اور دُور ہو جائے گی۔

نانا : بس اب اسی طرح سے ہے۔

حارث : یہاں کے لوگ تو مغرب سے اور مغرب کی مشینوں سے ایسے ڈرتے ہیں جیسے ایک خوفزدہ بچہ اندھیرے سے ڈرتا ہے۔

نانا : اصل میں یہ ڈر ہے بھی قدرتی حارث میاں۔ مغرب کی زندہ قوموں نے وہ وہ معرکے مارے ہیں کہ ساری تیسری دنیا ان کے سامنے خجل اور شرمسار ہے۔ صرف سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہی نہیں۔ بلکہ ہمارے اپنے علوم میں بھی وہ ہم سے

آگے نکل گئے ہیں۔ یہ دیکھو ۔ ۔ ۔ ۔ یہ جو کتابیں تم میرے لیے لائے ہو، پڑھ کر طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ یہ موضوع تو ہمارا ہے ذکر کا ۔ ۔ ۔ ذکر جلی اور ذکر خفی لیکن کتاب تمہارے امریکہ کے یاں ٹوچل نے لکھی ہے۔ شیشہ کر کے رکھ دیا ہے خدا کے ذکر کو۔ اور یہ نکلسن کا کشف المحجوب کا ترجمہ۔ اصلی کتاب اتنی آسانی سے سمجھ میں نہیں آتی جتنی نکلسن کے انگریزی ترجمے سے آتی ہے۔

حارث : یعنی آپ کو اُردو ترجمہ کے مقابلے میں انگریزی ترجمہ زیادہ سمجھ آتا ہے۔

نانا : ترجمہ کیسا حارث بیٹے اس نے تو ترجمے کو اوریجنل بنا دیا ہے۔

حارث : انا للہ ۔ ۔ ۔ ۔

نانا : انا للہ کی بات نہیں بیٹے میری تو یہ لائین ہے۔ میں تو عرصہ تیس سال سے دینی کتب کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ لیکن کوئی ملا کوئی مولوی ویسٹرن سکالر جیسی بات نہیں کر سکا۔ ان لوگوں کی اپروچ ہی مختلف ہے ہیں تو خواجہ میر درد کے تصوف کا جو سبق انا میری شمل نے دے دیا وہ یہاں کے سارے شارحین بھی مل کر نہ دے سکے جس طرح سے رالف رسل نے غالب سمجھا دیا حسرت موہانی اور طباطبائی بھی نہ بتلا سکے۔ دین کے بارے میں جو کچھ منٹگمری واٹ نے وضاحت کر دی وہ عرب اور مصر کے مصنفین بھی نہ کر سکے۔ ان لوگوں کا انداز بیان بھی بڑا دل نشین ہے مغرب کے سکالرز کا۔

حارث : میرا تو خیال تھا نانا ابا کہ آپ ان لوگوں میں سے ـــــ

نانا : پھر ان کتابوں کی گیٹ اپ۔ ان کی پرنٹنگ ٹائپ کی سجاوٹ۔ مشینی جلد بندی اور انڈکس کی ترتیب۔ اور سب سے بڑھ کر انگریزی حروف کے خدوخال، سیدھے ایک لائین میں جیسے چاق وچوبند فوجی دستہ ہو۔ ہماری طرح سے نہیں کہ لام نیچے آ رہا ہے۔ کاف کی کشش دائیں ہاتھ کو نکل گئی۔ شد اور مد اوپر چڑھ گئی ہیں سمٹری کے بغیر۔ اور پھر نفس مضمون ۔ ۔ ۔ کیا کہنے نفس مضمون کے ـــ چھوٹی بات

بھی دل کو لگتی ہے۔ بڑا زور ہے ان کے دلائل میں۔ تمہاری کانگریس لائبریری سے مجھے تین مائیکروفلمز کی ضرورت ہے۔

حارث : آپ مجھے نمبر لکھ دیجئے گا میں بھجوا دوں گا۔

نانا : اپنے یہاں کی کتابیں میں نے بہت دیکھی ہیں ندوہ کی اور کانپور کی اور ملتان کی اور تھانہ بھون کی چھپی ہوئی۔ پہلے تو چاقو لے کر ان کے ورق کاٹو۔ پھر متن پڑھ کر حاشیئے پر پہنچ جاؤ۔ اور حاشیہ ختم کرنے کے بعد۔۔ صفحہ اُلٹو۔

حارث : اصل کتابیں ہی وہ ہیں نانا ابا۔ یا وہ تھیں بزرگو۔۔۔۔ ہم جو کتابیں آپ کو وہاں سے بھجوا دیتے ہیں وہ conveyer belt پر تیار ہوتی ہیں ماس پروڈکشن کے اصولوں پر۔ان کی خوبصورتی سے اس قدر متاثر نہ ہوا کریں۔ متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکیں تو ان سے ڈرا نہ کریں کم از کم۔ آپ کے پاس بھی بہت کچھ ہے۔

نانا : (ہنس کر) کہاں بیٹے :۔۔۔ کہاں ۔۔۔۔ کدھر۔ ہمارے پاس کیا ہے۔۔۔۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہم تو ویجیٹیبل ہیں۔۔۔۔ گھاس پھوس۔۔۔

ڈزالو ـــــــــ

سین ۱۴
ان ڈور
شام

(یہ سین پھر اپنی نوعیت کا ہے۔ اس کا سیٹ فقط اس قدر ہے کہ ایک بڑے شیشے کے دروازے کے آر پار حارث اور سلیمہ کھڑے ہیں۔ حارث دروازے

کے ایک طرف ہے اور سلیمہ دوسری جانب ہے۔ سلیمہ کی طرف سے دروازہ بند ہے۔ سلیمہ حارث کو سیب دکھاتی ہے۔ حارث منہ کھولتا ہے۔ اب سلیمہ شیشے کے ساتھ سیب لگاتی ہے۔ حارث منہ کھول کر سیب کو کھانے کی ایکٹنگ کرتا ہے۔ سلیمہ اب سیب میں دانت گاڑ کر خود لیتی ہے۔ حارث اسے مُکا دکھاتا ہے۔ سلیمہ شیشے کے ساتھ ناک لگاتی ہے۔ حارث پکڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک طرف ناک ہے دوسری طرف حارث کی انگلیاں ہیں۔ وہ ناک پکڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ سلیمہ دروازہ کھولتی ہے اور بھاگتی ہے۔ حارث اس کے پیچھے بھاگتا ہے۔ آگے سے نانا ابا آتے ہیں۔)

نانا : ہیں ہیں کیا بات ہے؟ کیا بات ہے حارث۔

حارث : جی میرا سیب لے گئی ہے چرا کے۔

کٹ ————

سین ۱۵

ان ڈور

رات

(گاؤں میں تائی جی کا گھر۔ رضیہ پلنگ پر لیٹی ہوئی ہے۔ پاس تائی جی بیٹھی ہیں۔ رضیہ جیسے بیمار ہے۔)

تائی : پھر تو بتا ناں رضیہ۔

رضیہ : کیا بتاؤں ماں :

تائی : اپنی مرضی ؟

رضیہ : میری کوئی مرضی نہیں ہے ماں !

تائی : لے ہے ناکلی .... آخر کچھ تو سوچا ہو گا تو نے ۔

رضیہ : میری مشہوری ٹھیک نہیں ہے اماں جی ۔

تائی : مشہوری ؟ مشہوری کا مطلب ؟

رضیہ : تو نہیں سمجھے گی اماں ۔

تائی : لے تو سمجھا ناں — میں سمجھوں گی کیوں نہیں ؟

رضیہ : جب شہر علاج کے لیے گیا تھا شیر محمد — تو تب بھی ہم دونوں کو شک نہیں تھا اماں کہ وہ اتنی جلدی مر جائے گا ۔

تائی : تو اس میں مشہوری کی کیا بات ہوئی ۔

رضیہ : بتاتی ہوں ناں اماں کاہلی — شیر محمد مجھے کپڑے کی دوکان پر لے گیا تھا — وہاں بڑا کپڑا تھا اماں تھانوں کے تھان — پر جو گاہک آتا تھا جاپانی کے ٹی مانگتا تھا ولائتی شفون پوچھتا تھا اٹالین فلیٹ لیتا تھا — میں نے شیر محمد سے پوچھا یہ اپنا کپڑا کیوں نہیں خریدتے شیر محمدا ۔ اچھا بھلا تو ہے تو شیر محمد نے کہا — یہ سب مشہوری کی بات ہوتی ہے رضیہ ساری — پاکستانی مال کی مشہوری خراب ہے ۔

تائی : ہائے ہائے — اللہ نہ کرے ۔

رضیہ : میری بھی مشہوری خراب ہو گئی ہے ماں — جس وقت میرا ڈولا — شیر محمد کے گھر اُترا دوسرے دن اس کی ماں گئی — تیسرے مہینے اس کی بہن ڈوب گئی ۔ نہر میں — ڈیڑھ سال بعد شیر محمد اللہ کے گھر چلا گیا !

تائی : پر اس میں تیرا کیا قصور — وہ سب اللہ کی رضا سے گئے —

رضیہ : گئے تو اللہ کی رضا سے ماں — لیکن میری مشہوری تو خراب ہو گئی — اسی طرح

بچارا پاکستان ہے اب تو ـــ رہنے دے اور مجھ سے ایسی بات نہ پوچھا کرـــ

تائی : کہیں تو تیرا دل ماننا ہوگا رضیہ۔

رضیہ : میری بولی کوئی نہیں سمجھتا ماں!

تائی : کیوں؟ تو کون سی پہیلی ہے جو کوئی تیری بولی نہ سمجھ سکے۔

رضیہ : شیر محمد کہتا تھا جس کپاہ پر بارش پڑ جائے اسے کوئی آڑھتی نہیں اٹھاتاـــ مجھ پر بھی مینہ برس گیا ماں۔ ایسے مال کا کوئی گاہک نہیں ہوتا۔ اگر مل بھی جائے تو ہمیشہ الا ملتا رہتا ہے ـــ تو مجھے رہنے دے۔

(منہ پرے کر لیتی ہے آہستہ آہستہ آنسو اس کی گالوں پر بہتے ہیں۔)

ـــــــــ کٹ

سین ۱۶

ان ڈور

صبح کا وقت

(سلیمہ کی ماں آرام سے پلنگ پر لیٹی ہے۔ طاہرہ اس کے سر میں تیل ڈال رہی ہے۔ سلیمہ پاس کھڑی کپڑے تہہ کر کے ہینگروں میں لٹکا رہی ہے۔ ریاض پاس سے گزرتا ہے تو ماں اسے کام بتاتی ہے۔ حارث پاس پائنتی پر بیٹھا ہے۔ امی اور حارث میں گرم جوشی سے بحث ہو رہی ہے۔)

امی : میں نہیں مانتی ـــ بالکل نہیں مانتی ہرگز۔۔۔ مجھے یقین ہی نہیں۔

حارث : آپ مانیں نہ مانیں لیکن وہاں کی عورت بھی خوش نہیں ہے۔

امّی : وہ خوش کیسے نہیں حارث —— اپنا کماتی ہے اپنا کھاتی ہے کسی کی دھونس نہیں کسی کا رعب نہیں —— اب تمہارے ڈیڈی جاپان سے انسٹرکشنز بھیج رہے ہیں۔ بیٹھے وہ ٹوکیو میں ہیں۔ رعب یہاں چل رہا ہے سکّہ یہاں قائم ہے کبھی رسی ڈھیلی ہی نہیں کرتے۔

حارث : وہاں کی عورت پر دوگنی مصیبت ہے امّی —— میری تو patients ہیں سیروں کے حساب سے ٹرانکولائیزرز استعمال ہوتی ہیں۔ وہاں ان بیچاریوں پر دوہرا پریشر ہے۔ گھر کا کام بھی کرتی ہیں اور باہر کا بھی ——

امّی : کیا بات کرتے ہو حارث ..... وہ آزاد انسان ہیں فری ہیومن بینگز ہم بھیڑ بکریاں ہیں کھونٹے سے بندھی گائیں۔ آزاد انسان کا غلام سے کیا مقابلہ؟

(اس وقت ٹرولی لگا کر خانساماں آتا ہے۔)

حارث : وہاں نہ کوئی خانساماں ہے نہ دھوبی نہ جمعدارنی نہ مسالچی نہ بیرا —— سب کام خود کرنے پڑتے ہیں مغرب کی عورت کو۔

امّی : چھوٹے چھوٹے خوبصورت اپارٹمنٹس ہوتے ہیں۔ ٹینڈ فوڈ ملتا ہے۔ فٹ گرم کیا کھالیا۔ عزیز رشتہ دار منہ اُٹھائے نہیں چلے آتے۔

حارث : بچے بیمار ہو جاتے ہیں۔ دفتروں کارخانوں سے چھٹی نہیں ملتی بیچاری مائیں چار چار مہینے کے بچے اپنے اپارٹمنٹس میں لاک کر کے چلی جاتی ہیں چوری چوری نوکری پر ——

سلیمہ : آپ امّی کا نقطۂ نظر بھی تو سمجھیں۔

امّی : تم دونوں چپ رہو میں حارث کو خود سمجھاؤں گی۔ بیٹا یہاں کے آرام سے وہاں کا کام اچھا۔

(اب حارث سلیمہ کی طرف دیکھتا ہے۔ سلیمہ مُنہ چڑاتی ہے۔)

حارث : بڑے دکھ ہیں امی — وہاں کی عورت کو — آپ کو میں کیا سمجھاؤں میرے پاس ہسپتال میں آتی رہتی ہیں — وہ آزادی تو چاہتی ہیں لیکن قیمت ادا نہیں کرنا چاہتیں — جو بھی ایسے کرتا ہے دُکھ سے ہمکنار ہوتا ہی ہے۔

امّی : تم کو یہاں کی عورت کے دکھ معلوم نہیں حارث میاں۔

حارث : معلوم ہیں سب معلوم ہیں۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ یہاں کے دکھ زندگی سے نکال کر وہاں کے دُکھ کیوں اپنانا چاہتی ہیں۔ دُکھ تو پھر بھی دُکھ ہی رہیں گے — آپ ولائتی دُکھ کیوں امپورٹ کرنا چاہتی ہیں؟

(ریاض گزرتا ہے۔)

امّی : پانی پلاؤ مجھے ریاض۔

ریاض : اچھا امی ....

امّی : ہمیں ان کے دُکھ اچھے لگتے ہیں۔ ان میں ایک طرح کا وقار ہے۔ ایک ڈگنٹی ہے عورت کی۔ ان دکھوں میں زیادہ آزادی ہے۔ فریڈم ہے — وہ ہمیں زیادہ صحت مند دُکھ لگتے ہیں ان دکھوں میں جان ہے۔ ہم تو بھیڑ بکریاں ہیں۔ کھونٹے کی گائیں۔

(اس وقت رضا کھڑکی میں آکر حارث کو اشارہ کرتا ہے۔ حارث اسے آنکھ مارتا ہے۔ رضا سیٹی بجاتا ہے اب طاہرہ اور سلیمہ مڑکر دیکھتی ہیں۔)

سلیمہ : بھاگ یہاں سے — پھر آگیا تُو — کبھی حارث کو یہاں بھی بیٹھنے دیا کر آرام سے۔

رضا : ابھی واپس آجائیں گے باجی .... ایک منٹ میں۔

سلیمہ : بھاگو — فوراً بھاگو ....

(رضا بھاگتا ہے۔ حارث اُٹھ کر باہر جاتا ہے۔)

کٹ ———

سین ۱۷
آؤٹ ڈور
دوپہر

(رضا سائیکل پر نان کباب کی دوکان پر پہنچتا ہے سیخی کباب لگواتا ہے ۔۔ پیک کراتا ہے ۔)

کٹ ۔۔۔۔۔۔۔۔

سین ۱۸
ان ڈور
دوپہر

(حارث کے کمرے میں میز پر نان کباب کھلے ہیں۔ حارث اور رضا دونوں بڑے لالچ سے کھا رہے ہیں ۔)

رضا : آپ کہیں جو میرے ساتھ چلتے ناں حارث بھائی تو خدا قسم مزا آجاتا ۔

حارث : مَیں تو چل رہا تھا ۔۔ تم نے ہی مضبوطی نہیں دکھائی ۔

رضا : یہ سلیمہ باجی کچھ کرنے ہی نہیں دیتیں ۔ مزے دار ہیں ناں حارث بھائی ۔

حارث : فسٹ کلاس ۔۔ کہاں ہے دوکان ؟

رضا : ہمارے سکول کے پاس ہے ۔ بالکل دوپہر کے وقت جب وہ کباب لگاتا ہے ناں حارث بھائی تو سیدھی ہوا کلاس روم میں آتی ہے ۔ ایک بھی سوال ٹھیک نہیں نکلتا ۔۔ مرچیں تو زیادہ نہیں ؟

حارث : اوہ نہیں یار ۔

رضا : وہاں کباب ملتے ہیں بفلوسٹی میں ـــ

حارث : وہاں کباب کہاں ـــ وہاں تو سٹیکس ہوتے ہیں پھوسڑے دار۔

(اب دروازے پر دستک ہوتی ہے۔)

رضا : کون ہے ؟

سلیمہ : (باہر سے) دروازہ کیوں بند کر رکھا ہے۔

رضا : ہم کیمسٹری کا تجربہ کر رہے ہیں باجی۔ امونیا گیس بنا رہے ہیں۔

سلیمہ : خوشبو تو کبابوں کی آرہی ہے۔

رضا : شروع شروع میں امونیا کی خوشبو ایسی ہی ہوتی ہے باجی۔۔۔

(دروازے پر پھر زور سے دستک)

حارث : جلدی جلدی ختم کرو۔

رضا : آپ جواب نہ دیں بالکل ـــ (آہستہ) جب وہاں کباب نہیں ملتے تو وہاں اور ملتا کیا ہے ـــ بفلوسٹی میں۔

سلیمہ : (دروازے پر) حارث ـــ رضا ـــ اندر کیا ہو رہا ہے بھئی۔

ـــــــ کٹ

سین ۱۹
ان ڈور
شام کا وقت

(بڑے کمرے میں گلیزڈ دروازوں سے دھوپ اندر آرہی ہے۔ سب لوگ صوفوں

پر اور کُشن پر اور سٹول پر بیٹھے چائے پی رہے ہیں اور گفتگو کا سلسلہ جاری ہے۔)

ریاض : اور سب کچھ کرنا حارث بھائی لیکن یہاں واپس آنے کی کبھی نہ سوچنا۔

امّی : ہم لوگ تمہارے پاس آتے جاتے رہیں گے لیکن تم نے پلٹ کر ادھر نہیں دیکھنا کبھی۔

حارث : جی بہت اچھا۔

نانا : اور پھر یہاں کوئی آئے بھی کیوں جس کو خدا نے موقع دیا ہو۔ حالات ساز گار ہوں عزت ہو ملازمت ہو وہ پاکستان آکر کیا کرے گا۔

ریاض : آنا تو ایک طرف نانا ابا اس کو سوچنا بھی نہیں چاہیئے آنے کے متعلق۔

نانا : اب ہماری تو عمر نہیں رہی ورنہ ہم بھی وہیں جاکر سیٹل ہو جاتے۔

امّی : کیوں ابا جی عمر کیوں نہیں رہی۔

حارث : بلکہ اسی عمر میں تو جاکر وہاں سیٹل ہونا چاہیئے تاکہ آخری وقت آرام سے گزرے۔

طاہرہ : اب یہ حارث بھائی طنزیہ بات کہہ رہے ہیں sarcastic —

حارث : نہیں میں تو تم لوگوں سے متاثر ہوکر کہہ رہا ہوں۔ یہاں وہاں گھر کے اندر، باہر بازار میں، پُرانے دوستوں کے درمیان مجھے صرف ایک ہی بات کا احساس ہوا کہ ہم بُرے ہیں، ہم گندے ہیں، ہم نالائق ہیں، ہم اوباش ہیں اور ہم کو —

ریاض : بالکل ٹھیک assessment — صحیح نتیجہ نکالا ہے۔

امّی : اور ہے بھی حقیقت۔

حارث : یہاں تک تو میں آپ کی بات مان لیتا ہوں لیکن ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے اگلی بات ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ کوئی اور گروہ یا کوئی اور قوم یا کوئی اور نیشن ہم سے برتر ہے کہ وہ سٹیل کی گراری بنالیتی ہے یا سنتھیٹک ڈرگز تیار کر لیتی ہے یا نیوٹرون بم بنالیتی ہے۔

نانا : نہیں نہیں یار - یہ بات بھی اور اس سے بڑھ کر اخلاقی بات بھی - مغرب کے لوگ اخلاق میں اور لین دین میں اور انسانی تعلقات کی بجا آوری میں ہم سے بہتر ہیں -

طاہرہ : بہت بہتر نانا ابا کوئی مقابلہ ہی نہیں -

ریاض : آپ کے وہاں دودھ کی بوتلیں باہر رکھ جاتے ہیں بند دروازوں پر - ہمارے یہاں کوئی رکھ کر تو دکھائے - دودھ دروازے پر کھڑے ہو کر پی جائیں اور خالی بوتل جا کر کباڑیوں کے پاس بیچ دیں -

امی : وہاں ٹرافالگر سکوئر پر میں نے اخبار رکھے دیکھے اور بیچنے والے کا نام و نشان بھی نہیں - جو کوئی آئے اخبار اٹھائے اور رقم صندوقچی میں ڈال کر چلا جائے - ہمارے یہاں رکھ کر تو دکھائے کوئی اخبار اس طرح سے کھلم کھلے -

نانا : جو سودا کریں گے صاف ستھرا - کوئی بے ایمانی نہیں - سو دانے پر پانچ دانے اوپر رکھ کر بھیجیں گے - ہماری طرح سے نہیں کہ ہولڈروں فاؤنٹین پنوں کی بجائے مسواکیں نکل رہی ہیں - تولیوں کی بجائے ٹاٹ کے ٹکڑے برآمد ہو رہے ہیں - ڈھلائی کے مال کی جگہ اینٹیں بھری ہوئی ہیں - استغفراللہ -

حارث : وہ ایسے چھوٹے چھوٹے سودوں میں بے ایمانی نہیں کرتے -

ریاض : ان کو ضرورت ہی نہیں -

حارث : شاباش ـــ ان کو ضرورت ہے بڑے سودوں میں دھوکا دینے کی - دوست بن کر اور معاہدے کر کے مکرنے کی - بیچ منجدھار میں لا کر چھوڑ دینے کی یقین نہ آئے تو پاکستان سے پوچھ لیجئے - مصر سے پوچھ لیجئے - اور بہت سے ملک ہیں اور کئی حکومتیں ہیں جن کے ساتھ انہوں نے مسواکیں بھیجنے والوں سے بڑھ کر برا سلوک کیا ـــ یوں نہ کہیئے اور اس طرح سے generalize نہ کیا کیجئے کہ ایک قوم اچھی ہی اچھی ہے اور ایک قوم بری ہی بری ہے اس میں کوئی خوبی نہیں ـــ

امّی : ہم میں کیا خوبی ہے حارث بیٹے۔

حارث : ہم میں خالہ جان . . . بہت سی خوبیاں ہیں — میرا مطلب ہے —

طاہرہ : مثلاً!

حارث : مثلاً یہ کہ — جس طرح سے — جیسے ہم — پورے سُر لگا کر شدھ بھاگ گا سکتے ہیں کوئی اور نہیں گا سکتا۔

(شیم شیم کے نعرے۔ ریاض منہ میں انگلیاں ڈال کر سیٹی بجاتا ہے۔)

نانا : واہ سبحان اللہ کیا صفت بیان کی ہے حارث میاں نے —

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

زوال کو خوبی بنا دیا حارث میاں نے واہ صاحب واہ۔

حارث : پھر ہم خطاطی کر سکتے ہیں۔ کیلی گرافی — خوش نویسوں کے ہاتھ پھول کھلا دیتے ہیں کاغذ پر۔

امّی : خطاطی کیا بھئی۔

سلیمہ : کتابت امّی جی —

ریاض : حارث بھائی کیوں بے عزّتی کر رہے ہیں ہماری۔

حارث : کبھی ولایت کی منڈیوں میں ہمارے قالینوں کا ذکر سنا ہے۔ بیوپاریوں کو اور ماہروں کو ان کے گرد گھیرا ڈالے دیکھا ہے۔

نانا : یار کیوں شرمندہ کر رہے ہو ہم جولاہوں ڈوم ڈھاڑیوں کو۔

طاہرہ : کوئی ٹیکنیکل خوبی بتائیں حارث بھائی پاکستان کی۔

ریاض : کوئی قابلِ فخر!

حارث : میرے نزدیک تو یہ ساری چیزیں قابلِ فخر ہیں۔

امّی : (ہنس کر) ہم نے تو سن لی یہ بات لیکن کسی اور کے سامنے نہ کرنا۔

حارث : (گویا اپنے آپ سے) جب ہارٹ سرجری کے لیے بالکل تیار ہو کر اور گلوز چڑھا کر اپریشن تھیٹر میں داخل ہونے لگتے ہیں تو ڈاکٹر شیکل، ڈاکٹر ہمفری، ڈاکٹر ٹائنر بار بار ہاتھ اوپر کر کے کہتے ہیں صرف پاکستانی انسٹرومنٹس پلیز۔ دوسرا کوئی اور میک نہ ہو جسٹ پاکستانی سرجیکل انسٹرومنٹس — دوسرے اوزار نہ ہوں جرمن انگلش یا امریکی — اور پھر جب ہم سینہ پھاڑ کر بیمار دل کو اپنے سامنے کرتے ہیں تو امریکی سرجن اپنی نگاہیں او سلوسکوپ سکرین پر گاڑ دیتے ہیں اور ہارٹ بیٹ سگنل کے ردم دیکھنے لگتے ہیں اور میں اللہ و نور السموات والارض کہہ کر اپریشن شروع کر دیتا ہوں۔ میرے آپریشنز کی کامیابی کا ریٹ چھیاسٹ اشاریہ ایک تین ہے اور ان میں آج تک کوئی اٹھاون سے آگے نہیں بڑھا حالانکہ ان میں میرے پروفیسرز بھی شامل ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں دل کا معاملہ دل کے ساتھ ہوتا ہے، ہارٹ بیٹ سگنل کے ساتھ نہیں۔ یہ جگلری اتنا کام نہیں دیتی جتقدر اس کی شہرت ہے۔

ریاض : پھر دیکھیے ناں حارث بھائی آپ نے یہ کام سیکھا تو انہی سے اور ہمارے سرجیکل انسٹرمنٹس بنانے والے خود تو کچھ نہیں، ان کے نقشوں کے مطابق ہی بناتے ہیں سب کچھ۔

امّی : علم تو سارا انہی کا ہے ناں حارث میاں۔ ہمارے پاس کیا ہے۔

نانا : اللہ نے جو خوبیاں ان کو دیں ہیں ان میں سے ایک بھی ہمارے پاس نہیں۔

سلیمہ : وہ تو محبت بھی کرتے ہیں تو سائنٹفک طریق پر۔ گیت گا گا کر نہیں۔

طاہرہ : ان کے ہر کام میں ایک میتھڈ ہے حارث بھائی۔ ان کے گیمبس ان کے پوسٹر ان کے سنگر ان کے رسالے۔ ساری دنیا مانتی ہے ان کو — ہمارے

پاس کیا ہے۔

ریاض : شدھ بھاگ ـــ (قہقہہ)

حارث : اب تو خیر وہ بھی نہیں رہا۔ ان کے خوف سے ہم نے اپنا سب کچھ تبدیل کر لیا ہے اور جو باقی رہ گیا ہے وہ تیزی سے تبدیل کر رہے ہیں۔ ہمارے چند ساتھیوں نے جن میں ترک اور مصری زیادہ ہیں اب نماز بھی انگریزی میں پڑھنا شروع کر دی ہے وہ کہتے ہیں اس میں انڈرسٹینڈنگ ہے۔

ریاض : ویسے یہ بھی بڑا پریکٹیکل آئیڈیا ہے۔

حارث : میں سمجھتا ہوں قوموں اور گروہوں میں تمسخر اڑانے کا خوف اور کمتری کا احساس سب سے زیادہ بزدلی پیدا کرتا ہے اور یاد رکھیئے کوئی شخص کسی دوسرے کو اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر احساس کمتری عطا نہیں کر سکتا۔

نانا : بھئی تم لاکھ دلیلیں دے لو سینکڑوں وجوہات بیان کر لو لیکن میرا مطالعہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک ہم سے ہر حال میں بہتر ہیں اور ہم سے سپیریئر ہیں۔

طاہرہ : بالکل!

ریاض : اور میں اس کی تائید مزید کرتا ہوں۔

حارث : (ہلکے موڈ میں) دیکھیئے حضرات! یا تو آپ تین دن کے اندر اندر اس خوف سے باہر نکل آئیں نہیں تو میں ایک سرجن کی حیثیت سے آپ سب کا اپریشن کر دوں گا۔ پھر یا قسمت یا نصیب جو اللہ کرے۔

سب : منظور ..... منظور ..... منظور

ـــــــــــ کٹ

سین ۲۰
ان ڈور
دوپہر

(گھر کے یہی سب لوگ کھانے کی میز پر بیٹھے ہیں اور خاموشی کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں۔ امی سلاد کی پلیٹ اٹھا کر نانا ابا کی طرف بڑھاتی ہے۔ وہ پکڑتے نہیں ہاتھ کے اشارے سے کہتے ہیں۔ ٹھہرو ٹھہرو ۔ گویا مجھے ابھی اچانک یاد آیا۔ پھر اپنی جیب سے ایک لفافہ نکالتے ہیں اور کہتے ہیں :)

نانا : یہ حارث میاں کا خط آیا ہے میرے نام ۔ آج صبح ۔ میں بند کا بند لائبریری لے گیا اور ایسے ہی لے آیا ۔ یاد ہی نہیں رہا۔

امی : (خط لیتے ہوئے) کب آرہا ہے کراچی سے ؟

سلیمہ : مجھے تو یہی لکھا ہے امی کہ مجھے ابھی ایک ہفتہ اور لگے گا۔

(اس دوران امی خط کھول کر اسے تقریباً آدھا پڑھ جاتی ہے۔ کمرے میں رضا ملیشیا کی شلوار اور کرتہ پہنے کندھے پر جزدان لٹکائے داخل ہوتا ہے اور بیٹھ کر اپنے بوٹ کھولنے لگتا ہے۔)

طاہرہ : امی ہم بھی تو سنیں کیا لکھا ہے ۔

امی : (سنجیدگی کے ساتھ) مکرمی نانا جان السلام علیکم۔ آپ لوگوں سے مل کر اور پورے تیرہ دن آپ سے تبادلۂ خیال کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ واقعی مغرب ہم سے بہتر اور ہر لحاظ سے ہم سے اعلیٰ ہے ۔

طاہرہ : ویلکم ہوم ویلکم ہوم

نانا : شکر ہے اس کے ذہن میں بھی بات آئی۔ ضدی نہیں ہے خدا کے فضل سے ۔

امّی : جب تک میں ولایت میں رہا، ان لوگوں کو اپنے جیسا ہی سمجھتا رہا لیکن آپ سب نے ان کی برتری مجھ پر واضح کر دی اور مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ واقعی ان کی ہر چیز اچھی ہے۔ اور ان کا ہر کام ہم سے بہتر ہے۔ مَیں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ بیوی بھی وہیں کی ہونی چاہیئے۔

نانا : کیا!

(خط پڑھتی ہے۔)

امّی : اب مَیں کسی امریکن یا یورپی لڑکی سے شادی کروں گا اور ایک بہتر اور اچھے ماحول میں اپنی زندگی بنانے کی کوشش کروں گا۔ مجھے اُمید ہے آپ میرے اس فیصلے پر خوش ہوں گے اور مجھے دل سے دُعا دیں گے۔ مَیں کل صبح ساڑھے تین بجے کی فلائیٹ سے واپس سٹیس جا رہا ہوں اور اب آئندہ زندگی وہیں گزاروں گا۔ سب کو سلام۔ سب کو پیار۔ خاص طور پر رضا کو۔

طاہرہ : یہ خط مہربانی فرما کر ابّو کو بھجوا دیجئے۔۔۔ ٹوکیو۔

امّی : بالکل ٹھیک ہے۔ وہی اس کے بڑے عاشق تھے۔

نانا : اوہ بابا یہ کمیوں کا لڑکا۔ پڑھ کر ڈاکٹر بن گیا میں اس کے باپ سے واقف اس کے دادا کو جاننے والا مجھے تو ان کے سارے خاندان کا علم ہے۔

امّی : ہمیں کیا پروا پڑی ہے ابا جی۔ کیوں سلیمہ!

سلیمہ : جی امّی

امّی : یہ چھوٹی ذات کے لوگ ہوتے ہی ایسے ہیں۔ اوچھے۔ اُوپر سے ولایت چلا گیا تو پتہ نہیں کیا سُرخاب کا پَر لگ گیا اس کو۔

ریاض : ہمارے ابّو تو رہتے ہی فارن ٹُورز پر ہیں۔ کئی سال سے۔

امّی : بارہ تیرہ سال سے بیٹے۔

ریاض : ہم کیا پروا کرتے ہیں ایسے ٹٹ پونجیوں کی۔ کیوں باجی۔

سلیمہ : ہاں۔ ٹھیک ہے۔

امّی : پروا نہیں ہم کو کسی کی۔ آپ کھانا کھائیں سب۔ خاموشی کے ساتھ۔ ختم

طاہرہ : Finished for ever--no more talk.

(کیمرہ گھوم کر رضا پر جاتا ہے۔ وہ ابھی تک جُھکا ہُوا اپنا دوسرا بُوٹ اُتار رہا ہے اور جُونہی ایک جھٹکے کے ساتھ بُوٹ اُتارتا ہے اور مُنہ اُوپر اُٹھاتا ہے تو اس کا سارا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا ہے اور وہ ہلکی ہلکی سسکیاں لے رہا ہے۔)



گڈریا اور گھمنڈ

کردار :

سلمان : ایک بڑا آفیسر۔ عمر پچاس کے قریب

خادم حسین : ڈرائیور۔ شائستہ گفتگو کرنے والا

گڈریا : ادھیڑ عمر کا چرواہا۔ دُور اندیش انسان

محمد صادق : گڈریے کا بیٹا۔ عمر دس سال

اس کے علاوہ چند ضمنی کردار



سین ا
آؤٹ ڈور
رات کا وقت

(رات کے وقت نیشنل ہائی وے پر ایک سنسان علاقے میں کار رکتی ہے۔ یوں سمجھیے کہ یہ علاقہ جہلم کے بعد کا ہے اور ویرانی دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہے۔ کار سے باوردی ڈرائیور باہر نکلتا ہے اور جلدی سے جاکر بونٹ کھولتا ہے۔ موٹر کا ریڈی ایٹر کھول رہا ہے۔ ڈرائیور ہاتھ سے ریڈی ایٹر کا ڈھکنا کھولنے کی کوشش کرتا ہے مگر وہ بھپک رہا ہے۔ پھر جیب سے رومال نکال کر اُسے کھولنے کی کوشش کرتا ہے تو پچھلی سیٹ سے صاحب سر نکال کر پُوچھتے ہیں :)

سلمان : کیا ہوا بھئی؟
ڈرائیور : ریڈی ایٹر کھول رہا ہے سر۔
سلمان : پانی ڈال کر نہیں چلے تھے۔
ڈرائیور : پانی تو ڈالا تھا سر لیکن پتہ نہیں.... شاید ....
(ڈھکنا کُھل جاتا ہے۔)
سلمان : (جھکتا کر) لیک ہو گیا ؟
ڈرائیور : نہیں سر لیک تو نہیں ہوا۔
سلمان : (باہر نکلتے ہوئے) تو پھر کیا ہو گیا۔
ڈرائیور : میں نے وارے سے کہا تھا سر۔ اور اس نے کہا تھا پانی ڈال دیا ہے.... اب پتہ نہیں جی....
سلمان : تم کہنے والے۔ وارا کرنے والا۔ ہم جیسے احمق تم لوگوں کا اعتبار کرنے والے۔

(ڈرائیور ڈکی کھول کر اس میں سے موبل آئیل کا ڈبہ نکالتا ہے جو اُوپر سے کٹا ہوا ہے۔)

ڈزالو ______

سین ۲
ان ڈور
رات

(ایک کچی دیوار میں لگے ہوئے بھنگی ٹیڑھی لکڑیوں کھپچیوں والے دروازے پر ڈرائیور ہاتھ مارتا ہے۔ اندر سے اکا دکا بکریوں کے ممیانے کی آواز آتی ہے۔ ڈرائیور دو تین مرتبہ دروازہ تھپتھپاتا ہے اور کہتا ہے:)

ڈرائیور : بھئی کوئی ہے بھائی صاحب۔

سلمان : یہ تو کوئی واڑہ سا ہے بھئی۔ یہاں کون ہوگا اس وقت۔

(ڈرائیور پھر دروازہ بجاتا ہے تو اندر سے گڈریا دروازہ کھولتا ہے۔)

ڈرائیور : اسلام علیکم بھائی صاحب۔

گڈریا : وعلیکم السلام وعلیکم السلام۔ آؤ۔ آؤ۔

ڈرائیور : پانی کا ایک ڈبہ مل جائے گا؟

گڈریا : پانی بھی مل جائے گا، اُٹھانے والا بھی مل جائے گا۔ تم اندر تو آؤ۔

ڈرائیور : آئیے سر

(اب سلمان صاحب اندر داخل ہونے کو آگے بڑھتے ہیں تو گڈریا ہاتھ بڑھا کر انہیں اسلام علیکم کہتا ہے اور وہ بڑے تپاک اور محبت کے ساتھ ہاتھ ملائے بغیر

وعلیکم السلام کہتے ہیں۔ گڈریا ذرا آگے آگے ان کو لیڈ کرتا ہوا بکریوں میں سے گزرتا ہے اور بولتا جاتا ہے بکریوں سے مخاطب ہو کر :)

گڈریا : سو جاؤ۔ سو جاؤ۔ کوئی نہیں۔ مہمان آئے ہیں۔ برکتوں والے۔ نُور والے۔ شاباش۔ (کہتا ہوا اپنی مسند پر پہنچتا ہے جو اینٹوں کا ایک کھڈا ہے جس کے اندر نئے پیدا ہونے والے میمنے اور لیلے رکھے جاتے ہیں۔ اس کے اوپر ایک پرانی بچھوڑی بچھی ہے۔ پائنتی کی طرف ڈبی دار کھیس ہے اور سرہانے کی طرف اینٹوں کا ایک اینٹ اُونچا سرہانہ ہے جو مسند کے چوڑے دا لگا ہوا ہے۔

سامنے بالکل اسی طرح کا ایک اور مسند ہے جو گڈریے کے آواز دینے پر نظر آئے گا۔ گڈریا اپنے مسند سے ڈبی دار کھیس اُٹھا کر اور اُسے جلدی سے کھول کر مسند پر بچھاتا ہے۔)

گڈریا : یہاں تشریف رکھیں جی۔

سلمان : مہربانی مہربانی۔ ہم یہاں بیٹھنے کے لیے نہیں آئے۔ پانی لینے آئے ہیں۔

گڈریا : وہ بھی مل جاتا ہے صاحب جی۔ ایک منٹ میں۔ آپ تشریف تو رکھیں..... کچھ مان تو بڑھائیں ہمارے واڑے کا۔ لے بیٹا صادق گھڑا اُٹھا کر لے جا بھائی صاحب کے ساتھ۔

(کٹ کر کے دکھاتے ہیں کہ دس گیارہ سال کا نہایت خوبصورت لڑکا میلی سی چادر اوڑھے اور چوکڑی مارے دوسرے مسند پر بیٹھا ہے جو باپ کی آواز سنتے ہی پاؤں نیچے اُتار کر جُوتی پہننے لگتا ہے۔)

ڈرائیور : نہیں بھائی نہیں۔ گھڑا نہیں چاہیئے۔ مہربانی۔ بس یہ ڈبہ بھرنا ہے۔

گڈریا : ڈبہ بھی بھر لیں۔ گھڑا بھی لے لیں۔ صادق کو بھی لے جائیں۔ یہ آپ کی خدمت کرے گا۔

سلمان : اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ڈرائیور خود ڈال لے گا۔ آپ پانی دے دیجئے۔

گڈریا : اس وقت سب کچھ آپ کا ہے۔ پانی، بکریاں، غلام رسول، صادق۔ آپ خدائی مہمان ہیں۔ اچانک آئے ہیں۔ خدا کے حکم سے آئے ہیں۔ سب کچھ خدائی مہمان کا ہے۔ اُٹھ بیٹا شاباش۔ آپ تشریف رکھیں۔

(دونوں ہاتھ ماتھے پر رکھ کر)

مجھے عزت دیں۔ میرا مان بڑھائیں۔

(سلمان صاحب طوعاً و کرہاً مسند کے ایک کنارے پر بیٹھ جاتے ہیں۔ صادق گھڑا اُٹھا کر لاتا ہے۔ ڈرائیور ڈبہ زمین پر رکھتا ہے۔ صادق اس میں پانی ڈالتا ہے۔ ڈبہ بھرنے کے بعد ڈرائیور ڈبہ اُٹھا کر چلنے لگتا ہے۔)

گڈریا : جا بیٹا گھڑا اُٹھا کر لے جا بھائی صاحب کے ساتھ۔

سلمان : نہیں نہیں، اس کی ضرورت — وہ پھر آجائے گا۔ شکریہ۔

(ڈرائیور سے)

اور سنو۔ ریڈی ایٹر بالکل ٹھنڈا ہوتے پر پانی ڈالنا۔

ڈرائیور : (جاتے ہوئے) مجھے معلوم ہے سر۔

سلمان : تم لوگوں کو سب کچھ معلوم ہے۔ کیا کہنے تمہاری معلومات کے۔

گڈریا : آپ اچھی طرح بیٹھ جائیں پیر اُوپر کر کے۔

سلمان : مہربانی۔ میں اسی طرح ٹھیک ہوں۔

گڈریا : لے بیٹا ٹانگیں دبا ادھر آ کر صاحب کی۔

سلمان : (پیر اُوپر اُٹھا کر) نہیں نہیں۔ بالکل نہیں شکریہ۔ مجھے ایسی عادت نہیں۔

گڈریا : سفر کی تھکان دُور ہو جاتی ہے۔

سلمان : ہم کونسا پیدل سفر کر رہے ہیں۔

گڈریا : پھر بھی تھکان ہو جاتی ہے۔ بیٹھیے بیٹھیے۔

سلمان : مہربانی۔ یہ تمہارا بیٹا ہے؟

گڈریا : یہ سب سے چھوٹا ہے۔ محمد صادق۔ دو بڑے ہیں، ان کے اپنے اپنے ریوڑ ہیں۔ ایک بیٹی ہے، اس کے گھر والے کی پچاس بکریاں ہیں۔ ایک دوہتا ہے میرا خدا کے فضل سے تین سال کا، صادق کا بھانجا۔

سلمان : یہ ابھی تک جاگ رہا تھا محمد صادق!

گڈریا : یہ جاگ رہا تھا میں سو رہا تھا۔ اس کی ڈیوٹی پہلی رات کی ہے۔ میری دو بجے کے بعد کی۔ پچھے پچھے بیٹھ جا۔ بیٹھ جا۔

سلمان : تم نے اسے پڑھنے نہیں ڈالا، محمد صادق کو؟

گڈریا : نہیں

سلمان : مدرسہ نہیں ہے اس گاؤں میں؟

گڈریا : ہے جی۔ مڈل تک۔ بڑا اچھا مدرسہ

سلمان : پھر؟

گڈریا : وہ جی ہم دھرم سالے کے بکر وال ہیں پہاڑتیے۔ کل تین گھرانے تھے ہمارے مسلمان بکر والوں کے۔ باقی سارے گدی لوگ تھے۔ پاکستان بننے پر میرا چاچا اور میرا ابا ادھر آگئے اپنے سارے اجڑ ریوڑ چھوڑ کر۔ ہم کو پاکستان سے بڑا پیار ہے صاحب جی۔

سلمان : یہ اچھا پیار ہے جو ایک ذہین اور خوبصورت اور پیارے بچّے کو تعلیم سے محروم کر رکھا ہے۔

گڈریا : جو ہمارا کوٹھا ہے ناں صاحب جی گاؤں میں تو اُس میں ہم نے بابے قائدِ اعظم کی تصویر لگا رکھی ہے شیشے میں جڑا کر۔ ہمارے سارے ٹبر کو بابے سے بڑا پیار ہے۔

سلمان : یہ اچھا پیار ہے بابے سے اور پاکستان سے جو صادق کو پڑھنے نہیں ڈالا۔

گڈریا : وہ صاحب جی ۔بس۔۔۔۔ ایسے اِی جی ۔۔۔۔

(کھسیانی سی ہنسی)

سلمان : محض اس بچّے کی سروس سے فائدہ اُٹھانے کے لیے کہ گلّے کی رکھوالی کرے گا اور بھیڑ بکریاں ۔۔۔۔

گڈریا : نہیں جی نہیں ۔اس وجہ سے نہیں بس ۔۔۔ ہم سارے قبیلے کو پاکستان سے ہی بڑی محبت ہے ۔

سلمان : اچھی محبت ہے گڈریا صاحب !

گڈریا : وہ جی ـــ ہم نے اپنے کسی بچّے کو بھی پڑھنے نہیں ڈالا۔

سلمان : یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ کیوں ؟

گڈریا : وہ اس وجہ سے صاحب جی کہ پچھلے بتیس سالوں میں کسی ان پڑھ نے پاکستان کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا ـــ

(لمبا وقفہ ۔ خاموشی)

کوئی ان پڑھ فائدہ چاہے پہنچا سکا ہو یا نہیں لیکن اس نے نقصان نہیں پہنچایا ۔

(سلمان کے خاموش سوچتے ہوئے چہرے کا کٹ ، جیسے بات اس کے دل میں اُتر گئی ہو۔)

پھر ان کی ماں بڑی وہمی ہے باؤ جی ۔اس کا خیال ہے کہ آج کل پڑھائی میں جان کا خطرہ ہے ۔

ـــــــــ کٹ

سین ۳
آؤٹ ڈور

دن

(نہر کنارے یونیورسٹی پل پر پولیس کی مسلح گارڈ کو دکھایا جائے۔ پھر کیمرہ گھما کر یونیورسٹی کی عمارت کا تعین کیا جائے۔ اس کے بعد یونیورسٹی کلاس کے ایک کمرے سے ایک لڑکا باہر نکلے تو برآمدے میں کھڑے ہوئے چند لڑکے اس پر پل پڑیں اور اس کو گھسیٹ کر باہر لان میں لے آئیں۔ یہ سب لڑکے مسلح ہوں اور اپنی پستولوں کے دستوں سے اور بندوقوں کے کندے مار مار کر اس لڑکے کو زمین پر گرا دیں۔ پھر اس پر لاتوں گھونسوں اور بندوق کے ہتوں کی بارش کر دیں اور پھر "ہا" "ہا" کے نعرے مارتے ہوئے وہاں سے فتح یاب چل دیں۔ زخمی لڑکا اُٹھ کر اور گھٹنوں کے بل ہو کر اپنی جیب سے پستول نکالے اور اس گروہ پر فائر کرے۔ گروہ میں سے ایک پلٹ کر اس پر جوابی فائر کرے۔ زخمی لڑکا بھاگ کر برآمدے میں چلا جائے اور اوٹ سے فائر کرے۔ ادھر سے بھی جوابی فائر ہو۔ پھر ساری فضا ٹھشوں ٹھشوں سے گونج جائے۔ اس ٹھشوں ٹھشوں کی گونج میں کیمرہ یونیورسٹی کے ہال، اس کی بلڈنگ اور دوسرے اہم مقام دکھاتا ہے۔)

———— کٹ

سین ۴
اِن ڈور
رات

(واپس پھر اسی واڑے میں آتے ہیں۔ اس وقت گڈریا ذرا اونچی آواز میں کہہ رہا ہے۔)

گڈریا : چھے چھے۔ پھر رر..... بس بس۔ سو جاؤ سو جاؤ۔ تو جی میری گھر والی ڈرتی ہے اس کو یونیورسٹی بھیجنے سے.... چھوٹا ہے ناں سب سے۔

(صادق اسی طرح آلتی پالتی مارے اور چادر کندھوں پر رکھے بیٹھا ہے۔ سلمان صاحب خاموش ہیں اور اپنے رومال سے عینک صاف کر رہے ہیں۔)

گڈریا : بات روٹی کپڑے بھوک بیماری کی نہیں صاحب جی۔ بات ساری عزّت کی ہے۔ یہ اپنے ملک کی ستانوے اٹھانوے فیصد آبادی ہے ناں جی تو اس کی کوئی عزّت نہیں۔ پڑھا لکھا آدمی بے پڑھے کو جاہل گنوار پینڈو گھامڑ کہہ کر ذلیل کرتا ہے۔ وہ انسان کی عزّت نہیں کرتا، علم کی عزّت کرتا ہے۔ اور عزّت بھی اس علم کی جو اس کے حساب کے مطابق علم ہو۔ گندم بونے، گھاس کاٹنے، جوتا بنانے، کپڑا بننے کے علم کو پڑھے لکھے لوگ علم نہیں سمجھتے۔ ان علموں کے عالموں کی قدر نہیں کرتے۔

سلمان : نہیں یہ بات تو نہیں۔

گڈریا : جان بوجھ کر نہیں صاحب میرے۔ کسی بُری نیّت سے نہیں۔ سوچ سمجھ کر نہیں۔ بس پڑھے لکھے آدمی کے پاس اتنا ٹائم ہی نہیں ہوتا کہ وہ کسی ان پڑھ کو قابل عزّت سمجھے۔ تعلیم یافتہ آدمی ہر وقت اپنی ذات کو شرف عطا کرتا رہتا ہے۔ اپنے وجود کی اور اپنے بت کی اتنی عزّت کرتا اور کرواتا ہے کہ بے پڑھا لکھا اس کے

قریب جاتے ہوئے اپنے آپ کو بے عزّت سا محسوس کرنے لگتا ہے۔

سلمان : (حیرانی سے) تم گڈریے ہو؟

گڈریا : ہم پشت در پشت کے گڈریے ہیں صاحب جی۔ میرے باپ کو ہماری پچھلی پانچ پشتوں کے بڑوں کے نام یاد تھے۔ اس کے بعد وہ بھولتا تھا غلط سلط نام لیتا تھا لیکن ہم مُدہ قدیم کے چھیڑو ہیں۔ بھیڑ بکریاں چرانا ہمارا خاندانی پیشہ ہے۔ بیٹا صادق! خدائی مہمان سے بھوکی باتیں ہی ہوتی رہیں گی۔

(صادق مسند سے اُترتا ہے۔)

جا۔ جا کے دُودھ کا گلاس لا صاحب جی کے لیے۔

سلمان : نہیں نہیں شکریہ۔ دُودھ مجھے نفخ کرتا ہے۔

گڈریا : وہ اور دودھ ہوتا ہے باؤ جی نفخ کرنے والا۔ بکری کا دُودھ ستر بیماریوں کا علاج ہے۔

سلمان : وہ تو میں بالکل نہیں پی سکوں گا۔

گڈریا : جس خدا نے یہاں رات کے وقت مہمان بھیج کر ہماری عزّت افزائی کی ہے، وہ ہمارا یہ مان بھی نہیں توڑے گا انشاء اللہ۔ لا بیٹا۔ لا شاباش۔

(صادق پیتل کے گلاس میں دودھ لاتا ہے اور سلمان کی طرف گلاس بڑھا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ سلمان صاحب ہچکچاتے ہیں اور گلاس نہیں لیتے۔)

سلمان : یقین کرو۔ مجھ سے نہیں پیا جائے گا۔

گڈریا : آپ بسم اللہ تو کریں جی۔

سلمان : مجھے قے ہو جائے گی۔

گڈریا : قے ہو گی تو ہمارا ذمّہ۔

سلمان : آپ کی بڑی بڑی مہربانی۔ اصل میں۔ میں نے ۔ ۔ ۔ ۔ ہم لوگ دُودھ پیتے ہی نہیں۔

گڈریا : یہ تو نبیوں کی سنت ہے صاحب جی۔ بکریاں چرانا اور بکری کا دودھ پینا۔ ستانوے اٹھانوے فیصد لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔ آپ بسم اللہ تو کریں۔ ہمیں عزت عطا ہو جائے گی۔

(سلمان گلاس صادق کے ہاتھ سے لے کر منہ کو لگاتا ہے۔ بڑی مشکل سے ایک گھونٹ پیتا ہے اور پھر گلاس صادق کو واپس کر دیتا ہے۔)

گڈریا : (ہاتھ بڑھا کر) لا مجھے دے۔

(گلاس لے کر اس میں سے آدھا پی جاتا ہے، باقی کا صادق کو دے کر کہتا ہے:)

لے باقی کا تو پی لے بیٹا۔ آج ہم خطبہ حجۃ الوداع کے بعد پہلی مرتبہ ایک لڑی میں پروئے گئے۔ بکری کا دودھ بھی کیا برکت والی چیز ہے ـــــ بات روٹی کپڑے بھوک بیماری کی نہیں صاحب جی، عزت کی ہے۔ اور پڑھا لکھا آدمی اپنی چال ڈھال بول بچن اور کھانے پینے میں ہر وقت اپنی ذات کے وجود میں ایسی کنگھی کرتا رہتا ہے کہ ہم لوگ دور بیٹھے شرمندہ ہوتے رہتے ہیں، خود بخود۔

ـــــــــــ کٹ

سین ۵
ان ڈور
صبح کا وقت

(ایک پروفیسر صاحب کے ڈرائنگ کم ڈائننگ روم کا سین۔ کمرے کی صفائی اور شستہ قسم کی آرائش۔ کھانے کی میز پر صبح کا ناشتہ کھایا جا رہا ہے۔ دو بیٹیاں

ایک بی۔اے، دوسری ایم۔اے میں۔ایک لڑکا میڈیکل کے تیسرے سال میں۔
پروفیسر صاحب اور ان کی بیگم ناشتے کی ٹیبل پر موجود ہیں۔

میز پر ٹوسٹر لگا ہے جس میں سلائس سینک رہے ہیں ۔ میز پر مربّے جام کی بوتلیں ہیں۔ٹھنڈے پانی کی جاپانی تھرموس ہے نفیس چائے کے برتن۔ٹشو پیپر کا ڈبہ۔مکھن اور مکھن لگانے کی چھُری۔بڑے سلیقے اور نفاست کے ساتھ ناشتہ کیا جا رہا ہے۔خاموشی ہے۔)

پروفیسر : (چینی ڈالتے ہوئے چمچی روک کر) یہ چینی میلی کیوں ہے ؟

بیوی : آج کل ایسی ہی ملتی ہے پروفیسر صاحب ۔

پروفیسر : تو نہ استعمال کریں۔۔۔ اِٹ اِز ڈرٹی
(نہیں ڈالتا)

زرینہ : ذرا سا نمک لے لیں ابّو۔

پروفیسر : نو تھینک یُو

نوکر : (آکر) وہ جی غلام محمد آیا ہے ۔

پروفیسر : اوہ مائی گاڈ !

بیوی : غلام محمد کون پروفیسر صاحب۔

لڑکا : وہی امّی جو ہمیں ہیڈ بلو کی پر ملا تھا جس نے جامن اُتار کر دیئے تھے۔

پروفیسر : اب میں اس سے کیا بات کروں۔ یہ کیوں آجاتا ہے ہر دوسرے تیسرے مہینے۔

دوسری لڑکی : (ہنس کر) یہ آپ کا فین بن گیا ہے ابّو۔

پروفیسر : اچھا۔اُسے کہو بیٹھے ! میں کالج جاتے ہوئے مل لوں گا اس سے ۔

لڑکا : یہ بڑے بے تکلف ہو جاتے ہیں پینڈو لوگ ایک ہی ملاقات میں۔

زرینہ : (بہن سے) میرا اَوٹنرز تم نے لیا ہے؟

(بہن نفی میں سر ہلاتی ہے۔)

بیوی : میں نے لیا ہے زرینہ، میرے پاس ہے۔

زرینہ : (بہت ہولے سے) جی اچھا

کٹ ـــــــــــــــــ

سین ٦

ان ڈور

شام

(ایک کتاب کی رونمائی کی رسم۔ یہ شاٹ الفلاح کے سنٹر میں یا اسی قسم کے ان ڈور سیٹ لگا کر شُوٹ کیجیے۔ ڈائس پر ادیب بیدار غازی، ان کے دائیں ہاتھ صدرِ محفل آغا جنید شامی اور اس کے ساتھ پروگرام کا کنویر جال گجراتی بیٹھے ہیں۔ ان کے پیچھے بڑے بڑے بورڈ لگے ہیں جن پر بیدار غازی کی کتاب "گھاس اور شبنم" نمائش کے لیے لگی ہوئی ہے۔ بہت تعداد میں مرد اور عورتیں اس تقریب میں شرکت کے لیے جمع ہیں۔ جال گجراتی اپنی سیٹ سے اُٹھتا ہے اور مائیکروفون پر آکر کہتا ہے:)

جال : خواتین و حضرات! ابھی آپ نے بیدار غازی کی شخصیت پر نہایت خیال انگیز مضمون جناب صادق فیروز صاحب سے سُنا۔ بیدار غازی دانشوروں میں ایسی ممتاز حیثیت کے مالک ہیں کہ تعارف ان کی ذات کا محتاج ہے، یہ تعارف کے محتاج نہیں۔ ان کے ناول اقتصادی، سیاسی، سماجی اور تہذیبی اعتبار سے

منفرد ہیں۔ یہ ہمارے ملک کی خوش قسمتی ہے کہ ہمارے درمیان علم کا ایک ہمہ وقت سندھ ہر وقت موجیں مار رہا ہے۔ اب میں ممتاز ادیب بیدار غازی صاحب سے التماس کروں گا کہ وہ اس ناول کی شانِ نزول بیان کریں۔

(سب تالیاں ——)

بیدار : (مائیکروفون پر آکر) سامعین آپ لوگوں نے میری تعریف میں جس اطمینان سے اتنے لمبے مضمون سُنے وہ آپ کے حوصلے پر دلالت کرتے ہیں۔ محترم جال گجراتی صاحب مصر ہیں کہ میں آپ کو بتاؤں کہ میں ناول کیسے لکھتا ہوں، خاص کر "گھاس اور شبنم" کے بارے میں عرض کروں کہ یہ کیسے وجود میں آیا۔ خدا نے مجھے بڑے حساس دل سے نوازا ہے اور میں لوگوں کے دلوں کی دھڑکنوں کو بہت قریب سے سنتا ہوں۔ اس پر میرے مطالعے کی عادت نے میرے آرٹ کو جِلا بخشی۔ میں نے دن رات کی لگن سے تین ماہ کی قلیل مدت میں یہ ناول لکھا۔ دراصل یہ کتاب میرے تجربات نہیں بلکہ میرے مطالعے کا نچوڑ ہے۔ میں نے سارتر، کیمو اور کیر کے گود کا مطالعہ بغور کیا ہے —— میں Existentialism کا پرچارک ہوں۔ میرے نزدیک جو لکھنے والا مطالعے سے کٹ جاتا ہے اس کی تحریر پھوہڑ ہو جاتی ہے اور اس میں ایک خاص قسم کا گنوار پن آجاتا ہے۔ وہ تحریر دلگیر ہو جاتی ہے۔ میر صاحب کا واقعہ آپ کو ضرور یاد ہو گا۔ لیکن نئے ساتھیوں کے لیے عرض کر دوں کہ میر صاحب ایک مرتبہ گاڑی میں سفر کر رہے تھے اس میں ایک جاہل سوار ہو گیا۔ اس پینڈو نے کئی مرتبہ میر صاحب سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن میر تقی میر اجتناب فرماتے رہے۔ آخر میں جاہل نے پوچھا جناب آپ مجھ سے کیوں نہیں بولتے تو میر صاحب نے جواب دیا تم سے کلام کر کے ہماری زبان خراب ہو گی۔ ہمارا علم دھندلا جائے گا۔ تو جان لیجئے کہ آپ کے اس خادم بیدار غازی کا بھی

یہی حال ہے۔ جو میرے علم کی سطح پر نہیں اُترتا میں اس کے لیے نہیں لکھتا میں
جاہلوں اور بے علموں کا دشمن ہوں۔ جہالت کے خلاف جہاد کر رہا ہوں جب
ساری دنیا سو رہی ہوتی ہے میں آنکھوں کا چراغ جلا کر علم حاصل کرتا ہوں۔
میں نے حصولِ علم کی خاطر اپنی بیوی اور تین پیارے پیارے بچے چھوڑ دیئے۔
میں نے اپنے آپ کو زیورِ علم سے آراستہ کرنے کے لیے لوگوں سے ملنا چھوڑ دیا میں
ہر وقت اپنے آپ کو آراستہ پیراستہ کرتا رہتا ہوں علم کے زیور سے، علم کے میک اپ
سے، علم کے کاسمیٹکس سے۔ یہی میری زندگی کا مقصد اور یہی میرا مطمعِ نظر ہے۔
بے علم لوگ سوسائٹی پر ایک بوجھ ہوتے ہیں۔ وہ گندم اُگا سکتے ہیں، رندہ
چلا سکتے ہیں، کھڈی پر کپڑا بُن سکتے ہیں، لوہا گلا سکتے ہیں، اینٹ گارے سے
مکان بنا سکتے ہیں لیکن ان کو اپنی ذات کا عرفان نہیں ہوتا۔ ذات کا عرفان
ایک صاحبِ علم کو ہی ہوتا ہے۔ اور جو اپنی ذات کو پہچان لیتا ہے وہی کتاب
لکھ سکتا ہے۔ اور کتاب لکھنا اس دنیا میں سب سے بڑا کام ہے۔ سب سے
بڑھ کر قابلِ عزت پیشہ ہے۔ جس سوسائٹی میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد زیادہ
ہے وہ سوسائٹی قابلِ احترام ہے۔ جس محلے میں پڑھے لکھے لوگوں کی اکثریت
ہے وہ ہر طرح کی بُرائی سے پاک ہے۔ جس پیشے میں تعلیم یافتہ لوگ زیادہ ہیں وہاں
کوئی نفرت نہیں، کوئی حسد نہیں، کوئی بے انصافی نہیں، بے ایمانی نہیں،
رشوت نہیں۔ میں نے اپنی کتاب "گھاس اور شبنم" میں اس حقیقت سے
پردہ اُٹھایا ہے کہ ایک مصنف کا دل کس قدر حساس ہوتا ہے اور وہ ایک
عام آدمی سے کیوں ارفع اور اعلیٰ ہوتا ہے۔ آخر میں مَیں آپ سب حضرات
کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ میری کتاب کی تقریب رونمائی پر تشریف
لائے اور میری عزت افزائی کی۔ یہ میری عزت افزائی نہیں علم کی عزت افزائی ہے۔

(کیمرہ ہال کے ان لوگوں پر آتا ہے جو زور شور سے تالیاں بجا رہے ہیں۔ جال گجراتی اُٹھتا ہے اور مائیکروفون پر آتا ہے۔)

جال : اب میں آخر میں صدرِ محفل جناب آغا جنید شامی سے عرض کروں گا کہ وہ بیدار غازی صاحب کی ذات اور ان کی شخصیت پر اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

(آغا جنید شامی اُٹھ کر مائیکروفون پر جاتا ہے۔)

کٹ ــــــــــــــ

سین ۷
ان ڈور
رات

(واپس پھر اسی واڑے میں آجاتے ہیں۔ اب یہاں صادق گھڑا اُٹھا کر پھر ڈرائیور کے ڈبے میں ڈال رہا ہے۔)

سلمان : ابھی اور کتنے ڈبے ڈالو گے؟

ڈرائیور : بس یہ آخری ہے سر۔ پہلا ڈبہ تو چھوں کر کے بھاپ بن کے اُڑ گیا۔ دوسرے کے ٹھنڈے ہونے میں دیر لگی ــــ بس یہ آخری ہے۔

گڈریا : جتنے ڈبے مرضی ڈالو بھائی۔ پیچھے ہاتھی ڈوبو چھپڑ ہے۔ پانی بہت۔ تم فکر نہ کرو۔ آپ تھوڑی دیر آرام کر لیں صاحب جی۔

سلمان : نہیں شکریہ۔ مہربانی۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔

گڈریا : تو جی میں یہ عرض کر رہا تھا صاحب جی کہ پڑھا لکھا آدمی ہر وقت اپنی ذات

کو ہی عزّت عطا کرنے میں لگا رہتا ہے۔ میلے میں، مجلس میں، خلقت میں، ویرانے میں اپنے بدن کو ہی کھرکھرا کر کے عربی گھوڑے کی طرح چمکاتا رہتا ہے۔ دوسرے سارے تو اس کی نظر میں پِلے گُتّے سے ہوتے ہیں۔

سلمان : تو گویا تمہارے خیال میں علم حاصل کرنا نہیں چاہیئے۔

گڈریا : میں علم کی بات نہیں کر رہا تھا صاحب جی، پڑھے لکھے کی بات کر رہا ہوں۔ علم تو جوتا گانٹھنے کا بھی ہے، گندم کاٹنے کا بھی، کھرپا درانتی بنانے کا بھی، دھان بونے کا بھی اور معاف کرنا صاحب جی یہ بکریاں چرانے کا علم بھی بہت لمبا چوڑا ہے۔ ہر پڑھا لکھا آدمی کُرسی پر بیٹھ کر اور میز پر ٹانگیں رکھ کر ان سارے علم والوں کو ایک دھکا مار کر بھگا دیتا ہے۔ حالانکہ جُوتے میں ٹانکا وہ نہیں لگا سکتا۔ دھان کے کھیت میں کدّو وہ نہیں کر سکتا۔ بھٹی کے آگے بیٹھ کے لوہا وہ نہیں کوٹ سکتا۔ کھوئی ہوئی بکری وہ نہیں تلاش کر سکتا۔ یہاں علم والے کی قدر نہیں صاحب جی، پڑھے لکھے کی قدر ہے۔

سلمان : یہ تو ایک ہی بات ہوئی گڈریا صاحب!

گڈریا : ناں سر۔ علم وہ ہوتا ہے جس سے مخلوق خدا کی بہتری کا کام کیا جا سکے اور پڑھائی وہ ہوتی ہے جس سے صرف اپنی ذات کو چمکایا جائے۔ اور اپنے وجود کو نمایاں کر کے اس کو قوت عطا کی جائے۔ پڑھا لکھا آدمی اسقدر طاقت ور ہوتا ہے صاحب جی کہ وہ کسان مزدور دستکار کے علم کو اپنے چھوٹے سے دستخط کر کے ہمیشہ کے لیے کمی کمین بنا دیتا ہے۔

سلمان : ہم تو آپ لوگوں کے بارے میں بڑے بڑے مضمون لکھتے ہیں، بڑی بڑی کتابیں چھاپتے ہیں۔ بڑی قدر کرتے ہیں ہاتھ سے کام کرنے والوں کی۔

گڈریا : وہی تو میں عرض کر رہا ہوں صاحب جی کہ ہماری عزّت کی ڈوری آپ کے

ہاتھ میں ہوتی ہے۔ چاہیں تو عزت عطا کر دیں، چاہیں تو نظر سے گرا دیں۔ ہماری زندگی اور موت، عزت اور بے عزتی آپ کے اختیار میں ہوتی ہے، ہمارے کام یا ہمارے علم کی وجہ سے نہیں ہوتی۔

سلمان : (ہنس کر) ویسے گڈریا صاحب، معاف کرنا۔ یہ بکریاں چرانا بھی علم سے تعلق رکھتا ہے؟

گڈریا : بہت بڑا علم صاحب جی۔ پورا سمندر۔ دنیا کے ہر سربراہ مملکت کو کم سے کم دو سال بکریاں ضرور چرانی چاہئیں۔

سلمان : کیوں؟

گڈریا : اس سے حکمران کی ذات کو فائدہ ہوگا۔

سلمان : (ہنس کر) اچھا! وہ کس طرح؟

گڈریا : بکریاں چرانے سے نہ ماننے والوں کے ساتھ رہنے کا علم عطا ہوتا ہے۔ حکم عدولی کرنے والوں کے ساتھ شفقت کے ساتھ پیش آنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ بکری نہ ماننے والی مخلوق میں اوّل درجے پر ہے۔ اس کو جس کھیت سے منع کرو، جس درخت سے باز رکھو اسی کی طرف جائے گی۔ گڈریئے کا فرض ہوتا ہے کہ بکری کو ممنوعہ علاقے میں جانے سے بھی روکے اور اس کو چوٹ بھی نہ مارے۔ گلہ بان کا کام نہ ماننے والوں کو چوٹ سے بچانا اور اپنے درمیانی فاصلے دُور کرنا ہوتا ہے۔ یہ بڑا علم ہے صاحب جی۔

ڈرائیور : چلئے سر۔ ٹھیک ہو گئی۔

گڈریا : اگر آپ پر کوئی بوجھ نہ ہو تو رات یہیں گزار لیجئے۔ میں گاؤں سے کھاٹ بستر لے آتا ہوں۔

سلمان : مہربانی۔ مجھے صبح اسلام آباد ایک ضروری میٹنگ میں پہنچنا ہے۔ تم چلو خادم حسین میں ابھی آتا ہوں۔

ڈرائیور : ٹھیک ہے سر

(چلا جاتا ہے)

گڈریا : آپ اسلام آباد میں رہتے ہیں سرجی۔

(سلمان اثبات میں سر ہلاتا ہے۔)

گڈریا : تو اس وقت کدھر سے آرہے ہیں؟

سلمان : لاہور ایک میٹنگ تھی، وہ بھگتا کر آرہا ہوں۔

گڈریا : وہاں تو بہت بڑا دفتر ہوگا آپ کا!

سلمان : بہت بڑا ڈائریکٹریٹ

گڈریا : پھر تو آپ بھی لال مرچ نہیں کھاتے ہوں گے۔

سلمان : (ہنس کر) کیوں؟

گڈریا : پڑھے لکھے آدمی ایک تو ہماری طرح سے لال مرچ نہیں کھاتے۔ دوسرے گڑ چینی نہیں ڈالتے چائے میں۔ تیسرے اندر سوتے ہیں۔ گرمیوں میں بھی باہر نہیں سوتے، چاہے دم گھٹ جائے۔

سلمان : باہر مچھر وچھر ہوتا ہے ناں گڈریا صاحب۔

گڈریا : نہیں سرجی یہ بات نہیں۔ اپنے آپ کو ہم سے الگ رکھنے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ ہمارے گاؤں سے بھی تین لڑکے پڑھ لکھ کر شہر چلے گئے تھے۔ ان کا پہناوا بھی الگ ہوگیا ہے۔ کھانا بھی اور ہوگیا ہے۔ بول چال اُٹھنے بیٹھنے کا طریقہ بھی اور ہوگیا ہے۔ ہر شے کو ولگر ولگر کہتے ہیں۔ ہمارے رنگوں کو، ہماری بولیوں کو، ہمارے کلّی کرنے کو، حجامت بنوانے کو، نہر پہ نہانے کو ولگر کہتے ہیں۔ یہ ولگر کیا ہوتا ہے سرجی؟

سلمان : ویسے ہی پیار سے کہتے ہوں گے۔

گڈریا : ان کی تو بولی بھی تبدیل ہو گئی ہے پڑھ لکھ کر پردے دار ہو گئے ہیں۔

سلمان : پردے دار!

گڈریا : پڑھ لکھ کر آدمی بڑا پردے دار ہو جاتا ہے سر جی۔ محرموں نامحرموں سے ملتے ہوئے بھی شرماتا ہے۔

کٹ

سلمان ۸
ان ڈور
دن کا وقت

(ایک خوبصورت دفتر جس کے باہر پی۔اے بیٹھا ہے۔ سامنے بنچوں پر پانچ سات آدمی بیٹھے ہیں۔ پی۔اے فون پر گفتگو کر رہا ہے۔)

پی۔اے : ہاں جی — نہیں جی — اچھا جی — ہاں جی — ٹھیک ہے جی — کل نہیں جی — پرسوں بھی نہیں جی — بائیس کے بعد فون کرلیں جی — میں نے کہا ہے فون کرلیں جی۔ پتہ نہیں جی — کوئی فائدہ نہیں جی — نہیں جی — نہیں جی — نہیں جی —

(فون بند کر دیتا ہے۔)

ایک آدمی: مجھے تو دو گھنٹے ہو گئے بھائی صاحب۔

پی۔اے : تو واپس چلے جاتیں۔

آدمی : نہیں جی میں اس لیے تو نہیں کہہ رہا —

پی۔اے : تو پھر بیٹھے رہیں آرام کے ساتھ۔ (دوسرے فون کا بزر بجتا ہے) جی سر — اچھا جی — (فون رکھ کر) چلئے جی الیاس صاحب۔

الیاس : (اٹھ کر) شکریہ

(دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتا ہے۔ سامنے ذرا سے بڑے کمرے میں پی ایس بیٹھا ہوتا ہے۔)

مے آئی کم ان سر

پی۔ایس : آیئے —

الیاس : (داخل ہو کر) شکریہ

پی۔ایس : بیٹھئے —

(جہاں تین آدمی اور بیٹھے ہیں، وہاں بیٹھ جاتا ہے۔)

پی۔ایس : کس سے ملنا ہے آپ کو ؟

الیاس : میں نے اپنی عرضی بھجوائی ہوئی ہے صاحب کو۔

پی۔ایس : وہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے بھی تو معلوم ہونا چاہیئے۔ آفٹر آل آئی ایم پرائیویٹ سیکرٹری۔

الیاس : میری ہمشیرہ کا کیس ہے سر۔

پی۔ایس : وہ جس کو غنڈے اٹھا کر لے گئے — رضوانہ ؟

الیاس : جی سر

پی ایس : لیکن اس بات کو تو کوئی پانچ چھ دن ہو گئے !

الیاس : اسی دن سے بھاگ دوڑ کر رہا ہوں سر۔

پی۔ایس : اچھا ٹھیک ہے — بیٹھئے

الیاس : تھینک یو سر

(بیٹھ جاتا ہے۔ پی۔ایس صاحب اپنی فائیلیں دیکھنے لگتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد طرہ دار پگڑی اچکن بگلوس والا چپراسی اندر داخل ہوتا ہے اس کے ہاتھ میں ایک

پرچی ہے۔ وہ ذرا رک کر ہاتھ سے گستاخانہ سا اشارہ کر کے کہتا ہے "چلو"۔ اور پہلے سے بیٹھے ہوئے آدمیوں میں سے ایک اُٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیتا ہے۔ چپراسی ذرا سا دروازہ کھول کر اندر صاحب کو دیکھتا ہے اور ہاتھ کے اشارے سے سائل کو روکے رکھتا ہے۔ پھر ایک طرف ہو کر اس کو اندر جانے دیتا ہے۔)

کٹ ———

سین ۹
آؤٹ ڈور
شام

(ایک محرابی دروازوں والے چھوٹے سے برآمدے میں ایک عمامے اور پگڑی والے صاحب قالین پر بیٹھے آگے صندوقچی لگائے موٹی سی عربی کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ درمیانی عمر کے میاں بیوی آتے ہیں۔)

میاں : السلام علیکم

عمامہ : (کتاب سے نظریں اٹھائے بغیر) وعلیکم السلام

میاں : ہمیں مولانا صاحب سے ملنا ہے۔

عمامہ : مولانا صاحب اس وقت مطالعہ میں مصروف ہیں نہیں مل سکتے۔

بیوی : ان سے ایک مسئلہ پوچھنا ہے مولوی صاحب۔

عمامہ : میں نے عرض کر دیا کہ یہ وقت ان کے مطالعے کا ہے اور ان کے مطالعے میں کوئی مخل نہیں ہو سکتا۔

بیوی : لیکن یہ ہماری بچی کی زندگی اور موت کا سوال ہے مولوی صاحب ہمیں ایک شرعی مسئلہ پوچھنا ہے۔

عمامہ : (اپنا سوکھا ہوا پن ٹسٹ کرتے ہوئے بے پروائی سے) مجبوری ہے بی بی۔ یہ مولانا کے اصول کی بات ہے۔ اس وقت وہ باہر تشریف نہیں لا سکتے۔

میاں : تو ہم اندر چلے جاتے ہیں۔

عمامہ : ان کے خلوت خانے میں جانے کی مناہی ہے بھائی صاحب۔

بیوی : تو ہمیں ان سے وقت لے دیجئے۔

عمامہ : یہ میں ان سے کل پوچھ کر عرض کروں گا۔

بیوی : اس وقت پوچھ دیجئے پلیز —

عمامہ : میں نے عرض کیا ناں کہ یہ ان کے مطالعے کا وقت ہے اور مولانا کے مطالعے کے اوقات میں بادشاہ وقت بھی حارج نہیں ہو سکتا —

(پھر اپنا سوکھا ہوا پن چلانے کی کوشش میں مصروف ہو جاتا ہے — میاں بیوی ویسے ہی کھڑے ہیں۔)

کٹ ———

سین ۱۰

ان ڈور

دن

(ایک اور خوبصورت اور پاش دفتر — اس میں انجینیر صاحب کرسی ٹیڑھی کیے

کھلے دراز پر پاؤں رکھے کوئی ناول پڑھ رہے ہیں۔شفعت انچارج ایک پرزہ ہاتھ میں لیے دروازے پر دستک دیتے ہیں۔)

انجینئر : یس ــــ کم ان

شفقت : مے آئی کم ان سر

انجینئر : یس

شفقت : سر یہ مستری غنا نے پرزہ دیا ہے۔

انجینئر : کس مستری نے؟

شفقت : ڈائی مولڈر نے سر

انجینئر : پھر؟

شفقت : وہ کہتا ہے سر کہ اس پر تیرہ تھریڈ ٹھیک نہیں ہیں۔ فرق رہ جائے گا۔

انجینئر : انجینئر وہ ہے یا میں۔

شفقت : انجینئر تو آپ ہیں سر لیکن وہ آپ کو کچھ سمجھانا چاہتا ہے۔

انجینئر : مجھے سمجھانا چاہتا ہے An uneducated Mistri!

شفقت : نہیں سر وہ آپ سے سمجھنا چاہتا ہے۔

انجینئر : کیا سمجھنا چاہتا ہے جب میں نے اس کو ڈائیاگرام بنا کر دے دیا ہے۔

شفقت : اس کی کوئی مشکل ہے سر۔

انجینئر : تو ایک ان پڑھ مستری کی مشکل میں دُور کروں!

شفقت : نہیں سر ــــ وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے ــــ ایک منٹ کے لیے

انجینئر : میرے پاس مستریوں سے ملنے کے لیے وقت نہیں ہے۔ اپنے فورمین سے بات کرے

شفقت : میں فورمین کو بلاؤں سر؟

انجینئر : why should I meet a foreman?

شفقت : یس سر

(سر جھکائے مولڈ ہاتھ میں لیے باہر نکل جاتا ہے۔ انجینیئر صاحب پھر ناول پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔)

کٹ ————

سین ۱۱

ان ڈور

رات

(واپس بھیڑواڑے میں۔ اس وقت گڈریا کہہ رہا ہے۔)

گڈریا : تو جناب جس قدر زیادہ تعلیم کوئی شخص حاصل کر لیتا ہے، اسی قدر وہ لوگوں سے دُور ہو جاتا ہے اور اسی قدر اس کے اور مخلوقِ خدا کے درمیان پردے حائل ہو جاتے ہیں — ایک عام ڈاکٹر ہوتا ہے۔ بھرے بازار میں دوکان کرتا ہے۔ پھر اور علم حاصل کر کے بڑا ڈاکٹر بن جاتا ہے تو اس کا ملنا مشکل ہو جاتا ہے پھر اور بڑا ہو جاتا ہے — سپیشلسٹ! تو تہہ در تہہ پردوں کے اندر چلا جاتا ہے — مخلوقِ خدا کی خدمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ خواص کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔ جان بوجھ کر نہیں، کوشش کر کے نہیں، پڑھائی کی وجہ سے — پڑھا لکھا آدمی خود بخود — بغیر سوچے سمجھے، بغیر کوئی سکیم بنائے — بغیر ارادہ کیے بغیر کسی بدنیتی کے عوام سے کٹنے لگتا ہے اور مخلوقِ خدا سے اتنا دور ہو جاتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو پہچان بھی نہیں سکتے۔ پھر جب کبھی ان کی ملاقات بھی ہوتی ہے

صاحب جی تو دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوتے ہیں۔

کٹ ـــــــــــــ

سین ۱۲

آؤٹ ڈور

دن

(گاؤں میں کچے گھروں کے پاس، جوہڑ کے قریب کسی درخت کے نیچے گاؤں کی پندرہ بیس عورتیں زمین پر بیٹھی ہیں اور ان کے سامنے کرسی پر ایک بہت ہی سادہ مگر شستہ اور تعلیم یافتہ خاتون بیٹھی ہیں۔ انہوں نے اپنے کٹے ہوئے بالوں پر احتیاطاً سے دوپٹہ اوڑھ رکھا ہے۔ ایک عورت ان کو ہاتھ کی پنکھی جھل رہی ہے۔)

خاتون : اس ملک کی پچاس فیصد آبادی عورتوں پر مشتمل ہے اور عورت کا اللہ تعالیٰ نے بڑا احترام فرمایا ہے مگر آپ لوگوں نے اس احترام کو اور اس عزت کو خاک میں ملا دیا ہے۔ آپ اپنے بچوں کو سکول نہیں بھیجتیں، ان کو پڑھاتی نہیں بلکہ انہیں ڈھور ڈنگر چرانے کے لیے جنگلوں میں بھیج دیتی ہیں۔ آپ کے ظالم مرد انہیں اپنے ساتھ کھیتوں پر کام کرنے کے لیے لے جاتے ہیں۔ ہم اپنے سارے کام چھوڑ کر اپنے بچوں کو تعلیم دلاتے ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ مدرسوں میں داخل کراتے ہیں۔ ان کی صحت اور صفائی کا خیال رکھتے ہیں لیکن آپ خود بھی گندی رہتی ہیں اور اپنے بچوں کو بھی گندہ رکھتی ہیں۔ آپ کے گھر حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق نہیں ہیں۔ ان کوٹھوں میں نہ کھڑکیاں ہیں نہ روشندان۔ نہ ان میں

فرش ہیں نہ دھواں نکالنے کے لیے چمنیاں۔ آپ کی اور آپ کے بچوں کی صحتیں بھی اسی لیے خراب ہیں کہ آپ لوگ کثرتِ اولاد کا شکار ہیں۔ آپ کی غذا ناقص ہے۔ آپ کھانا پکانا اچھی طرح سے نہیں جانتیں۔ خدا کے لیے اس کی طرف توجہ دیجیے اور اپنے ملک کی تعمیر و ترقی میں ہمارا ہاتھ بٹائیے۔ آپ اپنا وقت فضول کاموں میں ضائع کر دیتی ہیں۔ پُرانے رسم و رواج، فضول روائتیں، آپس کے جھگڑے، پیر پرستی، ٹونے ٹوٹکے، تقدیر پرستی، بے عملی یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ ہم ان بیہودہ چیزوں کو چھوڑ چکے ہیں اور صحت صفائی کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں۔

میں کوئی امیر عورت نہیں ہوں۔ دولت مند نہیں ہوں۔ ہم کرائے کے مکان میں رہتے ہیں۔ ہماری کوئی جائیداد بھی نہیں۔ ہمارا کوئی بنک بیلنس بھی نہیں لیکن ہم ہر حال میں آپ لوگوں سے بہتر ہیں۔ (اپنے دونوں بازو سامنے نکال کر) میرے ہاتھوں میں کوئی کنگن نہیں۔ میرے گلے میں ہار یا کانوں میں جھمکے نہیں۔ لیکن میں علم کے زیور سے آراستہ ہوں۔ میں نے تعلیم حاصل کر کے اُونچا مقام حاصل کیا ہے۔ میں سادہ زندگی بسر کرتی ہوں اور سادگی سے رہتی ہوں میں جہاں جاتی ہوں میری عزت ہوتی ہے میرا احترام ہوتا ہے۔ مجھے قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ کس لئے؟ اس لیے کہ میں پڑھ لکھ کر ایک مقام حاصل کر چکی ہوں۔ ایک بلند مقام پر پہنچ چکی ہوں اور آپ میری بہنو — میری بزرگو! ابھی تک جانوروں کی سی زندگی بسر کر رہی ہیں — علم حاصل کرو۔ خود پڑھو۔ اپنے بچوں کو پڑھاؤ۔ سادہ زندگی بسر کرو۔ سادگی سے رہو۔ سادہ زندگی میں بڑی برکت ہے۔ اس سے انسان کے بدن اور روح کو طاقت ملتی ہے — معاشرہ ترقی کرتا ہے — ملک مضبوط ہوتا ہے۔

—— کٹ

سین ۱۳
آؤٹ ڈور
شام کا وقت

(باہر میز کرسی لگائے کارخانے کی دیوار کے پاس پھولوں والی بشرٹ اور خاکی پتلون والا ایک پے کلرک مزدوروں میں تنخواہ تقسیم کر رہا ہے۔ چھ سات مزدور اس کی میز کے پاس قطار بنائے کھڑے ہیں۔ ایک مزدور اپنے انگوٹھے کو قمیض پر رگڑ کر انک پیڈ پر لگاتا ہے۔ کلرک اس کا ہاتھ پکڑ کر رجسٹر پر انگوٹھا لگانے لگتا ہے۔ رک جاتا ہے۔)

کلرک : اوئے یہ ہاتھ دیکھا ہے اپنا —

مزدور : ہاں جی

کلرک : کبھی دھویا ہے اس کو۔

مزدور : ہاں جی

کلرک : جاؤ اس کو صابن سے دھو کر لاؤ — پھر تنخواہ ملے گی — اور کس کس کے ہاتھ گندے ہیں۔

(سب مزدور اپنے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہیں۔)

جاؤ پہلے سارے ہاتھ دھو کر آؤ اچھی طرح سے — چلو — آجاتے ہیں تنخواہ لینے، ہاتھ دھونے کا شعور نہیں ہے —

(سب مزدور چلے جاتے ہیں تو کلرک دراز سے کوئی ڈائجسٹ نکال کر پڑھنے لگتا ہے اور اپنی ٹانگیں میز پر رکھ لیتا ہے۔)

کٹ ————

سین ۱۴
ان ڈور
دن کا وقت

(ایک بیہودہ سا سرکاری دفتر جس میں فائیلوں کے انبار کا گند جمع ہے — تین نہایت گندی سی میزیں جن میں سے ایک خالی ہے جس کا کلرک کہیں کھسکا ہوا ہے۔ دوسری میز پر تین کلرک بیٹھے ہاف سیٹ چائے پی رہے ہیں۔ دو پیالیوں میں اور تیسرا دُودھ والے چھوٹے جگ میں۔ تیسری میز پر ایک کلرک دو تین بڑے بڑے رجسٹر کھولے ان میں اندراج کر رہا ہے۔ سامنے کھدر کے لمبے کُرتے اور کھدر کے تہبند میں ملبوس ہاتھ میں سونٹا پکڑے ایک سفید نورانی ڈاڑھی والا بابا کھڑا ہے۔ جس کے ہاتھ میں ایک عرضی ہے — تین چار کرسیاں رکھی ہیں لیکن بابا بیٹھنے کی جرأت نہیں کرتا — کلرک ایک رجسٹر اُٹھا کر دُور کونے میں لے جاتا ہے اور دوسرا رجسٹر اُٹھا کر لے آتا ہے۔ پھر کام کرنے لگتا ہے۔ دراز کھول کر سگریٹ نکالتا ہے — سلگا کر پینے لگتا ہے۔ پھر فائیل میں سے ایک ٹائپ شدہ کاغذ نکال کر چائے پینے والوں کے پاس جا کر کاغذ دکھاتا ہے۔)

کلرک : لو دیکھ لو خود — اپنی آنکھوں سے۔

(سب کلرک باری باری اس کاغذ کو پڑھتے ہیں۔)

کلرک : میں نے بھی کڑکا کر اس کا جواب لکھا ہے۔

کلرک ۲/ : ابھی نیا نیا آیا ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا دو چار دنوں میں۔

کلرک ۳/ : یہ پہلے محکمہ انڈسٹری میں ہوتا تھا ہیڈ کلرک۔ سکسٹی سیون میں۔

کلرک ۲/ : پھر سرگودھے چلا گیا تھا اون ڈیپوٹیشن۔

کلرک ۴ : وہ دوسرا تھا شفیق کا لیا! یہ تو ادھر ہی رہا ہے ساری عمر۔

کلرک : لیکن تنگ ہوگا ہمارے ساتھ اگر ایسے ہی میمو دیتا رہا۔

کلرک ۲ : تو چھوڑ دے کوئی جواب نہ دے — کلپنے دے اس کو۔

کلرک : اب تو میں نے بنا لیا ہے جواب دو دن لگا کے — پتہ لگ جائے گا اس کو بھی جب میں نے ایڈوانس کاپی صاحب کو بھیجی — (واپس اپنی میز پر آتے ہوئے) آنکھ تو نہیں ملاتا میرے ساتھ۔

کلرک ۲ : آنکھ اس نے کیا ملانی ہے جس میں بد کا بال ہو —

(وہ کلرک اپنے درازوں کو کھولتا بند کرتا اور اپنے کاغذوں کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے اور بابا اسی طرح کھڑا رہتا ہے۔ کوئی اس کی طرف توجہ ہی نہیں دیتا۔ تھوڑی دیر کے بعد کلرک پوچھتا ہے۔)

کلرک : ہاں جی کیا تکلیف ہے؟ باباجی

بابا : ایک پرمٹ چاہیئے۔

(عرضی آگے بڑھاتا ہے۔)

کلرک : (عرضی پکڑے بغیر) پرمٹ؟

بابا : دو بوری سیمنٹ کا جی بھیڑولا بنانا ہے۔

کلرک : سیمنٹ کا پرمٹ یہاں سے نہیں ملتا بابیو!

بابا : میں تو دو دن سے بڑا کھجل خوار ہو کر آپ کے پاس پہنچا ہوں۔

کلرک : تو غلط پہنچ گیا ناں بابا — ہم نہیں دیتے —

بابا : پھر کون دیتے ہیں؟

کلرک : مجھے کیا پتہ — میں کوئی ڈائرکٹری ہوں۔

کلرک ۲ : (آواز اٹھا کر) کس واسطے چاہیئے سیمنٹ؟

بابا : بھڑولا بنانا ہے دانے رکھنے والا۔

کلرک : بھڑولا تو مٹی کا بنتا ہے بابا سیمنٹ کی کیا ضرورت پڑ گئی تم کو۔

بابا : او جی زراعت والوں نے کہا تھا کہ باہر مٹی کا بنا کر اندر فرش سیمنٹ کا بناؤ اور اندر چار چوفیرے بی سیمنٹ کی لیپ کرو۔

کلرک : تو پھر زراعت والوں سے جا کر پرمٹ لو یہاں کیوں آ گئے منہ اُٹھا کر۔

بابا : غلام محمد ایدھرے ای دو بوری کا پرمٹ لے کر گیا ہے۔

کلرک : غلام محمد کون ـــ

بابا : غلام محمد تمہارے کا۔

کلرک : (پٹاخہ مار کر ہاتھ جوڑتے ہوئے) جا بابا جا ـــ یہ سیمنٹ کا دفتر نہیں ہے۔

بابا : (عرضی آگے بڑھا کر) دیکھو تو سہی جی ـــ مجھے تو یہی پتہ لکھ کر دیا ہے۔

کلرک : بندا کسی چور ڈاکو کے ہتھے چڑھ جائے لیکن کسی ان پڑھ کے بس نہ پڑے۔ کچھ پتہ نہیں ہوتا تم لوگوں کو۔ خاک علم نہیں ہوتا اور منہ اٹھا کر چلے آتے ہیں۔

بابا : سوالی جو ہوئے بادشاہو۔

کلرک : سوالی ہو تو داتا صاحب جاؤ ـــ یہاں کیا لینے آ گئے۔

بابا : اچھا جی

(عرضی تہہ کر کے بادل ناخواستہ، رنجیدہ صورت، کھونڈا ٹیکتا ہوا دفتر سے نکل جاتا ہے۔)

ـــــــــــ کٹ

سین ۱۵
ان ڈور
رات

(پھر واپس وارڈ میں)

گڈریا : اور صاحب جی — اجب کوئی ان پڑھ، جاہل بدخو اور بے علم بدو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آتا تھا تو حضورؐ اپنے کندھے سے چادر اُتار کر اس کے بیٹھنے کو بچھا دیتے تھے اور پھر اس کی بات سنتے تھے۔ اور جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عزت عطا فرما دیتے تھے وہ سب کے لیے محترم ہو جاتا تھا۔ لیکن آج کا پڑھا لکھا آدمی لوگوں کی نگاہوں میں محترم ٹھہرنے کے لیے خود ہی اپنی ذات کی عزت افزائی کرتا رہتا ہے اور ہر وقت اپنے حضور کے سامنے ہی قالین بچھاتا رہتا ہے — اپنے آپ کو ہی سجاتا رہتا ہے۔ اپنے آپ کو ہی واہ وا جناب عالی کہتا رہتا ہے، دوسرے کے سلام کا جواب ہی نہیں دے سکتا۔

سلمان : تو اس میں خرابی کیا ہے ؟

گڈریا : ہر وقت اپنے لیے امتیازات تلاش کرتے رہنا اور ہر گھڑی اپنے رتبے کا اعلان کرتے رہنے سے جماعت کا رُخ پیدا نہیں ہوتا — ہمیشہ اپنی خوبیوں اور اپنے حسب نسب کا ذکر کرتے رہنے سے جماعت کے لوگ خوفزدہ ہو کر دُور ہو جاتے ہیں اور ملت میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔ ستانوے اٹھانوے فیصد لوگوں کے خوفزدہ رہنے سے ملت کی تشکیل نہیں ہو سکتی صاحب جی، چاہے آپ لاکھ منصوبے تیار کر لیں۔

سلمان : لیکن — میرے خیال میں ....

گڈریا : جب تک نبی آخر الزمان کے آخری فرمان کی حرف بحرف تعمیل نہیں ہو گی، دنیا کے کسی خطے میں اسلامی نظام کی پنیری نہیں لگ سکے گی۔ چاہے آپ کتنی ولائتی کھاد ڈال لیں کتنے ہی ولائتی ٹریکٹر چلا لیں ـــ (ہاتھ باندھ کر) خطبہ حجتہ الوداع کو آٹھویں جماعت کے کورس میں لگا دینے سے حضورؐ کے فرمان کی تعمیل نہیں ہو سکے گی سر جی۔ اس کے لیے غرور اور تکبر کے بُت کو ٹوٹنا پڑے گا۔ خوش قسمت ہو گا وہ علاقہ اور خوش نصیب ہوں گے وہ لوگ جہاں ـــ یہ سمجھ پیدا ہو جائے گی۔

سلمان : میاں گڈریئے تم جو ایسی دانش کی باتیں کرتے ہو.... اور.... اس قدر اُونچے....

گڈریا : میں تو جی بھیڑ بکریاں چراتا ہوں.... اور جی ـــ بس۔ انہی....

سلمان : یہ بتایئے کہ آپ بکریاں کیوں چراتے ہیں ـــ جبکہ آپ....

گڈریا : بکریاں چرانا انبیاء کی سنّت ہے صاحب جی۔

سلمان : لیکن اس پیشے کا فائدہ؟

گڈریا : دیکھیں جی جس کے قریب رہنے کی خواہش ہو ناں سر جی تو اس کی پسند کو ہمیشہ پسند کیا جاتا ہے۔ اور جس کی پسند کو پسند کر لیا جائے تو پھر اس کا قرب ضرور عطا ہو جاتا ہے۔

سلمان : کیا آپ چرواہوں کو کچھ بکریاں زیادہ عزیز ہوتی ہیں؟

گڈریا : جو بکریاں مالک کے قریب رہ کر چرتی چگتی ہیں وہ محفوظ رہتی ہیں۔ اور جو محفوظ رہنے کا طریق جانتا ہے وہ زیادہ عزیز ہوتا ہے۔

سلمان : تو پھر.... یعنی.... ایک اچھے ریوڑ میں کیا خوبیاں ہونی چاہئیں؟

گڈریا : ریوڑ وہی ہوتا ہے صاحب جی جس میں دونوں طرح کی بکریاں ہوں۔ ماننے والی اور نہ ماننے والی۔ یہ دونوں ہوں تو ایک اچھا ریوڑ بنتا ہے اور ایک اچھا ریوڑ ہی ایک اچھا گڈریا پیدا کر سکتا ہے۔

سلمان : اور گڈریا صاحب اگر انسان پڑھ لکھ کر برتری حاصل نہ کرے تو پھر کس طرح سے حاصل کرے۔

گڈریا : برتری حاصل کرنا تو ایک طرف صاحب جی، برتری حاصل کرنے کی خواہش بھی منع ہے۔ برتری ہمیشہ عطا ہوتی ہے، حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اور برتری صرف مخلص کو عطا ہوتی ہے، دوسرے کسی کو نہیں ـــ

سلمان : برتری حاصل نہ ہو تو پھر زندہ رہنے کا فائدہ! برتری کے بغیر لوگ خوش کس طرح سے رہ سکتے ہیں اور انہیں آسانی کیسے میسر آ سکتی ہے۔

گڈریا : لوگوں کی عزتِ نفس کو تکلیف دینے والے اور عوام کے وقار کو مجروح کرنے والے تمام ادارے ختم کر دیئے جائیں اور تکبر اور غرور کو قابلِ گرفت جرم قرار دے دیا جائے تو لوگوں کو آسانی میسر آ سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی طرح سے بھی مخلوقِ خدا کو آسائش نہیں دی جا سکتی۔

سلمان : کیا آپ واقعی ہم پڑھے لکھوں کو تکبر اور غرور میں مبتلا سمجھتے ہیں۔

گڈریا : وہ جی ـــ سر جی ـــ بات یہ ہے جی ۔ ۔ ۔ ۔ کہ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ خود اس کا ٹیسٹ نکال کر دیکھ لیں اپنے طور پر ۔ ۔ ۔ ۔ صبح آپ اسلام آباد پہنچ کر کسی بھی پڑھے لکھے ـــ تعلیم یافتہ شخص سے ہماری اس ملاقات کی بات کر کے دیکھ لیں اور اس سے ہماری گفتگو کا ذکر کر کے دیکھ لیں، وہ کبھی تسلیم ہی نہیں کرے گا کہ ایک بھیڑ بکریاں چرانے والا اس قسم کی باتیں کر سکتا ہے۔ کسی بھی تعلیم یافتہ آدمی کے پڑھے لکھے ہونے کا غرور کبھی مان ہی نہیں سکتا کہ ایک گڈریا یا اک جولاہا یا ایک پینڈو یا ایک ان پڑھ بھی اپنے تجربے سے بات کر سکتا ہے۔ وہ کہے گا یا تو آپ نے کوئی خواب دیکھا ہے یا آپ کے کان بجتے رہے ہیں ـــ اور فرعون نے اپنی قوم سے پکار کر کہا ۔ ۔ ۔ ۔ "بیشک میں اس شخص سے کہیں بہتر ہوں جو کچھ عزت نہیں رکھتا ـــ اور صاف

گفتگو بھی نہیں کر سکتا!"۔ تو جی فرعون عزت والے ان کو سمجھتا تھا جو کثرت سے مال رکھتے تھے اور قابل ان کو جانتا تھا جو صاف گفتگو کر سکتے تھے۔ فرعون کی نظر میں دو ہی چیزیں ارفع اور اعلیٰ تھیں، کثرت مال اور زور بیان۔ واہ جی واہ۔ (گویا اپنے آپ سے) اور فرعون نے اپنی قوم سے پکار کر کہا.... "بیشک میں اس شخص سے کہیں بہتر ہوں جو کچھ عزت نہیں رکھتا اور صاف گفتگو بھی نہیں کر سکتا"

.... سبحان اللہ

ڈرائیور : (آکر) چلیں سر — پھر دیر ہو جائے گی۔

سلمان : ہاں — ضرور (اٹھتا ہے)

گڈریا : (اُٹھ کر) چل بیٹا.... اُٹھ....

سلمان : دیکھئے آپ نہیں چلیں گے باہر۔

گڈریا : مہمان کو سواری کے پاس الوداع کہتا تو گھر والے کے لیے سب سے بڑا اعزاز ہوتا ہے صاحب جی۔ اور آپ تو خدائی مہمان ہیں۔

سلمان : مہمان کی خواہش پوری کرنا بھی میزبان کا فرض ہوتا ہے گڈریا صاحب — آپ باہر نہیں آئیں گے پلیز۔

گڈریا : (سر ہلاتے ہوئے) بہت بہتر — بہت بہتر — جیسے حکم ہو — جو حکم ہو۔ جاؤ بیٹا محمد صادق۔ صاحب جی کو موٹر تک چھوڑ کے آؤ — شاباش

سلمان : اچھا جناب (دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر) خدا حافظ

گڈریا : خدا حافظ — فی امان اللہ — اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔

سلمان : شکریہ — خدا حافظ

گڈریا : خدا حافظ —

(سلمان، صادق اور ڈرائیور چلے جاتے ہیں تو گڈریا اپنی چادر اُتار کر مسند پر رکھتا ہے۔ اپنی آستینیں چڑھاتا ہے گویا تہجد کے لیے وضو کرنے کی تیاری کرتا ہے۔ ادھر کٹ کرکے دکھاتے ہیں کہ سلمان صاحب موٹر میں بیٹھ چکے ہیں اور انھوں نے کھڑکی سے گردن نکالی ہوئی ہے اور وہ قریب کھڑے ہوئے صادق سے کہہ رہے ہیں۔)

سلمان : دیکھو تمہارے والد اپنی جگہ پر ٹھیک ہیں لیکن تم ایک ذہین اور شریف بچے ہو۔ تم کو اپنی زندگی بنانی چاہیئے۔

صادق : جی

سلمان : تم کو پڑھ لکھ کر ایک بڑا آدمی بننا چاہیئے اور اپنا مستقبل بنانا چاہیئے۔

صادق : جی

سلمان : اگر تم پسند کرو تو میں تم کو اپنے ساتھ اسلام آباد لے جا سکتا ہوں — وہاں تم کو کوارٹر بھی مل جائے گا اور تمہیں سکول میں بھی داخل کرا دیا جائے گا۔

صادق : (خوش ہو کر) سکول میں جی

سلمان : ہاں۔ اور تم کو وظیفہ بھی ملے گا — آؤ — آجاؤ — چلو میرے ساتھ۔

صادق : اور ابا — ؟

سلمان : ابا کو چھوڑو . . . . وہ تو اپنی بیوقوفی سے تمہاری زندگی بھی برباد کر دے گا — آؤ . . . . چلو میرے ساتھ۔ تم پڑھ لکھ کر ایک بڑے افسر بن جاؤ گے — ایک بڑے تاجر — ایک بڑے سیاست دان — ایک نامی گرامی شخصیت — آؤ — آؤ شاباش — حوصلہ کرو۔

صادق : (پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے) لیکن اگر ابا . . . .

سلمان : او چھوڑو یار ایسی پھٹی عقل کے دقیانوس اپنے کو — آؤ —

صادق : اچھا جی

(آہستہ آہستہ سلمان صاحب کے ساتھ سیٹ پر بیٹھ جاتا ہے اور سلمان صاحب اُسے "شاباش شاباش — گڈ بوائے — گڈ بوائے" کہتے رہتے ہیں۔ موٹر کا دروازہ بند ہوتا ہے اور موٹر سٹارٹ ہوتی ہے۔ تھوڑی دُور کے بعد جب ناظرین کو یقین ہو جائے کہ صادق گیا تو اچانک صادق کی آواز گونجتی ہے۔)

صادق : روکو — روکو — ٹھہرو

سلمان : کیوں کیوں — کیا بات ہے بیٹا؟

(موٹر رکتی ہے۔)

صادق : مجھے اُتر جانے دو۔ مجھے جانے دو، جانے دو۔

سلمان : لیکن کیوں؟

صادق : میرا ابا اکیلا ہے۔ میرا بابا — صاحب جی میں اس کے ریوڑ کی نہ ماننے والی بکری نہیں بن سکتا۔ ... نہیں بن سکتا ....

(بجلی کی تیزی سے موٹر سے نکلتا ہے اور بھاگتے ہوئے کہہ رہا ہے — آف کیمرہ)

میں آگیا بابا .... میں آگیا — میں نافرمان بکری نہیں ہوں بابا۔ میں نافرمان نہیں ہوں — میں آگیا۔ واپس آگیا۔ بابا — بابا — بابا .... بابا —

(سلمان صاحب اور ان کا ڈرائیور حیرت سے صادق کو بھاگتے دیکھ رہے ہیں، جس کی صرف آواز سنائی دے رہی ہے۔)



آخری بات

یہ ڈرامے اور ان سے پہلے لکھے جانے والے ڈرامے میرے اس طویل سفر کی نشانیاں ہیں جو میں نے تمثیل کی دنیا میں ایک لمبی مسافت طے کرنے کے دوران چھوڑی ہیں۔ اس لمبی مسافت کی ایک بڑی وجہ تو میری پیشہ ورانہ ڈیوٹی تھی جو مجھے ریڈیو پر ایک ڈرامہ نگار کی حیثیت سے ادا کرنی پڑتی تھی اور دوسری' تقریباً اتنی ہی بڑی وجہ میرے اندر کا شوق تھا جس نے مجھے بچپن سے میلوں ٹھیلوں' کھیل اکھاڑوں' تکیوں بیٹھکوں اور عرسوں قوالیوں کا رسیا بنا رکھا تھا اس "بری" صحبت نے مجھے کہانی / پلاٹ سے دور کر کے کردار' ماحول' منظر مورت کوک فریاد' پکار' تکرار' روشنی سائے' گونج سکوت' خوشی موت اور بانگ منادی کے دائرے میں ڈال دیا۔ کوئی اتفاق کوئی وقوعہ کوئی خبر مجھے اس قدر متاثر نہیں کرتی جس قدر خبر سنانے والے کا وجود' اس کا انداز' ارتعاش اور اظہار کرتا ہے۔ مجھے کرامت متاثر نہیں کرتی' کرامت والا کرتا ہے۔ کرشمہ متوجہ نہیں کرتا کرشمہ ساز کرتا ہے۔ قانون نہیں قانون ساز کرتا ہے' کہانی کبھی میری دامن گیر نہیں ہوئی اس کے کردار البتہ گھیراؤ کر لیتے ہیں۔ میں آنکھ سے ڈرامہ نہیں دیکھتا کان سے "دیکھتا" ہوں۔ کان سے سوچتا اور کان سے محسوس کرتا ہوں۔ جب تک کوئی بات نہ کرے' بولے نہیں' سخن نہ کرے' سرگوشی نہ ہو' مجھے بات سمجھ ہی نہیں آتی۔ میرا تخیل چھوٹا' علم محدود اور مطالعہ بہت ہی کم ہے۔ میں گفتاری' دہانی اور شفاہی عہد کا بندہ ہوں۔ فورم کے فرمان کا خوشہ چیں' برگد تلے کی بات کا رسیا' فاران سے اٹھنے والی آواز کا بردا' فرمانے والوں کا غلام اور کہنے والوں کا چاکر۔

میری اس سے پہلے کی ایک سیریز "ایک محبت سو افسانے" جو "ایک محبت سو ڈرامے" کے نام سے شائع ہو چکی ہے کا ہر ڈرامہ محبت کے موضوع سے بندھا ہوا تھا اور ان ڈراموں میں محبت کے مختلف روپ دکھائے گئے تھے۔ وہ ڈرامے اپنے زمانے میں کافی پسند کئے گئے اور دیکھنے والوں نے انہیں بڑے شوق سے دیکھا۔ اب بھی جب کبھی ان کا ذکر ہوتا ہے تو بڑے محبت بھرے انداز میں ہوتا ہے۔ لوگوں نے پی ٹی وی کے خوشگوار ماضی کے افکار میں ایک گوشہ ان کے لئے بھی مخصوص کر رکھا ہے۔

"ایک محبت سو افسانے" نک سک سے درست ڈرامہ نگاری کے بنیادی اصولوں کو سامنے رکھ کر تحریر کئے گئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب میں ریڈیائی ڈرامے سے رخصت لے کر ٹی وی کے تقاضوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا اور ڈرامہ نویسی کے مطالبوں کو "کتاب" کے مطابق پورا کر رہا تھا۔ کالج کے زمانے میں ہم نے استادوں سے ڈرامے کی یہ تعریف سنی تھی کہ ڈرامہ ایک ایسی داستان ہوتی ہے جو تماشائیوں کے سامنے بلاواسطہ طور پر پیش کی جائے اور جس کے سارے واقعات کو الگ بھگ اسی روپ میں اجاگر کیا جائے جس تسلسل اور ترادف میں وہ رونما ہوتے تھے۔ ڈرامہ اصناف ادب میں سب سے زیادہ زندگی مانند ہوتا ہے یا واقعیت کی فارم رکھتا ہے۔ یہ کرداروں کی حرکات' ان کی گفتگو' بدن بولی کے بھاؤ اور منظر کی شبیہ میں محفوظ رہتا ہے اور چونکہ اس صنف کا تعلق بلاواسطہ طور پر انسانی گروہ سے ہوتا ہے' ایسے انسانی

گروہ سے جو بالکل ہی نظر کے سامنے ہو اور جو اس صنف ادب کے منظر سے فروزاں ہو جائے یا بجھ جائے لیکن رہے نظر کے سامنے' چنانچہ اس موجودگی کی بنا پر ڈرامہ آرٹ کی سب سے زیادہ سوشل صنف ٹھہرتی ہے۔ میں نے اپنے طور پر اور کچھ مغربی ڈرامہ نگاروں کے تتبع میں' اپنے ڈراموں میں فلسفے بگھار کر یہ دیکھا کہ ڈرامے میں خیال کی گہرائی سے مراقبے کا سا سکوت پیدا نہیں ہوتا بلکہ خیال کا کاروان چلتا ہی جاتا ہے۔ اس میں سوچ کی بریک نہیں لگتی۔ حرکت کا ایکسیلیٹر مسلسل دبا رہتا ہے اور اس میں زندگی کی سی حرکت جاری اور ساری رہتی ہے۔

یہ ٹھیک ہے کل کا تھیٹر او جھل ہو گیا۔ سوانگ' ناٹک' سماپت ہوا' راس دھارئیے ختم ہو گئے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تھیٹر ختم ہو گیا یا ناٹک مر گیا بالکل نہیں۔ وہ اپنی اس رفتار پر چلا جا رہا ہے اور اسی رفتار پر چلتا رہے گا۔ وہ تھیٹر جو اپنے ڈرامائی روپ کا جلوہ دکھانے کو پہلے چند سو لوگوں کے سامنے آتا تھا اب ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں تماشائیوں کے سامنے جلوہ گر ہو رہا ہے۔ ڈرامہ مرتا نہیں' نہ ہی پرانا ہوتا ہے اور نہ ہی باسی ہو کے چھان بورے کی کنستر میں جاتا ہے۔ یہ اپنی شکل تبدیل کرتا رہتا ہے' چھوٹے بڑے انقلابوں سے گزرتا رہتا ہے اور اس میں نت نئی تبدیلیاں وارد ہوتی رہتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں ڈرامہ بنیادی طور پر اپنی ہیئت تبدیل کرتا رہتا ہے اور اس کے اندر کی "ترٌ" باہر کے دباؤ کے مطابق اپنی جگہیں متعین کرتی رہتی ہے۔ ڈرامہ وہی رہتا ہے اس کی قوت کے تکئے اور تاکید میں البتہ تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ سہارے ضرور بدل جاتے ہیں!

"ایک محبت سو افسانے" لکھ چکنے کے بعد میرے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا کہ میں نے یہ سب کچھ کیوں کیا اور کس لئے کیا۔ کیا میں Farce لکھ رہا تھا۔ کیا میلو ڈراما تحریر کر رہا تھا یا یہ ڈرامے ٹریجڈی تھے' کامیڈی کے ذیل میں آتے تھے' یہ سب کیا تھے۔ ان کا مقصد زندگی سے فرار تھا یا ان کے ذریعے کوئی عظیم سبق دیا جا رہا تھا۔ کیا یہ صرف کمرشل کھیل تھے یا ان میں فن کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ کیا اداکار میرے ان ڈراموں میں صرف توصیف شخصیت کرتے تھے یا اپنے وجود سے کردار پر تنقید و تبصرہ بھی کرتے تھے۔ ان ڈراموں کی پیش کش کا مجموعی مقصد کیا تھا۔ کیا یہ اتنا سارا سیڑنا مفید بھی تھا؟ سودمند اور کار آمد بھی تھا؟ کہ ایسے ہی تالی بجوا کر خوش ہوتے رہے۔ کیا کہیں ایک اینٹ کا اضافہ بھی کیا یا یونہی جیسے گئے تھے لوٹ کے ویسے ہی آ گئے تھے!

اتنے سارے سوالوں کا جواب میری کوشش کے باوصف تسلی بخش صورت میں برآمد نہ ہوا تو میں نے چند نئے ڈرامے لکھ کر انھیں "اور ڈرامے" کا نام دیا اور ایک نئے سلسلے کی بنیاد ڈالی۔ "اور" سے میری مراد "مزید" نہ تھی بلکہ "طرز نو" سے تھی۔ ان ڈراموں میں کچھ اور ہی بات کا ڈول ڈالا گیا ہے اور طے شدہ جانی پہچانی روش سے ہٹ کر بات کی گئی ہے۔ اس سلسلے کا پہلا ڈرامہ "درد اور درماں" اردو پریس کی گرفت میں تو نہ آیا البتہ انگریزی اخباروں نے اس کے موضوع پر خصوصی توجہ دی۔ خاص طور پر "پاکستان ٹائمز" کے نقاد نے اس کی بہت تعریف کی کہ اپنے قومی' ملی اور ملکی عارضوں کا علاج ہمیں باہر سے نہیں ملے گا اور اپنی بیماریوں' بے چارگیوں اور کوتاہیوں کی طرف ہمیں خود ہی توجہ دینا پڑے گی اور ان کا درماں آپ ہی کرنا ہو گا۔

پہلے ڈرامے کا بڑے سبھاؤ کے ساتھ استقبال ہوا' لیکن اگلے ڈرامے پر کچھ رکاوٹیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

لوگ ایسے موضوعات کو دیکھنے کے عادی نہیں تھے۔ انہیں صرف چار موضوعات سے لطف اندوز ہونے کی پریکٹس تھی۔ (1) یتیم کے آنسو (2) بیوہ کی عید (3) محبت کی فتح اور (4) زمیندار کا ظلم۔ اس سے آگے ان کی تربیت ہی نہ ہو سکی تھی۔ کیا پڑھے لکھے کیا ان پڑھ' کیا مخلص کیا متفنی' کیا محبوب' کیا متکبر سبھی ان چار موضوعات کی ریشہ دار جڑوں سے بندھے ہوئے تھے اور ان سے دامن نہ چھڑا سکتے تھے۔ میں نے حماقت یہ کی کہ "اور ڈرامے" میں ان موضوعات سے باہر نکل گیا اور پھر باہر ہی نکلتا چلا گیا۔ اگر میں کچھ پیش پا افتادہ موضوعات بھی ساتھ رکھتا تو دیکھنے والوں کو اتنی مشکل نہ پڑتی۔

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ادب کے سارے اصناف میں ڈرامہ اکیلا ہی تغیر پذیر صنف کے ذیل میں آتا ہے کہ اس میں ہر آن تبدیلی ہوتی رہتی ہے کیونکہ اس کا تانا "میں"' "آپ" اور "وہ" کے درمیان تنا رہتا ہے۔ "وہ" کہتے ہیں کہ ہم ایسا ڈرامہ دیکھنے کے خواہشمند ہیں جو دل خوش کر دے اور روح راضی کر دے' ساتھ ہی اچھا گیان دے' کسی اکھان کا بھید بھاؤ معلوم کرائے لیکن یہ سب کچھ عام' سیدھے اور واضح لفظوں میں ہو' قابل فہم جملوں کے اندر بند ہو' بات نکل کر سامنے آئے اور ہم کو اپنے دماغ پر بوجھ ڈالنا نہ پڑے' فقرے سے فقرہ ایسے ٹکرائے جیسے پنوں کا مینڈھا ٹکر مارتا ہے اور کامک حصہ ایسے لہرائے جیسے جھانجھر جھنجھناتی ہے۔ ایسا کرو گے تو داد ملے گی' پھولوں کے گجرے نچھاور ہوں گے' تالی بجے گی اور جو اس کے خلاف ہوا تو جان بچانی مشکل ہو جائے گی۔ لکھنے والے کو بھی' کہنے والوں کو بھی اور یہ سارا ڈھنڈار کھڑا کرنے والوں کو بھی۔

"میں" پوچھتا ہے میں اپنی بات بھی کر سکتا ہوں اور کر کے توجہ حاصل کر سکتا ہوں! "آپ" کہتے ہیں جو ہم سمجھتے ہیں بس وہی بات کی جائے اور سوچ کے مقام پر صحافیانہ روش اختیار کی جائے۔ جن لوگوں نے بے حد مقبول شاعری کر کے بے پناہ داد حاصل کی ہے ان کا انداز ڈرامہ کا نشان راہ بنایا جائے اور اخباری سوچ کو عام کیا جائے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ دنیا کے عظیم ترین تمثیل نگاروں کو بھی اپنا تصور عرش پر رکھنے کے باوجود اپنے پاؤں ہر حال میں زمین پر ہی رکھنے پڑتے ہیں۔ وہ لوگوں کے واہیات ٹیسٹ اور سوقیانہ مزاج پر بڑے کڑھتے ہیں' جلتے ہیں' اعتراض کرتے ہیں پھر بھی ان کے ٹیسٹ کا خیال ضرور رکھتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ واہیات ٹیسٹ رکھنے والے لوگ اللہ کے بنائے انسان ہوتے ہیں اور ان کا ذوق بالکل انسانوں جیسا ہوتا ہے۔ شاعری اکثر جلا کر اور بھنا کر ایسے انسانوں سے قطع تعلق کر لیتی ہے اور گھٹیا ذوق والوں کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے' پھر کچھ عرصہ کے بعد بانجھ ہو جاتی ہے اور یوں یہ کوکھ جلی کسی کونے میں پڑی پڑی ایک طویل عرصہ گزار دیتی ہے۔ لیکن ڈرامے میں اس طرح سے نہیں ہوتا۔ ڈرامے میں اس طرح سے کیا ہی نہیں جاتا۔ اس کی باروری ہوتی ہی رہتی ہے اور اس کے اندر طراوتیں اترتی رہتی ہیں۔ کچھ تمثیل نگار گھٹیا ذوق کی چیزیں لکھ کر اس صنف کو مسلسل زندگی عطا کرتے چلے جاتے ہیں۔

"اور ڈرامے" ہر ہفتے ایک نیا موضوع لے کر ٹی وی سکرین پر جلوہ گر ہوتے رہے اور ناظرین کو شدت سے اپنی طرف متوجہ کرتے رہے۔ شدت سے اس لئے کہ نت نئے موضوعات ناظرین کی توجہ اپنی جانب کھینچتے بھی تھے اور انہیں غصہ بھی دلاتے تھے کہ ایک ہی شخص اتنے سارے رنگا رنگ موضوعات لے کر ہم پر رعب ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے اور اپنا آپ ہم پر مسلط کر کے دھونس دھاندلی کا شرمناک

مظاہرہ کر رہا ہے۔ ناظرین کی جھلاہٹ کی ایک وجہ اس کے سیریز ہونے میں بھی مضمر تھی۔ سیریل بڑی نفیس' شریف اور نیک بخت سی چیز ہوتی ہے۔ اس کا ناظر سے نہ تو جھگڑا ہوتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کا ٹکراؤ ایک لمبی سی کہانی نئے نئے واقعات کے سہارے یوں چلی جاتی ہے جیسے مداری کے منہ سے فیتہ نکل رہا ہو۔ کہیں کہیں ناظر کو البتہ اختلاف ضرور پیدا ہو جاتا ہے جب ایک شوخ و شنگ لڑکی کی شادی کا ایک احمق اور گھامڑ کردار سے آنکڑا ملا دیا جائے اور مصنف اپنے محوِ مستغرق معاشرے کے لئے دھمکی بن جائے لیکن سیریل کا کوئی مصنف ایسے کرتا نہیں' بس غچہ سا دے کر واپس لوگوں کی پسندیدہ ڈگر پر آجاتا ہے اور ساری کہانی کا انجام اور اختتام دیکھنے والوں کی مرضی کے مطابق کرتا ہے۔ "اور ڈرامے" میں چونکہ ایسی بات نہیں تھی اس لئے نقاد ان سے سخت نالاں تھے اور ہر ہفتے مجھے بڑی شدت سے کوٹتے پیٹتے تھے۔ ان کا بیشتر غصہ اس بات کا تھا کہ جب ہماری دنیا میں طے شدہ اور تسلیم شدہ مبتذل کلیے اور کلیشے موجود ہیں' پھر اشفاق ان سے منہ موڑ کر اپنی بڑ کیوں ہانک رہا ہے اور اپنی سوچ کی باتیں کس لئے کر رہا ہے' کیوں کر رہا ہے اور کس سے کر رہا ہے اور کس نے اس کو حق دیا ہے کہ یہ اپنی ٹیڑھی ترچھی' بیمار' رجعت پسند' کرم خوردہ' نامعقول اور لغو سوچ کو ٹی وی کے ذریعے ہمارے اور ہمارے بچوں کے صحت مند ذہنوں پر وارد کرے۔ اس کا مواخذہ ہونا چاہئے۔

مواخذے کے اعلان سے میں تو ڈر گیا لیکن ٹی وی کے تماشائیوں میں سے ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی بھی نکل آئی جنہوں نے ایڈیٹر کے نام اپنے خیالات کی ڈاک بٹھا دی اور میرا کیس اس طرح لڑا کہ خود میں بھی اپنے حق میں ایسی دلیلیں نہ دے سکتا تھا۔ انہوں نے "اور ڈرامے" کی سیریز سے ایسی ایسی باریک باتیں ڈھونڈھ کر میری پشت پناہی کی کہ میں حیران رہ گیا۔ ایسے خطوں کی اشاعت کے بعد میرا حوصلہ کچھ بلند ہوا تو میرے نقادوں نے ایک بہت ہی اعلیٰ درجے کا سلوگن چلا کر ان ڈراموں کا پتہ ایک اور زاویئے سے کاٹنا شروع کر دیا۔ فرمانے لگے "ڈرامہ تو شاید اچھا تھا لیکن ہمارے سر پر سے گزر گیا اور پتہ نہیں چل سکا کہ اشفاق صاحب کہنا کیا چاہتے ہیں؟" اخبار کی بات میں ماشاء اللہ اتنا زور ہوتا ہے کہ کوئی شے اس کے آگے ٹھہر نہیں سکتی۔ حتیٰ کہ سچ بھی اس کے آگے سے دم دبا کر بھاگ جاتا ہے۔ اب جہاں بھی میں جاتا تھا' جو خط بھی کھولتا تھا' جس سے بھی ملتا تھا' ایک ہی خوشخبری سنائی دیتی تھی کہ جناب رات کا ڈرامہ تو اچھا تھا لیکن ہمارے سر پر سے گزر گیا' کچھ سمجھ نہیں آیا کہ آپ کہنا کیا چاہتے تھے۔"

اب میرا منہ تو چھوٹا ہے اور اس میں سے ایک بڑی بات نکل رہی ہے لیکن میں کیا کروں کہ یہ بات رکتی نہیں ہے کہ جی بی شا کے ساتھ بھی یہی میرے والی ہوتی تھی۔ اس کے ڈراموں پر بھی ایسی ہی تنقید ہوا کرتی تھی اور وہ بھی اسی طرح سے بھنایا کرتا تھا۔ اس کے جتنے بھی ڈرامے شائع ہوئے ہیں' ہر ایک کے ساتھ ایک مبسوط و مضبوط دیباچہ بندھا ہے جس میں شا نے اپنے ہر ڈرامے کی غرض و غایت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے خاص انداز میں نقادوں اور مبصروں کی فکر کا خاکہ بھی اڑاتا ہے اور ان کو چھوٹے چھوٹے سٹول اور ڈگڈگیاں فراہم کر کے ان کے قد بھی اونچے کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اس کے ڈرامے ان کے سر پر سے گزر نہ سکیں اور وہ ان پر غور کرنے کے قابل ہو جائیں۔

میں اپنے ہر ڈرامے کے ساتھ ایک توضیحی یا تشریحی مضمون لکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور نہ ہی اس کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ مجھ سے تو یہ چند سطریں بھی بڑی مشکل سے لکھی گئی ہیں میری آرزو فقط اتنی

ہے کہ یہاں اصل ڈرامے کی صحیح بنیاد قائم ہو اور اسے دیکھنے والوں کی اس تمنائی طلب سے دور رکھا جائے کہ "عوام جو مانگتے ہیں اور جس سے ان کا دل خوش ہوتا ہے وہی کچھ ان کو فراہم کیا جائے۔" جس طرح اب تک فلم والوں نے عوام کی پسند کا سامان بہم کیا ہے اور ان کو خوش کرکے رکھا ہے۔ رائٹر ایسا نہیں کر سکتا۔ وہ قارئین اور ناظرین کی خواہش پوری کرنے کے لئے نہیں ہوتا اپنا مشاہدہ اور اپنی سوچ پیش کرتا ہے جس طرح ایک ڈاکٹر ذیابیطس کے مریض کی خواہش کے مطابق اس کی خوراک طے نہیں کرتا بلکہ اپنے علم سے اس کی خوفناک خواہش کا راستہ روکتا ہے یہی کچھ مصنف کرتا ہے!

سچی بات تو یہ ہے کہ فن کار کی جمال پر اور آرٹ پر جان نکلتی ہے۔ زمانہ کتنا بھی ستم کار، خون آشام اور جرائم پسند کیوں نہ ہو جائے اور قصہ گو بظاہر کتنی بھی خونچکاں کہانیاں کیوں نہ سناتا رہے کہ لوگ ایسی داستانوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں، لیکن وہ حقیقت میں اندر سے راضی نہیں ہوتا۔ اس کے اندر کا فنکار اور اس کی روح کا کوزہ گر حسن و جمال ار محبت کے چاک کو چھوڑ کر الگ نہیں ہو سکتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ فنکار کسی وقتی مجبوری کے تحت کوئی وقتی فیصلہ کرلے، لیکن وہ حسن ازل کے ساتھ وابستہ رہنے پر مجبور ہے کہ اسی مجبوری نے اسے تخلیق کا جوہر عطا کر رکھا ہے۔

ہماری اس بھری پڑی دنیا میں سارے آرٹ کی اور کمال فن کی تمام تر بنیاد مذہب پر قائم ہے۔ اس وقت کرہ ارض پر آرٹ کے جتنے بھی مظاہر ہیں وہ سارے کے سارے مذہب کے ارمغان ہیں۔ کلیساؤں میں دیواری تصویریں، سقفی مرقع، روغنی پیکر نگاری، مندروں اور معبدوں میں رقص، درگاہوں پر دھمال، مسجدوں کے فن تعمیر کی انمٹ تحریر، قوالوں، قاریوں، بھجن گائیکوں، امرداسیوں، کلیسائی موسیقاروں کے سازوں کی گونج پکار اور ان کے لحنوں کے امواج و اہتزاز، یہ سارے مظاہر یہ حسن و جمال کی نمود اور باز نمود یہ سب مذہب کے عطا کردہ ابریز ہیں جنہیں دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انسان صرف بنیادی ضرورتوں اور اقتصادی تنگیوں کو دور کرنے کے لئے ہی زندہ نہیں رہا بلکہ ان کے علاوہ بھی ہنسی خوشی زندگی کا دم بھرتا رہا بلکہ کبھی کبھی تو زندگی کی محافظت اور اپنی بقاء کو بھلا کر بھی کسی اعلیٰ مقصد کے لئے اپنی زندگی کا بلیدان بھی دیتا رہا۔ ساتھ ساتھ وہ اپنے وجود اور اپنے ہونے کا راز دریافت کرنے میں بھی جمال کی ارفع منزل کی طرف گامزن رہا۔ اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔

"اور ڈرامے" کی سیریز کے بعد میرا جی چاہتا ہے کہ اب میں کوئی سیریز (یا سیریل) ایسا بھی لکھوں جس کا ہیرو، سیاسیات، عمرانیات اور اقتصادیات وغیرہ کے عقائد و الہام کو بشمول اس "حقیقت متعارفہ" کے کہ "اگر انسانیت کو معیشت کے وافر ذرائع میسر ہوں تو اس کی راہ میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی" بڑے ادب سے کفن پہنا کر عقیدت کی گہری قبر میں دفن کردے اور اپنے آپ سے پوچھے کہ "سچ کیا ہے؟" "خدا کون ہے؟" اور بے شمار سوالوں سے بھری ہوئی اس آباد دنیا میں "میں کون ہوں؟" کیا میرا اپنا بھی کوئی وجود ہے یا صرف میرا ماحول ہی میری شناخت ہے اور میں کچھ بھی نہیں یہ اور اس قسم کی اور بہت سی باتیں جو ادب اور ڈرامے کا خاص موضوع ہیں —— لیکن پتہ نہیں وہ وقت کب آئے گا اور کیونکر آسکے گا کہ عہد موجود کا قاری اور تماشائی سوچنے والے ہیرو کو پسند نہیں کرتا "کرگزر" اور "کام دکھا" قسم کے ہیرو کو پسند کرتا ہے جو اصل میں ولن ہی کا دوسرا روپ ہوتا ہے۔

"اور ڈرامے" اب مطبوعہ صورت میں آپ کے سامنے ہیں۔ انہیں پڑھئے اور ان پر

غور فرمایئے۔ میرے خیالات، تصورات اور میرے تجویز کردہ علاج پر نہ جایئے بلکہ ان مباحث اور موضوعات پر توجہ فرمایئے، جنہیں اب تک قابل توجہ نہیں سمجھا گیا اور جن پر آپ کے تفکر اور تدبر کی اشد ضرورت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں بھی اندر سے آپ کی طرح سے روایت زدہ اور اصنام پرست ہوں اور کلیشے کو پوج پاج لیتا ہوں لیکن کوئی کوئی مورتی ایسی بھی ہوتی ہے کہ اسے شٹ کرنے پر طبیعت خود بخود مائل ہونے لگتی ہے۔ پھر ہاتھ روکنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ خواہ مورتی اپنی ہم رنگ ہی کیوں نہ ہوا

بانو قدسیہ

ناول — راجہ گدھ
افسانے — توجہ کی طالب
〃 ناقابلِ ذکر
〃 پہار چمن
〃 آتش زیر پا
〃 باز گشت
〃 اور کچھ نہیں
〃 امر بیل
ڈرامے — آدھی بات

اشفاق احمد

افسانے — پھلکاری
〃 ایک محبّت سو افسانے
〃 اُجلے پھول
سفرنامہ سفر در سفر
ڈرامے — توتا کہانی
〃 ایک محبت سو ڈرامے
〃 ...... اور ڈرامے
شاعری — کھٹیا وٹیا (پنجابی)

ISBN - 969 - 35 - 0092 - X